TIGHT BINDING BOOK

UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222844
UNIVERSAL
LIBRARY

Osmania University

Call No.

Accession No.

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

رجسٹرڈ نمبر اے ۳۱

دلگداز

اردو کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ

بہ مربی گری

مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر

و بہ ہدایت

مولوی محمد صدیق حسن صاحب ایڈیٹر

خاکسار

محمد سراج الحق حکیم منیجر و پرنٹر و پبلشر

دلگداز پریس میں چھاپکر لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خاں سے شایع کیا

سخن سنج! سخن سنج!! سخن سنج

یہ ماہواری رسالہ جنوری ۱۹۱۰ء سے جاری ہے حجم ۲ جزو ہے مضامین نظم و نثر دونوں قسم کے ہوتے ہیں۔ حصۂ نثر میں مسلمان فاتحان ہند کی مختصر تاریخ اور حصہ نظم میں مشاہیر شعرا کی منتخب غزلیں مشہور نظمیں۔ قیمت سالانہ مع محصولڈاک رؤسا سے انکی فیاضی کے مطابق اور عوام سے فقط ... نمونے کے واسطے ۱۰؍ کے ٹکٹ آنا ضروری ہیں۔ ویلیو نہیں روانہ ہوتا۔

مینیجر سخن سنج کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ۔

کارخانہ روض الریاحین لکھنؤ کا اعلیٰ عطر

(آپ ایک دفعہ آزما کے تو دیکھیں)

عطر کے لیے لکھنؤ مشہور ہے مگر افسوس ہے کہ جو عطر ہے وہ باہر والوں کو نہیں ملتا کیونکہ کمین اس کی دوانگی ... کے ہاتھ ہے اور انکے دخل فضل کا خمیازہ ان ہی غریبوں کو اٹھانا پڑتا ہے جو باہر سے منگوانے اور بے دیکھے خریدنے پر مجبور ہیں اور بعض اشتہار دینے والوں کی یہ حالت ہے کہ روپیہ کا مال دو کو اور کبھی چار کو بھیجدیتے ہیں یہ حالت دیکھکے ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ باہر کے جو صاحب طلب فرمائیں ان کے لیے معتبر اور مستند کارخانوں کے عطر اعلیٰ درجے کے تیل وغیرہ خاص طور پر اہتمام کر کے مال بخوبی جانچ کے اور بکفایت خرید کر کے روانہ کریں جیسا بہت اچھا اور قابل اطمینان انتظام کیا گیا ہے۔ عطر کے شایق ایک بار امتحاناً منگوا کر ہمارے ذریعہ سے انھیں کیسا اچھا عطر اور کن داموں کو ملتا ہے۔

عطروں کی فہرست حسب ذیل ہے

عطر حنا فی تولہ [illegible]	عطر بانڑی فی تولہ [illegible]	عطر عروس فی تولہ [illegible]	عطر چھک پری فی تولہ
״ موتیا [illegible]	عطر بیلا [illegible]	״ برگ حنا ״ [illegible]	روح گلاب اصلی ״ [illegible]
چنبیلی [illegible]	عطر مشی ״ [illegible]	״ مجموعہ [illegible]	״ خس اصلی ״ [illegible]
کیوڑہ [illegible]	״ اصت روح [illegible]	״ سہاگ [illegible]	״ بانڑی [illegible]
״ خس [illegible]	״ جوہی [illegible]	عطر اگر عرقی ״ [illegible]	عطر ناگیسر اصلی ״ [illegible]
فتنہ [illegible]	״ گلاب [illegible]	״ اگر [illegible]	مخلوط عنبری ״
چمپا [illegible]	״ سنگترہ ״ [illegible]	پھنانہ ״ [illegible]	صد برگ ״ [illegible]
״ مولسری [illegible]	״ سیوتی ״ [illegible]	״ مخلوط آصفی ״ [illegible]	

خوشبودار تیلوں کی فہرست ملاحظہ ہو

روغن چنبیلی فی سیر [illegible]	روغن ... فی سیر [illegible]	روغن کیوڑہ فی سیر [illegible]	روغن حنائی فی سیر [illegible]

اعلیٰ درجے کا خوشبودار بامزہ خوردنی تنباکو

نادو تمباکو مشکی فی سیر [illegible]	قوام تنباکو مشکی فی تولہ [illegible]	گولیاں تنباکو مشکی طلائی فی تولہ
״ زعفرانی ״ [illegible]	״ زعفرانی ״ ۴؍ ۲؍	״ نقرئی ״ ۱۰؍ [illegible]

نوٹ: درخواست آنے پر ویلیو ایبل روانہ ہوگا بار دانہ و مصارف ڈاک ذمہ خریدار

آپکا خادم محمد سراج الحق مینیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

CHECKED 1956
1951
1962
Checked 1969.

سنہ ۱۹۱۳ع کا آغاز

دسمبر سنہ ۱۹۱۲ع گزر گیا اور ہم زندہ ہیں - فاروق مرحوم جن کی زندگی سے ہمیں
ہمیں دلگداز کو بڑی بڑی امیدیں تھیں سال مذکور کے ماہ فروری میں دنیا سے
رخصت ہوگئے مگر ہم اُن کی مفارقت کا صدمہ برداشت کرنے کے لیے عالم میں موجود
ہیں اور سنہ ۱۹۱۳ع کا خیر مقدم ادا کر رہے ہیں - مرنا جینا کوئی غیر معمولی چیز نہیں - سب ہی کے
لیے ہے - دنیا کا کارخانہ ہی یہ ہے کہ ہستی کے ساتھ موت اور موت کے ساتھ ہستی ہے
یہ تو لازمی ہیں [illegible] - مگر افسوس اس بات کا ہے کہ ہم دنیا کی اور
تمام چیزوں کی طرح انھیں کیوں نہیں ہیں - سارا عالم اسی نظام کی وجہ سے ہے -
نہ ہمیں رنج و غم کا احساس ہوتا نہ مصیبت شکایت زبان پر آتی نہ چوٹ سے دکھ معلوم ہوتا اور نہ یہ
[illegible] دنیا باغ ہوتی - شجر حجر اور دنیا کی لاکھوں کروڑوں چیزیں محض اپنی بے حسی کی برکت سے
کس لطف و آرام اور کیسی بےفکری کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہیں - آفات و حوادث سے
انھیں بھی سابقہ پڑتا ہے - لیکن [illegible] انھیں کچھ بھی ضرر نہیں پہنچاتا - بجلیاں اُن
پر بھی گرتی ہیں - پتھر اُن پر بھی پڑتے ہیں - بادِ مخالف انھیں بھی اکھاڑ کے پھینکتی ہے
دنیاوی حوادث انھیں بھی بہا لے جاتی ہے - غرض کون آفت ہے جو اُن کے سر نہیں
آتی - اور کونسی مصیبت ہے جس سے انھیں سابقہ نہیں پڑتا مگر بے حسی ایک ایسی
[illegible] جس کے باعث انھیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے -

اور کوئی ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے - یہان سے اُٹھا کے وہان پھینک دو اُنھین خبر نہین - پاؤن سے ٹھوکر مارو اُنھین پروا نہین - خدا بھلا کرے بےحسی کا کہ یہ تمام آفتین جھیل جاتی ہین اور زبان سے آہ نہین نکلتی - اور ایک ہم ہین کہ کمبخت حس کی بدولت ادنے ادنے چوٹ پر روتے - اور ذرا ذرا سی تکلیفون پر واویلا و وامصیبتا کا شور مچا دیتے ہین - خداوندا ! اگر غم ہی دنیا ہے تو بےحس بنا - اگر قسمت مین یہی لکھ دیا ہے کہ ستائے جائین تو پتھر کا دل بھی دے جس پر کسی بات کا اثر ہی نہ ہو - کیا فائدہ کہ تو نے اپنی کسی مصلحت سے ہمین مبتلاے آلام کیا اور ہماری زبان سے شکایت نکل گئی - ایذا بھی اور ہم صبر نہ کر سکے -

مگر نہین یہ حس جس کا ہم دکھڑا رو رہے ہین بالکل بُری ہی نہین - دلِ صد چاک پر جو سخت سے سخت چوٹین کھائی ہین اُن سے متاثر ہو کے ہم شکایت کرنے لگے ورنہ یہی ایک بڑی بھاری رحمت و نعمت بھی ہے - اسی حس سے جس طرح تکلیفین پہونچتی ہین اُسی طرح اس سے راحت مین مزہ بھی آتا ہے کیسی کیسی لذتون سے ہم بہرہ یاب ہوتے ہین ؟ اور عالم کی دلچسپیون سے کیسے کیسے لطف اٹھاتے ہین ؟ مانا کہ بعض غم ایسے ہوتے ہین جو ساری لذتون اور مسرتون کو خاک مین ملا دیتے ہین - مگر اُن کے مقابل بعض مسرتین بھی ایسی ہین جو سارے المون کو ایک دم بھر مین نسیاً منسیاً کر دیا کرتی ہین

بیشک ہم فاروق مرحوم کے غم مین مبتلا ہو کے ایسے مغموم ہوے کہ اپنے فرائض کو بھول گئے - یہان تک کہ دلگداز کو بھی نہ سنبھال سکے - اُن کی بیماری و صحت کی فکر اور تگ و دو سے جو بدنظمی دلگداز کی اشاعت مین پیدا ہو گئی تھی اُن کی وفات سے اور بڑھ گئی - چند پرچے نہایت مُردہ دلی سے ستم زدہ دل کو اُبھار اُبھار کے نکالے بھی تو بے مزہ تھے - یہان تک کہ سنہ ۱۹۱۲ء کے چھ نمبر نکلنے کے بعد دلگداز کی اشاعت کا سلسلہ ایسا رُکا کہ زمانے کو خیال ہوا شاید دلگداز نے بھی اُن مرحوم کا ساتھ دیا - اور وہ بھی وہین گیا جہان وہ گئے ہین -

لیکن نہین - دلگداز اُن کی زندگی کے ساتھ نہ تھا ہماری زندگی کے ساتھ ہے بلکہ امید ہے کہ ہمارے بعد باقی رہے - ہماری قسمت مین تھا کہ وہ ہمارے لیے سامان مسرت فراہم کرے - اور اُن تمام آلام و حوادث اور آفات و مصائب کے بعد ہمارے لیے اُن سچے دوستوں

اور عزیز ترین احباب سے دوبارہ ملنے کا ذریعہ ہے جن سے ملنا سچ یہ ہے کہ ہمیں اپنے اُس مرحوم سخت جگر کی زندگی سے زیادہ عزیز ہے۔ اور جن سے ہم صحبت ہونے اور بذریعہ تحریر ملاقات کرنے کی مسرّت ہماری تمام کلفتوں کو دور کر کے ہمیں بہت ہی مسرور کر دیتی ہے

لہذا اے ہماری حسن۔ اے اعلیٰ ترین نعمت ربّانی۔ ہم تیرے شاکی نہیں۔ بلکہ نہایت شکر گزار ہیں۔ تیری وجہ سے ہمیں کیسے کیسے مزے ملتے ہیں؟ اور کیسی کیسی شادکامیوں کی دولت نصیب ہوتی ہے؟ تو نہ ہوتی تو یہ پرانے احباب سے ملنے کی مسرّت اور سخن سنج قدردانوں کی عنایتوں سے بہرہ اندوز ہونے کی نعمت کیونکر حاصل ہوتی؟ اور ان رحمتوں سے ہم کیونکر لطف اٹھا سکتے؟ یہ ہماری پیاری اور ہماری مایۂ زندگی حسن ہی کا فیض ہے کہ آج ختم سال پر ہمیں گزشتہ کے غم و الم اور منحوس سنہ ۱۹۱۲ء کے مصائب و افکار بھول گئے۔ اُسی سینہ کو جو کل تک آتش الم کا تنور بنا ہوا تھا آج ٹٹولتے ہیں تو حسرت کا کہیں نام و نشان نہیں۔ اور اُن گذشتہ افکار و آلام کی جگہ نئے ولولے اور حوصلے آ کے بسے ہیں۔ اور امید نے اپنا چراغ روشن کر دیا ہے۔ اُنھیں مزہ دار اور پُر لطف امیدوں کے ہجوم سے جوش میں آ کے ہم اپنے تمام احباب تمام قدردانوں اور سارے خریداران دلگداز کو سال نو کی مبارکباد دے رہے ہیں اور وہ نہایت ہی ذوق و شوق سے ہمیں مبارکباد دیتے ہیں۔ پیاری حسن۔ تو نہ ہوتی تو یہ مبارکبادیاں ہوتیں؟ اور ان حوصلوں اور ولولوں میں مزہ آتا؟

جن کی زندگیاں عیش و تنعم اور آرزو مندی و بامرادی میں گزرتی ہیں اُنھیں بیشک انقلاب سال کے موقع پر غم کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ افسوس راحت و آرام کا ایک سال گزر گیا اور شادکامی کی زندگی کا ایک برس کم ہوا۔ جن کا شباب جوش جوانی کے مزے دکھا رہا ہے اُنھیں صدمہ ہونا چاہیے کہ جوانی کے محدود و قیمتی برسوں میں سے ایک گیا اور پھر نہ آئے گا۔ جن کی راتیں اس سال کسی دلفریب نازآفرین کے پہلو میں جام پیتے گزری ہیں وہ خوف زدہ ہو سکتے ہیں کہ دیکھیے آئندہ سال بھی ایسی ہی لطف و مسرت کی راتیں نصیب ہوتی ہیں یا نہیں۔

مگر جنھیں سارا برس غم ہی میں گزر گیا۔ جو سال گزشتہ کو اپنی زندگی کا منحوس ترین برس خیال کرتے ہوں انھیں غم کس بات کا ہے؟ انھیں تو خوش ہونا چاہیے کہ بڑے

موذی سے پیچھا چھوٹا اور یہ نیا سال شاید ہمارے حق مین مبارک ہو۔ لیکن یہ خیال کیون اور کس وجہ سے ہے؟ صرف حسن کے صدقے مین۔ حسن ہی ہے جس کے آغوش میں یہ امید و آرزو کی خوشیان اور حوصلہ مندی کی مسرتین پلتی اور نشو و نما پاتی ہین۔

لہذا ناظرین اس امیدون کی گھڑی اور نئے دور ارضی کے آغاز مین ہم اپنے آنسو پونچھ کے اور غم ایام پر خاک ڈال کے آپ سے خوشی خوشی ملتے ہین۔ اور آپ کی محبت و عنایت کے سہارے پر پھر ویسے ہی تازہ دم اور مستعد ہو کے لٹریری دلچسپیون کا سلسلہ چھیڑتے ہین۔ تا تا کہ جوانی و شباب کے دل و دماغ رخصت ہو گئے اور جس قدر دم باقی تھا اُسے بھی ہجوم آلام نے مٹا دیا مگر الحمد للہ کہ ہمت اب تک جوان ہے۔ اور آپ کی محبت و عنایت نے ہمارے دل مین کچھ ایسا جوش پیدا کر دیا ہے کہ حسرتین آرزو بن گئی ہین۔ اور مایوسیون نے امید کی صورت اختیار کر کے پہلو مین گدگدانا شروع کر دیا ہے۔

بہر حال دلگداز نے بڑی امیدون اور آرزوؤن کے ساتھ نئے سال کے آغوش مین قدم رکھا۔ اور آپ کی نظر عنایت کا امیدوار ہے۔ چودھوین جلد ختم ہوئی اور پندرھوین جلد کا آغاز ہوتا ہے۔ ہمارا لٹریری قرض ادا ہو گیا جس کی ندامت سے ہم سر نہ اُٹھا سکتے تھے اور ۱۹۱۲ء کے پورے پرچون کے ساتھ یہ جنوری ۱۹۱۲ء کا پہلا نمبر بھی ہمارے کرم فرماؤن کے ملاحظہ مین پیش ہوتا ہے۔

اب کی سال ہم اُس ناول کو بہت جلد پیش کر دینگے جو خریداران ۱۹۱۲ء کی نذر کیا جائے گا۔ لوگ بہت کہا کرتے تھے کہ تاریخی ناولون کے ساتھ ایسے اخلاقی ناول بھی لکھے جائین جو موجودہ زمانہ کی معاشرت سے تعلق رکھتے ہین۔ اسی قسم کا ناول "غیب دان دلھن" تھا جو ۱۹۱۱ء کے خریداران دلگداز کے ملاحظہ مین ۱۹۱۱ء مین پیش کیا گیا تھا۔ اور اسی قسم کا ناول یہ بھی ہے جس مین امید ہے کہ اُس سے زیادہ نتیجہ خیز اور نفع بخش ہوگا۔

اسکندر اعظم

ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ اردو لٹریچر کے نامورون کے حالات سے جہان

تک ہم اُردو دان پبلک کو واقف کرتے ہین۔ اس قسم کے بہت سے نامورون
کے حالات زندگی دلگداز کے صفحون پر شائع ہو چکے ہین مگر ابھی تک سکندر اعظم
کی لائف مستقل طور پر لکھ کے نہین پیش کی گئی۔ ہمارے مشرقی شعرا مین سے کوئی ہوگا
جس نے تشبیہات مین سکندر کے نام سے فائدہ نہ اُٹھایا ہو۔ سکندر کا آئینہ کو ایجاد
کرنا۔ خواجہ خضر کے ساتھ آب حیات کی تلاش مین جانا اور ناکام واپس آنا۔ یاجوج
ماجوج کے روکنے کے لیے سد سکندری کا بنوانا۔ سارے عالم کو فتح کر لینا۔ اور اسی
قسم کی چند اور باتین اُس کی جانب منسوب ہین جن کا شعرا کے کلام مین بار بار اعادہ
ہوتا ہے اور ہر موقع پر اُس کا نام لیا جاتا ہے۔

لیکن افسوس کہ سکندر اعظم وہ شخص نہین ہے جس کی جانب ان مین سے ایک
بات کو بھی منسوب کیا جائے۔ قرآن مجید مین ذوالقرنین نام ایک بادشاہ کا تذکرہ
ہے جس کا ساری دُنیا مین گذر ہوا تھا اور جس نے یاجوج و ماجوج کی روک تھام کے
لیے اژدھات کی ایک دیوار بنوائی تھی۔ قیاس یہ چاہتا تھا کہ وہ بادشاہ کوئی یمن
کا بادشاہ ہو جہان کے سلاطین کے نام اکثر "ذو" کے لفظ سے شروع ہوا کرتے تھے۔
کسی قدیم زمانے مین یہ بڑے سطوت و جبروت کے تاجدار تھے اور عربون کی
قومی روایتون مین موجود تھا کہ اُن مین سے کسی بادشاہ نے ساری دنیا فتح کر لی تھی۔
لہٰذا قرآن مجید مین ذوالقرنین سے یقیناً وہی تاجدار یمن مراد ہے۔

مگر مقدونیہ کے بادشاہون کا نشان دو قرنہ بکرا تھا جس کی بنا پر توریت مین
سکندر کی نسبت حضرت دانیال کی پیشینگوئی "بکرے" ہی کے لفظ سے کی گئی تھی۔ اور
چونکہ بکرے کے دو سینگ ہوتے ہین اس لیے بعض مسلمان مورخین کو خیال گذرا کہ
ذوالقرنین سے مراد سکندر بن فیلقوس یونانی ہے۔ یہ خیال اسلامی پبلک مین مشہور
ہوا۔ شہرت نے اُسے ناموران لٹریچر مین جگہ دلوائی اور یون ساری مشرقی دنیا مین
سکندر کا نام اس قدر مشہور ہوا کہ بچہ بچہ اُس کے نام سے واقف ہے۔ اور صدہا
بچون کے نام اُسی کے نام پر رکھے جاتے ہین۔ مگر سچ یہ ہے کہ مشرقی دنیا مین
سکندر کو جو شہرت و مقبولیت عام حاصل ہو گئی اس کا اصلی باعث قرآن مجید کی ایک
آیت اور اس کے متعلق مسلمانون کی ایک غلط فہمی ہے۔ لیکن سکندر اپنے حالات

و واقعات کے لحاظ سے ایسی شہرت کا مستحق ضرور تھا۔

اُس کا اصلی نام "الکسانڈر" یا "آلکسندر" تھا - جو انگریزون مین تو مغربی لب و لہجہ کے اثر سے "الگزانڈر" ہوگیا مگر عربون کو جیسی غلط فہمی اُس کے انتخاب مین ہوئی تھی ویسی ہی اُس کے نام مین بھی ہوئی - وہ سمجھے کہ نام کے اول کے "الف لام" عربی زبان کے حروف تعریف ہین - اس کے بعد کاف کا سین سے پہلے ہونا چونکہ عربون کی زبان پر ثقیل تھا اس لیے سین کاف کے قبل کر دیا گیا - اس طرح یہ نام عربی مین "سکندر" ہوگیا - بعض نے سین کو ساکن خیال کر کے اول مین ایک ہمزۂ وصل بھی بڑھایا اور اُس کا نام "اسکندر" بنا دیا۔

اکثر مشرقی مصنفین اُسے سکندر رومی کہہ دیا کرتے ہین حالانکہ اُسے روم کے ملک سے کوئی علاقہ نہ تھا - اُس کے زمانے تک دنیا مین رومۃ الکبری کی عظمت نہین قائم ہوئی تھی - اہل روم اپنے وطن مین گرد و نواح کی قومون سے لڑتے اور گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے - اور اہل یونان کی مہذب دنیا مین اُن کا شمار بالکل جاہل و وحشی اور غیر متمدن قومون مین تھا - لیکن سکندر کے بہت زمانے کے بعد جب رومیون کا کوکب اقبال چمکا - انگلستان سے عراق تک سارے ممالک ارض اُن کے زیر نگین ہوگئے اور بحیرۂ روم اُن کی قلمرو کے درمیان مین ایک جھیل بن گیا تو مغربی حصہ ایشیا کے کو جسے اب بھی ترک لوگ "اناطولیا" کہتے ہین صدہا رومی خاندانون کے آبسنے کی وجہ سے روم مشہور ہوگیا خصوصاً جب سلطنت روم کی تقسیم ہوئی اور جو قلمرو قسطنطنیہ کے زیر حکومت تھی مشرقی سلطنت روم کے نام مشہور ہوئی تو یہ ملک ساری دنیا مین روم ہی کے نام سے مشہور ہوگیا - لہذا اسی ملک کی نسبت سے بعد والون نے سکندر کو رومی مشہور کر دیا ہے۔

اصل مین جزیرہ نمائے بلقان کا درمیانی علاقہ مقدونیہ اُس کا وطن تھا جس صوبے کی وجہ سے آج کل دولت عثمانیہ پر آفت نازل ہے اور جس کے ریاستہائے بلقان باہم تقسیم کر لینے کی آرزومند ہین - اسی علاقہ کے شہر پلا مین ۳۵۶ قبل مسیح مین پیدا ہوا - مقدونیہ مین سکندر اعظم سے پہلے اُس کے نام کے دو اور بادشاہ گزر چکے تھے - پہلا سکندر ۴۸۰ قبل مسیح مین مقدونیہ پر حکومت کرتا تھا - اور دوسرے کے زمانے

مین دارا سے عجم کیخسرو نے مملکت یونان پر چڑھائی کی تھی۔ وہ مقدونیہ کا آٹھواں تاجدار تھا۔ اُس کے بعد دوسرا اسکندر اسی ملک کا سولھواں سریر آرا تھا جس کا زمانہ ۴۵۴ سنہ قبل مسیح مین تھا۔ لیکن اُس وقت تک تاجداران مقدونیہ کا شمار وحشی حکمرانون مین تھا اور یونانی اُن کی کچھ وقعت نہین خیال کرتے تھے۔ تیسرا یہی سکندر ہے جس کے حالات ہم لکھنا چاہتے ہین اُس کے باپ نے پہلے پہل عروج پکڑا۔ اور چونکہ اب یونانیون کا زوال شروع ہو چکا تھا لہذا اُس نے سارے یونان کو فتح کر کے اپنے زیر فرمان بنا لیا۔

فیلقوس کو اہل مغرب "فلپ" کہتے ہین۔ اُس نے قوت حاصل کرتے ہی کوشش کی کہ مقدونیہ شان و شوکت اور علم و فضل و تمام باتون مین ایتھنز (اثینیہ) اور اسپارٹا کا ہم پلہ بنا دے۔ لیکن اُس کی تمام اقبال مندیون سے یہ خوش نصیبی بدرجہا زیادہ بڑھی ہوئی تھی کہ وہ سکندر اعظم کا باپ تھا۔ مغربی ایشیا مائنر کے شہر "افسوس" مین ڈیانا دیوی کا ایک بڑا بھاری مندر تھا جہان عبادت و زیارت کے لیے تمام بت پرستان یونان جمع کرتے تھے۔ اور سارے یونان والون کو اس سے بڑی عقیدت تھی۔ جس سال سکندر پیدا ہوا اُسی سال اتفاقاً ایسی آگ لگی کہ وہ بت خانہ منہدم ہو گیا۔ اور مورت بھی خاک مین مل گئی۔ جس امر کو اہل مقدونیہ اور سکندر کے مورخون نے اُس کی بے روک فتوحات اور سرزمین ایشیا پر اُس کے غالب آنے کا ایک قدرتی اشارہ تصور کیا۔ اور شاید مقدونیہ والون کے دل مین خیال گزرا ہو کہ اس مندر کی بربادی سکندر کے لیے ایک شگون نیک ہے۔ اور یہ واقعہ بتاتا ہے کہ اس شاہزادے کی کوئی بڑی شان ہونے والی ہے"۔

فیلقوس نے سکندر کی تعلیم و تربیت کے لیے بڑے بڑے اعلیٰ درجے کے استاد اور فلسفی منتخب کیے۔ پہلے تو اُسے اُس عہد کے مشہور فلسفی "لائی ماچوس" کے زیر تربیت رکھا پھر چند روز بعد دنیا کے مشہور ترین فیلسوف ارسطاطالیس کو اُس کا استاد اور اتالیق مقرر کیا۔ ارسطو نے سکندر کی تعلیم و تربیت مین بے انتہا کوششین کین۔ اور اُس کے اخلاق کے درست کرنے مین کوئی دقیقہ نہین اٹھا رکھا۔ اور لوگون کا خیال ہے کہ بچپن ہی مین جو حوصلہ مندی کی باتین سکندر کے طرز عمل سے اکثر ظاہر ہو جایا کرتی تھین وہ ارسطو ہی کی تعلیم و تربیت کی برکتین تھین۔

ایک بار فیلقوس کی ایک فتح کا مژدہ سُنکے وہ حسرت کے لہجے مین بول اُٹھا "ابّا جان تو کسی ملک کو چھوڑتے ہی نہین پھر مین کس سرزمین کو فتح کرون گا؟"

اُن دنون یونان مین "اُلمپک گیم" ہوا کرتے تھے جن مین تمام مشہور سپہ گر اور بڑے بڑے بہادر شہ زور آ آکے سپہ گری کے ہنر اور شہسواری کے کرتب دکھایا کرتے تھے سکندر نے چونکہ اُن کھیلون مین کبھی دلچسپی نہین ظاہر کی تھی اس لیے ایکدن فیلقوس نے تعجب سے کہا کہ "سکندر ان کھیلون مین نہین شریک ہوتا!" سکندر سُنتے ہی بیساختہ کہہ اُٹھا "مجھے مقابلے کے لیے بادشاہون کو بتائیے تو اپنا ہنر دکھاؤن - ان کھیلون مین تو مجھے مزہ نہین آتا"

اُس کا گھوڑا "بوسیفالس" عجیب و غریب گھوڑا تھا - ایسا منہ زور اور سرکش تھا کہ کبھی کسی شہسوار کی ران اُس کی پیٹھ پر نہین جم سکی تھی جب کسی نے سواری کا ارادہ کیا اُس نے دے پٹکا - مگر سکندر نے بچپن ہی مین اُسے اپنے قابو مین لے آیا - اور اُسے ایسا عزیز ہو گیا تھا کہ دنیا کے تمام مرکوبون مین وہی اُس کے زیر ران تھا۔

ہومر شاعر کی مشہور مثنوی "الیڈ" جو یونانی شاعری کا اعلےٰ ترین نمونہ اور یونانیون کی مہابھارت تھی سکندر کو بے انتہا پسند تھی - اور جب دل گھبراتا اُسی کو مزہ لے لیکے پڑھنے لگتا جس کی وجہ سے یونان کے تمام شجاعان سلف کے کارنامے ہر وقت اُس کے پیش نظر رہتے - اور یونان کا رستم دستان "اکیلیز" سکندر کی نظر مین شجاعت و ملک گیری کی ایک ایسی نظیر بن گیا جسے وہ ہر وقت اپنے خیال کے سامنے رکھتا اور کوشش کرتا کہ اپنے آپ کو ویسا ہی بنائے -

۳۳۶ قبل مسیح مین جب فیلقوس کسی سفاک کے خنجر خونریز سے مارا گیا اور یہ بھی پتہ نہ چلا کہ اُس کے قاتل کا اصلی مقصود کیا تھا اُس وقت سکندر کی عمر صرف بیس برس کی تھی - لیکن اُس کے ذاتی جوہر کو ارسطو کی تعلیم نے ایسا بنا دیا تھا کہ بڑے بڑے سن رسیدہ لوگون سے اچھا تھا - اور حکمرانی و ملک گیری کے لیے انتہا سے زیادہ موزون تھا - چنانچہ سریر شہریاری پر قدم رکھتے ہی اُس نے اپنی فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا جس کی بدولت اُسے دنیا مین ناموری حاصل ہوئی ہے اس مین شک نہین کہ فیلقوس نے مرنے سے پہلے سارے یونان کو اپنا مطیع فرمان اور باجگذار

بنا لیا تھا۔ مگر وہ لوگ اِس اطاعت و فرمان برداری کو دل سے نہین پسند کرتے تھے اور یونان کی کئی ریاستین تو آمادہ ہی تھین کہ جس قدر جلد ممکن ہو مقدونیہ کی غلامی سے نجات حاصل کرین۔ اُن کے ان ارادون کی خبر سنتے ہی سکندر جوش و خروش کے ساتھ اُن کے سر پر جا پہونچا اور اُنھین پورا پورا مطیع و منقاد بنانے کے بعد اُن سے خواہش کی کہ ایک اسپارٹا کو تو چھوڑ دو جہان کی سپہ گری کا سب لوہا مانتے ہین باقی ماندہ تمام اضلاع و ریاستہاے یونان کا سپہ سالار اعظم مجھے تسلیم کرو جس طرح کہ میرے والد فیلقوس کو تسلیم کرتے تھے۔ اُن لوگون نے جب دیکھا کہ نہ لڑتے بنتی ہے اور نہ کسی طرح پیچھا چھوٹتا ہے تو اُسے سپہ سالار اعظم یونان تسلیم کر لیا جس کے معنے یہ تھے کہ اُنھون نے اُس کے آگے سر اطاعت جھکا دیا۔ اور ہار مان لی۔

ان لوگون کو سیدھا کرنے کے بعد اُس نے علاقہ تھریس پر چڑھائی کی۔ اور چند فتحون کے بعد اسے بھی اپنے قبضہ مین کر لیا۔ تھریس ہی کے انتظام مین لگا ہوا تھا کہ ناگہان خبر آئی قلمرو یونان مین شہر تھیبیا والون نے علم بغاوت بلند کیا ہے۔ سنتے ہی یونان کی طرف پلٹ پڑا۔ اور بلاے ناگہان کی طرح تھیبیا والون کے سر پر جا پہونچا اور پہلے ہی دھاوے مین اُسے فتح کر لیا۔ اُن لوگون کی بے وقت سرکشی سے کچھ ایسا غصہ مین بھرا ہوا تھا کہ شہر کے بہت سے لوگون کو قتل کر ڈالا۔ اور وہان کی تمام عمارتین منہدم کرا دین۔ صرف ایک پندار شاعر کا گھر تو چھوڑ دیا باقی سارے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

سکندر کی اس سخت گیری نے یونان کے سارے سرکشون کے ہوش ٹھنڈے کر دیے۔ تمام ریاستہاے یونان کے ہوش ٹھکانے ہو گئے۔ اور کسی مین بھی اب چون و چرا کی مجال نہین باقی تھی یہان تک کہ ایتھنز مین بھی کوئی دم نہ مار سکتا جہان کے لوگ سکندر کی مخالفت پر آمادہ ہو چکے تھے اور علم مخالفت بلند کرنے کی تیاریان کر رہے تھے۔ اس طریقہ سے اُس نے کل ریاستہاے یونان کو اپنا مطیع و منقاد بنا کے سارے جنوبی حصۂ جزیرہ نماے بلقان کو اپنے زیر فرمان کر لیا۔ اور ہر طرف سے پورا پورا اطمینان کرکے مقدونیہ مین آیا جب یون خوب فارغ البالی حاصل ہو گئی تو اُس نے ارادہ کیا کہ سر زمین

ایشیا مین گھس کے دارائے ایران کو شکست دے جس کی سلطنت سے زیادہ زبردست بادشاہی ساری دنیا مین نہ تھی۔ درۂ دانیال سے لے کے حدود ہند تک کل ممالک تاجداران عجم کے زیر نگین تھے۔ اور کبھی یونانیون کے وہم و گمان مین بھی یہ بات نہین گزری تھی کہ ہم اپنے حدود سے باہر نکل کے شہنشاہ ایران کے ملک پر حملہ کر سکین گے۔ اس مین شک نہین کہ جب وہ چالیس ہزار یونانی جو دھوکے دھوکے مین دریاے فرات کے اس پار آ گئے تھے جانون پر کھیل کے دریا کنارے کنارے چل کھڑے ہوئے اور صدہا طرح کی سختیان اور مصیبتین جھیل کے اپنے وطن مین پہونچ گئے تو یونانیون مین سفر سے گونہ اُنس پیدا ہو گیا۔ اور اسی سلسلہ مین انھین اس بات کا بھی تجربہ ہو گیا کہ اگر کوئی لشکر بہادری سے لڑے تو ایرانی باوجود اپنی سطوت و جبروت کے اُس کا کچھ نہین بگاڑ سکتے۔ انھین چیزون نے سکندر کو اس مہم پر آمادہ کیا اور انھین خیالات کی وجہ سے یونانی سپاہی اُس کا ساتھ دینے کو کو تیار ہو گئے۔

الغرض سکندر اپنی عمر کے بائیسوین سال چالیس ہزار جانبازون کا زبردست لشکر لے کے ہلسپانٹ (درۂ دانیال) سے اُتر کے ایشیا مین داخل ہوا۔ یہان آتے ہی اُس نے جو پہلا کام کیا یہ تھا کہ اپنے دوست ہیفاسطیون کے ساتھ اُس گاؤن مین گیا جو قدیم شہر ٹرائے کے مقام پر آباد تھا۔ جہان قدیم یونانی رستم "ایچلیز" کی قبر تھی۔ یہی یونان کا وہ تاریخی اور مذہبی نامور تھا جس کے حالات سکندر ایلیڈ مین بار بار پڑھتا رہا تھا۔ اور جس کے کارنامون کو اُس نے اپنے لیے عمدہ نظیرین قرار دے رکھا تھا۔ یہان اُس نے ایچلیز کی قبر پر چڑھاوے چڑھائے۔ اپنی ڈھال بھی وہان چڑھا دی۔ وہان کی ایک ڈھال جو دیوار پر آویزان تھی اُتار لی اور آگے روانہ ہوا۔

شہر غراقون کے میدان مین دارا کے لشکر سے اُس سے پہلی لڑائی ہوئی جس مین اُس نے لشکر عجم کو شکست دی اور گرد و نواح کے علاقون پر قابض و متصرف ہو گیا۔ اسی نواح مین پُرانا شہر "گورڈیم" تھا۔ جو فریجیہ کے علاقہ مین تھا۔ یہان کے ایک اگلے نامور بادشاہ گوردیوس نے ایک گرہ لگا رکھی تھی جو کسی کے کھولے

نہ کھلتی۔ اور مشہور ہو رہا تھا کہ جس کسی نے اس گرہ کو کھول لیا اُس نے جانیے کہ ایشیا کو فتح کر لیا۔ سکندر نے یہان پہونچ کے اس گرہ کو اپنی تلوار سے کاٹ ڈالا گویا یہ بتا دیا کہ مین ایشیا کو یون فتح کرون گا۔

اب سکندر یہان سے آگے بڑھ کے شہر قلیقیہ مین پہونچا۔ اور دریاے قدنوس مین ایسے وقت نہایا جبکہ اُس کا پانی بہت گرم ہو رہا تھا۔ نہاتے ہی بخار چڑھ آیا۔ اور ایسا بیمار ہوا کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ حکیم فلپ اُس کا پرانا معالج تھا جو سفر مین ہمراہ رکاب تھا۔ اسی کا علاج شروع ہوا۔ اثناے علاج مین سکندر کو اپنے ایک معتبر دوست "پارمے نیو" کا ایک خط ملا جس مین لکھا تھا کہ "فلپ کا علاج ذرا سوچ سمجھ کے کیجیے گا۔ وہ دشمنون سے ملا ہوا ہے اور اس بات کی رشوت لے چکا ہے کہ آپ کو زہر دے دیگا۔" سکندر نے اس خط کو پاس رکھ لیا۔ اور جب فلپ ایک قوی الاثر دوا کا جام تیار کر کے لایا تو سکندر نے وہ خط فلپ کے ہاتھ مین دیا کہ اسے پڑھ لیجیے اور دوا کا کٹورہ اُس کے ہاتھ سے لے کے منھ سے لگا لیا۔ فلپ نے خط پڑھ کے نظر اٹھائی تو سکندر دوا پی چکا تھا۔ دیکھتے ہی دنگ رہ گیا۔ اس واقعہ کا حکیم فلپ اور سارے حاضرین کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ پھر اُس کے بعد جب سکندر کو صحت حاصل ہو گئی تو فلپ کو بہت کچھ انعام دیا اور اُس کی عزت افزائی کی۔

اب داراے عجم کا زبردست لشکر قریب آ گیا تھا۔ شہر اِس سُوس کے قریب سنہ ۳۳۳ء قبل مسیح مین دوسری لڑائی ہوئی دارا کے زیر علم بڑی بڑی زبردست اور بہادر قومون کے سپاہی تھے مگر اقبال اُس کا ساتھ چھوڑ چکا تھا۔ پھر شکست ہوئی۔ اور ایسی شکست کہ دارا تو اپنی جان بچا کے بیک بینی و دو گوش بھاگ گیا مگر اُس کا خزانہ مال و دولت اور ساز و سامان سب یونانی فاتح کے ہاتھ لگا۔ بہت سے ایرانی اسیر ہوے جن مین داراے عجم کی مان۔ بی بی اور بچے بھی تھے۔ ان شاہی گھرانے کے معزز اسیرون کے ساتھ اُس نے ایسا شریفانہ برتاؤ کیا کہ داراے ایران کی مان کو سکندر کی سعادتمندیون کے سامنے اپنا بیٹا بھول گیا۔ اور سکندر کو وہ اپنے بیٹے سے زیادہ سمجھنے لگی۔ غرض کہ ان اسیرون کے ساتھ اُس کا برتاؤ دنیا مین شریف النفسی۔ فیاضی اور اخ

کا اعلیٰ ترین نمونہ خیال کیا جاتا ہے۔

اس فتح کے نتیجہ مین ممالک فینقیہ۔ دمشق اور چند دیگر ممالک اس کے زیر فرمان ہوگئے۔ اب چونکہ دارا کی طرف سے کسی تازہ فوج کے آنے کی اُمید نہ تھی اس لیے اُس نے شہر طائر یا صُور پر حملہ کیا۔ یہ لوگ دنیا کے اول درجہ کے جہاز ران تھے ساری دنیا کی تجارت اُن کے ہاتھ مین تھی۔ اور اپنی بحری قوت سے دولت عجم کو بہت بڑی مدد دیتے تھے۔ طائر والون نے مقابلہ کا سامان کیا۔ اور سکندر نے اُن کے شہر کا محاصرہ کر لیا جس مین کئی مہینہ لگ گئے۔ یہ چھ مہینہ کی مدت سکندر کی بیقرار طبیعت نے بڑی بیتابی کے ساتھ برداشت کی۔ اور اُسی کا غُصّہ تھا کہ فتح کرتے ہی اہل شہر پر اُس نے ایسے وحشیانہ مظالم کیے جو اُس کی شان سے بعید تھے۔

پورے ملک شام پر قابض ہو جانے کے بعد اُس نے ارض یہودا اور بیت المقدس کی طرف کوچ کیا جہان بنی اسرائیل کی پُرانی سلطنت باوجود کمزوری کے تقدس اور دینی آن بان کے ساتھ قائم تھی۔ یہود کے مقتدائے اعظم کو جو اُس زمانے کا نبی تھا الہام ہوا کہ شہر سے نکل کے سکندر کا استقبال کرے۔ چنانچہ سکندر کے قریب آ پہونچنے کی خبر سنتے ہی وہ اپنا مقتدائی کا لباس پہن کے مذہبی جلوس کے ساتھ باہر نکلا۔ اس مقدس و محترم شخص کی صورت دیکھتے ہی سکندر نہایت بے اختیاری کے ساتھ تعظیم کے لیے جھکا۔ اور اس قدر جھکا کہ اس سے پہلے کبھی کسی کے سامنے نہین جھکا تھا۔ یہ دیکھ کے اُس کے رفیق سفر پارمینو کو حیرت ہو گئی جسے نقش حیرت دیکھ کے سکندر نے کہا "اس مہم پر روانہ ہونے سے پہلے مقدونیہ مین مین نے اِنھین بزرگ مقدس کو خواب مین دیکھا تھا جنھون نے مجھے دعا کے ساتھ بشارت دی تھی کہ مین اپنی تمام مہمون مین کامیاب و فتحمند رہون گا" سکندر یہ کہہ ہی رہا تھا کہ مقتدائے بنی اسرائیل نے توراۃ کھول کے حضرت دانیال کی یہ پیشین گوئی سنائی کہ "ایک یونانی بادشاہ سلطنت عجم کو درہم و برہم کر دے گا" ان باتون کا یہ نتیجہ ہوا کہ یہود کی حقانیت کا نقش سکندر
جم گیا۔ چنانچہ شہر مین اور خاص حرم مین داخل ہو کے اُس نے اپنی طرف
کی اور چڑھاوے چڑھائے۔
المقدس سے بڑی بڑی آرزوؤن اور امیدون کو دل مین لیے ہوئے وہ

مصر کی طرف روانہ ہوا - پہونچتے ہی اُس قدیم سرزمین کو بھی فتح کر کے اپنے زیر نگین کیا - یہان اُس نے شہر اسکندریہ کو آباد کیا پھر جیوپٹر آمون دیوتا کے مندر سے اپنے حق مین فال طلب کی - وہان کے پوجاری نے اُس کا حوصلہ اور بڑھا دیا - یہی نہین - اس نے یہ بھی کہلا بھیجا کہ "آپ ہمارے دیوتا جیوپٹر کے فرزند دلبند ہین" جس سے زیادہ خوش نصیبی کی کوئی سند ایک بت پرست بادشاہ کے لیے نہین ہو سکتی تھی -

اب دارا نے پھر ایک بڑا بھاری زبردست لشکر جمع کر لیا تھا جسے لے کے مقابلہ پر روانہ ہوا تا کہ اپنی سلطنت کو یونانی فاتح کی دست برد سے بچائے - اس کی خبر سنتے ہی سکندر مصر سے چلا - اور جلد جلد کوچ کرتا ہوا اربیلہ (اردبیل) مین پہونچا - یہان ۳۳۱ سنہ قبل مسیح مین وہ دارا سے تیسری لڑائی لڑا دارا نے بہت کچھ ہاتھ پاؤن مارے مگر قسمت سے کون لڑ سکتا ہے ؟ اب کی بھی شکست ہوئی - اور ایسی شکست کہ ایران کے خاص شہرون اور دار السلطنتون شوسا اور پرسی پولی (اصطخر) پر بھی سکندر کا قبضہ ہو گیا -

اس فتح کے بعد اصطخر کے ایوان شاہی مین وہ خوشی کے جشن منا رہا تھا اور مے تند کے نشہ مین مست تھا کہ تھائیس نام ایتھنز کی ایک پری جمال رنڈی نے جو یونانی مذاق مین دلبری کے تمام فنون مین کامل اور اسی لئے دہر بھر کی معشوقہ تھی - اور اس مہم مین سکندر کے ساتھ آئی تھی اُسے ایک ایسے کام پر آمادہ کر دیا جو اُسے نہ کرنے کا تھا - یونانیون کے دلون مین ایرانیون کا بغض بھرا ہوا تھا - اور اپنی قدیم تباہیون کو یاد کر کے کف افسوس ملا کرتے تھے - اس سنگدل حسینہ نے سکندر کو فتح مندی کے نشہ کے ساتھ مے ارغوانی کے نشہ مین بھی چور دیکھ کے یونان پر ایرانیون کی دست درازیان - اور اہل یونان کی تباہیان یاد دلائین اور کہا "اس وقت موقع ہے کہ یونانی اپنا بدلہ لین اور دار السلطنت جم مین آگ لگا دی جائے" نشہ کے جوش مین سکندر نے اسی بات کا حکم دے دیا - اور اصطخر مین ہر طرف آگ لگا دی گئی - تمام عمارتون پر شعلے بلند ہوئے سارا شہر جل کے خاک سیاہ ہو گیا - اور اسی کے ساتھ ایران کا قدیم علمی ذخیرہ اور پارسی لٹریچر بھی خاک مین ملگیا -

اب دارا سب طرف سے مایوس ہو کے باختر کی طرف بھاگا اور سکندر اُس کے

تعاقب مین آگے بڑھتا چلا جاتا تھا کہ ناگہان خبر آئی دارا کو اُس کے ایک معزز سہردار اور معتمد علیہ درباری نے جس کا نام بسّوس ہے دغابازی کے ساتھ مار ڈالا اور پارتھیا کے دشت مین اُس کی لاش خاک پر پڑی ہوئی ہے - یہ سن کے سکندر کو نہایت افسوس اور بڑا صدمہ ہوا - نمک حرام اور دغاباز ایرانی بسّوس کو فوراً گرفتار کرا کے قتل کر ڈالا اور خود دارا کی لاش پر دوڑا گیا - تاجدار عجم کی بے کفن لاش کو کمال بیکسی کی حالت مین خاک و خون مین لتھڑا اور زمین پر پڑا دیکھ کے اُسے نہایت عبرت ہوئی دنیا کی بے ثباتی کی تصویر آنکھون کے سامنے پھر گئی - فوراً اپنی عبا اُتار کے اُس کی لاش پر ڈال دی - چند آنسو بہائے - اور حکم دیا کہ دارا کی لاش اصطخر مین لیجا کے نہایت شان و شوکت اور تزک و احتشام کے ساتھ اس کے آبائی دخمہ مین رکھی جائے جس پر پورا پورا عمل کیا گیا -

اب سکندر کے سامنے فتح کرنے کے لیے کوئی ملک نہین باقی تھا - کیونکہ یہان سے آگے مشرق کی طرف اس زمانے سے پہلے نہ کبھی کسی تاجدار عجم نے قدم اُٹھایا تھا - اور نہ کسی مغربی فرمانروا کو اس کا حوصلہ ہوا تھا مگر اتنی فتحون کے حاصل ہونے سے فتحمندی کا شوق سکندر کی طبیعت ثانوی بن گیا تھا - چنانچہ پہلے تو اُس نے تمام اضلاع و ممالک ایران کو اپنے زیر نگین کیا - اور جب اور کوئی میدان حوصلہ مندی کا جوش دکھانے کے لیے نہین باقی رہا تو ہندوستان پر چڑھائی کرنے کی تیاریان کر دین -

۳۲۶ قبل مسیح کے آغاز ہی مین وہ دریاے اٹک کے پار اترا - اور خیال کیا جاتا ہے کہ جس مقام پر وہ اس دریا سے پار ہوا ہے وہ موجودہ شہر اٹک کے کہین قریب ہی تھا - اٹک کے اس پار آتے ہی وہ اُس سرزمین مین تھا جو فی الحال پنجاب کہلاتی ہے - یہان دریاے جہیلم کے کنارے اُس سے راجہ پورس سے لڑائی ہوئی جو اُس کے مقابلہ کو بڑا زبردست لشکر لے کے آیا تھا جس مین ہاتھی بھی تھے - مگر سکندر کے کار آزمودہ اور صدہا میدانون کا مزہ چکھے ہوے سپاہیون سے لڑنا آسان نہ تھا راجہ کو شکست ہوئی جو گرفتار کر کے سکندر کے سامنے لا کے کھڑا کر دیا گیا - مگر وہ ایسی شجاعت سے لڑا تھا اور لڑائی مین اُس سے ایسے شریفانہ افعال ظاہر ہوے تھے کہ سکندر اُس کے حال پر مہربان ہو گیا - اور اُس سے مل کے بہت

خوش ہوا۔ یا یون کہیے کہ اس ملک مین سکندر کی پالسی ہی یہ قرار پائی کہ کسی ایک کو اپنا دوست بنائے۔ غرض خلعت وانعام کے ساتھ اُس کا ملک اُسے واپس کیا۔ اور کوشش کی کہ اُس کی قلمرو کو اور وسیع کر دے۔

راجہ پورس سے دوستی کر کے سکندر آگے بڑھا۔ اور دریاے چناب کے کنارے پہونچا۔ اِس کے بعد دریاے چناب اور دریاے راوی کے درمیان نیسے ایسا اُوسر علاقہ ملا جس کے طے کرنے مین اُسے کسی قدر دشواریان پیش آئین۔ یہین اُسے ایک قوم سے مقابلہ کرنا پڑا جس کا نام یونانی مورخین "کتھائی" بتاتے ہین۔ غالباً یہ جاٹ لوگ تھے جن کی اصلیت کا تبت و خطا مین پتہ چلا ہے اور کیا عجب کہ اُس قدیم زمانے مین اپنے اصلی وطن کی نسبت سے خطائی کہے جاتے ہون۔ سکندر نے اُنھین بھی شکست دی۔ اور اُن کا ملک اُن سے چھین کے اپنے دوست راجہ پورس کو دے دیا۔

اس مہم کے بعد راوی کے پار اُتر کے دریاے ستلج کے کنارے آ پہونچا۔ جہان سے قدم آگے بڑھاتا تو وادی گنگا کے علاقہ مین داخل ہو جاتا۔ مگر اُس کی فوج مصائب سفر سے تنگ آ گئی تھی جس کے انکار نے سکندر کی اولوالعزمی کی باگ یہین پر روک دی۔ مجبوراً واپسی کا ارادہ کر کے اپنی فتوحات کی یادگار مین یہان اُس نے بارہ برج تعمیر کرائے۔ اور پنجاب کا جتنا ملک فتح کیا تھا سب راجہ پورس کے حوالے کر دیا۔

واپسی کے وقت اُس نے کشتیون کا ایک بیڑہ بنوایا۔ اور اپنے ایک افسر نیارچوس کو اپنا امیر البحر مقرر کر کے ان کشتیون کو اُس کے زیر کمان سمندر کی طرف روانہ کیا۔ اور خود بھی جنوب کی راہ لی۔ یہان راستہ مین اس سے ایک دوسری بہادر قوم سے مقابلہ ہوا جو "ملی" کے نام سے مشہور تھی۔ ان لوگون کے شہر کا جو یقیناً موجودہ ملتان تھا اُس نے محاصرہ کر لیا۔ اور بڑی سختی سے دھاوا کیا۔ یہ لڑائی اُس کی زندگی کی تمام مہمون سے سخت تھی جس مین اُس سے شجاعت بھی ایسی ظاہر ہوئی جیسی کہ کبھی نہین ظاہر ہوئی تھی۔ اور زخمی بھی ایسا ہوا کہ زندگی بھر نہین ہوا تھا۔ سچ یہ ہے کہ قضا کے چنگل سے بیجان ہو کے چھوٹا۔ اور موت کے مُنھ سے پھرا۔ مگر اقبال اب بھی رکاب تھامے ہوئے تھا۔ آخر ملی لوگون کو شکست ہوئی اور وہ ملتان کو فتح کر کے سندھ کے انتہائی حدود پر پہونچا۔

یہان سے اُس نے بیڑے کو تو کنارے ہی کنارے خلیج فارس کی طرف روانہ کیا۔ اور خود خشکی کے راستہ سے مکران ہوتا ہوا مغرب کی طرف چلا۔ اس بے آب و گیاہ ملک کے سفر مین اُسے ایسی سخت دشواریان پیش آئین کہ کبھی نہین پیش آئی تھین۔ اکثر منزلون مین وہ اور اُس کا سارا لشکر ایک ایک قطرۂ آب کو ترس گیا۔ آخر بھوک پیاس کی تکلیفین برداشت کرتا خدا خدا کر کے ارض فارس مین پہونچا۔ جہان ہر قسم کا سامان راحت مہیا تھا۔ دار السلطنت سوسا مین پہونچ کے اُس نے ایک عظیم الشان دربار کیا جس مین اپنے اقبال کے اوج و عروج کی آخری تصویر اپنی آنکھون سے دیکھ لی۔ اور نظر آیا کہ ساری دُنیا اُس کے علم اقبال کے آگے سر نیاز جھکائے ہے

اس دربار کے بعد سُوسا سے روانہ ہو کے بابل مین پہونچا۔ یہان ایک قسم کی سمّی ہوا چلا کرتی تھی جس کے اثر سے لوگ بمشکل جانبر ہو سکتے تھے۔ سکندر کو بابل پہونچے چند ہفتے ہوے تھے کہ اُس سمّی ہوا کا وہ بھی شکار ہوا۔ شدت سے بخار چڑھ آیا۔ جسے میخواری کی کثرت نے اور بڑھا دیا۔ اطبائے حاذق نے کوئی تدبیر اُٹھا نہین رکھی۔ مگر کوئی دوا کارگر نہ ہوئی اور آخر سنہ ۳۲۳ء قبل مسیح مین یہین راہی عدم ہوا جب کہ اُس کی عمر ۳۲ برس کی تھی۔ ۱۲ برس کی حکومت مین اُس نے جو کچھ کر لیا بڑی بڑی قومین صدیون مین نہین کر سکی ہین۔ اگر زیادہ جیتا تو خدا جانے کیا کرتا۔

نزع کے عالم مین وصیت کر دی تھی کہ میری لاش میرے بسائے ہوے شہر اسکندریہ مین لیجا کے دفن کیجائے۔ چنانچہ جنازہ بڑے اہتمام کے ساتھ مصر کی طرف روانہ کیا گیا۔ اور اسکندریہ مین پہونچتے ہی بطلیوس لاغوس نے جو ممالک مصر مین سکندر کی حکومت کا جانشین قرار پایا تھا ایک سونے کے تابوت مین رکھ کے اُسے آغوش لحد کے سپرد کیا۔ ایک مدت کے بعد بطلیوس کی نسل کے کسی جانشین نے سکندر کی ہڈیان اُس طلائی تابوت مین سے نکال کے ایک شیشہ کے تابوت مین رکھین اور وہ طلائی تابوت اپنے قبضہ مین کیا۔

سکندر کی چار بیبیان تھین۔ اور اُن کے نامون اور حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ چارون عجمیہ اور ایرانی نژاد تھین پہلی "باریسینا" جو ارطاباذیس کی بیٹی تھی اُس کے باپ کا نام بول رہا ہے کہ کوئی ایرانی الاصل رئیس تھا۔ دوسری

روشنا" جو عجیبہ شاہزادی تھی اور اُسی کے بطن سے اُس کا بیٹا سکندر پیدا ہوا تھا۔ جسے کساندر نے جو مقدونیہ و یونان مین سکندر کا وارث بنا تھا مع اُس کی مان کے نہایت دغابازی اور کورنمکی سے مار ڈالا۔ تیسری پری ساتیس" (پری زاد) جو ارتازیرس دار دشیر کی بیٹی تھی۔ اور چوتھی ستاتیرا جو آخری تاجدار عجم قدمانوس کی بیٹی تھی۔

سکندر کے حالات اور اُس کی اخلاقی حالت کو دیکھیے تو عجب متضاد باتین نظر آتی ہین۔ بعض موقعون پر وہ بڑا رحم دل اور بعض موقعون پر سخت ظالم ثابت ہوتا ہے۔ آخر مین اُس کی سرشت مین سے یونانی سادگی بالکل جاتی رہی تھی۔ ایرانی دربار اور امراے عجم کی خوشامدون نے اُسے باور کرایا کہ مین دنیا کا سب سے بڑا شہنشاہ ہون۔ یونانیون نے اُسی کے اصرار سے اُس کو دیوتاؤن کی فہرست مین درج کر لیا۔ اور خود اُس کو بھی یقین آگیا کہ مین انسان نہین دیوتا ہون۔

شراب بہت کثرت سے پینے لگا تھا۔ اور اکثر پیتے پیتے اس قدر بدمست ہو جاتا کہ نہ اپنے نیک و بد کی خبر رہتی اور نہ اپنے پرائے کا امتیاز باقی رہتا۔ اسی نشہ مین ایک یونانی رنڈی کے کہنے سے اُس نے ایران کے قدیم دار السلطنت اصطخر مین آگ لگوا دی اور سارا مشرقی لٹریچر فنا کر دیا اور اسی نشہ مین ایک دن اپنے جانی دوست فلیطوس کو خود ہی چھریان بھونک بھونک کے مار ڈالا۔ اور جب ہوش مین آیا تو اپنے کیے پر بہت پچھتایا۔

لیکن اُس کے ساتھ لائق اور کام کے آدمیون کا بڑا قدر دان اور علم و فن کا بڑا مربی تھا۔ ہمیشہ اُس کے دربار اور اُس کی صحبت مین بڑے بڑے عالمون فاضلون فلسفیون حکیمون اور خیال آفرین شاعرون کا مجمع رہا۔

یہ تھا وہ سکندر جو ہمارے لٹریچر مین مشہور ہے۔ مگر ہمین افسوس ہے کہ اپنے شعرا کے خیال کے مطابق نہ ہم اُسے حضرت خضر سے ملا سکے۔ نہ اُس کو چشمۂ آب حیات کی تلاش مین ارض ظلمات مین سرگردان پھرا سکے۔ اور نہ اُس کے ہاتھ سے سد سکندری کو تعمیر کرا سکے۔

عثمانی سطوت کا خاتمہ

سنہ ۱۹۱۲ء کی سب سے بڑی اور کبھی نہ بھولنے والی یادگار یورپ مین سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ ہے

دنیا مین صرف یہی ایک سلطنت باقی تھی جس کی طرف مسلمانون کی نظرین اُٹھا کرتی تھین۔ اور جس کے دم سے اُن کی تمام امیدین وابستہ تھین۔ افسوس اِس سال یورپ نے اُس کا خاتمہ کر دیا۔ اور آل عثمان کا سارا عروج و اقبال ایک خواب دوشین ہو گیا۔

دنیا تغیر پزیر ہے۔ اور ناکام و نامراد اپنی آرزوؤن مین تھک کے اور ہر طرف سے مایوس ہو کے کہا کرتے ہین کہ اگر ہم مٹ گئے ہین تو ہمارے مٹانے والے بھی ہمیشہ نہ جیین گے۔ ایک دن آئے گا اور ضرور آئے گا جب اُن کی ہستی بھی یونہین مٹ جائے گی۔ مگر ہمین کیا۔ ہم تو مٹ گئے۔ اور اس کے بعد وہ مٹے تو کیا اور رہے تو کیا۔ بعد از سر من کُن فیکون شد شدہ باشد لیکن افسوس اس بات کا تھا کہ ہم بے ہاتھ پاؤن ہلائے مٹ گئے۔ مسلمان درکنار یورپ کا بھی شاید یہ خیال نہ ہو گا کہ سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ ایسی آسانی سے ہو سکے گا۔ لیکن ترکون نے آخر اپنی زندگی دکھا دی

اس عثمانی سلطنت کے عروج کے آغاز مین پہلے عثمان خان کے اُس خواب کو یاد کرو جب اُس نے دیکھا تھا کہ اُس کے جھنڈے کے نیچے ایک طرف دجلہ و فرات ہین۔ دوسری طرف دریاے نیل ہے۔ اور تیسری طرف دریائے ڈینیوب ہے۔ پھر اس کے بعد اس سلطنت کی تدریجی ترقیون کو دیکھو۔ اور اُس گھڑی کو یاد کرو جب سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ کو خشکی مین کشتیان چلا کے فتح کیا تھا کنیسۂ سینٹ صوفیا تثلیث کے مرکز سے توحید کا گھر اور کلیساے یونان کے معبد سے مسلمانون کی جامع مسجد بنا تھا۔ اور اُس کے بعد اس سلطنت کے روز افزون انحطاط کو دیکھو۔ صاف نظر آ جاتا ہے کہ کسی قسم کا عروج کیونکر تنزل کی صورت اختیار کرتا ہے۔

اس سے کسی کو انکار نہ ہو گا کہ ترکی کے زوال کا اصلی باعث یورپ کی جدید متمدن قومون کی ترقی ہے۔ جن کو گوارا نہ تھا کہ یہ پرانی اسلامی سلطنت دنیا مین باقی رہے۔ سب کے پہلے نویرینو کی بحری لڑائی مین اس کی ساری بحری قوت فنا کر دی گئی۔ اور ملک یونان کو اس کے قبضہ سے زبردستی نکال کے جنوبی بلقان مین ایک نئی آزاد مسیحی ریاست قائم کرائی گئی جس کی پیٹھ پر یورپ کا دست

شفقت تھا۔

اس کے ایک مدت بعد ۱۸۷۷ء میں روس نے اندرونی ریشہ دوانیاں کر کے ممالک بلقان میں شورشیں اور بغاوتیں کرائیں۔ اور جب باغیوں کا زور نہ چلا تو خود اشتہار جنگ دے کے لڑائی چھیڑ دی۔ جس کا خاتمہ اس پر ہوا کہ سوا رومیلیا مقدونیہ اور البانیا کے تمام صوبجات ترکی کی قلمرو سے نکال کے خودسر ریاستیں بنا کے الگ کیے گئے۔ اور ان سب کی پشت پناہی یورپ نے اپنے ذمہ لی۔ صوبجات بوسینا اور ہرزیگووینا برائے نام ترکوں کے مقبوضہ قرار بھی دیے گئے تو اُن کا انتظام آسٹریا کے سپرد کیا گیا۔ جزیرہ قبرس (سائپرس) کو انگلستان نے اپنے زیر حکومت لے لیا۔ اس کے چند روز بعد مغربی و جنوبی رومیلیا جو کوہستان بلقان کے اس پار تھا وہ بلغاریہ کو اور البانیا کا ایک ساحلی ٹکڑا زبردستی مانٹی نگرو کو دلوایا گیا۔ پھر جزیرۂ کریٹ میں جھگڑے پیدا ہوئے۔ اور گو بظاہر یونان کو نہیں دیا گیا اور یورپ نے اپنا مجموعی قبضہ رکھا مگر یہ صرف دکھانے کے لیے ہے اصل میں وہ یونان ہی کا ہو گیا۔ اس سے پیشتر مصر پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اب بلقانی ریاستوں نے اتنی قوت پکڑ لی کہ حامیان یورپ کے سہارے پر ترکی کے خلاف ہتھیار اٹھا سکیں چنانچہ پیشتر سلطان عبدالحمید خان کے عہد میں یونان نے سر اٹھایا مگر عبدالحمید خان کے تدبر اور اُن کی بیدار مغزی نے اُس کا سر کچل دیا۔ اور ترکی کی فوری کامیابی پر یورپ متحیر ہو گیا۔

لیکن اب یورپ ہی کے بھروسے پر نا تجربہ کار نوجوانان ترک نے اپنے بوڑھے مدبر سلطنت اور اپنے دانا سے عصر تاجدار کو تخت سے اتار کے جمہوری سلطنت قائم کی۔ عبدالحمید کا تخت سے علیحدہ ہونا گویا آل عثمان کی سلطنت کے زوال کا دیباچہ تھا۔ شاہی خاندان کا ایک بیکار شخص تخت پر بٹھایا گیا۔ نوجوانوں نے جمہوریت کا غل مچانا شروع کیا۔ اور قوم کی آزادی پر خوشیاں منائی جانے لگیں۔ یہ نوجوان جوش مسرت میں باہم بغلگیر ہو رہے تھے کہ آسٹریا نے بلقان کے صوبجات ہرزیگووینا اور بوسینا کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس پر ترکوں نے لاکھ غل مچایا کچھ نہ سنی گئی۔ مجبوراً صبر کر کے بیٹھ رہے۔ لیکن چین سے نہیں بیٹھنے پائے تھے کہ یکایک اٹلی نے جا کے طرابلس الغرب پر قبضہ کر لیا جو کہ افریقہ میں ترکی کا

ایک بڑا بھاری صوبہ تھا۔

ترکون کے پاس کسی قسم کی بحری قوت نہ تھی۔ طرابلس مین نہ فوج بھیجی جا سکی۔ نہ اُن کی کسی قسم کی مدد کیجا سکی۔ وہان کے عرب یا دو چار ترکی افسر جو چھپ چھپا کے وہان پہونچ گئے جوش و خروش کے ساتھ لڑتے رہے اور ترکون کی بیچارگی پر بھی اٹلی سے ملک پر قابض ہونے کی کوئی صورت نہین بن پڑتی تھی۔ یکایک بلقان کی ریاستون نے اشتہار جنگ دے دیا۔ اور ترکون کو سوا اس کے کہ طرابلس سے دست بردار ہو کے اٹلی سے صلح کرلین کسی بات مین مفر نہ تھا۔

لیکن اب بلقان مین لڑائی چھڑ چکی تھی۔ ایک طرف سے بلغاریہ دوسری طرف سے سرویا۔ تیسری طرف سے مانٹی نگرو۔ اور چوتھی طرف سے یونان نے اپنی فوجین بڑھائین۔ اور ترکون کے بنائے کچھ نہ بنتی تھی۔ وہ لوگ برابر بلاد مقبوضہ پر قبضہ کرتے جاتے تھے اور یہان لڑائی کے لیے ابھی تیار نہ تھے۔ کافی فوجین سرحد پر موجود نہ تھین۔ غرض روک تھام نہ ہو سکی اور جب تک قسطنطنیہ سے نئی فوجین روانہ ہوسکین سارے مقدونیہ اور البانیہ اور رومیلیا پر دشمنون کا قبضہ تھا۔ اب ترکی لشکر اتنا جمع ہو چکا تھا کہ امید تھی وہ سب کو مار کے ہٹا دے گا اور پھر اپنے شہرون پر قبضہ کر لیگا مگر اب یورپ کی دراندازی سے صلح کی گفتگو چھڑ گئی۔ اور جب ترکون کی جانب سے لڑائی پر قطعی آمادگی ظاہر کی گئی تو دول یورپ نے یہ دیکھ کے کہ اب لڑائی ہوئی تو ریاستہاے بلقان کو نقصان پہونچ جائے گا۔ یہ دھمکی دی کہ اگر ایڈریانوپل کو کو نہ چھوڑو گے اور ہماری تجویز کے مطابق فیصلہ منظور نہ کرو گے تو تمھاری ایشیائی قلمرو مین بھی ہنگامہ پیدا ہو جائے گا۔ کیونکہ روس اُس ملک پر فوج کشی کرنے کے لیے تیار بیٹھا تھا سابق کی ذلیل وزارت عثمانی ہر طرح کی ذلت گوارا کرنے کو تیار ہو گئی تھی۔ مگر غیور نوجوانان ترک اُٹھ کھڑے ہوے۔ اور سر بکف ہو کے سارے یورپ کے سامنے کھڑے ہو گئے کہ تمھارا جو جی چاہے کرد ہم جان دین گے۔ مگر عزت نہ دین گے۔

حال کی گزشتہ لڑائیون مین ترکون کو بیشک بُری طرح کی شکستین ہوئین گو اس کا الزام سابق کے ناپاک و نالائق وزرا پر ہے پھر بھی ایک بڑی حد تک ترکون کو الزام دیا جاتا ہے۔ اور یورپ خوشیان منارہا ہے کہ جس شیر سے ہم ڈر رہے تھے وہ

بوڑھا ہو گیا۔ مگر مسلمانان ارض ترکون کی شکستون سے بہت ہی متاثر ہو کے اُنھین ملزم ٹھہراتے ہین۔

ترک بیشک ملزم ہین۔ مگر اِس الزام کے ملزم نہین کہ اُنھون نے اچھی طرح دشمنون کا مقابلہ نہین کیا۔ بلکہ اِس الزام کے کہ باوجود دنیا کی حالت دیکھنے اور دوسرے ملکون کی ترقیون سے واقف ہونے کے اُنھون نے اپنی اور اپنے ملک کی کبھی اصلاح نہین کی۔ یورپ کو یا کسی کو الزام دینا بیکار ہے۔ دنیا کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ زبردست کمزور کو کھا جائے گا۔ ہم اُسی وقت تک زندہ رہنے اور زندہ رہنے کے مستحق ہین۔ جب تک اپنی حفاظت کر سکتے ہین اور جس دن ہم اپنی حفاظت نہ کر سکین گے اُسی روز فنا ہو جائین گے۔ ترکون ہی پر منحصر نہین ساری دنیا کے مسلمانون مین اس بلا کا جمود ہے اور ترقی سے وہ اس قدر بھاگ رہے ہین کہ کسی قسم کے فلاح کی امید نہین کیجا سکتی۔

ان واقعات کے بعد غالباً ترکون کے پاس یورپ مین صرف مشرقی رومیلیا رہ جائیگا مگر ایشیا مین ابھی بہت بڑا وسیع ملک باقی ہے۔ سارا ایشیاے کوچک شام۔ یمن۔ عراق اور عرب اُنھین کی قلمرو مین ہین۔ مگر کیا یہ صلح اس کی ذمہ دار ہے کہ یورپ کی ہوس ملک گیری موقوف ہو گئی؟ ہرگز نہین۔ یورپ مین اُن پر دست برد حاصل کرنے کا جوش اب اور بڑھ جائے گا۔ قسطنطنیہ اب ترکون کے پاس صرف چند روز کا مہمان ہے۔ اور ان کے قبضہ مین اس کے چھوڑ دینے کے اصلی معنے یہ ہین کہ ہم تم کو یکبارگی جلاوطن کرنا نہین چاہتے۔ ایشیا کے کسی شہر مین اپنے مکان بنا لو۔ اور نقل مکان کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ کیونکہ وہ وقت آگیا جب سینٹ صوفیا جامع ایا صوفیہ سے پھر کنیسہ سینٹ صوفیا بنے گا۔

گھڑی بھر کو ہم نے مان لیا کہ قسطنطنیہ کو بھی یورپ نے چھین لیا اور ترکون نے اُسے ٹھنڈے دل سے قبول کیا۔ کیونکہ اُن کو اس سے مفر نہین ہو سکتا۔ تو اس کے بعد کیا وہ ایشیاے کوچک مین چین سے بیٹھ سکین گے؟ ہرگز نہین۔ اب اُنھین ایک گھڑی کے لیے بھی چین نہین نصیب ہو سکتا۔ بیشک یورپ کا ایسٹرن کوئسشن (مشرقی مسئلہ) ختم ہو گیا مگر اب "کوئسشن آف دی وسٹ ایشیا" (مسئلہ

مغربی ایشیا) پیدا ہوگا - اور سارا یورپ جب اور فکرون سے خالی ہوگا اسی امر کی طبع آزمائیان کرنے لگے گا کہ ایشیاے کوچک کا کیا انتظام کیا جاے - اور ہوتے ہوتے چند روز مین عراق پر برطانیہ عظمی شمالی ایشیاے کوچک ارض روم کردستان اور ارمینیہ وغیرہ پر روس اور شام فلسطین پر فرانس اپنے حقوق ثابت کرینگے اور اس کی تقسیم و تجزیے کی کارروائیان چھڑین گی -

یہ سب کیون ہوا اور ہوگا اس لیے کہ ترکون نے باوجود موقع پانے کے کبھی اپنی اصلاح نہ کی - محمود خان کے زمانے مین باوجود قوی مخالفتون کے اتنا تبق ضرور لیا گیا تھا کہ فوجون کا لباس اُن کی ترتیب - اور اصول جنگ یورپ کی ترقی یافتہ قومون کے مطابق ہوگئے - اور فوج جرمن افسرون کی زیر تعلیم رکھی گئی - اور اسی کی برکت تھی کہ دولت عثمانیہ کی زندگی دوسری اسلامی سلطنتون سے زیادہ ہوئی - اور پامال ہونے مین وہ سب سے پچھلی اسلامی سلطنت ہوگی -

لیکن فوجی ترقی مین بھی بہت سے فنون اور اصول سائنس کی پیروی لازمی ہوگئی ہے - بحری قوت آج کل سلطنت کی نگہداشت کے لیے بہت ہی ضروری ہے - یون تو ہر سلطنت اس کی اہمیت کو تسلیم کر رہی ہے اور جس کے پاس جتنے جنگی جہاز ہین اُتنی ہی وہ زبردست سمجھی جاتی ہے مگر ایک اسلامی سلطنت کے پاس بحری قوت کا نہ ہونا تو اُس کی موت کی قطعی علامت تھی - مسلمان دنیا کے دُور دراز ممالک مین پھیلے ہوے ہین - اور سب کی دلی خواہش اور آرزو یہ ہے کہ جہاد کرین اور توحید کی حمایت مین جان دین مگر بغیر بحری قوت کے اُن کی مدد اور ہمدردی سے کس قسم کا فائدہ نہین اُٹھایا جا سکتا - اور جو جہان ہے وہین پڑا سر دُھنا کرتا ہے اور کچھ نہین کر سکتا - اگر جنگی جہازون کے ذریعہ سے ترک فوج کو اپنی قلمرو تک پہونچ سکتے تو ایک مہینہ کے اندر کروڑون مسلمان پہونچ جاتے سارا عرب کوہسار بلقان کے دامن مین ہوتا - اور دوسرے ملکون سے بھی لاکھون مسلمان جا پہونچے ہوتے جو اپنا سامان جنگ اور کھانا پینا بھی اپنے ساتھ لاتے - لیکن دریا کا راستہ بند ہونے کے باعث نہ کسی غیر ملک کا ایک متنفس اُن کی مدد کو پہونچ سکتا ہے اور نہ خود اپنے ممالک سے وہ سپاہیون کو میدان مین پہونچا سکتے ہین -

موجودہ زمانے مین تمدن ہی کے لحاظ سے نہین بلکہ فوجی ضرورتون اور اپنی حفاظت کے خیال سے بھی ملک مین کثرت کے ساتھ ریلون کا جاری ہونا لازمی ہے - ریلون کے ذریعہ سے ملک کی آمدنی بیس گنی ہوجاتی ہے - تمدن بڑھتا ہے - امن وامان قائم ہوتا ہے - اور سرحد پر دنون اور ہفتون مین لاکھون فوجین پہونچا دی جاسکتی ہین۔ لیکن ترکون کو باوجودیکہ اِن ضرورتون کو بخوبی سمجھ سکتے تھے - اور پڑوس ہی مین یورپ کی ترقیون سے اصلی اسباب ترقی کا مشاہدہ کرسکتے تھے - مگر اُنھین اس کی کبھی فکر نہین ہوئی - اُن کا مقتضائے حکومت یہ ہی رہا کہ ملک مین جہان تک ممکن ہو ریلین نہ جاری ہونے پائین - اور متمدن ممالک یورپ کی کمپنیون کو بعض ریلون کی اجازت باب عالی سے دی بھی گئی تو نہایت ناگواری کے ساتھ اور سخت مجبور ہو کے۔

یورپ کی یہ دھمکی کہ "اگر اڈریانوپل نہ دوگے تو ایشیائے کوچک مین ہنگامہ پیدا ہوجائے گا اور اُس کے ذمہ دار تم ہوگے" ترکون کے لیے اس قدر خطرناک کیون ہے ؟ اور اس کے خلاف کرنا ترکون کے حق مین خودکشی کیون خیال کیا جاتا ہے ؟

ذرا ایشیائی ٹرکی کا نقشہ سامنے رکھ کے غور کرو - کوہ ارارات (جودی) جہان ترکون روسیون اور ایران کی سرحد ملی ہے وہان سے لے کے ساحل بحر اسود تک ترکون کا سرحدی صوبہ ارض روم ہے - ارض روم سے قسطنطنیہ تقریباً ۸۰۰ میل بغداد تقریباً ۵۰۰ میل دمشق تقریباً ۴۰۰ میل ہے - لہذا اگر فوج کی رفتار یومیہ ۲۰ میل کی رکھی جائے تو قسطنطنیہ سے پچیس دن مین بغداد سے ساڑھے بارہ دن مین اور دمشق سے ۲۰ دن مین ترکی فوج سرحدی صوبہ مین پہونچ سکتی ہے - کیونکہ ریل گئی ہوئی نہین ہے - جہاز پاس ہین نہین اور دو چار ہین تو حریف کی زبردست بحری قوت کے اندیشہ سے اُن سے کام نہین لیا جاسکتا - اس کے مقابل روسیون کی ریل سرحد کے قریب تک جاری ہے - جو چند ہی روز مین لاکھون سپاہی پہونچا دے سکتی ہے -

ترکون کے صوبجات طرابزندا ور قسطمونیہ بحر اسود کے کنارے ہین جن مین روسی جہاز جسوقت جہان چاہین فوج اُتار سکتے ہین - نتیجہ یہ کہ جب تک ترک ان سرحدی اور ساحلی صوبون مین لشکر پہونچائین پہونچائین روس اُن کے ایک بڑے

حصہ پر قبضہ کر چکے گا - اور اگر اُس نے تھوڑے حصہ پر بھی قبضہ کر لیا تو دول یورپ مین ایشیائے کی تقسیم کا مسئلہ چھڑ جائے گا - اور ترکون کو اس کا موقع بھی نہ مل سکے گا کہ اپنے لشکر سے کام لین - اور جان بازی کا حوصلہ بھی نکال سکین - افسوس اب وقت ہاتھ سے نکل گیا - اور گذشتہ غفلت کا خمیازہ لازمی چیز ہے جس سے مفر نہین ہو سکتا -

حضرات ناظرین

یہ جنوری سنہ ۱۹۱۳ع کا دلگداز بھی جناب کی خدمت مین پہونچتا ہے - فبروری کا زیر طبع جو عنقریب حاضر ہوگا - اور اُمید ہے کہ مارچ کے دلگداز سے پہلے یا اُس کے ساتھ ہی ہم وہ نیا ناول ہدیہ جو خریداران سنہ ۱۹۱۳ع کی خدمات مین پیش کیا جانے والا ہے حسب معمول عہ پر وی پی حاضر ہوگا - امید ہے کہ آپ اُسے قبول فرمائین گے - اب وقت آگیا ہے کہ آپ مستعدی سے توجہ فرمائین - اور اپنے خادم دیرین دلگداز کی اعانت دستگیری کے لیے تیار ہون -

فلورا فلورنڈا

اس ناول کا پہلا ایڈیشن مدت ہوئی ختم ہو گیا اور بازار مین جو ایڈیشن ملتا ہے نہایت ہی ناقص اور خراب ہے - مگر ملک نے اس ناول کو اسقدر پسند فرمایا ہے کہ ہمیشہ خطوط آتے رہتے ہین کہ اچھا چھپا ہوا نسخہ بھیجا جائے - انھین ضرورتون سے دلگداز نے اس کا لائبریری ایڈیشن تیار کیا ہے جس کی قیمت باوجود سفید چکنے ولایتی کاغذ پر ہونے - اور بہت صاف اور واضح چھپنے کے وہی ڈیڑھ روپیہ (عہ) ہے - چونکہ دلگداز کے ذریعہ سے تمام حضرات کو اطلاع دے دیگئی اس لیے الگ ریکارڈ بھیجنے کی ضرورت نہین - جنوری سنہ ۱۹۱۳ع کے دلگداز کی اشاعت کے دس بارہ روز بعد تمام خریداران لائبریری ایڈیشن کی خدمتون مین عہ پر وی پی روانہ ہوگا -

خادم قوم منیجر دلگداز

مرد چون پیر شود حرص جوان می گردد

قدرت نے باغ عالم کے میوزیم مین عجیب عجیب قسم کی متضاد چیزین پیدا کر رکھی ہین مگر موت! اے لذتون کو چھیننے والی - اور مسرتون کو خاک مین ملانے والی موت! کیا یہان کوئی تجھ سے بھی زیادہ عجیب و غریب چیز ہے؟ بہت سے مصیبت زدون کو تیری آرزو کرتے اور بہت سے حرمان نصیبون کو تجھ پر مرتے دیکھا ہے - خصوصاً بیقراران عشق اور شمع رخسار کے پروانون نے تو تیرے شوق مین بے انتہا ہاے ہاے مچا رکھی ہے - ایک نازک خیال مصیبت کی زندگی ہی کو مرنے کی تمنا بتاتا اور کہتا ہے

نادان ہو جو کہتے ہو کہ کیون جیتے ہین غالب
قسمت مین ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

دوسرا نہایت ہی جوش دل سے موت کے استقبال مین صداے مرحبا بلند کرتا ہے -

ہو چکی شہر شہر رسوائی
اے مری موت تو بھلی آئی

لیکن غور سے دیکھو تو یہ صرف زبانی جمع خرچ ہے - کون ہے جو موت سے نہین بھاگتا؟ اور مرنے کے نام سے کس کا دم نہین نکلتا؟ انسان کی عمر جس قدر زیادہ ہوتی جاتی ہے اسی قدر اس کی مسرتین کم ہوتی جاتی ہین - لیکن باوجود ان نامرادیون کے اس کے دل مین جینے کی ہوس یوماً فیوماً ترقی کرتی رہتی ہے -

کسی بڑھیا کی حسین و نازنین جوان جہان بیٹی جس کا نام "ماہ رخ" تھا مدت سے بیمار تھی - رات دن دعا کیا کرتی کہ "یا اللہ اس کی آئی مجھ کو آجائے!" اتفاقاً ایک اندھیری

رات کو گھر میں ماں بیٹیوں کے سوا کوئی تیسرا نہ تھا - مریضہ کمرے میں سو رہی تھی اور ضعیفہ کھلے دالان میں - دروازہ کھلا رہ گیا تھا - پڑوسی کا بیل گھر میں گھس آیا - اور سیدھا باورچی خانہ میں گیا - وہاں چھوٹی دیگ کھلی پڑی تھی - اُس میں سر ڈالا کہ کچھ ہو تو کھاؤں - سر چیانی کو دیگ میں چلا گیا مگر نکالنا چاہا تو سینگ اڑ رہے تھے - اُس دیگ کو سر پر اُٹھا کے کھڑ کھڑاتا ہوا بجاتا ہوا گھبرا گھبرا کے ادھر اُدھر بھاگنے لگا - اور گھر میں قیامت کا ہنگامہ مچا دیا - بڑھیا کی جو آنکھ کھلی تو ایک ایسا عجیب الخلقت حیوان نظر آیا کہ نہ کبھی دیکھا تھا اور نہ سُنا تھا - سمجھی کہ ملک الموت ہیں جو میری بیٹی کی روح قبض کرنے کو آئے ہیں - اسی خیال میں تھی کہ بیل کمال اضطراب کے ساتھ اُس کی طرف دوڑا - بڑھیا بدحواس پلنگ پر سے اُٹھ کے بھاگی اور پکار پکار کے کہنے لگی "میری طرف کیوں آتے ہو؟ ماہ رخ اُس کمرے میں لیٹی ہے!" آہ! اے ہادم اللذات موت! یہ تیرا ہی خوف تھا جس نے ماں کی ممتا کو بھی بھلا دیا - ایک قریب المرگ بڑھیا جو قبر میں پاؤں لٹکائے ہے اور رات دن بیٹی کی موت کو اپنے سر پر بلایا کرتی ہے تیری صورت دیکھتے ہی اپنی جان بچاتی اور کمال سنگدلی کے ساتھ اپنے کلیجے کے ٹکڑے اور اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک بیٹی کو تیرے سامنے پیش کیے دیتی ہے۔

بڑھاپے کی زندگی سے بھی بڑا کوئی عذاب ہو سکتا ہے؟ قوی نے جواب دے دیا - حواس مختل ہو گئے - دو قدم چلنا محال ہے - فدا ذرا سے کاموں کے لیے دوسروں کے محتاج ہیں - اور ہر خواہش میں اوروں کے دست نگر - یہی حالت ہے جسے دیکھ کے سکندر نے ابد تک زندگی کو خیرباد کہہ دی اور آب حیات نہ پیا - صاف کہہ دیا کہ ایسے جینے سے مرنا بہتر ہے - مگر یہ سکندر ہی سے ہو سکا جو جوان تھا - وہ پیر فانی جو بڑھاپے کی تلخیوں کا مزہ چکھ رہا ہے اُس کی زبان سے یہ کلمہ ہرگز نہ نکلے گا - اُسے زندگی کی سب سے زیادہ آرزو ہے -

وہ معمولی قسم کے خطرے اور فدا ذرا سے اندیشے جنھیں ہم جوانی میں بالکل ہیچ اور ہیچ در ہیچ خیال کرتے تھے اب بڑھاپے میں ہمیں نہایت ہی خطرناک نظر آنے لگے ہیں - ہم ہر قسم کی احتیاطیں برتتے ہیں - قوی الاثر دواؤں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے لاتے ہیں - جس چیز میں مضرت کا کچھ بھی اندیشہ سنتے ہیں اُس سے کوسوں بھاگتے ہیں - جو پرہیز کبھی نہیں ہو سکا تھا اب ہو جاتا ہے - اور پھر اس پر بھی دل سے موت کا دھڑکا نہیں جاتا جس سے بچنے اور ملک الموت کا مقابلہ کرنے کی تدبیروں میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھتے - یہاں تک کہ

زندگی کے جو چند ایام باقی رہ گئے ہین وہ اسی بے سود و بے نتیجہ کوشش مین صرف ہو جاتے ہین کہ کسی طرح موت کے چنگل سے بچین اور دنیا مین ہمیشہ بنے رہین۔

اپنی زندگی کے آیندہ ایام کے متعلق ہمین کچھ بھی نہین معلوم۔ نہ یہ جانتے ہین کہ کتنے دن ہین نہ یہ معلوم ہے کہ وہ کیسے گزرین گے۔ اور نہ اس کی خبر ہے کہ ان مین کیا ہوگا۔ عمر رفتہ کا میدان البتہ پیش نظر ہے جسے ہم طے کر آئے ہین۔ جس مین تلخیان بھی تھین مگر بہت سی دلچسپ باتین بھی تھین جو یاد ہین۔ انھین کو یاد کر کے ہم اکثر خوش ہو لیا کرتے ہین۔ اور موجودہ ایام زندگی مین دل ستم زدہ کی تسلی کے لیے ان گزشتہ مسرتون کی یاد سے بہتر کوئی نسخہ ہمین ہاتھ نہین لگا ہے۔ لیکن افسوس عمر رفتہ کے واقعات کا چراغ آیندہ ایام زندگی مین نہین روشن ہو سکتا۔ وہ چراغ صرف موجودہ حصہ عمر کے کلبہ اخران تک آتا ہے اس حد سے ذرا بھی آگے لیجانے کا قصد کیا اور گل ہوا اس کے ساتھ قیامت یہ کہ زندگی کی دشواریون۔ طرح طرح کی تکلیفون اور تجربہ کی وحشت نے دل مین دھڑکا پیدا کر دیا ہے کہ آیندہ زندگی نہایت ہی دشوار اور سخت کٹھن ہوگی۔ مگر زندگی کی حرص بھلاوے مین ڈال کے اور ہمین بے نتیجہ ہوسون کی نہ پوری ہونے والی آرزوؤن مین مبتلا کر کے ہمارے دل مین ایک ایسی امید موہوم پیدا کر دیتی ہے جو تمام تجربون اور مسلم واقعات پر غالب آجاتی ہے۔ اور یقین ہو جاتا ہے کہ گزشتہ زندگی کی طرح آیندہ حصہ عمر مین بھی کچھ مسرتین ضرور ہون گی۔ اس خیال کے ساتھ ہی جی چاہنے لگتا ہے کہ آیندہ مسرتون اور خوشیون کے انتظار مین جہان تک ہو سکے زندہ ہی رہین۔

اب اس ہوس مین ہماری حالت اس جواری کی سی ہو جاتی ہے جو ہارتا جاتا ہے مگر کھیل سے ہاتھ نہین روکتا۔ ناکامی ہر بار اس کے دل مین نیا داؤن لگانے کا جوش بڑھاتی ہے اور اسے ایک دھن سی ہو جاتی ہے کہ جس قدر زیادہ ہارتا ہے اسی قدر زیادہ کھیلتا اور زیادہ بڑھ بڑھ کے داؤن لگاتا ہے۔ اور جب تک بالکل تباہ نہ ہو جائے ہمت نہین ہارتا۔

آخر یہ ہوس دنیا جو زندگی کے ساتھ ساتھ بڑھتی اور روز بروز زیادہ ہی ہوتی جاتی ہے ہم مین کیونکر پیدا ہو گئی ہے؟ اور یہ ہمیشہ جیتے رہنے کی آرزو کیون ہے؟ صاف دیکھ رہے ہین کہ جینا وبال جان ہو گیا ہے مصیبت کے سوا مسرت کا چہرہ دیکھنا کبھی

نصیب نہین ہوتا - لیکن دل یہی چاہتا ہے کہ اور جیین - کیا یہ ہماری فطرت کا کرشمہ ہے؟ یا ہمارا مقتضائے طبع یہی ہے؟ لیکن ایسا تھا تو پھر مرتے کیون ہ؟ اور زندگی ابدی لاکھ اچھر ہو بے مانگے کیون نہ مل جاتی؟

دیکھو وہ بوڑھا پیر فانی قبر مین پانون لٹکائے بیٹھا ہے - زندگی اُس کے حق مین بلائے جان ہے؟ اور صاف نظر آرہا ہے کہ اب اس جینے مین مصیبتون کے سوا کچھ نہین باقی رہا - جن آفتون اور تباہیون کو دیکھ کے چاہیے تو یہ تھا کہ اس دہاڑے کو پہونچنے کے بعد وہ موت سے اتنا نہ ڈرتا جتنا کہ جوانی مین ڈرتا تھا - اب تو اُسے مرنے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے تھا - بلکہ موت نہ بھی آتی تو وہ خود اپنے ہی ہاتھ سے اپنی پُر محن زندگی کا خاتمہ کر کے اس حسرت و اندوہ کے سمین کو موقوف کر دیتا اور اُن صدمون اور تکلیفون سے نجات پا جاتا جن مین کہ مبتلا ہے - لیکن ایسا نہین ہے - عمر چندروزہ اُسے ہمیشہ اور ہر زمانے سے زیادہ عزیز ہے - موت جسے چاہیے تھا کہ وہ خود ہی ذوق و شوق سے بُلاتا اب اُس کی نظر مین ایک نہایت ہی خوفناک چیز بن گئی ہے - اور باقی ماندہ حسرت ناک زندگی اُس کے خیال مین ایک بڑی بھاری مسرت اور نعمت عظمیٰ بنی ہوئی ہے - حالانکہ غور سے دیکھو تو وہ کچھ بھی نہین ہے -

قاعدہ ہے کہ ساتھ کے رفیقان زندگی اور آس پاس کی تمام چیزون سے ہمین اُسی قدر محبت ہو جاتی ہے جس قدر کہ اُن کا ساتھ رہے - اور وہ ہماری نظر کے سامنے رہین - ایک جگہ رہتے رہتے ہمین اُس جگہ سے بھی اُنس ہو جاتا ہے - ایک بوسیدہ اور قریب الانہدام عمارت جسے ہم مدت سے دیکھتے رہے ہون جب کھدنے لگتی ہے تو ہمارا دل دُکھتا ہے - جانتے ہین کہ وہ پھر بنانے کے لیے کھودی جاتی ہے اور اُس کی جگہ بڑی بھاری عظیم الشان عمارت بنا کے کھڑی کر دی جائے گی - مگر دل نہین مانتا اُسے اُس کے کھدنے پر رنج ہی ہوتا ہے - اسی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بات ہماری سرشت مین داخل ہے کہ جس چیز کو مدت تک دیکھتے رہتے ہین اُس سے محبت کرنے لگتے ہین - بس مین سمجھتا ہون کہ یہی چیز اور ہماری یہی سرشت ہمارے دلون مین ترقی عمر کے ساتھ دنیا مین رہنے کی ہوس کو روز بروز بڑھاتی جاتی ہے - چونکہ زندگی کا ایک بڑا حصہ دنیا مین بسر ہوا ہے اس لیے ہمین دنیا کی تمام چیزون سے محبت ہو جاتی ہے - اور

جی نہیں چاہتا کہ اُن میں سے کسی کو بھی چھوڑیں۔ اس سے بحث نہیں کہ اس طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اور اس جینے سے ہمیں کوئی فائدہ بھی ہوگا یا نہیں۔ اور باقی ماندہ حصۂ عمر میں ہمارے لیے کسی قسم کی خوشی بھی ہے یا نہیں۔ بلکہ صرف اس وجہ سے کہ دنیا کی تمام چیزوں کو ایک مدت سے دیکھتے چلے آتے ہیں۔ اور اُن سے محبت ہوگئی ہے۔

کسی رحم دل بادشاہ نے اپنی تخت نشینی کی خوشی میں حکم دیا کہ قید خانوں میں جتنے قیدی ہوں سب رہا کر دیے جائیں۔ حسب فرمان شاہی سارے قیدی بادشاہ کے سامنے لاکے کھڑے کر دیے گئے کہ اُسے دعائیں دے کے اپنے اپنے گھروں کو جائیں اتنے میں ایک نہایت ہی بوڑھا سن رسیدہ پیر فانی اسیروں کی صفوں میں سے نکل کے آگے آیا اور بادشاہ کے سامنے زمین بوس ہو کے عرض کرنے لگا "خداوندا! میری عمر اس وقت پچاسی برس کی ہے۔ اور بائیس سال کی عمر سے قید ہوں۔ میں بالکل بے گناہ اسیر کیا گیا تھا۔ نہ مجھ سے کوئی خطا سرزد ہوئی تھی۔ نہ کسی جرم کا مرتکب ہوا تھا۔ اور نہ مجھے اپنے حق میں کچھ کہنے اور جواب دہی کرنے کا موقع دیا گیا تھا۔ لیکن اب یہاں پڑے پڑے ایک قرن سے زیادہ زمانہ گزر گیا اور ترسٹھ سال اسی قیدخانہ کی تاریکی اور تنہائی میں بسر ہوگئے۔ جیل سے نکال کے یہاں تک لائے جاتے ہی میں میری یہ حالت ہوگئی کہ روشنی اور دھوپ کی تیزی سے آنکھیں خیرہ ہوگئیں نہ مجھے کچھ سجھائی دیتا ہے اور نہ اب کھلی فضا میں چل پھر سکتا ہوں۔ دنیا میں میرا کوئی عزیز آشنا بھی نہیں باقی رہا۔ جو ہیں سب مجھے بھول گئے ہیں۔ اور میں انھیں بھول گیا۔ اس لیے حضور عالی مجھے تو اجازت ملے کہ اپنی باقی ماندہ زندگی بھی اسی قید خانے میں کاٹ دوں۔ اور اسی کال کوٹھری میں پڑا رہوں جس میں اتنے دنوں رہ چکا ہوں۔ خوبصورت صحنوں اور عالی شان ایوانوں سے مجھے اپنی اس تنگ و تاریک کوٹھری کی دیواریں زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ مجھے اب تھوڑے ہی دنوں اور جینا ہے اور تمنا ہے کہ باقی زندگی بھی اسی جگہ بسر کر دوں جہاں میری جوانی اور اتنی عمر گزر چکی ہے۔"

اس بوڑھے پیر فانی کا قید خانے میں پڑے رہنے کی آرزو کرنا ویسا ہی ہے جیسے کہ ہر شخص کو دنیا میں رہنے کی ہوس ہوتی ہے۔ قید خانہ ایسی چیز ہے جسے

کوئی نہین پسند کرتا - ہر فرد بشر اُس کے نام سے کانپتا اور بھاگتا ہے - مگر رہتے رہتے انسان اُس کا بھی آرزومند ہو جاتا ہے اور پسند کرنے لگتا ہے - پُرانے قیدی چھوٹتے وقت ساتھیون سے اُسی طرح رخصت ہو کے آتے ہین جس طرح کوئی حرمان نصیب اپنے وطن سے نکلتا ہو - اور باہر آتے ہی کوشش کرتے ہین کہ جس قدر جلد ہو سکے اپنے آپ کو پھر اُس ہین پہونچا دین - اسی طرح ہم دنیا مین جس قدر زیادہ رہتے ہین اُسی قدر زیادہ ہمین اُس سے محبت ہو جاتی ہے - ہمارے پالے ہوئے جانور - ہمارے لگائے ہوئے درخت - ہمارے بنائے ہوئے مکان - اور اسی قسم کی ہزارہا چیزین یوماً فیوماً ہمین دنیا سے وابستہ کرتی جاتی ہین - اور اُن سے چھوٹتے کا ہمین بہت ہی افسوس ہوتا ہے -

نوجوان کی نظر مین دنیا ایک نئی چیز ہوتی ہے - اُس کے لیے اُس زمانہ مین اگرچہ دلچسپی و لطف کا بہت کچھ سامان جمع ہوتا ہے مگر وہ اُس کی کچھ زیادہ پروا نہین کرتا - لیکن آخر عمر مین دنیا اُس کی پُرانی رفیق و انیس بن جاتی ہے - اور اُس وقت لے دے کے جو کچھ دلچسپی باقی رہ جاتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ ہم گزشتہ خوشیون اور لذتون کو یاد کر لیا کرین - اب کسی نئی چیز سے ہمارا دل خوش نہین ہوتا - کوئی نئی بات ہمین پسند نہین آتی مگر ان بے لطفیون پر بھی ہم دنیا مین رہنا چاہتے ہین - اور اُس سے بے انتہا محبت کرتے ہین یہان تک کہ اپنے زوال پذیر حزانے کو بہت ہی کفایت شعاری سے صرف کرتے ہین تنگی و ترشی سے بسر کرتے ہین - اور ہر وقت اسی فکر مین رہتے ہین کہ جو کچھ اندوختہ ہے بہت دنون کام آئے - اور اس انجام کو کہ ایک دن موت آئے گی اور ہمین اپنی تمام عزیز چیزون اور محبوب لوگون سے چھڑا دے گی ہم بہت ہی درد کے ساتھ یاد کرتے اور نہایت حسرت کی نظر سے دیکھتے ہین -

انہار بحر

قدرت نے دنیا مین عجیب و غریب چیزین پیدا کی ہین - موجودہ زمانہ کی سائنس کی ترقیان اور بڑی بڑی شاندار تجربات ہر چیز کے وجود اور اسباب دریافت کرتے جاتے ہین مگر اب بھی بہت سی چیزین ایسی ہین جن مین عقل انسانی حیران ہے انھین مین سے ایک انہار بحر ہین جن کے متعلق کوئی قطعی طور پر نہین کہہ سکتا کہ کیونکر

جاری ہیں - قرآن مجید میں خداوند جل و علا فرماتا ہے "مرج البحرین یلتقیان بینہما برزخ لا یبغیان" اس کی پوری اور صحیح تفسیر پوچھیے تو ان انہار بحر کا پتہ لگنے سے پہلے دنیا میں کسی کو نہیں معلوم ہو سکتی تھی۔ لیکن اب موجودہ تحقیقوں اور جستجوؤں کے بعد دیکھتے ہیں کہ سمندر ہی کے اندر کس طرح نہریں جاری ہیں اور کیونکر بغیر کسی حجاب و برزخ کے ایک پانی خاموش و متحرک رہتا ہے اور دوسرا زور و شور سے جاری ہے۔

انہار بحر سمندر کے دریا ہیں۔ ہمارے بہت سے ناظرین حیران ہوں گے کہ سمندر میں دریا کیسے؟ مگر خدا کی قدرت ایسے ہی معجزات دکھاتی رہتی ہے۔ جس طرح خشکی پر ہزاروں ندیاں بہ رہی ہیں بالکل اسی طرح سمندر میں بھی ہیں۔ اس بارے میں کہ یہ سمندر میں کیونکر جاری ہیں بہت سی رائیں قائم کی گئی ہیں۔ مگر ان میں سے کوئی توجیہ ایسی نہیں جو دل میں جم کے بیٹھ جائے۔ پہلی وجہ تو یہ بتائی جاتی ہے کہ آفتاب کی تمازت سے خط استوا اور اس کے آس پاس کا پانی گرم ہو جاتا ہے اور چونکہ عام قاعدہ ہے کہ گرم چیز پھیلتی ہے اس لیے یہ گرم پانی بھی پھیلتا۔ اپنی سطح سے کسی قدر اونچا ہو کے بہتا۔ اور قطبین کی طرف چلتا ہے جہاں کا پانی ٹھنڈا اور خط استوا کے پانی کی سطح سے کسی قدر نیچا ہے۔ اس طریقے سے پانی کا ایک بہاؤ قائم ہو جاتا ہے اور گرمی کے ابھار سے جو جوف پیدا ہوتا ہے اس کی جگہ بھرنے کے لیے قطبین کے پاس سے سرد پانی نیچے ہی نیچے بہ کر خط استوا کی طرف آتا رہتا ہے۔ یہی سمندر کی بالائی اور اندرونی نہریں ہیں۔ قطبین کی طرف سے جو نہریں خط استوا کی طرف آتی ہیں وہ اکثر سطح آب کے نیچے ہوتی ہیں اور دکھائی نہیں دیتیں۔ مگر بعض سطح آب کے اوپر بھی ہوتی ہیں۔ اگر سطح زمین پر ہر جگہ ایک ہموار گہرائی کا سمندر ہوتا تو اس کے دور کی وجہ سے سب جگہ کے پانی کی حرارت ایک ہی درجے پر رہتی۔ مگر سمندر کی گہرائی کہیں کم ہے اور کہیں زیادہ۔ کہیں اس کی سطح کے اوپر زمین بھی نکل آئی ہے لہذا اس پانی کی رفتار کے خاص خاص راستے مقرر ہو گئے ہیں جو عظیم الشان نہروں کی طرح سمندر ہی میں بہتے بہتے قطبین کی طرف جاتے ہیں اور وہاں سے سطح آب کے اندر ہی اندر خط استوا تک آتے ہیں۔

اس پانی کے دور کے خاص راستہ مقرر ہو جانے کے مختلف وجوہ ہیں۔ ایک تو یہ وجہ پیش کی جاتی ہے کہ جس طرف سطح آب پر ہوا معمولاً چلتی رہتی ہے اسی طرف ان

نہرون کا بھی رخ ہوجاتا ہے۔ اور بعض زمانہ حال کے جغرافیہ دان اسی کو ان انہار کے جاری ہوجانے کا اصلی سبب بتاتے ہین۔ اور اصل بھی یہی ہے کہ سمندر کی سطح پر ہوا بہت بڑا اثر کرتی ہے اور بہت سی سمندر کی چھوٹی چھوٹی نہرین محض ہوا کی رفتار سے پیدا ہو جاتی ہین چنانچہ بحر ہند مین چونکہ ہوا کا رخ موسم کے ساتھ بدلتا رہتا ہے لہذا جس طرف کی ہوا ہوتی ہے اسی طرف ان نہرون کا بھی رخ ہوجاتا ہے۔ لیکن سمندر کے اندرونی یعنی سطح آب کے نیچے کی نہرون کے لیے یہ وجہ نہین ہو سکتی۔ سمندرون کے بعض حصون مین ہوا ہمیشہ شمال و مغرب کی طرف چلا کرتی ہے اور بعض مقامات پر جنوب و مغرب کی طرف۔ بس ان حصون مین سب سے بڑی بڑی نہرین ہمیشہ مغرب ہی کی جانب بہتی ہین۔ بعض مقامات پر نہرین مشرق کی جانب بھی جاری ہین مگر وہان ہوا کا رخ بھی مشرق ہی کی طرف ہوتا ہے۔

عام قاعدہ ہے کہ زمین کی گردش کی وجہ سے کوئی چیز اگر کرۂ زمین پر حرکت کرتی ہو تو اگر وہ خط استوا سے شمال مین ہو تو داہنی جانب اور اگر جنوب مین ہو تو بائین جانب کسی قدر ہٹ جائے گی۔ اسی وجہ سے یہ سمندر کی نہرین بھی جو مغرب کی جانب بہتی ہین کسی قدر اپنے داہنے یا بائین جانب مڑ جاتی ہین یہان تک کہ کوئی زمین کا حصہ ملتا ہے جو روک کے ان کا رخ بالکل پلٹ دیتا ہے اور وہ بجاے مغرب کی طرف جانے کے بالکل مشرق کی طرف منہ کرکے بہنے لگتی ہین بحر اٹلانٹک کی بڑی نہر مغرب کی جانب چلتی ہے یہ اتنی بڑی ہے کہ چوڑائی مین خط استوا کے شمال اور جنوب دونون جانب ہوتی ہے۔ جو خط استوا کے شمال مین ہے وہ کسی قدر اپنے داہنے جانب ہٹ جاتی ہے یہان تک کہ امریکہ کے ساحل سے ٹکرا کے مشرق کی جانب پھر جاتی ہے اور دوسری جو خط استوا کے جنوب مین ہے وہ کسی قدر اپنے بائین جانب ہٹ جاتی ہے اور وہ بھی ساحل امریکہ سے ٹکرا کے اور دوسری طرف سے مڑ کے مشرق کی طرف واپس ہوتی ہے۔

اگر کرۂ زمین پر تمام سمندر ہی سمندر ہوتا تو غالباً ان سب نہرون کا رخ قریب قریب مغرب ہی کی جانب ہوتا۔ لیکن خشکی کے بڑے بڑے حصے سمندر کی سطح کے اوپر نکلے ہوئے ہین جن کی وجہ سے یہ نہرین شمال اور جنوب کی طرف مڑ جاتی ہین اور اس طرح سے ایک دَور قائم رہتا ہے تاکہ قطبین کا سرد پانی اگے قریب آکر یہان کے پانی کی حرارت کو کم کرتا رہے اور خط استوا کے پاس کا گرم پانی وہان جا کے کسی قدر حرارت پیدا کرے

بحر اٹلانٹک کی شمالی نہر جب ساحل امریکہ سے ٹکرا کے اور خلیج میکسکو مین سے گھوم کے نکلتی ہے تو انگریزی جغرافیہ دان اسکو گلف اسٹریم یعنی خلیج کی نہر کہتے ہین یہی نہر بہتے بہتے برطانیہ کے جزایر اور شمالی یورپ کے ساحلون سے گزرتی ہوئی بحر منجمد شمالی مین پہونچ کے غائب ہو جاتی ہے ملک ناروے کے بندرگاہ اسی کی وجہ سے سال بھر جہازون کی آمدورفت کے لیے کھلے رہتے ہین۔ اگر اس کا گرم پانی وہان سے نہ گزرتا تو یقیناً سال کے زیادہ حصہ مین وہان برف ہی برف ہوتی۔ کیونکہ بحرۂ بالٹک کا دہانہ جو اس سے ۱۲۰۰ میل خط استوا کی طرف ہٹا ہوا ہے سال کے زیادہ حصہ مین برف سے بند رہتا ہے۔ اور بحیرۂ اسود جو اس سے بھی زیادہ خط استوا کی طرف ہٹا ہوا ہے وہ بھی جاڑون مین اکثر جم جاتا ہے۔ مگر ناروے کے بندرگاہ ہمیشہ کھلے رہتے ہین۔ اور اُن کا سمندر کبھی نہین جمتا۔

اچھا اب اُس نہر کو دیکھو جو بحر منجمد شمال کی طرف سے بہتی ہوئی ملک لیبریڈر کے ساحل کے پاس سے گزرتی ہے۔ لیبریڈر اور انگلستان قریب قریب ایک ہی خط مین واقع ہوئے ہین یعنی خط استوا سے دونون کا فاصلہ قریب قریب برابر ہے اور اس لحاظ سے دونون جگہ سردی اور گرمی برابر ہونی چاہیے تھی۔ مگر انگلستان کے سواحل ہمیشہ برف سے صاف رہتے ہین اور لیبریڈر کے ساحل سال مین ۹ مہینہ سے زیادہ برف کی وجہ سے بند رہتے ہین بعض جگہ سمندر مین ٹھنڈی اور گرم نہرین مل جاتی ہین یہان اکثر کہرا پڑا کرتا ہے اور وہان کے پانی مین تلاطم بھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔

عام سمندر کے پانی مین اور ان نہرون کے پانی مین اکثر اختلاف بھی ہوتا ہے۔ اگر نہر خط استوا کی طرف سے آتی ہے تو اس کا پانی سمندر کے پانی سے زیادہ گرم ہوگا اور رنگ مین بھی کسی قدر زیادہ سیاہی مائل ہوگا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جہاز کے ایک طرف تو سمندر کا پانی ہے اور دوسری جانب نہر کا پانی۔ ایک طرف ڈول ڈال کے پانی نکالا جائے تو ٹھنڈا نکلے گا اور دوسری جانب اُس سے زیادہ گرم اور زیادہ سیاہی مائل۔ مگر ایسے مقامات سے جہاز کو بہت جلد نکال لے جاتے ہین کیونکہ وہان جہاز مین غیر معمولی حرکت ہونے لگتی ہے۔

یہ سمندر کی نہرین جن ملکون کے پاس سے ہو کر گزرتی ہین وہان کی آب و ہوا پر

بھی بہت بڑا اثر ڈالتی ہین مثلاً انگلستان کے موسم مین اسی **گلف اسٹریم** کی بدولت ایک خوشگواری پیدا ہو گئی ہے ورنہ وہان سردی بہت زیادہ ہوتی - تجارت کو بھی ان نہرون سے بڑی مدد ملتی ہے - ہم اوپر بتا چکے ہین کہ بہت سے مقامات کے بندرگاہ محض انھین کے اثر سے جہازون کی آمد و رفت کے لیے سال بھر کھلے رہتے ہین ورنہ برف سے بند رہتے - بعض مقامات پر جہازون کو اپنی رفتار مین ان سے مدد ملتی ہے - مثلاً جو جہاز افریقہ کے جنوبی راس امید کے پاس سے ہو کر گزرتے ہین اگر وہ انگلستان سے آسٹریلیا کی طرف جاتے ہوئے تو وہ ساحل سے بہت دور ہٹ کے نکل جاتے ہین تاکہ ان کو اس نہر مین ہو کے چڑھاؤ نہ کاٹنا پڑے جو وہان ساحل کے قریب جاری ہے - اور جو جہاز انگلستان کی طرف جاتے ہین وہ ساحل سے قریب قریب جاتے ہین تاکہ ان کو اپنی رفتار مین اُس کے بہاؤ سے مدد ملے -

یہ نہرین خشکی کی چھوٹی چھوٹی ندیون کی طرح نہین ہین بلکہ بہت لمبی چوڑی ہوتی ہین گلف اسٹریم کی چوڑائی تقریباً ۴۰ میل ہے اور ۲۰۰۰ فٹ سے زیادہ گہری ہے - بعض جگہ اس کی چوڑائی اس سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے - پانی کے رنگ مین بھی ایک بہت ہی نمایان اختلاف ہے کیونکہ اس کا پانی گہرے نیلے رنگ کا ہوتا ہے -

جاپان کے قریب سے جو نہر بہتی ہے اس کا رنگ سیاہ ہے اور اسی وجہ سے وہان کے لوگ اُسے "کوروسیوا" یعنی کالی ندی کہتے ہین - یہ نہر بھی جاپان کو وہی سب فائدے پہونچاتی ہے جو **گلف اسٹریم** انگلستان اور ناروے کے موسم اور سواحل کو پہونچاتی ہے غرض کہ تمام دنیا کے سمندرون مین اسی طرح کی ہزارون نہرین جاری ہین جو ہمیشہ بہتی رہتی ہین اور تمام جہان پر اپنا اثر ڈالتی ہین -

دنیا کا سب سے بڑا اسٹیمر ٹائٹانک جو سال ڈیڑھ سال قبل تباہ ہو گیا تھا محض انھین انہار بحر مین سے ایک کی بدولت تباہ ہوا جو برف کا ایک بہت بڑا پہاڑ جو بیس بائیس میل لمبا چوڑا تھا قطب شمالی سے بہا کر بحر اٹلانٹک مین لے آئی - اور جہاز مذکور اُس سے ٹکرا کے تباہ و برباد ہو گیا -

الغرض یہ سمندر کی نہرین عجائبات قدرت مین سے ہین جن سے دنیا نے انتہا فائدہ اٹھایا ہے -

دہیاے کاہنہ

یہ ایک عجیب و غریب عورت تھی جو آج سے ساڑھے بارہ سو برس پہلے اپنی فطرتی دانائی اور اپنی ہوشیاری اور چالاکی سے سارے شمالی افریقہ کی ملکہ بن گئی تھی۔ اور قرون اُولے کے وہ اہل عرب جنھون نے ایران و ترکستان اور روم و مصر کی زبردست سلطنتون کو تہ و بالا کر دیا تھا اُنھین اس ہوشیار عورت پر غالب آنے مین بڑی بڑی دشواریان پیش آئین۔

یہ عورت ثابت بن تیقان نام ایک بڑے رئیس کی بیٹی تھی۔ اور چونکہ اُس کا شوہر قبائل زناطہ کے ایک مشہور قبیلے جراوہ کا سردار تھا۔ اس لیے وہ کاہنہ ہی نہین اپنی قوم اور اپنے وطن کی ملکہ تھی۔ لیکن اس کے ساتھ اُس نے سحر اور نیرنگ کے فنون مین ایسا کمال حاصل کر لیا تھا کہ لوگ اُسے غیب کی باتون سے واقف اور بڑی زبردست شیطانی یا روحانی قوتون پر حاکم جانتے تھے۔ اور سچ یہ ہے کہ عوام کی اسی عقیدت نے اُسے ایک مدت تک ملک گیری عجیب و غریب طرح سے کامیاب کیا اور اس اُس کا مامن یاد ار الحکومت تھا۔ ملت یہود کی پابند تھی۔ اور اس کی ساری قوم کا مذہب بھی یہی پُرانا اسرائیلی دین تھا۔ اور یہ یہودیت ہی کا اثر تھا کہ اُسی نے اپنے آپکو روحانی علوم مین کامل اور بڑے شیاطین کو اپنا تابع فرمان بتانا شروع کر دیا۔ اس کے حکمران ہونے سے پہلے علاقہ جبل اور اُس کا فرمان روا کسیلہ نام ایک شخص تھا۔ اہل عرب نے جب مصر پر قابض و حکمران ہونے کے بعد مغرب کی طرف آگے قدم بڑھایا تو اُنھین طرابلس اور مراکش وغیرہ مین رومی حکمرانون کے علاوہ اس بربری تاجدار سے بھی سابقہ پڑا۔ جسے شکست دے کے اُنھون نے توحید الٰہی کی تعلیم اس سرزمین مین پھیلانا شروع کر دی۔ اور کسیلہ لڑائی مین مارا گیا۔ اُس کے قتل کے ساتھ تمام بربری اور زناطی قبائل جا کے اُسی دہیا کے پاس حاضر ہوئے۔ اور اُسے سب سے زیادہ صاحب عقل اور غیب دان خیال کر کے اپنی ملکہ بنا لیا۔ لیکن اس کیا وامر اسکے اپنا قدم کہانت کے ذریعے سے اُٹھا کے سریر فرمان روائی پر رکھ دیا۔ اور روہیم شہر یاری سر پہ رکھ کے تاجدار و جہان بان بن گئی۔

حکومت کے ساتھ چونکہ اُس مین یہ کمال بھی تھا کہ ہونے والی باتین بتا دیتی اور لوگون سے پہلے ہی سے کہہ دیا کرتی کہ اس کام کا یہ انجام ہوگا اس لیے بربری بدوی اور افریقی ابناے بادیہ فرمان برداری کے علاوہ اُس کے معتقد و مرید بھی بن گئے۔

دہیا کے تین بیٹے بھی تھے جنھین اُس نے پالا تھا اور جو خاندانی سیادت و سرداری کے وارث ہوتے تھے مگر داہیہ کی سرکش طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ بیٹون کی فرمان بردار بن کے بیٹھے۔ چنانچہ کسیلہ کے مارے جانے اور" اوراس" کی ملکہ بننے سے پہلے ہی وہ اپنے تینون بیٹون کو اپنے اثر اور اپنے جادو کے زور سے مغلوب و مقہور کر چکی تھی۔

اب جو وہ سارے شمالی افریقہ کی ملکہ بن گئی تو عربون کو اُس کی سرکوبی کی فکر ہوئی۔ خاصتہً اس لیے کہ عقبہ بن نافع کا ایسا نامی گرامی سپہ سالار عرب جس نے پورے افریقہ کو مغرب تک فاتحانہ طریقہ سے طے کر کے شہر طنجہ کے پاس گھوڑے کو سمندر مین ڈال کے یہ صدا بلند کی تھی کہ" خداوندا اگر یہ سمندر حائل نہ ہو جاتا تو جہان تک زمین ملتی مین برابر تیری توحید کے نعرے لگاتا چلا جاتا" اُسے بظاہر تو کسیلہ نے خود مسلمان بن کے اور مکر و دغا سے اُس کے لشکر سے جدا کر کے بربریون کے زغہ مین گھیر لیا تھا اور شہید کیا تھا لیکن تحقیقات کے بعد کھُلا کہ اس دغا بازی و مکاری کی اصلی بانی یہی مکارہ دہیا تھی۔ جس نے پہلے تو سنہ ۶۳ھ مین کسیلہ سے عقبہ بن نافع کو قتل کرایا۔ پھر جب کسیلہ اُس کے انتقام مین زہیر بن قیس کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تو اسی دہیا نے بربریون اور رومیون کو ایسا برانگیختہ کر دیا کہ سب نے یکایک زغہ کر کے زہیر بن قیس کو بھی شہید کر ڈالا اور میدان خالی دیکھتے ہی دہیا افریقہ کی ملکہ بن گئی جس کی سلطنت کسی معمولی ملکہ کی سی نہین بلکہ ایک سن رسیدہ جادوگرنی کی ایسی تھی۔ جو علانیہ لوگون سے کہتی کہ شیاطین مجھے ہر بات کی خبر دے جایا کرتے ہین اور وہی ہر امر مین میرے مدد معاون رہتے ہین۔

یہ خبرین عبدالملک بن مروان کو پہونچین تو اُس نے حسان بن نعمان غسانی کو والی افریقہ مقرر کر کے اس کاہنہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ زہیر بن قیس کے مارے جانے کے بعد دہیا سارے افریقہ اور نیز اُن تمام شہرون پر متصرف ہو گئی تھی جنھین مسلمان اس سے بہت پہلے فتح کر چکے تھے۔ حسان نے قیروان اور قرطاجنہ پر

پھر قبضہ کر کے علم اسلام قائم کیا۔ اور آگے بڑھے۔ بجایہ سے ایک منزل آگے رود مسکینی کے پاس دہیا کے زبردست لشکر سے مقابلہ ہوا۔ دہیا نے ایسی جوانمردی و دلیری سے اپنی فوج کو لڑایا کہ عربون کو فاش شکست ہوئی۔ ہزارہا مسلمانون نے جام شہادت پیا۔ اور اُن کا ایک بڑا بھاری گروہ دہیا کے ہاتھ مین اسیر ہو گیا۔ دہیا نے اس موقع پر اتنی نیک نفسی ظاہر کی کہ جتنے مسلمان گرفتار ہوئے تھے سب کو چھوڑ دیا۔ صرف خالد بن یزید قیسی نام ایک نہایت خوش رو جوان عرب کو روک لیا۔ اور وہ بھی کسی بُری نیت سے نہین۔ بلکہ محض اس لیے کہ میدان جنگ مین خالد کی نبرد آزمائی و جان بازی کو دیکھ کے وہ اُن کی گرویدہ ہو گئی۔ اور اُنھین بیٹا بنا کے اپنی صحبت مین رکھا۔ حسان شکست کھا کے واپس آئے تو برقہ کے علاقہ مین ٹھہر گئے اور عبدالملک کے دربار مین لکھا کہ اور لشکر بھیجیے۔ اور دہیا کی سرکوبی کے لیے ضرورت ہے کہ عربون کا منتخب اور اعلیٰ درجہ کا لشکر آئے۔ دمشق سے اس کی تعمیل مین دیر ہوئی۔ اور حسان پانچ سال تک برقہ مین کمک کے امیدوار بنے پڑے رہے۔ اتنی مدت گزرنے کے بعد عبدالملک نے ایک بڑا بھاری زبردست لشکر اور بہت کچھ مال و خزانہ بھیجا اور حسان کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ حسان چونکہ ایک دفعہ شکست کھا چکے تھے۔ اس لیے اب کی بار روانہ ہونے سے پہلے اپنا ایک جاسوس نامہ بر خالد کے پاس بھیجا۔ اور اُن سے دہیا کے لشکر کی کیفیت اور حالات دریافت کی۔ خالد نے مخفی طور پر لکھ بھیجا کہ آپ فوراً حملہ شروع کر دین۔ اور جس قدر جلد ممکن ہو یہان آ پہونچین۔ اس لیے کہ فی الحال تمام اہل بربر دہیا سے ناراض اور اُس کے مظالم سے برافروختہ ہو رہے ہین۔

کاہنہ مین خرابی یہ تھی کہ باوجود عورت ہونے کے نہایت ہی جابر و ظالم تھی اور ملک کو تباہ کرنے کے سوا کبھی اُس کی آبادی کی فکر نہ کرتی تھی۔ رعایا کی فلاح سے اُسے سروکار نہ تھا۔ اور انسانون کے تباہ و برباد کرنے مین کوئی مضائقہ نہ سمجھتی تھی۔ خصوصاً اب جو اُس نے سُنا کہ عربون نے پھر حملہ کا ارادہ کیا ہے تو کہنے لگی "عرب لوگ تو شہرون اور سونے چاندی کے خواستگار ہین۔ اور ہماری خواہش یہ ہے کہ کھیتون اور چراگاہون کو بچائین اور شہرون کو جو ان کی مطمح نظر ہین خود ہی تباہ و برباد کر ڈالین۔ تاکہ عرب لوگ جب دیکھین کہ سارا ملک اُجڑ گیا تو نادم ہو کے

واپس چلے جائیں۔" اپنی یہ پالسی اور اپنا یہ احمقانہ خیال ظاہر کرتے ہی اُس نے اپنے ہزارون کو روانہ کیا کہ تمام شہرون کو جاکے ویران و برباد کر دین۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل سختی سے ہونے لگی۔ تمام چھوٹے بڑے شہر اُجاڑ دیے گئے۔ زبردست اور مضبوط قلعے مسمار و منہدم کرڈالے گئے۔ اور ساری رعایا کے گھر لوٹ لیے گئے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ حسان نے دو ہی چار کوچ کیے تھے کہ رومی ساکنین افریقہ کے ایک جم غفیر نے آکے دوہائی دینا شروع کی کہ خدا کے لیے ہمین دہیاے کاہنہ کے ظلم سے بچا لیجیے۔ آگے بڑھ کے وہ شہر قابس مین پہونچے تو شہر والون نے بہت سا مال و دولت لا کے سامنے رکھ دیا اور اظہار اطاعت کیا۔ حسان نے خوش ہو کے اُن سے امن و امان کا وعدہ کیا۔ اپنی طرف سے ایک والی وہان مقرر کیا اور شہر قفصہ مین پہونچے یہان کے لوگون نے بھی سر اطاعت جھکایا۔ پھر وہ اور کوچ کر کے شہر قسطیلہ مین آئے اور اُس پر بھی قابض ہو گئے۔

اب جو عربون کی چڑھائی کی خبر دہیا کو پہونچی تو اُس نے اپنے دو بیٹون اور خالد بن یزید کو اپنے سامنے بلوا کے کہا "مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ مین اب کی لڑائی مین ماری جاؤن گی۔ اس لیے تمھارے حق مین مناسب یہ ہے کہ خود ہی حسان کے پاس چلے جاؤ۔ اور اپنے لیے امان مانگ لو۔ بلکہ انھین سے مل جاؤ۔ اب اس کے بعد تمھین میرا ساتھ دینے کی ضرورت نہین ہے۔" چنانچہ اُس کے بیٹے اور خالد اُس کی اجازت سے عربی لشکر گاہ مین چلے آئے۔ حسان کی اطاعت قبول کر کے اپنے لیے امان حاصل کی۔ اور عربون ہی مین رہنے سہنے لگے۔ اب حسان اپنے لشکر کے ساتھ اُس کے سر پر جا پہونچے۔ دہیا نے اگرچہ اپنے فرزندون کو بھیج دیا تھا مگر خود اُس نے اطاعت قبول نہین کی۔ اور دونون لشکر آمنے سامنے صف آرا ہو گئے۔

آخر لڑائی شروع ہو گئی۔ اور بڑی ہی خونریز لڑائی ہوئی۔ اس مرتبہ عربون کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ اور افریقیہ اور بربر والون کی ہمتین پست تھین کیونکہ اب کی خود دہیا مین نہ وہ اگلا سا جوش و خروش تھا اور نہ کامیابی و فتحمندی کی امید تھی۔ چنانچہ بربریون کو شکست ہوئی۔ اور عربون نے کشتون کے پشتے لگا دیے۔ اس لڑائی کے ہنگامہ مین کسی اسلامی بہادر کی تلوار خود دہیاے کاہنہ پر پڑ گئی

جو گرمی اور تڑپ کے اُسی جگہ رہ گئی۔ اُس کے قتل ہوتے ہی بربریون نے ہتھیار ڈال کے پناہ مانگنا شروع کی۔ اور فاتحون نے اپنی خون آلود تلوارین میان مین کین۔

منجملہ دیگر عجائبات کے یہ بھی ہے کہ کہتے ہین جس وقت دہیاے کاہنہ ماری گئی ہے اُس کی عمر ۱۲۷ سال کی تھی۔ اور تخت جہان بانی پر بیٹھے ہوے اُسے ۳۵ سال گزر چکے تھے۔ اُس کے مارے جاتے ہی پھر کسی مین مخالفت و سرتابی کا حوصلہ تھا سارا افریقہ مطیع و منقاد ہو گیا۔ اور عربون نے افریقہ کی مہم سے فارغ ہوتے ہی اندلس کے فتح کرنے کی طرف توجہ کی۔

افریقہ مین اب امن و امان قائم ہو جانے کا اصلی سبب یہ تھا کہ حسان نے دہیا کا فتنہ دور کرتے ہی ایک نیا فوجی قانون جاری کیا جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُس کا پہلا موجد فرانس کا سپہ سالار ہند ڈوپلے تھا جس نے ہندوستان مین پہلے پہل یہ تجویز کی کہ ہندوستانیون کا ایک باضابطہ لشکر فرانسیسون کی تائید کے لیے قائم کیا جائے۔ جسے پوری تعلیم اور پورے اسلحہ دیے جائین۔ اور اس کا اندیشہ نہ کیا جائے کہ یہ کبھی دغا دین گے۔ اس سے پہلے ہندوستان مین فرنچ گورنمنٹ اور برٹش گورنمنٹ کی جتنی فوجین ہندوستان مین تھین سب فرانسیسی اور انگریز سپاہیون کی تھین۔ ڈوپلے کی اس تجویز کے بعد سے فرانسیسون نے ہندوستانی فوجین اپنے یہان مقرر کین اور انگریزون نے اپنے یہان۔ اور جو جو اُن کی وفاداری کا تجربہ ہوتا گیا اُن کو روز بروز ترقی دی گئی۔

مگر ڈوپلے سے گیارہ بارہ سو برس پہلے یہ اصول دہیا کا ہنگامہ فرو کرنے کے بعد حسان بن نعمان نے افریقہ مین جاری کر دیا تھا۔ اس لیے کہ اُس نے بربریون پر یہ لازمی قرار دیا کہ اُن کے اچھے جوانون کی بارہ ہزار فوج ہمیشہ قائم رہا کرے جس کا کام یہ ہو کہ اگر اہل بربر مین سے کوئی بغاوت یا سرکشی کرے تو وہ فوج فوراً اُس کی سرکوبی کے لیے اُٹھ کھڑی ہو۔ جس کا بہت بڑا نمایان نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ پھر مدتون تک رعایاے افریقہ مسلمانون کے خلاف سر نہین اُٹھا سکی۔

دہیاے کاہنہ کا واقعہ طرابلس الغرب کی اُس فتح کے بہت دنون بعد کا ہے جب حضرت عبد اللہ بن زبیر نے جا کے قلعۂ افریقیہ پر شجاعت دکھا کے گریگوری

کی بیٹی قلیپاٹا کو اپنی حرمون مین شامل کیا تھا - دراصل وہ افریقہ کی پہلی فتح اسلام تھی اور یہ آخری فتح اسلام - کیونکہ اس کے بعد پھر مسلمانون کو دوبارہ فتح کرنے کی ضرورت اگلے دنون نہین پیش آئی تھی -

کہانت

کہانت کے لغوی معنی فال گوئی کے ہین - اور اسی لیے اُس شخص کو جو غیب کی باتین بتائے اور اپنے آپ کو مخفی اسرار سے واقف ظاہر کرے "کاہن" کہتے ہین - اسلام سے پہلے تمام مذاہب کے حالات پر غور کیجیے تو صاف نظر آتا ہے کہ دینی پیشوائی اور مقتدائی کے لیے کہانت لازمی تھی ۔

مصریون کے مقتداؤن نے مذہب کو نامعلوم اسرار و رموز کا خزانہ بنا رکھا تھا - قوم بیلون - مگرمچھون - بلیون - پرندون وغیرہ کی پرستش کرتی تھی لیکن الہیات کے مسائل رموز باطنی کی طرح صرف مقتداؤن تک محدود تھے جو آداب مذہبی کی تعلیم کے ساتھ غیب کی باتین بھی بتا دیا کرتے ۔ بابل والون نے رمل اور نجوم کے فن کو ہندوؤن کی طرح جزو دین بنا لیا تھا جس کی مدد سے وہ ہر امر مین آیندہ کی بابت حکم لگایا کرتے - اُن کی اسی دینی جستجو نے علم ہیات کو مدوّن کیا - کواکب کے اثرات اور اُن کے افعال و خواص مقرر کیے - اجرام فلکی کے نام رکھے - ان کی حرکتون کا پتا لگایا - اور دنیا کو باور کرا دیا کہ نجوم کے ذریعہ سے جو الہیات سے وابستہ تھا انسان غیب کی باتون کو بتا دیا کرتا ہے - ہندوؤن اور بابلیون کے قدیم مسائل بہت ملتے جلتے ہین - اور نجوم و الہیات کے لحاظ سے ضرور ماننا پڑتا ہے کہ یا تو نجوم و ہیات کو بابلیون نے ہندوؤن سے لیا یا ہندوؤن نے بابلیون سے حاصل کیا - لیکن چونکہ یہ امر تاریخ کا ایک طے شدہ مسئلہ ہو گیا ہے کہ آریہ لوگون نے متمدن لوگون (ابنی سام) کے بعد ترقی کی اس لیے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ بابل والون کے علوم ہیات و نجوم بعد کے زمانہ مین پورے پورے ہندوؤن مین منتقل ہو آئے - اور اسی وجہ سے دونون کی کہانت بھی ایک ہی قسم کی ہے - ہندو پنڈت پترا دیکھ کے اور زائچہ کھینچ کے جس طرح بعد والی باتین بیان کیا کرتے ہین اسی طرح بابل کے پوجاری اور منجم

لوگ بھی بتایا کرتے تھے - آتش پرستون مین بھی کہانت تھی - اور غالباً اُسی قسم کی ہوگی جیسی کہ اہل بابل مین تھی - اگرچہ اُن کی کہانت کے زیادہ مشرح حالات ہمین نہین معلوم ہوسکے

یونانیون مین بھی کہانت تھی مگر بابل والون کی کہانت سے بہت ادنیٰ درجہ کی - اگرچہ انھون نے بھی ہیأت و نجوم کو حاصل کر لیا تھا مگر جہان تک پتہ لگایا جاتا ہے یہ فنون اُن کے دین کے اصلی عنصر نہین بننے پائے تھے - اُن کے کاہن بڑے بڑے مندرون کے پوجاری تھے - اور اُن کی کاہنہ عورتین وہ کنواری لڑکیان تھین جن کی زندگی بت خانون اور مندرون کی نذر ہو جاتی - اپالو کے مندر مین جو قدیم یونانیون کا سب سے بڑا مندر تھا لوہے کی ایک تپائی پر یہ لڑکیان برہنہ کر کے بٹھائی جاتین اور نیچے کچھ بخور سلگا دیے جاتے - تھوڑی دیر کے بعد اُس لڑکی کے دماغ پر کچھ ایسا اثر پڑتا کہ حواس مختل ہونے لگتے - اور بیہوشی کے عالم مین وہ بکنا شروع کرتی - اُس کے الفاظ پر مجذوبون کی بڑ کی طرح غور کیا جاتا - اُن مین طرح طرح کے معنے پیدا کیے جاتے - اور انھین سے اپنی آرزوؤن اور مرادون کے موافق یا مخالف جواب حاصل کر لیا جاتا - یہی یونانیون کی دو فالین تھین جن کا اگلے دنون بڑا شہرہ تھا - اور جن کے سچ ثابت ہونے اور پورے اُترنے پر اکثر قدیم مورخین عقیدتمندانہ حیرت ظاہر کرتے ہین -

رومی چونکہ علوم و فنون کی طرح مذہب مین بھی یونانیون کے پیرو تھے - اور اپنے دیوتاؤن کی کہانیون - ان کے حالات و خیالات اور واقعات کو یونانی دیوتاؤن کے موافق ثابت کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے اس لیے اُن کی کہانت بھی یونانیون کی کہانت سے ملتی ہوئی تھی - یہ بات لطف سے خالی نہین ہے کہ مشرق و مغرب کی کہانت مین ایک نمایان فرق تھا - مشرق مین بابل والون ایرانیون اور ہندوؤن سب مین کہانت کا دار و مدار ایک باضابطہ فن نجوم پر تھا - اور کسی برکت و نعمت کے حاصل کرنے یا کسی مصیبت و آفت کے دور کرنے کی تدبیرین بھی یہ مشرقی لوگ انھین فنون کے اصول کی پابندی مین کیا کرتے تھے - برخلاف اس کے یونانیون اور رومیون کی کہانت کو مجذوب پرستی سے زیادہ وقعت نہین حاصل تھی -

بنی اسرائیل مین بھی کہانت تھی - مگر اُن کی کہانت بالکل جداگانہ تھی - اُن مین حضرت ابراہیم اور جناب موسیٰ کی تعلیمات نے نبوت کی ایک خاص شان پیدا کر دی

تھی - حضرت موسی کے بعد سے اُن مین نبیون کے پیدا ہونے کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا تھا - جو عابد و زاہد نیک نفس و پاک باطن لوگ ہوتے اور ریاضت و اتقا کے ذریعہ سے تزکیۂ نفس کیا کرتے - ان لوگون کو مراقبہ مین مکاشفہ ہوتا - اور جو باتین اُن سے پوچھی جاتین اُن کا جواب گویا وہ خدا سے پوچھ کے دیا کرتے - اور اپنے آپ کو اسرار باطن اور رموز ربانی سے واقف ظاہر کرتے - اُنھین انبیا کا طریقہ اُن کے کاہنون نے بھی اختیار کیا - اور جب انبیا نہ ہوتے یا بعد کے ایام مین جب نبیون کے مبعوث ہونے کا سلسلہ موقوف ہو گیا تو ہر جگہ اور ہر زمانہ مین اُن کے مرتاض و نفس کش مقتدا آنکھین بند کر کے عالم ملکوت کی سیر کرتے - اور قوم کو اُس کے خیالات و عقائد کے مطابق عجیب قسم کے حکمانہ لہجے اور انوکھے دلچسپ الفاظ مین بتا دیا کرتے کہ اس معاملہ مین یہ ہو گا - اور یہ بات یون ہونے والی ہے -

اس قسم کی کہانت دوسری قدیم قومون مین بھی تھی - بلکہ یون کہنا چاہیے کہ ساری مشرقی و مغربی قومون مین اسی قسم کے غیب دان اور اسرار باطنی جاننے والے کاہن ریاضت و مجاہدۂ نفس کے ذریعہ سے پیدا ہوا کرتے تھے - ادھر بابلیون اور ہندؤن مین بھی جہان نجومیون اور اجرام فلکی کے اثر جاننے والے پنڈتون کا زور تھا وہان ایسے مرتاض اور تارک الدنیا اشخاص بھی موجود تھے - جن کے لہجے اور طرز گفتگو سے ظاہر ہوتا کہ مبدأ فیاض کی طرف سے غیب کی باتین اور مشکل سے مشکل مسائل کے حل اُنکے دلون پر القا ہو جاتے ہین - اور الہام کے ذریعہ سے اُن کو معلوم ہو جایا کرتا ہی کہ آیندہ یہ ہونے والا ہے اور فلان شخص کی قسمت مین یہ لکھا ہے - علی ہذا القیاس یونانیون اور رومیون مین بھی مندرون کے معمولی پوجاریون کے علاوہ اس قسم کے رموز باطن جاننے والے زاہدون اور عزلت گزینون کا پتا چلتا ہے - لیکن سچ یہ ہے کہ اس قسم کی کہانت کا آغاز تاریخی طور پر بنی اسرائیل کے انبیا اور کاہنون ہی سے شروع ہوا - اگرچہ آخر مین یہ معلوم ہوتا ہے کہ بابل کے صابی لوگون کی کہانت بنی اسرائیل کے خیالات پر غالب آ گئی تھی - اسی کا ایک کرشمہ یہ تھا کہ سحر بابل کی ساری دنیا مین شہرت ہو گئی - ور عیسائی حضرت مسیح کی پیدائش سے پیشتر ہی اُن کی آمد کے منتظر اور انھین ایک

ستارے کے ذریعہ سے پہچان کے ایمان لانے والا چند بابلی کاہنون ہی کو بتاتے ہین۔ جیسا کہ اناجیل مین مذکور ہے۔

یہ کہنا کہ یہ زاہد و مرتاض لوگون کی کہانت کس قوم سے شروع ہوئی اور اُسے کس ملک نے کس سے لیا فضول ہے۔ اس لئے کہ یہ ایک فطرتی چیز تھی۔ انسان کی فطری کرشمہ پرستی اُسے ہر جگہ پیدا کر لیتی تھی۔ یہ پُرانا خیال کہ روح چونکہ لطیف اور مخفی شے ہے اس لیے وہ ہر مخفی راز کا پتا لگا سکتی اور اسرار سرمدی کے ہر حرم مین پہونچ سکتی ہے بشرطیکہ اُس کا تزکیہ کیا جائے جسمانی تقاضون سے مبرا کر لی جائے اور اس مین خلوص پیدا ہو جائے۔ اس کے ساتھ انسان کی فطرت ہے کہ جس جگہ وہ اپنی تدبیرون مین عاجز آتا ہے نامعلوم ذرائع ڈھونڈھنے لگتا ہے۔ اور بڑی بے صبری کے ساتھ جویا ہوتا ہے کہ کوئی اس مشکل کا دفعیہ بتا دے۔ لہذا ہر وحشی سے وحشی قوم مین نوع انسانی کے اس فطری تقاضے نے کہانت کو کسی نہ کسی عنوان سے ضرور پیدا کرا دیا۔

عرب کے بت پرستون سے جاہل کون ہوگا جن کی بت پرستی نہایت ہی مزخرف اور بے اصول طریقہ کی تھی۔ مگر اُن مین بھی ہر جگہ کاہن موجود تھے۔ پھر اُس کے بعد جزیرہ نمائے عرب مین بیرونی مذاہب کا ہجوم روز بروز بڑھتا گیا پارسی بھی تھے۔ یہودی بھی تھے۔ عیسائی بھی تھے۔ اور تو اور بابل کے مہذب بت پرست جو اپنے آپ کو سب سے بڑا موحد خیال کرتے ساری دنیا مین فنا کر دیے گئے تھے اور عراق مین اُن کا نام و نشان بھی نہین باقی رہا تھا مگر ارض حجاز مین وہ بھی موجود تھے۔ اور اُن سب کے کاہن عرب مین ہر جگہ موجود تھے اور کہانت کا کام اختیار کرتے ہی وہ مذہب کی طرف سے کچھ ایسے غیر متعصب ہو جاتے کہ سب قومین عام اس سے کہ کسی مذہب سے وابستہ ہون بلا لحاظ مذہب اپنی مشکلین لے کے اُن کے سامنے آتین اور وہ اُن کو ایسے جواب دیتے کہ اُن کی تسلی و تشفی ہو جاتی۔ اور وہ اپنے نزدیک کامیاب اور بامراد ہو کے اپنے گھرون کو واپس جاتین۔ اُن دنون عرب کی اصلی حکومت اگر سچ پوچھیے تو انھین کاہنون کے ہاتھ مین تھی۔ جن کے سامنے نہ کسی سردار قبیلہ کی چلتی اور نہ کسی تاجدار و فرمان روا کی۔

جاہلیت عرب کے کاہنون کے احکام و الفاظ اگر ایک جگہ جمع کر دیے جائین تو

ایک عجیب قسم کا پُر لطف لٹریچر بن جائے گا - جن کے الفاظ مین غیر معمولی لطافت - معنی خیزی - فصاحت و بلاغت قافیہ بندی - اور بغیر از حکومت ہوتی - اور ایسا معلوم ہوتا کہ جس شخص کی زبان سے وہ الفاظ سُنے جاتے ہین وہ نہین بول رہا ہے بلکہ اُس کے جسم کے اندر سے کوئی فرشتہ باتین کر رہا ہے - اس قسم کے صدہا کاہن اور صدہا کاہنہ عورتین ارض عرب کے مشہور مقامات مین پھیلی ہوئی تھین - جن کے پاس دُور دُور سے بڑے بڑے قافلے اپنی آرزوئین اور تمنائین لے کر آیا کرتے - اور شاد کام و مطمئن واپس جاتے - جس طرح یونانی مندرون کی فالون کی نسبت بتایا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ پوری اُترین اُس سے زیادہ حیرت سے ہم دیکھتے ہین کہ عرب کے کاہنون اور کاہناؤن کے احکام پورے اُترا کرتے تھے - اور بعض موقعون پر تو اُنھون نے ایسے سچے حکم لگائے اور اس طرح غیب کی باتین بیان کر دین کہ اگر اُن واقعات کو سچ تسلیم کر لیا جائے تو اُن غیب کی باتین بتانے والون کی غیب دانی کی کوئی توجیہ نہین ہو سکتی -

اگلی دنیا چونکہ اُن تمام واقعات کو باور کرتی تھی لہٰذا ادنیٰ و اعلیٰ جاہل و عالم سب نے تسلیم کر لیا کہ انسان کسی ذریعہ یا کسی ریاضت سے ایسا کمال حاصل کر لیا کرتا ہے کہ غیب کی باتین بتا دے - اور جب یہ مان لیا گیا تو ہر شخص اپنے مذاق و خیالات کے مطابق اس کی توجیہین بھی کرنے لگا -

چنانچہ یونانیون اور رومیون نے باوجود فلسفہ و منطق مین اعلیٰ نمود حاصل کرنے کے اس امر کو قبول کر لیا کہ انسان غیب کی باتین بتا سکتا ہے - بعض نے اس کی یہ توجیہ کی کہ نفوس انسانی تصفیہ باطن کے ذریعہ سے اسرار فطرت سے واقف و آگاہ ہو جاتے ہین - اور جیسا وہ چاہتے ہین ویسا ہی ہو جایا کرتا ہے - اس لیے کہ اُن کے خیال مین تمام اشیا کی صورتین مثل افلاطون کی رُو سے عالم کلی مین موجود تھین - جہان تک بار پانے کے بعد انسان اُن پر تصرف بھی کر سکتا تھا - یہ تو اعلیٰ درجہ کے نازک خیال علمائے روحانی کا خیال تھا مگر بعض نے کہہ دیا کہ روحین جو جسمون کے قفس سے آزاد ہین اور نیز اجنہ اُن کے بس مین ہو کے اُن کے موکل بن جاتے ہین اور وہی اُنھین رموز غیب سے آگاہ کر دیتے ہین -

عیسائیون نے جو قرون وسطیٰ مین کہانت کے تماشے اور ولایت کے کرشمے

سب سے زیادہ دکھایا کرتے تھے اپنے کاہنون کی غیب دانی اور اُن کے تصرفات باطنی کا یہ اصول قرار دیا کہ حضرت مسیح خدا ہونے کی وجہ سے غیب کی باتین جانتے تھے۔ لہذا اُن کا نفس ربانی جس پر اثر کرے وہ بھی اُن رموز باطنی سے واقف ہو جاتا ہے۔ قطع نظر اس کے مسیحون مین علم کا دیوتا یا خدا روح القدس ہے۔ اور جسے کچھ بھی معلوم ہو یا کسی قسم کا علم حاصل ہو اُس کی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ اُس پر روح القدس نے آکے اپنا کمال دکھایا ہے۔ اور اگلے دنون چند روز تک سچے اور خالص العقیدہ مسیحیون پر روح القدس کے آنے کی یہی شان رہی جو شان کہ کسی کے سر پر کسی جن یا پریت کے آنے کی ہوتی ہے۔ اس لیے غیب کی باتین بھی مسیحیون کے خیال کے مطابق روح القدس آکے مقدس لوگون کی زبان سے ظاہر کر دیا کرتا تھا۔

صابی لوگون مین غیب دانی و کہانت کی یہ تھیوری تھی کہ ازریاسیس اور اوالس اول و دوم جن سے مراد ہرمس اور اغافیمون ہین۔ اصلی دانایان غیب تھے۔ ان کو صابی لوگ اپنے مذہب کے پیغمبر بتاتے تھے۔ انھین کی توجہ و برکت سے اور لوگ بھی غیب کی باتین جانتے ہین۔ خلاصہ یہ کہ یہی لوگ اُن کے روح القدس تھے جن کا فیض بعد والون کو بھی غیب دان بنا دیا کرتا۔ اس سے اُن کو قطعاً انکار تھا کہ اجنہ یا موکل روحین آکے انسان کو غیب کی باتین بتاتی ہین۔ بلکہ اُن کا یہ خیال تھا کہ مذکورہ پیغمبرون کو مجاہدہ اور تزکیۂ باطن کے ذریعہ سے ایسی صفائے قلب حاصل ہو گئی تھی کہ اسرار غیب سے مطلع ہو گئے تھے۔

کہانت کا مسئلہ قدیم الایام مین اس قدر بیٹھا ہوا تھا کہ اُس عہد کے فلسفی اور علمائے طبیعی بھی کاہنون کی غیب دانی کے قائل تھے۔ اور اُس کی توجیہ یہ کرتے کہ کہانت ایک لطیف جذبۂ نفسانی ہے جو صفائی قلب اور نفسانی قوۃ اور حس کی لطافت سے انسان مین پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض نے اُسے علم نجوم اور آثار فلکی سے وابستہ کر کے کہا جو بچہ ایسے طالع مین پیدا ہو کہ عطارد محل شرف پر ہو۔ اور باقی سیارات ستہ بھی اچھے عقدمین ہون اور عمدگی سے ایک دوسرے کی طرف ناظر اور متوازی واقع ہون وہ لڑکا ان ستارون کے اثر سے لازمی طور پر کاہن اور غیب دان ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ اس کے طرفدار اور ماننے والے علمائے روحانیین تھے۔ جن کا

بیان تھا کہ نفس ناطقۂ انسانی جب قوی اور زبردست ہوتا ہے تو وہ طبیعت کو مغلوب کرکے دبا دیتا ہے - اور انسان پر لطیف رازکو آشکارا کرکے ہر رمز معنوی سے واقف کر دیتا ہے یہ کہتے ہین کہ انسان مین دو چیزین ہین - روح اور جسم - جسم بغیر روح کے کوئی چیز نہین - جب روح نہ ہو تو اُس مین نہ قوت ہوتی ہے - اور نہ عقل و فہم جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حس و حرکت اور ادراک و فہم سب چیزین روح مین ہین اور روحون کی مختلف حالت ہے - بعض مین حس زیادہ ہوتی ہے - بعض مین دانائی زیادہ ہوتی ہے - بعض مین جلا اور روشن ضمیری بڑھی ہوتی ہے - لہذا جس روح مین روشن ضمیری زیادہ ہو اُس پر عجیب عجیب انکشافات ہوتے ہین - اور اسرار غیب کو وہ معلوم کر لیتی ہے -

بہرحال دنیا انھین خیالات مین پڑی ہوئی تھی - اور اُس کے ساتھ طرح طرح کے خرافات بڑھتے اور پھیلتے چلے جاتے تھے جن کو انسانی عقل کی کمزوری اور بڑھا رہی تھی - اور بجاے اس کے کہ تحقیق و تنقید سے کام لے کے کوئی نتیجہ حاصل کیا جاے لوگ اُس کی توجیہین کرتے اور طرح طرح کے معنی پہنا کے کہانت کو اور چمکاتے جاتے تھے -

یہان تک کہ دنیا مین نور اسلام چمکا - اور خدا نے ہر چیز کو ایک نئی روشنی مین دکھا کے تمام اگلی غلط خیالیون کو دور کر دیا - اسلام نے صاف کہہ دیا کہ غیب کو سوا خدا کے کوئی نہین جانتا اور غیب دانی کے جو کچھ دعوے کیئے جاتے ہین سب لغو اور مہمل اور بے سر و پا ہین - اس طریقہ سے اسلام نے اپنے ظہور کے ساتھ ہی نجوم و کہانت کا چراغ گل کر دیا - اور اس قسم کے مدعیان غیب دانی کا زور کلیۃً توڑ دیا گیا - یہ اصلاح سچ یہ ہے کہ اسلام کے اولیات دین سے ہے یعنی ایسے وقت مین جبکہ سارے عالم پر کہانت کی حکومت تھی اور دینی پیشوائی کا لازمی جوہر غیب دانی تھا اور دنیا مین کسی کی نظر اُس کے ابطال کی طرف نہین گئی تھی - یک بیک اسلام کی طرف سے اس بات کا ڈھنڈورا پٹ گیا کہ عالم الغیوب سوا خدا کے کوئی نہین اور جو کوئی اس کا دعوی کرے وہ جھوٹا ہے -

بے شک خود جناب سرور کائنات صلعم نے چند غیب کی باتین بتا دین یا بعض پیشین گوئیان فرمائین لیکن اُنکی نسبت صاف طور پر بتا دیا گیا کہ خدا نے فرشتہ کو بھیج کے اپنے پیغمبر کو اُن سے آگاہ کر دیا - در اصل وہ خدا کی غیب دانی کا جلوہ تھا اُسے حضرت رسالت کی غیب دانی ہرگز نہین کہہ سکتے اور جب آنحضرت

کی وفات کے بعد جبرئیل کے آنے کا سد باب اور سلسلۂ نبوت کا اختتام ہوگیا تو پھر کوئی وجہ ہی نہین باقی رہی کہ دنیا مین کوئی شخص اسرار غیب سے واقف ہوئی اور آیندہ کی باتین بتانے کا دعوی کر سکے۔ بہرحال اسلام نے نجوم و کہانت کو بیخ و بنیاد سے اُکھاڑ کے پھینک دیا۔ مگر افسوس چند ہی روز بعد اسلام کے زہاد و عباد نے اسلامی مذاق کے مٹا دینے پر کمر باندھی اور غیر مؤثر زہد و تقوی کو چھوڑ کے قدیم مذاق کے متصوفانہ زہد و عبادت کو اختیار کر لیا۔ ولی اللہ کا عام لفظ جو ہر دیندار کے لیے تھا عباد و زہاد کے ایک خاص گروہ کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ اور ان مین نیک نفسی و اتقا اور اعمال و افعال کے بدلے کرامات اور غیب دانی کے کرشمے ڈھونڈھے جانے لگے۔ اور مجذوبون کے الفاظ مین معنی پہنائے جانے لگے تو وہی کہانت جس کے استیصال کے لیے اسلام آیا تھا خود اسلام مین پیدا ہوگئی۔ اور جاہل تو جاہل اکثر پڑھے لکھے مسلمان بھی صوفی سالکون اور مجذوبون کے پاس انھین مقاصد و اغراض کو دل مین لے کے جانے لگے جن کے واسطے اگلی قومین اپنے کاہنون نجومیون۔ اور بتخانون کے پوجاریون کے پاس جایا کرتی تھین۔

اصل یہ ہے کہ بعد کی آمیزشون نے نہ اسلام ہی کو وہ اسلام باقی رکھا جسے حضرت رسالت (روحی فداہ) لائے تھے۔ اور نہ اُس کے مقتداؤن ہی کو ویسا رہنے دیا جیسے مقتدا کہ اسلام کے لیے ہونے چاہیے تھے۔ افسوس۔

خیالات و واقعات

آنریبل رائے بہادر بابو گنگا پرشاد صاحب ورما نے منشی سجاد حسین صاحب کی مجذوری کے زمانے مین اُنکی اعانت و دستگیری کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ وہ اس بات کے محرک ہین کہ پبلک چندے سے اتنی رقم بنک مین جمع کر دی جائے جس سے منشی سجاد حسین صاحب کو پچیس روپیہ ماہوار بطور وظیفہ کے ملا کرین۔ منشی سجاد حسین صاحب بے شک پبلک کی اعانت کی مستحق ہین اُنکی حالت غور سے دیکھیے تو عبرت روزگار ہے۔ اُنکی زندگی کا آغاز مرفہ الحالی اور امیرانہ زندگی سے ہوا۔ ناز و نعم مین پرورش پائی۔ اور گو کہ آبائی جائداد کو ہم اُنھون نے نا عاقبت اندیشی سے تلف کر دیا مگر پھر بھی اس وقت تک اپنی لٹریری قابلیت سے معزز زندگی بسر کرتے رہے۔ یورپ مین اس قسم کے لوگون کی ایسی قدر دانی ہوتی ہے کہ وہ آخر تک اپنی زندگی اچھی طرح نباہتے جاتے ہین مگر ہندوستان کی پبلک نے ابھی تک اس قسم کا کوئی کام نہین کیا

بابو گنگا پرشاد نے جس کام کی تحریک کی ہے وہ دراصل نیا ہے۔ مگر وہی اس کار خیر کے محرک ہو بھی سکتے تھے منشی سجاد حسین صاحب اُن لوگون مین ہین جنھون نے اول سے آخر تک اُن تمام مسائل مین جو ہندو مسلمانون مین مختلف فیہ رہے ہمیشہ مسلمانون سے اختلاف کیا۔ سر سید اور تمام مسلمان لیڈرون پر سب سے بڑے طعن و تشنیع کرنے والے وہی تھے۔ کانفرنس اور تمام اسلامی تحریکون سے ہمیشہ اختلاف رہا اور کانگرس کے اول درجہ کے طرفدار تھے کچھ انھین چیزون پر منحصر نہین ہے۔ عموماً جو باتین مسلمانون مین مقبول ہوئین منشی سجاد حسین صاحب نے انھین ہدف سہام ضرور بنایا۔ معاملات درکنار اپنی اس ضد مین وہ ذاتیات پر حملہ کرنے مین بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ نواب محسن الملک اور مولانا حالی کی ذات پر جیسے شرمناک حملے اودھ پنچ نے کیے اُنسے کبھی کوئی شریف شخص خوش نہ ہو سکا۔ اس لحاظ سے سچ یہ ہے کہ بابو گنگا پرشاد ہی اس کار خیر کی تحریک کے لیے نہایت موزون شخص تھے۔ مسلمانون کا فرض ہے کہ اُن کا ہاتھ بٹائین۔ اور یقین جانین کہ جس خاص مذاق کے مسلم الثبوت استاد منشی سجاد حسین تھے اب اس تہذیب کے دور مین جبکہ علم بہت آگے بڑھ آیا ہے ہرگز نہ پیدا ہو سکین گے۔ مگر ایسی قابلیت اور ایسی نمود کے لوگون کے لیے صرف پچیس تیس روپیہ کا وظیفہ کم ہے۔ پبلک کی فیاضی کا یہ پہلا نمونہ ہندوستان مین قائم ہوتا ہے تو اُسکی اس قدر حقیر نہ ہونا چاہیے۔ منشی سجاد حسین کے لیے پچیس تیس روپیہ وظیفہ پبلک سے مانگ کے دینا دراصل اُن کی قدردانی نہین تذلیل ہے۔ میرے نزدیک بابو صاحب کو چاہیے کہ پبلک کو زیادہ فیاض بنائین اور کم از کم ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار وظیفہ دلوائین تاکہ منشی صاحب شریفانہ زندگی بسر کر سکین جس کے کہ وہ عادی رہے ہین اگر زور سے تحریک کی گئی تو ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کا سرانجام ہونا چندان مشکل نہین ہے۔

ایک ہندو دربار مین مسلمان ایلچی

۱۲ شعبان سنہ ۸۱۶ھ کو "مولانا کمال الدین عبد الرزاق ابن جما
بزرگ سمرقند مین پیدا ہوے تھے جن کے والد سلطان شاہرخ مرزا
امام تھے - سنہ ۸۴۳ھ مین پدر بزرگوار نے سفر آخرت کیا تو
سلطان مذکور نے اپنے آخر عہد یعنی سنہ ۸۴۵ھ مین
اپنے اس سفر کا حال مولانا سے ممدوح نے
ذرا تفصیل سے لکھا ہے جس مین بہت سے
کو مسٹر ایلیٹ نے اپنی تاریخ ہند مین
ہم مختصراً دلگداز مین شایع کر
بھیجے گئے تھے - مگر حسن اتفاق
بیجانگر کی سلطنت
تھی - گلبرگہ کے بہمن
اور بہمنیون کا اثر
جنوبی ہندیو
نظام شاہیو
باہم اتحاد

کھنڈر اُن تینوں اتحادیوں کی یادگار میں آج تک عبرت روزگار ہیں۔ لیکن اسی ہندو سلطنت کے عروج کے زمانے میں علامہ عبدالرزاق شاہ رخ مرزا کے سفیر بن کے بیجانگر گئے تھے۔

وہ کہتے ہیں میں ۱۵ شوال کو کرمان سے چلا اور ماہ مذکور کے وسط میں بحرِ عمان کے کنارے بندرگاہ ہُرمز میں پہونچا جو جیرون بھی کہلاتا ہے۔ وہاں کے والی ملک فخرالدین توران شاہ نے میری بڑی خاطر کی۔ ایک کشتی بھیج کے مجھے شہر ہُرمز میں بلوایا۔ رہنے کو مکان دیا۔ اور تمام سامان و لوازمِ ضیافت مہیا کر دیا۔ شہر ہُرمز بے مثل و بے نظیر ساحلی شہر اور تجارت کی عظیم الشان منڈی ہے۔ مصر۔ شام۔ روم۔ آذربائجان۔ عراقین۔ فارس خراسان۔ ماوراءالنہر۔ ترکستان۔ دشتِ قبچاق۔ ملک قلماق اور نیز تمام مشرقی ممالک چین۔ ماچین۔ اور خان بالق کے سوداگر یہاں جمع رہتے ہیں۔ اور تمام ممالک
... نادر اور قیمتی مال اپنے ساتھ لاتے اور لیجاتے ہیں۔ مال کا بہت اچھا مبادلہ
... کا دسواں حصہ سرکاری محصول کے طور پر انھیں سلطنت کی
... جہ سے شہر خوب رونق پر ہے اور ہر مذہب کے مقتدا اور
... اور چونکہ یہاں بہت ہی امن و امان قائم ہے اس لیے
... الامان" مشہور ہو گیا ہے اور باہمی میل جول نے
... فروتنی کو ملا کے ایک نیا خوشگوار مزاج پیدا کر دیا ہے
... موافق ہوا تو گھوڑوں اور سامان کو
... جہاز کے چلتے ہی میری یہ حالت ہو گئی کہ
... لنے سے معلوم ہوتا تھا کہ میں زندہ
... سر آ گیا۔ اور ایسی حالت میں
... سفروں نے دے دلا کے اور
... ب اُتار لیا۔ اور میں قریات
... لا کی گرمی تھی کہ ماہ محرم
... ر پڑ گئے۔ وو جانا بہیہ
... الدین عبدالوہاب نے

سفر آخرت کیا) اثناے قیام مین سنا کہ شہر قلابات کے پاس سادر نام ایک مقام کی آب و ہوا بہت معتدل ہے۔ باوجود ناتوانی کے کشتی پر بیٹھ کے وہان گیا۔ مگر جاتے ہی اور زیادہ بیمار ہو گیا۔

آخر بلا انتظار صحت ہندوستان کا سفر کر دیا۔ اور اٹھارہ شبانہ روز کی شناوری کے بعد جبکہ صحت عود کر آئی تھی مین جنوبی ہند کی بندرگاہ کالی کٹ مین پہونچا۔ کالی کٹ پوری طرح امن و امان کی جگہ ہے۔ اور ہرمز کی طرح یہان بھی ملکون ملکون کے تجار کا مجمع رہتا ہے۔ اور حبشہ سے زیر باد اور زنجبار وغیرہ کا نہایت ہی نادر و بیش بہا مال آتا ہے۔ مکہ معظمہ اور ارض حجاز سے جہازون کے آنے کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ یہ کافرون کا شہر ہے۔ لہذا اُس کے فتح کرنے کا ہمین حق حاصل ہے۔ متعدد مسلمان بھی یہان رہتے ہین۔ جنھون نے یہان دو عالیشان مسجدین تعمیر کر لی ہین جن مین جمعہ کے دن نماز کو جمع ہوا کرتے ہین۔ اُن کا ایک قاضی بھی۔ اور علی العموم سب شافعی مذہب ہین۔ اس شہر مین حفاظت کا ایسا اچھا انتظام ہے۔ اور ایسی عدالت جاری ہے کہ دولت مند سوداگر کثرت سے مال تجارت لا کے یہان اُتارتے اور سڑکون اور بازارون مین لا کے رکھ دیتے ہین۔ اور بغیر اس کے کہ کسی کے سپرد کر دین چھوڑ کے چلے جاتے اور مدتون غائب رہتے ہین مگر ممکن کیا کہ کوئی ادنیٰ چیز بھی غائب ہو جائے۔ عہدہ داران کروڑ گیری اُسے اپنی حفاظت مین لے کے اُس پر پہرہ مقرر کر دیتے ہین۔ اگر وہ فروخت ہو گیا تو اڑھائی روپیہ فی سیکڑا کے حساب سے محصول لے لیتے ہین ورنہ کسی قسم کا تعرض نہین کرتے اور مال کو مال والے کے حوالے کر دیتے ہین۔ دیگر بندرگاہون مین معمول ہے کہ اگر کوئی اور جہاز جو وہان کے لیے نہ آیا ہو بہک کے یا طوفان کے تھپیڑون سے بہہ کے وہان پہونچ جائے تو لوٹ لیا جاتا ہے۔ لیکن کالی کٹ مین چاہے کوئی جہاز ہو اور کہین کا ہو اُسی طرح حفاظت سے رکھا جاتا ہے جس طرح اور جہاز رکھے جاتے ہین۔

الغرض مین کالی کٹ مین پہونچا تو مجھے یہان ایک عجیب قسم کی خلقت نظر آئی کہ انسانون کی ایسی صورتین نظر سے گزرین جیسی کہ ان آنکھون نے کبھی نہین دیکھی تھین۔ عجیب الخلقت لوگ تھے جنھین نہ انسان کہہ سکتے ہین نہ دیو زاد کہہ سکتے ہین۔ خواب

مین بھی نظر آئین تو آدمی چونک پڑے - اور برسون تک دل ہول کھاتا رہے بین تو ماہ رخ حسینون کا شیدا ہون کسی کالی عورت پر میرا دل نہین آسکتا - یہان کے سیہ فام لوگ تقریباً ننگے سڑکون پر مارے مارے پھرتے ہین - صرف ایک دھوتی باندھے رہتے ہین جو ناف سے لے کے گھٹنون کے اوپر تک رہتی ہے - اُن کے ایک ہاتھ مین ایک سندہی خنجر (جُھجالی) ہوتا ہے اور دوسرے مین بیل کی کھال کی ڈھال - راجہ اور فقیر سب کی یہی وضع ہے - مگر مسلمان لوگ اہل عرب کے مثل قیمتی کپڑے پہنتے اور مختلف قسم کے تکلفات کا اظہار کرتے ہین -

یہان پہونچتے ہی مین بہت سے ہندو مسلمانون سے ملا - ایک اچھے مکان مین ٹھہرایا گیا - اور تیسرے دن لوگ مجھے راجہ کے دربار مین لے گئے - دوسرے ہندون کی طرح وہ بھی مجھے ننگا نظر آیا - اس مقام کے راجہ کو لوگ "ساموری" کہتے ہین اور جب وہ مرجاتا ہے تو اُس کا جانشین اُس کا بھانجا یعنی بہن کا بیٹا ہوتا ہے - (بیٹے کو ورثہ نہین ملتا) اسلحہ کے ذریعہ سے سلطنت حاصل کرنے کی کبھی کوئی کوشش نہین کرتا - یہان کفار کی مختلف ذاتین اور قومین ہین مگر سب بت پرست ہین اور ہر قوم و ذات کا طور طریق اور رسم و رواج بھی جدا ہے - انھین مین ایک قوم ایسی ہے جس مین ایک عورت کے کئی شوہر ہوتے ہین جو مختلف طبقون اور رشتون کے لوگ ہوتے ہین - اور عورت کی صحبت کے لیے شب و روز کے گھنٹون کو بانٹ لیا کرتے ہین - عورت کے پاس جب تک اُس کا ایک شوہر اپنے معینہ و مقررہ وقت مین رہتا ہے دوسرا شوہر نہین جا سکتا - خود ساموری (راجہ) بھی اسی قوم کا ہے - (یہ نائر قوم کا حال ہے جو مدراس سے لے کے انتہائی جنوب تک آج بھی کثرت سے موجود ہے - اور اس زمانے مین بھی اُس قوم کا یہی حال ہے)

اس زمانے مین سلطان شاہ رخ کی شہرت تھی - اتفاقاً جونپور کے سلطان ابراہیم شرقی نے سلطان بنگالہ کی قلمرو مین تاخت و تاراج شروع کر دی سلطان بنگالہ نے اس کی شکایت ایلچی بھیج کے سلطان شاہ رخ کے دربار عجم مین کی - سلطان شاہ رخ نے شیخ الاسلام خواجہ کریم الدین ابوالمکارم جامی کو ایک خط دے کے جونپور بھیجا اور لکھا کہ "تم بنگالہ کی قلمرو پر تاخت و تاراج کرنے سے باز آؤ ورنہ بُرا ہوگا

اور اس کے ذمہ دار تم ہو گے۔" یہ ایسا زبردست حکم تھا کہ سنتے ہی ابراہیم شرقی اپنی دست بُرد سے باز آگیا۔ سلطان شاہ رخ کا جو سفیر بنگالہ گیا تھا وہ واپسی کے وقت موسم کی مجبوری سے دو چار دن کے لیے کالی کٹ مین ٹھہر گیا جس سے راجہ سامور ی کو یہ قصہ اور اس کے ساتھ سلطان شاہ رخ کی عظمت معلوم ہوئی۔ چنانچہ سلطان مذکور کے خوش کرنے کے لیے راجہ کالی کٹ نے ایک قابل و معزز مسلمان کو اپنے دربار کا خاص ایلچی بناکے بہت سے نادر ہدیون اور نذرانون کے ساتھ سلطانی سفیر کے ہمراہی اُن کے دربار مین بھیجا۔ اُسی سفارت کا جواب دینے اور معاوضہ کرنے کے لیے سلطان شاہ رخ نے مولانا عبدالرزاق کو کالی کٹ بھیجا تھا۔ چنانچہ انھون نے راجہ کے دربار مین حاضر ہو کے سلطانی ہدایا جن مین گھوڑے۔ زنانی صدریان اور تسلو کے زربفت کے تھان۔ ٹوپیان وغیرہ تھین پیش کر دیے۔ سلطان نے سامور ی کو جو خط مولانا کے ہاتھ بھیجا تھا اُس مین یہ لکھا تھا "تم لکھتے ہو کہ ہماری دانائی اور نصیحت پر عمل کر کے ہماری خوشنودی حاصل کرو گے تو مین نصیحت کرتا ہون کہ تم دین اسلام قبول کر لو تاکہ تمھارے تاریک دل سے بے دینی کی ظلمت دور ہو جائے۔ اور نور ایمان کی شعاعین تمھارے سینہ مین چمک اُٹھین گی"

غالباً اسی تحریر کی وجہ سے سامور ی نے مولانا کی سفارت کی زیادہ قدر نہین کی اور نہ اُن کی طرف جوش سے متوجہ ہوا۔ چنانچہ وہ برخاستہ خاطری کے ساتھ دربار سے واپس آئے۔ اور کہتے ہین کہ آخر جمادی الآخر سے ابتداے ذی الحجہ تک مین اسی شہر مین مضطر و پریشان پڑا رہا۔ جو زمانہ کہ ہموم و آلام کا تھا۔ وسط ذی الحجہ مین مین نے ایک رات خواب مین دیکھا کہ سلطان شاہ رخ آئے ہین اور کہتے ہین "اب زیادہ پریشان نہ ہو!" ساتھ ہی آنکھ کھل گئی۔ اور مین کسی غیر مترقبہ فلاح کا منتظر ہو گیا۔ صبح کو ایک قابل شخص کے پاس گیا کہ اس خواب کی تعبیر پوچھون۔ ناگہان ایک شخص نے آکے کہا کہ راجہ بیجانگر جس کی سلطنت بڑی زبردست اور قلمرو نہایت وسیع ہے اپنے قاصد کے ہاتھ سامور ی کے پاس ایک خط بھیجا ہے اور خواہش کی ہے کہ "تمھارے پاس خاقان سعید شاہ رخ کا جو ایلچی آیا ہے اُسے فوراً میرے پاس روانہ کر دو۔" سامور ی گو کہ راجہ بیجانگر کا ماتحت نہین ہے مگر ہمیشہ اُس سے ڈرتا رہتا ہے۔ اس لیے کہ راجہ مذکور

کی قلمرو مین کالی کٹ کی ایسی ایسی تین سو بندرگاہین ہین اور اندرونی ملک مین اُس کی قلمرو تین مہینہ کی راہ تک پھیلی ہوئی ہے۔

کالی کٹ سے شہر کائل تک جو کہ سراندیپ کے عین محاذی واقع ہے تمام ساحلی مقامات صوبہ ملیبار مین شمار کیے جاتے ہین۔ یہان سے جو جہاز مکۂ معظمہ کو جایا کرتے ہین اُن مین عموماً مرچ لدی ہوتی ہے۔ اہل کالی کٹ بڑے جہازران ہین۔ اور "ابنائے چین" کے لقب سے یاد کیے جاتے ہین۔ اسی لیے دریائی لوٹیرے کالی کٹ کے جہازون سے کبھی تعرض نہین کرتے۔ اور کالی کٹ مین ہر چیز دستیاب ہوجاتی ہے۔ سوا اس کے کہ تم یہان گائے کو نہین ذبح کر سکتے ہو اور نہ اُس کا گوشت کھا سکتے ہو۔ گائے کی یہ لوگ نہایت تعظیم کرتے ہین۔ اور اپنی پیشانیون پر اُس کے گوبر کی راکھ کا ٹیکا دیتے ہین۔

یہان سے علامۂ ممدوح اپنے سفر بیجانگر کا حال بیان کرتے ہین۔ فرماتے ہین۔
"مین کالی کٹ سے چلا اور بندرگاہ بندانہ کو طے کرکے شہر منگلور پہونچا جو سمندر کے کنارے اور سلطنت بیجانگر کی سرحد ہے۔ منگلور مین دو تین دن قیام کرکے مین نے خشکی کا سفر شروع کیا۔ اور منگلور سے تین فرسنگ پر ایک ایسا عالیشان مندر دیکھا جس کی نظیر سے ساری دنیا خالی ہے۔ یہ دس گز لمبا اور دس گز چوڑا اور تقریباً پانچ گز اونچا ہے۔ نیچے سے اوپر سارا شوالہ ایک ڈال پیتل کا ہے اور سونے کا ڈلا معلوم ہوتا ہے۔ چار زینے قائم کرکے اُن پر دیوتا کی مورت قائم کی گئی ہے جو پوری سونے کی ہے۔ انسان کی وضع پر بنائی گئی ہے۔ اور آنکھون کی جگہ دو لعل ایسی خوبی و نزاکت سے جڑے گئے ہین کہ ہر شخص کو معلوم ہوتا ہے ہماری ہی طرف دیکھ رہی ہے۔

اس مندر کی زیارت کرکے مین آگے بڑھا۔ ہر روز شام کو کسی شہر یا گاؤن مین منزل کرتا جو خوب آباد نظر آتا۔ اور صبح کو آگے کی راہ لیتا۔ درمیان مین ایک عظیم الشان پہاڑ اور گھنا جنگل پڑا (یہ یقیناً مغربی گھاٹ ہے) جس کو قطع کرکے مین شہر بدرور (موجودہ بدنور) پہونچا جس کے مکانات قصر و ایوان معلوم ہوتے ہین۔ اور جہان کی عورتین حسن و جمال مین گویا جنت کی حورین ہین۔ بدرور مین ایک عظیم الشان مندر ہے جو اس قدر بلند ہے کہ اُسے تم کئی فرسنگ کے فاصلے سے دیکھ سکتے ہو اس مندر کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ شہر کے بیچون بیچ مین دس بگیہ زمین کا ایک مسطح تختہ

چھوٹا ہوا ہے۔ جس مین چمن بندی ہے۔ اور اس کثرت سے پھول لگے ہین کہ گویا باغ کھلا ہوا ہے۔ اس چمن کے عین وسط مین ایک قد آدم اونچا چبوترہ ہے جو اس خوبی و نفاست سے تعمیر کیا گیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے گویا ایک ڈال پتھر کا ہے۔ اور کہین جوڑ نہین۔ اس چبوترے کے بیچ مین ایک بلند عمارت ہے جس پر نیلے رنگ کا گنبد ہے اس مین اوپر سے نیچے تک مورتون کی تین قطارین پتھر مین کھدی ہوئی ہین۔ سنگتراشی مین کوئی انسانی کمال نہین باقی رہنے پایا ہے اور چین و فرنگ کی نقاشی کا کوئی دقیقہ نہین اٹھا رکھا گیا ہے۔ اس عمارت مین چار چھتین ہین جن کا طول ۲۰ گز عرض ۲۰ گز اور بلندی ۵۰ گز کے قریب ہے۔ اس مندر مین شب و روز عبادت کے بعد گانا بجانا اور ناچ ہوتا ہے۔ اور لنگر جاری رہتا ہے۔ شہر مین جتنے لوگ رہتے ہین سب کو اس مندر سے وظیفہ اور روزینہ وغیرہ ملتا ہے اس لیے کہ لوگ یہان دور دور سے آکے قیمتی نذرانے چڑھاتے ہین۔

دو تین روز یہان قیام کرکے مین آگے بڑھا۔ اور ذی الحجہ کے ختم ہوتے ہوتے بیجانگر پہونچ گیا۔ میرے آنے کی خبر سنتے ہی راجہ نے استقبال کے لیے ایک باڈی گارڈ بھیجا جو لوگ مجھے شان و شوکت اور عزت و احترام کے ساتھ شہر مین لے گئے۔ اور ایک اچھے اور آرام دہ مکان مین ٹھہرایا۔ یہان مین نے آکے دیکھا تو مجھے نہایت ہی بڑا اور بہت آباد شہر نظر آیا۔ اور مین ایک ایسے راجہ کے دربار مین باریاب تھا جس کی عظمت و سلطنت دونون اعلیٰ درجہ کی ہین۔ اس کی قلمرو سرندیپ سے حدود گلبرگہ تک اور بنگالہ سے ملیبار تک پھیلی ہوئی ہے۔ جس کی مسافت ایک ہزار فرسنگ سے زیادہ ہے ملک کا زیادہ حصہ مزروعہ اور زرخیز ہے۔ اور تقریباً ۳۰۰ اچھے ساحلی شہر اُس کے زیر علم ہین۔ ایک ہزار سے زیادہ ہاتھی راجہ کے فیل خانے مین ہین۔ اور گیارہ لاکھ فوج ہے۔ سارے ہندوستان مین کوئی راجہ اُس کا ہم پایہ نہین۔ راجہ کے دربار مین برہمنون کی سب سے زیادہ قدر و منزلت ہوتی ہے۔ کتاب کلیلہ و دمنہ جس سے بہتر کوئی کتاب فارسی مین نہین غالباً اسی سرزمین کے عقلا کی لکھی ہوئی ہے۔

بیجانگر کا سا شہر دنیا مین نہ دیکھا گیا ہے اور نہ سنا گیا ہے۔ اُس کی ساخت

شہرپناہین ہین۔ بیرونی شہرپناہ کے گرداگرد تقریباً ۵۰ گز کا میدان چھوٹا ہوا ہے جس مین قدآدم اونچی اونچی سلین اور چٹانین ایسی پیچیدگی کے ساتھ کھڑی کھڑی اور ایک دوسرے کے متصل قائم کر دی گئی ہین کہ حریف کے پیدل ہون یا سوار کیسے ہی جانباز وجری ہون آسانی کے ساتھ دیوار شہر تک نہین پہونچ سکتے۔

اس کے بعد مولانا نے بیجانگر کو ہرات کے مشابہ بتا کے اُس کی ہر شہرپناہ اور اُس کے ہر حصہ کو ہرات کی کسی قلعہ بندی یا کسی محلہ سے تشبیہ دی ہے۔ اور کہتے ہین کہ ساتوین حصار کے اندر راجہ کا محل ہے۔ بیرونی دیوار کے شمالی پھاٹک سے جنوبی پھاٹک تک پورے دو فرسنگ (ساڑھے سات میل) کی مسافت ہے۔ اور اتنی ہی مسافت مشرقی و مغربی پھاٹکون کے درمیان ہے۔ پہلے دوسرے اور تیسرے حصارون کے درمیان مزروعہ کھیت، باغ۔ اور مکانات ہین۔ تیسرے حصار سے ساتوین تک دکانین بازار اور نہایت گھنی آبادی ہے۔ راجہ کے محل کے قریب چار بازار ہین جو ایک دوسرے کے مقابل اور محاذی ہین۔ اُنھین مین سے جو بازار شمال کی جانب ہے اُس مین راجہ کا قصر ہے۔ ہر بازار کے سرے پر ایک بلند محراب دار دروازہ ہے۔ اور اُسی سے مل کے دُکانون کے آگے آگے دونون جانب عالیشان برآمدہ چلا گیا ہے۔ مگر راجہ کا محل شہر کی تمام عمارتون سے بلند اور زیادہ شاندار ہے۔ شہر کی دیوارین مربع نہین بلکہ گول اور دائرے کی وضع مین ہین۔ جو پتھر اور چونے سے بڑی مضبوطی کے ساتھ تعمیر کی گئی ہین۔ بازار بہت چوڑے اور لمبے ہین۔ اُن کی چوڑان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پھول والے اپنی دُکانون کے سامنے اونچے اونچے میز رکھ کے پھولون کا انبار لگائے ہین۔ مگر باوجود اس کے کہ دونون جانب اس قسم کی میزین قائم ہین۔ بخوبی خرید فروخت ہوتی ہے اور لوگ آسانی سے گزرتے رہتے ہین۔ مہکنے والے خوشبودار تازے پھول یہان ہمیشہ اور ہر وقت کثرت سے مل سکتے ہین۔ اور ضروریات زندگی کے لیے وہ اس قدر لازمی ہین کہ گویا بغیر اُن کے جینا دشوار ہے۔ ہر قسم کے مال اور سامان کی دُکانین ایک ہی جگہ اور قریب قریب ہین۔ اور جوہری سب طرح کے جواہرات علانیہ دکانون مین رکھ کے فروخت کرتے ہین۔

اس دلفریب اور خوشنما حصۂ شہر مین جہان راجہ کا محل ہے بہت سے چشمہ

اور نہرین جاری ہین جو بڑی لطافت و صناعی کے ساتھ پتھرون کی جوڑائی سے اور اُن پر خوب گٹھائی کرکے بنائی گئی ہین - راجہ کے محل کے داہنی جانب "دیوان خانہ" یعنی وزیر کا دفتر ہے - جو بہت بڑی عمارت ہے - اور ستونون کی کثرت سے "چہل ستون" کہے جانے کے قابل ہے - اُس کے آگے ایک بلند برآمدہ ہے جو ۳۰ گز لمبا اور ۲۶ گز چوڑا ہے - اور اُس کی کرسی قد آدم بلند ہے - اس مین محافظ خانہ ہے - یعنی دفتر کی مثلین جمع ہین - اور محرر بیٹھے کام کر رہے ہین -

ان لوگون مین تحریرین دو قسم کی ہوتی ہین - ایک تو ناریل کے پتون پر جو دو گز لمبے اور دو انگل چوڑے ہوتے ہین - اور لوہے کی نوکدار سلائی سے اُن پر کھود کے لکھا جاتا ہے - روشنائی کی ضرورت نہین - مگر یہ تحریر تھوڑے ہی دنون مین ضایع ہوجاتی ہے - دوسرا انداز تحریر یہ ہے کہ کسی چیز پر کالک پھیر کے اُس کی زمین سیاہ کر لی جاتی ہے اور اُس پر پتھر کے قلم سے سفید حرفون مین لکھتے ہین یہ طرز کتابت دیرپا بھی ہے اور پسند بھی زیادہ کیا جاتا ہے -

اُس ستونون والے دیوان خانے کے درمیان مین ایک بلند چبوترے پر ایک خواجہ سرا بیٹھا رہتا ہے جو "دنائک" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے - تمام نظم و نسق کا افسر اعلی وہی ہے - اور اُس کے چبوترے کے نیچے بہت سے گرز بردار اپنے گرز تانے کھڑے رہتے ہین جو کوئی شخص کسی غرض یا فریاد کے لیے آتا ہے وہ اُن گرز بردارون کی صفون سے گزر کے کوئی معمولی قسم کا نذرانہ پیش کرتا ہے پھر زمین پر سر رکھ کے ادب سے زمین بوس ہوتا ہے اور اُس کے بعد اُٹھ کر اپنی غرض بیان کرتا ہے - جس پر غور کرکے دنائک حسب قوانین مروجہ احکام جاری کرتا ہے - اور پھر اُن احکام کے اجرا مین کوئی قوت مزاحم نہین ہوسکتی - دنائک جب یہان سے اُٹھ کے جاتا ہے تو لوگ اُس کے آگے کئی رنگین چھتر لیکے چلتے ہین - ترہیان پھنکتی ہین - اور بھاٹ لوگ دونون جانب سے نغمۂ دعا سناتے جاتے ہین -

دنائک کو جب راجہ سے ملنا ہوتا ہے تو اُسے قصر شاہی کے سات پھاٹک طے کرنا ہوتے ہین جن پر شاہی پہرہ رہتا ہے - ہر ہر پھاٹک پر ایک ایک چھتر چھوٹتا جاتا ہے یہان تک کہ جب وہ ساتوین پھاٹک سے آگے بڑھتا ہے تو کوئی چھتر نہین باقی رہتا -

دناکنگ کا مکان راجہ کے محل کے پچھواڑے ہے - راجہ کے محل کے بائین جانب ٹکسال ہے جہان بہت سے قسم کے سونے کے سکہ تیار ہوتے ہین جن مین مناسبت سے کھوٹ ملایا جاتا ہے - ان سکون مین سے ایک "ورنہا" کہلاتا ہے جس کا وزن ایک مثقال کا ہے - دوسرا "پرتاب" کہلاتا ہے جو قیمت مین آدھے ورنہا کے برابر ہوتا ہے - تیسرا "فنام" کہلاتا ہے جو پرتاب کا دسوان حصہ ہے یعنی دس فنامون کا ایک پرتاب ہوتا ہے - فنام کا چلن بہت زیادہ ہے - ایک خالص چاندی کا سکہ بھی کثرت سے بنتا اور بہت مروج ہے جو "تار" کہلاتا ہے - "چھ تار" کا ایک فنام ہوتا ہے - اس سے کم تانبے کا سکہ "جیتل" ہے - تین جیتلون کا ایک تار ہوتا ہے -

یہان کا معمول یہ ہے کہ تمام مالکان اراضی و کاشتکار ایک مقررہ وقت پر سرکاری مالگزاری لاکے یہین ٹکسال مین داخل کرتے ہین - اور جس کسی کو سرکار سے کچھ ملنا ہوتا ہے اُسے محاسب سے ایک پروانہ ٹکسال کے نام مل جاتا ہے جہان سے وہ رقم وصول کر لیتا ہے - سپاہیون کو ہر چوتھے مہینہ تنخواہ ملتی ہے -

ملک اس قدر گھنا آباد ہے کہ آبادی کی تعداد کے متعلق کوئی رائے نہین قائم کی جا سکتی - راجہ کے خزانے مین کمرے اور تہخانے خالص سونے کی سلون سے بھرے ہوئے ہین - اور تمام اہل ملک کیا اعلیٰ اور کیا ادنیٰ حتیٰ کہ معمولی درجہ کے بازاری لوگ بھی جواہرات اور سونے کا زیور کانون - گلے - بازوؤن - کلائیون اور انگلیون مین پہنے رہتے ہین -

دفتر وزارت کے محاذی فیل خانہ ہے - ملک مین راجہ کے بہت سے ہاتھی ہین - شہر کے پہلے اور دوسرے حصار کے فیما بین اور نیز آبادی کے شمالی و مغربی رُخون پر ہاتھیون کی تعلیم و پرورش کا محکمہ ہے جہان ہاتھیون کے چھوٹے بچے لاکے رکھے اور سدھائے جاتے ہین - راجہ کا ایک سفید ہاتھی ہے جو نہایت ہی بڑا ہے - اور اُس کی جلد مین جابجا ۲۰ کے قریب رنگین دھبے ہین - یہ ہاتھی ہر صبح کو راجہ کے سامنے لایا جاتا ہے - اس لیے کہ یہان صبح صبح اُس کو دیکھنا نہایت ہی مبارک ہے - ہاتھیون کو دن بھر مین دو بار غذا دی جاتی ہے - اور سب پختہ مکانون مین رہتے ہین جن کی چھتین بہت ہی مضبوط ہوتی ہین - جو زنجیرین اُن کی گردن اور پیٹھ پر ہوتی ہین وہ چھت کے شہتیر مین اٹکا دی جاتی ہین - اور اگلے دونون پاؤن مین بھی زنجیرین پڑی

رہتی ہین۔ اگر ایسی بندش نہ کی جائے تو وہ چھوٹ جائین۔

ہاتھیون کے پکڑنے کا یہ طریقہ ہے کہ جنگل مین جس راستہ سے جنگلی ہاتھی پانی پینے کو جاتے ہین اُس راستہ مین لوگ گڑھے کھود کے پھوس وغیرہ سے پاٹ دیتے ہین۔ جہان کسی ہاتھی کا پاؤن کسی گڑھے پر پڑ گیا وہ اُس کے اندر جا پڑتا ہے اور پھر نہین نکلنے پاتا۔ دو تین دن تک تو کوئی اُس گڑھے کے قریب نہین جاتا۔ پھر ایک شخص جا کے اُسے نیزے سے دو چار کونچے دیتا اور مارتا ہے ساتھ ہی ایک اور شخص نمودار ہوتا ہے جو اُس پہلے شخص سے نیزہ چھین کے پھینک دیتا اور اُسے مار کے بھگا دیتا ہے۔ پھر کھانے کے لیے کوئی چیز چمکار کے ہاتھی کے سامنے ڈال کے چلا آتا ہے۔ یہی کارروائی روز ہوتی ہے۔ یعنی پہلے ایک شخص آ کے ہاتھی کو مارتا پھر دوسرا اُسے بچاتا اور کھلاتا ہے۔ یہان تک کہ ہاتھی اُسے اپنا بچانے والا اور دوست سمجھ کے اُس سے مانوس ہو جاتا ہے۔ تب وہ قریب جا کے اُسے سہلاتا پیار کرتا اور اظہار محبت کرتا ہے۔ اور آخر پوری طرح مانوس بنا لینے کے بعد اُسے زنجیرین پہناتا اور گڑھے مین سے نکال لاتا ہے۔

ہندوستان کے راجہ ہاتھیون کے شکار کے شوقین ہین دو ایک مہینہ جا کے جنگل مین رہتے ہین۔ اور جب کچھ ہاتھی ہاتھ آ جاتے ہین تو بڑی خوشیان مناتے ہین۔ بعض اوقات ہاتھیون سے یہ کام بھی لیا جاتا ہے کہ مجرم اُنھین کے ذریعہ سے قتل کرائے جاتے ہین۔ سراندیپ سے اکثر سوداگر ہاتھیون کو دور دور کے ملکون مین لیجا کے اُن کی بلندی کے مطابق زیادہ قیمت پر فروخت کرتے ہین۔

ٹکسال کے مقابل کوتوال شہر کا دفتر ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اُس کے متعلق بارہ ہزار پولیس کے جوان ہین جن کی تنخواہ کا حساب بارہ ہزار تنکہ یومیہ پڑتا ہے یہ رقم شہر کے چکلون اور رنڈیون کے ٹیکس سے پوری کی جاتی ہے۔ اس موقع پر مولانا عبدالرزاق لکھتے ہین کہ ان بازاری عورتون کے مکانون کی شان و شوکت اور ان دلربا نازنینون کا حسن و جمال۔ اُن کے ناز و انداز اور اُن کی دلبری کی چالین دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہین بیان نہین ہو سکتین۔ اور بہتر یہی ہے کہ اس بارے مین خموشی اختیار کر لی جائے۔

لیکن اس بھاگنے پر بھی مولانا سے رہا نہ گیا اور فرماتے ہین تاہم اتنا بیان کر دینا ضروری ہے کہ ٹکسال کے عقب مین ایک قسم کا بازار ہے۔ جو ۳۰۰ گز لمبا اور ۲۰ گز چوڑا ہے

دونون جانب مکانات ہین اور اُن مکانون کے آگے جو زمین چھوٹی ہے اُس مین کرسیون یا بنچون کے عوض پتھر کے خوشنما چبوترے بنے ہین۔ دونون جانب کے مکانون کے رُو دکار پر شیرون چیتون اور دیگر حیوانون کی تصویرین بنی رہتی ہین۔ ظہر کے بعد ان مکانون مین سے ہر ایک دروازے پر جو خوب ہی آراستہ ہوتے ہین کرسیان بچھادی جاتی ہین۔ اور اُن پر بازاری حسین عورتین آکے نازو انداز سے بیٹھ جاتی ہین۔ اُن کا لباس بہت بھاری اور قیمتی ہوتا ہے۔ موتیون اور جواہرات کا زیور پہنے ہوتی ہین۔ اور ہر ایک کے سامنے دو یا ایک لونڈیان بھی کھڑی رہتی ہین۔ جو لوگون کو عیش و عشرت اور لطف و مسرت کے لیے اپنی طرف بلاتی ہین۔ راہگیر اُن کو دیکھتے ہوے گزرتے ہین اور جسے پسند کرتے ہین اُس کے پاس جاتے ہین اب وہ بازاری عورتین تو اُس شخص کی دلداری مین مصروف ہو جاتی ہین اور اُن کے نوکرون کا یہ کام ہوتا ہے کہ یہان جو کچھ مال و اسباب ہے اُس کی حفاظت کرین۔ اگر کوئی چیز بھی گئی تو برطرف کر دیے جاتے ہین۔

شہر کی ساتون شہر پناہون کے اندر ایسی بہت سی رنڈیان ہین جن کے محصول سے پولیس کی تنخواہ دی جاتی ہے۔ پولیس والون کا یہ کام ہے کہ ساتون حصارون کے اندر جو کچھ واقعات پیش آئین یا جو حادثے ہون اُن سے بخوبی آگاہ رہین۔ جو چیز کھو جاسے یا چوری جاے اُسے ڈھونڈھ کے برآمد کرین۔ اور اگر برآمد نہ کرسکے تو اُن پر جرمانہ کیا جاتا ہے۔ میرے ایک رفیق سے کئی غلام یہان مول لیے تھے وہ بھاگ گئے۔ جب اس کی رپورٹ کوتوال شہر کی گئی تو اُس نے اُس حلقہ کے محافظون کو جہان نہایت غریب و محتاج لوگ رہتے تھے بلا کے حکم دیا کہ ان غلامون کی قیمت ادا کرو۔ چنانچہ تحقیق کے بعد اُن غلامون کی جو قیمت ثابت ہوئی اُن سے وصول کر کے میرے رفیق کو دے دی گئی۔

حسن کی کرشمہ سازیان

ستّ الملک ملکۂ مصر

مصر مین جب خلفاے باطنیین ائمۂ اسمٰعیلیین کے سریر فرمان روائی پر الحاکم بامر اللہ کا ایسا عجیب و غریب مختلف الاوصاف اور متلون المزاج خلیفہ حکومت کر رہا تھا اُس کے شر کے دفع کرنے کے لیے خدا نے اس حسین و نازنین اور سراپا حکمت و فراست ملکہ کو ظاہر کیا۔

جو اگر حریم خلافت سے نکل کے رعایا کی خبر نہ لیتی تو الحاکم نے خدا جانے کیا قیامت بپا کر دی ہوتی۔

ست الملک حاکم بامر اللہ کی بہن اور اُس سے پہلے فاطمی خلیفہ العزیز باللہ نزار کی ناز پروردہ بیٹی تھی۔ حسن و جمال مین ثانی نہ رکھتی تھی۔ اور ہوشیاری۔ دانائی۔ استقلال۔ حکمرانی۔ اور سیاسی قابلیت مین اُس کا کوئی نظیر و مثیل نہ تھا۔ مصر ہی نہین شاید اُن دنون ساری دنیا مین کوئی عورت اُس کی سی لیاقت اور مردانہ ہمت نہ رکھتی ہو گی۔

حاکم بامر اللہ کو گیارہ ہی برس کی عمر مین آبائی حکومت مل گئی تھی۔ اور حکومت بھی کون جو صرف دنیوی شہریاری نہین بلکہ دینی امامت اور حضرت رسالت کی جانشینی بھی تھی۔ تاج و تخت پاتے ہی اُسے نظر آیا کہ ساری دنیا میری تابع فرمان ہے۔ مین دنیا ہی نہین دین کا بھی بادشاہ ہون۔ اور دین و دنیا مین جیسے احکام چاہون جاری کر سکتا ہون۔ اس خیال کے آتے ہی پہلے تو اُس نے امامت کو مظہر ربانی یا ہندوؤن کی اصطلاح کے مطابق اوتار قرار دے کے اپنے آپ کو معمولی انسان سے بڑھا کے امام اور امامت سے بھی آگے بڑھا کے خدا بنا لیا۔ چنانچہ اُسی کی یادگار مین آج تک دروز کا فرقہ شام مین موجود ہے جو لوگ حاکم بامر اللہ کے سوا خدا کو بھی نہین مانتے۔ ان لوگون کے عقیدے مین ایمان حاکم بامر اللہ پر ایمان لاتا ہے۔ اور چند خطوط جو حاکم کی امامت کی تبلیغ مین لکھے گئے تھے اُن کا مجموعہ اُن کا قرآن ہے۔ گو وہ مسلمانون مین شمار کیے جاتے ہین مگر نہ رسول مقبول صلعم کو مانتے ہین اور نہ قرآن مجید کو۔ نہ نماز پڑھتے ہین نہ روزہ رکھتے ہین اور نہ مسلمانون کا سا اور کوئی کام کرتے ہین۔ اُن کے خیال مین نجات کا ذریعہ صرف الحاکم کو مظہر ایزدی مان لینا ہے۔

عنان حکومت ہاتھ مین لینے کے بعد حاکم نے عجیب عجیب متخالف متضاد احکام جاری کرنا شروع کر دیے تاریخ مین یادگار ہین سنہ ۳۹۵ھ مین حکم قطعی جاری کیا کہ صحابہ کرام کو علانیہ گالیان دی جائین۔ بازارون شاہراہون مسجدون اور تمام عام گذرگاہون مین تبرا لکھ لکھ کے دیوارون پر لگا دیا گیا۔ اور یہی حکم تمام والیان ملک کو لکھ بھیجا گیا کہ اپنے مفوضہ علاقون مین جاری کرین۔ ایک زمانے تک یہ حکم جاری رہا تھا کہ دربار خلافت سے حکم پہونچا کہ تبرا کلیۃً موقوف۔ صحابہ کی شان مین جو شخص کوئی برا کلمہ کہے یا اُن کا ذکر برائی سے کرے اُسے سخت سزا دی جائے۔ اب اُن لوگون کو جو مین صحابہ کے

عادی کر دیے گئی تھے سزائین ملنے لگین - ۳۹۵ھ مین حکم جاری کیا کہ رمضان مین نماز تراویح کلیۃً موقوف - جامع عتیق کے امام نے اس حکم کی پروا نہ کی اور مسلمانون کو جمع کر کے تراویح پڑھی دوسرے ہی دن وہ پکڑ کے قتل کر ڈالا گیا - اس کے بعد ۴۰۲ھ مین حکم جاری ہوا کہ تمام مسجدون مین نماز تراویح لازمی طور پر پڑھی جایا کرے - مسلمانون سے زیادہ سختیان یہود و نصاریٰ کو اس مجنون فاطمی خلیفہ کے تلوّن سے برداشت کرنا پڑین - کبھی حکم ہوتا کہ سب مجبور کر کے مسلمان بنائے جائین - کبھی اُن کو ذلیل قسم کا لباس پہنے اور ذلت سے رہنے کی تاکید ہوتی اور کبھی جوش و خروش سے اُن کی استمالت اور طرفداری کی جاتی - کبھی اُن کے معبد اور کنیسے کھود ڈالے جاتے اور کبھی تعمیر کر دیے جاتے - عورتون کی نسبت حکم ہوا کہ کوئی عورت گھر سے نہ نکلے - اور جب شکایت ہوئی کہ جن عورتون کا کوئی والی وارث نہ ہو وہ کیا کرین - تو فرمان جاری ہوا کہ بازاری ہر قسم کا مال لے کے زنانی ڈیوڑھیون پر جایا کرین اور لمبے دستے کی کوئی ایسی چیز اپنے پاس رکھین جس مین رکھ کے ہر چیز دروازے کے اندر بڑھا دیا کرین - تاکہ بغیر صورت دیکھے پٹ کی آڑ سے خرید و فروخت ہو جایا کرے -

ان باتون نے تمام اہل مصر کو اس قدر ناراض کر دیا کہ حاکم کے پاس روز گمنام رقعے اور خطوط پہونچتے جن مین اُسے گالیان دی جاتین - اور برا بھلا کہا جاتا - حاکم کو بجائے اس کے کہ ان باتون سے تنبہ ہو اور بگڑتا - اور ضد مین آ کے زیادہ ظلم کرتا آخر ایک دن مصر کے بعض منچلے لوگون نے یہ کارروائی کی کہ کاغذ کی ایک عورت بنا کے حاکم کی گزرگاہ مین ایک جگہ کھڑی کر دی اور اُس کے ہاتھ مین ایک کاغذ دے دیا یہ پتلا اس قدر مکمل اور ایسی صناعی سے بنایا گیا تھا کہ حاکم اُدھر سے گزرا تو بالکل نہ پہچان سکا اور سمجھا کہ سچ مچ کوئی عورت ہے جو فریاد کرنے کو آئی ہے - غلامون کو بھیج کے اُس کے ہاتھ سے عرضی لے لی - دیکھا تو اُس مین صدہا گالیان لکھی ہوئی تھین - اور اُس کی کسی طرح کی توہین اُٹھا نہین رکھی گئی تھی - لپک کے عورت کو پکڑا تو کاغذ اور بانس کا ڈھانچہ تھا -

اس کارروائی سے حاکم ایسا برانگیختہ ہوا کہ حکم دیا مصر کی آبادی مین آگ لگا دی جائے - اور فوج والے سارے شہر کو لوٹ لین - مردون کا قتل عام ہو - اور عورتین اور لڑکے پکڑ پکڑ کے لونڈی غلام بنا لیے جائین - فوراً اس نادری حکم کی تعمیل شروع

ہو گئی۔ اور شہر تباہ ہونے لگا۔ مکانون پر شعلے بلند تھے۔ شرفا و امرا بلا استثنا و قتل ہو رہے تھے۔ اور معززین و شرفا کی عورتین اور بچے کھینچ کھینچ کے گھرون سے نکالے اور لونڈی غلام بنائے جاتے تھے۔ جب مسلسل دو دن تک قتل و غارت کا بازار گرم رہا تو لوگون نے عفو تقصیر کے لیے التجا کی مگر نہ سُنی گئی۔ آخر رعایا نے مجبور ہو کے بہت سے ترکون اور شام و عرب کے لوگون کو اپنے ساتھ شریک کر لیا اور بغاوت کی دھمکی دی۔ یہ رنگ دیکھ کے حاکم نے ظلم سے ہاتھ روکا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ شرارت کی کہ حکم دیا کہ امرا و معززین کی جو عورتین گرفتار ہوئی ہین وہ بے عزت کر کے بیچ ڈالی جائین۔ اور اُن کے بچے بھی فروخت کر ڈالے جائین۔ یہ ایسے بے رحمی کے شرمناک مظالم تھے کہ مصر کا ہر شخص حاکم کا دشمن اور اُس کے خون کا پیاسا ہو گیا۔

ست الملک بھائی کی ان حرکتون پر دل ہی دل مین کڑھتی اُسے سمجھاتی اور حتی الامکان لوگون کو اُس کی طرف سے صاف کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ مگر حاکم بجائے اس کے کہ اُس کا شکرگزار ہو اور اُس کے عاقلانہ مشورون پر عمل کرے اُلٹے اُس سے ناراض ہو گیا۔ یہان تک کہ آخر کار اُسے وہم ہوا کہ ست الملک میرے خلاف امرائے شہر سے سازش کرتی اور اُنھین میری مخالفت پر اُبھارتی ہے۔

ست الملک سے پہلے حاکم بامر اللہ کو بڑی محبت تھی۔ اور چونکہ اُس کی دانائی اور عقلمندی کا قائل تھا اس لیے ہر ملکی معاملے اور اپنے ہر حکم کے جاری کرنے مین اُس سے ضرور مشورہ کر لیا کرتا۔ یہ ست الملک کی خوش نصیبی یا نیک نفسی تھی کہ جو امر اُس کے مشورہ سے کیا جاتا اُس مین ہمیشہ کامیابی ہوتی اور رعایا خوش رہتی۔ اصل حقیقت یہ تھی کہ ست الملک اُس کے مجنونانہ احکام سے ہمیشہ اُسے روکا کرتی۔ لیکن جب اُس نے ست الملک کی راے کے خلاف کارروائیان شروع کین اور لوگ برہم ہونے لگے تو اُسے اپنی بے وقوفی سے اس امر پر تعجب ہونے لگا کہ جو کام مین اپنی تجویز سے کرتا ہون اُس سے لوگ ناراض ہوتے ہین اور جس کام کو ست الملک سے پوچھ کے کرتا ہون اُس کی کوئی شکایت نہین کرتا۔ آخر اس تعجب و حیرت نے اُسے بہن سے بدگمان کر دیا اور جوش مین آ کے زیادہ خود رائی کرنے لگا۔ نتیجہ یہ کہ رعایا بھی زیادہ برہم ہونے لگی جسے اُس نے بہن کی سازش پر محمول کیا۔ آخر بے اختیار کھل کھیلا اور ست الملک کو لکھ بھیجا "تم لوگون سے سازشین کرتی ہو اور تمھارا چال چلن نہین اچھا ہے۔ اکثر نامحرم مرد تمھارے محل مین آیا جایا کرتے ہین اس

اور بدکاری سے باز آؤ ورنہ قتل کرڈالون گا"۔ اس پاکدامن شاہزادی کی عفت وحرمت پر آج تک کسی نے حملہ نہیں کیا تھا سنتے ہی آپے سے باہر ہو گئی۔ اور اس فکر مین ہوئی کہ ایسے ظالم اور بے شرم بھیا بھائی سے اب جس طرح بنے پیچھا چھڑانا چاہیے۔

اسے جو جو زمانہ گزرتا تھا بہن بھائی کے تعلقات نازک ہوتے جاتے تھے۔ حاکم کی بدگمانیاں جو بڑھیں تو اُس نے سمجھ لیا کہ یہ پچھلے گالیون کے خطوط میرے پاس آ رہے ہیں اور اُس کاغذ کی بنی ہوئی عورت کے ہاتھ سے گالیون کا جو خط مجھے ملا تھا سب اسی ست الملک کی کارروائیان ہین۔ آخر ست الملک نے حاکم کو حد سے گزرتے دیکھ کے دل مین کہا "اچھا ٹھہر جا! اب تک تو مین نے تمھارے خلاف کوئی سازش نہین کی تھی مگر اب کرتی ہون۔" ان دنون قاہرہ مین ابن دواس نام ایک معزز شخص تھا جو ایک حصہ فوج کا افسر اعلیٰ تھا اور حاکم کو اُس پر بھی طرح طرح کی بدگمانیان تھین۔ ست الملک نے اسی ابن دواس کے پاس کہلا بھیجا کہ "مین تم سے تنہائی مین ملنا چاہتی ہون۔" اُس نے عرض کیا کہ "حضور کی قدم بوسی میرے لیے مایہ ناز ہوگی۔" اس جواب سے اُسے اپنے موافق خیال کر کے ست الملک نے برقع پہن لیا۔ سب لوگون کی آنکھ بچا کے اُس کے گھر پہونچی۔ اور کہا "تو جانتے ہو کہ تمھاری نسبت بھائی کے کیا خیالات ہین؟" اُس نے عرض کیا "جی ہان جانتا ہون کہ وہ میرے دشمن اور میری جان لینے کے درپے ہین۔" ست الملک نے کہا "اور ایسی ہی دشمنی اُسے میرے ساتھ بھی ہے۔ اور اُس کا مزاج ایسا ہے کہ جس دن دل مین آگئی پھر کسی بات کا خیال نہ کرے گا اور بلا تامل ہم دونون کو قتل کرڈالے گا۔" ابن دواس نے کہا "حضور بجا فرماتی ہین۔" اب موقع دیکھ کے ست الملک نے کہنا شروع کیا کہ "اس کمبخت کے ہاتھون سارے مسلمانون پر ظلم ہو رہے ہین۔ دین الگ خطرے مین ہے۔ عقائد اُس نے بگاڑ دیے۔ مسلمانون کی عزت وآبرو بھی اُس نے نہ چھوڑی۔ معزز اور پاکدامن بیبیون کو اُس نے بے حرمت کرایا۔ شریفون کے بچے اس کے ہاتھون بازار مین بکے۔ اور یہ حالت ہو رہی ہے کہ اس کے اندیشہ سے کوئی شخص گھر مین چین سے نہین رہ سکتا۔ پھر یہ دیکھو کہ ملک کا بچہ بچہ اس کی صورت سے بیزار ہو رہا ہے اور ساری رعایا کے دلون مین بغاوت کا جوش پیدا ہوتا جاتا ہے۔ اگر سب لوگ بگڑ کھڑے ہوئے اور انھون نے اس اسمٰعیلی خلافت کے تاج وتخت کو الٹ دیا تو کیا

نہ میں اچھون گی اور نہ تم بچوگے - اور مصر مین قیامت کبریٰ بپا ہو جائے گی" ابن داؤس نے ست الملک کی یہ پُراثر تقریر سُن کے کہا" آپ جو فرمائین مجھے اُس کی تعمیل مین عذر نہ ہوگا" ست الملک بولی" میرے نزدیک تو مناسب یہ ہے کہ قبل اس کے کہ الحاکم کے دست ستم سے ہماری امامت کو صدمہ پہونچے ہم اُسی کی زندگی کا چراغ گل کردین" ابن داؤس نے کہا" مجھے اس مین کوئی عذر نہین - لہذا آپ اس کی جو تدبیر بتائین کی جائے" ست الملک نے کہا" کل میرا بھائی الحاکم حسب معمول شہر سے نکل کے کوہستان کی طرف جائے گا - اور عادت کے مطابق اُس کے ہمراہ کوئی نہ ہوگا - تم ایسے دو شخص وہان مقرر کردو جو وہین اُس کا کام تمام کردین - اور پھر اُسے گھر آنا نہ نصیب ہو - ابن داؤس نے اس کا وعدہ کیا جس سے خوب مطمئن ہو کے ست الملک نے وعدہ کیا کہ اگر یہ کارروائی خوبی کے ساتھ انجام پاگئی تو مین تمھاری موجودہ جاگیر مین ایک لاکھ دینار سالانہ کی جاگیر اور بڑھا دون گی - اور سلطنت کا سارا انتظام ونسق تمھارے ہی ہاتھ مین ہوگا - کیونکہ تمھارے سوا اور کوئی وزیراعظم اور مدارالمہام سلطنت نہین ہو سکتا - ان وعدون نے ابن داؤس کو اُس کے ارادے مین اور مضبوط کر دیا - جس کے بعد ست الملک اپنی محلسرا مین واپس گئی

الحاکم مقررہ اوقات مین تن تنہا پہاڑون پر جایا کرتا تھا - چونکہ امامت اور مظہر ایزدی ہونے کا مدعی تھا اس لیے اُس کی غیبت مین وہی شان ہوا کرتی جو حضرت موسیٰ کے کوہ طور پر جانے اور خدا کے احکام لانے کی تھی - اسی معمول کے مطابق ست الملک اور ابن داؤس کی سازش کے دوسرے دن ۲۷ شوال سنہ ۴۱۱ھ کو وہ محل سے نکل کے پہاڑون پر گیا - پہاڑ کے قریب پہونچ کے ساتھ والون کو وہین چھوڑا اور ایک کم عمر لڑکے کو ساتھ لیے ہوئے گھاٹیون مین گھسا - ناگہان کوہستان کے سناٹے مین دو مسلح آدمی نمودار ہوئے جنھون نے سامنے آتے ہی حملہ کر کے اُسے اور اُس کے ہمراہی لڑکے کو مار ڈالا - اور دونون کی لاشین غائب کر دین - اس مین شک نہین کہ ان دونون سپاہیون کو ابن داؤس نے ست الملک کی خواہش کے مطابق یہان بٹھایا اور اُس کے قتل پر مامور کیا تھا - الحاکم کے واپس آنے مین جب حد سے زیادہ دیر ہوئی تو اُس کے خیر خواہون اور سردارون نے تلاش کرنا شروع کیا - پہاڑون کے

تمام پہلو اور ساری گھاٹیاں ڈھونڈھ ماریں مگر کہیں سراغ نہ لگا۔ ایک مقام پر جا کے گھوڑا اور اُس سے آگے بڑھ کے اُس کے کپڑے مل گئے۔ مگر اُن میں بھی خون کا کوئی دھبہ نہ تھا۔ لاشیں کہیں نہ ملیں۔

آخر سب تھک گئے اور عاجز آ کے قاہرہ میں واپس آئے اور ست الملک کی ڈیوڑھی پر جا کے عرض کرایا کہ "امیر المومنین غائب ہیں۔ ہم نے سارا کوہستان چھان مارا کہیں پتہ نہیں۔ اب آپ کیا حکم فرماتی ہیں؟" ست الملک نے اُن کے پاس کہلا بھیجا کہ "میرے پاس اُن کی تحریر آئی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں پرسوں واپس آؤں گا۔" امرا و ارکان دولت اس جواب سے مطمئن ہو کے اپنے گھروں کو گئے۔ اور ست الملک نے خزانے پر قبضہ کر کے بہت سا روپیہ ابن داؤس کے پاس بھیجا کہ سرداران فوج میں تقسیم کر دے۔ اس طریقے سے مسلسل سات دن تک وہ لوگوں سے الحاکم کے ظہور کا وعدہ کرتی رہی۔ اب ساتویں دن ظہور حاکم کا انتظار تھا۔ ساری فوج قصر خلافت کے دروازے پر صفیں باندھے کھڑی تھی کہ امام زمانہ امیر المومنین الحاکم کے دیدار سے بہرہ یاب ہوں۔ ست الملک نے الحاکم کے بیٹے ابوالحسن علی کو جو ابھی ایک سولہ سال کا خوبرو لڑکا تھا لباس شاہانہ پہنا کے باہر نکالا۔ وزیر سلطنت اُس کے آگے آگے تھا جس نے تمام حاضرین دربار اور اہل فوج کی طرف خطاب کر کے کہا "اے غلامان دولت! ہماری ملکہ ست الملک فرماتی ہیں کہ اب تمھارے آقا امام الزمان امیر المومنین یہی ہیں۔" یہ سنتے ہی ابن داؤس جو سب سے آگے تھا فوراً جھک کے زمین بوس ہوا۔ اور ساتھ ہی وہ تمام امرا و سرداران فوج جنھیں ابن داؤس کی معرفت روپیہ دیا گیا تھا زمین بوس ہو ہو کے آداب بجا لانے لگے۔ جب معززین کا ایک بڑا گروہ بے عذر زمین بوس ہو چکا تو باقی لوگوں نے بھی اُن کی پیروی کی۔ اور کوئی نہ تھا جس نے ذرا بھی تامل کیا ہو۔ اب نوعمر شاہزادہ علی شاہی گھوڑے پر سوار ہو کے شہر کا ایک چکر لگایا اور کل امرائے دولت ہمراہ رکاب اور اس کی جلو میں تھے۔ ظہر کے وقت وہ قصر خلافت میں واپس آ کے گھوڑے سے اُترا اور کل اہل دربار کو دوسرے دن حاضر ہونے کا حکم دیا۔ دوسرے دن علی الصبح تمام عمائد شہر اور جملہ اہل سیف و قلم دربار دولت میں حاضر ہوئے تو وہی شاہزادہ ابوالحسن علی پھر برآمد ہوا۔ آج کے دربار میں ست الملک نے اُسے

"الظاہر لاعزاز دین اللہ" کے لقب سے ملقب کر کے سریر خلافت پر بٹھایا اور سب نے بلا عذر اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لی - الغرض بغیر اس کے کہ کسی قسم کا فساد اور جھگڑا ہو الظاہر کی تخت نشینی کا معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہو گیا - ساتھ ہی ست الملک نے ایک فرمان رواں کے ذریعے سے الظاہر کی خلافت کا اعلان کیا اور اطراف و جوانب میں تمام والیان ملک اور صوبہ داران بلاد کے نام اُس فرمان کی نقلیں اس حکم کے ساتھ بھیجیں کہ کل رعایا سے الظاہر کی بیعت لیں۔

اس کے بعد ست الملک نے ایک بڑا اکبار (دربار) کیا جس میں تمام معززین کو اُن کے درجوں اور رتبوں کے مطابق بٹھایا - سب کو خلعت و انعام سے سرفراز کیا - عزت افزائیاں کیں - پھر انتظام مملکت کے متعلق نہایت ہی عمدہ احکام جاری کیے اور کل امور کا ذمہ دار اور افسر اعلیٰ ابن داؤس کو قرار دیا - اور کمال مہربانی کے ساتھ اُس سے کہا "ہم سارا نظم و نسق تمہارے ہاتھ میں دیتے ہیں - مگر کوئی دن مقرر کرو جس روز تم کو خلعت وزارت کے ساتھ ایک لاکھ سالانہ کی تنخواہ جاگیر عطا کی جائے" یہ سنتے ہی ابن داؤس گر کے زمین بوس ہوا - اور ہاتھ جوڑ کے عرض کیا "حضور جس روز حکم دیں غلام حاضر ہو" ست الملک بولی "اچھا میں خود ہی کوئی دن مقرر کر کے تمہیں بلوا لوں گی" اب سارے قاہرہ میں مشہور ہو گیا کہ وزارت اور جملہ اختیارات ابن داؤس کو ملنے والے ہیں -

دو ہی چار روز بعد ست الملک کا چوبدار ابن داؤس کی طلبی میں اُس کے دروازے پر پہنچا اور وہ خوش خوش قصر خلافت میں حاضر ہوا - پہنچتے ہی ایک اندرونی کمرے میں بلوا لیا گیا - جہاں تمام سرداران فوج بھی دست بستہ کھڑے تھے - اس قصر کے تمام دروازے بند کروا کے مقفل کر دیے گئے - اور اچانک ایک ست الملک کا ایک خاص ملازم شمشیر برہنہ ہاتھ میں لیے ہوئے نمودار ہوا جس نے آتے ہی ابن داؤس کی طرف مخاطب ہو کے نہایت ہی برافروختگی کے ساتھ کہا "تو ہی ہمارے امام الحاکم کا قاتل ہے" اور یہ کہہ کے ایک ہی وار میں اُس کا کام تمام کر دیا - یہ تدبیر کچھ ایسی خوبی کے ساتھ بن پڑی کہ کسی کو بھی مخالفت کی جرأت نہ ہوئی - اور سب ابن داؤس کے قتل کو خاموشی سے دیکھ کے رہ گئے -

اگرچہ ابن داؤس کے ساتھ نہایت ہی بے رحمی اور سخت بدعہدی کی گئی مگر

ست الملک کے دل سے بغیر اُس کے قتل کیے اس کانٹے کی کھٹک نکل ہی نہ سکتی تھی کہ جس شخص نے لالچ و خود غرضی کے جوش مین اپنے ایک امام اور آقا کو بے وفائی کے ساتھ قتل کر ڈالا ممکن ہے کہ وہ ایسی ہی کسی سازش سے متاثر ہو کے دوسرے کو بھی قتل کر ڈالے۔ بہر تقدیر اس طریقہ سے ابن دواس کو قتل کرا کے ست الملک نے نابالغ خلیفہ کے نام سے عنان حکومت اپنے ہاتھ مین لی۔ اور نہایت ہی مستعدی و بیدار مغزی کے ساتھ فرمان روائی کرنے لگی۔ رعایا اس سے پہلے ہی خوش تھی۔ اور اُس کی طرفداری مین لوگ الحاکم کے دشمن ہو رہے تھے۔ اب جو اُس نے عدالت گستری اور رعایا نوازی کے جوہر دکھانا شروع کیے تو ہر ادنیٰ و اعلیٰ اُس کا کلمہ پڑھنے اور اس کا دم بھرنے لگا۔ وہ مظلومون کی فریادرسی کرتی۔ مقدمات کا بلا رو رعایت فیصلہ کرتی۔ اور اُس کے ساتھ ہی خوش تدبیری سے اپنا ایسا رعب بٹھا لیا تھا کہ تمام سرکش اور فتنہ انگیز لوگ اُس کے نام سے کانپتے تھے۔ مجال نہ تھی کہ ایک لمحہ کے لیے بھی اُس کے حکم کی تعمیل مین کوئی تساہل کرے۔

الظاہر کی عمر سترہ سال کی تھی۔ عنفوان شباب کا زمانہ تھا۔ اور دل پُر جوش جذبات سے بھرا ہوا تھا مگر اُس نے کبھی کسی امر مین پھوپھی کے احکام سے سرتابی نہین کی۔ بلکہ وہ ہر امر مین پھوپھی کے حکمون پر چلتا۔ اور جانتا تھا کہ میری اور سارے ملک کی سلامتی اسی مین ہے کہ ست الملک کے انتظامات اور احکام مین دخل نہ دیا جائے مگر افسوس اُسے ست الملک کی خوش تدبیری اور تعدی قابلیت سے فائدہ اٹھانے کا زیادہ موقع نہین ملا اس لیے کہ اس کی تخت نشینی کو چار ہی سال ہوئے تھے کہ ۴۱۵ھ مین ست الملک نے سفر آخرت کیا اور الظاہر کو نظر آیا کہ مین اپنے باپ الحاکم کے مرنے پر یتیم نہین ہوا تھا بلکہ اب یتیم ہوا ہون۔ دراصل ست الملک کے مرنے کی تاریخ تمام اہل مصر کے لیے بڑے رنج و الم کا دن تھی۔ جبکہ بادشاہ اور خلیفہ ہی کو نہین بلکہ رعایا مین سے ہر ایک کو یہی نظر آتا تھا کہ ہم آج یتیم ہو گئے۔

خیالات و واقعات

ترکون کا موجودہ تنزل عبرتناک ہے۔ مگر اس سے زیادہ عبرتناک اُن مسلمانون کی حالت ہے جو کل تک تو ترکون کی حمایت مین اپنے تئین وہ بھی انہین سمجھے تھے

اور گویا بھول گئے تھے کہ ہم ایک یورپین دولت اور مسیحی سلطنت کی رعایا ہین یا آج ایڈریانوپل کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد وہ ہمدردی درکنار ترکون کی مخالفت پر تیار ہین۔ اور اُنھین طرح طرح کے الزام دے رہے ہین۔

کہا جاتا ہے کہ ترک خلاف شرع ہین۔ ڈاڑھیان منڈاتے ہین۔ مذہب سے بے پروا ہین۔ شرابین پیتے ہین۔ اور نصرانی معاشرت کے دلدادہ۔ مگر یہ سب باتین تو اُن مین جب بھی تھین جب ہمارے یہ مقدس و محترم دوست اُن کی حمایت مین جان فدا کرنے کو تیار رہتے اور اُن کی اعانت کو عین اعانت دین بتاتے تھے۔

مقتدایان دین کے بعض حلقون سے یہ آواز بھی سُنی گئی کہ اصل ہمدردی ہمین عربون سے کرنی چاہیے جن کی محبت منجملۂ شعائر اسلام ہے۔ یورپ والون کا معمول ہے کہ غیر مسیحی مردہ قومون کی قبرون پر چراغ جلاتے ہین اور زندہ قومون کی نسبت چاہتے ہین کہ دنیا سے فنا کر دین تاکہ اُن کی قبرون پر بھی چراغ جلانے کا موقع ملے۔ آریہ قوم بہت اچھی تھی اس لیے کہ فنا ہو چکی مگر چینی باوجود اُسی قدامت کے مٹا دینے کے قابل ہین۔ عرب بہت اچھے تھے اس لیے کہ اُن کی خلافت مٹ گئی۔ مگر ترک بہت ہی بُرے ہین اس لیے کہ ابھی اُن مین سانس باقی ہے۔ ہمین اس کی خبر تھی کہ انگریزی دان نوجوانون نے تو انگریزون کی صرف معاشرت اختیار کی ہے۔ لیکن ہمارے مقتداؤن نے اور تمام چیزون سے پرہیز کر کے نصارائے مغرب سے صرف یہی ایک سبق حاصل کیا ہے۔ خیر وہ دولت عثمانیہ کو مٹی دینے مین دول یورپ کے ساتھ شریک ہون مگر اپنا عمامہ سنبھالے رہین۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بھی اسی قبر مین گر کے دفن ہو جائے۔

مگر سچ یہ ہے کہ ہندوستانی اولوالعزمی کی نسبت پُرانی مثل چلی آتی ہے کہ "لڑنے والون کے پیچھے اور بھاگنے والون کے آگے" اس کی پوری پوری تصدیق ہمین ان ہندوستانی ہمدردان اسلام کے طرز عمل سے ہو رہی ہے جن کا جوش و خروش لڑائی کے وقت تو ایسا تھا کہ معلوم ہوتا ترکون مین بھی اتنی حمیت دینی نہ ہوگی

جتنی ان میں ہے۔ لیکن اب شکست کے وقت یہ سب سے پہلے بھاگ کے الگ جا کھڑے ہوئے۔ اور ایک ٹھیک نام ہاتھی کی طرح خود اپنی فوج کو پامال کر رہے ہیں۔

خیر عربوں ہی کی ہمدردی سہی۔ خدا توفیق دے۔ مگر پہلے عربوں سے یہ تو سیکھ لیجیے کہ ہمدردی کسے کہتے ہیں۔ عربوں کی وضع ہے کہ جس کا ساتھ دیا دیا۔ پھر مرتے دم تک اُسے نہیں چھوڑتے۔ جاہلیت میں بھی حلیف (ہم قسم) قبائل نسلاً بعد نسل دوستوں کی حمایت میں جانیں دیا کرتے تھے اور آج بھی عربوں کا معمول ہے کہ جس کے ہوئے زندگی بھر کے لیے اُسی کے ہو گئے۔ ایسا نہ ہو کہ جیسی پرجوش ہمدردی آپ نے ترکوں کے ساتھ کی ہے ویسی ہی عربوں کے ساتھ بھی کیجیے۔ وقت پڑے کھسک بھاگیے۔ اور عرب کے بدوی غل مچائیں "ہندی بطال! ہندی بطال!"

خیر اہل عرب تو ایک پرانی شریف قوم ہیں ہمارے ہندوستانی شرفا کی بھی وضع یہ تھی کہ مظلوم و شکستہ حال کے ساتھ زیادہ ہمدردی کرتے اور ہمدردی کا وقت وہی سمجھا جاتا تھا جب کسی پر آ بنے اور وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو۔ ترکوں نے جان بوجھ کے اور بغیر مجبور ہوئے اپنا ملک نہیں دیا۔ وہ بہادری سے لڑے قسمت سے ہار گئے مقابلہ کیا۔ فتح و شکست تقدیر کے معاملات ہیں۔ اُحد میں خود رسول صلعم کو شکست ہو گئی تھی۔ ایسی حالت میں یہ کون سی شرافت ہے کہ شکست کی خبر سنتے ہی کوئی صاحب ترکوں سے بدظن ہو جائیں۔

اگر یہ ہم مان بھی لیں کہ ترکوں میں انتظامی قابلیت نہیں تو موجودہ شکستوں اور ناکامیوں پر ترکوں کو الزام نہیں دے سکتے۔ بیرونی سازشوں نے کامل پاشا کے ہاتھ سے دولت عثمانیہ کا خاتمہ کرا دیا۔ سارے یورپ کے اتحاد نے اُن کو پنپنے نہ دیا ورنہ انجمن اتحاد و ترقی والوں نے قومی بے عزتی سے تنگ آ کے اور جان پر کھیل کے وزارت کی بساط اُلٹ دی مگر اس کو کیا کرے کہ سابق وزارت سلطنت کا کام تمام کر چکی تھی۔ اور علاج اُس وقت شروع ہوا جب مرض لا علاج ہو چکا تھا۔

لیکن اب بھی اگر حرم کعبہ کی حفاظت اور تربت رسول ؐ کی حمایت منظور ہو تو ترکون ہی کی مدد کیجیے - اور انھین کو سپر بنائیے - دنیا بھر کے مسلمانون مین سے اگر کسی مین سنبھالنے کی کچھ طاقت ہے تو وہ ترک ہین - مگر مسلمانون سے آج تک عثمانی قرضہ کی رقم تو پوری ہی نہ ہو سکی آیندہ کیا کرین گے ؟

ہمارے دوست البشیر مسلم گزٹ اور الہلال سے ناراض ہین کہ وہ علیگڈھ کالج پر حملہ کر کے ایک قومی عظیم الشان چیز کو بگاڑ رہے ہین - اور اب اس بات پر آمادہ ہوئے ہین کہ معترضین کو جواب دین - مگر جواب دینے سے اچھا ہوگا کہ وہ علیگڈھ کالج ہی کی اصلاح کرین - کالج کی حالت جہان تک ہمین معلوم ہوئی ہے نہایت ہی خراب ہے اور کالج کلاس کے لڑکون کی حالت رحم کے قابل ہے اور ان سے زیادہ اس قومی سرمایہ کی حالت جو خود نمائی کا شوق رکھنے والون کے ہاتھ مین دے دیا گیا ہے - قوم مین کالج کی جو بے اعتباری پیدا ہو گئی ہے وہ جواب دینے سے نہین دور ہو سکتی - اگر یہی لیل و نہار ہین تو کالج کی ناؤ کب تک تیر سکے گی ؟

ریویو

سیرت مصطفےٰ - یہ ایک چھوٹی تقطیع اور ۳۲ صفحہ کا رسالہ ہے جس مین مولوی محمد اسمٰعیل خان صاحب نظامی مہتمم ... لاہور نے حضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے حالات تحریر فرمائے ہین - ہمین پوری کتاب کے پڑھنے کا تو موقع نہین ملا لیکن فہرست اور بابون کے مضامین دیکھنے سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نظامی نے عام مولود خوانون کے مذاق کے خلاف فی الجملہ تحقیق اور احتیاط سے کام لیا ہے - بہرحال یہ کتاب اس قابل ہے کہ اردو دان مسلمان جناب مصنف سے منگوا کے اول سے آخر تک پڑھین اور اپنے پیغمبر علیہ التحیۃ والثناء کے حالات سے واقف ہو جائین - قیمت فی جلد ۲ر ہے -

خیالات عزیز - یہ ۱۰ + ۲۲ چھاپہ کا ایک ۲۰۰ صفحہ کا رسالہ ہے جس مین منشی

دیا نرائن صاحب نگم بی اے ایڈیٹر زمانہ نے مولوی محمد عزیز مرزا صاحب مرحوم کے ۲۴ محققانہ دلچسپ مضامین جمع کر دیے ہین۔ اول مین مولوی عزیز مرزا صاحب کی تصویر ہے اور اُس کے بعد نواب وقار الملک بہادر کا لکھا ہوا ۱۳ صفحہ کا دیباچہ ہے جس مین مولوی عزیز مرزا صاحب کے حالات زندگی ہین۔ چھپائی اور کاغذ عمدہ ہین۔ مولوی عزیز مرزا صاحب اور ان کی اعلی قابلیت سے مسلمانان ہند بخوبی واقف ہین۔ تقریب کی ضرورت نہین۔ تاہم مین اتنا ضرور کہون گا کہ مولوی عزیز مرزا صاحب کا لٹریچر اردو مین ایک بڑا پایہ رکھتا ہے جس سے ہر قسم کا علمی و ادبی فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے قیمت صرف عہ

تحفۂ سرور یہ منشی درگا سہائے سرور جہان آبادی کی نظمون کا مجموعہ ہے اول مین حضرت سرور کی تصویر۔ اس کے بعد ۴ صفحون کی مختصر سوانح عمری ایڈیٹر صاحب زمانہ کانپور سے طلب کیا جائے قیمت ۱۲

دی تاج ہیر آئل انگلش ٹریڈنگ کمپنی بمبئی و دہلی کے منیجنگ پروپرائٹر مسٹر ایم آرزو ہندوستان کے اُن چند منتخب لوگون مین ہین جو صحیح معنون مین "آپ ٹو ڈیٹ" کہے جا سکتے ہین۔ آپ کا ادبی مذاق بہت ہی ستھرا اور پاکیزہ ہے اور اس کے ساتھ ہی آپ کو صنعت و حرفت اور تجارت کے فنون مین خاص کمال حاصل ہے۔ اسی شوق مین آپ نے جاپان مین جا کے تعلیم پائی۔ اور مشرق کی ظلمت دُور کرنے کے لیے اپنا چراغ مشرق ہی کے آفتاب سے روشن کیا۔ فی الحال ہمارے دوست نے اپنے جدید ایجاد کیے ہوے "تاج آئل" (جو سر مین لگانے کے خوشبودار اعلی ترین تیل ہین) ریویو کی غرض سے ہمارے پاس بھیجے ہین۔ یہ تین قسم کے تیل ہین۔ اول **تاج آلو آئل** (روغن زیتون) ہے۔ دوسرا تاج آلمنڈ آئل (روغن بادام) ہے۔ تیسرا تاج آنولہ وکائن سیڈ (روغن آنولہ تخم کتان) ہے۔ اول کی قیمت فی شیشی عہ دوسرے کی فی شیشی عمر اور تیسرے کی فی شیشی ۱۲/ ہے شیشیون مین تقریباً آدھ پاؤ تیل ہوتا ہے۔ ان مین سے ہر ایک تیل مین نفاست کے ساتھ مشرقی مذاق کے پھولون کی خوشبو پیدا ہو گئی ہے جو نہایت مفرح شیرین اور مستقل ہے۔ کئی دن تک قائم رہتی ہے ہمارے یہان سب لوگون نے اور نیز ہمارے اکثر مبصر اور نفیس مزاج احباب نے اِن تیلون کو بہت پسند کیا۔ ہم امید کرتے ہین کہ ملک مسٹر آرزو کی ایجاد کی پوری قدر کرے گا۔ اور ایسے وقت مین جبکہ ملکی تجارت کو ترقی دینے کا خیال لوگون مین پیدا ہو چلا ہے ان تیلون کی طرف عام پبلک جوش قدردانی سے توجہ کرے گی۔ درخواستین منیجر انگلش ٹریڈنگ کمپنی موری دروازہ۔ دہلی کے پتہ پر بھیجی جائین

قدیم غیر مسلم سیاحان بیت المقدس

برنارڈ کے بعد ۱۲۵ سال تک کسی ایسے مغربی یا مسیحی سیاح کے حالات ہمیں نہیں معلوم ہو سکے جس نے سفرنامہ لکھا ہو۔ اتنے زمانہ میں ارض مقدس کی سلطنت میں بڑے بڑے انقلابات ہو گئے تھے۔ خلافت عباسیہ کمزور ہو گئی اور اُس کی کمزوری کے زمانہ میں ایک نئی رقیب خلافت مغربی افریقہ میں پیدا ہو گئی۔ جو خلافت بنی فاطمہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس خلافت نے تھوڑے ہی زمانہ میں ترقی کر کے مصر پر قبضہ کر لیا۔ اور پرانے شہر فسطاط کے قریب شہر قاہرہ کو آباد کر کے اپنا دارالسلطنت قرار دیا۔ سنہ ۹۶۹ء میں اس فاطمی خلافت نے ارض شام اور حرمین پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور مرکز اسلام میں عباسی خلیفوں کے خطبہ کے عوض فاطمیوں کا خطبہ اور اُس کے ساتھ ہی مذہب اسمٰعیلیہ جاری ہوا۔

اس کے دس برس بعد سنہ ۹۸۶ء میں پوپ سلوسٹر ارض مقدس کی زیارت کو آیا۔ یہاں اُسے عیسائیوں پر ایسے مظالم ہوتے نظر آئے کہ یورپ میں واپس جا کے مظلومی کی صدا بلند کی۔ اور اپنے پیرووں کو اُبھارنا شروع کیا کہ مسلمانوں سے اپنے مظلوم بھائیوں کا انتقام لیں۔ اور حضرت مسیح کے وطن کو دشمنوں کے ہاتھ سے نجات دلائیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرانس اور اٹلی کے اکثر ہتھیار بند گروہ زیارت کے بہانے سے آ آ کے سواحل

شام پر تاخت و تاراج کرنے لگے۔ لیکن اس سے بجائے اس کے کہ انھین کوئی فائدہ حاصل ہو ارض شام و فلسطین مین عیسائیون پر اور زیادہ تشدد ہونے لگا۔ یہان تک کہ مسیحی مورخون کے بیان کے مطابق وہ اپنے مذہب کی پیروی سے بھی رد کیے جانے لگے اور تمام اگرجے اُن کے ہاتھ سے چھین لیے گئے۔ اور آخر سنہ ۱۰۱۰ء مین ہولی سپلکر (گنبد مرقد مسیح) اور دوسری تمام زیارت گاہین فاطمی خلیفہ الحاکم بامر اللہ کے حکم سے کھود کے زمین کے برابر کر دی گئین۔

یہ قیامت خیز خبر یورپ مین اس اضافہ کے ساتھ پہونچی کہ اُس کارروائی کے محرک یہود ہوئے ہین۔ اور جوش انتقام سے سارے یورپ مین یہودیون پر طرح طرح کے ظلم و جور ہونے لگے۔ قتل کیے گئے۔ لوٹے گئے۔ جلاوطن کیے گئے۔ سمندر مین ڈبوئے گئے۔ غرض کوئی بات نہین اُٹھا رہی۔

لیکن خدا کو عیسائیون کے آنسو پونچھنا تھے۔ چالیس برس بعد جب الحاکم کا پوتا المستنصر باللہ سریر آرائے خلافت ہوا تو اُس نے عیسائیون کی حالت پر ترس کھا کے سنہ ۱۰۴۸ء مین کنیسہ ہولی سپلکر کو پھر تعمیر کرا دیا۔ اور پہلے سے زیادہ اہتمام اور شان و شوکت کے ساتھ بنوایا۔ جس کا سبب بعض تو یہ بتاتے ہین کہ قسطنطنیہ کے یونانی شاہنشاہ اور مستنصر مین کوئی معاہدہ ہوا تھا جس کی وجہ سے المستنصر نے اُسے بنوایا۔ اور بعض کہتے ہین کہ خلیفہ مذکور کی مان ماریہ نام ایک خوش عقیدہ مسیحیہ تھی لہذا جیسے پہلی مرتبہ اس زیارت گاہ کو قسطنطین اعظم کی مان ہلینا نے تعمیر کرایا تھا ویسے ہی اب مستنصر کی مان ماریہ نے بنوایا۔

جس طرح اس مقدس مقام کے کھدنے کی خبر سے یورپ مین سخت برہمی پیدا ہوئی تھی اُسی طرح اب اُس کے از سر نو بن جانے کے مژدہ نے ساری مسیحی دنیا مین شوق زیارت بڑھا دیا۔ خصوصاً اس لیے کہ اس نئی تعمیر کے ساتھ طرح طرح کے معجزات و خوارق عادات بھی بیان کیے جاتے تھے۔

لیکن بدقسمتی سے اب یہ خلافت بنی فاطمہ بھی کمزور ہو گئی تھی۔ اور دنیائے اسلام مین ترکان آل سلجوق کا دور دورہ تھا۔ چنانچہ سنہ ۱۰۷۱ء مین اُن کے سپہ سالار اتسنر خوارزمی نے یورش کر کے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ اور بجائے فاطمی خلیفہ کے مسجد اقصیٰ مین قائم بامر اللہ عباسی کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ جس طرح عباسیون کے دیکھتے فاطمیون کا

عہد انسانی قوت سے باہر تھا ۔ پسے ہی، فاطمیون کے دیکھتے اب سلجوقیون کا زمانہ بہت زیادہ سیہ کچھ کرسکی - نہ سلجوقی عہد مین معابد نصاری مسمار نہین کیے گئے - مگر سچ یہ ہے کہ ترکون کی سلطنت قائم ہو گئی وہ لوٹ مار مچا دی - جس مین کہا جاتا ہے کہ مسلم و ذمی دونون کو زیاد تیان، پہلا بادشاہ منتخب چونکہ ان دنون یورپ کے زائرین کثرت سے آ رہے تھے اس لیے اس آئندہ دور کی خبر نہایت تیزی کے ساتھ ہر طرف پھیلی - اور اُس کے پھیلتے ہی ہر جگہ آہ و واویلا کی صدا بلند ہو گئی -

اسی زمانہ مین بطرس الراہب (پٹر دی ہرمٹ) زیارت بیت المقدس کو آیا - اور یہان سے مسیحیون کی مظلومی پر اس قدر متاثر ہو کے گیا کہ جاتے ہی یورپ مین ہلچل ڈال دی پوپ کو اپنے موافق بنایا - اُس سے تمام حکمرانون اور سردارون کے نام خطوط جاری کرائے اور سنہ ۱۰۹۵ء مین خود ایک گدھے پر سوار ہو کے فرانس و جرمنی کے شہرون اور گاؤن مین مارا مارا پھرا - صلیب ایک علم کی طرح کندھے پر تھی - گلی کوچون مین فریاد کی صدائین بلند کرتا - ڈاڑھین مار مار کے روتا - اور جہاد کے نعرے لگاتا تھا - اُس کی اس کوشش نے بلا کا اثر کیا - ساری مسیحی دنیا مین ایک تلاطم شروع ہو گیا - اور جو جہان تھا اُٹھ کھڑا ہوا کہ ارض فلسطین مین جا کے بیت المقدس کو مسلمانون کے قبضہ سے چھین لے -

اُدھر یورپ مین تو یہ جوش و خروش تھا مگر اُس کے مقابل یہان ارض مشرق مین یہ حالت تھی کہ مسلمانون مین ایک قسم کی طوائف الملکی ہو رہی تھی - خلافت عباسیہ مین کوئی دم باقی نہین رہا تھا - خلافت فاطمیین مصر کے وارثان تاج و دیہیم عیش پرست اور کاہل ہو گئے تھے - ترقی و عظمت کا دار و مدار وُزرا اور سپہ سالارون کی لیاقت و شجاعت پر تھا - اور سلجوقی جو موصل سے اناطولیا تک پھیلے ہوئے تھے ایک دوسرے کے مخالف تھے - اور ہر شہر آپ ہی اپنا مالک تھا - جو باہم لڑتے رہتے - اور جب چار پانچ شہرون کے حاکم باہم مل جاتے - تو ایک چھوٹی سی متحدہ قوت پیدا ہو جاتی جو قرب و جوار کی حکومتون پر غالب ہوتی - چنانچہ ایشیائے کوچک کے انتہائی مغربی علاقہ مین قزل ارسلان ایک زبردست ترکی فرمان روا تھا جس نے ان صلیبیون کے پہلے لشکر کو جو چھ لاکھ آدمیون کا تھا ایسی زبردست شکست دی کہ تین لاکھ قتل ہو گئے اور باقی اپنی

جان لے کے بھاگے - اتنے مین یورپ سے ... کے لیے سخت تھا
روکنا دشوار تھا جو مسلمانون سے لڑتا - ... تھا - اگرچہ اس
اور اس کا محاصرہ کر لیا - یہ شہر شاہنشاہان ... یہان ہمیشہ سے زیا
فتح کرنا دشوار تھا مگر ایک بزرگ نے ... ہی تھین - اور
حضرت مسیح زخمی کیے گئے تھے اور اس سے [illegible] ... حملہ یورش کی کہ
مسلمانون کو شکست ہو گئی - اور مسیحی انطاکیہ پر قبضہ کرکے آگے بڑھے -

جس وقت پطرس راہب یورپ مین روتا اور مسیح کی دوہائی دیتا پھرتا تھا ارض فلسطین مین ترکون کو کمزور دیکھ کے فاطمی خلافت نے کوشش کی کہ اُسے پھر اپنے قبضہ مین کر لے - اُن دنون بیت المقدس تاج الدولہ بن تتش کے قبضہ مین تھا اور اُس نے اس محترم شہر کو امیر سقمان بن ارتق ترکمانی کے حوالہ کر دیا تھا - جب صلیبیون کی یورش سے ترک لوگ اُدھر متوجہ ہوئے تو مصر کے خلیفہ فاطمی مستعلی کی جانب سے افضل بن بدر جمالی نے بیت المقدس پر چڑھائی کر دی - سختی سے محاصرہ کر لیا - کچھ اوپر چالیس دن تک شہر پناہ پر زبردست منجنیقین پتھر برساتی رہین - جن کی وجہ سے جابجا سے شہر پناہ شکستہ اور کمزور ہو گئی - آخر عاجز آ کے اہل شہر نے امان مانگی اور شعبان سنہ ۴۸۹ھ (سنہ ۱۰۹۶ء) کو پھر بیت المقدس فاطمیون کے قبضہ مین آ گیا - اور افتخار الدولہ نام ایک شخص والی شہر مقرر ہوا -

شاید اس زمانہ مین عیسائی زائرون پر زیادہ سختیان نہ ہوتین مگر اب زائرین یورپ بجائے فقیرانہ وضع سے آنے کے سپاہی اور مجاہدین کے آنے کی دُھن مین تھے چنانچہ اس قبضہ کے تین ہی برس بعد صلیبیون نے آ کے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا مصر سے کوئی مدد نہ آ سکی - اور ۲۳ر شعبان سنہ ۴۹۱ھ (سنہ ۱۰۹۹ء) کو مسیحیون نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ یورش کرکے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا - تمام مسلمان مارے گئے - صرف مسجد اقصیٰ کے اندر ستر ہزار مسلمان کمال بے رحمی سے شہید کیے گئے جن مین بڑے بڑے عباد و زہاد اور ائمہ دین تھے -

یورپ مین صلیبی جہاد کی ایسی زبردست تحریک ہوئی تھی کہ فتح ہونے پر بھی وہان سے برابر فوجین چلی آتی تھین - اور انسانون کا ایک سیل عظیم تھا جس کا روکنا

انسانی قوت سے باہر نظر آتا تھا۔ چنانچہ نہ کچھ مصر کے فاطمیون کے بنائے بنی۔ نہ خلافت عباسیہ کچھ کرسکی۔ نہ سلجوقیون کا کچھ زور چلا۔ اور ارض فلسطین مین مغربی عیسائیون کی ایک سلطنت قائم ہو گئی جو "مشرقی لاطینی سلطنت" کے نام سے مشہور ہوئی۔ اور گاڈ فرے پہلا بادشاہ منتخب ہوا جسے عربی مورخین کند فرے کہتے ہین۔

اب اس مسیحی دور مین مسیحی زائرین نہایت کثرت سے اور بڑی عقیدت و سرگرمی کے ساتھ آنے لگے۔ چنانچہ مسیحیون کے قبضے کے تیسرے ہی سال سیوُلف نام ایک انگر[...]
زیارت کو آیا جس نے سنہ ۱۱۰۲ء اور سنہ ۱۱۰۳ء مین سفر کر کے اپنا سفرنام[...]
زمانہ مین کسی ایسے سیاح کی ضرورت تھی جو تفصیل سے [...]
ہونے سے بیت المقدس اور ارض یہود [...]
سیوُلف نے سوا اپنی مذہبی ز[...]
اپنے ورود کے وقت [...]
تھے کہ ناگہان مسلما[...]
تھے جو قاہرہ [...]
لشکر کو سا[...]
مین سے [...]
او[...]
غنیم[...]
جمع کر[...]
کپتا[...]
اُٹھا[...]
سی[...]

مین یافہ سے جہاز پر سوار ہوا۔ مگر چونکہ مسلمانون کے بیڑے کا دھڑکا لگا ہوا تھا اس لیے ہمارا جہاز سمندر مین آگے نہ بڑھ سکا۔ اور ہمین اُسی راستہ سے جس سے کہ آئے تھے واپس جانے کی جرأت نہین ہوئی۔ بلکہ ہم نے کنارے ہی کنارے سفر شروع کیا جدھر چند ساحلی شہرون پر تو فرانسیسیون کا قبضہ ہو گیا ہے باقی سب مسلمانون ہی کے قبضہ مین ہین۔"

سب سے زیادہ تعجب کی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگرچہ صلیبیون نے ارض
...ن کر لیا تھا شہر مسلمانون سے خالی ہو گئے۔ اور یہان لاطینی حکومت
کر باہر پہاڑون اور ریگزارون مین اب تک مسلمان
ت پریشان کرتے تھے۔ چنانچہ سیوُلف کہتا ہے
کی راہ لی۔ یہ دو دن کا سفر ہے۔
بھی ہے۔ اس لیے کہ مسلمان
ہین کہ مسیحی لوگ
کزور ہون۔ یا

*

اس کے سات برس بعد سگورڈ صلیبی آیا۔ جس کے واقعات ایک کہانی کے طریقہ سے یورپ مین مشہور تھے۔ سگورڈ ناروے کا بادشاہ تھا۔ جو ابتدا مین اور ضرورت کے وقت تو صلیبون کا ساتھ نہ دے سکا۔ مگر اپنا ۶۰ جہازون کا بیڑہ لے کے بعد روانہ ہوا۔ اور بیت المقدس پر مسیحیون کے قابض ہوجانے کے گیارہ برس بعد پہونچا۔ اُس کے داستان گو نے اُسے ایک رستم یا اسفندیار بنا دیا ہے۔ جو ہفتخوان کی سی منزلین طے کرتا ہوا یہان تک آیا۔ پہلے اسپین کے مسلمانون سے لڑا۔ آگے بڑھ کے اور مسلمانون سے مقابلہ کیا۔ پھر لسبن مین مسلمانون سے لڑا۔ اُس کے بعد بحر روم مین اکثر مقامات مین مسلمانون سے لڑائیان ہوئین اور سب معرکون مین فتحیاب ہوتا اور مسلمانون کو بھگاتا ہوا ارض فلسطین مین پہونچا۔ یہان شاہ بالڈون نے بڑے تکلف سے اُس کی دعوت کی۔ بہت سے تبرکات اُسے دیے۔ اصلی صلیب کی لکڑی کا ایک ٹکڑا اُسے دیا جس پر دونون بادشاہون نے قسمین کھائین کہ یہ لکڑی اصلی صلیب کی ہے۔ پھر سگورڈ نے عہد کیا کہ ناروے مین جا کے دین عیسوی کو ترقی دونگا۔ اس کے بعد وہ بالڈون کے ساتھ جا کے مسلمانون سے لڑا اور ایک اور شہر فتح کر کے اُس کی قلمرو مین بڑھایا اور خشکی کے راستہ سے قسطنطنیہ ہوتا ہوا اپنے وطن ناروے کو واپس گیا۔

اس سگورڈ کی مہم کے واقعات ایک نظم مین بیان کیے گئے ہین جو گیتون کی طرح گنگنائی جاتی تھی اور عنوان بیان تاریخ کا نہین بلکہ قصہ کا معلوم ہوتا ہے۔ بعد کے جمع کرنے والے مورخین نے اگرچہ ان شہرون کا پتہ لگانا چاہا ہے جن کے نام اُس کے سفرنامہ مین گنائے گئے ہین۔ لیکن اصل یہ ہے کہ اُس کے سفرنامہ کا بہت ہی کم حصہ اس قابل ہے کہ اُس کا اعتبار کیا جائے۔ یا اُسے قصہ سے زیادہ وقعت دی جا سکے۔

مسجد اقصیٰ

اُٹھا بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ جسے عیسائی مورخین "مسجد عمر" کہا کرتے ہین در اصل وہ پُرانا خانۂ خدا ہے جس کی تعمیر کی حضرت داؤد نے آرزو کی تھی اور حضرت سلیمان کے مبارک ہاتھون نے اپنے پدر بزرگوار کی اُس دلی آرزو کو پورا کیا تھا۔ یہ خانۂ خدا مدت ہائے

دراز تک یہود کا قبلہ رہا تھا - مگر انقلابات زمانہ کی جیسی مار اس مقدس خانۂ خدا نے کھائی شاید دنیا کے اور کسی معبد نے نہ کھائی ہوگی -

حضرت سلیمان کی قدیم عمارت کو بخت نصر نے تباہ و ویران کیا - جس کے بعد ایک مدت دراز تک یہ معبد ہی نہیں بلکہ سارا شہر بیت المقدس منہدم و ویران پڑا رہا - اس کے بعد حضرت عزرا نبی نے اسیری بابل سے واپس آکے از سر نو تعمیر کیا - اور پھر پرانی توحید اور پرانی شریعت الٰہی زور و شور سے جاری ہوئی - اس عمارت مین ولادت مسیح کے زمانہ مین ہیروڈ بادشاہ بنی اسرائیل نے اور اضافہ کیا - لیکن اسے ایک صدی نہین گذرنے پائی تھی کہ رومی سپہ سالار طیطوس (ٹائٹس) نے پھر تباہ و برباد کر دیا - بیت المقدس کا خزانہ لوٹ لیا - سونے چاندی کے ظروف اور تمام قیمتی آلات عبادت اور وہ سونا جو در و دیوار پر چڑھا ہوا تھا کھرچ کھرچ کے اپنے قبضہ مین کیا - خانۂ خدا مین آگ لگا دی اور ہیکل سلیمانی کی جگہ خاک کے انبار چھوڑ کے واپس گیا -

چند روز بعد رومی عیسائی ہو گئے - اور انبیائے سلف کی شریعت پر ایمان لانے کی وجہ سے چاہیے تھا کہ اُن کی سرگرمی سے یہ معبد الٰہی ہمیشہ سے زیادہ شان و شوکت کا نمونہ بن جاتا - لیکن خرابی یہ ہوئی کہ ارض یہودا کے سچے مسیحی جن پر حضرت مسیح کی سچی تعلیمات کا اثر تھا اُنھین خدا نے قوت و استطاعت نہین دی - اور جس مسیحیت نے رومیون اور یونانیون مین نشو و نما پایا وہ بت پرستی سے ممزوج تھی - اور گو بظاہر توراۃ کو مانتی تھی مگر اصل مین وہ انبیائے سلف اور اگلی شریعت کی سخت دشمن تھی لہذا رومۃ الکبریٰ اور قسطنطنیہ کی مسیحیت نے بیت المقدس مین سیکڑون نئی زیارت گاہین پیدا کر لین - اور بیسیون عالیشان کنیسہ جناب مسیح کی یادگارین تعمیر کر دیے - مگر پرانے حرم ربانی اور معبد الٰہی کے وہ ویسے ہی دشمن تھے جیسے کہ بخت نصر یا اگلے بت پرست رومی تھے -

آخر اس محترم شہر پر حضرت فاروق اعظم کا قبضہ ہوا - جب شرائط معاہدہ طے ہو گئے اور بیت المقدس کے پھاٹک کھل گئے تو حضرت عمر نے عیسائیون کے مقتدائے اعظم سے فرمایا "مجھے اب مسجد داؤد (مسجد اقصیٰ) مین لے چلو" اُس نے

کہا "چلیے" اور آپ چار ہزار مسلمانون کے ساتھ شہر کے اندر داخل ہوئے۔ وہ پہلے آپ کو کنیسۂ قمامہ مین لے گیا جو قسطنطین کے زمانہ مین فرضی مرقد مسیح پر تعمیر ہوا تھا۔ اور اُس کی طرف اشارہ کر کے کہا "وہ مسجد داؤد جسے آپ پوچھتے تھے یہی ہے۔" آپ نے اُس کی عمارت دیکھ کے کہا "تم جھوٹے ہو۔ یہ وہ مسجد ہرگز نہین ہے۔" یہ کہہ کے آپ نے واپس جانے کا ارادہ کیا مگر اب نماز کا وقت آ گیا تھا۔ آپ ادائے فریضۂ صلوٰۃ کے لیے رُکے تو سفرونیوس (مقتدائے نصاریٰ) نے عرض کیا "آپ یہین نماز پڑھیے۔" مگر آپ نے اِس مین تامل کیا۔ تب وہ آپ کو قسطنطین کے گرجہ مین لے گیا اور آپ کے لیے وہان جانماز بچھا دی گئی۔ لیکن آپ نے یہان نماز پڑھنے سے بھی انکار کیا۔ اور اُس کنیسہ کے باہر آ کے پھاٹک کی سیڑھیون پہ نماز پڑھی۔ سفرونیوس نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا "مین نے کنیسہ کے اندر نماز پڑھنے سے عمداً گریز کیا۔ اس لیے کہ ممکن تھا کہ میرے نماز پڑھنے کو نظیر قرار دے کے مسلمان تمھارے گرجہ پر قبضہ کر لین۔ اور اسے اپنی مسجد بنا لین۔" لیکن اتنا فرما دینے پر بھی آپ کو اطمینان نہین ہوا۔ اور قلم دوات منگوا کے آپ نے ایک تحریر لکھ کے سفرونیوس کو دے دی جس کا مضمون یہ تھا کہ "خبردار مسلمان لوگ اس کنیسہ کی ان سیڑھیون پر بھی نماز نہ پڑھین۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی ایک مسلمان کسی خاص وقت پہ اور کسی مجبوری سے یہان نماز ادا کر لے۔ لیکن خبردار یہان نہ اذان دی جائے اور نہ اس مقام کو مسلمانون کی مسجد قرار دیا جائے۔" یہ تھا وہ عدالت فاروقی کی جس پہ دنیا آج تک حیرت کر رہی ہے۔ اور جس کی نظیر سے سچ یہ ہے کہ دنیا کے تمام فاتحون کی تاریخ خالی ہے۔

اس کے بعد سفرونیوس آپ کو قسطنطین کے اُس گرجہ مین لے گیا جو صیہون کے نام سے مشہور ہے۔ اور اُس کی طرف اشارہ کر کے کہا "یہی مسجد اقصیٰ ہے۔" آپ نے اس کی بھی تکذیب کی۔ اس کے بعد اتفاقاً آپ کا گزر مسجد اقصیٰ کی طرف سے ہوا۔ اور آپ خود ہی اُس کے اس دروازے پر ٹھہر گئے جو "باب محمد" کہلاتا ہے۔ اس قدیم خانۂ خدا کے ساتھ عیسائیون کو جو دشمنی تھی اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دروازے کے زینون پر چوپایون کی لید کا اس قدر انبار لگا ہوا تھا کہ زینون پر سے گر گر کے سڑک پر بھی پھیل گئی تھی۔ اور دروازے کے اندر تو اتنا ڈھیر لگا ہوا تھا کہ چھت سے جا لگا تھا۔ حضرت عمر نے اُدھر کا رخ کیا تو سفرونیوس

بولا" اس مین جانے کے لیے تو ہمین ہاتھ اور گھٹنے ٹیک کے جانورون کی طرح چلنا ہو گا"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا" ہان ہم ہاتھون اور گھٹنون کے ہی بل جائین گے" مجبوراً سفرونیوس جس طرح بنا گرتا پڑتا اور گھٹنون گھٹنون چل کے اندر لے گیا۔ حرم کے صحن مین پہونچ کے حضرت فاروقؓ ٹھہرے۔ چارون طرف نظر دوڑائی۔ خوب غور کرکے دیکھا۔ اور یکایک آپ کی زبان مبارک سے نکلا" اُس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت مین میری جان ہے مسجد داؤدی یہی ہے۔ جہان سے رسول اللہ صلعم ملاء اعلیٰ پر تشریف لے گئے تھے۔ جناب رسالت نے اس مقام کی جو جو علامتین بتائی تھین صاف نظر آ رہی ہین یہان تک کہ آپ کے ارشاد کے مطابق صخرہ پر وہ گوبر بھی موجود ہے جو عیسائیون نے یہود کے عناد مین پھنکا ہے"۔ یہ کہتے ہی آپ جھکے اور خود اپنی آستینون سے صخرہ سے گوبر کو جھاڑنے لگے۔ آپ کو دیکھ کے تمام مسلمان جو ہمراہ رکاب تھے اس کام مین مصروف ہو گئے۔ اور دم بھر مین صخرہ کو گوبر اور لید سے جھاڑ کے صاف کر دیا۔ اس کے بعد فرمایا جب یہان مینہ کے تین چھینٹے پڑ لین تو اس مین نماز پڑھنا۔

ایک روایت مین یون ہے کہ بیت المقدس کے فتح ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے کعب احبار کو بلوایا جو حضرت رسالت کے ہاتھ پر دین یہود چھوڑ کے مسلمان ہوئے تھے۔ اور پوچھا" تمھین معلوم ہے کہ صخرہ کہان پر ہے؟" اُنھون نے عرض کیا" جی ہان معلوم ہے۔ وہ دیوار جو وادی جہنم کے سامنے متوازی چلی گئی ہے اُس سے اتنے بالشت فاصلہ پر ہے۔ اور فی الحال اُس جگہ پر لید ڈالی جاتی ہے"۔ اُن کے کہنے کے مطابق زمین کھودی گئی تو صخرہ برآمد ہوا۔ تب حضرت عمرؓ نے اُن سے کہا" اچھا بتاؤ مسجد کہان پر تعمیر کی جائے؟" کعب نے کہا" میری تو یہ رائے ہے کہ مسجد صخرہ کے عقب مین تعمیر ہو تاکہ مسلمان جب نماز کو کھڑے ہون تو دونون قبلہ سامنے رہین۔ کعبہ بھی اور بیت المقدس بھی"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا" خوب۔ اب تک تم مین یہودیت کی محبت باقی ہے۔ میرے نزدیک مسجد کے لیے سب سے زیادہ مناسب یہ ہو گا کہ صخرہ کے روبرو رہے۔ بلا لحاظ اس کے کہ نماز کے وقت وہ سامنے رہے یا پیچھے"۔ الغرض آپ کے حکم سے ایک سیدھی سادھی مضبوط ڈھنگ کی مسجد تعمیر کر دی گئی۔ جس مین نہ زیبایش کا خیال تھا اور نہ آراستگی و شانداری کا۔ اور اُس کی وسعت اتنی تھی کہ تین ہزار آدمی اُس مین نماز ادا کر سکین۔ اس کے بعد سے ۸۰ سال تک بیت المقدس کی تاریخ کے متعلق کچھ نہین معلوم ہوتا۔

اس مین شک نہین کہ مسلمان اس پُرانے حرم ربانی کا ادب اور اُس کی تعظیم کرتے تھے مگر مسلمانون کی جیسی توجہ مکۂ معظمہ اور مدینۂ طیبہ کی زیارت کی جانب تھی بیت المقدس کی طرف نہ تھی جب خلافت اسلامی بنی اُمیہ کے ہاتھ مین گئی اور آل مروان کی حکومت کا آغاز ہوا تو عرب مین عبداللہؓ بن زبیر نے خلافت کا دعویٰ کیا۔ مکۂ معظمہ کو اپنا دارالخلافت قرار دیا اور سارا جزیرہ نمائے عرب اُن کے زیر فرمان ہو گیا تو عبدالملک بن مروان کو جو دمشق مین علم خلافت بلند کیے ہوئے تھا یہ بات اپنے مقاصد کے بالکل خلاف نظر آئی کہ حرمین مکۂ و مدینہ جو مرکز اسلام اور ساری دنیا کے مسلمانون کے مرجع بنے ہوئے ہین ابن زبیر کی قلمرو مین ہین - کل ممالک کے مسلمان حج کو مکہ مین جاتے اور عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے - اور اُس کے بنائے کچھ بھی نہ بن پڑتی -

آخر اُس کے ذہن مین یہ بات آئی کہ مسلمانون کو بیت المقدس کی طرف متوجہ کیا جائے تاکہ ایک بڑی زیارت گاہ اور پُرانا حرم میرے قبضہ مین بھی ہو جائے جس مین سیکڑون انبیائے سلف کے مزار پُر انوار ہین- مسجد اقصیٰ کا قرآن پاک مین ذکر ہے- اور جناب سرور کائنات شب معراج مین یہین سے آسمان پر تشریف لے گئے تھے۔ عبدالملک نے جیسے ہی یہ خیال ظاہر کیا مسلمانون کو بہت پسند آیا- اور سب لوگ نہایت سرگرمی سے اِس جانب متوجہ ہو گئے- لوگون کو مستعد پا کے عبدالملک نے اس مضمون کا ایک اطلاعی خط شایع کیا کہ "عبدالملک چاہتا ہے کہ صخرۂ مبارک پر ایک گنبد تعمیر کرے- تاکہ مسلمان لوگ جو بیت المقدس مین ہین موسمی تکلیفون سے بچین- اور نیز یہ چاہتا ہے کہ مسجد اقصیٰ کو بھی از سر نو بنا کے کھڑا کر دے- مگر وہ نہین پسند کرتا کہ بغیر مسلمانون کی رضامندی کے کوئی کام کرے- لہذا تمام اہل اسلام سے درخواست کی جاتی ہے کہ اس کار خیر مین اُس کا ساتھ دین"

اس کے جواب مین ہر طرف سے آمادگی اور جوش و خروش کے خط آنے لگے- اور عبدالملک نے احکام جاری کر کے مختلف بلاد و امصار سے بڑے بڑے ہوشیار کاریگر بُلوائے- اور مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ کی تعمیر کا کام چھیڑ دیا- جس مین ملک مصر کا سات برس کا خراج پورا پورا صرف کر دیا گیا- اس دولت کے جمع کرنے اور خزانہ کے رکھنے کے لیے اُس نے پہلے ایک اور گنبد تعمیر کرایا جو قبۃ الصخرہ کے مشرق جانب آج تک موجود ہے اور "قبۃ السلسلہ" کہلاتا ہے- اس چھوٹے گنبد کو اُس نے خود اپنی تجویز سے بنوایا- اور

معمارون کو بتا دیا کہ ایسا ہو - جب یہ بن کے تیار ہو گیا تو ایسا خوشنما تھا اور تمام لوگون کو اس قدر پسند آیا کہ اُس نے معمارون کو حکم دیا کہ اسی نمونہ پر قبۃ الصخرہ بھی تعمیر کیا جائے -

قبۃ السلسلہ کے بن چکنے کے بعد عبد الملک نے رجاء بن حیوۃ الکندی کو کار تعمیر کا مہتمم مقرر کیا - اور خاص بیت المقدس کے ایک مسلمان یزید بن سلام کو اس کا مددگار قرار دیا - ان دونون کو کل رقم کے خرچ کرنے اور جن جن سامانون کی ضرورت ہو اُن کے فراہم کرنے کی آزادی دی گئی - اُنھون نے پہلے قبۃ الصخرہ کی تعمیر شروع کی جس کا افتتاح مشرق کی جانب سے کیا - اور مغرب کی طرف ختم کیا - اور جب بن چکا تو اس قدر مکمل تھا اور ایسی اعلیٰ عمارت تھی کہ کوئی یہ نہین بتا سکتا تھا کہ اس بات کی کمی رہ گئی - یا یون ہونا چاہیے تھا - یہی طریقہ مسجد اقصیٰ کا رُدکار بنانے مین ملحوظ رکھا گیا جو کہ قبۃ الصخرہ کے جنوب جانب ہے - اُسے بھی مشرق سے شروع کر کے مغرب مین مکمل کیا - سب سے پہلے وہ دیوار تعمیر کی گئی جو "مہد عیسیٰ" (حضرت مسیح کا گہوارہ) کہلاتی ہے - اور خاتمہ اس مقام پر ہوا جو اب "جامع المغاربہ" کے نام سے مشہور ہے -

عمارت کے مکمل ہو جانے کے بعد رجاء اور یزید نے عبد الملک کو لکھا "حسب الحکم امیر المومنین قبۃ الصخرہ اور مسجد الاقصیٰ کی عمارتین ایسی مکمل ہو گئین کہ اب اُن پر کسی اضافہ کی گنجایش نہین ہے - جو رقم اس کام کے لیے عطا کی گئی تھی اُس مین سے ایک لاکھ دینار بچ رہے ہین - لہذا اس باقیماندہ رقم کی بابت امیر المومنین جو حکم دین اُس پر عمل کیا جائے" عبد الملک نے اس کے جواب مین لکھا "تم دونون کے خدمات اور نگرانی مصارف کے صلہ مین اس باقی ماندہ رقم کی نسبت تمھین آزادی دی جاتی ہے کہ اُسے اپنے صرف مین لاؤ - اور اپنا انعام سمجھو" [illegible] ن دیانتدارون نے اُس رقم کا لینا جو ایسے دینی کام کے لیے مخصوص ہو نہین پسند کیا - اور عرض کیا کہ "اس رقم کو حضور امیر المومنین جس کام مین چاہین صرف کرین ہم نہین لے سکتے" اور اُس کے ساتھ اپنی بیویون کا زیور بھی اُتار کے پیش کر دیا کہ یہ بھی اسی کار خیر مین صرف کر دیا جائے - اس جواب پر خوش ہو کے عبد الملک نے حکم دیا کہ "اچھا اُن دینارون (اشرفیون) اور زیور کو گلا کے قبۃ الصخرہ کی چھت اور دیوارون پر سونا چڑھا دیا جائے" - چنانچہ جیسے حضرت سلیمان کے عہد مین اس معبد الٰہی کے در و دیوار پر سونا چڑھایا گیا تھا

اب بھی چڑھا دیا گیا۔ اور یہ عالیشان عمارت سونے کا ڈلا معلوم ہونے لگی۔ کہتے ہیں کہ گنبد پر سونا اس قدر پھیرا گیا تھا کہ اُس پر لوگوں کی نگاہ نہ ٹھہرتی تھی۔ اس کے بعد حرم کعبہ کی طرح اس حرم کے لیے بھی ایک غلاف تیار کیا گیا جو چمڑے کا تھا تاکہ گرد اور بارش سے محفوظ رہے۔ اس کے بعد رجاء اور یزید نے قبۃ الصخرہ کے گرد سیاہ آبنوس کے جھنجری دار اوٹ قائم کیے۔ اور ستونوں کے درمیان میں طلاکار چوبی پردہ لٹکائے۔ کہتے ہیں کہ عبدالملک کے زمانہ میں قبۃ الصخرہ کے اندر ایک بیش بہا موتی۔ حضرت ابراہیم کے مینڈھے کا سینگ۔ اور خسروان عجم کا تاج بیچوں بیچ میں ایک زنجیر میں بندھے ہوئے لٹک رہے تھے اس کے بعد جب خلافت خاندان بنی ہاشم میں گئی تو یہ چیزیں یہاں سے نکال کے کعبہ میں پہونچا دی گئیں۔

یہ مسجد اقصیٰ جب مکمل ہو کے کھولی گئی تو اُس کی عظمت و حرمت بڑھانے اور لوگوں کو اُس کی طرف متوجہ کرنے کی تدبیروں میں کوئی بات نہیں اُٹھا رکھی گئی۔ بہت سے خادم اس خدمت پر مامور تھے کہ ہر روز صبح کو زعفران پیس کے ایک معطر عرق تیار کرتے جو ساری مسجد میں چھڑکا جاتا۔ اور انگیٹھیوں میں عود و لوبان سلگاتے۔ اس کے متعلق جو "حمام سلیمان" تھا اُس کے ہر روز خوب اچھی طرح صاف کرنے کی خدمت پر بھی بہت سے خدام مامور تھے۔ جن کا یہ کام بھی تھا کہ ہر روز نئے بہت ہی پُرتکلف اور بھاری۔ اور قیمتی کپڑے پہنتے۔ مرصع پٹکے کمروں میں باندھتے۔ اور خلوق[ع] لے جا کے جہاں تک ہاتھ پہونچتا صخرے میں لگاتے۔ اور جب ہاتھ نہ پہونچتا تو پاؤں دھو کے خود صخرے پر چڑھ جاتے اور جتنا خلوق تیار ہوتا سب اُس میں لگا دیتے۔ تب سونے چاندی کی انگیٹھیاں لاتے جن میں قیمتی مسالے سلگتے ہوتے۔ اُن سے صخرہ اور سارے قبہ کی تبخیر کرتے۔ اس دھونی کے وقت پردے چھوڑ دیے جاتے تاکہ ساری عمارت خوشبو سے خوب بس جائے۔ اور خوب اچھی طرح دھونی دے چکنے کے بعد جب پردے باندھے جاتے۔ تو ساری عمارت خوشبو سے مہک اُٹھتی۔ اور جو کوئی سڑکوں پر گزرتا اُس کا دماغ بھی معطر ہو جاتا۔ اور اسی خوشبو سے معلوم ہو جاتا کہ اب قبۃ الصخرہ کے اندر عبادت کرنے کا وقت آگیا۔ شہر کے لیے اس جوش و خروش سے لوگ دوڑتے کہ آنے والوں کو

ع خلوق ایک صندل یا پیسی ہوئی مہندی کی صورت کی مرکب خوشبو تھی جو عربوں میں مروج تھی۔

اس مین دو رکعتین ادا کرنے کا بھی بڑی مشکلون سے موقع ملتا- اور چند ہی لوگون کو اس عبادت کے ادا کرسکنے کا شرف حاصل ہوسکتا-

یہان خوشبو کے مہکنے کی یہ حالت تھی کہ جو کوئی اندر ہوتا جہان جاتا اپنے پنڈے کی خوشبو سے پہچان لیا جاتا کہ قبۃ الصخرہ مین ہوکے آیا ہے- لوگون کا بھی یہان اس قدر ہجوم تھا کسی کو پوری طرح اطمینان سے وضو کرنے کا بھی موقع نہ مل سکتا- بلکہ پاؤن کی ایڑیان بھگوکے ایک خاص قسم کی جھاڑی کی ٹہنیون سے سارے پاؤن کو تر کرتے اور پھر جیب سے رومال نکال کے خشک کر لیتے-

تمام دروازون مین قفل پڑے رہتے- اور ہر ہر دروازہ پر دس دس خادم موجود رہتے- اور مسجد کا دروازہ ہفتہ مین صرف دو بار یعنی ہر جمعہ اور دوشنبہ کو کھولا جاتا- ان دونون کے علاوہ دیگر ایام مین سوا خدام مسجد کے کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی- علامہ ابن عساکر جنھون نے چھٹی صدی کے آغاز مین بیت المقدس کی زیارت کی تھی بیان کرتے ہین کہ "مسجد کی چھت اور دیگر مقامات مین ۶۰۰۰ لکڑی کے تختے لگے ہوئے تھے- اور لکڑی کے ستون ان کے علاوہ تھے- مسجد کے پچاس دروازہ تھے- جن مین مندرجہ ذیل دروازے بھی ہین- باب القرطبی- باب داؤد- باب سلیمان- باب محمد- باب حطہ- باب التوبہ- باب الرحمہ- چھ دروازے ابواب الاسباط کہلاتے تھے- ایک باب الولید تھا- ایک باب الہاشمی تھا- ایک باب الخضر تھا- اور ایک باب السکینہ- تھا- اس مین ۱۰۰ سنگ مرمر کے ستون تھے- سات محرابین تھین- ۳۸۵ زنجیرین قندیلین اور جھاڑ لٹکانے کی تھین- جن مین سے ۲۳۰ مسجد مین تھین- اور باقی قبۃ الصخرہ مین- ان سب زنجیرون کو اگر ایک مین جوڑ دیا جاتا تو اُن کا طول ۴۰۰۰ ہاتھ کا ہوتا- اور اُن کا وزن ۴۳۰۰۰ رطل (پونڈ) تھا- پانچ ہزار قندیلین تھین اور ہر جمعہ- رجب شعبان اور رمضان کی ۱۵- اور عیدین کو جو ۱۰۰۰ موم کی شمعین روشن کی جاتین وہ اُن کے علاوہ تھین- صخرے کے گنبد کے علاوہ مسجد مین ۱۵ گنبد تھے اور مسجد کی چھت پر سیسے کے ۷۷۰۰ پتر جڑے ہوئے تھے جن کا وزن ۷۰ رطل تھا- اور جو سیسے کے پتر قبۃ الصخرہ کے گنبد پر چڑھے ہوئے تھے وہ ان کے علاوہ تھے- مسجد کے اندر ۲۴ بڑے بڑے

۵؎ باب حطہ مین اشارہ قرآن کے لفظ حطہ کی طرف ہے جس کو بنی اسرائیل نے شرارت سے بدل کے حنطہ

حوض تھے - اور اُس کی عمارت میں چار مینار تھے - تین مغرب کی جانب ایک ہی قطار میں تھے اور ایک باب الاسباط کے قریب تھا - یہ تمام چیزیں عبدالملک بن مروان کے عہد کی بنی ہوئی تھیں - اُس خلیفہ نے اس مسجد اقصیٰ کے تعمیر کرنے کے بعد اُس کی خدمت کے لیے ۳۰۰ مستقل خادم مقرر کیے تھے - جو زرخرید غلام تھے - جب اُن میں سے کوئی مرجاتا تو اُس کی جگہ اُس کا بیٹا پوتا یا کوئی اور عزیز مقرر کر دیا جاتا - اور یہ خدمات آخر تک خاندان ہی میں رہتے - ہاں اگر کوئی خاندان ہی مٹ جاتا تو اور بات تھی - مسجد میں یہودی غلام بھی تھے جن کا یہ کام تھا کہ مسجد میں روزانہ جھاڑو دیا کریں - اُس کے متعلق پاخانہ صاف کیا کریں - اور اپنے ان خدمات کے صلہ میں وہ جزیے سے مستثنیٰ کر دیے گئے تھے - ان یہودی غلاموں کی تعداد ابتداءً تو دس ہی تھی مگر آخر میں بڑھ کے ۲۰ ہوگئی تھی - ان کے علاوہ عیسائی خدام بھی تھے - جو مستقل طور پر مامور تھے - اور یہ خدمت برابر اُن کی نسلوں میں برقرار رہتی تھی - اُن کے ذمہ یہ خدمت تھی کہ فرش اور چٹائیوں کو صاف کریں - اور حوضوں کو صاف کر کے اُن کا پانی بدلا کریں - چند یہودی خادموں کا یہ کام بھی تھا کہ شیشہ کی قندیلیں اور جھاڑ درست کیا کریں - اور مسجد اور صخرہ میں روشنی کریں - اور ان سب یہودیوں اور عیسائیوں اور نیز اُن کے قرابت داروں سے جزیہ معاف کر دیا گیا تھا -

ابن عساکر کے بیان کے مطابق مسجد الاقصیٰ کا طول ۵۵۷ ہاتھ تھا اور عرض ۵۶۴ ہاتھ - اس پیمائش میں مسجد سے مراد وہ تمام حصہ ہے جو حرم کے اندر داخل ہے - نہ صرف مسجد اقصیٰ - اس عمارت کی تعمیر کا حال بتانے کے لیے قبۃ الصخرہ کے اندر کوفی خط میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - لا الٰہ الا اللہ - لا شریک لہ لہ الملک - ولہ الحمد - یحیی ویمیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ" اس کے بعد جو عبارت ہے اُس کا ترجمہ یہ ہے خادم خدا عبداللہ امام مامون[۱] امیر المومنین نے اس قبہ کو ۲ سنہ ہ میں تعمیر کیا - خدا اُسے اُس کے

---

[۱] مامون کے زمانہ میں مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ کی ایسی اعلیٰ درجہ کی مرمت ہوئی تھی کہ گویا وہ بنا کے نیا کر دیا گیا - چنانچہ موجودہ عمارت کو مامون کی عمارت کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا - اُس کے زمانہ کے کاریگروں اور مہتمموں نے عبدالملک کا نام مٹا کے مامون کا نام لکھ دیا - مگر حماقت یہ کی کہ تعمیر کی تاریخ وہی رہنے دی جو عبدالملک کے عہد کی تھی - جو ایک عجیب احمقانہ فرو گذاشت ہے اور ان کے فضول کذب کی اعلیٰ شہ

ہاتھ سے قبول کرے اور اُس سے راضی ہو - آمین - تعمیر مکمل ہو گئی اس لیے خدا کی حمد کرنی چاہیے - اس کے بعد پھر آیات قرآنی کا سلسلہ چلا گیا ہے جن مین مکرر و سہ کرر بسم اللہ الرحمن الرحیم اور کلمۂ توحید کا اعادہ ہے جن مین یہ بھی ہے کہ مسیح بن مریم خدا کے پیغمبر اور اُس کا کلمہ تھے جسے اُس نے مریم مین ڈال دیا - اور اُس کی روح تھے - لہذا خدا اور اُس کے پیغمبرون پر ایمان لاؤ - اور یہ نہ کہو کہ خدا تین ہین خدا ایک ہے اور اُس کی شان سے بعید ہے کہ اُس کے بیٹا ہو - مسیح کو خدا کا خادم ہونے مین کوئی عذر نہین اور آخر مین لکھا ہے کہ خدا کے نزدیک اسلام ہی دین برحق ہے - اور اُس خدا کی حمد کرو جو نہ کسی کو اپنا بیٹا بناتا ہے اور نہ اپنا شریک -

عبد الملک کے بعد ولید کے عہد مین مسجد کا مشرقی حصہ منہدم ہو گیا - مگر ولید نے بجائے اس کے کہ سلطنت کے محاصل سے روپیہ دے رعایا سے چندہ وصول کر کے اُس کی مرمت کرائی - دوسرے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کے زمانہ مین ایک ایسا سخت زلزلہ آیا کہ حرم کے جنوبی حصہ کو سخت نقصان پہونچ گیا - منصور تمام خلفا مین بخیل مشہور رہے - اگرچہ بغداد کے تعمیر کرنے مین اُس نے اپنی ہمت سے زیادہ حوصلہ دکھا دیا - مگر بیت المقدس کی مرمت کے لیے روپیہ دینے کی ہمت نہ ہوئی - حکم دیا کہ قبۃ الصخرہ اور مسجد اقصٰی مین جو سونا عمارت مین لگا ہوا ہے چھڑا لیا جائے اور اُسی سے مرمت ہو - گو منصور نے اس عمارت کو بنوا دیا مگر سچ یہ ہے کہ اُس کی اصلی رونق اور شانداری جو سونے کے کام کی وجہ سے تھی جاتی رہی - خلیفۂ المہدی کے زمانہ مین بھی تعمیر ہوئی - مگر اُس مین یہ چالاکی کی گئی کہ مسجد کا طول گھٹا کے اُسی کے سامان سے عرض مین اضافہ کر دیا گیا -

مامون کے عہد مین مسجد اقصٰی کی حالت ایسی ابتر ہو گئی تھی کہ اگر فوری مرمت نہ کی جاتی تو پھر شاید وہ مرمت کے قابل بھی نہ رہتی - لیکن مامون نے پوری توجہ سے مرمت کرائی - اور ایسے اہتمام کے ساتھ کہ موجودہ عمارت کو مامون رشید کی عمارت کہا جائے تو قریب قریب صحیح ہو گا - اور اُس کی یادگار برقرار رکھنے کے لیے جہان پُرانے کتبہ مین عبد الملک کا نام مٹا کے مامون کا نام درج کیا گیا وہان ایک اور کتبہ بھی تانبے کی لوح پر کندہ کر کے قبۃ الصخرہ کے دروازہ پر لگا دیا گیا - جس کے الفاظ یہ ہین - "تعمیر کیا گیا بحکم خادم خدا عبد اللہ المامون امیر المومنین اطال اللہ عمرہ بزمانہ ولایت برادر امیر المومنین الرشید

حفظہ اللہ۔ بہ اہتمام صالح بن یحییٰ جو کہ منجملہ غلامان امیر المومنین کے ہے۔ بماہ ربیع الآخر سنہ ۲۱۶ھ نام کے ردو بدل مین جو شرمناک دلیری کی گئی ہے یہ غالباً اسی صالح بن یحییٰ کا فعل ہے۔

یا آصف الدولہ ولی

لکھنؤ کے اکثر دکاندار صبح کو بوہنی کرتے وقت "یا آصف الدولہ ولی" کہہ کے نواب آصف الدولہ مرحوم کا نام لیا کرتے ہین۔ لیکن یہ کسی کی سمجھ مین نہ آیا ہوگا کہ آصف الدولہ کو ولایت کیونکر اور کس سے ملی تھی۔ نواب مرحوم نے اپنی یادگار کے طور پر امام باڑہ کی ایک ایسی لاجواب عمارت چھوڑی ہے جو دنیا کی بہت ہی منتخب عمارت اور اعجوبۂ روزگار ہے۔ اُس کی تعمیر قحط کے زمانہ مین صرف رعایا پروری کے لیے ہوئی تھی اور محض اس خیال سے کہ شریف محتاجون کو بھی نفع اُٹھانے کا موقع ملے راتون کو بھی عمارت کا کام جاری رکھا جاتا تھا۔ لیکن ولی بننے کے لیے اتنا ہی کافی نہین ہے۔ خصوصاً جب ہم دیکھتے ہین کہ نواب آصف الدولہ مرحوم نے اپنے ۲۳ سال کے زمانۂ حکمرانی مین اپنی مان بہو بیگم صاحبہ کو جن مین واقعی ولیون کے سے صفات موجود تھے بہت ستایا۔ اور ہمیشہ آزردہ رکھا۔ ایسے رذیل لوگون سے صحبت تھی اور ایسے شرمناک افعال تھے کہ ادنیٰ طبقہ کے لوگون کو بھی سُن کے حیرت ہو جاتی تھی۔ ایسے شخص کا عوام کے معتقدات مین ولی بن جانا تعجب سے خالی نہین ہے۔ مگر مسٹر ولیم ہوئی کی کتاب "ممائرز آف دی اینڈ فیض آباد" کو پڑھ کے جو کہ تاریخ "فرح بخش" کا ترجمہ ہے ہمین آصف الدولہ کی ولایت کی اصلی بنیاد معلوم ہو گئی۔ یہ ہم جانتے ہین کہ ایسی باتون کو آج کل کے لوگ تسلیم نہ کرین گے مگر سُن رکھنا دلچسپی سے خالی نہین ہے۔

آصف الدولہ کی ولایت کا حال لوگون کو اُن کی وفات کے وقت معلوم ہوا کیونکہ ایک برس پہلے سے اُنھین اپنی موت کا یقین ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ شاہ ایران زمان شاہ کی نسبت افواہ اُڑی کہ ہندوستان پر چڑھائی کرنے والا ہے تو آصف الدولہ نے صاف کہہ دیا کہ اُس کو ملک کے تمام لوگ دیکھین گے مگر مین نہ دیکھون گا۔ مین اُس وقت تک زندہ ہی نہ رہون گا۔ یہ راز کہ آصف الدولہ کو اپنی موت کا وقت کیونکر معلوم ہو گیا تھا مندرجۂ ذیل قصہ سے کھُلے گا۔

"بنارس مین ایک برہمن تھا جو نہایت ہی فلاکت و غربت مین مبتلا تھا - اور اس پر قیامت یہ کہ دو کنواری بیٹیان بیاہنے کو بیٹھی ہوئی تھین - چنانچہ اُس نے ہر ہندو مسلمان کے سامنے جاکے دست سوال پھیلایا - اور شہر کے تاجرون اور مہاجنون سے بھیک مانگتا پھرا مگر کسی نے اُس پر ترس نہ کھایا اور کچھ کفالت نہ کی - آخر مایوس ہو کے اُس نے جنگلون اور پہاڑون کی راہ لی - پھرتے پھراتے بٹول کی پہاڑیون کے اُس پار چلا گیا اور شکستہ حالی کے ساتھ مارا مارا پھرنے لگا - یہان وہ ایک ایسے مقام پر پہونچا جہان بڑے بڑے سایہ دار درختون کا گھنا جنگل تھا - اور کئی منزلون تک آسمان بھی نہ دکھائی دیا - اس تاریک جنگل کے عین درمیان مین اُسے ایک پختہ عمارت نظر آئی جسے دیکھ کے وہ متحیر ہوا اور گرد چکر لگانے لگا - آخر ایک کھڑکی ملی جسے اُس نے بڑی مشکلون سے کھولا - اور اُس عمارت کے اندر داخل ہوا - وہان چارون کونون پر اُسے چار ایسے شخص نظر آئے جو مراقبہ مین تھے - اور خدا کے دھیان مین غرق معلوم ہوتے تھے - اور دنیا و مافیہا سے بیخبر - آخر وہ تھک کے ایک جانب بیٹھ گیا - جب رات ہوئی تو اُن چارون نے مراقبہ سے سر اُٹھائے - اور قوت لایموت بہم پہونچانے کے لیے اُٹھے - حسب معمول رسوئی مین کھانا تیار کیا اور جب کھانے کا وقت آیا تو سب نے پانچوان حصہ نکال کے اُس تازہ وارد مہمان کو دے دیا - کھانے سے فارغ ہو کے اُنھون نے ہاتھون کے اشارے سے اُس کی کیفیت دریافت کی - اور اُس نے اپنی ساری مصیبت اور سرگزشت بیان کر دی - یہ سُن کے اُن چارون مین سے ایک نے ایک بھوج پتر کا ٹکڑا لے کے اُس پر چند الفاظ لکھ دیے جو نہ ہندی تھے نہ فارسی تھے نہ عربی تھے - پھر وہ ٹکڑا اُس کے ہاتھ مین دے کے کہا "تم اسے لکھنؤ مین لیجاؤ - اور آصف الدولہ جب ہوا کھانے کو باہر آئین تم اُنھین دور سے یہ رقعہ دکھا دینا - وہ فوراً تم سے ہاتھ بڑھا کے لے لین گے اور ایک ہزار روپیہ تمھارے حوالہ کر دین گے" پھر سمجھانے کے طریق پر کہا "جب تم نواب کے قریب جانا اور اُن سے باتین ہونے لگین تو تم مرعوب نہ ہونا بلکہ یہ کہہ دینا کہ اس رقعہ کے لکھنے والون نے آپ کو پیام دیا ہے کہ آپ کی یہ دنیوی زندگی ختم ہونے کو آئی لہذا جلدی آیئے"

اس کے بعد وہ شخص اُسی مکان سے نکلا - اور جنگل سے باہر نکل کے پیدل سفر کرتا ہوا لکھنؤ مین آیا - آصف الدولہ ایک دن ہوادار پر سوار جا رہے تھے کہ اُس نے

دور سے وہ بھوج پتر کا رقعہ اُنھیں دکھا دیا۔ دیکھتے ہی اُنھوں نے ہوادار کو رُکوا دیا اور طلاق اور اُس برہمن کو پکار کے قریب بُلایا۔ رقعہ اُس کے ہاتھ سے لے کے اپنی جیب مین رکھ لیا۔ اور راجہ جھاؤلال کو حکم دیا کہ اس شخص کو فوراً ایک ہزار روپیہ دے دو۔ اور جب تک لکھنؤ مین رہے اس کو اچھی طرح رکھو اور کھلاؤ پلاؤ۔ جب وہ برہمن نواب کے قریب گیا تو وہ زبانی پیام بھی پہونچا دیا۔ جسے سُن کے نواب نے کہا ہان "مجھے معلوم ہے"

راجہ جھاؤلال اُس برہمن کو اپنے گھر لے گئے اور اُس کی زبان سے پورا قصہ سُنا مگر متحیر تھے کہ یہ کیا راز ہے۔ اُس کے بعد جب وہ نواب صاحب سے ملے تو ارادہ کیا کہ خود اُن سے اس راز کو دریافت کرین۔ قبل اس کے کہ اُن کی زبان سے کوئی لفظ بھی نکلنے پائے نواب چہرے سے تاڑ گئے اور کہا "دیکھو خبردار۔ اُس برہمن کے متعلق کوئی سوال نہ کرنا مین اُس بارے مین کچھ نہ کہون گا" اس کے بعد پھر بھی راجہ نے دو ایک سوالات اس واقعہ کے متعلق کیے۔ مگر ہمیشہ رد کر دیے گئے۔ اور کچھ حال نہ کھلا۔ اس کے چھ مہینے کے بعد ایک دن راجہ جھاؤلال اور نواب صاحب تنہا تھے۔ راجہ نے جرأت کر کے عرض کیا "حضور جب سے وہ برہمن آیا ہے مین اُس کے راز سے سخت حیرت مین پڑا ہوا ہون" نواب آصف الدولہ نے جواب مین صرف اتنا کہا "وہ لوگ میرے بھائی ہین۔ اور اُس شخص کو میرے پاس بھیج کے اُنھون نے مجھے بُلا بھیجا ہے" اس کے سوا اور کچھ نہیں کہا۔ اور نواب سے اس سے زیادہ تصریح کرانے کی بھلا کسے جرأت ہو سکتی تھی؟

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نواب آصف الدولہ کو اپنے مرنے کا زمانہ کیونکر معلوم ہو گیا تھا۔ اور اُنھیں ہندو مرتاض تپسیون کے ساتھ ایسے تعلقات تھے جو اُس عہد کے مذاق مین سوا کسی ولی کے اور کسی کو نہیں ہو سکتے تھے۔ چنانچہ اسی چیز نے گو کہ وہ ایک بڑی حد تک راز سربستہ رہی نواب آصف الدولہ کو باوجود طرح طرح کی بداعمالیون کے ولی کامل بنا دیا۔

حسن کی کرشمہ سازیان

ہلینا۔ (قسطنطین اعظم کی ماں)

اُس کی ابتدائی زندگی بالکل تاریکی مین ہے۔ کسی کو یہ بھی نہین معلوم کہ اُس کے

پوزن تھے اور کس درجے کے لوگ تھے۔ لیکن اس مین شک نہین کہ وہ نہایت ہی حسین و نازنین پری جمال و مہ طلعت تھی۔ اور ایسی حسینہ تھی کہ جس کی نظر پڑ جاتی فریفتہ ہو جاتا۔ ایشیائے کوچک کے شہر بیثینیہ مین جسے اہل عرب شہر "رہا" کہتے ہین سنہ ۲۴۷ء کے قریب پیدا ہوئی۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ قیاصرۂ روم عیسائیون پر ظلم کرتے کرتے تھک گئے تھے اور نظر آتا تھا کہ اس نئے دین کی جس قدر روک کی جاتی ہے اُسی قدر بڑھتا جاتا ہے۔ اکثر غربا حضرت مسیح پر ایمان لاتے جاتے تھے۔ اور اندر ہی اندر اُن کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ اس کے ساتھ مسیحیون مین جوش بھی سچا تھا اور بلا کا تھا۔ جس کے مقابل تمام پرانے بت پرستان روم کا جوش پھیکا پڑ گیا تھا۔ وہی روح جو مسیحیون کی تعداد بڑھا رہی تھی اُس نے اس حسین لڑکی کو بھی مسیحیت کا شیدا بنا دیا۔ اور بیثینیہ کے اُسقف کے پاس جا کے اُس کے ہاتھ پر ایمان لائی۔ اور مذہبی کتابون کی تعلیم پا کے ایک تعلیم یافتہ لڑکی بن گئی۔

قسطنطین کلوروس جو قیصر دقلطیانوس کا معتمد علیہ افسر تھا حملہ آوری کے سلسلہ مین ادھر آیا۔ اتفاقاً اُس کی نظر ہلینیا پر پڑ گئی۔ اور دیکھتے ہی سو جان سے عاشق ہو گیا۔ فاتح کو ایک مفتوح شہر کی لڑکی پر وہ چاہے کیسی ہی حسینہ ہو دسترس پانا کون مشکل تھا اُسے ساتھ لے کے بزنطان (موجودہ قسطنطنیہ) مین گیا۔ اور اپنی ناز آفرین محبوبہ بنا کے رکھنے لگا۔ ہلینیا مسیحیہ ہو چکی تھی مگر اُس کے رومی نژاد شوہر کا مذہب وہی پرانا شرک کا مذہب بت پرستی تھا۔ وہان اُس کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کی ولادت کے ساتھ نجومیون نے دقلطیانوس قیصر سے کہا کہ "یہ لڑکا عنقریب سارے روم کا مالک ہو جائے گا اور اہل روم کے مذہب کو بھی بدل دے گا"۔ یہ سنتے ہی دقلطیانوس اُس کے خون کا پیاسا ہو گیا۔ باپ سے سوا اس کے اور کچھ نہ بن پڑا کہ بی بی کو مع بچہ کے اُس کے میکے مین بھیج دیا۔ ہلینیا اگرچہ اپنے مذہب پر مستقل تھی مگر اس کی جرأت اُسے مشکل سے ہو سکتی تھی کہ بیٹے کو بھی اپنے مذہب کی تعلیم دے۔ مگر بچہ کو باپ سے جدا اور ماں کے وطن مین رہنے سے اور کچھ نہین تو اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ اُس کے دل مین اگر مسیحیت نہین تو مسیحیون کی ایک گونہ محبت ضرور پیدا ہو گئی۔ چند روز بعد جب دقلطیانوس قیصر مر گیا تو اقبال مند بیٹا باپ کے پاس جا کے رہا۔

قسطنطین کلورس نے ہیلانہ کو یا تو اُس کی مسیحیت کی وجہ سے یا اور کسی بنا پر طلاق دے دی اور مقسمیانوس ہرقل کی بیٹی سے عقد کر لیا۔ جس سے ہیلانہ مصیبت اور تنہائی مین پڑ گئی۔ مگر اپنے بچہ کی امید پر مصیبت کے ایام صبر و سکون سے کاٹتی رہی۔ اب یہ لڑکا رومی رواج کے مطابق اپنے باپ کے نام قسطنطین کا وارث ہوا۔ اور اسنے کارنامون اور اپنی بے نظیر کامیابیون اور اقبال مندیون کی بدولت قسطنطین اعظم کے لقب سے مشہور ہوا۔ اُس کا باپ آخر زمانہ مین مغربی قلمرو روم کا حاکم تھا۔ اور اُس کے مرنے پر وہی اُس کی حکومت کا جانشین ہوا۔

ان دونون رومین ایک ہی زمانہ مین دو شہنشاہ رہا کرتے تھے۔ چنانچہ مغربی قلمرو روم کا حاکم قسطنطین تھا۔ جو علاقہ گالیا (فرانس و جرمنی) مین رہتا۔ اور دوسرا فرمان روا مقسنطیوس تھا جو خاص رومۃ الکبریٰ مین تھا۔ دونون مین رقابت و عداوت بڑھتی گئی اور قسطنطین اپنے لشکر کو روز بروز زیادہ زبردست اور مضبوط بناتا رہا لیکن جس طرح خلافت عباسیہ مین امین اور مامون کے جھگڑون مین عرب اور بنی عباس امین کے طرفدار تھے اور عجمی مامون کو چاہتے تھے اور اُسے اپنا بھانجا کہتے تھے کیونکہ اُس کی مان مراجل عجمیہ تھی اُسی طرح یہان روم مین رومی بت پرست مقسنطیوس کے طرفدار تھے اور مسیحی لوگون کو قسطنطین سے زیادہ محبت تھی جسے وہ اپنا بھانجا بتاتے کیونکہ مسیحیہ عورت کا لڑکا تھا۔ قسطنطین نے دیکھا کہ جیسا سچا جوش اور جیسی مستعدی و جانبازی آج کل علیسائیون مین ہے بت پرستون مین نہین مسیحیون کی استمالت شروع کی۔ اور آسمان پر ایک نورانی صلیب دیکھ کے صلیبی جھنڈا بنایا جس کے آگے مسیحی دوڑ دوڑ کے سر جھکا دیتے تھے۔ اس سے پیشتر مسیحیون نے صلیب کو اپنا دینی شعار نہین قرار دیا تھا۔ مگر قسطنطین کی روحانی آنکھون نے ومیدان ہی کے مذاق کا ایک بت آسمان پر دیکھ کے علیسائیون کو دکھایا۔ آنکھین دیکھتے ہی حضرت مسیح کی شہادت و مصلوبی یاد آگئی اور دوڑ دوڑ کے اُس کے آگے جوش و خروش سے سر جھکانے لگے۔ یہ سنہ ۳۱۲ع کا واقعہ ہے۔

آخر قسطنطین صلیبی علم اور جانباز مسیحیون کا زبردست لشکر لیے ہوئے رومۃ الکبری پر چڑھ آیا۔ حریف کو شکست دے کے قتل کیا۔ اور لڑ بھڑ کے رومۃ الکبری مین داخل ہوا۔ مگر یہان کے لوگون نے جو اپنے قدیم مذہب کے دلدادہ تھے اس کا استقبال

نہایت سرد مزاجی سے کیا۔ اور اُن سے وہ گرمجوشی نہین ظاہر ہوئی جس کو قسطنطین چاہتا تھا۔ یہ دیکھ کے اُسے رومۃ الکبریٰ سے نفرت ہو گئی۔ اور مشرق کا سفر کر کے پُرانے شہر بزنطیم مین آیا۔ اور اُسے خوب آباد کرنا شروع کیا جس کا نام اُس کی یادگار مین قسطنطنیہ قرار پایا۔

اب قسطنطین ساری مملکت روم کا شہنشاہ تھا اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اُس کی برابری کا دعویٰ کر سکے۔ اُس کی مان جو باپ کے زمانہ سے نکالی ہوئی تھی قصر شہنشاہ مین آ کے "والدہ سلطانہ" بنی جس کا قسطنطین نہایت ہی ادب و لحاظ کرتا تھا۔ اور قسطنطنیہ مین آج تک جو یہ طریقہ جاری ہے کہ شہنشاہ کی مان اصلی مالک سلطنت اور ملک بھر مین سب سے زیادہ واجب التعظیم تسلیم کی جاتی ہے غالباً یہ ہلینا ہی کے زمانہ کی سنت ہے۔ اس مین شک نہین کہ دین اسلام کے رو سے بھی مان کی ویسی ہی تعظیم ہونی چاہیے جیسی کہ قسطنطنیہ مین کی جاتی ہے لیکن کسی اور اسلامی سلطنت و مملکت مین بادشاہ کی ماؤن کو ویسا امتیاز نہین حاصل ہوتا جیسا کہ وہان دیکھا جاتا ہے۔

اب تخت و تاج حاصل کرنے کے بعد قسطنطین کو اپنا سب سے بڑا فرض یہ نظر آتا تھا کہ عیسائیون کے احسان کا معاوضہ کرے جن کی جانبازی سے اُسے سلطنت ملی تھی اس بارے مین اُس کی مشیر اُس کی مان ہلینا ہی تھی جو کھلی مسیحیہ تھی۔

قسطنطین اعظم کی نسبت بعض لوگون نے لکھ دیا ہے کہ وہ عیسائی ہو گیا تھا۔ مگر اس کا کوئی ثبوت نہین موجود ہے۔ بے شک اُس نے عیسائیون کی بیحد طرفداری کی۔ بیت المقدس مین جگہ جگہ اُن کے لیے کنیسہ اور عبادت خانہ تعمیر کرائے۔ سلطنت روم کے قوانین مین عیسائیون کے متعلق جو سختیان تھین دُور کر دین۔ اس سے بھی بڑھ کے یہ کیا کہ عیسائیون کی حالت اس وقت تک بالکل غیر منتظم تھی۔ ان کے عقائد و مسائل مین باہم سخت اختلافات پڑ گئے تھے۔ قسطنطین نے نیقیہ مین عیسائیون کی سب سے پہلی دینی کونسل منعقد کی جس مین تمام ملکون کے اسقف اور پوپ شریک ہوے اور قرار دیا گیا کہ ایک سچے مسیحی کے کیا عقائد ہونے چاہیے۔ اور تثلیث کا مسئلہ اسی کونسل نے طے کیا۔ اور جو اسقف موحد تھے اور تثلیث کے مخالف تھے ملحد و بے دین قرار دیے گئے۔ اس کونسل مین قسطنطین خود بھی شریک ہوا مگر اُسی طرح جیسے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس مین کبھی لفٹنٹ گورنر باہر آ جاتے ہین

باوجود عیسائیون کی ایسی طرفداری کے اُس نے رومیون سے اپنے تعلقات منقطع نہین کیے تھے - سینٹ صوفیا جو آج کل مسجد ہے اور اس سے پہلے کنیسہ تھی اسی قسطنطین کی بنائی ہوئی ہے جسے اُس نے مسیحیون کے لیے نہین بلکہ علم کی دیوی کے مندر کی حیثیت سے تعمیر کرایا تھا- جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیون نے تو قسطنطین کا نام اپنے سینٹون (ولیون) کی فہرست مین درج کر لیا- اور بت پرستون نے اُسے خوشی سے اپنا ایک دیوتا تسلیم کر لیا-

بیت المقدس اور ارض فلسطین مین مسیحیون کے خوش کرنے کے لیے اُس نے جو کچھ کیا اپنی مان ہلینا کے ذریعہ سے کیا- وہ ایک عقیدت کیش زائرہ کی وضع سے ادب و تعظیم کے ساتھ یہان آئی- جہان جہان حضرت مسیح کے تشریف لیجانے کا حال سُنا یا جن جن مقامات سے آپ کا کچھ بھی تعلق ثابت ہوا وہان کھود گئی- اور مناسب مقامات پر گرجے بنوائے- بیت اللحم مین آپ کے مولد پر- کالوری کی پہاڑی پر یعنی آپ کے مقتل پر- نیز اُس مقام پر جسے عیسائی آپ کا مدفن بتاتے تھے بڑی بڑی عالیشان عمارتین بنوائین- اور جس قدر ان نئی زیارت گاہون کی طرف اُس نے توجہ کی اُسی قدر اصلی حرم یعنی مسجد اقصیٰ کی جانب سے بے پروائی کی گئی- اس لیے کہ ارض یہود اکے اصلی عیسائی جو اُس کی قدر کرتے تھے فلاکت زدہ تھے- اور رومی دیوتائی عیسائیون کو اُس سے سخت عداوت تھی- کیونکہ جیسی آزادی وہ چاہتے تھے وہ اُس وقت تک نصیب ہی نہ ہو سکتی تھی جب تک کہ یہود کی پُرانی شریعت اور قدیم چیزون کو کلیتہً ترک نہ کر دیا جاتا-

ہلینا یہان بڑی خوش اعتقادی کے ساتھ آئی تھی- صاحبزادہ نے آسمان پر نورانی صلیب دیکھی تھی اب والدۂ محترمہ نے یہان پہونچ کے خواب مین زمین کے نیچے وہ اصلی صلیب دیکھ لی جس پر حضرت مسیح مصلوب کیے گئے تھے- چنانچہ اُس کے اشارہ سے کالوری کی پہاڑی پر کھودا گیا تو زمین کے اندر سے تین صلیبین برآمد ہوئین- حضرت مسیح کے ساتھ دو ڈاکو بھی مصلوب کیے گئے تھے- لہذا اس بات کا تو یقین ہو گیا کہ یہ وہی تینون صلیبین ہین مگر اس امر کا فیصلہ کرنا باقی تھا کہ ان مین سے کون صلیب حضرت عیسیٰ والی ہے اور کون ڈاکوؤن والی ہین- آخر خوش اعتقادی نے اس کا بھی تصفیہ کرا دیا- ان تینون صلیبون مین سے ہر صلیب باری باری ایک مریض کے سرہانے رکھی گئی- اور جس صلیب کی باری مین وہ مریض اچھا

ہو گیا سمجھ لیا گیا کہ وہ اصلی صلیب جس پر حضرت مسیح لٹکائے گئے تھے یہی ہے ۔ یورپ مین اس صلیب کی بڑی شہرت ہوئی ۔ اور اس کے لیے بڑی بڑی خونریزیان ہوئین ۔ اس کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کے بعض معزز زائرین کو دیے جاتے جو یورپ کے اکثر گرجون مین اصلی صلیب کے نام سے قائم کیے جاتے اور اُن کے سامنے لوگ جا جا کے سجدہ کرتے ۔ آخر یورپ مین اتنی صلیبین بن گئین کہ اگر وہ ایک جگہ جمع کی جاتین تو پورے جنگل کی لکڑیون سے بھی اُن کی تعداد زیادہ ہوتی ۔

الغرض یہ ہلینا ہی کے حُسن کا کرشمہ تھا جس نے قلمرو روم مین مسیحیون کو امن و امان دلوائی ۔ اور چند روز بعد دولت روم کو مسیحی دولت بنا دیا ۔ بیت المقدس مین صدہا عالیشان گرجے تعمیر کرائے ۔ اور آخر یورپ سے پُرانے دین کو بالکل مٹا دیا ۔ وہ جیسا ہم بیان کر چکے ہین سنہ ۲۴۷ء کے قریب پیدا ہوئی تھی ۔ سنہ ۲۷۴ء مین جبکہ اُس کی عمر ۲۷ برس کی تھی اُس کے بطن سے قسطنطین اعظم پیدا ہوا ۔ سنہ ۳۱۲ء مین جبکہ اُس کی عمر ۶۵ سال کی تھی قسطنطین تخت و تاج روم کا مالک ہوا ۔ سنہ ۳۲۱ء مین جبکہ وہ ۷۴ برس کی تھی بیت المقدس کی زیارت کو آئی ۔ اور یہان نئے گرجے بنوائے ۔ اور سنہ ۳۲۷ء مین ۸۰ برس کی ہو کے دنیا سے رخصت ہو گئی

وہ عیسائیون کی ملکۂ استیر تھی ۔ جس طرح یہود کو ایک یہودیہ لڑکی کے ملکہ بن جانے سے اسیری مین عروج حاصل ہو گیا تھا ویسے ہی ہلینا کے ملکہ بن جانے سے مسیحیت کے دن پھر دن ہی نہین پھرے بلکہ عقلی بھی درست ہوئی ۔ کیونکہ عیسائیون کے مذاق کی اصلی مسیحیت وہی ہے جو نیقیہ کی کونسل مین اصلی مسیحیت اور ذریعۂ نجات قرار پائی ۔ اور ظاہر ہے کہ اگر ہلینا نہ ہوتی تو وہ کونسل بھی نہ ہوتی اور وہ کونسل نہ ہوتی تو شاید عیسائیون کو اس کے تسلیم کرنے مین عذر نہ ہوگا کہ سچا دین اور سچی صراط مستقیم فنا ہو گئی تھی ۔ لیکن ہمین افسوس ہے کہ مسیحی اسی کونسل اور اسی ملکہ کی وجہ سے سچی توحید کی برکتون سے محروم ہو گئے ۔

نئے خریداران دلگداز کو مژدہ

جو حضرات اب جنوری سنہ ۱۹۱۲ء سے دلگداز کے خریدار ہون گے اُن کے ساتھ یہ رعایت کی جاتی ہے کہ انھین ناول زوال بغداد بجائے سوا روپیہ کے صرف (عمر) ایک روپیہ پر دیا جائے گا ۔ اور بشمول مصارف ڈاک دو روپیہ تین آنہ پر زوال بغداد اور دلگداز کے سنہ ۱۹۱۲ء کے شایع شدہ پرچے وی ۔ پی ۔ کیے جائیں گے

ابوالاسود دُوئلی

(نمبر ۲)

ان سب خوبیون کے ساتھ ابوالاسود کا بخل نہایت مشہور ہو گیا تھا۔ عرب کی سوسائٹی مین کنجوسی اور بزدلی سے بڑے کوئی عیب نہ تھے۔ لیکن ابوالاسود کو بخیل کہنا ظلم ہے۔ اس لیے کہ وہ بخیل نہین منتظم اور کفایت شعار تھے۔ اور غیر مستحق کو کچھ دینا ہرگز جائز نہ رکھتے تھے جو صفت کہ موجودہ عہد مین سب سے بڑا انسانی جوہر ہے۔ لیکن اُس دور کے لوگون نے قدر جاننا درکنار اُنھین ملزم قرار دے دیا۔ یون تو عرب مین بہت سے بخیل گزرے ہین مگر چار بخیلون کی بڑی شہرت تھی۔ حطیئہ حمید ارقط ابوالاسود دوئلی۔ اور خالد بن صفوان۔ ابوالاسود کا نام اس فہرست مین صرف اس بنیاد پر لکھ لیا گیا کہ کسی سائل کو خیرات مین ایک چھوہارا دیا اور کہا ”خدا تجھے جنت مین بھی اتنا ہی دے“ اکثر کہا کرتے ”اگر ہم محتاجون کی آرزو کے موافق اپنے روپیہ کو صرف کر ڈالا کرین تو ہماری حالت اُن سے بھی بدتر ہو جائے“ دوسرون کو نصیحت کرتے ہین ”جو کچھ تمھارے ہاتھ مین ہے اُس کا روکنا بمقابل اس کے اچھا ہے کہ تم غیرون کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھرو“ خود اپنی نسبت فرماتے ہین

یلوموننی فی البخل جہلاً و ضلۃ ولَلبخل خیرٌ من سوال بخیل

(لوگ جہالت و گمراہی سے مجھے بخل پر ملامت کرتے ہین حالانکہ بخیل کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بخل اچھا ہے)

کہتے ہین کہ "فیاضی کرنے مین خدا کی مرضی کے خلاف نہ چلا کرو۔ وہ چاہے تو سب کو غنی بنا دے سکتا ہے لیکن جانتا ہے کہ بعض لوگون کے حق مین محتاج رہنا ہی بہتر ہے اور بعض کے حق مین دولت مند رہنا۔ تم اس تقدیر الٰہی کو بدل نہین سکتے۔"

بیٹے کو نصیحت کرتے ہین: "مسکینون کی قریب مین نہ آؤ۔ یہ جب تک تمھین بھی اپنا سا نہ بنا لین گے چین نہ لین گے۔ تم اُن کی محتاجی دور کرنے مین اپنا نقصان کرو گے تو سوکھ سوکھ کے مر جاؤ گے۔"

کوئی فقیر صدا لگا رہا تھا کہ "کون بھوکے کو کھلائے گا؟" فوراً اُسے بلوا کے پیٹ بھر کھانا کھلایا۔ جب وہ کھا پی کے چلا تو کہا "چلے کہان؟" بولا "اپنے گھر" فرمایا "خوب۔ مین نے اس لیے تھوڑے ہی کھلایا ہے کہ تم مسلمانون کو جا کے ستاؤ!" یہ کہتے ہی اُس کے پاؤن مین بیڑیان ڈلوا دین اور رات بھر قید رکھ کے صبح کو چھوڑا۔

ایک بار چند دوستون کے ساتھ شکار پر گئے۔ صحرا مین ایک بدوی فقیر ملا جس نے سامنے آ کے کہا "السلام علیکم" بولے "یہ کوئی نئی بات نہین ہے اپنا مطلب کہو۔" اُس نے کہا "مین آؤن؟" بولے "نہین۔ پیچھے پلٹ جاؤ۔ زمین وسیع ہے۔" اُس نے کہا "چلتے ہوے سنگریزون سے میرے پاؤن جھلس گئے ہین۔" کہا "تو اُن پر مُوت کے اُنھین ٹھنڈا کر لو۔" اُس نے کہا "کچھ کھلاؤ گے بھی؟" بولے "ہم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہین۔ اگر اُن سے کچھ بچے گا تو بیشک کتے کے مقابلہ مین تمھارا استحقاق زیادہ ہے۔" اُس نے برافروختہ ہو کے کہا "تم سے زیادہ ناپاک آدمی مین نے کبھی نہین دیکھا تھا۔" بولے "دیکھا تو ہے مگر تمھین یاد نہین۔ وہ خود تم ہو جس سے زیادہ ناپاک کوئی نہین ہو سکتا۔"

ایک دن اپنے دروازے پر بیٹھے تھے اور سامنے ٹوکری مین بھرے خرمے رکھے تھے ایک بدوی نے آ کے سوال کیا۔ اُنھون نے کہا "آگے بڑھو" اس نے کہا "میرا نام بھی جانتے ہو؟ مین ابو الحمامہ (کبوتری کا باپ) ہون۔" اُنھون نے کہا "تم ابو الطاؤس (مورنی کے باپ) بنو مگر چلے جاؤ۔" اُس نے کہا "مین خدا کا واسطہ دلا کے کہتا ہون کہ جو کھا رہے ہو اُس مین سے مجھے بھی کھلاؤ۔" خدا جانے اُس کے اس سوال پر کیون ترس آ گیا کہ تین خرمے نکال کے اُس کی طرف پھینکے۔ اتفاقاً ایک زمین پر جا گرا۔ اور وہ اُسے اُٹھا کے اپنے کپڑے سے پونچھنے لگا۔ ابو الاسود نے کہا "مجھکو بھی جب کپڑے سے

پونچھ رہے ہو وہ غرے سے زیادہ ناپاک ہے۔" بدوی نے کہا "مجھے یہ نہیں پسند ہے کہ چھوڑ جاؤن اور شیطان اُٹھا کے کھا جائے۔" بولے "تو ہرگز نہ چھوڑنا۔ شیطان کیا معنی جبریل و میکائیل کے لیے بھی نہ رہنے دینا۔"

ایک دن کسی فقیر نے سوال کیا۔ اُنھون نے حسب عادت جواب خشک دیا۔ اُس نے کہا "افسوس تم مین ذرا سی بھی حاتمیت نہین ہے۔" بولے "کیون نہ ہوتی؟ مجھ مین تو پوری حاتمیت ہے۔" پھر اُسے حاتم طائی کا ایک شعر سنایا جس مین اُس نے اپنی فیاض بیٹی ماویہ کو ناعاقبت اندیشی کی فیاضی سے روکا تھا۔

ایک بار ان کے قبیلے کے لوگون یعنی بنی دیل اور بنی لیث مین لڑائی ہوئی۔ بنی دیل نے اپنے حریفون کے ایک شخص کو مار ڈالا۔ پھر اس اقرار پہ صلح ہو گئی کہ بنی دیل بنی لیث کو مقتول کی خون بہا ادا کرین۔ بنی دیل نے روپیہ فراہم کرنے کی بہت کوشش کی مگر نہ جمع کر سکے۔ آخر ابو الاسود کے پاس آئے۔ اس لیے کہ یہی قبیلے کی ناک اور دولتمند تھے۔ کسی دولی نوجوان نے نہایت فصاحت و بلاغت سے اور بڑے جوش کے ساتھ ان کو آمادہ کرنا چاہا کہ یہ روپیہ دے دین۔ ابو الاسود جھلا کے جواب دینے والے تھے کہا "تم نے اصرار و الحاح مین کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھا۔ لیکن میری بھی تو سنو۔ انسان تین موقعون پر روپیہ دیا کرتا ہے۔ یا تو اس وقت جب اسے امید ہو کہ جسے دیتا ہون وہ مجھے ادا کر دے گا۔ یا اُس وقت جبکہ جان جانے کا اندیشہ ہو اور روپیہ صرف کرنے مین جان بچتی ہو۔ اور یا اُس وقت جبکہ ثواب آخرت کی امید ہو۔ یہان اُن میں سے کوئی صورت نہین ہے۔ اب رہی یہ بات کہ کوئی فریب دے کے اور باتون مین پھسلا کے مجھ سے کچھ رقم وصول کر لے تو تمھارا چچا (مین) ایسا بے وقوف نہین ہے کہ دم مین آ جائے۔" غرض اُنھون نے کچھ نہ دیا۔ اور وہ لوگ ناکام و نامراد واپس گئے۔

دروازے پر آدمی کے سینے تک اونچا ایک چبوترہ تھا جس پر روز بیٹھا کرتے اور اکثر وہین کھانا کھاتے۔ کھانے کے وقت اتنا بڑا ایک خوان لا کے رکھا جاتا کہ ساری جگہ بھر جاتی۔ اور سوا اُن کے کسی کے لیے جگہ نہ رہتی۔ جب کوئی شناسا آ نکلتا تو فرض کر کے ٹوکتے اور کہتے "آیئے کھانا کھایئے۔" بعض لوگ تو یونہین معذرت کر کے

چلے جاتے۔ بعض کبھی آنے کا قصد کرتے مگر جب دیکھتے کہ جگہ تو ہی نہین کوئی بیٹھے تو کہان نادم ہو کے چلے جاتے۔ ایک شخص گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔ آپ نے کھانے کی صلاح کی۔ اُس نے غالباً ان کے ستانے کے لیے ارادہ کیا کہ گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے کھالے۔ گھوڑے کو چبوترے سے ملا کے کھڑا کیا۔ اور کھانے لگا۔ ابوالاسود اُس کے اس فعل کو ناگواری کے ساتھ دیکھ ہی رہے تھے کہ گھوڑا بھڑکا اور وہ اُس کی پیٹھ پر سے اُچھل کے اس زور سے سر کے بل گرا کہ گردن ٹوٹ گئی۔

ایک نوجوان شخص نے جو پیدل جا رہا تھا بڑی دلگی کی۔ جیسے ہی ابوالاسود نے کھانے کی صلاح کی اُس نے آنے کا قصد کیا اور جب دیکھا کہ چبوترے پر جگہ ہی نہین ہے تو بے تکلف سارے خوان کو چبوترے پر سے اُٹھا کے نیچے سڑک پر رکھ لیا۔ اور کھانے لگا۔ ابوالاسود جز بز تھے اور حیران ہو ہو کے اُسے دیکھ رہے تھے کہ اُس نے کہا "آپ دیکھتے کیا ہین؟ کھانا ہو تو نیچے اُتر آیئے۔" آخر یہ بڑی ندامت سے اُتر کے نیچے گئے اور اُس سے کہا "صاحبزادے تمھارا نام کیا ہے؟" اُس نے مسکرا کے کہا "لقمان حکیم" جواب دیا "بیشک تمھارے بزرگون نے نہایت ہی مناسب نام رکھا ہے"

ایک اعرابی نے بڑی دلگی کی۔ ابوالاسود اپنے دروازے کے چبوترے پر کھانا کھا رہے تھے کہ اُس نے آکے سلام کیا۔ اور بے پوچھے اوپر آکے کھڑے ہی کھڑے کھانے لگا۔ اور یہ ہاتھ روک کے اُس کی بے باکیون کو دیکھنے لگے۔ اس نے کھاتے مین کہا "مین آپ کے گھر ہی کی طرف سے آ رہا ہون" یہ تھے تو اپنے ہی گھر پر [illegible] کہا "ہان تمھارا گھر اُسی طرف ہوگا" بولا "جی ہان۔ بلکہ آپ کی جورو حاملہ تھین" اُنھون نے کہا "ہان مین اُنھین حاملہ ہی چھوڑ آیا تھا" بولا "تو وضع حمل ہو چکا" کہا "ہونا ہی چاہیے تھا" بولا "اور دو بچے ہوے" "ہان مان کی حالت سے یہ پہلے ہی ظاہر ہوتا تھا" بولا "دونون بچون مین سے ایک مر گیا" کہا "افسوس۔ وہ دو کو دودھ نہ پلا سکی ہوگی" بولا "پھر وہ دوسرا بچہ بھی مر گیا" کہا "بھائی کے مرنے کے بعد بھلا کیا جیتا؟" بولا "اور مان بھی مر گئی" کہا "وہ دو بچون کا صدمہ کیسے نہ مر جاتی؟" جب ان سب باتون کا ابوالاسود پر کوئی اثر نہ ہوا اور جیسے بیٹھے تھے ویسے ہی بیٹھے رہے تو اپنی شرارت سے تنگ آ کے کہنے لگا "مگر آپ کا کھانا بہت ہی لذیذ ہے" اُنھون نے جھنجھلا کے کہا "اسی لیے تم اکیلے کھا گئے مجھ تو

خدا کی قسم چکھنے کی بھی نوبت نہین آئی۔ آخر وہ تمام برتنون کو صاف کرکے چل دیا اور یہ بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔

ان کی ایک لونڈی تھی لطیفہ۔ اور اُس لونڈی کا بھی ایک غلام تھا جو ملم کے نام سے مشہور تھا اور تجارت وغیرہ کی وجہ سے دولت مند ہو گیا تھا۔ لطیفہ نے اپنے اس غلام کو دولت مند دیکھ کے اُس کے لیے ایک لونڈی خریدی اور اُس کے ساتھ اُس کا عقد نکاح کر دیا۔ اُن دونون سے ایک بچہ ہوا جس کا نام زید رکھا گیا۔ اس بچہ کو لطیفہ بہت ہی عزیز رکھتی تھی۔ اور جب وہ بڑا ہوا تو اُسی کو اپنی ساری جائداد کا مختار اور منتظم مقرر کر دیا۔ چند روز کے بعد لطیفہ بیمار ہو کے مر گئی۔ اُس کے مرتے ہی ابو الاسود نے ساری جائداد پر قبضہ کر لیا۔ مزید سے حساب طلب کرکے جو کچھ روپیہ اُس کے پاس تھا سب چھین لیا۔ اور اُسے ایسا محتاج اور فقیر کر دیا کہ بصرے کی گلیوں مین ٹھوکرین کھاتا پھرتا تھا اور انھین ترس نہ آتا تھا۔

اسی بخل اور کنجوسی مین بدنام ہونے کا یہ نتیجہ تھا کہ اکثر پڑوسیون سے بگاڑ رہتا۔ اور پاس پڑوس والے ستاتے۔ ان کا مکان بنی دیل یعنی انھین کے اہل قبیلہ مین تھا۔ اور پچھواڑے ایک اور شخص کا مکان تھا جس کا دروازہ دوسرے قبیلہ والون کے محلہ مین تھا۔ درمیان کی دیوار مین دروازہ لگا تھا جس سے اِن کو اور اُس کو دونون کو آسانی تھی۔ انھین پشت کی طرف جانا ہوتا تو اُس کے مکان مین سے ہو کے نکل جاتے اور اُسے اس محلہ کی طرف آنا ہوتا تو اِن کے گھر مین سے ہو کے چلا جاتا۔ مگر چونکہ وہ ایک شریر آدمی تھا اور ابو الاسود کی مخالفت پر آمادہ تھا ارادہ کیا کہ بیچ کا دروازہ چھوپ دیا جاے۔ اہل محلہ نے سمجھایا کہ اس مین تمھارا کوئی فائدہ نہین بلکہ دروازہ بند ہو جانے سے تمھین اور ابو الاسود دونون کو تکلیف ہو گی۔ مگر اُس نے ایک نہ مانی۔ اور دروازہ بند کرہی کے چھوڑا۔ چند روز مین اُسے تکلیف ہونے لگی۔ اور اب آرزو مند ہوا کہ اب پھر وہ دروازہ کھلے مگر ابو الاسود نے نہ مانا۔ اور گو اُس نے اس غرض کے لیے بڑی بڑی سفارشین ڈھونڈھین مگر ابو الاسود نے کسی کی نہ سنی۔

اس کے بعد ان کا ایک ہم قبیلہ یعنی دوئلی شخص جو پڑوس ہی مین رہتا تھا دشمنی پر آمادہ ہو گیا۔ راتون کو اِن کے گھر مین ڈھیلے پھینکا کرتا۔ ابو الاسود نے قبیلہ والون

شکایت کی۔ جس پر معززین قبیلہ نے جاکے اُسے لعنت ملامت کی اور کہا "ابوالاسود ہمارے قبیلہ کے فخر اور بزرگ ہین تم جو اُن کے گھر مین پتھر پھینکتے ہو اس سے کیا مل جائے گا؟" اُس نے کہا "مین نہین خود خدا اُنھین سنگسار کر رہا ہے۔ اس لیے کہ وہ عزیزون سے بے پروا اور بخیل ہین۔" یہ جواب سن کے لوگ مجبور ہو گئے۔ ابوالاسود کو جب اس کا حال معلوم ہوا تو اُنھون نے محلہ اور قبیلہ ہی کو خیرباد کہہ دی۔ اپنا وہ مکان بیچ ڈالا۔ اور بنی ہذیل کے محلہ مین دوسرا مکان مول لیا۔ اس کے بعد کسی نے پوچھا "آپ نے اپنا مکان بیچ ڈالا؟" جواب دیا "مین نے مکان کو نہین بلکہ پڑوس کو بیچ ڈالا۔" اُن کا یہ جملہ اس قدر پسند کیا گیا کہ عربی مین ضرب المثل ہو گیا۔

ابوالاسود کو شادی کا زیادہ شوق تھا۔ عرب کی سوسائٹی مین یہ کوئی معیوب بات نہ تھی۔ صوفیون کی وضع کا اتقا مسلمانون مین بعد آیا ہے۔ اُس وقت تمام معززینِ اسلام مرد ہون یا عورت۔ خاندان نبوت سے ہون یا کبار صحابہ سے یا دوسرے ائمۂ دین ہون سب کا طرز عمل یہ تھا کہ جائز طریقہ سے نکاح کرنے حسین عورتون کو پیام دینے اور خوبصورت لونڈیان رکھنے مین کسی قسم کا عیب نہین خیال کرتے تھے۔ یہی عرب کی سادی زندگی تھی۔ اور وہ یہی زندگی تھی جس نے عربون مین اولوالعزمی پیدا کی۔

ابوالاسود کی پہلی بی بی ام عوف تھین جو بنی قشیر کی بیٹی تھین۔ اور بی بی کے تعلقات کی وجہ سے اُنھین بعض اوقات بنی قشیر مین رہنا بھی پڑا۔ مگر خرابی یہ تھی کہ ابوالاسود مخصوص و ممتاز شیعیان علی مین تھے اور بنی قشیر کا سارا قبیلہ معویہ کا طرفدار شیعہ عثمانی تھا۔ اور خود ان کی بی بی بھی شیعہ عثمانی تھین۔ ان کا اُن لوگون مین جاکے رہنا قیامت تھا۔ روز بحث ہوتی۔ اور ہر وقت ایک جھگڑا رہا کرتا۔ وہ لوگ ان کے ستانے کے لیے ان کے سامنے حضرت علی کو بُرا کہتے۔ آپ پر حملہ کرتے۔ اِنھین گھڑی گھڑی غصہ دلاتے۔ اور راتون کو ان کے مکان پر ڈھیلے برسایا کرتے۔ صبح کو جب یہ پوچھتے کہ یہ ڈھیلے کون پھینکا کرتا ہے تو جواب دیتے کہ "ہم لوگ تو کسی نے ڈھیلے نہین پھینکے۔ غالباً تمھاری بدعقیدگی اور لامذہبی کی وجہ سے خدا ہی تمھین سنگسار کر رہا ہے۔" اس پر برہم ہو کے انھون نے چند شعر کہے جن مین پہلا شعر تو یہ ہے۔

يقولُ الأَرْذلونَ بَنُو قُشَيْرٍ طِوالَ الدَّهرِ لاَ تَنسَى عَلِيًّا

(رذیل بنی قشیر کہتے ہیں کہ تو کبھی علی کو نہیں بھولتا)

پھر درمیان کا ایک شعر ہے۔

فَإِن یَکُ حُبُّهم رُشداً أُصِبْهُ وَلَسْتُ بِمُخْطِئٍ إِن کانَ غَیّاً

اگر اُن کی (اہل بیت کی) محبت کوئی خوبی ہے تو وہ مجھے حاصل ہوگی۔ اور اگر وہ غلطی بھی ہو تو مین خطاوار نہین ہو سکتا۔

اُن کے اس شعر پر بنی قشیر نے اور بعض لوگ کہتے ہین کہ خود معاویہ نے اعتراضا کہا "اس سے تو معلوم ہوا کہ تمھین محبت اہل بیت کی خوبی مین شبہ ہے" بھلا ابو الاسود کا سا عالم زبان ایسے اعتراض کے جواب مین خاموش رہ سکتا تھا؟ جواب دیا کیا تمھین قرآن بھی یاد نہین رہا؟ اللہ جل شانہ فرماتا ہے "وانا وایاکم لعلی ہدی او فی ضلال مبین" (ہم اور تم دونون یا تو ہدایت پر ہین اور یا گمراہی مین مبتلا ہین)

چند روز بعد فاطمہ بنت دعمی نام قبیلۂ بنی عبد القیس کی ایک لڑکی سے نکاح کیا۔ جو نہایت ہی حسین و خوبرو اور صاحب جمال تھی۔ آخر عمر مین جب یہ پیر فانی ہوگئے اُس وقت پہلی بی بی ام عوف نے تو پوری طرح نباہی اور بڑھاپے مین خوب افاقت کی مگر فاطمہ قیسیہ جو جوان و خوبرو تھی صبر نہ کرسکی اُس نے ان کا ناک مین دم کر دیا۔ اور شب و روز پریشان کیا کرتی۔ جس طرح اُس کو جوانی مین پیر فانی شوہر کی وجہ سے تکلیف تھی ویسی ہی تکلیف اُس نے ان کو دی اور ان کی دنیا عذاب کر دی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اُنھون نے بھی مرتے دم تک اُس کی جان نہ چھوڑی۔ پریشان ہوتے۔ اور اُس کی شکایت مین اشعار کہتے۔ مگر طلاق نہ دینا تھی نہ دی۔

بصرے مین جس جگہ ان کی نشست رہا کرتی وہان سامنے ہی ایک حسین و بڑی جمال عورت کا مکان تھا۔ اُس نے ان کی عزت و حرمت دیکھ کے خود ہی انھین شادی کا پیام دیا۔ اور کہا "مین دستکار ہون۔ خوش انتظام ہون۔ اور تھوڑے پر قناعت کر لیتی ہون۔ تمھین منظور ہو تو میرا تمھارا نکاح ہو جائے" انھون نے منظور کیا اور فوراً شادی ہو گئی۔ عقد کے بعد وہ ان کے گھر آئی تو بالکل

اپنے بیان کے خلاف ثابت ہوئی۔ روپیہ چُرا کے غائب کر دیا کرتی اور ان کے اکثر مخفی راز عالم آشکارا کر دیتی۔ آخر مجبور ہوکے اُنھون نے اُس کے اُن تمام اعزا کو جو شادی کے دن آئے تھے جمع کیا۔ اور نظم مین اُن سے پوچھا "جو شخص فریب دے کے کوئی معاہدہ کرالے پھر نقصان پہونچائے۔ اور سمجھانے پر بھی اپنی حرکتون سے نہ باز آئے اُس کی نسبت تم کیا کہتے ہو؟" سب نے کہا "اس طرح جو معاہدہ کرایا گیا ہو صحیح نہین قابل فسخ ہے"۔ یہ جواب پاکے بولے "اس طرح کا معاہدہ کرانے والی تمھاری قوم کی یہ عورت جس سے مین نے عقد کیا ہے۔ لہذا اب مین اُسے تمھارے سامنے طلاق دیتا ہون"۔ یہ کہہ کے طلاق دے دی۔ اور وہ عزیزون کے ساتھ اپنے قبیلہ مین گئی۔

قبیلۂ عبد القیس کی ایک اور عورت کو بھی اُنھون نے پیام نکاح دیا تھا۔ اس عورت کا نام اسمار بنت زیاد تھا۔ اور اُس کی بہت سی دولت بعض معززین قبیلہ کی امانت مین تھی۔ جس سے ابوالاسود کو بڑی رقم ہاتھ آنے کی امید تھی۔ اسی خیال سے اس تحریک کو راز رکھا۔ مگر اپنے ایک دلی دوست ہیثم سے تذکرہ کر دیا۔ ہیثم ایسا پیٹ کا ہلکا تھا کہ ایک اور نوجوان سے ذکر کر دیا۔ یہ بھی اتفاق کی بات تھی کہ اُسی نوجوان کے ساتھ اسمار کی منگنی ہوچکی تھی۔ خود اسمار ابوالاسود ہی کی گھر مین آنا پسند کرتی تھی لیکن قبیلہ کے دباؤ سے چاہتی تھی کہ اُن کے پیام کا واقعہ راز مین رہے اور جب اچھی طرح بحث و پز ہو جائے۔ اور قبیلہ کے معزز لوگ راضی کر لیے جائین تب نکاح ہو۔ اُس کے پہلے منگیتر کو جیسے ہی خبر پہونچی قبیلہ کے معزز لوگون کے پاس دوڑا گیا۔ اور کہا کہ "اسمار خود سری سے ابوالاسود کے ساتھ نکاح کرنے والی ہے۔ جس طرح بنے اُسے روکیے۔ ورنہ آپ کے اختیار سے بالکل باہر ہو جائے گی۔ اور ابوالاسود سارا روپیہ آپ سے چھین کے اپنے قبضہ مین کر لین گے"۔ یہ سنتے ہی سب نے اسمار پر دباؤ ڈالا کہ ابوالاسود کو جواب صاف دے اور اُن کے ساتھ نکاح ہونے کے خیال سے دست بردار ہو۔ ساتھ ہی سب نے زبردستی اُس کا نکاح اُس نوجوان کے ساتھ کر دیا اور ابوالاسود منھ دیکھ کے رہ گئے۔ اس پر جو اشعار اُنھون نے کہے ہین اُن مین ہیثم کی راز فاش کر دینے کی شکایت کی ہے

اسی طرح ایک بار آپ بنی حنیفہ کی ایک حسین عورت پر فریفتہ ہوے - اور بڑے ذوق و شوق سے جا کے اُسے پیام دیا - اُس نے ان کی درخواست قبول کر لی سب باتین طے کر کے باہر نکلے تو اُس کے ایک ابن عم نے گھر سے نکلتے دیکھ لیا - پوچھا حضرت یہان کہان؟" کہا تمھاری بنت عم کو نکاح کا پیام دینے آیا تھا - اور الحمد للہ کہ اُس نے میری درخواست قبول کر لی" اس شخص کا چھوٹا بھائی اُس لڑکی پہ عاشق اور اُسکی آرزو مین ہیجان ہو رہا تھا - جیسے ہی یہ خبر سنی بنی حنیفہ مین دوڑا گیا - اور سارے قبیلہ والون کو خبر کر دی - اُنھون نے کہا "یہ ہرگز نہین ہو سکتا کہ ابو الاسود ہمارے قبیلہ کی لڑکی کو لیجائین" چنانچہ اُنھون نے ایک شخص کو خاص اس کام پر مامور کیا کہ ابو الاسود جب کبھی بنی حنیفہ کی کسی صحبت مین آئین اُنھین چھیڑے ستاے اور ذلیل کرے - اس کے ساتھ اُنھین طرح طرح کی دھمکیان بھی دینا شروع کین - خلاصہ یہ کہ بیچارے کو اس حسینہ کی آرزو سے بھی دست بردار ہوتا پڑا -

اُنھون نے ایک لونڈی خریدی جو شکل صورت مین تو بہت اچھی تھی لیکن آنکھون مین ذرا کجی تھی جسے لوگ ٹنکھی کہتے - یہ اُس پر نہایت زیادہ فریفتہ تھے - لوگون نے نام رکھنا شروع کیا کہ آپ ایک ٹنکھی لونڈی کے عاشق ہین - اس الزام کا جواب اُنھون نے اشعار مین دیا ہے جن مین کہتے ہین کہ آنکھون مین ایسا خفیف عیب ہونے سے حسن تھوڑے ہی جاتا رہتا ہے؟

ایک بار آپ نے سنا کہ بازار مین کوئی لونڈی بکنے کو آئی ہے جو نہایت ہی حسین و نازنین ہے - خود دوڑے گئے - دیکھا - پسند کیا - اور گھر آ کے اپنے غلام نافع کو جس کی کنیت ابو الصباح تھی روپیہ دے کے بھیجا کہ اس لونڈی کو میرے لیے خرید لاؤ - وہ گیا - قیمت طے کی - اور مول بھی لے لیا - مگر ان کے لیے نہین بلکہ خود اپنے لیے - جب یہ حال سنا تو ہاتھ مل کے رہ گئے - غلام پر بہت خفا ہوے - بگڑے - اور اُس کی مذمت مین شعر کہے - مگر لونڈی جس کی قسمت مین تھی اُس کی ہو گئی - ان کو نہ ملی -

ایک مرتبہ آپ نے ایک لونڈی خدمت کے لیے لی - وہ چاہتی تھی کہ ہمبستری کی عزت حاصل کرے اور انھین یہ منظور نہ تھا - نتیجہ یہ تھا کہ وہ اکثر انھین

چھیڑتی - بار بار اُن کا دامن پکڑ لیتی اور اُن کے دل مین جگہ پیدا کرنے کی کوشش کرتی - آخر جھنجھلا کے انھون نے اُس کی مذمت مین بھی اشعار کہے - اور اُس سے صاف کہہ دیا کہ مین نے تجھے خدمت گزاری اور گھر کے کام کاج کے لیے لیا ہے ایسی شرارتون سے باز آ -

حکومت عزت شرافت اور علم وفضل نے اُن کے بہت سے دوست پیدا کر دیے تھے لیکن اکثر دوستون نے انجام مین ایسی بے وفائیان کین کہ انھین اکثر دوستون سے شکایت رہی - سب سے بڑا دوست ابو الجارود سالم بن سلمہ ہذلی تھا - وہ اپنے شعر انھین سناتا - یہ اپنے اشعار اُسے سناتے - اور روز گھنٹون صحبت رہتی - اتفاقاً ابو الجارود کمین کا والی مقرر ہو گیا - وہان جا کے انھین ایسا بھول گیا کہ نہ کبھی کوئی خط بھیجا نہ قاصد - اور انھون نے جو خط بھیجے تو ان کا جواب بھی نہ دیا - ابو الاسود نے اُس کی بے وفائی کو اشعار مین ظاہر کیا ہے -

اسی طرح کا ایک دوست معاویہ بن صعصعہ تھا - جو پہلے دوست صادق تھا پھر ان کی مخالفت کرنے لگا - انھون نے اس کی بے وفائی کا تذکرہ کیا تو اُس نے انکار کیا - پھر انھین اُس کی مخالفت کا حال معلوم ہوا - اور پھر اُس نے معذرت کی - کئی دفعہ ایسا ہی ہوا - اور وہ اس وضع سے باز نہ آتا کہ پیٹھ پیچھے تو برائی کرتا اور سامنے معذرت آخر اُس کی بھی اشعار مین خبر لی -

ایک دوست نسیب بن حمید سلمی تھا - جو اکثر گھر مین آتا - مسجد مین پاس آ کے بیٹھتا اور قسمین کھا کھا کے کہتا کہ دنیا بھر مین تم سے بڑھ کے میرا کوئی دوست نہین ہے - ایک دن وہ ایک پوستین بیچنے کے لیے گھر سے لایا - انھون نے پوچھا آپ اس [illegible] کو کیا کرو گے ؟ بولا "بیچون گا" کہا تو ایک کام کرو - بازار مین دکھاؤ - جو دام لگین مجھ سے لے لو - اس لیے کہ مجھے ایک پوستین کی ضرورت ہے " اُس نے کہا آپ کو ضرورت ہے تو آپ کی نذر ہے - بھلا مین آپ کے ہاتھ بیچون گا ؟ لاحول ولا قوۃ انھون نے کہا "یون تو مین نہ لون گا" اُس نے بہت اصرار کیا - انھون نے قبول نہ کیا - آخر انھون نے اپنے آدمی کے ہاتھ اس پوستین کو بازار مین دکھایا تو دو سو درہم دام لگے - انھون نے پوستین رکھ لی - اور دو سو درہم اُس کے پاس

بھیج دیے - اُس نے روپیہ واپس کر دیا اور کہلا بھیجا کہ "مین تو ڈھائی سو درہم سے کم پر نہ دونگا" یہ سُن کے انھین بڑا تعجب ہوا کہ یا تو مفت نذر کر رہے تھے - اور یا یہ کچھ ادائی کہ اڑھائی سو سے کم پر نہ ہوگی - چنانچہ اشعار کے ذریعہ سے اُس کی بھی خبر لی - مگر یہ نہین معلوم کہ پوستین لی یا نہین - غالباً نہ لی ہوگی - کیونکہ روپیہ کے صرف کرنے مین نہایت ہی محتاط تھے -

گو کہ زیادہ محتاج نہ تھے لیکن اکثر لوگون کی مدد اور کفالت کو خوشی سے قبول کرتے بلکہ بعض سے امیدوار اعانت بھی ہوا کرتے - عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ نے ایک بار انھین شکستہ حال اور کم حیثیت کپڑے پہنے دیکھ کے پوچھا "اس جُبّہ کو آپ کب تک پہنے رہین گے ؟" بولے "اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی چیز سے اُکتا تو جاتا ہے مگر مجبوریان علٰحدہ نہین کرنے دیتین" اس جواب نے ابو بکرہ پر ایسا اثر کیا کہ گھر جاکے کچھ نقد اور کپڑون کے سو تھان بھیجے اور کہلا بھیجا کہ "ان سے اپنا کام چلایے" انھون نے نہایت شکر گزاری کے ساتھ قبول کیا - اور ان کی مدح مین شعر خوانی کی -

حُصین بن ابی الحر عنبری اور نعیم بن مسعود نہشلی کی حکومت زیاد کے زمانے مین مختلف مقامات کے حاکم تحصیل تھے - ابو الاسود سے چونکہ دونون سے تعلقات تھے لہذا ان دونون کے پاس آدمی بھیج کے مدد اور کفالت کی خواہش کی - نعیم نے تو ان کی آرزو کے مطابق خدمت کی - اور ایسا کچھ دیا کہ یہ خوش ہو گئے - مگر حصین نے برافروختہ ہو کے ان کا خط پیچھے پھینک دیا - جو کہ اہل عرب مین سخت تحقیر کرنے کی علامت تھی - آدمی نے واپس آکے جب یہ حال بیان کیا تو ابو الاسود نے حصین کی ہجو مین چند اشعار کہے جو اُن کی زبان سے نکلتے ہی عوام مین مشہور ہو گئے - حصین نے جب ان شعرون کو سنا تو نہایت برہم ہوا - اور انھین بُرا بھلا کہا - ان کو جب یہ حال معلوم ہوا تو انھون نے اشعار سے اُس کی اور زیادہ خدمت کی جس نظم نے اُسے بہت ہی بدنام اور ذلیل کر دیا -

اس سے بڑھ کے اور کیا ہوگا کہ اس کے مدتون بعد اسی حصین کے پوتے عبیداللہ قاضی بصرہ تھے - کسی شخص نے اُن کے اجلاس مین اپنا دعویٰ پیش کیا - دوران مقدمہ کسی موقع پر بسبیل تمثیل قاضی عبیداللہ نے ایک شعر پڑھا مدعی نے فوراً بڑھ کے کہا مین بھی

پوشیدہ طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں۔" قاضی صاحب نے کان قریب کرکے کہا "فرمائیے" کہا "اس شعر کا چھپانا سب سے زیادہ آپ ہی کا کام ہے۔ یہ اُن اشعار میں ہے جو ابوالاسود دؤلی نے آپ کے دادا حصین کی ہجو میں کہے تھے۔" یہ سن کے قاضی عبیداللہ ہنسے۔ اُس کا شکریہ ادا کیا۔ پھر دعوی جو بالکل بے بنیاد تھا خارج کردیا۔ اور رقم مستدعیہ اس احسان کے معاوضہ میں مدعی کو اپنے پاس سے دلوا دی۔

دودھ کا بڑا شوق تھا اور دو ایک دودھ دینے والی اونٹنیاں ضرور رہا کرتیں۔ ایک صاحب کو اِن کی ایک اونٹنی اتفاقاً پسند آگئی۔ اور اس فکر میں ہوئے کہ کسی طرح اسے سستے داموں ابوالاسود سے لے لیں۔ ایک دن ملنے کو آئے اور اُس اونٹنی کے عیب بیان کرنا شروع کیے کہ اس میں یہ عیب ہے اور یہ خرابی ہے لیکن اگر آپ اسے بیچ نکال ڈالیں تو میں اس خیال سے خرید لوں گا کہ آپ بالکل گھاٹے میں نہ رہیں۔ یہ اُن سے بھی بڑے اُستاد تھے۔ چنانچہ اُن کی کوئی بات پیش نہ گئی۔ اور ہر بات میں انھیں قائل کردیا۔ آخر وہ مجبور ہو کے واپس گئے اور انھوں نے اُن کی ہجو میں بھی چند اشعار کہہ ڈالے۔

شاعری کا بہت زیادہ شوق تھا۔ اور پورا دیوان موجود ہے۔ مگر فارسی اور اردو شعرا کا سا دیوان نہیں جس میں مختلف طرحوں پر بے ضرورت طبع آزمائی کی جاتی ہے۔ اُن کے تمام اشعار واقعات سچے جذبات اور دلی جوش سے لبریز ہیں جب کوئی واقعہ پیش آتا یا کسی بات کا جوش دل میں پیدا ہوتا اُسے اشعار کے ذریعہ سے ظاہر کر ڈالتے۔ اسی وجہ سے اُن کا دیوان ایسا ہے جس سے اُن کی پوری سوانح عمری کا پتہ لگا کے اُن کی لائف مرتب کر لی جا سکتی ہے۔ بخلاف اس کے ہمارے شعرا نظم کے طومار جمع کردیتے ہیں جن سے اُن کی زندگی اور اُن کے حالات کو کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔ اور اگر سچ پوچھیے تو زندہ اور مُردہ شاعری میں یہی فرق ہے۔

روزانہ چہل قدمی۔ اور باہر کی سیر سے ورزش کا فائدہ اُٹھانے کی برکت تھی کہ بہت بڑی عمر پائی۔ اور آخر عمر تک اُن کے حوصلوں میں کسی قسم کا فرق نہیں آنے پایا تھا ضعیف العمری میں کسی ضرورت سے ملک فارس کے سفر پر آمادہ ہوگئے۔ بیٹی نے کہا "بابا جان۔ اب آپ کے قویٰ ویسے نہیں رہے۔ یہ جاڑے کا جاڑا اور آپ فارس کو چلے

ہین - جاڑے کی شدت ذرا کم ہو لے اور قافلون کی آمد و رفت جاری ہو جائے تب چلے جایئے گا - آج کل سفر مین مجھے ڈر لگتا ہے کہ آپ کے دشمنون کو کوئی صدمہ نہ پہونچ جاسے۔ اس کے جواب مین اُنھون نے اپنے چند شعر پڑھے جن مین ظاہر کیا ہے کہ موت کا وقت مقرر ہے انسان کو راضی بہ رضا رہ کے صبر و تحمل سے کام لینا چاہیے - الغرض بیٹی کا کہنا نہ مانا اور کوچ کی تیاریان کر دین -

وہان سے واپس آنے کے بعد فالج گرا - جس نے بہت کچھ معذور کر دیا - مگر پھر بھی روز باہر کی ہوا کھاتے - اور جس طرح بنتا شہر کا ایک چکر ضرور لگا لیتے -

اُن کی اولاد کے متعلق صرف اس قدر پتہ لگ سکا کہ ایک بیٹا تھا اور ایک بیٹی - بیٹے کا نام تو ابو حرب تھا - مگر بیٹی کا نام نہین معلوم - غالباً یہی بیٹی تھی جس کی زبان کی غلطی دیکھ کے حضرت علی رضؓ کے پاس دوڑے گئے - اور علم نحو کے ابتدائی اصول حاصل کیے تھے اور اُسی نے آخر عمر مین سفر فارس سے روکا تھا -

خود ابو الاسود کی قناعت و خانہ نشینی کا اُن کے بیٹے ابو الحرب پر بھی اثر پڑ گیا - چنانچہ اُنھون نے بھی باپ کی طرح دُنیا طلبی اور کسب معیشت مین غفلت کرنا شروع کی - یہان تک کہ اُن کا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بیٹھ رہنا ابو الاسود کو ناگوار گزرنے لگا - ابو حرب نہ کہین نوکری کرتے - نہ کسی قسم کی تجارت کرتے - اور نہ کوئی ذریعہ تحصیل زر کا تھا - اس پر ابو الاسود نے انھین سرزنش کی تو کہا "میری قسمت مین جو ہے ہو گا - اور جو کچھ ملنے والا ہے ہر طرح مل جائے گا" اس کے جواب مین ابو الاسود نے یہ دو شعر کہے -

وما طلبُ المعیشۃ بالتمنّی ولکن اَلقِ دلوک فی الدِّلاءِ

معاش کو تلاش کرنا کسی چیز کو زبردستی چاہنا نہین ہے بلکہ لوگون کے ڈولون کے ساتھ تم بھی اپنا ڈول ڈال دو -

تجئک بملئہا یوماً و یوماً تجئک بحماۃٍ وقلیلِ ماءِ

ایک دن تو وہ پانی سے بھرا ہوا آئے گا اور ایک دن اُس مین زیادہ کالی مٹی اور تھوڑا سا پانی ہو گا -

آخر ۸۵ برس کے ہو کے سنہ ۶۹ھ مین مرض موت مین مبتلا ہوئے مرتے وقت لوگون نے کہا "آپ کو ہم مغفرت اور نجات کی خوشخبری دیتے ہین" ٹھنڈی سانس لے کے

جواب دیا" افسوس - ایسی زندگی کہان سے لاؤن جس سے مغفرت کی امید ہو" عام راے یہ ہے کہ طاعون جارف مین جہان اور بہت سی خلقت نذر اجل ہوئی اُنھون نے بھی سفر آخرت کیا مگر بعض لوگ کہتے ہین کہ اس سے پہلے ہی انتقال کر چکے تھے اس لیے کہ مختار کے عہد مین اُن کا کہین ذکر نہین آیا ہے - بہر تقدیر ایک طولانی زندگی بسر کر کے اور حضرت علی جن کی محبت کا مرتے وقت تک دم بھرتے رہے تھے اُن پر اور ان محترم خاندان پر طرح طرح کے مظالم اپنی آنکھون سے دیکھ کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون -

ماہ اپریل کا موسم کشمیر

باغ عالم کی ہر روش پر کھڑے ہو کر ذرا تعمق نظر سے دیکھو کہ یہان کے تغیرات و انقلابات مین کیسے کیسے عبرت خیز حالات مضمر ہین - رات کے اختتام پر دن کا جلوہ افروز ہونا اور شب و روز اوقات کا بدلتا رہنا در پردہ ثابت کر رہا ہے کہ یہ گردش دولابی کسی نہایت ہی تیز رفتار مشین سے وابستہ ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ دن جو ہم سے رخصت ہو گیا "کل" کے نام سے موسوم ہو کر ہماری ہزار ہا آرزوون کو دوسری آنے والی "کل" کے آغوش مین چھوڑ جاتا ہے - اور ہم پورے تعلق خاطر کے ساتھ اس امید بھری "فردا" کے منتظر ہو جاتے ہین - آخر ارمانون کے جھرمٹ مین اور تمناؤن کے پُرشان جلوس کے ساتھ وہ "کل" آج کا لباس پہن کے سامنے آتی ہے اور یہ ہم جی بھر کے اُس کا کروفر دیکھنے بھی نہین پاتے کہ سارے کام ادھورے اور ساری آرزوئین ناتمام چھوڑ کے نظر سے غائب اور اُس نقطۂ موہوم سی جا ملتی ہے جو دراصل معدومیت کا نشان ہے - اسی "کل" والی "کل" پر منحصر نہین اس عالم ناپائدار کی ہر رات ہر دن - ہر ماہ - ہر سال بلکہ سارے عالم ہستی کی انتہا یہی نقطۂ موہوم ہے۔

مگر اس نقطۂ موہوم پر پہونچنے سے پہلے ساری آئندہ حسرتین "آج" کے تخت نشین پر آکے عجیب عجیب جلوے اور بڑی بڑی پُرلطف کیفیتین دکھا دیا کرتی ہین جن مین سے بعض تو ایسی ہوتی ہین کہ کسی طرح بھولنے ہی کو نہین آتین - چنانچہ دلچسپیون کے اسی سلسلہ مین ہر سال موسم کا دور بھی ایک وقت معین پر اپنا دلچسپ خواب دکھاتا ہے لیکن نگاہ پُرشوق اُس سیر سے سیر نہین ہونے پاتی کہ موسم بہار کسی بے درد مہمان

شب کی طرح دامن ہاتھ سے چھڑا کے نکل جاتا ہے اور وہ ناتمام سیر ایک خواب پریشان بن کے یاد رہ جاتی ہے۔

انھین موسمی دلچسپیون مین سب سے زیادہ پُر لطف ہر سال ماہ اپریل مین وادی کشمیر کی ارض مقدس کا سمان ہوتا ہے۔ جہان زمین خلدہ بہشت بن کے آسمان پر چشمک زن ہوتی ہے۔ ہر پہاڑ طور سینا بن جاتا ہے۔ سیاحون اور جمال قدرت کے شیدائون سے "ارنی" کے نعرے بلند ہوتے ہین اور اودھر ہر قلے سے بصد تمکنت آواز آتی ہے کہ "لن ترانی" زمین عروسی لباس پہن کے خاکساری بھول جاتی ہے اور آسمان کی طرف خطاب کر کے کہتی ہے "تیری پیشانی پر اگر تارے جگمگا رہے ہین تو میرے دامن کا ہر بیل بوٹہ اور میرے آغوش کی ہر ہر کلی تیری آب و تاب کو ماند کر رہی ہے۔ تیرے سر پر اگر کہکشان کی موتیون بھری مانگ ہے تو میرے دامن مین لہرا لہرا کے بہنے والے دریاے جہلم کا لہریا ٹنکا ہوا ہے۔ تیری شفق اگر لیلاے شب کے رخ زیبا پر سرخ غازہ ملتی ہے تو میرے چمن زارون مین ہرے بھرے پھولون کا کبریت احمر دکھا دکھا کے آخر تک ید بیضا کا معجزہ ظاہر کرتا رہتا ہے۔ مشاطۂ قدرت نے اگر تجھے مہر و ماہ کا زیور پہنایا ہے تو مجھے سر سے پاؤن تک ایسے ایسے سیکڑون جواہرات سے آراستہ کر کے معشوقۂ عالم بنا دیا ہے۔ مانا کہ اُس حضرت رب العزت نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مین "لولاک لما خلقت الافلاک" فرما کے تجھ مین ایک کی جگہ چار چاند لگا دیے۔ اور آپ کی سیر سموات دنیا کی اعلیٰ ترین معراج تھی مگر کیا تجھے یہ نہین یاد رہا کہ جس فخر بنی آدم کی شان مین ارشاد ہوا ہے اُن کے قدمون سے ساری فضیلت زمین ہی کو حاصل تھی۔ مانا کہ تیری حورین حسن و جمال مین اپنا نظیر نہین رکھتین مگر ہیچ تھا دلکشی اور دلربائی کے جیسے کرشمے کشمیر جنت نظیر کے مہوشون اور سواد سبزہ زمین کی پیاری صورتون نے دکھائے ہین کبھی کسی عروس فلک کو بھی نصیب ہوے تھے؟ تیرے ہاروت و ماروت آج تک دنیا مین اسیر ہین اور دنیوی دلرباؤن کی کشش حسن کا ثبوت دے رہے ہین بھلا تیرے بالاخانے پر بھی کوئی ایسا دلدادۂ ارض ہے جسے کسی حور نے اپنے کمند گیسو مین الجھا کے اوپر کھینچ لیا ہو؟ افسوس تارون کی آنکھین دن کو نہین کھلتین ورنہ دیکھتے کہ مشاطۂ قدرت میری عروس بہار کی زیب و زینت کے لیے کیسے کیسے سامان کر رہی ہے؟ کالی گھٹائین اس شاہد رعنا کی کاجل

پیچان مین جنھون نے اپنی لمبی اور نہ سلجھنے والی کمند مین اسیر کرکے ایک عالم کو پریشان کر رکھا ہے۔ دامن ہاے کوہ اس دلربا نازنین کا چہرۂ زیبا ہین جو صدہا رنگ کے زیور مرصع سے آراستہ ہے۔ ابر اس معشوقۂ ماہ طلعت پر نچھاور کرنے کے لیے موتی برسا رہا ہے۔ جنھین مشاطۂ بہار جمع کرکرکے اُس کے نازک اعضا پر آراستہ کرتی اور اُس کے بہشتی حلّون مین ٹانکتی جاتی ہے۔ اس خطۂ بے نظیر کی ساری زمین پر عروس بہار کی سیر و تفریح کے لیے سبزے نے اپنا مخملین فرش بچھا دیا ہے۔ جو ہر جگہ ایک نئی شان اور نئی آن بان سے رنگ بدلتا اور صناع ان قدرت کی جدت طرازیون کا ثبوت دیتا ہے۔ اگر سرسون کے کھیتون مین یہ فرش بسنتی ہو گیا ہے تو السی کے کھیتون مین زنگاری ہے۔ کشت زعفران مین سونا برس رہا ہے تو اُس کے قریب ہے کسی تختے مین سفید پھولون کی اجلی چادر بچھ گئی ہے۔ پھر ان رنگ رنگ کی زمینون پر صدہا رنگ کے پھولون نے بیل بوٹے بنائے ہین جن مین سے ہر ہر پھول اور ہر ہر کلی اپنے حسن پر نازان ہے۔ پھر ان رنگ برنگ زمینون اور گوناگون گل آرائیون پر شبنم کے موتیون کی سجاوٹ معلوم ہوتا ہے کہ عروس کشمیر کو مشاطۂ بہار نے سر سے پاؤن تک موتیون سے آراستہ کر دیا ہے ہلکی ہلکی پھوہار اس معشوقہ کے کپڑون مین روز موتیون کی نئی جھالرین ٹانکے دیا کرتی ہے درختون کو دیکھیے تو ہر شجر نونہال چمن بنا ہوا ہے۔ دامن کہسار مین نسرین و سمن کے گلبنون کا اجلاپن ایک نہایت ہی مناسب ترتیب سے اپنے سکون و سکوت کی شان دکھا کے ناظرین کو محو حیرت بنائے ہوے ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ گلبن نہین تجلیات ربانی کے مظاہر ہین۔ اس رنگینی عالم کے زمانے مین جن درختون مین شگوفے نہین اُن کا بھی یہ حال ہے کہ صالحین جنت کا لباس سبز پہن لیا ہے۔ مست خرام ہوا کے جھونکون سے خوش ہو ہو کے اپنی برگ و نواے حمد باری کا نغمہ گاتے۔ اور بیخودی کے ساتھ سرون کو سجدے مین جھکا جھکا کے اُٹھاتے ہین۔ اور اس سے بھی سیری نہین ہوتی جھک جھک کے معشوقان چمن کا منھ چومتے۔ پھر خوشہ ہاے انگور کے لب میگون سے لب بلب ہوکے مے ہوش ربا سے سیراب ہو کے اس طرح معروف رقص ہو جاتے ہین کہ معلوم ہوتا ہے صوفیان پاک باطن پر حال کا عالم طاری ہے۔

آہ اے فلک ناپائدار دیکر نگ سیب کے درختون کو دیکھ ناشگفتہ کلیان ہین کہ کسی

عاشق کش حسینۂ ماہ طلعت کی گوری انگلیان جن کی نوکین عاشق کے خون مین ڈوب کے یاقوت احمر بن گئی ہین۔ شگفتہ پھول شباب مین ڈوبی ہوئی شوخ ادا دلربائین ہین۔ اور جو پھول نسیم کی سرد مہری سے زمین پر گر گئے ہین وہ بھی نازک دل بلبل کے زخم پر نمک پاشی کر رہے ہین۔

زمین اپنی اس خوش نصیبی پر نازان اور آسمان پر طعنہ زنی کر رہی تھی کہ یکایک چمن زار مین سوسن نے بصد زبان گلاب اور سارے پھولون کے کان مین کوئی ایسی بات کہہ دی کہ سب کے چہرے اُتر گئے۔ مست حسن مہ وشان چمن کے چہرون پر ہوائیان چھوٹنے لگین۔ نرگس کی چشم مخمور مین آنسو بھر آئے۔ سب پھول مُرجھا مُرجھا کے گلبن سے گرنے لگے۔ اور گلزار کی حالت ہی دگرگون ہو گئی۔ یہ حالت دیکھتے ہی زمین کو اپنے تمام دعوے بھول گئے۔ گھبرا گھبرا کے ہر ہر شاہد چمن سے پریشانی کا سبب پوچھنے لگی۔ آخر کھُلا کہ سوسن نے آمد خزان کا پیغام سنا کے سارے حسینان چمن کو پریشان کر دیا۔ جسے سنتے ہی نونہالان چمن کا نشہ ہرن ہو گیا۔ اور جسے دیکھیے اُس کا چہرہ زرد تھا۔

آہ! یہ ساری بہار اتنی ہی دیر کے لیے تھی۔ عمر دے گل سیرنہ دیدیم وبہار آخر شد۔ اور کل والی کل نے آج کی صورت اختیار کر کے جو لطف دکھایا تھا ایک چشم زدن ہی مین فنا ہو کے اُسی نقطۂ موہوم سے جا ملا جو ہمیشہ مزہ کر کرا کر دیا کرتا ہے۔ جانتے ہین کہ یہ خزان بھی نہ رہے گی۔ ع چنان نماند چنین نیز ہم نخواہد ماند۔ لیکن اس وقت تو سارا مزہ جاتا رہا۔ کیسے عیش و طرب مین مصروف تھے۔ کس طرح شاہد آرزو سے ہم آغوش تھے۔ اور کس لطف کے ساتھ تمناؤن اور ارمانون کی خوش جمال پریون کو سینے سے لپٹائے ہوے تھے۔ آہ! دم بھر مین کچھ بھی نہ رہا۔ کیا تھا اور کیا ہو گیا؟

سچ یہ ہے کہ ان آزاردہ تغیرات و انقلابات سے کوئی نہین بچا۔ اور مو الید ثلثہ مین سے کوئی بھی نہین جو زمانے کی اس بے رحمی سے محفوظ رہتا ہو۔ یا ان جانگزا صدمات کے اثر سے رنج نہ پاتا ہو۔ یہی انقلاب ہوتا رہے ہین اور اسی ردو بدل سے پایا جاتا ہے کہ اس گردش دولابی کا اثر رات دن سال و ماہ سب ہی پر پڑتا ہے۔ اور عالم تخلیق مین ہماری نظر کے سامنے تو کوئی ایسا نہین جسے مصیبت نہ ستاتی ہو۔ ہان اس کون و فساد اس ردو بدل اور اس حدوث و انقلاب سے اگر کوئی بچا ہے تو وہ کارساز مطلق جو اس دولابی مشین کو

جلوہ دار ہا ہے اور جس کی سرمدی ذات ہمیشہ اپنے اعلیٰ کمالات کے ساتھ یکسان عظمت و جلال سے قائم رہی اور ہمیشہ قائم رہے گی - لہذا اے سرگشتگان وادی حیرت اور اے وست تجرد سے پناہ مانگنے والو اگر اس ردوبدل اور ان انقلابات سے بچنا چاہتے ہو تو تم بھی اُسی ذات سرمدی اور اسی ایک حال پر قائم رہنے اور فنا و بقا کی کشمکش سے مبرا و منزہ ہونے والے صناع مطلق سے قربت حاصل کرو تاکہ تم بھی بہار و خزان کے انقلابات سے مصئون و مامون رہو - کیونکہ تمھین اُس سے جس قدر قربت ہوتی جائے گی اُسی قدر حدوث و تکوین کی تکلیفون سے آزاد ہوتے جاؤ گے -

راقم راجہ شیر علیخان جاگیردار کچھی پورہ - راجپوتانہ

ایک ہندو دربار مین مسلمان ایلچی

(نمبر ۲)

مولانا کمال الدین عبدالرزاق فرماتے ہین "مین آخر ذی الحجہ مین وارد بیجانگر ہوا تھا - ایک بلند عالی شان مکان مین ٹھہرا گیا جہان پہونچتے ہی مجھے ایسا آرام ملا کہ سفر کی تھکن سے نجات پائی - اور کئی دن تک ستاتا رہا - یہان تک کہ ماہ محرم کی پہلی تاریخ ہوئی اور مین ایک پُرلطف شہر کی سیر کر رہا تھا اور ایک نہایت ہی عیش و آرام کے گھر مین مقیم تھا -

یکایک ایک دن راجہ کا چوبدار آیا اور بتایا کہ مجھے حضور راجہ صاحب نے یاد فرمایا ہے - شام کے قریب محل مین گیا - اور حاضر دربار ہوتے ہی مین نے پانچ خوبصورت گھوڑے اور دو کشتیان جن مین سے ہر ایک مین نو نو تھان دیبا و مشتی کے تھے نذر کین - اس وقت راجہ صاحب اپنے چہل ستون کے دیوانخانے مین بڑی شان و شوکت سے رونق افروز تھے - اور اُن کے دونون جانب برہمنون اور دیگر معززین دربار کا مجمع کثیر تھا - زیتونی رنگ کے اطلس کا لباس تھا اور گلے مین موتیون کا ایک مالا تھا جس مین ایسے اعلیٰ درجہ کے اور بڑے بڑے موتی تھے کہ جوہری بڑی دشواری سے اُن کی قیمت کا اندازہ کر سکتے - رنگت گندم گون تھی اور کشیدہ قامت تھے - عمر کے لحاظ سے ابھی عنفوان شباب تھا اس لئے کہ وہ سبزہ آغاز تھے اور ٹھڈی پر ابھی تک بال نہین نکلے تھے - بہرحال اُن کی

صورت اور وضع قطع مین کوئی ایسی بات تھی کہ حاضرین پر رعب پڑتا تھا۔

مین نذرانہ پیشکش کرنے کے بعد سر جھکا کے آداب بجالایا۔ جس پر خوش ہو کے اُنھون نے مجھے اپنے قریب بٹھایا اور جو خط مین نے اپنے بادشاہ کی جانب سے پیش کیا تھا اُسے اپنے ہاتھ سے لے کے ترجمان دربار کے حوالے کیا۔ پھر مجھ سے کہا "اس بات پر میرا دل بہت ہی خوش ہے کہ سلطان اعظم نے اپنا ایک سفیر میرے پاس بھیجا"۔ اس وقت مین کچھ تو ہوا بند ہونے کی وجہ سے اور کچھ اپنے کپڑون کے بوجھ سے پریشان اور پسینے پسینے ہو رہا تھا۔ میری اس حالت پر ترس کھا کے راجہ صاحب نے ایک خطائی پنکھا جو اُن کے ہاتھ مین تھا میرے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد لوگ ایک کشتی لائے جس مین رکھ کے مجھے پانون کی دو ڈھولیان ۲۰ مثقال کافور اور دیگر اشیا دی گئین جنھین لے کے راجہ سے رخصت ہو کے مین اپنی فرودگاہ پر آیا۔ کھانے کے عوض سیدھا یعنی بے پکی چیزین میرے لیے راجہ صاحب کے وہان سے روزانہ آتی تھین جن مین دو بھیڑ ہے ۔ مرغیان۔ ۵ من چاول (من سے مراد غالباً اُس زمانے کا کوئی چھوٹا وزن ہے)، ایک من گھی۔ ایک من شکر اور دو اشرفیان ہوتی تھین۔ ہفتہ مین دو بار شام کے قریب مین راجہ کی باریابی سے سرفراز ہوتا تھا۔ اس موقع پر راجہ صاحب مجھ سے ناقابل سعید شاہرخ مرزا کے حالات دریافت کیا کرتے۔ اور ہر حضوری مین مجھے پان ان کا مسالہ اور کافور ملا کرتا۔ ترجمان کے ذریعہ سے راجہ صاحب نے مجھ سے فرمایا "تمھارے بادشاہ سفیرون کو ساتھ کھلاتے اور اُن کے ساتھ کھانا کھاتے ہین لیکن یہان یہ غیر ممکن ہے۔ اس لیے کہ مین اور تم ساتھ نہین کھا سکتے"۔

اس موقع پر قابل مصنف نے ہندوستان کے پان کا تذکرہ کیا ہے اس کے کھانے کی ترکیب بتائی ہے۔ اُس کے فوائد اور لذت بتائی ہے۔ اور لکھا ہے "علاوہ دیگر منافع کے پان مقوی بھی بہت زیادہ ہے اور غالباً یہی سبب ہے کہ راجہ کے رنواس مین سات سو کے قریب رانیان اور حرمین ہین۔ کوئی لڑکا جس کی عمر دس سال سے زیادہ ہو محل کے اندر نہین جانے پاتا۔ اور ہر رانی اور حرم کے متعلق باماؤن کہاریون وغیرہ کا خاص عملہ ہے۔ محل مین دو رانیان ایک مکان مین نہین رہ سکتین۔ بلکہ ہر ایک کا مکان اور اُس کے ساتھ پکانے والیان کہاریان اور چھوکریان سب جدا مقرر ہین

قلمرو مین جب کوئی حسین و پری جمال لڑکی نظر آتی ہے تو مان باپ کو راضی کرکے خرید لی جاتی ہے۔ جس کے بعد وہ بڑے تزک و احتشام سے حرم مین لا کے داخل کی جاتی ہے۔ پھر اُسے کوئی نہین دیکھ سکتا۔ اور اُس کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔

یہان آنے سے پہلے جب مین کالی کٹ مین پڑا ہوا تھا بیجانگر مین ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ مہاراجہ صاحب کے بھائی نے ایک نیا محل تعمیر کرایا تھا۔ جب وہ تیار ہو گیا تو مہاراجہ اُس کے وزیرون درباریون۔ اور معززین شہر کی دعوت بڑی دھوم دھام سے کی۔ سارے شہر کے نقارے جھانجھ اور تُرہیان بجانے والے جمع کیے کہ جب کوئی مہمان کھانے کے کمرے مین داخل ہو زور و شور سے بجایا کرین۔ سارے امراے شہر اور کل ارکان دولت اور جاگیردار ایک بڑے ہال مین جمع تھے مگر چونکہ ہندوؤن مین لوگ ایک ساتھ بیٹھ کے نہین کھا سکتے اس لیے ہر امیر علٰحدہ علٰحدہ اُٹھا کے اندر چوکے مین لے جایا جاتا اور جیسے ہی وہ اندر قدم رکھتا دو شخص آ کے اُسے تلوارون سے کاٹ ڈالتے۔ اور باجون کے شور و ہنگامہ مین کسی کی چیخ پکار کی آواز بھی نہ سنی جاتی۔ اس طرح سارے درباری اکثر معززین شہر اور تمام افسران فوج ایک ایک کرکے قتل ہو گئے۔ اور کسی کو خبر نہ ہوئی۔ یہان تک کہ سب کے بعد بے مہر بھائی خود راجہ صاحب کی خدمت مین حاضر ہوا اور عرض کی کہ "اب حضور غریب خانے پر رونق افروز ہو کے ہماری عزت افزائی فرمائین"۔ چونکہ راجہ کی زندگی تھی اور خدا کو اُس کی جان بچانا تھی اس لیے کہنے لگا "اس وقت میری طبیعت نہین اچھی ہے۔ مین نہین آ سکتا۔ تم اور سب لوگون کو کھلا دو"۔ بھائی کے اصرار پر جب راجہ نے کسی طرح نہ قبول کیا تو وہ خنجر نکال کے جسے چھپائے لیے گیا تھا جھپٹ پڑا اور راجہ پر کئی حربے کرکے اُسے اس طرح ڈھکیلا کہ وہ بے دم ہو کے تخت کے پیچھے جا گرا۔ راجہ کو گرتے دیکھ کے دغاباز بھائی سمجھا کہ وہ مر گیا لیکن اس پر بھی اپنے ایک سازشی کو اُدھر بھیجا کہ اُس کی لاش کو کاٹ کے قیمہ قیمہ کر دے اور اُس کا سر کاٹ لائے۔ یون اپنا پورا اطمینان کرکے وہ محل کے دروازے پر آیا۔ اور تمام لوگون سے پکار کے کہا "مین نے راجہ۔ اُس کے بھائیون۔ امیرون۔ وزیرون اور سارے فوجی افسرون کو قتل کر ڈالا اور اب تمہارا بادشاہ مین ہون"۔

اُدھر وہ شخص جو راجہ کا سر کاٹنے کو گیا تھا جب تخت کے پیچھے اُس کے قریب گیا تو

راجہ جو دراصل مرا نہ تھا بلکہ بے دم ہوکے گر پڑا تھا سنبھل بیٹھا اور اپنی تلوار سے
اُس پر ایک ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ اُسی جگہ ڈھیر ہو گیا - اتنے مین راجہ کا ایک
جان نثار دوست بھی آ گیا جس نے اپنی تلوار سے اُس کا کام بالکل تمام کر دیا
اور راجہ اور وہ دونون زنانے محل مین سے ہوکے باہر نکل گئے -

اب راجہ کا غاصب اور غدار بھائی ہر طرف سے مطمئن ہوکے عدالت مین اجلاس
کر رہا تھا اور لوگون سے اپنی بادشاہی کا عہدلے رہا تھا کہ یکایک راجہ نمودار ہوا -
جس نے مجمع مین آتے ہی باواز بلند کہا "دیکھو مین زندہ موجود ہون - اس قاتل
بدمعاش کو فوراً گرفتار کرو" اس آواز کے ساتھ ہی تمام حاضرین دربار غدار مدعی
سلطنت پر جھپٹ پڑے اور دم بھر مین کاٹ کے ڈال دیا - اب دریافت کیا گیا تو معلوم
ہوا کہ سارے اعزاے شاہی تمام اخوان السلطنت اور کل وزرا و امرا قتل ہو چکے
تھے - سوا راجہ کے وناٹک کے جو اتفاق سے سیلان مین گیا ہوا تھا - وہ فوراً
آدمی بھیج کے بلوایا گیا اور جتنے لوگ اس سازش مین شریک تھے طرح طرح کے عذابون
سے قتل کیے گئے اور اس آفت سے راجہ کے زندہ بچ جانے پر مہانومی کی تقریب بڑی
دھوم دھام سے منائی گئی -

اس تقریب کے موقع پر مولانا عبدالرزاق بیجانگر مین موجود تھے - کہتے ہین کہ
تمام اعیان سلطنت امراے شاہی اور رؤساے اضلاع کو راجہ کی طرف سے
حکم گیا کہ مہانومی کے دن رجب کی ۱۲ (ستمبر سنہ ۱۴۴۲ء) کو سب لوگ در دولت پر
حاضر ہون - بڑے بڑے زمیندار اور حکام ساری قلمرو سے جو تین مہینہ کی
مسافت تک پھیلی ہوئی تھی بڑے بڑے لشکرون اور ہزارون ہاتھیون کے
ساتھ نوبت نقارے بجاتے ہوے آ کے بیجانگر مین جمع ہوے - ان ہاتھیون کی
پیٹھون پر خوبصورت ہودے تھے جن مین روغن نفت کی پچکاریان مارنے اور آگ
برسانے والے سُورما بیٹھے ہوے تھے - اور ان ہاتھیون کو سونڈون مستکون اور کانون تک
عجیب عجیب قسم کے رنگ برنگ نقش ونگار بنائے گئے تھے - اس تاریخ بیجانگر مین اس
کثیر التعداد لشکر اور اتنے ایک ہاتھی جمع ہو گئے تھے کہ عرصہ حشر کا سما بندھ گیا تھا
اور معلوم ہوتا تھا کہ بیجانگر کا راجہ کیسی عظمت و جبروت کا راجہ ہے -

خاص بھانوی کے دن ایک خوبصورت میدان مین خوشنما اور نظر فریب کوشکین یا برج قائم کیے گئے تھے جو زمین سے دو یا تین زینے بلند تھے جن پر چونے سے نیچے تک انسانون اور ہر قسم کے جانورون کی تصویرین نہایت ہی لطافت و نزاکت سے بنائی گئی تھین - ان مین سے بعض برج کی تعمیر مین یہ صنعت رکھی گئی تھی کہ چکر کھاتے تھے - اور ان کی گردش سے ہر وقت نظر کے سامنے تصویرون کا ایک نیا نقشہ ہو جایا کرتا تھا - میدان کے سامنے ایک بہت ہی بڑی عالیشان اور نو منزلی عمارت تھی جس مین ہر طرف ستون تھے اور جو نہایت ہی اہتمام اور کمال نزاکت کے ساتھ آراستہ کی گئی تھی - اس کے سب سے اونچے اور نوین درجے پر راجہ کا تخت تھا - اس عمارت کے ساتوین درجہ پر کمال رحمت سے مجھے جگہ دی گئی جہان میرے اور میرے ہمراہیون کے سوا اور کوئی نہ تھا - اس شاہی ایوان اور ان کوشکون کے درمیان کا قطعۂ زمین خوب مسطح کرکے نہایت ہی خوبی کے ساتھ سجا اور آراستہ کیا گیا تھا - یہان ہر وقت ارباب نشاط کا مجمع رہتا حسین و نازنین اور جوش شباب مین ڈوبی ہوئی دلرباؤن کے طائفے مجرے کو حاضر تھے یہ سب راجہ کے سامنے ایک پردے کے پیچھے تھین - یکایک دونون جانب سے پردہ اٹھ گیا اور ان نازنینون نے عجب دل ربائی و ناز آفرینی کی حرکات سے نزاکت کے ساتھ قدم اٹھا اٹھا کے ناچنا شروع کیا اور تمام حاضرین بیخود ہو گئے -

اس موقع پر نٹون اور مداریون نے اپنے کرتب دکھاے جن مین یہ امور قابل حیرت تھے موٹی موٹی کڑیون اور دھنیون کو جوڑ کے ایک ممبر سا بنایا گیا جس کا ہر درجہ ایک گز کا تھا اور مجموعی بلندی دس بارہ گز کے قریب تھی - اس ممبر پر ایک بڑا ہاتھی چڑھایا گیا دھنیون کا عرض ہاتھی کے پاؤن سے کم تھا مگر وہ ہوشیاری کے ساتھ اوپر تک چڑھ گیا - اور وہان پہونچ کے گانے والیون کی لے پر ناچنے اور گت پر سونڈ ہلانے لگا - اسی طرح بڑی بھاری ترازو بنائی گئی جس مین ایک جانب پلڑے پر ایک ہاتھی کھڑا کیا گیا اور دوسرے پلڑے پر اتنے ایک پتھر رکھے گئے کہ ہاتھی والا پلڑا اٹھ کے بہت بلندی پر پہونچ گیا - اور وہان اسی پلڑے پر سے گت پر ناچنے کودنے اور سونڈ ہلانے لگا - اور کچھ دیر تک ہاتھی والا پلڑا اونچا نیچا ہوتا رہا -

اسی طرح کے اور کرتب دکھاے گئے - اور تین دن تک یہ جشن طرب قائم رہا -

صبح سے شام تک روز ایسے ہی لطف اور تماشے نظر آتے۔ اور رقص و سُرود کی محفل گرم رہتی۔ راجہ نے تمام ارباب نشاط اور بازیگرون کو انعام و اکرام اور جوڑے عطا فرمائے۔ تیسرے دن جب کہ برخاست کا وقت قریب تھا مجھے باریابی کا موقع دیا گیا۔ مین تخت کے سامنے مودب کھڑا ہو گیا۔ تخت شاہی بہت بڑا اور سونے کا تھا جس مین جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اور اُس کی تیاری مین نہایت نزاکت اور اعلیٰ درجہ کی صنعت دکھائی گئی تھی۔ دیکھتے ہی دل کو یقین ہو جاتا کہ ایسا کام سوا ہندوستان کے اور کسی مملکت مین نہ بن سکے گا۔ تخت کے آگے ایک زیتونی رنگ کے اطلس کا گاؤتکیہ تھا جس کے گرد بے بہا موتیون کی چار لڑیان ٹکی ہوئی تھین۔ اس جشن مین تین دن تک اسی تخت پر گاؤتکیہ لگا بیٹھا رہا۔ اور جب مہمانون کی تقریب اختتام کو پہونچی تو اُس نے تیسرے دن مغرب کے وقت اپنے اس ادنیٰ خادم کو (مجھے) باریابی کی عزت دی۔ مین جب تخت گاہ مین پہونچا تو دیکھا تقریباً دس گز کا اونچا ایک دستی چبوترہ ہے جس پر چار زینے چڑھ کے جاتے ہین۔ جس کمرہ مین یہ چبوترہ ہے اُس کی چھت اور در و دیوار مین سونے کے پترون سے نقش و نگار بنائے گئے ہین۔ جن مین پھولون کی جگہ جواہرات جڑے ہین۔ اور پترا اتنے گندہ اور موٹے ہین جتنی تلوار کی پشت کا دل ہوتا ہے۔ جو گل بوٹون کی وضع مین کاٹ کے سونے کی میخون سے در و دیوار اور چھت مین جڑے گئے ہین۔ جن مین پھولون کی جگہ جواہرات جڑے تھے اور اُس پر راجہ شاہانہ وقار سے رونق افروز تھا۔ اس موقع پر اُس نے مجھ سے سلطان شاہرخ مرزا اُس کے امرا و اہل دربار کے حالات۔ اُس کے لشکر اور اُس کے گھوڑون کی تعداد دریافت کی۔ سمرقند۔ ہرات اور شیراز کے عجائبات پوچھتا رہا۔ میرے حال پر نہایت ہی مہربانی کی۔ اور کہا "مین عنقریب چند ہاتھی کچھ خواجہ سرا اور یہان کے بہت سے نادر ہدیے ایک ہوشیار ایلچی کی معرفت تمھارے سلطان کے پاس بھیجنے والا ہون۔"

اسی صحبت مین حاضرین دربار مین سے کسی نے مترجم کے ذریعہ سے پوچھا "یہ جا نفیس سوزن کار قالین جو بچھے ہوئے ہین تمھارے وہان بھی تیار ہو سکتے ہین؟" مین نے کہا "ممکن ہے کہ ایسے ہی اچھے وہان بھی بن سکین مگر ایسی چیزون کے بننے کا ہمارے یہان رواج نہین ہے۔" راجہ نے میرے اس جواب کو نہایت ہی پسند کیا اور مجھے کچھ نقد انعام بان اور راجہ کے خاصہ کے کچھ میوجات عطا ہوئے۔

اسی زمانے مین راجہ بیجانگر اور سلطان کلبرگہ علاء الدین احمد شاہ بہمنی سے لڑائی چھڑ گئی۔

سلطان مذکور نے جب یہ خبر سنی کہ راجہ کے بھائی نے دغابازی کرکے تمام وزیرون اور سرداران فوج کو قتل کرڈالا تو بہت خوش ہوا اور یہ خیال کرکے کہ آج کل راجہ بیچارہ کمزور اور بے دست و پا ہو رہا ہے ایک سفیر بھیج کے راجہ سے سات لاکھ اشرفیان طلب کین۔ راجہ اس پر بہت برہم ہوا۔ اور کہا "چند آدمیون کے مار ڈالے جانے سے مین کمزور نہین ہو سکتا۔ پھر یہ روپیہ کیون دون؟" اس کے ساتھ ہی دونون طرف سے فوج کشی ہو گئی۔ راجہ نے اپنے قابل وزیر دنانگ کو سپہ سالار بنا کے میدان جنگ مین بھیجا جو فتحیاب ہو کے گلبرگہ کی قلمرو مین تاخت و تاراج کرکے اور اپنے ساتھ بہت سے اسلامی قلمرو کے اسیرون کو لے کے واپس آیا۔ دنانگ کی غیبت مین راجہ نے چند روز کے لیے "ہمبا نور ریز" نام ایک اور شخص کو وزیر کا قایم مقام مقرر کر دیا تھا۔ یہ نہایت ہی نالایق اور مغرور و متکبر شخص تھا۔ مجھے جو یومیہ خوراک ملا کرتی تھی اُس نے با اختیار ہوتے ہی موقوف کر دی۔ مگر جب دنانگ فتح کرکے واپس آیا اور انتظام سلطنت اپنے ہاتھ مین لیا تو میری خوراک بند کرنے پر اُس نے "ہمبا نور ریز" کو بہت سرزنش کی۔ اور اس کے عوض خزانے کے نام سات ہزار فنام کا ایک چک میرے پاس بھیج دیا۔

انھین دنون شہنشاہ دہلی کے پاس سے خواجہ جمال الدین نام ایک بزرگ ایلچی بن کے آئے تھے۔ میری نسبت بندرگاہ ہرمز کے رہنے والے بعض حاسدون نے مشہور کر دیا کہ مین سلطان شاہ رخ مرزا کا بھیجا ہوا نہین ہون بلکہ آپ ہی آپ اُن کا سفیر بن گیا ہون۔ یہ بات راجہ کے کان تک بھی پہونچی اور نتیجہ یہ ہوا کہ راجہ کا ارادہ تھا کہ مجھی کو اپنی سفارت کے خلعت سے سرفراز کرکے مرزا شاہ رخ کے دربار مین روانہ کرے۔ چنانچہ مجھے رخصت کرتے وقت اُس نے مجھ سے کہا "لوگ کہتے ہین کہ تم سلطان شاہ رخ مرزا کے سفیر نہین ہو اگر یہ شبہہ نہ پڑ گیا ہوتا تو مین تمھاری بڑی عزت کرتا۔ لیکن اگر کبھی دوبارہ تمھارا یہان آنا ہوا اور مجھے اس بات کا یقین بھی ہو گیا کہ تم خاص سلطان کے بھیجے ہوے ہو تو یہان تمھاری ویسی ہی قدر و منزلت کی جائے گی جیسی کہ میری سلطنت اور میرے رتبے کے شایان ہے۔"

اس کے بعد مین رخصت ہو کے واپس روانہ ہوا۔ اور میرا یہ سفر ختم ہوا۔

کائناتُ الجوّ

یہ سُن کے اکثر لوگوں کو تعجب ہوگا مگر محققین کا قول ہے کہ ہم کو بہ نسبت خود اپنی جوّ کے آفتاب کی جوّ کا حال زیادہ معلوم ہے البتہ اگر اس کا تصفیہ آسانی سے ہو سکے کہ قرص آفتاب کی قلمرو کہاں تک ہے اور اس کا جوّ کہاں سے شروع ہوتا ہے۔ جوّ شمس میں ہمیشہ مختلف گاسوں کا ایک عظیم الشان تلاطم اور تموج رہتا ہے جس کا صرف ہم مشاہدہ ہی نہیں کرتے بلکہ اس کا رقبہ اور سرعت رفتار تک آسانی سے بتلا سکتے ہیں اور کچھ زمانہ سے گاسوں کی نوعیت اور ان کا تناسب بھی ہم پر منکشف ہو گیا ہے۔

شعاع شمسیہ کی تحلیل "اسپکٹر اسکوپ" کے ذریعہ سے ہوتی ہے جو علم طبیعیات (فزکس) کا ایک بہت مشہور اور متداول آلہ ہے جس کے تجارب سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر آفتاب محض ایک قرص نوری ہوتا۔ اور اس کے چاروں طرف گاسوں کا کوئی حلقہ نہ ہوتا جیسا کہ ہماری زمین کے چاروں طرف ہے تو ہم کو وہ شعاع آلہ مذکور کے اندر سے قوس قزح کے مختلف رنگوں کی ایک ہموار پٹی کے مانند نظر آتی مگر در اصل ایسا نہیں ہے مختلف الوان قوسی کے علاوہ کچھ سیاہ دھاری دار خطوط بھی جا بجا اسی روشنی میں ملے جلے نظر آتے ہیں جس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ کچھ اور اشیا بھی بطور حجاب کے ہمارے اور آفتاب کے درمیان حائل ہیں۔ اب اگر ہم بعض دیگر اشیا کی روشنی بھی اسی آلہ کے ذریعہ سے دیکھیں تو ان میں بھی بجنسہ ویسے ہی

خلوط ہم کو نظر آتی ہین جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ گاسین جو آفتاب کے گرد حائل ہین اور یہ چیزین دونون ایک ہین - اسی آلہ "اسپکٹر اسکوپ" کے ذریعہ سے ہم اُن گاسون کا درجۂ حرارت اور وزن بھی بخوبی دریافت کر سکتے ہین -

مذکورۂ بالا تجربے کے علاوہ جدید طُرق عکاسی کے ذریعہ سے آفتاب کی مختلف تصویرین مختلف قسم کی مخصوص روشنیون مین لی گئی ہین جس سے عجیب عجیب انکشاف ہوے ہین - آفتاب کی شعاعون مین ایک خاص قسم کی روشنی شامل ہے جس کو "کیلشیم" کی روشنی کہتے ہین - پس فرض کرو کہ ایک فوٹوگراف کی پلیٹ پر سوائے "کیلشیم" کے اور کسی قسم کی روشنی نہ ڈالی جاے اور اس شیشہ سے آفتاب کا فوٹو لیا جاے تو یہ فوٹو خالص "کیلشیم" کی شعاعون کا کہا جاے گا - اسی اصول پر پروفیسر ہیل نے جو رصد گاہ شمسی واقع ماؤنٹ ولسن امیریکا کے ایک مشہور اُستاد علم ہیئت ہین ایک آلہ ایجاد کیا ہے جس کا نام "اسپکٹرو ہیلیو گراف" رکھا ہے - جس کے ذریعہ سے آفتاب کی تصویرین جدید طُرق عکاسی کے بموجب صرف ایک ہی روشنی مثلاً "کیلشیم" یا ہائڈروجن یا کوئلہ وغیرہ کی روشنی مین لی جا سکتی ہین جن کے ذریعہ سے قرص آفتاب کے چارون طرف خاص خاص رنگ کے حلقے نظر آتے ہین -

یہ عجیب بات ہے کہ زمین کی جَوّ کا حال بہ نسبت آفتاب کی جَوّ کے ہم کو بہت کم معلوم ہے - گو ہوا کے دو مشہور اجزا یعنی آکسیجن اور نائٹروجن ایک مدت دراز سے معلوم تھے مگر یہ کس کو یقین ہو سکتا ہے کہ ایک تیسری چیز یعنی "آرگن" جس کی مقدار ہوا مین اَبخرہ مائیہ سے کسی طرح کم نہین ابھی پورے بیس سال کا بھی زمانہ نہین ہوا کہ مشاہدے مین آئی جس کے کاشف مشہور سائنس دان لارڈ ریلے اور سر ولیم ریمسے ہین یہی حال گاس "ہلیوم" کا بھی ہے جو اس کے بھی بعد دریافت ہوئی مگر اس کا وجود آفتاب مین بہت پیشتر سے معلوم تھا - ہلیوم کے بعد کثرت سے نئی نئی گاسین دریافت ہوئین مثلاً (۱) نیون (منکشفہ پروفیسر ریمسے) جس کا ثقل مابین 'ہلیوم' اور 'آرگن' کے ہے یعنی 'ہلیوم' سے زیادہ بھاری اور 'آرگن' سے زیادہ ہلکی (۲) 'کریپٹن' (۳) 'زینن' - اگر 'آرگن' بوجہ کمی مقدار یعنی سو حصون مین صرف ایک حصہ ہونے کے اب تک ناپید رہی تو نمبر (۲) و (۳) بسبب انتہائی لطافت ورقت کے پردۂ راز مین مخفی تھین - نمبر (۲) ہوا کے دس لاکھ حصون مین ایک حصہ اور نمبر (۳) اس سے بھی بیس گنی زیادہ لطیف ورقیق یعنی ہوا کے دو کرور

حصون مین صرف ایک حصہ ہے۔

ہوا کی بلندی سمندر کی سطح سے ۱۸۰ میل تسلیم کی گئی ہے یعنی اتنے فاصلہ تک ایسے مناظر نظر آتے ہین جن کے واسطے ہوا کی موجودگی کی ضرورت ہے۔ مثلاً قطب شمالی کا وہ عجیب منظر جو 'آرورا بوریلس' (شفق شمالی) کے نام سے مشہور ہے اور ممالک قطبیہ شمالی مین اکثر رات کے وقت نظر آتا ہے۔ حکما اس کا سبب تموجات برقیہ کو بتلاتے ہین۔ اس منظر کی حالت یہ ہے کہ ممالک مذکور مین افق شمالی سے روشنی کی دھاریان سمت الراس تک کھنچی ہوئی نظر آتی ہین۔ معلوم ہوتا ہے کہ لاکھون شہاب ثاقب ٹوٹ رہے ہین۔ بعض اوقات یہ عجیب روشنی بصورت قوسی مشرق سے مغرب تک اور بعض اوقات لہردار شعاعون مین جلوہ گر ہوتی ہے۔ اس کا رنگ نارنجی سے لیکر گہرا سرخ ہوتا ہے۔ جب یہی مناظر ممالک قطبیہ جنوبی مین نظر آتے ہین تو شفق جنوبی (آرورا آسٹریلس) کہلاتے ہین۔ شہاب ثاقب جن کا سبب بعض اجزاے مادی کا ہوا کے ساتھ تصادم ہے' ۱۲۵ میل سے زیادہ ارتفاع پر نظر نہین آتے مگر خواہ عمق ۱۸۰ میل ہو یا ۱۲۵ میل یہ امر کسی طرح متحقق نہین ہو سکتا کہ اوپر کے طبقون مین ہوا کی ترکیب اور امتزاج کس قسم کا ہے۔ ابر کی انتہائی بلندی صرف ۱۰ میل ہے اور گو غبارے ۱۰ میل سے زیادہ بلند یعنی ۱۹ میل تک جا سکتے ہین مگر ان کی اوسط پرواز ۷ میل سے زیادہ نہین پس اس سے زیادہ بلندی پر مشاہدہ اور تجربہ کا کچھ دسترس نہین چل سکتا اور ہمارے معلومات وہان کی نسبت اگر کچھ ہین تو زیادہ سے زیادہ وقیع قیاسات کیے جا سکتے ہین۔ ۷ میل بلندی کے تجارب سے جو دو امر یقینی طور پر کیے جا سکتے ہین۔ وہ یہ ہین کہ بخارات مائیہ وہان کالعدم ہین اور درجہ حرارت جو زمین کی دوری سے تدریجاً کم ہوتا جاتا ہے وہان پہونچ کے تقریباً قائم ہو جاتا ہے یا ایک معتدبہ فاصلہ تک برابر قائم رہتا ہے۔ درجہ حرارت مقامات مذکور مین نقطہ انجماد (مقیاس سنٹگرید) سے ۵۵ درجہ نیچے ہے۔

مقامات مذکور تک ہوا مین بسبب حرارت آفتاب اور نیز بسبب زمین کی حرکت دَوری کے برابر تموج اور تلاطم رہتا ہے جس کی وجہ سے مختلف گاسون کی ترکیب و امتزاج مین کوئی فرق نہین پڑتا وہ آپس مین خوب ملی جلی رہتی ہین۔ مگر اس سے زیادہ بلندی پر کمی حرارت یا شدت برودت کی وجہ سے ان بالائی اور زیرین تموجات کا مین پتہ نہین چلتا جو

نیچے کی ہوا میں امتزاج کے باعث ہوتے ہیں لہذا حکما کا قیاس ہے کہ زیادہ بلندی پر یہ امتزاج ایسا نہیں ہے جیسا سطح کے قریب بلکہ وہاں مختلف گاسیں محض اپنے ثقل تناسب کے اعتبار سے تہ بتہ قائم ہیں جیسا کہ ہم ایک ظرف میں تیل پانی اور پارہ ملا کر اور خوب ہلا کر چھوڑ دیں تو تھوڑی دیر میں یہ تینوں مائع قائم ہو جائیں گے۔ پس ہماری اس جو کے اعلیٰ طبقوں میں ایک خالص تہ ’ہائڈروجن‘ کی ہے جس کے اوپر ’ہلیوم‘ ہے۔ گزشتہ سال پروفیسر ویجنر نے طبقہ ہائڈروجن کی موجودگی کی نسبت بہت معقول ثبوت پیش کیے تھے اور فاصلہ کی نسبت قیاساً کہا تھا کہ ۷۰ میل پر ہے۔ یہ بھی کہا تھا کہ زبردست قراین سے کہا جا سکتا ہے کہ بہت بلند طبقوں میں ایک اور گاس بھی ہے جو اب تک دریافت نہیں ہوئی اور ہائڈروجن سے بہت زیادہ ہلکی ہے جس کا نام وہ ’جیو کارونیم‘ بتلاتے ہیں یعنی زمین کی ’کارونیم‘ بمقابلہ اُس گاس کے جو مثل ’ہلیوم‘ کے آفتاب میں موجود ہے مگر اب تک زمین پر دریافت نہیں ہوئی البتہ پروفیسر نازسینی کا خیال ہے کہ اُن سے اور اس سائنس کی ہوائی پری سے کسی آتش فشاں پہاڑ پر ایک مرتبہ ملاقات ہوئی تھی۔ مگر یہ لطیف و نازک اندام پری عام آنکھوں سے اب تک غائب اور عام مس سے اب تک دور ہی دور رہتی ہے۔

کرۂ ارض اور آفتاب کی جو میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ گو ہماری معلومات بعض امور میں آخر الذکر کی نسبت زیادہ وسیع ہیں مگر اُس کی وسعت کا حال ہمیں معلوم نہیں ہم بالکل نہیں جانتے اور نہ موجودہ آلات کی مدد سے جان سکتے ہیں کہ قرص کہاں تک ہے اور جو کہاں سے شروع ہوتا ہے بلکہ اگر حکیم آغست اشمط کا قول مانا جائے تو قرص کوئی شے ہی نہیں محض ایک مرئی دھوکا ہے۔ مگر ہمارا ایشیائی فلسفی و شاعر اس نکتہ کو پہلے ہی کہہ گیا ہے

ہیں ستارے کچھ نظر آتے ہیں کچھ دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا

مرزا محمد عسکری۔ بی۔ اے

ایڈیٹر ہم اپنے معزز و فاضل دوست مرزا محمد عسکری صاحب بی۔ اے کے نہایت ہی شکر گزار ہیں جن کی عنایت سے دلگداز کو اس گران بہا مضمون کے شایع کرنے کا موقع ملا۔ اس قسم کے محققانہ مضامین کی ہندوستان کو بیحد ضرورت ہے۔ ہم نہایت ہی خوش ہوں گے اگر علم ہیئات کے متعلق ہمارے کرم فرما مضامین کا ایک سلسلہ جاری کریں جس کے ذریعہ سے فن مذکور مکمل طریقہ سے سمجھ میں آسکے اور اُن لوگوں کے شبہات دور ہوں جو آج تک حرکت ارضی کو نہیں تسلیم کرتے

ابن المعتز

دنیا مین عبرت و نامرادی کی جتنی مثالین دولتمندون اور ملوک و سلاطین مین ملتی ہین اور کسی طبقہ کے لوگون مین نہین مل سکتین۔ مانا کہ بادشاہون کے ادنے ادنے حالات لوح زمانہ پر ثبت اور اوراق تاریخ مین درج ہو جاتے ہین اور دوسرون کے حالات کی کسی کو خبر نہین ہوتی۔ کوئی یہ بھی نہین جانتا کہ دنیا مین کب آئے۔ کیونکر جیے۔ اور کب رخصت ہو گئے۔ لیکن پھر بھی اس مین شک نہین کہ جو لوگ جتنے زیادہ معزز و سربرآوردہ ہوتے ہین اُسی قدر زیادہ آماجگاہ حوادث بنتے ہین۔ اور بمصداق "نزدیکان را بیش بود حیرانی" سب سے زیادہ مصیبت اکثر بڑے لوگون اور بادشاہون کو جھیلنا پڑتی ہے۔

"ابن المعتز" جس کے محترم نام کو ہم نے زیب عنوان بنایا ہے سچ پوچھیے تو برائے نام ہی صاحب دولت و حکومت تھا اُس کا شمار دراصل جادو بیانون اعلی درجہ کے ادیبون اور مشہور و مقبول علما و فضلا مین ہے۔ اُس کی شاعری نے زبان عرب مین نئی جان ڈالی تھی اور اُس کی عمر کا سارا حصہ علمی مشاغل اور اہل علم و فضل کی صحبت مین بسر ہوا تھا۔ صرف ۲۴ گھنٹون کے لیے تاج و تخت کا گنہگار تھا جس کا ایسا سخت خمیازہ برداشت کرنا پڑا کہ اُس کی حالت بہت بڑے نامرادان سلطنت سے بھی زیادہ عبرتناک ہے۔ اُسے تخت و تاج کا کچھ زیادہ شوق بھی نہ تھا۔ مذاق مین تمکنت و خودداری اور حُب جاہ و ہوس پرستی کے عوض نیک نفسی و رحمدلی کا عنصر اس قدر غالب تھا کہ جب اراکین دولت اور عمائد بغداد نے حاضر ہو کے تاج شہریاری پیش کیا تو کمال بے پروائی سے بولا "مین ایسے تخت و تاج سے باز آیا جو خونریزی اور قتل و غارت سے ملتا ہو۔ اگر اس کا اطمینان دلایا جائے کہ میری تخت نشینی مین کسی ایک متنفس کا بھی خون نہ بہے گا تو بے شک قبول کرون گا ورنہ مجھے خون کا بھرا تخت شاہی نہین چاہیے۔" حاضرین نے زمین بوس ہو کے عرض کیا کہ "حضور کی مرضی کے موافق ہی ہوگا۔ اور ہم وعدہ کرتے ہین کہ امیر المومنین کی مسند نشینی کے لیے کسی کی نکسیر تک نہ پھوٹے گی۔" بے شک یہ وعدہ پورا ہوا۔ اور بغیر اس کے کہ کسی مخالف یا حریف سلطنت کی جان لی جائے وہ سریر خلافت پر جلوہ افروز ہو گیا۔ لوگون نے جوش و خروش کے ساتھ اُس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ لیکن اس بیعت کو چوبیس ہی گھنٹے گزرنے پاتے تھے کہ

کسی بدخواہ سلطنت یا باغیٔ خلافت کے عوض خود اُس کی قربانی تخت و تاج پر چڑھا دی گئی۔ بے شرم ترکی مزاران فوج کے بے رحم ہاتھون نے اُس کو سریرِ شاہنشاہی سے کھینچ کے نیچے گرا دیا اور طرح طرح کے عذابون سے اُس کی جان لی۔

اُس کا پورا نام و نسب عبداللہ بن محمد المعتز بن المتوکل بن المعتصم ابن ہرون الرشید ہے باپ دادا پردادا لکڑ دادا اور اُن کے بعد دیگر اجداد بڑے بڑے تاجدار اور آل عباس کے نامور خلیفہ ہوتے آئے تھے۔ پردادا یعنی المعتصم باللہ نے جو عباسیون کا آٹھوان خلیفہ تھا عربون کو عیش و طرب مین سرشار و مخمور دیکھ کے نوجوان ترکی و تاتاری غلامون کی ایک نئی فوج بھرتی کی۔ اور بغداد کے قریب ہی "سُرمن رأی" نام ایک نیا شہر بسا کے اُس مین اُن کا کیمپ قائم کیا۔ ان نئے سپاہیون کی اطاعت اور خلیفہ کی شفقت و رحمت سے اس فوج اور اس کے سردارون کا زور روز بروز بڑھتا گیا یہان تک کہ شرفاے عرب خانہ نشین تھے اور حکومت کے تمام اعلیٰ عہدے اسی فوج کے ترکی و تاتاری افسرون کے ہاتھ مین تھے۔ اور چند روز کے بعد خود خلافت و سلطنت انھین لوگون کے قبضہ مین تھی۔ جسے چاہتے تخت خلافت سے اُتار دیتے اور جس کو چاہتے خلیفہ بنا لیتے۔

بعینہ یہی حال دولت عثمانیہ کا ہوا۔ جہان اُس خاندان کے دوسرے تاجدار سلطان اورخان نے سنہ ۷۳۰ھ مین نو عمر مسیحی اسیرون اور غلامون کی ایک فوج مرتب کی جن کو اسلامی عقائد و عثمانی معاشرت کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی فوجی تعلیم دی جاتی اور اُنھین باور کرا دیا جاتا کہ سلطان کے سوا دنیا مین نہ اُن کا کوئی عزیز و قریب ہے اور نہ کوئی دوست آشنا۔ اور اُن کے دنیا مین رہنے کی غرض صرف دشمنان خلافت و دین سے لڑنا ہے۔ اُس عہد کے مشہور ولی اللہ حاجی بکتاش نے ان نئے کمسن سپاہیون کو "ینی چری" (نئے سپاہی) کے نام سے نامزد کر دیا۔ جو لفظ یورپ مین بگڑ کے "جان نثاری" بن گیا۔ اس نئی فوج نے بعد کے زمانے مین بڑے بڑے کمالات دکھائے۔ اور دولت عثمانیہ کے ابتدائی عروج و اقبال مین سب سے زیادہ دخل اسی فوج کو تھا۔ لیکن انجام مین ان لوگون کا زور اس قدر بڑھا کہ سلطنت اُن کی لونڈی تھی جسے چاہتے بادشاہ بناتے اور جسے چاہتے تخت سے اُتار دیتے۔ مگر دولت عثمانیہ مین آج سے تقریباً ایک صدی پیشتر سلطان محمود خان نے اس فوج کا استیصال کر دیا۔ اور تخت و تاج کو ہمیشہ کے لیے اُن سرکش سپاہیون کے شر سے امن مل گیا۔ مگر دولت عباسیہ مین

کوئی محمود خان نہین پیدا ہو سکا جو خلافت کو ترکون کی فتنہ انگیزیون سے مصئون و مامون کر دیتا - چنانچہ ان سانپ کے بچون (ترکی سپاہیون) نے اُسی معتصم باللہ (جس نے انھین آستین مین رکھ کے پالا تھا) دوسرے بیٹے المتوکل علی اللہ کو جو عباسیون کا دسوان تاجدار تھا کاٹا اور اُسے ۲۴۷ھ مین نہایت ہی بُری طرح تخت و تاج سے جدا کر کے مارا - اس ایک ہی واقعہ نے اُن مین محسن کشی کا جوش اس قدر بڑھا دیا کہ متوکل کے بیٹے المنتصر باللہ کو تخت نشین کر کے چھ ہی مہینہ بعد تخت و تاج سے جدا کر دیا - اور اُس کی اولاد کو محروم کر کے اُس کے چچا المستعین باللہ ابن معتصم باللہ کو تخت پر بٹھایا جو کہ عباسیون کا بارھوان خلیفہ تھا - مگر ترکون کا تلون دمبدم یوماً فیوماً ترقی ہی کرتا جاتا تھا المستعین باللہ کو جو کہ صاحب علم اور ذی ہوش و فراست خلیفہ تھا تین ہی سال حکومت کرنا نصیب ہوا تھا کہ ترکی سرداران فوج خلاف ہو گئے - اور جب دیکھا کہ وہ ہماری اطاعت نہین کرتا تو اُسے گرفتار کر کے قید خانے مین بند کر دیا اور اُس کی جگہ متوکل کے دوسرے بیٹے محمد کو وارث سریر جہانبانی بنایا - جس نے تخت عباسی پر قدم رکھتے ہی اپنا لقب المعتز باللہ اختیار کیا - المعتز نہایت ہی حسین و خوبرو شخص تھا اور تخت نشینی کے وقت اُس کی عمر ۲۳ سال کی تھی - اور یہی اُس شاہ خلیفہ کا باپ ہے جس کے حالات لکھنے کے لیے ہم نے قدم اُٹھایا ہے - اس کی مان ایک ترکن تھی جو حسن و جمال مین فرید زمانہ اور نہایت ہی ممتاز تھی اور اس کے ساتھ نہایت ہی دولتمند تھی - مگر جتنی مالدار تھی اُتنی ہی بخیل بھی واقع ہوئی تھی - اُس کے بیٹے المعتز باللہ نے جب عنان حکومت ہاتھ مین لی تو خزانہ خالی تھا - اور فوج تنخواہ مانگ رہی تھی - معتز نے مان سے کچھ روپیہ مانگا تو اُس نے دینے سے قطعی انکار کیا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی سرداران ترک جنھون نے اُسے تخت پر بٹھایا تھا روپیہ کا تقاضا کرتے کرتے برافروختہ ہو گئے ایوان خلافت مین گھس پڑے اور المعتز کی تخت نشینی کو ساڑھے تین ہی برس ہوئے تھے کہ اُسے پاؤن پکڑ کے سریر خلافت سے کھینچ لائے - اور باہر دھوپ مین ڈال دیا - گرمیون کا موسم اور دھوپ کی تپش - المعتز نے پانی مانگا - مگر کسی نے نہ دیا - اور آخر دھوپ مین جھلس جھلس کے وہ بھوکا پیاسا مر گیا - یہ انجام تھا عباسیون کے تیرھوین خلیفہ کا - اب ترکون نے ۲۵۲ھ مین واثق باللہ کے بیٹے محمد کو خلیفہ بنایا جس نے المہتدی باللہ اپنا لقب اختیار کیا -

اور سلسلۂ خلافت مین چودھوان عباسی خلیفہ ہے - اِس غریب کو تخت پر بیٹھے پورا سال بھی نہین ہوا تھا کہ سرداران ترک نے اُس کے تخت سے اُتارنے پر بھی اتفاق کیا اور قصر خلافت پر چڑھ گئے - مہتدی بہادر آدمی تھا تلوار لے کے باہر نکل آیا اور اُن سے لڑنے لگا مگر کب تک اور کتنون سے لڑتا - آخر ترکون نے ہاتھ پکڑ کے اُسے گرایا اور اس شدت سے کچلا اور اُس کا پیٹ دبایا کہ روح پرواز کر گئی - مہتدی کے بعد ۲۵۶ھ مین متوکل کا تیسرا بیٹا علی خلیفہ ہوا جس کا لقب معتمد علی اللہ تھا - وہ ۲۳ سال تک حکومت کر کے اپنی موت سے مرا - یہ پندرھوان عباسی خلیفہ تھا - اُس کے بعد ۲۷۹ھ مین اُس کا بھتیجا احمد بن طلحہ بن متوکل سولھوان وارث خلافت قرار پایا جس نے اپنا لقب المعتضد باللہ قرار دیا - اُس کے بعد یکے بعد دیگرے معتضد کے دو بیٹے خلیفہ ہوے جن مین پہلا علی اور دوسرا جعفر تھا - علی نے ۲۸۹ھ مین خلیفہ ہو کے المکتفی باللہ اپنا لقب اختیار کیا - اور اُس کے مرنے پر اُس کے بھائی جعفر نے ۲۹۵ھ مین وارث خلافت قرار پا کے اپنا لقب المقتدر باللہ قرار دیا - سریر آرائی کے وقت اُس کی عمر صرف ۱۳ سال کی تھی - بنی عباس مین یہ عجب متلون القسمت خلیفہ تھا - تین بار تخت پر بیٹھا اور تینون بار سلطنت سے محروم کیا گیا جن مین سے پچھلی مرتبہ نہایت ہی ذلت اور حد درجے کی بے رحمی و بے شرمی کے ساتھ ترک عسکریون کے ہاتھ سے مارا گیا - پہلی تخت نشینی کے ایک ہی سال بعد جبکہ وہ کمسن تھا ترکون نے اُسے تاج و تخت سے محروم کر کے تیرھوین عباسی خلیفہ المعتز باللہ کے بیٹے عبداللہ بن المعتز کو ۲۹۶ھ مین تخت نشین کیا - جو کہ سلسلۂ خلافت مین بنی عباس کا اُنیسوان خلیفہ ہے اور اُسی کے حالات ہم اس وقت بیان کرنا چاہتے ہین -

اِس کا باپ المعتز جب ترکون کے ہاتھ سے بھوکا پیاسا مارا گیا ہے اُس وقت اُس کی عمر پانچ چھ سال سے زیادہ نہ تھی - کیونکہ وہ ۲۴۶ھ یا ۲۴۷ھ مین پیدا ہوا تھا - اور اُس کا باپ المعتز ۲۵۲ھ مین مارا گیا - بچپن ہی من اُسے زمانے کے ہاتھ سے ایسا عبرتناک سبق ملا تھا اور یتیمی نے کمسنی ہی مین ایسا ہوشیار کر دیا تھا کہ اگرچہ خلافت کے آغوش مین پرورش پائی تھی اور ایوان شہنشاہی مین اُس کا نشو و نما ہوا تھا مگر حکومت و امارت سے دل کھٹا ہو گیا - علم و ادب کی دنیا مین قدم رکھ کے اُس نے بعوض سریر جہانبانی کے اپنے لیے علم و فضل کا اعلیٰ تخت ڈھونڈھنا شروع کیا جس کے ساتھ اُسے طبعی مناسبت تھی - اور چند ہی روز کے اندر

علمی دنیا مین اُس کا ایسا سکہ بیٹھ گیا کہ صاحبان علم نے سب سے بڑا ادیب اور سب سے بڑا شاعر تسلیم کر لیا۔ اُس کا کلام سہل ممتنع ہوتا۔ الفاظ مانوس اور پیش پا افتادہ ہوتے مگر بندش کی چستی اور تشبیہات و استعارات کی جدت ہر شخص کو اُس کا معترف بنا دیتی۔ اسی مذاق کی وجہ سے اُس نے عباسی شاہزادون اور امیرون کی صحبت چھوڑ دی اور شب و روز علما و فضلا اور دنیا کے مشہور و معروف ادیبون اور شاعرون سے صحبت رہتی۔ اور ان صحبتون مین اُسے کچھ ایسا مزہ ملنے لگا کہ امارت و حکومت کی طرف سے بالکل بے پروا ہو گیا۔

مگر اس کو کیا کرتا کہ خاندان شاہی سے تھا۔ اور آبا و اجداد سب جہانبانی کر چکے تھے۔ جب نئے خلیفہ کے انتخاب کا وقت آتا لوگون کی نظر خواہ مخواہ اُس پر پڑ جاتی اس کے ساتھ بدنصیبی یہ کہ ترکی فوج کے صاحب اثر سردارون نے خلافت کو اپنے ہاتھ کا کھلونا بنا لیا تھا۔ آئے دن بغداد مین یہی انقلاب نظر آتے کہ ایک خلیفہ تخت سے اُتارا اور بکمال بے حمیتی کے ساتھ قتل کیا گیا اور دوسرا اُس کی جگہ بٹھا دیا۔ المکتفی باللہ کے مرنے کے بعد جب خلیفہ کے انتخاب کا وقت آیا تو اکثر امرا و سردار عبداللہ بن معتز ہی کے طرفدار تھے۔ اور اُس کی علمی فضیلت اور مقبولیت عامہ کی وجہ سے چاہتے تھے کہ اُسے خلیفہ بنائین۔ مگر بعض صاحب اثر امرا نے ضد کی کہ مکتفی کا سیزدہ سالہ نابالغ بھائی ہی تخت نشین کیا جاے۔ چنانچہ اُن کی ضد پوری ہو کے رہی اور المقتدر خلیفہ ہو گیا۔ لیکن اُس کے حکمران ہو جانے کے بعد لوگون مین اختلافات پڑا کہ ایسے کمسن بچے اور امرا کے ہاتھ کے کھلونے سے انتظامات مملکت کیونکر چلین گے تو سارے عمائد سلطنت اور کل ارکان شاہی اس بات پر متفق ہو گئے کہ المقتدر کو تخت سے اُتار کے عبداللہ بن معتز کو خلیفہ بنائین۔ اور اُن کے وکلا عبداللہ مذکور کے سامنے آ کے عرض کرنے لگے سارے مسلمانون کی آرزو ہے کہ آپ کو خلیفۂ اسلام قرار دے کے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرین۔ ابن معتز جیسے علمی مشاغل سے فرصت نہ تھی اُن کی یہ درخواست سُن کے بولا "اگر سب لوگ پسند کرتے ہین تو مجھے عذر نہین ہے مگر شرط یہ ہے کہ میری تخت نشینی کی وجہ سے کسی کا خون نہ بہایا جاے۔ اگر تم لوگون نے کسی کے قتل کا ارادہ کیا تو مین حکومت سے باز آیا" سب نے اطمینان دلایا کہ آپ کی تخت نشینی کا آغاز خونریزی سے نہ ہو گا۔ اور اس قرارداد کے ساتھ ہی سب نے اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ تاج شہریاری سر پر رکھتے ہی ابن معتز نے

اپنا لقب المرتضی باللہ قرار دیا۔ مگر بعض راویان تاریخ اُس کے دوسرے القاب بتاتے ہیں۔ کوئی المنصف باللہ کہتا ہے۔ کوئی الغالب باللہ بتاتا ہے کوئی کہتا ہے کہ الراضی باللہ لقب تھا لیکن غالب گروہ پہلے ہی لقب کو صحیح خیال کرتا ہے۔ الغرض اُس نے تخت خلافت پر قدم رکھ کے محمد بن داؤد بن الجراح کو وزیر اعظم اور علی بن عیسیٰ کو دیوان مقرر کیا۔ اور اُسی وقت تمام ممالک میں "امیر المومنین مرتضی باللہ ابو العباس عبد اللہ بن المعتز" کے نام سے فرمان جاری ہو گئے۔

اس سے پیشتر یہ ہوتا آیا تھا کہ جو خلیفہ تخت سے اُتارا جاتا قتل کر ڈالا جاتا۔ اور سلطنت کے ساتھ اُس کی زندگی کا بھی خاتمہ ہو جاتا۔ مگر ابن المعتز خونریزی کا دشمن تھا اور اعیان سلطنت سے عہد لے چکا تھا کہ اُس کی تخت نشینی کے لیے کسی کی جان نہ لی جائے اسی اقرار کے مطابق بعوض اس کے کہ المقتدر کے قتل کی کوشش کی جائے اُس کے نام ابن المعتز کی طرف سے اس مضمون کا حکم پہونچا کہ "ایوان خلافت اور حرم سرائے شاہی کو خالی کر کے آپ ابن طاہر کے مکان میں اُٹھ آئیں تاکہ میں قصر شاہی میں سکونت پذیر ہوں"۔ جس مکان میں ابن معتز رہتا تھا وہ ابن طاہر ہی کے نام سے مشہور تھا لہذا اُس نے کوشش کی کہ اپنے مکان میں خلیفۂ معزول کو رکھے اور خود قصر خلافت میں اُٹھ جائے۔ مقتدر نے اگرچہ بچہ تھا نہایت متانت کے ساتھ جواب میں کہلا بھیجا "تعمیل کے لیے بسر و چشم حاضر ہوں مگر اتنا چاہتا ہوں کہ مجھے آج کی رات مہلت دی جائے" رات گزر گئی اور صبح کو جب مقتدر نے محل کے خالی کرنے کا ارادہ کیا تو اُس کے ہمراہیوں میں سے بعض نے کہا ہمیں بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے سلطنت نہ چھوڑ دینی چاہیے۔ لوگ اسی سوچ میں تھے کہ المعتز کے لوگوں نے پہونچ کے محل خالی کرنے کا تقاضا شروع کیا۔ اور جب تقاضے میں سختی ہوئی تو مقتدر کے غلام شاہی محل سے اور بالا خانوں کے پردوں کی آڑ سے مقابلہ کرنے لگے۔ اس مقابلہ میں کسی قسم کی خونریزی نہیں ہونے پائی۔ المعتز کی طرف سے کوشش تھی کہ بغیر خون ہوئے قصر پر قبضہ کیا جائے اور المقتدر کے لوگ اڑے ہوئے تھے کہ جان دے دیں گے مگر محل نہ چھوڑیں گے۔

تھوڑی دیر کے بعد المقتدر کے لوگوں نے ارادہ کیا کہ دجلہ میں کشتیوں پر سوار ہو کے چڑھاؤ کاٹتے ہوئے جائیں اور ابن طاہر والے محل پر جس میں ابن معتز تھا حملہ کر دیں۔ چپکے ہی چپکے اُنھوں نے صد ہا کشتیاں جمع کریں اور انھیں کھیتے اور کھینچے

پہونچ جا پہونچے۔ المعتز کے ہمراہیون نے ان لوگون کی کثرت دیکھی تو قبل اس کے کہ المقتدری لوگ پہونچین دور ہی سے دیکھ کے بھاگ کھڑے ہوے۔ المعتز کی پاس اُس کا سب سے بڑا حامی حسین بن حمدان تھا سب سے پہلے وہ بھاگا اور اُسے دیکھ کے اورون نے بھی راہ فرار اختیار کی۔ اور بعض لوگون کا خیال ہے کہ وہ المقتدر باللہ سے مل گیا تھا اور پہلے ہی سے طے ہو گیا تھا کہ وہ بھاگ کھڑا ہو گا۔

بہر تقدیر جب سب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تو مجبوراً عبداللہ بن المعتز گھوڑے پر سوار ہو کے قصر خلافت سے باہر نکلا۔ اس کا وزیر محمد بن داؤد ہمراہ رکاب تھا۔ اور آگے آگے ایک غلام پکارتا جاتا تھا کہ "عوام الناس اپنے سُنّی اور بربہاری خلیفہ کو دعاے دولت دو"۔ بربہاری کہنے کی یہ وجہ تھی کہ اُن دنون عوام بغداد اور خاصۂ حنبلیون کا سرغنا قاسم بن عبیداللہ بربہاری تھا اور سارے شہر کا اُس پر اثر پڑا ہوا تھا۔ ابن المعتز کو بربہاری ظاہر کرنے کی یہ وجہ تھی کہ بغداد کے عام لوگ اس کے طرفدار ہو جائین۔ اور غالباً ابن المعتز ان لوگون کا ہم خیال وہم عقیدہ بھی تھا۔ لیکن وہ غلام ہزار پکارتا اور غل مچاتا رہا مگر کسی نے بھی ابن معتز کی طرف رخ نہین کیا۔

اس کے بعد ابن معتز نے آبادی سے نکل کے صحرا کی راہ لی تا کہ فوج والے جو اُس کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہین شہر چھوڑ کے باہر نکل آئین اور اُس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہون مگر ایک شخص بھی نہ آیا۔ اب مجبور ہو کے اس نے ارادہ کیا کہ اگر کچھ فوجی لوگ مل جائین تو اُن کے ساتھ سُرمن رائی مین چلا جاے جو سب سے بڑا فوجی مرکز تھا اور فوج سے مدد ملنے کی قوی امید تھی کیونکہ سب نے بالاتفاق اور بغیر کسی اختلاف کے اُسے خلیفہ بنایا تھا۔ مگر کسی سپاہی نے ساتھ نہ دیا۔ آخر مجبور ہو کے خلیفہ اور وزیر دونون نے روپوش ہونے کا ارادہ کیا۔ محمد بن داؤد وزیر تو اپنے گھر مین جا کے چھپ رہا مگر غریب ابن معتز کے لیے کوئی گھر بھی نہ تھا۔ گھوڑے سے اُتر کے اپنے غلام "یمن" کے ساتھ چلا کہ کوئی پناہ کی جگہ ڈھونڈھ نکالے۔ اتفاقاً جواہرات کے تاجر ابوعبداللہ جصاص کا مکان سامنے نظر آیا اور وہین جا کے آقا اور غلام روپوش ہو گئے۔

اب اس وقت ابن معتز اور اُس کا وزیر ہی نہین بلکہ اُس کے تمام طرفدار چھپتے پھرتے تھے۔ اکثر اپنے ہی گھرون مین کنڈیان بند کر کے بیٹھ رہے اور بعض نے

دوسرون کے گھرون مین پناہ لی - اور سارے بغداد مین لوٹ مار ہونے لگی - دکانین اور مکان لٹنے لگے - راہگیرون پر حملے ہونے لگے - اور ہر طرف قتل و غارت کا بازار گرم تھا - موقع دیکھ کے عیارون نے الگ سر اُٹھایا - ادنی طبقہ کے اراذل شرفاد معززین پر چیرہ دستی کرنے لگے - کوتوال ابن عمرویہ نے معتز کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اسی کے لوگون مین مشہور تھا مگر اس وقت اُس نے یہ حرکت کی کہ اپنے جتھے اور بہتیرے کے جوانون کو جمع کر کے بجاے المعتز کے المقتدر کے نام کے نعرے بلند کرنے لگا - عوام نے اُس کی یہ حرکت دیکھی تو بگڑے اور اُسے ریاکار اور جھوٹا کہہ کے سب طرف سے اُس پر ٹوٹ پڑے - شہر کا یہ رنگ دیکھ کے ابن عمرویہ بھاگ کھڑا ہوا - المقتدر نے فوراً اپنے ایک معتمد مخصوص ترکی سردار مونس خازن کو کوتوالی کا خلعت دیا اور ساتھ ہی المقتدر اپنے لشکر کو ساتھ لے کے قصر شاہی سے نکلا اور المعتز کے طرفدارون کو گرفتار کرنے لگا - وصیف بن صوار تکین کو پکڑ کے قتل کر ڈالا - قاضی ابو عمر و علی ابن عیسی قاضی محمد بن خلف کو پہلے تو اسیر کر لیا پھر قصور معاف کر کے جان بخشی کی - پھر قاضی مثنی احمد بن یعقوب کو قتل کرایا اس لیے کہ اُنھون نے المقتدر کی نسبت کہا تھا کہ "ہم ایک لونڈے کے ہاتھ پر بیعت نہین کر سکتے"

یہ دھر پکڑ ہو ہی رہی تھی کہ "سوسن" نام ابن جصاص کے ایک غلام نے مقتدر کے ایک سوار فوج صافی حرمی کو خبر دی کہ میرے مالک کے گھر مین ابن المعتز اور اُن کے بہت سے رفقا چھپے ہوے ہین - فوراً ابن جصاص کا مکان گھیر لیا گیا - اور چند ہی منٹ کے اندر سپاہیون نے اندر گھس کے ابن المعتز کو پکڑ لیا - رات تک گرفتار رکھا - اور رات کے اندھیرے مین اُسے گلا گھونٹ کے مار ڈالا - یہ سزا اُس شخص کو دی گئی جو سب سے بڑا ادیب اور علم و فضل مین مقبول انام تھا - مرنے کے بعد اُس کی لاش کپڑے مین لپیٹ کے اُس کے گھر بھیج دی گئی - عزیزون نے اپنے مکان کے سامنے ہی ایک گھورے مین دفن کر دیا - اور یون ابن المعتز کی ۲۴ گھنٹہ کی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔

مورخین کا خیال ہے کہ ابن المعتز کے واقعہ نے بغداد مین دو عجیب قسم کی متضاد باتین ظاہر کین - اول تو یہ کہ جس وقت لوگون نے ابن المعتز کے ہاتھ پر بیعت کی

اُس وقت معلوم ہوتا تھا کہ جیسے سارے بغداد مین کوئی اُس کے مخالف نہین اور کل معززین عراق نے بالاتفاق اُسے خلیفہ بنایا ہے۔ لیکن چند ہی گھنٹون کے بعد جب اُس کی حالت بگڑی تو معلوم ہوتا تھا کہ جیسے دنیا مین کوئی اُس کا دوست نہین ہے دوسرے یہ کہ ابن المعتز نہایت ہی متعصب سُنی تھا۔ یہان تک کہ اُس کے عقائد مین ناصبیت پائی جاتی تھی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوء ظن رکھتا تھا اور اکثر آپ پر زبان طعن وتشنیع دراز کرتا مگر ابن حمدان نے بڑے جوش وخروش کے ساتھ اُس کے ہاتھ پر بیعت کی جو نہایت ہی سخت اور متعصب شیعہ تھا۔

ابن المعتز کے قتل کے بعد بھی اُس کے طرفدارون پر ظلم وستم ہوتا رہا۔ ابن الجصاص سے جس کے مکان مین وہ روپوش ہوا تھا بہت سا روپیہ جرمانہ مین وصول کیا گیا۔ محمد بن داؤد جسے ابن المعتز نے خلعت وزارت دیا تھا گرفتار کر کے قتل کیا گیا۔ علی بن عیسی جلاوطن کر کے شہر موصل مین بھیج دیا گیا جہان سے چند روز بعد مقتدر کے وزیر ابن فرات سے سفارش اُٹھوا کے بصرے اور وہان سے مکہ معظمہ مین جا کے سکونت پذیر ہو گیا۔ قاضی ابو عمر پر ایک لاکھ اشرفی جرمانہ ہوا۔

اب ابن المعتز کے معزز طرفدارون مین سے حسین بن حمدان باقی تھا اُس کی گرفتاری کے لیے موصل اور دیگر بلاد مین فوج بھیجی گئی مگر پتہ نہ لگا۔ تب وزیر مقتدر نے حسین مذکور کے بھائی ابوالہیجا کو لکھا جو حاکم موصل تھا کہ جس طرح بنے اپنے بھائی کو حاضر کرو اس حکم کے مطابق وہ اُس کی تلاش مین روانہ ہوا۔ اور حسین نے شہر سنجار مین پہونچ کے سُنا کہ میرا بھائی میرے تعاقب مین ہے۔ گھبرا کے وہان کے صحرا یعنی دشت سنجار مین چلا گیا۔ ابوالہیجا بھی ارادے کا ایسا پکا تھا کہ وہ دشت کی خاک چھاننے لگا اور دس روز کی دشت نوردی کے بعد اُس کے سر پر جا پہونچا۔ دونون بھائیون کے لشکرون مین لڑائی ہوئی جس مین ابوالہیجا فتحیاب ہوا۔ اور حسین کے چند سپاہی اُس کے ہاتھ مین اسیر ہو گئے اب ابوالہیجا بھی تعاقب کرتے کرتے عاجز آ گیا تھا اُس دس ہزار دینار جرمانہ وصول کر کے موصل مین واپس چلا آیا۔ اس کے بعد وہ بغداد مین آ رہا تھا کہ راستہ مین تکریت کے قریب پھر حسین سے مٹھ بھیڑ ہو گئی۔ ابوالہیجا اب کی بھی غالب رہا۔ بھائی کے بہت سے

ہمراہیون کو قتل کیا۔ اور خود اُسے اسیر کرکے ابن الفرات وزیر کے پاس بھیجا کہ امیرالمومنین کی خدمت مین سفارش کرکے اُون کا قصور معاف کرادیجیے۔ اسی موقع پر اور بھی بہت سے لوگون کے قصور معاف کیے گئے جن مین پُرانا کوتوال ابن عمرویہ بھی تھا۔ قصور معاف ہونے کے بعد حسین بن حمدان بغداد ہی مین رہا یہان تک کہ علاقہ قم کا والی بناکے بھیجا گیا۔ اپنے مستقر کی طرف روانہ ہوتے وقت اُس نے وہ فہرست دریاے دجلہ مین غرق کردی جس مین اُن لوگون کے نام درج تھے جنھون نے مقتدر کے خلاف اُس کا ساتھ دیا تھا۔

ابن معتز کے باپ کا شمار تو خاندان عباسیہ کے خوبرویون مین تھا ہی وہ بھی بڑا خوش جمال تھا۔ رنگت کھلتی ہوئی گندم گون تھی۔ بال جلد ہی سفید ہوگئے تھے چنانچہ چالیس برس کی عمر مین جب وہ تخت خلافت پر بٹھا کے قتل کیا گیا ہے خضاب لگاتا تھا۔

علم ادب مین اس کا پایہ اس قدر بلند ہے کہ اُس کے اقوال حجت اور سند کے طریقے سے پیش کیے جاتے ہین۔ کہا کرتا کہ شعراے عرب مین سے چار ایسے ہین کہ اُن کی نسبت اُن کے اقوال کی بنا پر جو کچھ شہرت ہے وہ واقعات اور اُن کے افعال کے بالکل خلاف ہے یعنی اُنکے اقوال اُن کے افعال کے مخالف ہین۔ پہلا ابوالعتاہیہ جس کے اشعار سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بہت ہی بڑا عابد وزاہد اور متقی و پرہیزگار تھا لیکن اصل مین ملحد و بے دین تھا۔ دوسرا ابو نواس اشعار دیکھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا بھر سب سے بڑا امرد پرست مغلم ہے حالانکہ حد درجہ کا زانی تھا اور اغلام سے اُسے کچھ بھی سروکار نہ تھا۔ تیسرا ابوحکیمہ کاتب اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت ہی پاکدامن ہوگا مگر حقیقت پوچھیے تو بکرے سے بھی زیادہ پُرشہوت تھا۔ چوتھا محمد بن حازم اشعار دیکھ کے خیال گزرتا ہے کہ بڑا ہی قانع اور بے پروا شخص ہوگا لیکن واقعہ یہ ہے کہ کتے سے بھی زیادہ حریص تھا۔ مگر مورخین ابن حازم کا ایک ایسا واقعہ بیان کرتے ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا ہی بے پروا اور قانع شخص تھا۔ خیر چاہے جو کچھ ہو مگر ابن معتز کا یہ قول علمی دنیا مین نہایت مشہور رہا۔ اور جن لوگون کی نسبت اُس نے جو کچھ کہہ دیا ہے نہ بھی تھا تو اُن پر تھپ گیا۔

عبداللہ بن المعتز نے دنیا مین بہت سے تصانیف بھی چھوڑے۔ اُس کا دیوان مقبولیت عامہ کی وجہ سے چھپ گیا اور اہل ادب کے ہاتھون مین موجود ہے۔

دیگر تصانیف کی نسبت نہین معلوم کہ ہین یا نہین۔ مگر ان کی فہرست جو ابن خاکان نے دی ہے حسب ذیل ہے۔

(۱) کتاب الزہرو الریاض (پھولون اور باغ کی کتاب) (۲) کتاب البدیع (فن بدیع مین) (۳) کتاب مکاتبات الاخوان بالشعر (اشعار مین بھائیون کی مراسلت کی کتاب) (۴) کتاب الجوارح والصید (شکاری جانورون کی کتاب) (۵) کتاب السرقات (سرقون کی کتاب) (۶) کتاب اشعار الملوک (بادشاہون کے اشعار کی کتاب) (۷) کتاب الآداب (۸) کتاب اعلی الاخبار (۹) کتاب طبقات الشعرا (۱۰) کتاب الجامع فی الغناء (علم موسیقی مین ایک حاوی کتاب) (۱۱) ارجوزۃٌ فی ذمّ الصبوح (مختصر رسالہ شراب صبوحی کی مذمت مین)

چند انگلی تمنائین

اکثر لوگون کا خیال ہے کہ دعا قبول ہونے اور آرزو برآنے کو وقت اور جگہ سے تعلق ہے۔ کسی کی آرزو برآتی ہے تو زبان سے نکل جاتا ہے کہ کس گھڑی دعا مانگی تھی کہ پوری ہی ہو کے رہی؟ یا فلان متبرک مقام مین دعا مانگی تھی کیون نہ پوری ہوتی؟ دعاؤن کا برلانے والا وہ قادر مطلق ہے جو ہر ایک کی سُن لیتا ہے اور ہر جگہ سُن سکتا ہے۔ مگر اس مین شک نہین کہ بعض اوقات اور بعض جگہ التجا کرنے سے کچھ ایسی خوبی کے ساتھ انسان کی مراد برآتی ہے کہ پھر وہ ہمیشہ دعا کے لیے مناسب وقت اور موزون مقام کا جویا ہو جاتا ہے۔

جن دنون جناب معویہ بلا شرکت غیرے خلیفہ اور ممالک اسلام کے سیاہ و سفید کے مالک تھے اُن دنون مکۂ معظمہ کا واقعہ ہے کہ ایک دن بیت اللہ شریف مین رسول اللہ کے پھوپھی زاد بھائی زبیرؓ بن عوام کے تینون بیٹے عبداللہ عروہ مصعب اور مروان بن حکم کا بیٹا عبدالملک ایک صحبت مین بیٹھے باتین کر رہے تھے۔ ان چارون کا شمار معزز نوجوانان قریش اور صاحبزادگان اُمت مین تھا۔ عبداللہ بن زبیر سب مین بڑے تھے اور صحابیت کا فخر رکھتے تھے۔ لیکن صحابہ مین بھی اُنھین یہ خصوصیت تھی اور یہ امتیاز حاصل تھا کہ اُم المومنین عائشہ صدیقہ کے بھانجے ہونے کی وجہ سے اُن کا نشوونما آغوش نبوت ورسالت مین اور جناب سرور کائنات صلعم کے گھر مین ہوا

تھا۔ چونکہ ہجرت کے بعد سال بھر تک مسلمان اولاد سے محروم رہے تھے۔ اور بڑی تمناؤن کے بعد سب سے پہلے مسلمانون مین جو بچہ پیدا ہوا وہ عبداللہ بن زبیر تھے اس لیے اُن کی ولادت پر مسلمانون نے بڑی خوشیان منائی تھین اور سارا مدینہ تکبیر کے نعرون سے گونج اُٹھا تھا۔ اس کے علاوہ اُن کے ذریعہ سے علوم نبوت کا ایک معتدبہ حصہ بعد والون کو ملا تھا بہر تقدیر وہ معززین صحابہ مین تھے۔

عروہ بن زبیر اُن کے سگے بھائی تھے۔ اُنھین صحابیت کی عزت تو نہین حاصل ہوئی مگر اتنے بڑے صاحب علم و فضل اس پایہ کے فقیہہ و محدث اور ایسے عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار تھے کہ کبار تابعین مین شمار کیے جاتے تھے اور علوم دین حاصل کرنے کے لیے لوگ دور دور کا سفر کر کے اُن کے پاس آتے اور اُن کے چشمہ علم سے بہرہ یاب ہوتے۔

مصعب بن زبیر بھی اُن کے بھائی تھے اور گو حضرت صدیقہ کے بھانجے نہ تھے مگر ایک جلیل القدر صحابی اور قریش کے شریف گھرانے کے فرزند ہونے کے باعث معزز و محترم مانے جاتے۔ اور اُن کے مزاج مین نفاست اور شجاعت کے دو ایسے جوہر تھے جو اُنھین اقران و امثال سے ممتاز ثابت کر رہے تھے۔

چوتھا شخص عبدالملک حضرت عثمان کے سالے کا بیٹا اور برسر حکومت خاندان بنی امیہ کا ایک بلند حوصلہ رکن تھا جو بعد کے زمانے مین دنیا کا سب سے بڑا شہنشاہ اور بنی امیہ کا سب سے زیادہ زبردست خلیفہ ثابت ہوا۔

مگر اس وقت ان مین سے کسی کو بھی اپنی آیندہ زندگی کی مطلق خبر نہ تھی۔ اور نہ یہ جانتے تھے کہ ہم چارون مین بعد کو کیسے واقعات پیش آنے والے ہین اور کیسی سخت خونریزیان ہونے والی ہین۔ ان دنون یہ چارون نوجوان سیدھے سادے نوجوانان قریش تھے۔ لطف و محبت سے باہم ملتے جلتے تھے۔ اور ایک دوسرے کی صحبت سے لطف اٹھاتے تھے۔ باتون باتون مین کسی نے کہا ”اچھا آؤ۔ ہم سب اپنی اپنی تمنائین بیان کرین۔ دیکھین کون کیا چاہتا ہے۔ اور کس کی مراد بر آتی ہے“ یہ سُن کے عبداللہ بن زبیر بولے ”بھئی مین تو یہ چاہتا ہون کہ حرمین (مکہ و مدینہ) ک

حاکم ہون اور عنان خلافت میرے ہاتھ مین ہو" اُن کے سوتیلے بھائی مصعب بن زبیر نے کہا "اور میری تمنا یہ ہے کہ عراقین (عراق عرب و عراق عجم) کا حاکم ہون - اور قریش کی دونون معزز خاتونین سُکینہ بنت حسین اور عائشہ بنت طلحہ میری بی بیان ہون" عبدالملک بن مروان بولا "میری آرزو تم دونون سے بڑھی ہوئی ہے - مین تو چاہتا ہون کہ ساری دنیا کا بادشاہ ہو جاؤن - اور معاویہ کا جانشین ہون" ان تینون کی آرزوئین سُن کے عروہ بن زبیر بولے "میرے دل مین تم لوگون کی سی دنیوی ہوسین نہین - مین تو بس اتنا چاہتا ہون کہ دنیا مین زہد و تقویٰ کے زیور سے آراستہ رہون - عقبیٰ مین جنت نصیب ہو - اور اُن لوگون مین شمار کیا جاؤن جن سے علوم دینیہ کی اشاعت ہو"

چارون نے اپنی اپنی آرزوئین خدا جانے کس مقبولیت کی گھڑی مین ظاہر کی تھین کہ محروم کوئی نہین رہا - جو جس چیز کو چاہتا تھا اُسے ضرور حاصل ہوئی - یزید بن معٰویہ کے بعد عبداللہ بن زبیر مدت تک حرمین کے حاکم رہے - خلافت کا دعویٰ کیا - اور مسلمانان عرب نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی - مصعب بن زبیر اپنی آرزو کے مطابق بھائی کی طرف سے عراقین کے حاکم اور والی ہو گئے - اور دولت مندی کے زمانے مین جناب سکینہ بنت حسین اور عائشہ بنت طلحہ دونون اُن کے عقد نکاح مین آئین - عبدالملک کی مراد بھی خدا نے پوری کر دی - یزید کے بعد دمشق مین مروان خلیفہ بن گیا اور اُس کے بعد عبدالملک بن مروان کو خلافت ملی جس نے عبداللہ بن زبیر کو شہید کر کے ایسے زور و شور سے خلافت کی کہ چین سے اندلس تک اُسی کا حکم چل رہا تھا اور جو حصہ ارض اُس کی قلمرو سے باہر تھا وہان کے سلاطین بھی اُس سے ایسے خائف و ترسان تھے کہ غالباً یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ وہ ساری دنیا کا بادشاہ تھا - رہے عروہ بن زبیر اُنھون نے بعد کے جھگڑون مین ذرا بھی دخل نہین دیا - دین کی پیروی کرتے تھے اور دین کی تعلیم دیتے تھے - صحابہ کی بتائی ہوئی حدیثون اور علوم رسالت کو بعد والون مین پوری امانت داری کے ساتھ پہونچاتے تھے - اُنھین نہ بھائی سے سروکار تھا اور نہ عبدالملک سے - نہ عبداللہ بن زبیر کے ساتھی تھے اور نہ عبدالملک کے مخالف جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اُن کے بھائیون کا قاتل اور تمام اکابر صحابہ کا دشمن عبدالملک اکثر اُنا

کہا کرتا " جو کوئی چاہتا ہو کہ کسی جنتی شخص کو دیکھے تو وہ جا کے عُروۃ بن زبیر کا چہرہ دیکھ لے "۔ عروۃ عبد اللہ بن زبیر کے سگے بھائی تھے اس لیے غیر ممکن ہے کہ عبد الملک اُن سے کھلکتا نہ ہو۔ مگر اُن کی بے نفسی و پرہیزگاری کا وہ بھی معترف تھا۔ سچ کہتے ہین کہ " الفضلُ ما شہدت بہ الاعداءُ " (حقیقی فضیلت وہی ہے جس کے دشمن بھی معترف ہون)

توحید

اس موقع پر نہ ہم نے اپنے کرم فرما مولانا حسن نظامی کے اخبار توحید پر ریویو لکھنے کے لیے قلم اُٹھایا ہے اور نہ وحدت باری تعالی کی تعلیم و تلقین کے لیے۔ بلکہ ہم اس وقت مسئلۂ توحید کی تاریخ کے متعلق اپنے چند خیالات ظاہر کرنا چاہتے ہین۔

خدا کے ایک جاننے اور ایک ہی خدا ماننے کو توحید کہتے ہین۔ ظاہر مین دیکھیے تو کس قدر سادی اور کتنی سیدھی بات ہے کہ ہمارا اور سارے عالم کا پیدا کرنے والا ایک ہی خدا ہے۔ اُس کا کوئی شریک دھرتا نہین۔ کل موجودات اُسی کے بنائے ہوئے اور اُسی کے تابع فرمان ہین۔ مگر پھر بھی اس سیدھے سادے مسئلہ مین انسانی جہالت نے (جسے وہ حماقت سے عقل آرائی خیال کرتا ہے) ایسے اُلجھاؤ ڈال دیے ہین کہ اگر مذاہب اور مقتدایان مذاہب کے دعوون کو دیکھیے تو سب موحد ہین اور ساری دنیا مین کوئی مشرک نہین۔ لیکن اگر اُن کی حالت کو دیکھیے تو ایک بھی موحد نہین نظر آتا۔

اس مین شک نہین کہ توحید کوئی ایسی اچھی چیز ہے کہ جی سب کا یہی چاہتا ہے کہ ہم موحد ہون اور ہمارا خدا ایک ہو۔ فطرت انسانی کی کمزوریون نے سیکڑون ہزارون باطنی قوی اور روحانی پہلوان تسلیم کر لیے۔ انسان جس سے مغلوب ہوا۔ جس سے دبا جس سے ڈرا۔ یا جس کا معترف ہوا اُس کے آگے سر جُھکا کے کھڑا ہو گیا۔ اُس نے سنسان بیابانون۔ خاموش جنگلون۔ سراپا عظمت پہاڑون۔ خوفناک گھاٹیون نا پیدا کنار سمندرون۔ اور ہمیشہ بہنے والی ندیون مین مرعوبیت کی آنکھون سے دیو اور دیوتا دیکھے۔ پریان اور دیویان دیکھین۔ جسمانی عالم مین اپنے خیال کی مدد سے اُن کے تشخصات پیدا کر لیے۔ اور اُن کے آگے سجدے کرنے لگا۔ یہ سب ہے لیکن زبان سے یہی کہے جاتا ہے کہ " ہم موحّد ہین " اور " ہمارا خالق ایک ہی ہے "۔

باوجود ان مشرکانہ حرکات کے وہ مانتا ہے کہ خدا کو ایسا ہونا چاہیے کہ کوئی چیز اور کوئی طاقت اُس کی قوت و حکومت سے باہر نہ ہو۔ کوئی طاقت اُس کی مزاحم نہ ہو سکے۔ اور جب ایسا خدا ہوگا تو لازم ہے کہ کوئی دوسرا خدا نہ ہو کیونکہ دوسرا ہو تو اگر وہ پہلے کی قدرت و حکومت سے باہر ہے تو پہلے خدا کی خدائی میں فرق آجائے گا اور وہ پورا خدا ہی نہ باقی رہے گا۔ اور اگر وہ پہلے خدا کا تابع فرمان اور مخلوق ہوگا تو وہ دوسرا خدا خدا نہ باقی رہے گا۔ کہنے کو تو کہہ دیا جا سکتا ہے کہ دونوں کی قلمرو جدا ہوگی۔ ان کے حدود و اختیارات مقرر و معین ہوں گے اور اپنی اپنی قلمرو پر دونوں پوری قوت کے ساتھ قابض و متصرف ہوں گے لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ اس طرح دونوں خدا خدا باقی نہ رہیں گے۔ اس لیے کہ پہلے خدا کی حکومت سے دوسرے کی قلمرو باہر ہوگی اور دوسرے کی حکومت سے پہلے کی قلمرو۔ اور جس کی حکومت سے کوئی چیز باہر ہو وہ خدا نہیں ہے۔

اسی ضرورت اور اسی شبہہ کی وجہ سے دنیا میں شاذ و نادر ہی کوئی ایسا شخص ملے گا جو دو خداؤں کو اپنی زبان سے تسلیم کرتا ہو۔ ایسے لوگ مل جائیں گے جو خدا کے منکر ہوں اور بخت و اتفاق کو اپنا خالق بنا کے کسی قادر و توانا خدا کے ماننے ہی سے انکار کر دیں۔ لیکن ایسے لوگ چراغ لے کے ڈھونڈھیے تو بھی نہ ملیں گے جو دو برابر کے خدا مانتے ہوں۔ یا توحید کے ماننے میں تردد اور پس و پیش کرتے ہوں۔

تاریخ پر نظر ڈالیے تو ہر قوم اپنے آغاز میں بت پرست نظر آئے گی۔ لیکن اُن وقتوں کے حالات اس قدر کم معلوم ہیں کہ ہم ہر پرانی قوم کے اصلی عقائد سے واقف نہیں ہیں۔ اس بات کو ہم مانتے ہیں کہ انسان نے جب حیوانیت چھوڑ کے انسانیت کا جامہ پہنا تو اپنی عقل کی کمزوری سے ہر اُس چیز کو جو مہیب یا باعظمت نظر آئی اُس کے آگے سر جھکانے اور اُس کی پرستش کرنے کو تیار ہو گیا۔ لیکن اُس کی اس ضعیف الاعتقادی سے ہم یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ کبھی وہ ایک سے زیادہ خداؤں کا بھی قائل تھا۔

اگلی دنیا کے بعض بادشاہوں نے بھی خدا بننے کی کوشش کی۔ جیسا کہ نمرود و فرعون کے طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ وہ پولیٹیکل خدا تھے۔ دل میں اپنی مجبوریوں اور کمزوریوں کے معترف تھے مگر اپنی رعایا کے مطیع فرمان رکھنے کے لیے چاہتے تھے کہ خدا نہیں بلکہ ہم اپنی قوم کے معبود بن جائیں۔ تاریخ ہی بتا رہی ہے کہ ایسے

دنیوی خدا جہان خدائی کا دعوی کرتے تھے وہان بت خانون مین جاکے بتون کی پرستش بھی کیا کرتے تھے۔

تاریخ کی جستجو مین اگر ذرا اس سے مدد لی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے پہلے اُن چیزون کی پرستش کی جن سے خائف و مرعوب ہوا۔ پھر اُن لوگون کی جو قوت مین سب پر غالب تھے۔ اور اسی سلسلہ مین اپنے بزرگون مورثون اور معزز نامور لوگون کو پوجنے لگا۔ لہذا جیسے معبود وہ بزرگ معزز اور نامور لوگ تھے ویسے ہی معبود بادشاہ بھی بن جایا کرتے تھے۔ مگر اس معبودیت کے ساتھ قومی دیوتاؤن کے آگے بادشاہ اور رعایا۔ راجہ اور پرجا سب سجدے کیا کرتے تھے۔

یہود کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ اُن کی تاریخ سے بابل و نینوا اور مصریین کی تاریخون پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو موحد اور مابقی تمام اقوام عالم کو بت پرست بتاتے ہین۔ مصر مین بڑے بڑے دیوتا تھے۔ بابل مین ہر جگہ بت تھے۔ یہود کے قریب ہی فنیقیون اور کنعانیون مین دیوتاؤن کی پرستش ہوتی تھی۔ اور اسرائیلی اُن سب کو بت پرست اور اپنے آپ کو موحد و حق پرست بتاتے تھے لیکن جس طرح اُن قومون کی بت پرستی کے پردے مین توحید تھی ویسے ہی اسرائیلیون کی توحید بھی ہمین مغشوش نظر آتی ہے۔ اس لیے کہ اسرائیلیون کا خدا "یہوا" اُن کے بیان سے خدا نہین بلکہ اُن کا قومی دیوتا نظر آتا ہے۔ جو اور قومون کا نہین صرف اُن کا خدا تھا۔ جو اورون کے خداؤن پر غالب تھا۔ اور اُن سے وعدہ کرتا تھا کہ مین تمھین سب قومون پر غالب اور سب سے برگزیدہ بنا دون گا۔

اس کے بعد یونانیون اور رومیون کا زمانہ ہے۔ یونانی بھی توحید کے قائل تھے اگرچہ اُن کا خدا صرف علت تخلیق تھا اور جملہ صفات سے معرا تھا۔ اور رومیون کا خدا بھی ویسا ہی تھا۔ دونون کے نزدیک عالم تخلیق مین دیوتاؤن اور دیویون کی حکومت تھی۔ نامور انسان زبردست سپاہی اور بلند حوصلہ بادشاہ بھی دیوتا بن جاتے۔ اور اپنے روحانی اقتدارات سے دنیا پر اپنے اپنے علاقون مین حکومت کرتے۔ اور دنیا والون کو مدد دیتے۔

مسیحیت نے دنیا مین آکے ابتداءً بڑے زور و شور سے توحید کا نعرہ بلند کیا۔ اور

تمام مروج و معاصر مذہبون کو مشرک بتایا - مگر سچ یہ ہے کہ یونانی ہون یا رومی اُن کے افعال مشرکانہ تھے عقیدہ مشرکانہ نہ تھا اس لیے کہ وحدت باری تعالی مین اُنھین ہرگز شک نہ تھا -

سب سے بڑا الزام شرک کا مجوس کو دیا گیا جن کا مذہب ہزار سال سے فارس اور خراسان وغیرہ مین جاری تھا - لیکن اس الزام دینے مین زیادہ دخل مسیحیو نکی کی تحقیق کو نہین بلکہ تعصب کو تھا - مسلمانون مین بھی آتش پرستی کو "ثنوی المذہب" یا دو خداؤن کا ماننے والا مذہب کہا جاتا ہے - خود زرتشتی اپنے آپ کو اس الزام سے بری بتاتے ہین - اور اگر غور سے دیکھیے تو جیسا الزام ان کو دیا گیا ہے - حقیقت مین وہ ویسے ملزم نہین ہین - اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ دنیا مین نیکی و بدی دو متضاد چیزین ہین جن کو اُنھون نے نور و ظلمت سے تعبیر کیا - خدا تعالی چونکہ صرف صفات حسنہ سے متصف ہے اس لیے نور کو اُنھون نے اُس کا جلوہ بتایا - اور شیطان چونکہ ضلالت و بدی کا مجموعہ لہذا اُس کا مظہر ظلمت کو قرار دیا - یہ وہ مانتے ہین کہ خدا سب پر غالب ہے اور شیطان و ظلمت پر بھی وہ غالب آئے گا - فی الحال خدا کی مرضی کے خلاف ظلمت موجود ہے اور شیطان لوگون کو گمراہ کرتا رہتا ہے - ایسا نہین ہے کہ شیطان و ظلمت اُس کی حکومت و قدرت سے باہر ہون مگر ہان نافرمان اور اُس کے حکم سے باہر ضرور رہین - ایک دن آنے والا ہے جب شیطان پکڑ کے مارا جائے گا اور ظلمت دور ہو گی - اگر غور سے دیکھیے تو اس مسئلہ مین حقیقت کا دعوی کرنے والے دیگر مذاہب سے وہ اچھے ہی ہین لیکن اسکا کیا علاج کہ اُن کو الزام دے کے دو خداؤن کا ماننے والا اور مشرک بتا دیا گیا -

فرق اتنا ہے کہ عیسائیون اور مسلمانون مین شیطان کی تخلیق کا ایک واقعہ بیان کر دیا گیا ہے اور زرتشتیون مین کوئی ایسا قصہ نہین جس سے پتہ چلتا ہو کہ اہرمن (اُن کے شیطان) کو یزدان (اُن کے خدا) نے پیدا کیا تھا - اُن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا سے اہرمن اسی شان مین چلا آتا ہے ہان آخر مین البتہ مفتوح ہو کے مارا جائے گا - لیکن جب وہ اُسے فانی مان رہے ہین تو اُسکے آغاز کا پتہ نہ لگنے سے یہ لازم نہین آتا کہ اُن کے نزدیک وہ ازلی و ابدی خدا ہی تھا

اس مین شک نہین کیا جا سکتا کہ ابتداءً مسیحیت کی توحید غیر مغشوش اور مکمل تھی لیکن چند ہی روز مین نظر آ گیا کہ بعوض اس کے کہ وہ اپنی توحید کا اثر دوسرون پر ڈالے خود ہی دوسرون کے شرک سے متاثر ہو کے مغشوش ہو گئی - ایک ہی صدی گزری تھی کہ اُس کی توحید مین تثلیث کا جوڑ لگ گیا - اور زرتشتیون کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ خیر ہم تو ثنوی ہی (دو خداؤن والے) تھے مگر تم تثلیث والے ہو - اب پھر ساری دنیا مین توحید برائے نام تھی اور ظاہری صورت مین جسے دیکھیے مشرک تھا -

عرب کے جہلا علم و فضل سے محروم اور متمدن و مہذب قومون سے دور رہنے کے باعث اب تک پُرانے مذاق کی بت پرستی مین مبتلا تھے - اُن مین درخت حجا نور اور بت سب ہی طرح کے معبود تھے - ظاہر مین معلوم ہوتا ہے کہ وہ پورے پورے مشرک ہو گئے لیکن قرآن مجید جو اُن کے مذہب کے استیصال کے لیے آیا تھا وہی بتا رہا ہے کہ ایک سے زیادہ خداؤن کے وہ قائل نہ تھے - اور اگر اُن سے پوچھا جاتا کہ تمھارا خالق کون ہے تو جواب دیتے کہ "خدا ے وحدہٗ لا شریک" اس کے بعد جب الزام دیا جاتا کہ "پھر تم ان مورتون کو کیون پوجتے ہو؟" تو کہتے " اس لیے کہ یہ بت خدا کی درگاہ مین ہماری شفاعت کرین گے"!

اس بیان سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ اسلام سے پیشتر کے تمام مذاہب بت پرست ہون یا خدا پرست توحید کے سب قائل تھے - شرک صرف عبادت اور پرستش مین تھا عقائد مین نہین - یہ بھی نظر آ گیا کہ پُرانے مذاہب حقہ بھی مشرکون کے اثر سے متاثر ہو کے اپنی اصلی توحید کو بھول بیٹھے تھے - عقائد مین اگر شرک تھا بھی تو اُسے وہ ایک متشابہ عقیدہ خیال کرتے - مثلاً عیسائیون نے تثلیث کو مانا بھی تو توحید کے لفظ کو نہ چھوڑا - اور تثلیث کے ساتھ ہی یہ بھی کہتے رہے کہ ہم ایک خدا کو مانتے ہین - اور جب تثلیث و توحید کہ باہم متضاد ہونے کی نسبت سوال کیا گیا تو سینٹ کرسٹین نے کہہ دیا کہ "یہ مسئلہ اس لیے ہے کہ دنیا مین مانا جاے اور آخرت مین جا کے سمجھا جاے"! اسی طرح زرتشتیون کو ساری دنیا ثنوی المذہب کہتی تھی - وہ خود بھی اہرمن (شیطان) کو اتنی وقعت و عظمت دیتے اور اُس سے اس قدر ڈرتے تھے کہ اُن کے طرز عمل سے دھوکا ہوتا کہ شاید یہ اہرمن کو خدا ہی کے برابر کی قوت مانتے ہین لیکن اگر اُن سے

پوچھا جاتا تو یہی جواب دیتے کہ ہمارا خدا ایک ہے۔ اور اہرمن تو ایک دشمن حق برائی ہے جو فانی ہے۔

الغرض عقیدۃً خدا کے ایک ماننے مین سب متحد ہین۔ شرک کا جو کچھ اظہار ہوتا ہے عبادات اور طرز عمل سے۔ اس راز تک سب سے پہلے بنی اسرائیل پہونچے جو قدیم الایام مین بت پرستی کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ مگر سچ یہ ہے کہ یہ توحید کی اصلی شان کو مکمل طریقہ سے پہلے پہل اسلام نے سمجھا۔ اور اُس نے بتایا کہ زبان اور عقیدے سے ہم چاہے کتنے ہی خدائے واحد کے قائل ہون ہمارا طرز عمل ہمارا طریقۂ عبادت اور ہماری معاشرت مشرکانہ ہو تو توحید باطل ہو جاتی ہے۔ اور ہم اس قابل نہین رہتے کہ اپنے آپ کو موحد کہین۔

اسلام نے کسی مافوق قوت یا کسی اپنے سے بالادست شخص کے ماننے مین حفظ مراتب کے درجے قائم کیے۔ اُس نے حکم دے دیا کہ "اُعْبُدُوا اللّٰہَ وَاکْرِمُوا اَخَاکُم" (اپنے خدا کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی تعظیم کرو) پھر اس کے بعد عبادت و تعظیم کا فرق بتایا۔ نماز اور حج مین جن جن طریقون سے خدا کی عظمت ماننے کا اظہار کیا جاتا ہے اُن کو عبادت قرار دیا۔ اور اُن کے سوا اور جتنے طریقے عظمت ماننے کے ہون اُن کو تعظیم بتایا۔ ہم کسی بزرگ یا معزز شخص کو دیکھ کے کھڑے ہو جائین تو یہ تعظیم ہے لیکن اگر اُس کے آگے سجدہ یا رکوع کرین تو شرک ہے۔

ایک یہ پُرانا خیال بھی تھا کہ خداوند جل و علا چونکہ مجہول الکُنہ ہے جو ان دیکھو اور ہماری سمجھ سے بالا ہے اس لیے اس کی ذات تک ہمارا خیال نہین پہونچ سکتا۔ مگر عبادت کے لیے اُس کا خیال کرنے اور اُس کا دھیان رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس دشواری کو قدیم مذاہب نے اپنے اپنے مذاق کے موافق حل کیا۔ اس کو تو سب نے تسلیم کر لیا کہ اُس کی طرف دھیان لیجانے کا ذریعہ اُس کی قدرت کاملہ کے کسی مکمل نمونے کو یا کسی ایسی چیز کو جو اُس کی کسی اعلیٰ صنعت کو ظاہر کرتی ہو قرار دے لیا جائے۔ لیکن انتخاب مین اختلاف پڑا۔ کسی نے کسی حسینہ کی تصویر کو کسی نے کسی قوی ہیکل انسان کی مورت کو۔ کسی نے کسی زبردست جانور کو۔ کسی نے کسی بڑے بھاری درخت کو۔ کسی نے نور و تابش کو نردبان حق

قرار دے کے عبادت الٰہی کے واسطے قبلہ بنایا۔

اسلام نے ایسے تمام قبلوں کو قبلہ ہائے باطل بتایا۔ اس لیے کہ چند ہی روز مین لوگ خود اُن قبلوں مین کسی کرشمہ یا کسی قدرت کو ماننے لگے اور بجای اسکے وہ انسان خیال کو خدا کی طرف لیجائین خود ہی معبود بن گئے۔ اُن کی تقدیس و تنزیہ کی جانے لگی اور معتقد لوگ خود اُن کی طرف مخاطب ہو ہو کے دعائین کرنے اور مرادین ما لگے۔ ان مشرکانہ نتائج سے بچانے کے لیے اسلام نے ان تمام قبلوں کی تکذ کر دی مگر اس اصول کو نہین چھوڑا کہ خدائے بیچون کی عبادت کے لیے کسی اور قبلہ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اسلام نے ایک مکان کو قبلہ قرار دیا جو موحدو سب سے پُرانا عبادت خانہ تھا۔ اور اُسے بھی اس قید کے ساتھ کہ اگر کوئی یہ خیال کرے کہ مین اسے سجدہ کرتا ہون یا نماز مین اُس کی طرف خطاب کرے تو مشرک ہے۔ اس اصول کی سچائی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تمام دیگر مذاہب مین چیزین سمت عبادت اور قبلہ بتائی گئی تھین وہ چند ہی روز مین معبود بن گئین اور اُنھین کی پرستش ہونے لگی۔ بخلاف مسلمانون کے قبلے خانہ کعبہ کے جو گزشتہ تیرہ برس مین قبلہ کی حد سے تجاوز کر کے معبود نہین بن سکا۔ سچ یہ ہے کہ مسلمانون مین مرور ایام کے ساتھ شرک پیدا ہوا اور مشرکانہ رسوم ترقی کرتے رہے۔ ہزار ہا پُج گئین۔ ہزارون ہیلون جھنڈون اور فرضی تربتون کے آگے سجدے ہونے لگے خانۂ کعبہ کی جو حیثیت آنحضرت صلعم کے زمانے مین تھی آج تک قائم ہے اُس مین بھی تغیر نہین ہوا۔

مذکورۂ بالا بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے جیسی خالص توحید بتائی کبھی نہ بتائی گئی تھی۔ اور اگر اس کی تعلیمات پر پورا پورا عمل کیا جاتا تو یقیناً دنیا مین ایک سچی قوم موجود ہوتی۔ مگر افسوس کہ مسلمانون مین بھی نماز روزے کے ساتھ مشرکانہ پیدا ہو گئے۔ اور اُن کا انجام بھی یہی ہوا کہ توحید کے مدعی تو سب ہین مگر معنون پر دیکھیے تو اُن مین بھی شاذ و نادر ہی کوئی موحد نظر آئے گا۔

دریاے نیل کا منبع

یعنی وہ مقام جہان سے دریاے نیل نکلا ہے۔ آج کل جغرافیہ دان اگرچہ نیل کے سرچشمہ تک نہین پہونچ سکے مگر پھر بھی جانتے ہین کہ افریقہ کی اُس مشہور اور سب سے بڑی جھیل سے نکلا ہے جسے موجودہ جغرافیہ دانان انگلستان "وکٹوریہ لیک" (وکٹوریہ جھیل) کہتے ہین۔ جہان سے چار ہزار میل کی مسافت طے کرنے کے بعد دریاے نیل بہت سے دھارون پر بٹ کے شمالی سواحل مصر پر بحیرہ روم مین گرا ہے۔

اگلے زمانے مین دریاے نیل کے منبع اور اصلی سرچشمہ کی اکثر لوگون کو جستجو تھی۔ اور چونکہ اُن دنون ارض حبشہ کے ناپیداکنار دشت مین گھسنے کی کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی اس لیے کسی جغرافیہ نویس کو اس دریا کے اصلی سرچشمہ کا پتہ نہ لگ سکا۔ بے علمی اور ناواقفیت ہمیشہ طرح طرح کے خیالات پیدا کیا کرتی ہے۔ چنانچہ دریاے نیل کے متعلق بھی بہت سی لایعنی باتین مشہور ہو گئین۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ نہرون اور ندیون سے چونکہ زمین شاداب اور زرخیز ہو جاتی ہے روئیدگی کی برکت سے قسم قسم کے پھول کھلتے طرح طرح کے پھل لگتے۔ اور دنیا مین جنت کی سی نزہت و دلکشی پیدا ہو جاتی ہے اس لیے احادیث مین بعض دریاؤن کی نسبت کہ دیا گیا کہ وہ جنت سے آئے ہین۔ اور حقیقت مین وہ جنت ہی کی سی برکتین ہین۔ مگر نیل کے اصلی مرکز کے نہ معلوم ہونے اور اُس کے جنت کی ندی ہونے کے خیالات نے اس لاعلمی کے پردے مین عجیب کرشمے پیدا کر دیے۔

قرآن مجید اور سچی حدیثون مین بہت کم ایسے واقعات ہین جو عقل سے باہر اور بے سر پا ہون - مگر جب مسلمانون مین احادیث کے سُننے اور دینی روایات کی جستجو کا شوق پیدا ہوا تو بہت سے راویون نے اُن واعظون کی طرح جو عجیب و غریب کرشمے سُنا سُنا کے سامعین کو متحیر و محظوظ کیا کرتے ہین ایسی روایتین تصنیف کرنا یا ڈھونڈ ڈھونڈ کے نکالنا شروع کر دین جو سامعین کی سمجھ سے بالا ہون اور اُن پر معجزات اور خوارق عادت کا اثر ڈالین -

تصنیف کی بھی زیادہ ضرورت نہ تھی - اس لیے کہ یہود مین تورٰۃ کے علاوہ ایسی بے سر و پا روایات کا ایک بڑا بھاری ذخیرہ موجود تھا - اور چونکہ صحابہ مین سے کئی بزرگ یہودی الاصل اور روایات یہود سے واقف تھے اس لیے اُنھین کے زمانے سے یہودی روایات کا بیان کیا جانا شروع ہو گیا "جو اسرائیلیات" کہلاتی تھین - چونکہ یہ عام خیال پیدا ہو گیا تھا کہ قرآن مجید کے مجمل قصص انبیا کی تفصیل تورٰۃ اور یہود کی دوسری کتابون مین موجود ہے اس لیے قرآن مجید کی تفسیر و تشریح کی حیثیت سے اس قسم کی روایتین پیش کی جانے لگین اور لوگ اُن کو دلچسپی سے سننے لگے

سچ یہ ہے کہ اس بے احتیاطی کی نقالی نے تفسیر و حدیث کے فنون کو بڑا نقصان پہونچا دیا - حدیث مین جرح و تعدیل کے قواعد نے اگرچہ بہت کچھ روک تھام کی مگر چونکہ صحابہ ہی کے عہد سے روایات یہود اخذ کرنے کا طریقہ جاری ہو گیا تھا اس لیے شک نہین کہ صحیح الروایت احادیث مین بھی ایک معتدبہ حصہ اسرائیلیات کا موجود ہے جو اگر ان ائمۂ دین کی جانب منسوب نہ ہوتا جن سے سنا گیا ہے تو ہرگز قابل اعتبار نہ ہوتا - لیکن اس پر بھی ہمین یقین ہے کہ اصول حدیث کے مطابق اگر پوری طرح تنقید کی جائے تو مہمل و لایعنی اسرائیلیات کا بہت ہی کم حصہ باقی رہ جائے گا -

اُنھین مزخرف روایات مین سے ایک روایت دریاے نیل کے سرچشمے اور اصلی منبع کی تحقیق مین ہے جو اصول روایت سے چاہے جس قدر ساقط الاعتبار ہے مگر گزشتہ بارہ صدیون مین اکثر علما اور ائمۂ دین کے نزدیک مسلمانون کا جزو دین بنی رہی ہے یہ ہم مانتے ہین کہ محققین نے ایسی مزخرف روایت کو کبھی نہین مانا لیکن اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ غلبہ اس کے ماننے والون ہی کو حاصل رہا -

ابو صالح عبد اللہ بن صالح بن محمد کاتب لیث بن سعد کہتے ہیں مجھے روایت پہونچی ہے کہ عیص بن اسحٰق بن ابراہیم کی نسل میں سے ایک شخص تھا جو حائد کے نام سے مشہور تھا اور ابو شالوم بن عیص بن اسحٰق کا بیٹا تھا کسی بادشاہ کے خوف سے وہ اپنے وطن سے بھاگ کے ارض مصر میں پہونچا۔ اور سالہا سال وہاں مقیم رہا۔ یہاں دریاے نیل کی عجیب عجیب باتیں دیکھ کے اُس نے قسم کھائی اور عہد کر لیا کہ نیل کے سرچشمے کا پتہ لگانے کے لیے جہاں تک زمین ملے گی میں اُس کے کنارے ہی کنارے چلا جاؤں گا چاہے اس کوشش میں مر ہی کیوں نہ جاؤں۔ اپنے اس عہد کے مطابق وہ نیل کے کنارے کنارے روانہ ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ تیس سال تک اور بعض کہتے ہیں کہ پندرہ سال تک برابر چلا گیا۔ یہاں تک کہ بحر اخضر (دریاے سبز) کے کنارے پہونچا اور کیا دیکھتا ہے کہ دریاے نیل اُس سمندر کے پانی کو کاٹے برابر بہتا چلا آتا ہے۔ اب وہ اُس سمندر پر چلا۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ سیب کے ایک درخت کے سایے میں ایک شخص کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہے (شاید اس سمندر میں کوئی جزیرہ ہوگا) اُس شخص نے ایک اجنبی کو دیکھ کے سلام کیا۔ اور پوچھا "آپ کون ہیں؟" اُنھوں نے کہا "حائد بن ابی شالوم بن عیص بن اسحٰق بن ابراہیم اور آپ فرمائیے کہ آپ کون ہیں؟" اُس نے کہا "میں عمران ابن عیص بن اسحٰق (تمھارا چچا) ہوں مگر یہ بتاؤ کہ تمھارا یہاں آنا کیونکر اور کس لیے ہوا؟" کہا "میں تو دریاے نیل کا سرا ڈھونڈھنے کو آیا ہوں مگر تمھارا آنا کیونکر ہوا؟" جواب دیا کہ "جس لیے تم آئے ہو اسی لیے میں بھی آیا ہوں۔ مگر جب یہاں پہونچا تو خداوند جل و علا نے وحی بھیجی کہ جب تک میں حکم نہ دوں یہیں ٹھہرے رہو" اب حائد نے کہا "اچھا آپ کو نیل کے جو کچھ حالات معلوم ہوے ہوں مجھے سنائیے۔ اور بھلا کتابوں میں آپ نے کہیں دیکھا ہے کہ نسل آدم میں سے کوئی شخص دریاے نیل کے سرچشمے تک پہونچ سکے گا یا نہیں؟" عمران نے کہا "ہاں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ عیص بن اسحٰق کی نسل کا ایک شخص پہونچ سکے گا۔ اور اے حائد میرے خیال میں وہ تمھارے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے" یہ سن کے حائد نے خوش ہو کے کہا "ایسا ہے تو پھر مجھے وہاں کا راستہ بتائیے" عمران بولا "بتا دوں گا مگر پہلے تمھیں مجھ سے ایک شرط کرنا ہوگی" حائد نے کہا "آپ کی جو شرط ہو فرمائیے" کہا "جب تم دریاے نیل کے منبع اور سرچشمے تک پہونچ کے واپس آؤ

تو اگر میں زندہ ملوں تو اُس وقت تک میرے ہی پاس ٹھہرے رہو جب تک کہ حضرت باری تعالیٰ مجھے وحی کے ذریعہ سے کوئی حکم دے۔ یا مجھے اپنے پاس بُلا لے۔ آخرالذکر صورت میں مجھے دفن کرکے چلے جانا۔ اور اگر واپس آکے تم مجھے مردہ پاؤ تو ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں مجھے آغوشِ لحد کے سپرد کرنا اور اپنی راہ لینا۔" حائد نے کہا "اس شرط کو بسر و چشم بجا لاؤں گا۔" یہ اطمینان بخش جواب سُن کے عمران نے کہا "تو جس طرح اس سمندر کو طے کرتے ہوئے آئے ہو آگے چلے جاؤ۔ آگے بڑھ کے تمھیں ایک جانور ملے گا جس کا پچھلا حصہ تو دکھائی دیتا ہوگا مگر اگلا حصہ نہ نظر آئے گا۔ تم اُس سے خوف نہ کھانا بلکہ دیکھتے ہی اُس کی پیٹھ پر سوار ہو جانا۔ یہ جانور آفتاب سے دشمنی رکھتا ہے۔ جہاں آفتاب نے طلوع کیا لپکتا ہے کہ اُسے دوڑ کے نگل جائے۔ یہاں تک کہ آفتاب آڑ میں آجاتا ہے اور اُسے ٹھہر جانا پڑتا ہے۔ پھر جب آفتاب کو غروب ہوتے ہوئے دیکھتا ہے تو پھر سمندر کے اندر گھُستا ہے کہ دوڑ کے نگل لے۔ غرض وہ تمھیں سمندر کے اُس پار پہونچا دے گا۔ تم خشکی پر قدم رکھ کے پھر آگے کی راہ لینا۔ اب نیل کے کنارے کنارے کوچ کرکے تم ایک ایسی زمین پر پہونچو گے جو فولاد کی ہوگی۔ اُس کے پہاڑ جنگل اور بیابان سب فولاد کے ہوں گے۔ اس سرزمین سے گزر کے تم تانبے کی سرزمین پر پہونچو گے جہاں پہاڑ جنگل بیابان سب تانبے کے ہوں گے۔ اگر اس سرزمین سے بھی گزر گئے تو تم چاندی کی سرزمین میں پہونچو گے جہاں کے پہاڑ جنگل بیابان سب چاندی کے ہوں گے اس سے بھی تم گزر گئے تو سونے کی سرزمین میں پہونچو گے جہاں پہاڑ جنگل بیابان سب سونے کے ہوں گے بس اسی مقام تک تمھیں نیل کا حال معلوم ہو سکے گا۔ آگے نہ بڑھ سکو گے۔

عمران کی ان ہدایتوں کو یاد رکھ کے حائد روانہ ہوا۔ اور تمام مراحل طے کرکے سونے کی سرزمین میں پہونچ گیا۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ خالص سونے کی ایک عظیم الشان دیوار ہے اور اُس کے پیچھے سونے کا ایک برج ہے جس پر طلائی گنبد ہے۔ اس گنبد کے چاروں طرف سونے کے چار دروازے ہیں۔ دریائے نیل کا پانی اُس دیوار کے اوپر سے زور و شور کے ساتھ گر کے اُس برج میں چلا آتا ہے۔ پھر اُس برج کے چاروں دروازوں سے اُس کے چار دھارے گرتے ہیں۔ اُن میں سے تین تو زمین کے اندر غائب ہو جاتے ہیں اور ایک اوپر بہتا ہوا آگے بڑھتا ہے جو کہ دریائے نیل ہے۔

حائد نے یہان بیٹھ کے پانی پیا اور ارادہ کیا کہ اُس دیوار پر چڑھ جاے جہان سے نیل کا اصلی پانی آتا ہے فوراً ایک فرشتہ نے نمودار ہو کے روکا اور کہا "حائد - بس - آگے بڑھنے کا قصد نہ کرو - دریاے نیل کا جس قدر علم تمھین حاصل ہونا تھا ہو چکا - اب اس کے بعد جنت ہے - اور دریاے نیل وہین سے آ رہا ہے - " حائد نے کہا "مین جنت کی بھی سیر کرنا چاہتا ہون " جواب ملا " یہ اس زندگی مین غیر ممکن ہے "

اب حائد نے پوچھا " تو یہ چیز جسے مین سامنے دیکھ رہا ہون کیا ہے ؟ " فرشتہ نے کہا یہ " وہ آسمان ہے جس مین آفتاب اور ماہتاب چکر لگاتے رہتے ہین - یہ چکی کے مانند ہے " حائد بولا " میرا جی چاہتا ہے کہ اس چرخ پونچے مین بیٹھ کے ایک چکر مین بھی لگاؤن " اس کے بعد سے علما مین اختلاف ہے - بعض کہتے ہین کہ " حائد اُس پر چڑھ گیا اور دنیا کے گرد چکر لگایا اور بعض کہتے ہین کہ نہین اس کی نوبت نہین آئی -

اس کے بعد فرشتہ نے کہا " حائد اب تمھین جنت سے رزق ملے گا - جو تمھاری زندگی کے لیے کافی ہوگا - اور اس کے سامنے تمھین دنیا کی کوئی چیز مزہ نہ دے گی " یہ باتین ہو ہی رہی تھین کہ انگور کے تین خوشے اوپر سے اُتر کے حائد کے ہاتھ مین آ گئے - یہ تین رنگ کے تھے - ایک زمرد سبز کا معلوم ہوتا تھا - دوسرا یاقوت سرخ کا - اور تیسرا سفید موتیون کا - فرشتہ نے دیکھتے ہی کہا " یہ جنت کی تاک کے انگور ہین - مگر وہان کے اعلی اور منتخب انگورون مین سے نہین ہین - اب تم واپس جاؤ - اور نیل کا جس قدر حال تمھین معلوم ہونا تھا معلوم ہو چکا "

حائد نے پوچھا " مجھے یہ تو بتاؤ کہ یہ تین دھارے جو زمین مین غائب ہو جاتے ہین یہ کہان جاتے ہین ؟ " فرشتہ نے کہا " ان مین سے ایک فرات ہے دوسرا دجلہ ہے اور تیسرا جیحون ہے "

اب حائد فرشتہ سے رخصت ہو کے واپس چلا - پہلے کی طرح دشمن آفتاب جانور کی مدد سے سمندر کے اس پار آیا - اور اُس مقام پر پہونچا جہان عمران سے ملاقات ہوئی تھی دیکھا تو اُسی دن اُس کا انتقال ہو گیا تھا - حسب وصیت اُسے نہلا دھلا کے اور کفنا کے دفن کیا اور تین دن تک اُس کی قبر پر ٹھہرا رہا - چوتھے دن روانگی کا ارادہ کیا تو ناگہان ایک پیرمرد نمودار ہوا جس کی پیشانی پر سجدے کا نشان تھا - اُس نے آتے ہی

سلام کیا اور کہا "اے حائد۔ دریاے نیل کے کیا حالات تم کو معلوم ہوے ہیں؟" انھون نے جو کچھ دیکھا تھا بیان کر دیا جسے سن کے وہ کہنے لگا "ہان یہی حالات ہم نے کتابون مین دیکھے تھے۔" اس کے بعد اُس پیرمرد نے حائد کو سیب کا ایک درخت دکھایا۔ جس پر سیب لگے تھے اور کہا "آؤ میرے ساتھ اس کے سیب تم بھی کھاؤ۔" حائد نے کہا میرے پاس جنت کے میوے موجود ہین اور مجھے ممانعت ہے کہ اُن کے کھانے کے بعد دنیا کی کوئی غذا نہ کھاؤن۔" پیرمرد نے کہا "سچ کہتے ہو۔ جو کوئی جنت کا میوے کھاتا ہو اُسے اور کوئی چیز نہ کھانی چاہیے۔ مگر بھلا کبھی تم نے ایسے سیب دنیا مین بھی کھائے تھے؟ یہ درخت بھی جنت ہی سے آیا ہے۔ دنیا کا نہین ہے۔ خدا نے عمران کی لئے اس درخت کو یہان اُگا دیا تھا کہ وہ اس کے پھل کھایا کرے۔ اور تمھارے ہی لیے وہ مرحوم اسے چھوڑ گئے ہین۔ اور اگر تم نہ آتے تو یہ پھر آسمان پر چلا جاتا۔" اس کے بعد وہ پیرمرد برابر اس سیب کا شوق دلاتا رہا۔ یہان تک کہ حائد کو بھلا معلوم ہونے لگا اور دل مین اس قدر شوق بڑھا کہ اُس مین سے ایک سیب توڑ کے منھ مین رکھا مگر جیسے ہی اس پر دانت مارے خود اپنا ہاتھ کاٹ لیا۔ اس پر متحیر تھا کہ پیرمرد نے کہا "یہی وہ پھل ہے جس نے تمھین جنت سے نکالا۔ ضرورت تھی کہ تم اس پھل کو کھاؤ تا کہ تم مین اور دنیا کے جو لوگ تمھارے جنت کے انگورون کو کھائین اس سیب کو کھا کے دنیا مین رہنے کے قابل رہین۔"

اس کے بعد حائد ارض مصر مین واپس آیا۔ لوگون کو اپنے سفر کے واقعات بتائے اور وہین پیوند زمین ہوا۔

محمود و ایاز

محمود غزنوی اور اُس کے غلام ایاز کی محبت کے واقعات بہت مشہور ہین۔ جنھین محمود نامہ نے خاص شہرت دے دی ہے۔ اس لیے کہ چند ہی روز پیشتر محمود نامہ فارسی کی ایک عام پسند درسی کتاب مانا جاتا تھا محمود کو ایاز سے بیشک محبت تھی۔ اور ایسی محبت کہ محمود اُس کا عاشق مشہور ہو گیا۔ لیکن اس کی اصلیت اسی قدر ہے کہ ایاز کی تہذیب و شائستگی تمیزداری اور سلیقہ شعاری نے محمود کو

اُس کا ایسا گرویدہ بنا دیا تھا کہ لوگ اُسے ایاز کا عاشق جانباز کہنے لگے۔

مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ محمود غزنوی کا دل عشق کی گرمی سے خالی تھا۔ یا فتوحات۔ تاخت و تاراج۔ اور قتل و غارت نے اُس کے دل کو اس قابل ہی نہ رکھا تھا کہ آتش حسن کی گرمی پاکے پگھلے اور کسی پری جمال کا شیفتہ و شیدا ہو جائے۔ یقیناً اس کے دل میں عشق کی ایک چنگاری تھی جس نے ایک زمانے تک بیقرار رکھا۔ مگر یہ عشق ایاز کے ساتھ نہیں بلکہ ایاز کی حسین و نازنین نازک اندام و گلفام بہن کے ساتھ تھا۔

محمد عوفی نے اپنی دلچسپ کتاب "جامع الحکایات" میں جس کے انتخاب کا ترجمہ مسٹر الیٹ نے اپنی تاریخ ہند میں دیا ہے اس عشق کا حال مختصراً بیان کیا ہے جو ناظرین دلگداز کے لیے غالباً لطف سے خالی نہ ہوگا۔ مصنف مذکور کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دس برس تک اس جوش عشق کو محمود غزنوی ایک مدت دراز تک نہایت ضبط و تحمل کے ساتھ اس طرح دل میں چھپائے رہا کہ کسی پر ظاہر نہ ہو سکا۔ وہ دل میں خیال کرتا تھا کہ اپنے ایک غلام کی بہن پر عاشق ہونا میری شاہانہ فرماں روائی اور میری وضع عدالت گستری کے خلاف ہے۔ اور اگر یہ ذرا بھی ظاہر ہو گیا تو میں عام لوگوں کی نظر میں ذلیل و خوار ہو جاؤں گا"۔

مگر عشق وہ خود مختار بادشاہ ہے جس کے دربار میں شاہ و گدا کا رتبہ ایک ہے اور جس کا شعلہ کسی نہ کسی دن بھڑک ہی اُٹھتا ہے۔ آخرکار دل میں بجا رات دردناکی کے جس سے ناقابل برداشت اس پیدا ہوئی۔ اور محمود کے ایسے ضابط و متین بادشاہ کی یہ حالت ہوئی کہ صبر و تحمل نے جواب دے دیا۔ اور ایک رات کو یہ واقعہ پیش آیا کہ جب ندیمان صحبت اور مشیران دولت رخصت ہو ہو کے اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے تو محمود نے اپنا پاؤں ابو نصر مشکانی کی طرف بڑھا دیا۔ مطلب یہ تھا کہ پاؤں دبانے کے لیے تم ابھی ذرا ٹھہرو۔ ابو نصر مذکور کو محمود غزنوی کے مزاج میں تمام امرائے دولت سے زیادہ خصوصیت حاصل تھی۔ اور وہی بادشاہ کا سب سے بڑا مزاجداں تھا دل میں سمجھ گیا کہ آج قبلۂ عالم اپنا کوئی اہم راز ظاہر فرمانا چاہتے ہیں۔ اور اسے اپنا فخر سمجھ بادشاہ کا پاؤں دبانے لگا

جب تھوڑی دیر تک وہ برابر چیچ کرتا رہا اور بالکل تنہائی ہوگئی تو سلطان نے کہا" ابونصر حکیموں کا قول ہے کہ تین شخصوں سے اپنا راز نہ چھپانا چاہیے اول تو طبیب حاذق سے۔ دوسرے مہربان مقتدائے دین سے۔ اور تیسرے عقلمند نوکر سے۔" ابونصر نے ادب کے ساتھ عرض کیا" غلام کو تو اِن میں سے کوئی عزت بھی نہین نصیب ہے۔ لیکن اگر قبلۂ عالم سرفرازی عطا فرمائین کے تو غلام سے جہان تک بنے گا اپنی حالت و لیاقت کے مطابق بجا آوری خدمت مین کوتاہی نہ کرے گا۔ اور اپنے آقا کو اُن کے نیک و بد سے مطلع کردے گا۔" محمود نے کہا" یہی مین چاہتا ہون۔ خیر اب سنو۔ مدت دراز سے ایک خیال میرے دل مین کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے۔ اور ہزار کوشش کرتا ہون یہ پھانس کلیجے سے نہین نکلتی۔ مین ایاز کی بہن کی صورت زیبا پر فریفتہ ہون۔ اُس کے حسن و جمال نے مجھے بیتاب کر رکھا ہے۔ اور کسی طرح دل کو قرار نہین آتا۔ اُسکی دلستان اداؤن۔ اُس کی ناز آفرینی کی حرکتون نے مجھے دیوانہ کر دیا ہے۔ اگر اس شوق سے باز آجاؤن تو دل نہین مانتا۔ اور اگر اُسے اپنی محبوبۂ خاص اور اپنا شریک زندگی بناؤن تو ڈرتا ہون کہ قرب و جوار کے سلاطین سُن کے کیا کہین گے؟ اور میری رعایا پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔ مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ یہ راز ذرا بھی فاش ہوا تو مین تم سب لوگون مین یہان تک کہ خود اپنے نوکرون اور غلامون کی نظر مین بھی حقیر و ذلیل ہوجاؤنگا ان سب پہلوؤن کا خیال کرکے بتاؤ کہ اس بارے مین تمھاری کیا رائے ہے؟ تاریخ پر تمھاری نظر بہت وسیع ہے۔ بھلا تم نے کسی تاریخ مین دیکھا یا سُنا ہے کہ کسی بادشاہ نے اپنی کسی کنیز کے ساتھ شادی کی ہو؟"

محمود غزنوی اپنے آپ کو قدیم خسروان عجم اور سلاطین آل ساسان کی نسل سے خیال کرتا تھا۔ اُس کے اسی میلان طبع کے سبب سے شعراے دربار نے تاریخ عجم پر ایسی طبع آزمائیان کین جو قیامت تک یادگار رہین گی۔ فردوسی طوسی نے شاہنامہ لکھا۔ حکیم اسد طوسی نے گرشاسب نامہ لکھا۔ چنانچہ ابونصر مشکانی نے بھی اس موقع پر فرمان روایان اسلام کی ایک آدھ نظیر پیش کرنے کے بعد مناسب سمجھا کہ تاریخ عجم مین سے ایسے شواہد پیش کرے جو بادشاہ کے دل پر پورا اثر کرین۔ اور اُس کی فکرین دُور کردین۔

چنانچہ زمین بوس ہوئے عرض کرنے لگا "قبلۂ عالم یہ کوئی نئی بات نہین دنیا مین بارہا ایسے واقعات گزر چکے ہین - سلاطین آل ساسان مین بہتون نے اپنی لونڈیون سے شادیان کین - آل سامان ہی وہ مسلمان تاجدار تھے جنھون نے خاندان طاہریہ کے بعد خراسان و زابلستان مین آزادی کا جھنڈا بلند کیا تھا - اور انھین سے بغاوت کر کے اُن کا غلام الپتگین بادشاہ بنا تھا جو محمود کے باپ سبکتگین کا آقا تھا - اس کے بعد ابو نصر نے کہا "خداوند یہ کوئی ایسا معاملہ نہین جو حضور پر گران گزرے یا جس کی وجہ سے دنیا مین کسی کی سبکی اور حقارت ہوتی ہو - غالباً حضور نے سنا ہو کہ دارا سے ایران قباد جب ترکستان مین گیا ہے تو وہان کے کسی کسان کی بیٹی سے اُس نے شادی کی تھی جس کے بطن سے نوشیروان عادل کا ایسا عدالت گستر تاجدار پیدا ہوا - اس کے علاوہ مین نے تاریخ عجم مین بہرام گور اور ایک مچھلی والے کی بیٹی کا واقعہ دیکھا ہے جو نہایت ہی دلچسپ ہے اور اُسے سُن کے حضور پر روشن ہو جائے گا کہ ایسے واقعات سے سلاطین عالم کی عزت و وقار پر حرف نہین آتا - محمود نے مشتاق ہو کے کہا وہ واقعہ کیا ہے اور ابو نصر مشکانی نے یون بیان کرنا شروع کیا -

"قبلۂ عالم - بہرام گور ایک دن شکار کو گیا تھا - جنگل مین کسی ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈالا تو اپنے لشکر سے کوسون دُور نکل گیا - آخر ہرن تو نظر سے غائب ہو گیا - اور بادشاہ پیاس سے بیتاب تھا - پانی کی تلاش مین سرگردان تھا کہ ایک گاؤن مین گزر ہوا - جہان ایک مچھلی والا تالاب کے کنارے بیٹھا کپڑے دھو رہا تھا - تھوڑے فاصلے پر اُس کی بی بی اور اُس کی نازک اندام و گل پیرہن بیٹی بیٹھی تھین اور ان کے آگے کپڑون کا انبار لگا ہوا تھا - بہرام قریب گیا اور کہا "میان مچھلی والے! مجھے تھوڑا سا پانی پلا دینا" مچھلی والا صورت دیکھتے ہی پہچان گیا کہ حضور ظل اللہ ہین - تعظیم کے لیے اُٹھا - اور بی بی سے پکار کے کہا "خداوند عالم کے لیے پانی لاؤ" اس کی جورو نے اُٹھ کے کٹورا خوب مانجھ کے کئی بار دھویا - اور اُسے اپنی پری جمال بیٹی کے ہاتھ مین دے کے کہا "بیٹی - مجھے مرد کا ہاتھ لگ چکا ہے - اس لیے مین اس قابل نہین کہ بادشاہ لوگ میرے ہاتھ کا پانی پیئین - تو کنواری ہے اور تیرا بدن ابھی کورا ہے - اس لیے تو ہی پانی لا کے اپنے نازک اور اچھوتے ہاتھ سے بادشاہ کے سامنے

پیش کرے۔" لڑکی ایک چست و چالاک ہرنی کی طرح دوڑ کے پانی لائی۔ اور ایک معشوقانہ ادا سے شرما کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ بہرام نے دلدادگی کے ساتھ اُس کی اداؤں پر نظر ڈالی۔ کٹورا لے کے پانی پیا۔ اور اب سیراب ہو کے اُس کی صورت زیبا دیکھی تو

ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ   صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ

اُس کے حسن و جمال اُس کی ناز آفرینی و دلربائی۔ اور ان چیزوں کے ساتھ اُس کے ادب اور سلیقے نے بہرام کے دل پر ایسا قبضہ کر لیا کہ بجائے ہرنی کا شکار کرنے کے خود ایک زیبا شمائل غزال رعنا کا شکار ہو گیا۔ دل میں سوچنے لگا کہ اس معشوقۂ ناز آفرین کو کیونکر اپنا بناؤں۔ اور جب اُس محبوبۂ دوشیزہ کے باغ حسن سے گلچینی کی کوئی تدبیر نہ بن پڑی تو مچھلی والے سے کہا "میرا جی چاہتا ہے کہ آج تمھارا ہی مہمان رہوں۔ تمھیں اس میں کوئی عذر تو نہیں ہے ہے؟" اُس نے زمین بوس ہو کے عرض کیا "قبلۂ عالم حقیر کی نان خشک اور غریب کا کھانا کھانے میں حضور رضا مند ہوں تو ہم لوگ اسے اپنی خوش نصیبی سمجھیں گے۔"

یہ کہہ کے مچھلی والے ایک اُجلی چاندنی لا کے ایک درخت کے سائے میں بچھا دی اور عرض کیا کہ "حضور رونق افروز ہوں۔" پھر بادشاہ کے گھوڑے کو لے جا کے ایک درخت میں باندھ دیا۔ اور ناز آفرین بیٹی کے ہاتھ میں ایک صاف اور پاکیزہ کپڑا دے کے کہا کہ "تو بادشاہ کے قریب کھڑی ہو کے مگس رانی کر۔" لڑکی باپ کے حکم سے اپنا فرض ادا کرنے لگی۔ اور وہ خود گاؤں میں دوڑا گیا اور دم بھر میں لپک کے روٹی۔ گوشت۔ شراب وغیرہ ضروری سامان ضیافت لے آیا۔ واپس آتے ہی اُس نے جام و صراحی لڑکی کے ہاتھ میں دیے اور کہا "تو ہی بادشاہ کی ساقیہ بن۔" لڑکی نے سلیقہ اور نفاست کے ساتھ جام کو دھو دھا کے صاف کیا اور اُسے مئے ارغوانی سے لبریز کر کے ایک ایسی ادا سے بادشاہ کے سامنے پیش کیا کہ بہرام گور نے جو اُس کے حسن کا دیوانہ اور جوش عشق سے بیتاب ہو رہا تھا بعوض اس کے کہ جام کو اُس کے ہاتھ سے لے خود اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بادشاہ کی اس بے اعتدالی پر ناز آفرین لڑکی نے یہ حرکت کی کہ جھک کے اس کے دونوں ہاتھ چوم لیے اور پیچھے ہٹ کے ادب سے کھڑی ہو گئی۔

بادشاہ اس ادا سے اور بیتاب ہو گیا اور کمال از خود رفتگی کے ساتھ بولا "دلربا نازنین۔ بوسہ لینے کی جگہ ہاتھ نہیں ہونٹھ ہیں"۔ شوخ ادا لڑکی نے مسکرا کے کہا "لیکن ابھی اس کا وقت نہیں آیا"۔ اس فقرے نے بہرام گور کو اور مار ڈالا۔ حسن و جمال پر فریفتہ تو پہلے ہی سے ہو رہا تھا اب اُس کی یہ باتیں سنیں اور انداز گفتگو کے ساتھ اُس کے اعجاز فصاحت کو دیکھا تو بالکل دل ہاتھ سے کھو بیٹھا۔

اتنے میں بہرام کا لشکر اور اُس کا جلوس سامنے سے نمودار ہوا۔ اس لیے کہ اُمرائے سلطنت اور سرداران فوج اُسے ڈھونڈھتے ہوئے یہاں آ پہنچے تھے۔ چونکہ مچھلی والے کی لڑکی اُس کے دل میں جگہ پا چکی تھی اس لیے یہ گوارا نہ ہوا کہ اُس کے رخ زیبا پر کسی اور کی بھی نظر پڑے۔ تاجدار عجم اس بارے میں نہایت ہی سخت تھے یہاں تک کہ اُن کے حرم کی کسی خاتون پر کسی غیر کی نظر پڑ جاتی تو وہ واجب القتل قرار پا جاتا۔ اس جذبے سے متاثر ہو کے بہرام نے بے اختیار اُس نازنین لڑکی سے کہا "تم اپنا منھ چھپا لو"۔ یہ گویا اشارہ تھا کہ "اب یہ لڑکی ایک غریب مچھلی والی نہیں بلکہ تاجدار عجم کی دلدار ملکہ اور اُس کے دل و جان کی مالک ہے"۔ بادشاہ کا اشارہ پاتے ہی لڑکی نے منھ پر نقاب ڈال لی۔ اس کے بعد فوج نے سامنے صف باندھ کے سلامی دی۔ اور مخصوصین بارگاہ قریب آ کے زمین بوس ہوئے۔

اب بہرام گور میں صبر کی طاقت نہ تھی۔ اُسی وقت مچھلی والے کو راضی کر کے اُس کی باہوش اور گل اندام بیٹی سے مروجہ رسوم کے مطابق عقد نکاح کیا اور ایک گھڑی نہیں گزری تھی کہ وہ ماہ طلعت مچھلی والی شاہانہ لباس پہنا کے ہاتھی کے عماری زرنگار میں بٹھائی گئی اور چتر شاہی اُس کے سر پر سایہ افگن ہوا۔ اُس کے ماں باپ کو بھی دوسرے ہاتھیوں پر جگہ دی گئی۔ اور شاہانہ کروفر اور پورے تزک و احتشام کے ساتھ اُس نازنین کی سواری دار السلطنت عجم میں داخل ہوئی"

اس قصے نے محمود غزنوی کے دل پر بے انتہا اثر ڈالا۔ دل میں کہنے لگا "صد شکر کہ میری معشوقہ اُس مچھلی والی سے بدرجہا زیادہ معزز و محترم ہے"۔ پھر ابو نصر مشکانی سے کہا "تم نے میری بڑی فکر دور کر دی"۔ اور اُسے بہت کچھ انعام و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔

اس واقعہ کو دو ہی دن گزرے تھے کہ ایاز کی پری جمال بہن کی شادی سلطان محمود کے ساتھ ہو گئی۔ جو کہ اب ایک غلام کی بہن اور لونڈی ہونے کے بجائے غزنی سے لے کے مشرق میں لب گنگا تک اور مغرب میں فارس و دیلم تک تمام ممالک کی پُر سطوت و جبروت ملکہ تھی۔

ندوۃ العلما اور علامہ شبلی

اس امر پر ہماری ساتھ ہندوستان کے بہت سے مسلمان متاسف ہوئے کہ مولانا شبلی ندوۃ العلما سے علیحدہ ہو گئے۔ ہم بہت سی باتوں میں مولانا شبلی کے خلاف ہیں جیسا کہ اکثر ہماری تحریروں سے ظاہر ہوتا رہا ہے لیکن باوجود اس کے ہم اُن لوگوں میں ہیں جن کی رائے ہے کہ بغیر مولانا شبلی کے ندوہ چل ہی نہیں سکتا۔ اور چلا بھی تو وہ وہ ندوہ نہ ہوگا جس کی مسلمانوں کو ضرورت ہے۔ یا قوم کے حق میں مفید ہو سکے۔

ہم ابتدائے عمر سے مولانا شبلی سے واقف ہیں۔ اور بجائے خود یقین رکھتے ہیں کہ مولانا ممدوح کی لیاقتوں قابلیتوں اور نیز اُن کی کمزوریوں اور لغزشوں سے جتنے ہم واقف ہیں دوسرا کم ہوگا۔ اور اُن کی زندگی کے روشن و تاریک دونوں رخوں پر نظر ڈالنے کے بعد ہم یہی رائے قائم کر سکتے ہیں کہ کم از کم جب تک مولانا شبلی زندہ ہیں ندوہ کو اُنھیں کی پالسی پر چلنا چاہیے۔"

بدقسمتی سے مولوی عبد الغنی صاحب کا ایک افسوسناک واقعہ پیش آیا جس میں اگر کوئی بے ضابطگی یا کمزوری مولانا شبلی سے ظاہر بھی ہو گئی تو وہ ایسی نہیں ہو سکتی کہ اُس کی بنا پر مولوی شبلی کی تمام خوبیوں سے قطع نظر کر لیا جائے اور اس معاملے میں بھی اس بات کے ماننے میں کسی کو تامل نہ ہوگا کہ جو احتیاط مولانا نے برتی وہ ندوہ اور مسلمانان ہند کی فلاح و خیر خواہی ہی پر مبنی تھی۔ اگر اُس کو غلطی ہی مانا جائے تو اُس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ اجتہادی غلطی تھی جو ہمیشہ اور ہر قوم میں قابل معافی خیال کی گئی ہے۔

اب مولانا کا استعفا منظور ہو جانے کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ اُن پر سخت ناپاک اتہامات لگائے جانے لگے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بعض تبرعات کی رقمیں جو انھیں ندوہ کے لیے دی گئی تھیں اُنھوں نے داخل نہیں کیں اور اُن پر ذاتی سرمائے کی طرح تصرف کیا

مولوی شبلی کی شان ایسی بددیانتیون سے بہت ارفع ہے - ہمارے سامنے ایسے بیسیون واقعات گزرے ہین کہ بعض لوگون نے جو روپیہ مولانا شبلی کی نذر کیا تھا اُنھون نے اُس کے لینے سے قطعی انکار کیا اور صرف اس شرط پر قبول کیا کہ بجاے اُن کی ذات کے ندوہ کو دیا جاے ۔ بفرض محال اگر ندوہ کی کوئی رقم مولوی شبلی سے صرف بھی ہو گئی ہے تو یقین رکھنا چاہیے کہ ندوہ ہی کی ضرورت مین صرف ہوئی ہوگی اور وہ اُن بھاری رقمون کا سوان حصہ بھی نہ ہوگی جو مولوی شبلی کے ذریعے سے ندوہ کو وصول ہوئی ہین مولوی شبلی کبھی اُن نفس پرست سرگروہان اُمت مین نہ تھے جو قومی جلسون اور قومی سفرون کے ذریعے سے اپنی جھولی بھرا کرتے ہین - اور قوم کی خدمت کا نام لے کے ذاتی تمتع حاصل کرنا چاہتے ہین - اُن کو زرطلبی کا الزام دینا ایسا ہی ہے جیسے سرسید یا نواب محسن الملک کو غبن اور تصرف ناجائز کا الزام دیا جاے - اُن بزرگون کے زمانے مین بھی کالج کے روپیہ مین کئی بار غبن ہو گیا - لیکن سوا اس کے کہ لاعلمی اور حسابات کی طرف بے توجہی کا الزام اُن مرحومین کو دیا جاے کبھی کسی کو یہ جرأت نہین ہوئی کہ انھین بدنیتی یا غلط تصرف کا الزام دے - مگر قوم کی بدقسمتی سے مولوی شبلی کو ایسے ہی معاملات مین بددیانتی کا الزام دیا جاتا ہے -

سچ یہ ہے کہ مولوی شبلی سے زیادہ قابل اور بے طمع و بے حرص عالم ہندوستان مین چراغ لے کے ڈھونڈھیے تو بھی نہ ملے گا - اس مین شک نہین کہ وہ سلسلۂ درس اور علماے مدرسین کے طریقۂ تعلیم مین اکثر دخل دے دیا کرتے ہین مگر ہر وہ شخص جو بچون کی نگرانی کا ذمہ دار بنا ہو اُس کا فرض ہے کہ ان امور مین پوری نگرانی کرے - گورنمنٹ کے سررشتۂ تعلیم کے انسپکٹر وقتاً فوقتاً جیسا سخت امتحان معلمون اور مدرسون کا لیا کرتے ہین اُس کی آدھی سختی بھی کبھی مولوی شبلی نے نہین برتی - لیکن بدنصیبی سے ہمارے علما اس کے ذرا بھی متحمل نہین ہو سکتے کہ کوئی اُن کے طرز تعلیم کی نگرانی کرے - اور اگر اُن کی مرضی کے خلاف کوئی افسر اس بارے مین اپنے فرائض کے بجا لانے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو وہ اُس کے خلاف سازشین شروع کرتے ہین - اور آخر ایک غوغا اور ہنگامہ مچا کے اُسے ہٹا دینا چاہتے ہین - مگر مولوی شبلی حسابات کی تنقیح مین چاہے کمزور ہون مگر علمی تنقیحات مین مداہنت کو ایک گھڑی کے لیے بھی جائز نہین رکھتے - لہذا اُن کا ایسی سازشون کا

شکار ہونا ضروری تھا۔

ندوہ کے ارکان مین مولوی شبلی کے خلاف مدت سے ایک خطرناک قوت قائم تھی۔ اُن مین ایک گروہ اُن پُرانے مذاق کے علما کا ہے جو ضروریات زمانہ سے نا آشنا محض ہین۔ اپنی تنگ خیالی سے معاملات پر اجتہادی نظر نہین ڈال سکتے۔ اپنی ضد پر قائم ہین اور بالکل نہین پسند کرتے کہ سلسلۂ تعلیم مین کسی قسم کا تغیر و تبدل کیا جاے۔ یا اُنکی راے سے کسی کو اختلاف ہو۔ ایک دوسرا گروہ اُن بزرگون کا ہے جو بجاے خود نہ عالم ہین نہ فاضل۔ بلکہ یہ چاہتے ہین کہ ہم علماے علم برادرین کے آگے چلین۔ اور نوکل حکام اور گورنمنٹ کی نظر مین یہ دکھائین کہ قوم کے اصلی لیڈر ہم ہین۔ اور علما ہمارے پیرو۔ اُن کا اصلی منشا یہ ہے کہ بہت سی فضیلت کی پگڑیان اپنے پیچھے دکھا کے خیرخواہی سرکار کی پگڑی اپنے سر پر بندھوالین۔

مولوی شبلی نے دونون گروہون کو دبا رکھا تھا۔ اُنھون نے علما کے عام مذاق کے نصاب تعلیم اور طرز تعلیم مین اصلاحین کین۔ اور اُن علمبردارون سے جھنڈا چھین کے اِس بات کا دعویٰ کیا کہ علما کے لیے وسائط و ذرائع کی ضرورت نہین بلکہ خود علما کو چاہیے کہ حکام سے ملین اور اپنے اور اُن کے مقاصد پر غور کرکے اپنے لیے سلامت روی کا راستہ بنائین۔ اِس کوشش مین وہ کامیاب ہوے۔ اور سچ یہ ہے کہ اسی اصول کو برت کے ندوہ کے اکثر مقاصد کو اُنھون نے نہایت ہی آسانی اور صفائی کے ساتھ حاصل کر لیا۔

نصاب تعلیم کی اصلاح۔ گورنمنٹ سے نہایت ہی مناسب موقع پر زمین کا ملنا۔ ایک نہایت ہی عالی شان عمارت کی بنیاد ڈالنا اور اُسے تکمیل کے قریب تک پہونچا دینا۔ ان ضرورتون کے لیے کافی سرمایہ فراہم کر لینا اور گورنمنٹ سے بغیر کسی شرط کے مدد کا مل جانا یہ سب وہ کام ہین جو مولانا شبلی کے ہاتھ سے تکمیل کو پہونچے اور کسی اور کے ہاتھ سے بمشکل انجام پا سکتے تھے۔

ان کامون کے لیے سب سے زیادہ ضرورت روپیہ کی ہے۔ روپیہ جس قدر فراہم ہوا ہے اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ اُس کا غالب حصہ مولوی شبلی ہی کی کوششون کی برکت ہے۔ اگر آپ غور سے دیکھین گے تو ندوہ کے دار العلوم مین کل سرمایہ

بہت ہی کم لگا ہے۔ اور باہر سے جس قدر روپیہ آیا ہے وہ صرف مولوی شبلی کے اعتبار پر آیا ہے۔

ہندوستان کے علما مین اکیلے مولوی شبلی ہی ہین جن کو ملک کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ اُنکی بے نظیر اور مقبول عام تصانیف نے اُنھین ہمالیہ سے راس کماری تک اور بنگالہ سے افغانستان تک ہر شخص کے دل مین محبوب بنا دیا ہے۔ مصر اور ٹرکی مین بھی اُنھون نے ناموری حاصل کرلی ہے۔ اور وہ جدھر کا رخ کرتے ہین اُن سے پہلے اُن کا ہردلعزیز نام پہونچا ہوا ملتا ہے۔ ایسے شخص کو چند مجہول الحال اور محدود دائرے کے لوگون کا علیحدہ کردینا سوا اس کے کہ کسی سازش پر محمول کیا جاے اور کیا خیال کیا جاسکتا ہے؟ جس نگاہ سے قوم مولوی شبلی کو دیکھ رہی ہے اگر ارکان ندوہ بھی اُسی نظر سے دیکھتے تو بجاے اُن کے علیحدہ کرنے کے اُنھین آنکھون پر بٹھاتے۔ مگر جن لوگون کو اپنی قدر بڑھانے کی ضرورت ہے وہ ایسے شخص کو سوا حسد کی نگاہ سے دیکھنے کے قدر و منزلت کی نگاہ سے نہین دیکھ سکتے۔

ہم دلگداز کے صفحون پر کبھی کبھی مولانا شبلی کو چھیڑا کرتے تھے جس سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ نکتہ چینی کا سلسلہ منقطع نہ ہونے پاے اور مولانا کی لغزشون کو عالم آشکارا کرکے اُنھین متنبہ و ہوشیار کرتے رہین اور اُن کا مزاج جادۂ اعتدال سے نہ ہٹنے پاے۔ یہی نتیجہ ہم مسلم گزٹ کی نکتہ چینیون کا بھی تصور کرتے تھے۔ مگر یہ نہین سمجھتے تھے کہ ان آشوب زا مضامین سے اُن لوگون کو فائدہ اُٹھانے کا موقع مل جاے گا جو مولانا شبلی کو اپنے مقاصد و اغراض کے خلاف خیال کرتے تھے۔ مگر نہین ہماری امید کے خلاف یہ نتیجہ نکلا کہ مولانا ندوہ سے علیحدہ ہو گئے۔ جس سے مولوی شبلی کو تو کسی قسم کا ضرر نہین پہونچ سکتا ہان ندوہ البتہ مٹ گیا۔

مولوی شبلی کی علیحدگی کے بعد ندوہ ہندوستان مین اپنا اگلا اعتبار ہرگز نہین قائم رکھ سکتا۔ بلاد دُور دراز کے لوگ جو ندوہ کو مولانا کے ذریعہ سے جانتے اور اُس کے حامی و مددگار تھے سب علیحدہ ہو جائینگے۔ یہ ہم نے مانا کہ اُنکے حاسد اپنے گھرون کے اندر آتش حسد کے شعلون پر ایک مزہ دار ہانڈی پکائینگے لیکن اس کا کیا علاج کہ سارا ہندوستان اپنا منھ بدمزہ پاے گا۔

ہندوستان مین جیسے قابل اور سچے خیراندیشان ملت کی بہت کمی ہے اور جہان

بے غرض، خیر خواہ قوم ڈھونڈے نہیں ملتا ہر کام اُسی وقت چل سکتا ہے جب کوئی سچا ایثار نفس کرنے والا مل جائے۔ اور اُسی وقت تک چل سکتا ہے جب تک کہ وہ اُسی کے ہاتھ میں رکھا جائے۔ ہندوستان میں اور وہ بھی مسلمانوں میں اس بات کی سعی کرنا کہ ہم جس کسی کو منتخب کر دیں گے وہ کام کو چلائے جائے گا نا عاقبت اندیشی اور نادانی ہے۔ یورپ خصوصاً انگلستان کے لیے ہے کہ جس کام کے لیے جو مقرر کر دیا جاتا ہے وہ اُسے خوش اسلوبی سے چلانے لگتا ہے۔ ہندوستان میں آج تک جو کچھ ہوا ہے شخصی کوششوں سے ہوا ہے۔ اور جس شخص نے آغاز کیا آخر تک وہ کام اُسی کی ذات سے وابستہ رہا۔ علیگڈھ کالج کو سرسید نے قائم کیا۔ دیو بند کے مدرسہ کو مولوی محمد قاسم صاحب نے جاری کیا۔ اور اسی طرح کے صدہا کام ہیں۔ لیکن سب کا انتظام اُسی وقت تک درست رہا جب تک وہ اپنے پہلے بانی کے ہاتھ میں رہے۔ اور اسی وجہ سے کامیاب ہوئے کہ اپنے بانیوں کی زندگی بھر انھیں کے ہاتھوں میں رہے تھے۔

اسی طرح یہ بھی خوب سمجھ لو کہ ندوہ بھی اُسی وقت تک چلے گا جب تک وہ اُس کے ہاتھ میں ہے جس نے اُسے اس درجۂ کمال تک پہونچایا ہے۔ مولوی شبلی کے بغیر ندوہ بعض لوگوں کے لیے سرخروئی کا اور بعض کے واسطے گورنمنٹ سے خطاب ملنے کا ذریعہ تو البتہ ہو سکے گا مگر ندوہ نہیں باقی رہ سکتا۔

ہمیں یقین ہے اور یقین کے ساتھ افسوس ہے کہ ہندوستان میں جہاں جہاں خبر پہونچی کہ ندوہ کو اب مولوی شبلی سے تعلق نہیں ہے وہاں ندوہ کا اعتبار جاتا رہے گا۔ ندوہ نے اپنی حماقت سے کسی معمولی شخص کو نہیں کھویا۔ اُس نے ایسے شخص کو کھویا ہے جو دراصل ندوہ کا روح رواں تھا۔ اور جس کے ہٹتے ہی اُس کے اعتبار کا بہت زیادہ حصہ قوم کے دلوں سے اُٹھ گیا۔

اُمّ جعفر

یہ محترم خاتون عبد اللہ بن جعفر کی بیٹی تھی۔ مدینۂ طیبہ کے شریف اور معزز و مستند خاندانوں میں سے تھی۔ اور بے نظیر حسن و جمال کے ساتھ دانائی و فراست اور پاکبازی و عفت میں بھی مشہور تھی۔ اسلام کا ابتدائی زمانہ اور تابعین کا دور تھا۔ جب شعرا

عرب کا معمول تھا کہ ہمارے شاعروں کی طرح عام حسن کے دلدادہ یا کسی غیر متعین معشوقہ کے شیدا نہیں ہوا کرتے تھے۔ بلکہ اُن کا معمول تھا کہ کسی خاص حسینہ کو اپنی عاشقی اور خیال آرائی کے لیے منتخب کر لیا کرتے اور اُس کا نام لے لے کے اظہار عشق کرتے اور مجنونانہ شعر خوانی کرتے پھرتے۔ سچ یہ ہے کہ شریف زادیوں کے لیے یہ زمانہ نہایت ہی خطرناک تھا۔ اور پھر اسکے ساتھ عربوں کا یہ اصول معاشرت کہ جس عورت کے ساتھ کسی کو شادی سے پہلے عشق ہو جائے اُس کے ساتھ نکاح کرنا نہایت ہی معیوب اور موجب بدنامی و رسوائی خیال کیا جاتا۔

غرض ایسا نازک زمانہ تھا کہ اُمراد شرفائے عرب کی محفلوں مین اُم جعفر کے حسن و جمال اور اُس کی نازنینی و دلبری کی شہرت ہوئی۔ اور جن لوگون کو کبھی اسکے رخ زیبا کی زیارت نہیں نصیب ہوئی تھی "مصداق ع" بساکین دولت از گفتار خیزد" اُس کی نزاکت ورعنائی کی یاد مین سر دُھننے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس عہد کا مشہور شاعر احوص اُم جعفر کا عاشق دلدادہ بن گیا۔ اپنے اشعار مین علانیہ اُس کا نام لیتا ایک ایک کے سامنے اُس کے رخ زیبا کو یاد کرکے روتا۔ اور اپنے کلام مین بے تکلف ظاہر کرتا کہ مین اکثر جا کے اُم جعفر سے ملتا ہون اور اُس سے یون راز و نیاز کی باتین ہوتی ہین۔ فلان مقام پر اُس نے مجھ سے یہ کہا اور مین نے اُسے یہ جواب دیا اور فلان موقع پر مجھے اُس کی یہ دلربائی کی ادا نظر آئی اور مین یون کلیجہ تھام کے رہ گیا۔

جب یہ اشعار مشہور ہوئے اور احوص کے کلام کی عام مقبولیت کے باعث تمام لوگون کی زبانون پر اُم جعفر کا نام جاری ہو گیا تو اُس پاکدامن خاتون کو کل شرفاو معززین بدگمانی کی نظر سے دیکھنے لگے۔ یہان تک کہ اُم جعفر کے عزیز و قریب خاندان کی عصمت و ناموس پر حرف آنے کے خیال سے پریشان اور شرمندہ ہونے لگے۔ اور سب نے اُم جعفر کو ڈانٹا اور سخت وسست کہنا شروع کیا۔ غریب معصومہ نے قسم کھائی کہ مین نے تو کبھی اس ظالم احوص کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ جانتی ہی نہیں وہ کون ہے اور کیسا ہے۔ اور مین تو جانتی ہون کہ اُس نے بھی مجھے کبھی نہیں دیکھا ہے۔ یہ فقط اُس کی شرارت و بیحیائی ہے جو مجھے مفت اور بے وجہ بدنام کر رہا ہے۔ ادھر اُم جعفر اپنی پاکدامنی و عفت کی قسمین کھا رہی تھی اور اُدھر احوص عام مجمعون مین

غل مچاتا پھرتا تھا کہ ام جعفر کی نگاہ ناز یون میرے کلیجے مین اُتر گئی - اور یون فلان مقام پر وہ اپنے تمام عزیزون سے چھپ کے مجھ سے ملی اور مجھے دیوانہ بنا کے چلی گئی۔

آخر ام جعفر کے بھائی امین کو غصہ آ گیا - اور طیش مین آ کے احوص کے پاس کہلا بھیجا کہ اپنی ان حرکتون سے باز آؤ ورنہ بُرا ہو گا - تم ایک شریف زادی کو مفت بدنام کر رہے ہو - جس سے اُس کے دامن عفت مین دھبہ لگا جاتا ہے - اگر پھر کبھی تم نے اس بارے مین کوئی کلمہ منھ سے نکالا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا" مگر احوص اپنی حرکتون سے باز نہ آیا - اور امین قطعی طور پر آمادہ ہو گیا کہ کسی دن اُس سے دو دو ہاتھ ہو جائین جب یہ خبر مشہور ہوئی تو حاکم مدینہ نے اس اندیشہ سے کہ ان دونون کی عداوت سے کہین امن عامہ مین خلل نہ پڑ جائے دونون کو پکڑ بلایا - پھر دونون کے پاؤن ایک رسی مین بندھوا کے کوڑے دونون کے ہاتھون مین دیے اور کہا "اب دونون لڑو - دیکھون کون زیادہ مار کھاتا ہے" اس لیے کہ رسی مین بندھے ہونے کی وجہ سے کوئی بھاگ تو سکتا نہ تھا - کمزور اور مغلوب سوا اس کے کہ کھڑے کھڑے مار کھائے اور کچھ نہ کر سکے گا۔

اب دونون زور و شور سے کوڑے بازی کر رہے تھے - مگر امین کے دل مین شریفانہ غیرت و حمیت کا سچا جوش تھا - اور احوص مین علاوہ اس کے کہ شعرا اکثر بزدل ہوتے ہین کذب و افترا کی کمزوری تھی - چند ہی کوڑے کھائے تھے کہ کمال بد حواسی کے ساتھ جان چھڑانے کے لیے رسیان تڑانے لگا - اور آخر اپنے آپ کو چھڑا کے نوک دُم بھاگا - امین پیچھے دوڑا - اور دُور تک کوڑے مارتا چلا گیا یہان تک کہ احوص کسی گلی مین بھاگ کے غائب ہو گیا۔

اس طریقہ سے امین نے بخوبی سزا دے لی - اور بہت کچھ دل کی بھڑاس بھی نکال لی - مگر جو اصلی مقصد تھا نہین حاصل ہوا - اس لیے کہ احوص باوجود بھاگتے پھرنے کے اب بھی اُسی قسم کے اشعار کہتا - اور ام جعفر کو اور زیادہ بدنام کرتا پھرتا - اب امین کے خیال مین سوا اس کے کوئی تدبیر نہ تھی کہ احوص کو جو چھپتا پھرتا تھا کہین ڈھونڈھ نکالے - اور جہان ملے بے تامل مار ڈالے۔

اسی اثنا مین ایک دن احوص اپنے احباب کے ایک بڑے مجمع مین بیٹھا ہوا غزلخوانی

گر رہا تھا۔ اور لوگ اُس کی نازک خیالیون کی داد دے رہے تھے۔ انھین اشعار مین اُس نے اپنے وہ اشعار بھی سنائے جو اُم جعفر کے حسن کی تعریف مین تھے اور جن مین اُس سے ملنے اور وصل کا وعدہ لینے کا تذکرہ تھا۔ ناگہان ایک بُرقع پوش عورت آئی اور حزن کے لہجے میں احوص سے کہنے لگی "آپ نے مجھ سے وہ بکری لی تھی مگر اُس کے دام آج تک نہین دیے۔ اب مین نہایت پریشان و تنگ دست ہون۔ لہذا اُس کے دام دے دیجیے۔" احوص نے کہا "مین نے کبھی تم سے کوئی بکری نہین لی۔" عورت بولی "مجھے مفلس و نادار اور بےکس و بےبس دیکھ کے تم نے انکار کر دیا! مگر مین بے لیے نہ رہون گی۔" یہ کہہ کے اُس نے ایک کاغذ نکال کے ندیمان صحبت کے ہاتھ مین دیا۔ اور رو رو کے کہنے لگی "دیکھیے اس کاغذ پر انھون نے مجھے لکھ بھی دیا تھا اور آج کس طرح صفائی کے ساتھ مکرے جاتے ہین۔ زمانے کا یہی حال ہے تو کوئی کیونکر جیے گا؟" لوگون نے وہ کاغذ احوص کو دیا جسے دیکھ کے اُس نے کہا "یہ میرے ہاتھ کا لکھا ہی نہین ہے۔ یہ کوئی مکار اور جعلساز عورت ہے جو خوامخواہ مجھ سے کچھ روپیے مرنا چاہتی ہے۔" اس کا جواب سُن کے عورت نے رونا پیٹنا اور آہ و واویلا کرنا شروع کیا۔ اور آنسو بہا بہا کے کہنے لگی "لوگو خدا کے لیے تمھین میری مدد کرو۔ مین فاقون مر رہی ہون۔ مفلسی نے نان شبینہ تک کو محتاج کر دیا ہے۔ بڑا سہارا ان روپیون کا تھا جو اس ظالم کے ذمے ہین۔ افسوس یہ بھی مکر گیا۔ ہائے مین تو مر جاؤن گی۔" عورت کچھ ایسی بےکسی سے پھوٹ پھوٹ کے روئی کہ حاضرین کو اُس کی حالت پر ترس آگیا۔ اور سب نے احوص سے کہا "تم کو ایسی بے رحمی نہ کرنی چاہیے۔ اس کا جو کچھ باقی ہو اسی وقت دے دو۔" احوص نے کہا "آپ کیا کہہ رہے ہین! مین خدا کی قسم اس سے واقف ہی نہین ہون۔ جانتا بھی نہین کہ کون ہے اور کہان رہتی ہے۔"

یہ سُن کے عورت بولی "اچھا ظالم رہ۔ تو نے میرے روپیون سے انکار کیا اپنی تحریر سے انکار کیا۔ کیا اب میری صورت سے بھی انکار کر جائے گا؟ مگر مین یہ جھوٹ کو گھر تک پہونچائے نہ رہون گی۔ اور اپنا روپیہ لے کے جاؤن گی۔" یہ کہتے ہی عورت نے چہرے پر سے نقاب جو اُلٹی تو معلوم ہوا کہ ابر مین سے چودھوین رات کا چاند نکل آیا۔ حاضرین کی آنکھین چکاچوندھ ہو گئین۔ اور سب بھوچکا رہ گئے۔ اپنا

عالم آشوب چہرہ دکھاکے عورت نے کہا "اب تو پہچانا یا اب بھی انکار کی جرأت کرے گا؟" احوص نے کہا "یہ صورت زیبا بھی آج ہی دیکھی ہے۔" سنتے ہی عورت نے اس طرح غل مچاکے رونا پیٹنا شروع کیا کہ بہت سے راہگیر کھڑے ہو گئے۔ اور سیکڑون آدمیون کا مجمع ہو گیا جن کے سامنے احوص انکار کیے جاتا تھا کہ "مین نے اس نازنین کو کبھی نہین دیکھا ہے۔" عورت نے کہا "اچھا یون ہی سہی۔ تو قرآن اُٹھالے کہ آج سے پہلے کبھی تو نے میری صورت نہین دیکھی ہے۔ تیری جان کو صبر کرکے مین اپنا روپیہ چھوڑ دون گی۔" احوص بولا "مجھے منظور ہے۔" اور قرآن ہاتھ مین لے کے کہہ دیا کہ "مین نے کبھی اس عورت کی صورت نہین دیکھی ہے۔" احوص نے حلف اٹھائی ہی تھی کہ عورت نے نہایت ہی جوش و طیش کے ساتھ بڑھ کے احوص کے منھ پر تھوک دیا۔ اور ساتھ ہی اپنے ماہ وش چہرے کو نقاب مین چھپا کے بولی "لوگو۔ تم سب کے سامنے یہ حلف اُٹھا چکا ہے کہ اس نے آج سے پہلے کبھی مجھے نہین دیکھا تھا۔ سنو۔ مین اُم جعفر بنت عبد اللہ ہون! جس کے عشق کا یہ دم بھرتا ہے۔ اور اپنے اشعار کے ذریعے سے کہتا پھرتا ہے کہ مین اِس سے فلان مقام پر ملی۔ اور اس اس طرح اِس سے ملنے کے وعدے کیے! یہ سچ ہے کہ اس نے مجھ سے کوئی بھیڑ یا بکری نہین خریدی۔ اور نہ اس کے ذمے میرا کچھ باقی ہے۔ مگر اس کے انکار اور حلف اُٹھانے سے آپ سب کو معلوم ہو گیا کہ یہ کتنا بڑا ابچیا اور جھوٹا ہے۔ شریف زادیون کو مفت بدنام کرتا ہے۔ اور اپنے کذب و افترا پر نادم ہونے کے عوض اور زیادہ اکڑتا اور فخر کرتا ہے۔ بھائی ایمن کے ہاتھ سے سزا پانے پر بھی اپنی حرکتون سے باز نہین آیا۔ مگر مین نے آج ایسی سزا دی ہے کہ غیرت دار ہے تو پھر کبھی میرا نام زبان پر نہ لائے گا۔ اور آپ سب صاحبون کو چاہیے کہ ایسے بدمعاش اور جھوٹے کو ایک گھڑی بھر کے لیے بھی اپنے پاس نہ بیٹھنے دین۔" یہ کہہ کے ام جعفر سب لوگون کو اس حال مین چھوڑ کے چلی گئی کہ ہر شخص دم بخود تھا۔ کسی کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلتا تھا۔ اور احوص کی یہ حالت تھی کہ سر جو جھکایا تو کسی طرح اوپر اُٹھانے کی جرأت نہین ہوتی تھی۔ اور کسی سے چار آنکھین کرنے کے قابل نہ تھا۔

غرض اس واقعہ نے احوص کی زبان ہمیشہ کے لیے بند کر دی۔ ام جعفر کا خوبصورت چہرہ جیسا روشن صاف اور اُجلا تھا ویسا ہی اس کا دامن عصمت و عفت بھی قیامت تک

کے لیے بے داغ اور پاک وصاف ہوگیا - اور احوص ابد الآباد تک کے لیے ایسا بدنام اور ذلیل ہوا کہ پھر کبھی کسی پارسا خاتون کی آبرو پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوسکی - اور اس قابل ہی نہین رہا تھا کہ امین کا ایسا شریف جوانمرد عرب اپنی تلوار کو اُس کے خون سے ذلیل و ناپاک کرتا -

ریویو

معارف النغمات ہندوستان کے فن موسیقی کے بیان مین محمد نواب علیخان صاحب تعلقدار اکبرپور ضلع سیتاپور نے یہ ایک ایسی اعلی درجہ کی کتاب لکھی ہے جس کے مثل شاید کوئی دوسری کتاب نہ نظر آسکے گی - موسیقی بھی اُن فنون مین ہے جنھین باوجود حُرمت کے فتوون کے مسلمانون نے کچھ ایسے ذوق وشوق سے حاصل کیا کہ اپنا کر لیا - عباسیون کے زمانے مین موسیقی کو بے شک نمایان ترقی ہوئی تھی اور اسحق موصلی وغیرہ نے عربی موسیقی کو جس کے ماخذ ایران و روم کے فنون موسیقی تھے اعلی کمال پر پہونچا دیا تھا مگر ہندوستان کی موسیقی کو بغداد کی اُس موسیقی سے کوئی تعلق نہین ہے - ہندوستان مین آکے مسلمانون نے جب دیکھا کہ ہندؤن کا موسیقی ایک بہت ہی بڑا اعلی درجہ کا باضابطہ فن ہے اور بغداد کی موسیقی سے بدرجہا زیادہ وقعت رکھتا ہے تو اُس کی طرف خاص توجہ کی - اور چند ہی روز کے اندر مسلمانون مین اُس کے ایسے باکمال پیدا ہوگئے کہ معلوم ہوتا تھا سنسکرت موسیقی کے اصلی کامل و ماہر یہی ہین - نواب علیخان صاحب نے اس فن کو شوقیہ حاصل کیا اور اُس مین جو پایہ اُنھین حاصل ہوگیا اس کتاب کے دیکھنے سے نظر آسکتا ہے - تقریباً پچیس تیس سال ہوئے ہون گے کہ ہم نے ہندی موسیقی مین "اصول النغمات الآصفیہ" نام ایک کتاب دیکھی تھی جو نواب آصف الدولہ مرحوم کے عہد مین تصنیف ہوئی تھی - وہ اگرچہ اس کتاب سے نسبتہً چھوٹی اور مختصر تھی مگر بہت ہی جامع اور بے نظیر کتاب ہے اور افسوس کہ اس کتاب کی تصنیف کے وقت محمد نواب علیخان صاحب کی نظر سے نہین گزری اگر مل جاتی تو شاید معزز مصنف کو زیادہ مدد ملتی بہرحال مصنف صاحب نے کوشش کی ہے کہ ان کی اس تصنیف کی مدد سے ہر شخص موسیقی کو سمجھ سکے - اول مین ۷۲ صفحون کا ایک محققانہ دیباچہ ہے اُس کے بعد پورا فن موسیقی

تین حصون یا تین قسمون پر تقسیم کر دیا گیا ہے اول سُر اَدھیا ہے دوسرا راگ اَدھیا ہے تیسرا تال اَدھیا ہے - پہلا حصہ ۷۰ صفحون پر دوسرا ۲۷۰ صفحون پر اور تیسرا ۳۶ صفحون پر ہے - لہذا پوری کتاب فل سکیپ پیمانہ کے ۳۸۴ صفحون پر ختم ہوئی ہے - چھپائی لکھائی اور کاغذ اعلی درجہ کا ہے - قیمت کچھ نہین - جناب مصنف سے خط و کتابت کر کے حاصل ہو سکتی ہے

قدیم ہندوستان کی روحانی تعلیم ۱۸×۲۲ پیمانے کے ۱۴۴ صفحون کا ایک رسالہ ہے جسمین شیخ محمد یوسف صاحب ودوان ایڈیٹر نور قادیان نے مناظرے کی شان سے اس بات کو دکھایا ہے کہ ہندوون کے چارون ویدون کی تعلیمین خداشناسی کے لحاظ سے بالکل ناقص ہین - ہم عدیم الفرصتی کی وجہ سے صرف ۱۸ صفحون تک اس رسالہ کو پڑھ سکے - اور جو راے قائم کر سکے وہ مصنف صاحب کے موافق نہین ہے - ابتدا ءً معلوم ہوتا ہے کہ مصنف صاحب نے اہل حدیث کی نگاہون سے ویدون کو ملاحظہ فرمایا ہے اور وہی اعتراضات کیے ہین جو شخصی خدا کے ماننے والے تصوف کے خدا پر جو ایک مفہوم مشترک ہوتا ہے کیا کرتے ہین - مگر تھوڑی دور آگے بڑھ کے وہ اہل حدیث کے اصول سے بھی ہٹ گئے ہین اور معترض ہین کہ ویدون مین خدا کے منھ بازو اور آنکھین اور پانوون بتاے گئے ہین - لیکن اس کو نہین دیکھتے کہ خود قرآن مجید مین خدا کے چہرے ہاتھ - وغیرہ بتاے گئے ہین جن کی متاخرین حنفیہ تاویل کرتے ہین اور ائمہ سلف اور اہل حدیث اُن کو مانتے ہین اور کہتے ہین کہ ہم اُن کی ماہیت سے واقف نہین - بہرحال اس رسالہ مین وید پر جو اعتراضات کیے گئے ہین بالکل سطحی ہین - محققین اُن کو مشکل سے مانین گے - اس رسالہ کی قیمت ۸/ ہے - جناب مصنف سے طلب کیا جاے -

رموز الاطبا - لاہور کے قابل طبیب حکیم فیروزالدین صاحب ایڈیٹر رفیق الاطبا نے کئی سال سے یہ مہتم بالشان اور معرکہ آرا کتاب شایع کر رکھی ہے جس کا اب دوسرا ایڈیشن شایع ہوا ہے - یہ کتاب ۱۸×۲۲ پیمانے کے ۸۰۷ صفحون اور فہرست وغیرہ ملا کے ۹۰۰ صفحون سے زائد پر ختم ہوئی ہے جس مین ہندوستان کے ڈیڑھ سو سے زیادہ زندہ اور موجود یونانی طبیبون اور ویدون کے حالات زندگی مع اُن کے مجرب نسخون کے مندرج ہین - اس مین مشاہیر اطبا اور ویدون کی ۱۹ ہاف ٹون تصویرین بھی ہین جن سے کتاب کی رونق اور دلچسپی اور ترقی کر گئی

مجلد اور بہت ہی خوبصورت ہے - کئی سال سے یہ کتاب چھ روپیہ (ستہ ر) فی جلد قیمت پر فروخت ہوتی رہی - مگر اب مصنف صاحب نے ہندوستانی اہل شوق کی بے مائگی کا خیال کر کے اس کی قیمت سوا تین روپیہ (سعہ ر) فی جلد کر دی ہے جو بمقابلۂ سابق اور نیز کتاب کی شان وحیثیت سے بہت ہی کم ہے - جو صاحب غیر مجلد کتاب چاہین اُن کے لیے ۸ ر اور چھوڑ دیے جائین گے اور پونے تین روپئہ (عہ ۱۲ ر) ہی کو یہ تاریخی وطبی ذخیرہ اور تجربات حذاق کا مفید مجموعہ ہاتھ آسکتا ہے - درخواستین حکیم فیروز الدین صاحب ممدوح کی خدمت مین بھیجی جائین

چند خیالات

اس مین ذرا شک نہین کہ مسلمانون مین فی الحال ایک بیچینی پیدا ہو گئی ہے جو ان مین پولیٹیکل بیداری کو روز بروز بڑھاتی جاتی ہے - اور آخر کانپور کی مسجد کے معاملہ نے ہر جگہ کے مسلمانون کو جگایا ہی نہین بلکہ اُٹھا کے بٹھا دیا - اس شورش کا دبانا گورنمنٹ کے اختیار مین ہے - مگر دبانے والی پالیسی پر صحیح عمل اُس وقت تک دشوار ہے جب تک کہ فیصلہ کرنے کے لیے دوسری لوکل گورنمنٹون سے غیر متعلق حکام نہ بلائے جائین

یہ امر ہماری سمجھ سے بالا ہے کہ مسجد کے ایک حصہ کے متعلق جو سڑک کے لیے کانپور کی میونسپلٹی کو مطلوب تھا گورنمنٹ کو اس قدر ضد اور اصرار کیون تھا کہ سارے ہندوستان کے مسلمان غل مچا رہے ہین - ہندوستان کے ہر شہر مین دوہائیان دی جا رہی ہین کہ یہ ہماری مذہبی حرمت و آزادی کا بگاڑنا ہے اور گورنمنٹ لحاظ نہین کرتی - یہ نہ کوئی ملک گیری تھی نہ کسی باغی و سرکش قوم کا دبانا تھا پھر اس کے لیے اس قدر ہٹ کیون ہے مانا کہ ہمارے لفٹنٹ گورنر بہادر کو "مسجد شکنی" کا خطاب جو بعض لوگون نے دیا ہے نہ ملتا لیکن ایسے خطاب کے نہ ملنے سے اُن کا کیا بگڑتا تھا؟

مسلمانون نے ان دنون یونیورسٹی کے معاملہ مین بھی بڑی کامیابی حاصل کی - اور جو لوگ حکام کے اشارے پر چلتے اور ہر معاملہ کو اُن کی مرضی کے مطابق عام مسلمانون سے طے کرا دیا کرتے تھے - جنھون نے قومی آزادی کو پاؤن سے روند ڈالا تھا اور مسلمانون کے عام خیال کی ذرا بھی پروا نہین کیا کرتے تھے

اُنھین آخر کار قوم کی آزاد پارٹی نے ایسی فاش شکست دی کہ اُن کا سب کیا دھرا خاک مین مل گیا۔ اور جمہوریت نے شخصی ڈسپاٹزم کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کے پھینک دیا۔ اب جو ڈپوٹیشن جائے گا وہ صحیح معنون مین قوم کا وکیل ہوگا۔ اُس کا صرف اتنا کام ہوگا کہ ہماری خواہشات کو گورنمنٹ پر ظاہر کرے اور گورنمنٹ کے منشے کو ہمارے سامنے بلاکم وکاست بیان کر دے اس کے سوا اور کسی قسم کے اختیارات اِن بزرگون کو نہ دیے جائین۔

آزاد پارٹی کی اصلی فتح تو جب ہے جب علیگڈھ کالج کو ہندوستانی دیوتاؤن اور اسلامی اصطلاح کے "اربابًا من دون اللہ" یعنی ٹرسٹیون کے پنجے سے آزادی مل جائے۔ عمارت کے حسابات جن پر بدگمانیان ہین اور عام حسابات جو پبلک سے مخفی رکھے جاتے ہین چھین کے مسلمانون کی عام نگاہون کے سامنے لائے جائین۔ گذشتہ کی حساب فہمی ہو اور آیندہ کا انتظام۔ موجودہ حالت مین کالج کلاس کے طلبہ ہمارے ہندوستان کے طلبہ سے زیادہ بدنصیب ہین۔ اُن کی کیریکٹر کی نگرانی اُس طرح کی جاتی ہے جس طرح پولیس ڈٹکٹیو (جاسوس) کسی سرکش اور باغی گروہ کی نگرانی کرتے ہون۔ اُن کے ساتھ ملنے جلنے اور انھین راہ پر لانے کے عوض وہ آزاد چھوڑ دیے گئے ہین اور اُن کے ہر فعل پر بدگمانی کی جاتی ہے اگلے وقتون ٹرسٹی اور بانیانِ مدرسہ کالج کے لڑکون سے ملتے جلتے تھے اُن کی دعوتین کرتے تھے اور پروفیسرون کا فرض تھا کہ اُن کے ہر کام مین شریک ہون۔ اور ہر مرحلہ مین اُن کی رہبری کرین۔ اب یہ طریقہ ہے کہ ٹرسٹی ملاءِ اعلیٰ کے رہنے والے ہین۔ جو طلبہ کے عالم اسفل مین آنا اپنی توہین خیال کرتے ہین۔ پروفیسر اُن سے اس طرح ملتے ہین جس طرح صاحب کلکٹر اپنے دفتر کے کسی کلرک یا کسی امیدوار سے ملتے ہون۔ طلبہ کا مجمع ایک ہوّا ہے جس سے خود منتظمان کالج ڈرتے ہین اور اُن سے زیادہ گورنمنٹ ڈرتی ہے۔ کالج کا بورڈنگ کا ہے کو کسی مشرقی شہنشاہ کی حرم سرا ہے جس مین سیکڑون دل خون شدہ عورتین بھری ہوئی ہین وہ اپنے قید کرنے والون کو کوستی گالیان دیتی اور اُن کے مغلوب کرنے کے لیے سازشین کرتی ہین۔ اور خود شہنشاہ صاحب اُن سے اس قدر خائف ہین کہ گھر مین قدم رکھتے کانپتے ہین۔ یہ ہے حالت موجودہ علیگڈھ کالج کی۔ مجھ سے بہت سے طلبہ نے خود ہی کہا کہ یہ حالت رہ نہین سکتی یا ہم نہ ہون گے یا کالج نہ ہوگا۔ ایسی حالت مین جب تک آزاد پارٹی ٹرسٹیون پر فتح نہ حاصل کرے گی کالج اس قابل ہی نہین ہے کہ لوگ اپنے بچون کو اُس مین بھیجین تاکہ دنیا مین قدم رکھنے سے پہلے ہی وہ باغی کا خطاب حاصل کر کے گھر مین آئین۔

ایک پاکدامن کھترانی

نواب سعادت علیخان فرمان رواے اودھ کے زمانے مین ہرنام سنگھ نام ایک سرسوتی برہمن نے جو پنجاب کے رہنے والے تھے اور لکھنؤ کے دربار مین خصوصیت رکھتے تھے "سعادت جاوید" نام ایک تاریخ لکھی ہے جس کا بہت کچھ دلچسپ حصہ مسٹر الیٹ نے اپنی تاریخ مین اخذ کر لیا ہے - اُسی ماخوذ حصے مین ایک یہ دلچسپ واقعہ بھی ہے جس کو پڑھ کے اسلامی حکومت ہند کے آخری حالات - ہندو مسلمانون کے باہمی اختلافات و شکایات - اور اُن کے ساتھ ہی اُن کی یکرنگی دیکھنی کا عجیب مجموعہ نظر کے سامنے ہو جاتا ہے - قابل مصنف صاحب ہندو ہین - اور ہندوؤن مین بھی برہمن - مگر دیباچے مین خداے واحد ذوالجلال اور پیغمبر آخرالزمان علیہ السلام کی حمد و نعت بڑے زور و شور سے بلکہ جوش عقیدت کے ساتھ تحریر فرماتے ہین -

لیکن وہ واقعہ جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا یہ ہے کہ پنجاب مین سکھون کا عہد شروع ہونے سے پہلے چند سال تک لاہور کے صوبہ دار زکریا خان رہے تھے - جو بڑے ہی شریف النفس عدل گستر اور اہل لاہور مین نہایت ہر دلعزیز تھے - اُن کے زمانے مین مسلمان مولویون نے ہندوؤن سے مذہبی مباحثہ چھیڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان ہندوؤن پر جبر و تشدد اور زیادتیان کرنے لگے - مگر زکریا خان کے انصاف نے ہمیشہ مسلمانون کو ملزم ٹھرایا اور دبایا -

یہ جھگڑے ہو ہی رہے تھے کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا - ایک آغا صاحب کسی ہندو کھتری کی جورو پر فریفتہ ہو کے اُس کے بہکانے اور پھسلانے کی کوششین کرنے لگے - مگر عورت نہایت ہی پاکدامن اور عفت شعار تھی کسی طرح راضی نہین ہوئی اور اُن کے فقرے مین نہ آئی - آخر ایک دن رات کو آغا صاحب نے مشہور کیا کہ آج اس عورت کے ساتھ میرا نکاح ہوگا - چنانچہ ہزارون مسلمانون کے مجمع مین عورت مسلمان دولھنون کی وضع مین لائی گئی - قاضی صاحب نے نکاح پڑھا - خرمے اور نقل لٹائے گئے - ہزارون آدمیون نے دعوت ولیمہ کھائی - اور دوسرے دن آغا صاحب چند بدمعاش اور شورہ پشت دوستون کے ساتھ اُس کھتری کے دروازے پر پہونچے اور کہا "اپنی جورو کو سوار کرا - اب وہ تیری نہین بلکہ میری جورو ہے - تجھ سے اور تیرے دین سے اُسے نفرت ہوگئی - کل رات کو وہ خود اپنی خوشی سے میرے گھر مین آئی - میرے ہاتھ پر کفر سے توبہ کر کے دین اسلام قبول کیا مسلمان ہوئی - اور میرے ساتھ نکاح کر لیا" غریب کھتری اُس کے تمام اعزا و اقارب خود اُس عورت کے میکے والے سب کی یہ حالت تھی کہ آغا صاحب کے یہ الفاظ سُن کے دریاے ندامت مین غرق تھے - چاہتے تھے کہ زمین پھٹے اور ہم سما جائین - کسی کو سر اُٹھانے اور چار آنکھین کرنے کی جُرأت نہ ہوتی تھی - آخر شوہر اور دوسرے عزیز خود اُس نازنین عورت کے پاس گئے اور پوچھا "تم اِس مسلمان کے گھر مین گئی تھین؟ اور جو کچھ یہ کہہ رہا ہے سچ ہے؟" غریب بے زبان عورت اس اتہام سے مارے شرم کے زمین مین گڑی جاتی تھی - مگر بے بولے بھی نہ رہا جاتا تھا - بے شرمی اختیار کر کے بولی "مین اُن آغا صاحب کو جانتی ہی نہین کہ کون ہین - اُن کے وہان جانا کیسا مین نے کبھی بات تک تو اُن سے کی نہین اور نہ کبھی اُنھین نظر بھر کے دیکھا ہے - لیکن مین گواہ کہان سے لاؤن؟ اور کوئی میری کیون سُننے لگا تھا؟"

عورت کو انکار کرتے دیکھ کے عزیزون اور اُس کے شوہر کا حوصلہ بڑھا اور باہر آ کے کہا "عورت کو اِس سے بالکل انکار ہے - اور کہتی ہے کہ مین نے اپنے گھر سے قدم ہی باہر نہین نکالا اِن کے گھر کیسے پہونچ گئی؟" آغا صاحب نے کہا "اچھا ایک کام کرو یہ نازنین جب میرے یہان سے واپس آئی ہے تو مسلمان دولھنون کا سا لباس عروسی پہن کے آئی تھی جن کپڑون مین نکاح ہوا تھا گھر مین ڈھونڈو - اگر وہ کپڑے نہ ملین تو

جانو وہ سچّی ہے اور مین جھوٹا اور جو وہ کپڑے مل جائین تو اُسے جھوٹا اور مجھے سچّا خیال کر کے اُسے میرے ساتھ سوار کرا دو۔" آغا صاحب کے بیان کے مطابق عزیزون نے گھر مین جا کے دیکھا تو واقعی مسلمان دلھنون کا لباس عروسی نکل آیا۔ جسے دیکھتے ہی سب سنّاٹے مین آ گئے۔ اور اب کسی سے کوئی جواب نہ بن پڑتا تھا۔ تاہم ہندؤن کی غیرت متقاضی نہ ہوئی کہ عورت کو بغیر اُس کی مرضی کے زبردستی سوار کرا دین۔

آخر مقدمہ لاہور کے قاضی صاحب کے سامنے پیش ہوا۔ وہ پُرانے خیال کے خالص مسلمان مُلّا۔ فتوی دیا کہ "جو عورت مسلمان ہوئی۔ ایک مسلمان سے نکاح کیا۔ وہ مجبوراً مسلمان شوہر کے سپرد کیجائے۔ اور ہرگز اُسے اِس کا موقع نہ دیا جائے کہ پھر مُرتد ہو جائے"۔ جب یہ فتوی تعمیل کے لیے زکریا خان کے سامنے پیش ہوا تو وہ ایک چکنمے مین پڑ گیا۔ نہ کوئی بات سمجھ مین آتی تھی اور نہ کچھ کرتے دھرتے بنتا تھا۔ آخر حکم دیا کہ "کل تک مقدمہ ملتوی رکھا جائے۔ مین سوچ سمجھ کے حکم دونگا۔"

رات کو زکریا خان نے سب سے چھپ کے فقیرون کا بھیس کیا۔ اور سیدھا اُس کھتری عورت کے محلّے مین پہونچا۔ پھرتے پھرتے ایک ایسے مقام پر گزر ہوا جہان چند فقیر ایک کونے مین بیٹھے باتین کر رہے تھے۔ باتون باتون مین ایک فقیر بولا "سنتے ہو؟ اِس کھترانی کو ہم ایک زمانے سے دیکھ رہے ہین۔ اور اِس کے طور و طریق مین سوا پاکدامنی اور نیک چلنی کے کبھی کوئی بات نہین دیکھی۔ بھلا کیسے ممکن ہے کہ ایسی پارسا عورت اُس مغل کے وہان گئی ہو اور نکاح کر لیا ہو؟ خدا جانے اِس مین کیا فریب ہے؟" یہ سُن کے زکریا خان اُن آغا صاحب کے محلّے مین گیا۔ یہان آتے ہی کسی شخص کو یہ کہتے سُنا "یہ مغل مفتری جھوٹا اور مکار ہے۔ ہم نے اُس کھتری عورت کو کبھی اِس کے یہان آتے نہین دیکھا۔ پھر نکاح کیسے ہو گیا؟"

اِن باتون کو سُن کے زکریا خان کو اُس شریف کھترانی کا چال چلن بھی معلوم ہو گیا اور اُن آغا صاحب کا بھی۔ مگر قاضی صاحب کے فتوی کے مسترد کرنے کے لیے کوئی بنیاد اور کافی شہادت نہین ملتی تھی۔ یہ سمجھ مین نہ آتا تھا کہ مسلمان لڑکیون کا لباس عروسی اُس کھتری کے گھر مین کیسے پہونچ گیا۔ کپڑون سے اُس کا خیال دھوبن کی طرف گیا۔ اور اُس دھوبن کو پکڑ بلایا جو اُس کھترانی کے گھر مین کپڑے دھوتی تھی۔ پہلے تو اُس نے انکار کیا۔ مگر جب سختی کی گئی تو بولی کہ ہان آغا صاحب کے لالچ دلانے اور بہت کچھ دینے کی وجہ سے مین نے یہ کیا کہ اُس کھترانی

کے کپڑے پہن کے اور اُسی کی سی وضع بنا کے رات کو اُن کے یہان آئی - پھر اُن کا دیا ہوا لباس عروسی پہن کے اُسی کے نام سے اُن کے ساتھ نکاح پڑھوایا - اور دوسرے دن آغا صاحب کی ہدایت سے وہ شادی والے کپڑے اُس عورت کے گھر مین لیجا کے ڈال آئی"

زکریا خان نے اس بیان کے مطابق دیگر ثبوت حاصل کر کے اور اپنا پورا اطمینان کر کے دوسرے دن اُن آغا صاحب اور اُس دھوبن کو قتل کی سزا دی - اور اُس پاکدامن کھترانی کو عصمت وعفت کی سند دے کے اُس کے ناموس کو ہمیشہ کے لیے بدنامی سے بچا لیا -

لاہور مین زکریا خان کے معتمد علیہ دو کھتری تھے جن مین سے ایک کا نام لالہ لکھپت رائے اور دوسرے کا لالہ جسپت رائے تھا - یہ بڑے دولتمند اور معزز لوگ تھے - اور زکریا خان کو ہر کام مین اُن پر پورا بھروسا تھا - دونون کو راجہ کا خطاب حاصل تھا - مگر وہ اپنے آقا زکریا خان کے سامنے اپنے آپ کو راجہ نہین کہلاتے تھے - اور نہ کبھی آپ کو اس خطاب سے شہرت دی - جب نادر شاہ دہلی کو لوٹ کے واپس جاتے وقت لاہور مین پہونچا تو حکم دے دیا کہ سارے باشندگان لاہور کو پکڑ کے اسیران جنگ کی حیثیت سے ساتھ لے چلو - اس موقع پر لالہ لکھپت رائے نے تین لاکھ روپیہ نقد اُس کی نذر کر کے تقریباً پانچ لاکھ ہندو مسلمانون کو جن مین مرد بھی تھے اور عورتین بھی تھین نادر شاہ کے دست ستم سے آزادی دلائی -

میر علی شیر

علم وفضل جب دل پر سچا اثر ڈالتے ہین تو انسان مین جاہ پسندی عیش طلبی اور دولت وحکومت کی ہوس بالکل نہین باقی رہتی - لیکن اس قسم کے اعلی کمال کے نمونے اکثر اُسی قوم مین نظر آیا کرتے ہین جو دنیا مین عز و وقار اور شرافت ونجابت کے لحاظ سے نہایت ممتاز ہو جاتی ہے - مسلمانون کا بھی کبھی ایسا زمانہ تھا کہ اُن مین علم وفضل کا ایسا ہی سچا ذوق رکھنے والے کثرت سے پیدا ہوا کرتے تھے - ہم مین یہ بات ابھی تھوڑے ہی دنون پیشتر تک موجود تھی کہ ہمارے شرفا کا بڑا اور ہمارے صاحبان علم شرافت نفس اور اپنے سچے ذوق علم کے سامنے نہ سلطنت کی پروا کرتے تھے اور نہ عیش و راحت کی - مگر ہمارا وہ زمانہ گزر گیا - اب ہم مین کا ہر شخص دولت اور روپے کی ہوس مین تمام کمالات انسانی کو بھول گیا ہے - مال و دولت کے آگے کسی انسانی کمال کی قدر نہین باقی

رہی ہے۔ اور اگر تمتع دنیوی کی امید ہو تو ہر شخص ہر قسم کا ذلیل سے ذلیل اور بیہودہ سے بیہودہ کام کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔

اگلے شریف النفس باکمالانِ اسلام مین ایک یہی "میر علی شیر" تھا جس کا نام اس مضمون کا زیب عنوان ہے۔ گو اُس کے نام کے ساتھ "میر" کا لفظ لگا ہوا ہے مگر اصل مین وہ تاتاری الاصل تھا اور چغتائی قبیلے کے ایک معزز و محترم خاندان سے تھا۔ ۸۴۴ھ (مطابق ۱۴۴۰ء) مین پیدا ہوا اور اپنے صاحب علم باپ کے آغوش مین پرورش پانے لگا۔ میر علی شیر کے پدر بزرگوار اگرچہ ایک سپہ گر اور صاحب سیف گروہ کی یادگار رکھتے اور غالب کا یہ شعر اُن کے حسب حال تھا کہ مصرع "سو پُشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری" مگر انھون نے ذاتی طور پر علم و فن مین ایسی اعلیٰ بصیرت حاصل کر لی تھی کہ علم کے شوق مین سارے مشاغل چھوٹ گئے تھے۔ اور سوا عالمانہ صحبتوں کے اُنھین کسی بات مین مزہ نہ آتا تھا۔ چنانچہ اپنے بچون کو بھی انھون نے بجاے تیر افگنی و شمشیر زنی اور نیزہ بازی و شہسواری کے پڑھنے لکھنے کی تعلیم خاص توجہ سے اور بڑے انہماک و اہتمام کے ساتھ دلوائی۔ سلطان ابوالقاسم بابر ابن تیمور کے عہد مین سلطنت کا ایک بڑا اور معزز محکمہ اُن کے سپرد تھا۔ اسی وجہ سے میر علی شیر کو تعلیم و تربیت ہی کے زمانے سے دربار شاہی مین جگہ مل گئی۔ اور خاص شاہزادۂ ولی عہد کے ساتھ ہم سبق و ہم مکتب ہو جانے سے اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اس کا نشو و نما قصر سلطانی مین بلکہ خاص بادشاہ زمانہ کے آغوش مین ہوا۔ اور سلطان بابر کو اُس سے ایسا تعلق خاطر ہو گیا تھا کہ اُسے اپنا بیٹا اور فرزند کہا کرتا۔ اور اُس کے بعد جو جو اُس کا علمی ذوق و شوق بڑھتا گیا اور اُس کے اشعار مطبوع خلائق ہوتے گئے بادشاہ کی نظر مین اُس کی عزت و وقعت بھی ترقی کرتی گئی۔

اسی اثنا مین علی شیر کو ایک ناگہانی صدمہ پہونچا۔ وہ یہ کہ بادشاہ نے جو اُس کا مربّی اور اُس کے حال پر حد سے زیادہ مہربان تھا سفر آخرت کیا۔ اور وہ دنیا سے کچھ ایسا برداشتہ خاطر ہوا کہ اپنے ہمسبق ولی عہد سلطنت کی بھی پروا نہ کی۔ اور دربار شاہی اور ایوان خسروی کو چھوڑ کے فقیرون اور آزاد مشرب صاحبان علم کی طرح مشہد مقدس مین جا بیٹھا۔ چند روز بعد مشہد کے قیام سے بھی دل اُکتایا تو سمرقند کی راہ لی۔ جو شہر کہ اُن دنون علم و فضل کا ایک بڑا بھاری مرکز تھا۔ اس دار العلم مین پہونچ کے اُس نے علوم عالیہ کی طرف توجہ کی اور چند روز مین ایک فاضل گران پایہ بن گیا۔

تھوڑے دنون بعد اُس کا ہم سبق اور بچپن کا رفیق سلطان حسین بہادر خان خراسان کا فرمان روا ہوا۔ اُس نے میر علی شیر کے ساتھ تعلیم پائی تھی۔ ہم سبق وہم مکتب رہا تھا اور اُس کے ساتھ بچپن مین جو صحبتین اور ہم مذاقی رہی تھی اُسے یاد کرکے اکثر مزے لیا کرتا تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی میر علی شیر کو خط لکھ کے سمرقند سے بُلوایا۔ اور جیسے ہی وہ حاضر ہو کے آستان بوس دولت ہوا اُسے خلعت سے سرفراز کرکے اپنا وزیر اعظم اور کل مہمات سلطنت کا ذمہ دار بنا دیا۔ اگلی محبت اور بادشاہ کی صحبتون کو یاد کرکے وہ چلا تو آیا۔ مگر جس کے دل مین علم کا ذوق پیدا ہو گیا اُسے دنیاوی جھگڑون مین کیا لطف آسکتا تھا؟ تھوڑے ہی دنون بعد وزارت سے استعفا دے دیا۔ اور کہا "حکومت وجاہ آپ کو مبارک۔ مجھے تو اپنے علمی مشاغل کے لیے ایک گوشۂ عزلت چاہیے جہان تک حکمرانی وجہانبانی کے جھگڑے نہ پہونچتے ہون"۔ مگر سلطان حسین کو اُس سے کچھ ایسی محبت تھی کہ کسی طرح استعفا نہ قبول کرتا تھا۔ اور آخر کہہ سُن کے اور سمجھا بجھا کے اُسے اِس پہ راضی کیا کہ اگر وزارت نہین پسند ہے تو صوبۂ استرآباد کی گورنری قبول کرے۔ اور وہان اطمینان سے بیٹھ کے علمی مشاغل اختیار کرے۔ جبراً و قہراً علی شیر نے بادشاہ کی اس عنایت کو قبول کر لیا۔ مگر جب استرآباد کی عنان حکومت ہاتھ مین لی تو وہان بھی ویسے ہی جھگڑے نظر آئے۔ اور اپنے مذاق کی باتون اور علمی مشاغل کے لیے مطلقاً فرصت نہ ملتی۔ آخر اس حکومت سے بھی استعفا دیا اور پبلک معاملات کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ کے تصنیف و تالیف مین مشغول ہو گیا۔ اور اسی مشغلہ مین اپنی پوری زندگی صرف کر دی۔ اُس کے تصانیف فارسی اور ترکی زبانون مین ہین۔ جن کا شمار اکیس سے کم نہین بتایا جاتا ہے۔

اکثر صاحبان علم مین اُمرا اور رؤسا سے زیادہ نخوت پیدا ہو جاتی ہے اور علما کا تبختر اور اُن کی ریاکارانہ خودداری عوام مین مشہور ہے۔ وہ اپنے سامنے کسی کی ہستی نہین سمجھتے اور اپنے کلام کے مقابل مین سب کے کلام کو لغو اور بے مزہ خیال کرنے لگتے ہین۔ لیکن اس کے خلاف میر علی شیر مین یہ کمال تھا کہ غرور نام کو بھی نہ تھا۔ اپنے کلام اور اپنے تصانیف سے زیادہ قدر معاصر علما و شعرا کے علمی کارنامون کی کرتا۔ چونکہ ایک معزز و دولتمند خاندان سے تھا اس لیے وہ اب بجائے ملک پر حکومت کرنے کے اہل علم کے دلون پر متصرف تھا۔ اور علما و فضلا اور شعرا و اُدبا کا بڑا بھاری مربی بن گیا تھا۔

دولت شاہ سمرقندی نے جس کا تذکرہ اس قدر مشہور ہے کہ یورپ مین بڑے اہتمام سے چھاپا گیا ہے - اور ابدی زندگی پانے والے نامور مورخین میرخوند اور خوندمیر نے اُسی کی مربی گری سے شہرت دوام حاصل کی اور اپنے تصانیف کو اُسی کے نام سے معنون کیا ہے - جن مشہور شعراے گران پایہ نے اُس کی فیاضی وحوصلہ افزائی سے وقعت حاصل کی اُن مین سب سے زیادہ معزز ومقبول عام نام مولنا جامی کا ہے جو اُسی سے وابستہ تھے - اور اُسی کی قدردانی سے طبع آزمائی وخیال آرائی کا جوہر دکھا رہے تھے

علم وفضل کے علاوہ میر علی شیر کو عمارت کا بھی بڑا شوق تھا - چنانچہ خاص اپنے روپیے سے بڑی بڑی عالیشان عمارتین مدرسے اور پُل مسجدین اور خانقاہین تعمیر کرائین - ماسوا اس کے اُسے علم موسیقی کا بھی بڑا شوق تھا - شوق ہی نہین اس لطیف فن مین اُسے اچھی اور مستند دستگاہ حاصل تھی - چنانچہ کہتے ہین کہ آج تک اُس کی ایجاد کی ہوئی مختلف دھنین ایران وترکستان مین مروج اور پسندیدہ ہین - اور اہل فن اُن کے بڑے معرف ومداح ہین -

چغتائی یعنی خاص ترکی زبان مین اُس کے نغمات کا مجموعہ اس وقت تک موجود ہے - اُس مین اُس نے اپنا تخلص "نوائی" قرار دیا ہے - دس ہزار سے زیادہ شعر اُس مین ہین - اور خمسۂ نظامی کو جس خوبی سے اُس نے ترکی زبان مین نقل کیا ہے اُسی کا کام تھا اور اُسے ترکی شاعری کے عام ماہرین آج تک نہایت ہی قدر کی نگاہون سے دیکھتے ہین - حتی کہ وہ ترکی زبان کی بے مثل وبے نظیر نظم تصور کی جاتی ہے - اُس مین غالباً تیئس ہزار اشعار ہین -

فارسی زبان مین میر علی شیر "فنائی" تخلص کرتے تھے اُس مین بھی اُن کے اشعار کا مجموعہ موجود ہے - حاجی لطف علی نے اپنے تذکرہ "آتشکدہ" مین اُن کے فارسی کے یہ اشعار نقل کیے ہین - ؎

اے شب غم چند رُو از روے یارم میکشی | زندہ میدارم ترا بہر چہ کارم مے کشی

ان دنون مسلمانان اہل سنت میں یہ مسئلہ مختلف فیہ تھا کہ یزید بن معویہ پر لعنت بھیجنا جائز ہے یا نہین اس مسئلہ مین وہ اپنا عقیدہ اس قطعہ مین بڑے لطف کے ساتھ ظاہر فرماتے ہین -

اے کہ گفتی بر یزید و آل او لعنت مکن زانکہ شاید حق تعالیٰ کردہ باشد رحمتش
آنچہ با آلِ نبی او کرد اگر بخشد خدا ہم بخشاید خدا اگر کردہ باشی لعنتش

سنہ ۹۰۶ھ (سنہ ۱۵۰۰ء) مین میر علی شیر نے سفر آخرت کیا - بہت سے علما و شعرا اور مصنفین و اہل علم اُن کی وفات سے پریشان حال ہوگئے - اور دنیاوی علوم نے اُن کی موت کو بڑی بیتابی کے ساتھ برداشت کیا - اور میر خوند نے الفاظ "بنور رحمت" سے اُنکی وفات کی تاریخ نکالی -

محمود غزنوی کی حرص و طمع

محمود غزنوی کی زندگی کے واقعات پر غور کرو تو معلوم ہوتا ہے کہ شعرا اور اہل علم کو ہمیشہ انعام و اکرام سے سرفراز کرتا رہتا تھا - اور اُس کی فیاضیون ہی کی برکت تھی کہ کبھی کسی مشرقی دربار مین (میری مراد مشرق سے بغداد و عراق کے اس طرف کے ممالک ہین) اتنے علما و فضلا اور ابدی ناموری حاصل کرنے والے شعرا نہین جمع ہو سکے تھے جتنے کہ محمود کے دار السلطنت غزنین اور اُس کے دربار گہر بار مین جمع ہوگئے تھے - اور اُس کی فیاضی ہی تھی جس نے فارسی شاعری کو زندہ ہی نہین کیا بلکہ ترقی دیتے دیتے آسمان پر پہونچا کے ایسا بنا دیا کہ سنسکرت اور یونانی شاعری کا مقابلہ اگر دنیا کی کسی زبان کی شاعری کر سکتی ہے تو وہ فارسی کی شاعری ہے - شاعری ہی نہین اُس نے ایران کی تاریخ کو بھی اپنی قدردانی سے زندہ کر دیا -

مگر باوجود ان فیاضیون کے محمود غزنوی بخیل و حریص مشہور ہے - اُس کے بخل کی زیادہ شہرت فردوسی طوسی اور شاہنامہ کی تصنیف کے واقعے سے ہوئی - محمود کے کہنے سے فردوسی نے شاہنامہ تصنیف کیا - اور محمود نے وعدہ کیا تھا کہ ہر شعر پر ایک اشرفی انعام دون گا - جب وہ مکمل ہو کے دربار مین پیش ہوا تو محمود کو موعودہ رقم بہت زیادہ معلوم ہوئی - اور اُس نے بجاے اشرفیون کے فی شعر ایک روپیہ (نقرۂ سکہ) دینا تجویز کیا جس پر بگڑ کے فردوسی چلا گیا - محمود کی ہجو کہی اور اپنے وطن طوس مین جا کے بیٹھ رہا - بعد کو محمود پچھتایا اور حکم دیا کہ جتنے شعر ہین اتنی ہی اشرفیان بھیج دی جائین - یہ رقم جس وقت طوس مین پہونچی ہے سلطانی سفیر نے دیکھا کہ لوگ فردوسی کا جنازہ لیے آتے

ہین۔ کفِ افسوس ملنے لگا - اور ارادہ کیا کہ وہ رقم فردوسی کی اکیلی وارث اُس کی بیٹی کے حوالے کردے - مگر اس دھن کی پکی اور وضع کی سچی لڑکی نے لینے سے انکار کیا اور کہا "جس رقم کی حسرت مین میرے والد مرگئے اُسے مین نہ لونگی" - آخر اس رقم سے طوس مین ایک پُل بنوا دیا گیا -

لیکن اس واقعے سے محمود کو بُخل کا الزام دینا غلطی ہے - محمود نے شاید دل مین اُس رقم کو زیادہ تصور کیا ہو لیکن وہ فردوسی کے جو خلاف ہوا اُس کے اسباب اور تھے جو تاریخ پر غور کرنے سے صاف نظر آجاتے ہین - محمود اپنے مذہب کا سختی سے پابند تھا - اور اسماعیلی شیعون کا وہ جانی دشمن تھا - ابن سینا کے ساتھ بھی اُسے اسی بنا پر سخت دشمنی تھی اور چاہتا تھا کہ کسی طرح ہاتھ آجائے تو پکڑ کے قتل کر ڈالون - شیعہ ہی نہین کرّامی العقیدہ ہونے کے باعث وہ اشاعرۂ اہل سنت کا بھی بڑا دشمن تھا - فردوسی سے بعض بارسوخ درباری جلتے تھے اور اُنھون نے محمود کے کان تک پہونچا دیا کہ وہ شیعۂ اسماعیلی ہے - یہ سنتے ہی وہ آمادہ ہو گیا کہ انعام کا نہ دینا درکنار فردوسی کا کام ہی تمام کردے فردوسی کو اس کی خبر ہو گئی جان لے کے بھاگا - اور ہجو کہی جس مین محمود کے نسب پر حملا کرنے کے ساتھ اپنے عقائد پر فخر بھی کرتا ہے - اور قبول کرتا ہے کہ اُس کی محمود کے دربار کی ساری زندگی تقیہ کی تھی - غرض بُخل نہین یہ اختلاف مذہب تھا جس نے محمود کو اُس کے ساتھ دشمنی ہی نہین اُس کی جان لینے پر آمادہ کر دیا - لیکن چند روز بعد جب محمود کا غصہ فرو ہوا اور محمود کے طرفدارون نے سمجھایا کہ فردوسی اس دربار سے دل شکستہ گیا ہے اور ایک ایسا شاعر ہے کہ اُس کے ساتھ بدسلوکی کرنے سے حضور کا نام ابدالآباد تک بدنام ہوگا تو اُس کا قصور معاف کیا - اور ساتھ ہی وہ موجودہ رقم بھجوا دی - اگر محمود نے بُخل اور دولت کی حرص سے یہ کام کیا ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ کسی کے کہنے سننے سے اُس رقم کے دینے پر آمادہ ہو جاتا جو اُسے حد سے زیادہ عزیز تھی -

اور دو ایک واقعات بھی محمود کی حرص و طمع کے ثبوت مین پیش کیے جاتے ہین - مگر اُن سے بھی دراصل سوا مذہبی تعصب کے ہوس زر نہین ثابت ہوتی - منجملہ اُن کے ایک یہ واقعہ ہے کہ لوگون نے ایک بار محمود کو اطلاع دی کہ نیشاپور مین ایک شخص رہتا ہے جو بہت ہی دولتمند ہے - اور قارون کا سا خزانہ اُس نے جمع کر رکھا ہے - محمود نے

یہ سُن کے اُسے غزنین مین بلوایا اور جیسے ہی اُس کا سامنا ہوا کہا "مین سنتا ہون کہ تم
ملاحدۂ باطنیین مین سے ہو؟" اس شخص نے بہ ادب عرض کیا "جی نہین۔ مین باطنی نہین ہون۔
ہان خدا نے اپنے فضل و کرم سے مجھے صاحب دولت بنایا ہے۔ مگر اُس سب دولت
کا نذر سلطانی کر دینا گوارا ہے اور یہ نہین منظور کہ مین ایسے ناپاک مذہب اور ایسی
بے دینی کا ملزم ٹھہرایا جاؤن"۔ محمود نے کہا "بہتر۔ اگر تم اپنی ساری دولت خزانۂ سلطانی
مین جمع کر دو تو پھر تمھین بد دینی کا الزام نہ دیا جائے گا"۔ اس پر وہ فوراً راضی ہو گیا۔ اپنی
ساری دولت بادشاہ کی نذر کر دی اور دربار سلطانی سے خوش عقیدگی کا ایک سرٹیفکٹ
لے کے خوش خوش اپنے گھر چلا گیا جس کا مضمون یہ تھا کہ "تصدیق کی جاتی ہے یہ شخص پکّا
مسلمان اور سچا خوش عقیدہ سُنّی ہے"۔

اس واقعہ سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ محمود نے اُس کی دولت لے لی۔ لیکن
ضمناً یہ بھی نکل آیا کہ اُس سے اصلی عناد اس کے عقائد کی وجہ سے تھا۔ اور کیا عجب کہ محمود
نے دل مین خیال کیا ہو کہ یہ شخص میرے سامنے جو اپنے آپ کو اہل سنت مین سے بتاتا
ہے "تقیہ" کی راہ سے ہے۔ اس کا اعتبار نہ کرنا چاہیے۔ اور سزا دہی کے طریقے پر
اُس کی دولت لے لی ہو۔ ہمین یقین ہے کہ محمود اگر اسے حقیقت مین اپنا ہم مذہب
و ہم عقیدہ خیال کرتا تو اُس کے روپیہ پیسہ پر ہرگز قبضہ نہ کرتا۔

ایک یہ واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے جو نہایت ہی لطیف اور مزے کا ہے۔ ہم نے
ایک مرتبہ لکھنؤ کے ایک مجتہد صاحب کا واقعہ سنا تھا جو کسی بیرونی شہر مین وارد تھے۔
کوئی شخص نکاح پڑھانے کے بہانے اُنھین اپنے گھر بلا لے گیا۔ اور وہان یہ ظاہر کر کے کہ
نکاح مین ابھی تھوڑی دیر ہے چند لوگ باہم چوسر کھیلنے لگے۔ چونکہ اور کوئی مشغلہ نہ
تھا قبلۂ و کعبہ بھی اتفاقاً کھیل مین دلچسپی لینے لگے۔ کھیل بد بد کے ہو رہا تھا۔ اور اس شخص
نے جو جناب مولنا کی طرف بیٹھا تھا کہا "اب کی تو مین جناب قبلۂ و کعبہ کے نام سے داؤن
لگاتا ہون"۔ اس داؤن مین وہ جیت گیا۔ اور جیتی ہوئی رقم مین سے آدھی قبلۂ و کعبہ کے
سامنے رکھ دی۔ اور آپ نے نہین نہین کر کے بھی قبول کر لی۔ اب وہ کئی بار یونہین قبلۂ
و کعبہ کے نام سے کھیلا اور جیتا۔ اور جیت کی آدھی رقم دیتا رہا۔ آخر مین ایک بڑی بھاری
رقم پر داؤن لگا دیا۔ اُس کے حریف مقابل نے کہا "تمھارے پاس اتنی رقم کہان ہے

کوئی ضمانت دو تو کھیلو۔" اُس نے کہا "میری ضمانت قبلۂ وکعبہ کر لیں گے؟" اُن لوگوں نے مولانا سے پوچھا۔ سفت کی رقموں نے آپ میں اتنی مروّت پیدا کر دی تھی کہ متانت کے ساتھ فرمایا "جی ہاں کھیلیے۔ دیکھا جائے گا۔" اب کی کھیل میں وہ ہار گیا۔ اور ہارتے ہی دامن جھاڑ کے اُٹھ کھڑا ہوا۔ لوگوں نے اُسے پکڑا اور جب اُس کے پاس پوری رقم نہ نکلی تو قبلۂ وکعبہ سے خواستگار ہوئے۔ آپ استغفر اللہ کہہ کہہ کے لاکھ انکار کرتے رہے انھوں نے ایک نہ سُنی۔ تین سو روپیہ کا دوشالہ اور دو سو روپیہ کی گھڑی چھین لی اور انھیں جس پینس پر لائے تھے اسی پر بیٹھا کے گھر پہونچا دیا۔ اور مطلق پتہ نہ لگا کہ وہ کون لوگ تھے اور کہاں رہتے تھے۔ اِس لیے کہ پالکی اور کہاروں کو وہی لوگ لائے تھے۔

ہم خیال کرتے تھے کہ ایسے واقعات ہم سیہ کاروں ہی کے زمانے کے ساتھ مخصوص ہوں گے۔ مگر نہیں ایک اسی قسم کا مگر اس سے زیادہ مہذب و دلچسپ واقعہ محمود غزنوی کے زمانے میں خاص غزنین میں گزرا تھا جو محمود کی دنیا طلبی کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔ سلطان محمود ایک دن اپنے عالیشان قصر کے کوٹھے پر بیٹھا باہر کی سیر کر رہا تھا کہ دیکھا نیچے ایک شکستہ حال شخص دو مرغیاں ہاتھ میں لیے کھڑا ہے۔ سلطان اُسے کوئی فریادی یا محتاج تصور کر کے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اُس نے کچھ اشارہ کیا۔ محمود نے اُس کا کچھ خیال نہ کیا اور دل میں کہا "اِس اشارے سے اِس کا کیا مطلب ہے؟" یہ سوچ کے اُس کی طرف دیکھا تو پھر اُس نے وہی اشارہ کیا۔ سلطان نے پھر نظر ہٹا لی۔ مگر دل میں ایک خیال پیدا ہو گیا کہ کیا معاملہ ہے اور پھر اُس پر نظر جا پڑی اور پھر اُس نے وہی اشارہ کیا۔ اب کی محمود نے چوبداروں کو بھیج کے اُسے اپنی حضوری میں بلوایا۔ تو وہ وہی دونوں مرغیاں لیے ہوئے سامنے آ کے کھڑا ہو گیا۔ پوچھا "تم ان مرغیوں کو کس لیے لائے ہو؟ اور کیا چاہتے ہو؟" اُس نے عرض کیا "میں ایک جواری ہوں۔ اور جوا کھیلنا ہی میرا پیشہ ہے آج میں نے اپنے اور سلطان کے نام پر داؤں لگایا تھا جس میں چار مرغیاں جیتیں۔ لہذا اِن دونوں مرغیوں کو لایا ہوں کہ سلطان کا حصہ سلطان کی نذر کر دوں۔" سلطان نے دل میں کہا کہ "جواری کس قدر دیانت دار ہوتے ہیں" اور حکم دیا کہ "دونوں مرغیاں اُس سے

لے کے باورچی خانے مین پہونچا دی جائیُن!" دوسرے دن اِسی طرح وہ دو اور مرغیان لا کے سلطان کی نذر کر گیا- اور یونہین تیسرے روز بھی دو مرغیان لایا- مگر چوتھے روز خالی ہاتھ اور نہایت ہی پریشان صورت بنائے ہوے سلطان کے بالاخانے کی کھڑکی کے نیچے کھڑا ہو گیا- صورت دیکھ کے سلطان سمجھ گیا کہ معلوم ہوتا ہے آج میرا شریک کسی آفت مین پھنس گیا- اور بُلوا کے پریشانی کا سبب پوچھا" ہاتھ جوڑ کے عرض کیا" مین حضور کے نام سے کھیل کھیل کے جیتنے سے ایسا جری اور بے باک ہو گیا تھا کہ آج ایک ہزار درم کی بازی لگا دی- مگر بدقسمتی سے ہار گیا- یہ سُن کے سلطان محمود ہنسا- اور خزانچی کو حکم دیا کہ" اچھا میرے حصے کے پانسو درہم خزانے سے اِسے دلوا دو" پھر اس سے کہا" مگر آئندہ اس کا خیال رکھنا کہ جب تک مین خود موجود نہ ہون بازی مین مجھے اپنا شریک نہ بنانا"

اس قصے سے محمود کے بخل کا نتیجہ نکالنا بے عقلی و ناانصافی ہے- یہ ایک دلگی کا واقعہ تھا جس مین محمود کی اتنی کمزوری بیشک ثابت ہوتی ہے کہ اُس نے پہلے برابر تین روز تک بے پرسش مرغیان لے لین- لیکن آخری دن جس موقع پہ اُس نے پانسو روپیہ دیے ہین اُس کے سوا اور کوئی ہوتا تو ایک پیسہ نہ دیتا- وہی تھا جس نے گذشتہ تین دن کی مروت سے مجبور ہو کے پانچ سو روپیہ دلوا دیے-

اگر کسی قدر محمود کی ہوس دولت کا خیال قائم کیا جا سکتا ہے تو اس سے کہ اُسے جواہرات سے زیادہ اُنس تھا- اور یہ بھی اِس لیے کہ اُس عہد کے دیگر سلاطین کی طرح وہ جواہرات کی کثرت کو عظمت و شوکت کی دلیل اور ثروتمندی و ملک گیری کا ثبوت خیال کرتا تھا- اُس سے پیشتر کے باعظمت فرمان روا سے مشرق سلاطین آل سامان تھے- ایکدن محمود نے ابو طاہر سامانی سے پوچھا" تمھین معلوم ہے سلاطین آل سامان نے اپنے خزانے مین کتنے جواہرات جمع کیے تھے؟" ابو طاہر نے عرض کیا کہ" امیر نوح بن منصور سامانی کے پاس سات رطل (ساڑھے تین سیر) جواہرات کا ذخیرہ تھا" یہ جواب سنتے ہی سلطان محمود سجدے مین گر پڑا- زمین پر دیر تک سر رگڑتا رہا- اور پھر سر اُٹھا کے کہا" خدا کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے سو رطل (ایک من دس سیر) سے زیادہ کے جواہرات عطا کیے ہین-

مگر اُس کی حرص وہوس کا سب سے بڑا واقعہ اُس کی وفات کے زمانے سے تعلق رکھتا ہے مسلسل دو سال سے اُس کی طبیعت ناساز تھی - مرض کی نسبت بعض کہتے ہین کہ سل تھا بعض ضعف معدہ بتاتے ہین - اور بعض کے خیال مین پیچش تھی - بہر تقدیر شکایت دو سال تک رہی - اطبا نے چلنے پھرنے اور گھوڑے پر سوار ہونے سے منع کیا تھا مگر اُس سے ان چیزون کا پرہیز نہ ہو سکا - اور گو ضعف بڑھتا جاتا تھا مگر اُس کی اولوالعزم اور حوصلہ مند طبیعت پاؤن توڑ کے بیٹھنے کو گوارا نہین کر سکتی تھی -

آخر قوت نے بالکل جواب دے دیا اور اُسے یقین آگیا کہ اب مین دو ہی تین دن کا مہمان ہون - اِس وقت اُس نے حکم دیا کہ جواہرات اشرفیان اور روپیون کے توڑے اور تمام قیمتی سامان جو خزانے مین ہو اُس کے سامنے پیش کیا جائے - ساری دولت و حشمت لا کے قصر شاہی کے صحن مین جمع کر دی گئی - اور معلوم ہوتا تھا کہ دُور تک سونے چاندی کا باغ لگا ہے - اور اُس مین جواہرات کے رنگ رنگ کے پھول کھلے ہوئے ہین اِن سب چیزون کو اُس نے حسرت کی نگاہ سے دیکھا - ایک آہ سرد بھری - اور زار وقطار رونے لگا - تھوڑی دیر آنسو بہانے کے بعد حکم دیا کہ یہ سب چیزین پھر خزانے مین پہونچا دی جائین -

اِس کے بعد وہ ایک پالکی مین بیٹھا اور لوگ اُسے اُٹھا کے باہر میدان مین لیگئے یہان پھر پھر کے اُس نے اپنے تمام غلامون کو دیکھا جو مغرق کپڑے پہنے صفین باندھے کھڑے تھے - پھر اپنے عربی گھوڑون - اُونٹون - ہاتھیون - گاے بیلون اور تمام مویشیون کو دیکھا - ان سب کو دیکھ کے بھی وہ زار و قطار رویا - اور آہین بھرتا ہوا گھر مین واپس آیا - اور اسی واقعے کے دو روز بعد دُنیا سے رخصت ہو گیا -

اصلی واقعہ جو اُس کی حرص وہوس کو ظاہر کرتا ہے یہ ہے - مگر اس مین بھی میرے خیال مین سوا اِس کے کہ اُس کا اپنی فانی زندگی کے ختم ہونے اور دنیوی شان و شوکت کے چھوٹنے پر افسوس کرنا ظاہر ہو یہ نہین کہا جا سکتا کہ اسے روپے سے بیجا محبت تھی یا کسی کو دیتا نہ تھا - یہ ہندؤن کا خیال ہے کہ انسان کو مرتے وقت دان پُن کرنا چاہیے - اسلام کی رُو سے اُس وقت کی فیاضی کوئی خاص وقعت نہین رکھتی اصلی فیاضی اور خیرات وہ ہے جو اپنی زندگی و صحت کے زمانے مین انسان مستحقین

کے استحقاق کا خیال کر کے کرے - غریبون - محتاجون - یتیمون - بیوون کی خبرگری اُن کی ضرورت و احتیاج کے وقت کرے - مرتے وقت تو انسان کو خیال کر لینا چاہیے کہ اب جو کچھ ہے میرا نہین وُرثا کا ہے - اور وہی اُس کے پانے کے مستحق ہین - لہذا اُن کو محروم کر کے کسی اور کو دے دینا بے انصافی اور ظلم ہے - محمود سچّا مسلمان تھا - اور کوئی وجہ نہ تھی کہ مرتے وقت اِس اصول کو ہاتھ سے چھوڑ دیتا -

اس مین شک نہین کہ محمود کے حکم سے جب روپے اشرفیان اور جواہرات سامنے لا کے ڈھیر کر دیے گئے تو اُس وقت بعض حریص مُلّا بھی کھڑے تھے جن کے منھون مین پانی بھر آیا اور دل مین سمجھنے لگے کہ بادشاہ نے اِن چیزون کو منگوایا ہے تو ہمین دے گا - لیکن جب اُس نے اُن سب چیزون کو خزانے مین واپس بھیجا تو اُنکی آتش حرص ایسی بھڑک اُٹھی کہ اُس کی مذمّت کرنے لگے - اور مشہور کر دیا کہ محمود غزنوی بڑا کنجوس ہے - لیکن یہ محمود کی حرص و طمع نہین خود اُن لوگون کی ہوس پرستی تھی جس نے اُسے بدنام کیا -

بلکہ بعض حیثیتون سے دیکھا جاے تو محمود دل کا بڑا مضبوط تھا اور موت کی نازک گھڑی مین بھی صبر و تحمل کی باگ اُس کے ہاتھ سے نہین چھوٹی - اُس نے ترسٹھ سال کی عمر مین جمعرات کے روز ۲۳ - ربیع الآخر ۴۲۱ھ کو سفر آخرت کیا - مگر اُسی حالت مین جبکہ موت کا یقین ہو چکا تھا اُس نے تخت شاہی پر بیٹھ کے دربار کیا - اُمرا و وزرا - اراکین دولت - علماے و شعراے دربار - اپنے غلامون اور نوکرون سے نہایت ہی ضبط اور اطمینان کے ساتھ رخصت ہوا - اور جس طرح لوگون سے رخصت ہو اُسی طرح مال و دولت اشرفیون اور جواہرات کو بھی سامنے منگوا کے رخصت کیا - اُس وقت انسانی فطری کمزوری سے اگر اُس کی آنکھون سے آنسو نکل پڑے تو اُس سے اُس کی ہوس و حرص پر محمول کرنا بڑی ناانصافی ہے -

---

کسی کی یاد

دُنیا کے جھگڑو! خدا کے لیے ذرا چین سے بیٹھنے دو - جس قدر ہم تم سے بھاگتے

ہین اُسی قدر تم نے قسم کھا لی ہے کہ جان نہ چھوڑو گے - تمنا رہ گئی کہ کوئی اطمینان کی گھڑی نصیب ہوتی - اور ہم خاموشی وسکون کے ساتھ ایک حالت پر قرار لیتے - جو چاہتے کرتے - جس سے چاہتے ملتے - جس پر چاہتے جان فدا کرتے - جسے چاہتے یاد کرتے - جس کے خیال مین چاہتے محو ہو جاتے - اور بقول غالب مرحوم یہ تمنا بر آتی کہ

جی چاہتا ہے پھر وہی فرصت کہ راتدن — بیٹھے رہین تصوّر جانان کیے ہوئے

مگر ہا ے! کیا کہین؟ اور کس کے آگے روئین؟ تمھاری یورش اور تمھارے حملون نے کوئی بھی آرزو نہ پوری ہونے دی - سچ یہ ہے کہ تم نے کسی کام کا نہ رکھا -

فکرِ معاش - عشق بتان - یادِ رفتگان — اتنی سی عمر مین کوئی کیا کیا کرے؟

تم نے کسی کام کی فرصت نہ دی - افسوس! تم ہمین کبھی اپنے شوق اور اپنی مرضی کا کوئی کام نہین کرنے دیتے -

اے افکار عمر! مانا کہ تمھین ہم سے دشمنی ہے - عداوت ہے - تم ہمین خوش و خرّم نہین دیکھ سکتے - ہماری مسرّت تمھارے سینے مین کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے - ہرگز نہین چاہتے کہ ہماری کوئی آرزو بر آئے - یہ نہین گوارا کہ ہم معشوقۂ آرزو سے ہم کنار ہون - اور کسی کے اخلاق عالیہ کے مورد عنایت بنین تو نہ ہمین رونے تو دو؟ آہ! تم تو رونے بھی نہین دیتے -

اے تردّدات زندگی! تمھارے اس نرغے مین بھی کیا کہین کہ اس وقت کون یاد آگیا؟ اور کس نے ہمین ہمیشہ کے لیے بزم ماتم مین بٹھا دیا - مگر اس پر بھی تمھارا حملہ نہین رکتا - تم اپنی بے رحمیون سے نہین باز آتے - یہ بھی نہین دیکھتے کہ اس وقت ہجوم آلام سے ہمین تمھارے جھگڑون مین پڑنے کی فرصت ہی نہین ہے؟ یون تو ہمین بچھڑے ہوؤن کی یاد نے ہمیشہ بیتاب و بیقرار رکھا - یہ زندگی روز روز کی ناکامیون اور نامرادیون کے علاوہ صدہا رخصت ہو جانے والے احباب اور دل مین اپنا نقش بٹھا دینے والی محبّتون ہی کے غم مین روتے گزری - اس عمر کو روتے ہی کٹی اور کٹے گی - مگر آہ! اس پیارے دلدار ناز آفرین اور اُس دل مین جم جانے والی صورت زیبا کی جدائی تو کسی طرح گوارا نہین ہو سکتی جس کی یاد سب پر غالب ہے - اس دل

خون کر دینے والی یاد نے اِس ستم زدہ دل پر جو تمھاری بدولت ہمیشہ جولانگاہ حوادث اور مرکز ہموم وغموم بنا رہا ایسا قبضہ کر لیا ہے کہ اب اس کے غم کے آگے کسی بات کا ہوش نہین -

امید تھی کہ اُس چھوڑ جانے والے دلدار ناز آفرین کی محبت بھری باتین ساری فکرین دور کر دین گی - کیونکہ اُس کی جبین ناز ہمارے کوکب آرزو کا مطلع تھی - اُسکی شوخ آنکھین اپنی چمک دمک سے افکار وہموم کی تاریکی کو دل سے مٹا دیتی تھین اُس کے بھرے بھرے رخسارے ہماری جنت آرزو کے لذیذ ترمیوے تھے - اس کا خندۂ ناز تمنا وامید کے راستے کی مشعل تھا - اور اُس کی زلف شبگون وہ کمند آرزو تھی جس سے ہم ہر تمنا کو اپنے پاس کھینچ لاتے اور ہر حوصلے کو طائر شکار بنا لیتے - آہ! سمجھے تھے کہ اُس بت دلدار کی مدد سے عمر کی گذشتہ ناکامیون کا معاوضہ ملجائے گا - اور چند روز عیش مین گزرین گے - ارادہ تھا کہ

از زلفِ درازِ تو کمندے فگنیم بر گردنِ عمر رفتہ تا باز آید

مگر عمر! بدنصیب عمر! تیری وہ کمند ٹوٹ گئی اور حُسن کے عالیشان ایوان کے منازل عالیہ تک اب وہ تیری شکستہ کمند نہین پہونچ سکتی - بس ہو چکا - قسمت پر تیرا کوئی زور نہین چل سکتا - اور جس طرح تیرا زور نہین چلتا اسی طرح تو بھی قابو سے باہر ہے - کون ہے جو اِس عالم یاس مین تجھے روکے؟ اور کس کی مجال ہے کہ تجھے تھامے؟

خیر اے عمر! یہ بھی مانا کہ تیرا روکنا دشوار ہے - مگر اے دنیا کے جھگڑو تم تو نہ ستاؤ - کیا ضرور ہے کہ ہجوم آلام کے ساتھ تمھارا بھی ہجوم ہو؟ اگر ہم عمر ناپائدار کو نہین روک سکتے تو اتنا موقع تو دو کہ اس کے جتنے دن باقی ہین اُس دلربا بچھڑنے والی کو یاد کرتے - اور اُس کی یاد مین روتے اور سر دُھنتے گزر جائین -

اے یادِ رفتگان! تیری سیرگاہ مین ہم نے بڑے بڑے تماشے دیکھے ہین اُن تماشون کو جانے دو جو اگلے تذکرون اور تاریخ وسیر کے واقعون سے ماخوذ ہین - یا جنھین افسانہ خوان ایام کی سامعہ نوازی نے کانون کے ذریعے سے حافظے

کے خزانے مین لالا کے جمع کیا ہے - بے شک اُن مین نہایت ہی دلچسپ روایات اور دلون پر اثر ڈالنے والے واقعات ہین - لیکن اسے بے پروا حوادث روزگار اُنھین بار بار یاد کرنا چونکہ تمھاری مرضی کے خلاف معلوم ہوتا ہے اِس لیے ہم اُن کی طرف سے بھی اپنا خیال ہٹائے لیتے ہین - ہم سے قسم لے لو کہ سلف کے گزرے افسانون کو جو کبھی زبان پر بھی لائین - یا ان سے ذرا بھی متاثر ہون لیکن جب ہم تمھارا اتنا لحاظ کرتے ہین تو تم مین بھی اتنی مروت ہونی چاہیے کہ ہمین اُن باتون کو تو یاد کر کے رو لینے دو جو آنکھون کی دیکھی ہوئی ہین - اور ابھی کل کی باتین ہین -

عرب کا معجز بیان شاعر امرأ القیس عجب بہادری و مردانگی سے حوادث روزگار اور مکروہات زمانہ پر فتح حاصل کر کے گزری باتون کو یاد کرتا اور یادِ رفتگان کے شہر خاموشان مین اپنا چراغ روشن کرتا ہے - خدا جانے کس مہم پر اور کیسی شدید ضرورت سے جا رہا تھا کہ ایک پُر فضا وادی کو دیکھ کے معشوقۂ مہ جبین اور اُس کے ساتھ اپنا اگلا عیش و بےفکری کا زمانہ یاد آگیا - جب اُس سے صحبتین رہتی تھین - طرح طرح کی باتین ہوتی تھین - روز ملتے تھے - اور نوعمری کی سادگی کے ساتھ ذوق شوق کی بیخودی مین خدا جانے کیا کیا بے تکلفیان کر گزرتے تھے شب و روز ناز آفرینی و نازبرداری اور ناز و نیاز مین گزر جاتے تھے نہ کسی چیز کا غم تھا - نہ کسی بات کا کھٹکا تھا - گرد و پیش کی زمین کا کوئی چپہ نہ تھا جہان معشوقۂ جان نواز سے صحبت نہ رہی ہو اور وہ اُس کی کسی نہ کسی ادائے دلکش کو نہ یاد دلاتا ہو کوئی درخت نہ تھا جس کے سایے مین بیٹھ کے اس بچھڑی ہوئی حسینہ سے ہم کنار نہ ہوا ہو اور کوئی چشمہ نہ تھا جس کے پانی مین اُتر کے شوخ ادائی کے ساتھ دونون باہم نہائے اور کھیلے نہ ہون - بہر تقدیر اس بے پروا شاعر نے ساری فکرون کو الگ پھینک کے یادِ جانان کا مزہ اُٹھا لیا -

مگر اے آفاتِ زندگی! ہمین تم اتنی مہلت نہین دیتے کہ بچھڑی ہوئی معشوقۂ مہ جبین کی یاد نے ہمارے ظلمتکدۂ دل مین جو اُس کی قبر بنا دی ہے اُس پر ایک حسرت بھری شمع روشن کر دین! خیر تم ہمین نہین چھوڑتے تو ہم ہی تمھین چھوڑے دیتے ہین -

اب ہمین کچھ پروا نہین - تم کو اختیار ہے - جتنا ستانا ہو ستالو - اور جس قدر حیران کرنا ہو کر لو - ہماری زبان سے اُف نہ سُنو گے - ہم نے اب تمھاری بے رحمیون کی طرف سے آنکھ پھیر لی - اور قسم لے لو جو کبھی آنکھ اُٹھا کے بھی دیکھین -

اب ہمین اپنی زہرہ جبین کے سوا کوئی یاد نہین - اُس کو یاد کرین گے - اور چاہے جو ہو جائے اُسی کو یاد کرین گے - اب اِس خون شدہ دل مین اُس کے خیال کے سوا کوئی نہ ہوگا - افسوس! اُسکی محبت بھری صورت خواب و خیال ہو گئی - اور جس طرح آفتاب کے غروب ہو جانے کے بعد اُس کی تصویر آنکھون کے سامنے پھرتی ہے اُسی طرح اُسکے چلے جانے کے بعد اُس کا خیال اکثر اس بیتاب و بیقرار دل مین آجاتا ہے - کاش ہم ایک باکمال مرتاض ہوتے کہ خیال سے اصلیت کا لطف اُٹھا لیتے - یا ایک روشن ضمیر صوفی صافی ہوتے کہ اُس کے خیال کو شوق کے تخت روان پر بٹھا کے اپنے گھر مین بلاتے اور دل کی مسہری مین اِس طرح سُلا دیتے کہ پھر نہ جا سکتی - اور ہمیشہ دل ہی مین بنی رہتی - معتقدان دین اور محققان روحانیین وعدہ کرتے ہین کہ فردائے قیامت کو ضرور وصال ہوگا - یہ مانا کہ دلربا ماہ طلعتون کے وعدون کی فردا ہمیشہ سے فردائے قیامت ہوتی آئی ہے - مگر جو ستم زدہ حرمان نصیب فراق و ہجران کی ایک رات کے برداشت کرنے کی بھی تاب نہ لا سکتا ہو اُس سے بھلا فردائے قیامت کا انتظار کیسے ہو سکے گا؟

غرض جدھر دیکھیے مایوسی ہی مایوسی ہے - شوق بھری آنکھین ہر طرف ڈھونڈھتی پھرتی ہین اور اُسے کہین نہین پاتین - دنیا کا ایک ایک کونا ڈھونڈھ آئے مگر وہ پری جمال کہین نہ ملی - حسینان جہان کے آتشین رخسار اور لب لعلین دیکھ کے بارہا اُس کا دھوکا ہوا - اور شوق کے جوش مین دوڑے گئے - لیکن قریب جا کے دیکھا تو اُن مین اپنی نازآفرین کی کوئی بات نہ نظر آئی - نونہالان چمن مین سے کون ہے جس پر اُس کا دھوکا نہین ہوا؟ مگر افسوس دھوکا ہی دھوکا تھا - سرو کے قامت زیبا کو دیکھ کے بے اختیار دوڑے کہ شاید ہماری سرو قامت سیر باغ کو آئی ہے مگر جا کے دیکھا تو وہ نہ تھی - نرگس شہلا کو دیکھ کے دھوکا ہوا کہ غالباً یہ ہماری جادو نگاہ کی مست و مخمور آنکھین ہین - مگر آہ

وہ پیاری اور رسیلی آنکھیں کہان؟ گلاب کی تازگی اور رعنائی دیکھ کے سمجھے کہ یہ اُس گلعذار کے رخسارے ہین۔ اور بڑے شوق سے دوڑے مگر افسوس وہ ہماری مہ جبین کا رُخِ زیبا نہین سراب تھا۔ مایوسی بڑھی تو جوشِ وحشت صحرا مین نکال لے گیا۔ ہر بگولے پر دھوکا ہوا کہ اسی پردے مین ہماری لیلا کی محمل ہو گی مگر خاک کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ ہر تیز رو اور چالاک ہرن کو دیکھ کے شبہ ہوا کہ ہماری معشوقۂ طناز ہے مگر وہ ایک ہوا کے جھونکے کی طرح نظر سے غائب ہو گیا اور ہاتھ مل کے رہ گئے۔

خلاصہ یہ کہ ساری زمین چھان ڈالی اور اُس جمال جہان آرا کا کہین پتہ نہ لگا۔ سارے پُرفضا مقامات۔ تمام روح افزا باغ۔ وہ ہماری امید بھری کوی جانان وہ صحبت عیش کا مکان سب اُس کے بغیر سُونے پڑے ہین۔ وہ اُس کا خاص عشرت کدہ جس مین اُس کی صورت زیبا نظر آیا کرتی۔ اور وہ ہمارا عالم حسن و عشق جس مین ہر صبح اُس کے جبین نازکا آفتاب طلوع کیا کرتا۔ ہر شب کو اُس کی جادو بھری آنکھین سحر سامری کو جگایا کرتین۔ اور اُس کے گورے گال چاند کے دو جدا جدا ٹکڑون کی طرح چمک کے شق القمر کا معجزہ دکھا دیتے۔ اُس کی زلفون کے بکھرتے ہی رات ہو جاتی۔ اور اُس کے عارض تابان کے نمودار ہوتے ہی دن ہو جاتا۔ کاکل پیچان کی بدلیان آتین۔ اور رخسار تابان کا چاند بدلی مین چھپ چھپ کے اور دامن ابر سے نکل نکل کے بار بار شب فراق و صبح وصال کے کرشمے دکھاتا۔ اُس کی نگاہ گرم کی بجلیان چمکتین اور ہماری چشم اشکبار کا مینھ برستا۔ آہ! کیا عالم تھا! کیا سمان تھا! مگر اب کچھ بھی نہین ایک اُس ماہ طلعت کے نہ ہونے سے وہ عالم ہی اُجڑ گیا۔ اور ہر طرف سناٹا پڑا ہے۔

آخر وہ کہان گئی؟ کیا اپنی آسمانی خوبیون کے تقاضے اور اپنے نورانی حسن کے میلان سے آسمان پر چلی گئی؟ ایسا ہے تو کاش کوئی وہان جاتا اور اُس سے اتنا پوچھ آتا کہ ع "اے رہ نورد عالم بالا چگونۂ؟" اُس حسن آباد ملکوت کی بڑی تعریفین سُنی ہین۔ سنتے ہین کہ وہان بدصورت کوئی نہین۔ اور اُس عالم قدس مین

اچھی صورتون والے ہی رہتے ہین - فرشتون کے حسُن کا تذکرہ کس نے نہین سُنا؟ اورحورون کی تعریف تو ہو ہی نہین سکتی - اِس سے بڑھ کے کیا ہوگا کہ حضرت شیخ اورجناب زاہد کے ایسے خشک مزاج بزرگ بھی اُن کے دام گیسو کے اسیر اور اُن کے عالم آشوب چہرون کے دیوانے ہو رہے ہین - اورجب ایسے ایسے نیک نفس بزرگون کی یہ حالت ہے تو اُن کے رُخ زیبا کی زیارت کرکے ہم سے آشفتہ مزاجون کی کیا حالت ہوگی؟ مگر ہمین نہ فرشتون سے مطلب ہے نہ حورون سے سروکار- ہمین تو اپنی ماہ طلعت دلربا چاہیے اورخدا جانے اس اعلی نمایش گاہ حسن مین ہماری وہ مہ جبین نازنین کیسی رہی؟ یہ تو یقینی ہے کہ اس کا حسن وہان بھی سب پر بالا رہے گا - فرشتے ہون یا حورین اُس کے حسن کا مقابلہ کوئی نہین کرسکتا - مگر اندیشہ ہے تو یہ کہ وہان بھی ہمارے رقیب نہ پیدا ہوجائین - اور فرشتون ہی مین سے چند نئے ہاروت و ماروت نہ نکل پڑین - یہ بھی سہی - "اہ این ہم اندر عاشقی بالاے غم ہاے دگر" مگر سوچنا یہ ہے کہ عاشقان عالم سروش والون کے ساتھ ہماری ناز آفرین کا سلوک کیسا ہے؟ یہ کہنے کی کوئی کیسے جرائت کرے -

درحوریان آئینہ سیما چگونہ — درگلرخان دہر نظیرے نہ داشتی

اِن سب جھگڑون اور اندیشون کو بھی الگ کرو - مگر یہ بتادو کہ عالم بالا مین اُسے کیونکر ڈھونڈھین؟ اور کہان ڈھونڈھین؟ جس کسی کو اپنا پیامبر بناکے وہان بھیج دین گے اُس سے پھر واپس آنے کی امید رکھنا جنون ہے - جوجائے گا اور اُس کے جلوہ گاہ حسُن تک باریاب ہوسکے گا وہ پھر کیون واپس آنے لگا تھا؟ خود ہمین اپنے اوپر اعتبار نہین ہے - جب اورکوئی اُسے چھوڑ کے نہ واپس آئے گا تو پھر ہم کیون آنے لگے تھے؟ ہم بھی اُسی عالم سروش کے ہوجائین گے اورکبھی واپس نہ آئین گے - کوئی ایسی تدبیر ہوتی کہ اُسے یہین بلاتے - اوراس انقلاب پذیر عالم کے لیل و نہار کا سمان ایک ساتھ بیٹھ کے اورکچھ دنون دیکھتے -

اچھا تو ہم یہین سے بیٹھ کے اپنی دلربا نازنین کو عالم بالا اورشاہدان فلک

مین ڈھونڈھتے ہین کیونکہ وہ اِس تیرہ خاکدان ارضی مین نہین ہے تو نورانی اجرام فلک مین ضرور ہوگی - مگر جستجو کی غائر نظر کو وہان بھی اُس کی صورت زیبا نہین نظر آتی - رُوشن آفتاب سے شعلے نکلتے دیکھ کے خیال ہوتا ہے کہ یہی ہماری مہروش ہے اسلیے کہ اُس کے گورے گالون سے بھی لوئین نکلتی تھین - مگر آفتاب کی گرم مزاجی نے امید کی شمع گل کردی - اور معلوم ہوا کہ یہ ہماری شمع رخسا نہین کوئی اور ہے - وہ ہوتی تو اُس کے حُسن کی شعاعین ہمارے سینے کی آگ کو گلزار ابراہیم بنا دیتین - چاند کا روشن چہرہ دیکھ کے یقین ہوگیا کہ ہو نہ ہو یہی ہے - اُس کی ٹھنڈی روشنی ہمارے کلبۂ احزان کو اُسی طرح روشن کر رہی ہے جس طرح وہ اُس ماہ رُخ کے آنے سے روشن ہوجایا کرتا تھا - مگر نہین - اس مین بھی وہ بات نہین - اُس کے چہرے کی روشنی دل کے اندر بھی اُجالا کردیا کرتی تھی جہان تک چاند کی روشنی نہین پہونچ سکتی - مگر یقین ہے کہ وہ اِن ہزارہا روشن تارون ہی مین ہوگی - سب مین اُس کی سی چمک دمک ہے سب مین اُس کی نازنینی و ناز آفرینی ہے - سب نظرون کو اپنے حسن کی طرف کھینچتے اور دیکھنے والون کو اپنا شیدا بناتے ہین - برج سنبلہ مین ایک حسین دوشیزہ کھڑی ہے وہی تو نہین ؟ عروس جوزا کا پٹکہ آسمان والون نے کھول کے اُسی کی نازک کمر مین تو نہین باندھ دیا ؟ مشتری کی جگہ پر اُس کی بین لے کے وہی تو آسمان پر نہین بیٹھ گئی ؟ اور زہرہ کے بچھونے پر آسمان پہ وہی تو جلوہ فرما نہین ؟ ہر طرف خیال جاتا ہے - اور آسمان کی ہر صورت زیبا پر اُس کا دھوکا ہوتا ہے مگر افسوس کسی مین بھی وہ بات نہین نظر آتی جو ہماری نازنین مین تھی -

افسوس تُو کہین نہین ملتی - اور کہین تیرا پتہ نہین - آہ ! پھر بھی ناامیدی مین - ہمارا جوش دل ہماری رہبری کرتا ہے اور ہر حُسن اور ہر خوبی کے دامن مین چھپی ہوئی ہمین تو ہی نظر آتی ہے - یہ فقط کہنے کی باتین ہین کہ تو نہین ہے - نہین تو ہر جگہ ہے - تو ان آنکھون کے سامنے سے نہین ہٹی - وہ وقت جب تیرا جمال جہان آرا پہلے پہل نظر آیا تھا اور اُس کے بعد وہ نازک گھڑی جب تو ان مشتاق آنکھون کے سامنے سے غائب ہوئی ہے دونون نظر کے سامنے ہین - بلکہ اب ہمین تجھ مین اُس وقت سے زیادہ خوبیان زیادہ دلکشیان زیادہ ناز و انداز اور زیادہ لطف نظر آتے ہین -

تیرے خوبصورت اور شباب کے آغوش مین کھیلنے والے چہرے کے گرد عصمت و عفت کا ہالہ اور پاکدامنی کے نور کا حلقہ نظر آرہا ہے - اور تیرے حسن مین لپٹی ہوئی کچھ ایسی ابدی و سرمدی نورانیت دکھائی دے رہی ہے کہ تیرے دلدادہ ہونے کی وجہ سے ہمین خود اپنی سرمدیت اور اپنی غیر فانی زندگی کا یقین ہوا جاتا ہے دُنیا کا ہر پھول اور آسمان کا ہر تارہ تیرے چہرے کی نقاب بن گیا ہے جس کے اندر سے ہمین تیرا خوبصورت چہرہ کچھ پوشیدہ اور کچھ نمایان اُسی طرح نظر آرہا ہے جس طرح کہ تو ہماری صحبتون مین "دیدار مے نمائی و پرہیز مے کنی" کی شان ظاہر کیا کرتی تھی سورج کی کرنون - چاند کی شعاعون - تارون کی جھلملاہٹ - اور شمع کی روشنی مین ہمین ہر وقت تیرا پیارا چہرہ دکھائی دیتا ہے - اب اُس کی رونق اور تازگی کو جنت کا قیام و استقلال حاصل ہو گیا ہے - اِس لیے کہ اب تو مرور ایام اور انقضاے عمر کی دست بُرد سے باہر ہے - اور اپنے پائدار اور سدا بہار حُسن کا جام حیات پلا کے تو ہماری محبت مین بھی ابدیت و سرمدیت کا سرور و اطمینان پیدا کر رہی ہے - بہرحال اے ابدیت کے جھُولے مین جھُولنے والی نازنین - شہرون مین صحراؤن مین جنگلون مین - پہاڑون مین ہر طرف ہمین تیری ہی موہنی مورت نظر آتی ہے - سمندر کی لہرون مین - اور نسیم کے جھونکون مین - تیرا ابدیت کا تخت پریون کے تختون کی طرح اُڑتا نظر آتا ہے - اور رات کی اندھیری اور سنسان مقامات کی خاموشی مین یا تو مین خود تیری آواز سنتا ہون - اور یا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے رحمت کا فرشتہ چپکے چپکے کانون مین کہہ رہا ہے کہ اِس تاریکی کی نقاب مین تیرا ہی چہرہ ہے - اور اِس سناٹے کے گراموفون مین تیری ہی نغمہ خیز آواز آرہی ہے -

ایسے دل و دماغ مین بسے ہوئے حُسن کی یاد کو کون بھُلا سکتا ہے ؟ اور کس کی مجال ہے کہ اُس جمال جہان آرا کے اور ہماری آنکھون کے درمیان مین پردہ ڈالے ؟ اے حوادث روزگار ! اور اے انکار زمانہ ! تم ہمین جتنا چاہو ستا لو مگر یہ تمھاری قوت سے باہر ہے کہ اُس نازنین کو ہمارے دل مین آنے اور ہماری آنکھون کے سامنے پھرنے سے روکو - ہم نے تمھین دکھا دیا کہ تمھارے ہجوم اور تمھاری اِس سخت روک تھام پر بھی ہم اُس نازنین کی یاد کو نہ بھُولے - اور آخر تمھارے مقابلے مین ہم ہی

فتحیاب ہوئے -

چند خیالات وواقعات

اب کی سال مسلمانون مین بعض اسباب سے جوش بہت بڑھ گیا ہے - جوش قیمتی چیز ہے اور دنیا کی ساری ترقیان بنی نوع انسان کے جوش ہی کا نتیجہ مین لیکن اِس کے ساتھ یہ اُصول بھی ہر مسلمان کے پیش نظر رہنا چاہیے کہ جوش مین آ کے کوئی بیجا اور ناشائستہ حرکت کر بیٹھنے کے مقابل جوش کو روکنا اور ضبط وصبر سے کام لینا زیادہ بہادری کا کام ہے -

برٹش گورنمنٹ ایک کانسٹی ٹیوشنل (آئینی) سلطنت ہے - اور اُسکی برکتون سے وہی لوگ زیادہ فائدہ اُٹھا سکتے ہین جو جوش کو آئین کے تابع رکھکے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے قاعدے اور تہذیب کی لڑائی لڑین - خوب یاد رکھنا چاہیے کہ ہندوستان کے لوگ اپنے جوش وخروش کو جس قدر زیادہ باقاعدہ بنا کے قانون سے ہم آہنگ کرتے جائینگے اُسی قدر زیادہ کامیاب ہونگے -

کانپور کا افسوسناک واقعہ مہذب اور شائستہ مسلمانون کا فعل نہ تھا - وہ چند مشتعل جہلا کے جوش کا اظہار تھا جس مین کوئی صاحب علم اور تعلیم یافتہ مسلمان ہرگز شریک نہ تھا - عام مسلمانون نے نہ اُن کے اِس فعل کو پسند کیا - اور نہ یہ سمجھا گیا کہ گورنمنٹ سے مقابلہ کرنے مین وہ چند لوگ سارے مسلمانون کی خواہش پوری کر رہے تھے - مسلمانون نے اِس مسئلہ مین وہی باقاعدہ طریقہ اختیار کیا جیسا کہ مہذب گورنمنٹ اور مہذب رعایا مین ہونا چاہیے - یعنی ہز آنر کے پاس موریل بھیجے - اور ڈپوٹیشن کے ذریعے سے عرضداشت پیش کرنی چاہی

مگر ہمین ہز آنر سے تعجب ہے کہ ایڈرس کے جواب مین اُنھون نے ظاہر فرمایا کہ محض ہنگامے کانپور کی بنا پر اُنھون نے اپنا ارادہ اور اپنی پالسی بدل دی - اور گویا کانپور کے ہنگا

کا فرمۃ وار سارے مسلمانون کو قرار دے دیا - مین امید کرتا ہون کہ وہ بہت جلد اپنی اِس راے کو تبدیل فرمائین گے - کیونکہ اگر یہ صحیح ہے تو پھر سارے مسلمان ملزم ہین اور اِس قابل نہین کہ گورنمنٹ اُن پر بھروسہ کرے -

ریویو

حکیم مولوی محمد عبدالعزیز صاحب کامل اڈیٹر اخبار "حکمت" کی تین کتابین بغرض ریویو ہماری پاس بھیجی ہین - جو فن طب کے متعلق ہین - ہم طبیب نہین کہ اُنکے مضامین کی تنقید کر سکین - بادی النظر مین اچھی اور بہت مفید کتابین معلوم ہوتی ہین - اور اُردو خوان پبلک کو اپنی گھریلو زندگی مین امید ہے کہ اُن سے خوب مدد ملے گی - قدردان حکیم صاحب موصوف سے منگوائین اِس لیے کہ آجکل یہ تینون کتابین نصف قیمت پر دیجاتی ہین - کتب مذکورہ حسب ذیل ہین :—

کاشف الرموز کیمیا - نہایت اعلیٰ درجے کے قدیم فن کو توضیح سے بیان کیا گیا ہے - مگر نام رکھنے مین حکیم صاحب کسی عربی دان سے مشورہ لے لیتے تو مناسب ہوتا - یا تو "کاشف رموز الکیمیا" یا صرف "کاشف الرموز" یا فارسی ترکیب اختیار کر کے "کاشف رموز کیمیا" نام رکھتے - مگر "کاشف الرموز کیمیا" نام رکھنا حکیم صاحب کی بڑی ہی چغلی کھا رہا ہے - فن کیمیا کی تاریخ مین بھی بازاری اور سطحی باتین ہین - تاہم کتاب اچھی ہے - اور ۲۳۲ صفحون پر ختم ہوئی ہے - قیمت فی جلد للعہ ر

جڑی بوٹی مع خواص - ۱۹۲ صفحون پر بہت بکار آمد رسالہ ہے اِن دونون کے مصنف خود حکیم صاحب موصوف ہین - قیمت ۱۰ آنہ

رہنماے صحت اس کا بھی نام عجیب ہے - کتاب کا تو یہ کام ہے کہ مریضون کو صحت کا راستہ بتائے مگر نام کہتا ہے کہ وہ صحت کو راستہ بتاتی ہے - اسکے مصنف حکیم منشی محمد عبدالصمد صاحب ناگپوری ہین امید ہے کہ عمدہ کتاب ہوگی - ۲۱۶ صفحون پر پوری ہوئی ہے - قیمت عہ ر

حضرات

مراسلت مین لازمی طور پر اپنے پرچے کے نمبر بتایا کیجیے - اور ... اور ہو تو نام اور پتہ پورا اور صاف حرفون مین تحریر فرمایا کرین - بعض حضرات دستخط بنا دیتے ہین بعض پتہ نہین لکھتے - ایسی صورت مین نہ جواب دیا جاسکتا ہے اور نہ تعمیل ہوسکتی ہے - منیجر دلگداز

موسیقی

موسیقی اُن فنون لطیفہ مین سے ہے جن سے انسانی طبائع پر اثر ڈالنے کے لیے ہمیشہ اور ہر ملک مین کام لیا گیا ہے - اس کے موجد فطرت انسانی کے ایسے سامنے کے جذبات ہین کہ اُس کے پہلے بانی کو کسی ترقی یافتہ ملک یا متمدن قوم مین ڈھونڈھنا نادانی ہے - سچ یہ ہے کہ اس کی موجد ہر قوم اور ہر سرزمین ہے جس نے آغاز ہی مین اسے ایجاد کر لیا - ہر وحشی سے وحشی قوم نے اپنا موسیقی آپ ایجاد کیا - مثل مشہور ہے کہ "گانا اور رونا سب کو آتا ہے" جس روز کوئی پہلا وحشی انسان کسی بات پر خوش ہو کے اُچھلا کودا اور گایا ناچا - اور جس دن تخلیق عالم کے آغاز ہی مین کوئی جاہل عورت کسی عزیز کی موت پر بیتابی کے ساتھ سر پیٹ کے روئی اور بین کرنے لگی اسی دن جانیے کہ موسیقی کا فن ایجاد ہو گیا - اور غالباً اسی کا اظہار قدیم مذاہب نے اس عنوان سے کیا ہے کہ اس فن لطیف کا موجد بجاے انسان کے دیوتاؤن کو بتا دیا - جو تخلیق عالم کے آغاز مین انسانون کے بڑے دوست تھے - اُن سے ملتے جُلتے تھے اور کبھی کبھی اُنھین اپنی صحبتون مین شریک کر لیا کرتے تھے

ہندو کہتے ہین کہ موسیقی کے پہلے موجد مہادیو جی تھے جو سب دیوتاؤن سے بڑے اور پہلے تھے - اور مختلف راگنیان اپنے حالات وجذبات کے مناسب شکل وشمائل اور وضع ولباس مین اُنکی بیبیان بتائی جاتی ہین - مصر والے جو قدامت مین سب سے پہلے مشہور ہین - اُن کا عقیدہ تھا کہ موسیقی اور آلات موسیقی یعنی مختلف باجون کو اُن کے اعلے ترین دیوتاؤن - اُسائرس - آئی سس - آورس - اور ہرمس نے

ایجاد کیا - یونانیون کا خیال تھا کہ اُن کے اعلیٰ درجے کے دیوتا زیوس کی نو بیٹیان جو "میوزس" کہلاتی تھین وہی تمام علوم و فنون کی بانی تھین اور انھین سے موسیقی کا فن ایجاد ہوا - اُن نو میوزس (دیویون) کے نام یہ ہین (۱) کالیوپہ - مثنویون اور افسانہ خوانی کی شاعری کی بانیہ (۲) کلیو - تاریخ کی موجدہ - (۳) ارا تو - عاشقانہ شاعری کی بانیہ - (۴) یوتیرپہ - نغمہ خوانی کی شاعری کی بانیہ (۵) ملپومنہ - مرثیہ خوانی اور جذبات غم کو اُبھارنے والی شاعری کی بانیہ - (۶) پولی ہم نیا - نغمہ خوانی اور فصاحت و بلاغت کی دیوی - (۷) ترپسی شورہ - ناچنے کی موجدہ - (۸) تھالیہ - جذبات مسرت کو اُبھارنے والی شاعری کی بانیہ - (۹) اُرانیہ - علم ہیات کی موجدہ - اسی قسم کے خیالات فن موسیقی کی ایجاد کے متعلق چینیون - فارسیون - اور بابل والون مین بھی ہون گے - لیکن افسوس کہ ہم اُن سے ناواقف ہین - مشرق کے متاخر محققون نے موسیقی کی ایجاد اور اُس کی وجہ تسمیہ کے بارے مین عجب عجب خیال آفرینیان کی ہین - مگر اب وہ زمانہ نہین رہا کہ چڑیون مین نغمہ سنجی کا قدرتی جوہر دیکھ کے موسیقار نام ایک طائر ڈھونڈھ کے نکالا جائے - موسیقی کے ایجاد کی کلغی اُس کے سر مین لگائی جائے اور اُسی کی نسبت سے موسیقی کا نام موسیقی بتایا جائے - نام کی اصلیت یہ ہے کہ یہ فن علوم کی یونانی دیویون میوز کی جانب منسوب ہے - اور میوز کا تلفظ یونانی مین یقیناً "موس" تھا - عربی و فارسی مین اور ہماری زبان مین جس طرح نسبت کے لیے لفظ کے آخر مین یاے معروف لگائی جاتی ہے اسی طرح لاطینی اور یونانی مین "ق" لگایا جاتا تھا - اسی قاعدے کے مطابق وہ موسیقی کو "موسیق" (انگریزی مین میوزک) کہتے تھے - عربون کی یہ غلطی تھی کہ اس کا خیال نہ کیا کہ موسیق مین خود ہی حرف نسبت موجود ہے اور اُس پہ اپنے یہان کی یاے نسبت بھی اضافہ کر دی - اور اس فن کا نام ساری مشرقی دُنیا مین بجائے "موسی" کے "موسیقی" ہو گیا -

اب یہ دیکھنا ہے کہ اِس فن کو کن کن قومون نے کہان تک ترقی دی - اور کس قوم کی موسیقی کس پائے پر تھی - معلوم ہوتا ہے کہ قدماے یونان مین "موسیقی" کا مفہوم بمقابل آج کل کے زیادہ وسیع تھا - اُن لوگون مین گانا ناچنا اور بتانا ہی نہین بلکہ شاعری بھی اُس مین شامل تھی - اصل یہ ہے کہ اُن کے خیال مین جتنے فنون "میوزس"

دیویون کی تعلیم سے حاصل ہوئے تھے سب اُن کی موسیقی مین شامل تھے۔

کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے موسیقی کو اہل مصر نے ترقی دی۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی موسیقی اعلےٰ درجۂ ترقی کو پہونچ گئی تھی۔ مگر اس عام تحقیق کے خلاف یونانی مورخ ڈیوڈ ورس سقولوس یقینی طور پر بیان کرتا ہے کہ مصر مین قدیم الایام مین موسیقی کی تعلیم و تعلم اور اُس سے حظ اُٹھانے کی ممانعت تھی۔ اس لیے کہ اُسکے شوق مین مبتلا ہوکے آدمی عیش پرست ہوجاتے ہین۔ اور جہان انسان کو اس کا شوق ہوا بالکل گیا گزرا ہوتا ہے۔ مگر افلاطون اور ہیرودوطوس (جو یونانیون ہی کا نہین ساری دنیا کا سب سے پہلا مورخ ہے) دونون نے مصر کا سفر کیا تھا اور دونون یقین دلاتے ہین کہ بخلاف ممانعت اور روک کے مصر مین علم موسیقی کو ہر طرح سے ترقی تھی۔ سلطنت اُسے روز افزون ترقی دے رہی تھی۔ اور نوعمرون کو کمسنی ہی مین اُس کی تعلیم دی جاتی تھی۔ خود ڈیوڈ ورس جو مصر مین اُس کے ممنوع ہونے کا راوی ہے دوسرے مقام پر کہتا ہے کہ "موسیقی اور اُس کے تمام سازون کے موجد مصر کے دیوتا تھے"۔ اور یہ امر پوری طرح پایۂ ثبوت کو پہونچ گیا ہے کہ اہل مصر کے پاس ایسے ایسے باجے اور آلات طرب موجود تھے جن سے ہر قسم کے جذبات مین تحریک پیدا کرنے والے مختلف نغمے ادا ہوتے تھے۔

اہل بابل و نینوا مین بھی موسیقی کا بڑا رواج تھا۔ اُن کے وقت کی بنی ہوئی تصویرین تبا رہی ہین کہ بادشاہون کے ساتھ ساتھ اور فتحیاب فوجون کے آگے آگے چنگ و رباب بجانے والے مغنی چلا کرتے تھے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ اُن کے وہان موسیقی عبادت مین داخل تھی۔ اور بڑے بڑے مندرون اور بتخانون مین ارباب نشاط اور مغنیون کی چوکیان مقرر تھین جن کے نغمے پر اکثر پُجاریون کو حال آیا کرتا۔ مگر چونکہ ان کے پاس سوا پتھرون اور قصر و ایوان کی دیوارون پر کندہ کر دینے کے اور کوئی ذریعہ اپنے علوم و فنون کو بعد والون کے لیے محفوظ کر دینے کا نہ تھا اس لیے اُن کے جملہ علوم کی طرح انکی موسیقی بھی اُنھین کے ساتھ مٹ گئی۔ اگر یونانیون کی طرح پاپرس وغیرہ کی قسم کا سامان تصنیف و تدوین

اہل بابل و نینوا کے پاس بھی موجود ہوتا تو آج ہم اُن کے علوم سے اس قدر ناواقف نہ ہوتے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا کہ انکی موسیقی کے کیا اصول تھے۔ اور کیسی تھی۔

بنی اسرائیل کو بھی موسیقی کا کم شوق نہ تھا۔ توراۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے آلات طرب خصوصاً چنگ و ارغنون کا موجد جوبل تھا جو حضرت آدم کی نسل مین ساتوین پشت پر تھا۔ اُس کے ارغنون سے مراد غالباً وہ پُرانے زمانے کا ساز ہے جس مین کئی ایک بانسریان ایک مین جوڑ دی جاتی تھین۔ اِس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ موسیقی کی ایجاد جوبل سے پہلے ہی ہو چکی ہوگی۔ اور اگر پہلے نہ بھی ہوئی ہو تو اُس کے زمانے مین تو شک ہی نہین کہ یہ فن موجود تھا جس کی تائید و تقویت کے لیے آلات طرب ایجاد کیے گئے۔ مگر بنی اسرائیل کی موسیقی کے اصلی عروج کا زمانہ حضرت داؤد کا زمانہ ہے جن کے مزامیر مشہور ہین۔ قدیم مورخ اسبیوس کا بیان ہے کہ حضرت داؤد جہان جاتے اپنا چنگ ضرور ساتھ لیجاتے اُنھون نے مذہبی رسوم و عبادات کے لیے اہل موسیقی کی چوکیان اور باجوں کے بینڈ مقرر کیے تھے۔ اور ثابت ہوتا ہے کہ عبادت کرتے وقت وہ خود خدائے واحد ذوالجلال کے سامنے گاتے بجاتے اور ناچتے تھے۔ جبکہ آلات طرب سے کام لینے والون کا طائفہ چنگ۔ رباب۔ طنبورہ۔ جھانجھ۔ قرنا اور تُرہیان بجاتا تھا۔ اور وہ اپنی مناجات کے نغمے کی صدا بلند کرتے۔ ان چیزون کو اُن کے بعد حضرت سلیمان نے اور زیادہ ترقی دی جبکہ معبد الٰہی اور حرم ربّانی مین بہت سے گانے بجانے والے مقرر تھے۔ یہ زمانہ بنی اسرائیل کی موسیقی کے شباب کا تھا۔ مگر اسیری بابل نے جو ۶۳ سال تک قایم رہی یہود کے موسیقی اور اُن کے آلات طرب دونون کو خاک مین ملا دیا۔ اُس لمبی قید سے چھوٹنے کے بعد وہ پنپنے نہین پائے تھے کہ ارض یہودا کا وہ پُر فتن زمانہ شروع ہو گیا جبکہ اُن پر ہر طرف سے حملے ہو رہے تھے۔ اور مصریون فارسیون اور رومیون سب نے یکے بعد دیگرے اُنھین مغلوب و مقہور کیا۔ اور کبھی اتنی مہلت نہ دی کہ اطمینان سے بیٹھ کے اپنے قدیم موسیقی کو تازہ اور پُرانے آلات طرب

کو پھر زندہ کرتے ۔ ان تباہیون نے موسیقی کو اُن مین سے فنا کر دیا ۔ اور اب اُن کے عبادات اور رسوم مذہبی کو گانے بجانے اور آلات طرب سے کوئی تعلق نہ تھا ۔ ساری دُنیا کے معابد یہود سے موسیقی کا فن قطعاً علحدہ ہوگیا ۔ اور جرمن کے یہود کا مدتون سے یہ عقیدہ ہے کہ مسیحا کے ظہور سے پہلے گانا بجانا اور خوشیان منانا غیر مناسب اور حرام ہے ۔

مگر افسوس اہل مغرب نے ہندوستان کی موسیقی کیطرف کبھی توجہ نہین کی ۔ حالانکہ سب سے قدیم اور سب سے زیادہ مکمل اسی سرزمین کی موسیقی معلوم ہوتی ہے ۔ مگر اُس کی طرف ہم اُس وقت توجہ کرین گے جب مسلمانون کی موسیقی کا تذکرہ آئے گا ۔

یونانیون مین بہت سی دیگر اقوام عالم کی بہ نسبت موسیقی کی زیادہ قدر و منزلت تھی ۔ لیکن اس تاریخی بیان کے سوا اگر ہم اس بات کو معلوم کرنا چاہین کہ انکی موسیقی کیا تھی اور کیسی تھی تو کچھ بھی پتہ نہین چل سکتا ۔ ہر قوم کی موسیقی اُن گیتون کے ذریعے سے جن مین اچھی اور دلکش دُھنین بندھ جاتی ہین بعد والی نسلون مین منتقل ہوتی رہتی ہے ۔ اور اُنھین کو سُن کے بعد والون کو اپنے متقدمین کی موسیقی کی نوعیت کسی نہ کسی حد تک ضرور معلوم ہو جایا کرتی ہے ۔ بخلاف اس کے یونانیون کی موجودہ نسلون مین اپنے بزرگان سلف کی نہ زبان ہی باقی رہی اور نہ اُن کا نغمہ ہی باقی رہ گیا ۔ پرانے یونانیون کی موسیقی کا جو کچھ حصہ مل سکتا ہے وہ اُن کی چند منتشر تحریرین ہین جو کسی کی سمجھ مین نہین آسکتین ۔

دنیا مین جس وقت خط ایجاد کیا گیا تو اس کی پوری کوشش کی گئی کہ انسان کی آوازین مخارج کے لحاظ سے مختلف حروف مین قلمبند کر لی جائین ۔ تاکہ جو لفظ جتنے مخارج کی آوازون سے مرکب ہے اپنے ہی حرفون کے ذریعے سے تحریر مین لایا جائے ۔ لیکن اس کی کبھی کوشش نہین کی گئی کہ آواز اپنے ترقی و تنزل ۔ اپنے زیر و بم ۔ اور مینڈون اور زمزمون کے لحاظ سے تحریری نشانات مین دکھائی جائے ۔ یہ ایسی کمی تھی جس کے باعث کوئی قوم اپنے موسیقی کو چاہے وہ کیسے ہی کمال کے درجے کو پہونچی ہوئی ہو دوسرون کے ذہن نشین

کرنے کے لیے قلبند نہ کر سکی۔

یونان کے اکثر قدیم فلسفیون خصوصاً فیثاغورس۔ افلاطون اور ارسطو کے شاگردون نے موسیقی پر لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن دنون یونان مین موسیقی کا سکھانا اعلیٰ ترین طبقہ کے رئیس زادون کی تعلیم کا جزو لازمی تھا اور نیز یہ کہ دلچسپی اور صحبتون مین لطف پیدا کرنے ہی کے لیے نہین بلکہ مذہبی رسوم اور عبادات مین بھی موسیقی سے کام لیا جاتا تھا۔ وہ لوگ چونکہ ایشیاے کوچک سے جا جا کے بسے تھے اور وہین کے علاقون کے نام کی نوآبادیان یونان مین قائم ہوگئی تھین لہذا انھین نوآبادیون یا اُنکے اصلی ایشیائی علاقون کی جانب اُنکی دُھنین اور اُن کے نغمے منسوب تھے۔ چنانچہ اپنے بعض نغمون کو لیڈیا سے ماخوذ بتاتے تھے جہان پُرانا مغنی "امفی اون" اِس فن کی تعلیم دیتا تھا۔ بعض نغمون کو ارکاڈیا سے حاصل کیا تھا جہان چرواہے بانسلی وغیرہ پر نہایت ہی دلکش تانین لگایا کرتے تھے۔ اُن کے گانے کے ٹھاٹھ مقامات فریجیا۔ ڈوریا۔ ایولیا۔ اور ایونیا کی جانب منسوب تھے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ یونانیون کی موسیقی صرف سُرون تک محدود تھی۔ اور اس مین لَے نہ تھی۔ کیونکہ اُن کے نزدیک وزن کا تعلق صرف نظم سے تھا۔ مگر غالباً یہ قیاس ویسا ہی ہو جیسے ہندوستان کے موسیقی دان اکثر اعتراض کیا کرتے ہین کہ انگریزون کی موسیقی مین لَے نہین ہے۔ یونانیون نے اپنے علمی مذاق سے اس بات کی بھی کوشش کی تھی کہ موسیقی کی دُھنون کو تحریر مین لے آئین۔ مگر اس کوشش مین کامیاب نہ ہوسکے۔ اِس لیے کہ جو اُن کے گلے سے نہ سُن چکا ہو وہ اُس تحریر کے ذریعے سے ہرگز نہین سمجھ سکتا کہ وہ نغمہ سُرون کی کس مناسب ترتیب سے اور کس دُھن مین ادا ہوتا ہے۔ اُنھون نے موسیقی کی تحریر کی بنیاد حروف تہجی پر رکھی تھی۔ سُرون کے لحاظ سے اُن حرفون کی صورتین بدلی اور بگاڑی گئی تھین جس کی بدولت اُن کے بہت سی مختلف صورتین ہوگئین۔ اور پھر اُن پر زیر و بم اور زمزمہ وغیرہ کے علامات اضافہ

کیے گئے - نیتجہ یہ ہوا کہ بڑھتے بڑھتے سولہ سو سے زیادہ تحریری نشانات ہو گئے - اور موسیقی کی حیثیت سے اُن کی الف بے چینیون کی الف بے بن گئی - جس مین ہزارون حروف ہین - اور آخر اُن علامتون اور بگڑے اور بدلے حرفون کی وجہ سے وہ تحریر اس قدر پیچیدہ ہو گئی کہ کسی طرح سمجھ مین نہین آسکتی - مگر اس سے اس بات کا ضرور اندازہ ہو جاتا ہے کہ اُنھون نے موسیقی مین کس قدر زیادہ ترقی کر لی ہو گی - متاخرین مین یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ "آیا یونانیون کو تنہا لفظ نغمون یعنی مرکب دُھنون کا علم تھا یا نہین ؟" اور بڑے ردّ و قدح کے بعد جو فیصلہ ہوا یہ تھا کہ "نہین - اُنھین ایسی دُھنون کا علم نہ تھا"

یونانیون مین عرب کے بازار عکاظ کی طرح مختلف شہرون مین میلے ہوتے تھے جن مین ہر قسم کے کرتب اور ہر فن کے کمالات دکھائے جاتے - اُنھین میلون مین یونانی شعرا اپنی نظمون کو ہمارے مولانا شبلی نعمانی کی طرح موسیقی کی مناسب دُھنون مین گا گا کے سُنایا کرتے - نیمین اور ازتھمین گیمون (میلون) مین موسیقی اور شاعری کے لیے انعام مقرر تھے - اور پیتھیا کے گیم (میلے) مین جو بہت آخر زمانے مین ہوا کرتا تھا صرف باجون اور آلات طرب پر کمال دکھانے والون کو انعام دیا جاتا - یونانیون مین جتنی عزت موسیقی کے پروفیسرون کی تھی اور کسی فن کے پروفیسرون کی نہ تھی اور اُنھین بڑی بھاری تنخواہین ملا کرتی تھین

اہل یونان نے جس طرح موسیقی کو مصر والون سے لیا تھا اسی طرح رومیون نے یونانیون سے لیا - روم کی قوم ایک خالص سپہگرا اور جنگجو قوم تھی - اور ایسے فنون لطیفہ کی طرف فوجی مذاق والون کو زیادہ توجہ نہین ہو سکتی - مگر پھر بھی وہ فن موسیقی کی نہایت ہی قدر کرتے تھے - اور موسیقی دانون کی اُن مین بڑی عزت کیجاتی تھی - اپنے ابتدائی عروج کے زمانے مین اس فن کو اُنھون نے بہت ہی کم ترقی دی - بلکہ سچ یہ ہے کہ مطلق توجہ نہین کی - یہان تک کہ نیرو قیصر کا زمانہ آیا - اور اُس نے باوجودیکہ ظالم تھا موسیقی کو اعلی درجہ ترقی و عظمت تک پہونچا دیا - اُس نے خود اِس لطیف فن کو حاصل

کیا - اور اپنا زیادہ وقت تورپیوس کی شاگردی مین صرف کر دیا جو اُس عہد کا سب سے زیادہ نامور مغنی اور چنگ نواز تھا - اب چونکہ اِس فن کی جانب سلطنت کی توجہ مائل ہو گئی تھی لہذا نیرو کے بعد اُس کے جانشینون سے بھی جہان تک بنا فنون موسیقی - فوجی کرتبون - اور ڈراما کو معتدبہ ترقی دی - یہانتک کہ رومیون کے تنزل کے ساتھ اُن کی موسیقی بھی مٹ گئی - جس کے مدتون اور صدیون بعد موجودہ اہل اطالیہ نے اپنی پُرانی موسیقی کو پھر زندہ کیا -

رومیون کے معاصر ایران کے ساسانی تھے - اگر غور سے دیکھیے تو اُنکی قدیم الایام کی سطوت و جبروت ساری دنیا سے جس قدر بڑھی ہوئی تھی - اور جس انتہائی کمال کو اُن کی عیش پرستی پہونچی ہوئی تھی وہی درجہ اُنکی موسیقی کو بھی حاصل تھا - اُن مین قدیم الایام سے بڑے بڑے مغنی اور سرود و چنگ نواز ہوتے چلے آئے تھے - مگر آخر مین باربد اور نکیسا نے جو خسرو پرویز کے دربار کے مغنی کہے جاتے ہین اس فن کو ایسے کمال تک پہونچا دیا کہ اپنے نغمون سے ساحری کا کام لیتے - مگر افسوس اُنکی تاریخ کی طرح اُنکی موسیقی کا بھی نام ہی نام دنیا مین باقی رہ گیا - اُنکی عظمت و سطوت کی تاریخ تو دیگر معاصر اقوام کے ذریعے سے تھوڑی بہت مل بھی گئی مگر اُنکی موسیقی کا ذوق کسی غیر کو کیا ہو سکتا تھا جو وہ ہمین اُس کی خوبیون سے آگاہ کرتا -

اب عربون نے رومیون اور ساسانیون دونون کا دفتر اُلٹ کے شام و عراق مین ایک نئی اسلامی معاشرت قایم کی - قرون اولی کے مسلمانون نے خدا پرستی اور عبادات کے جوش و ذوق مین موسیقی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا - خصوصاً اس لیے کہ موسیقی بت پرستون کے عبادات مین داخل تھی - اور بنی اسرائیل کا خدا پرست گروہ اس فن سے قطعاً متنفر تھا - اگرچہ حضرت سرور کائنات صلعم نے عورتون اور لڑکیون کو بارہا گاتے بجاتے دیکھا اور نہین روکا تھا - حبشیون کا رقص دیکھا اور نہین منع فرمایا تھا - فن تجوید و قرأت کی تحصیل کو موجب ثواب آخرت بتایا جو کہ دراصل موسیقی ہی کا ایک روح افزا شعبہ تھا - جس سے کافی طور پر پتہ چل سکتا ہے کہ موسیقی کا وہی حصہ ممنوع ہے جو رسوم

بُت پرستی یا جذبات شہوت پرستی سے تعلق رکھتا ہو مگر اسلام مین سوا ظاہریہ فرقہ اہل حدیث کے اکثر علما نے موسیقی کو ناجائز ہی قرار دے دیا مگر صحابہ اور تابعین ہی کے زمانے مین ہم اتنے اتنے بڑے اور اس پائے کے لوگون کو گانا سنتے دیکھتے ہین کہ ہمین تحریم موسیقی کے عام فتوے پر تعجب آتا ہے۔ اس شرعی روک پر بھی مسلمانون مین فن موسیقی کو فطرتی طور پر ترقی حاصل ہونے لگی۔ جس کی وجہ غالباً یہ ہوئی کہ صرف اُمرا و ملوک ہی نہین سلف کے مسلمان اتقیا و زہاد بھی دینی خلوص اور بے نفسی کے جذبات کے ساتھ ذوق و شوق سے گانا سننے لگے۔ سب سے پہلے ابوسبحج نے جس کے حالات ہم دلگداز ہی کے صفحون پر بتا چکے ہین فارس و روم کے دور دور شہرون کی خاک چھان کے دنیا کے مسلم باکمالون سے فن موسیقی کو سیکھا اور اُس کے بعد عرب مین نہایت اور مقبول عام دُھنین قایم کین۔ ابوسبحج کے بعد عربون مین بڑے بڑے نامور مغنی پیدا ہونا شروع ہوئے جن کے مفصل حالات کتب تاریخ مین موجود ہین۔ خصوصاً مامون کے زمانے مین اُس کے دربار کے مغنی اسحٰق موصلی اور مامون کی بہن عُلیّہ نے موسیقی کے ایسے ایسے کمالات دکھائے کہ عربون کے نزدیک ساری دنیا مین اُن سے بڑے مغنی موجود نہ تھے۔ اغانی کی ضخیم کتاب جو بیس اکیس جلدون مین ختم ہوئی ہے صرف "مأتہ اصوات المختارہ" یعنی دولت عباسیہ کے عہد کی سو مقبول عام دُھنون کے بیان مین ہے۔

مسلمانون کے اعلیٰ کمال موسیقی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اُن کا سب سے بڑا فلسفی اور حکیم ابو نصر فارابی جو حکماے اسلام مین "معلم ثانی" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے جس کی نسبت سب کو اتفاق تھا کہ ارسطو کے بعد اُس کے پائے کا کوئی حکیم دنیا مین نہین پیدا ہوا۔ اور جس کے تصانیف نے ابن سینا کو حکیم بنا دیا تھا۔ چوتھی صدی ہجری کے آغاز مین موسیقی کا سب سے بڑا باکمال پروفیسر تھا۔ موسیقی کا مشہور باجا "قانون" اُسی کا ایجاد کیا ہوا ہے۔ وہ بخلاف دیگر علما و فضلا کے تُرکی سپاہیون کی وضع مین رہا کرتا تھا۔ اور صورت دیکھ کے لوگ سمجھتے کہ کوئی معمولی درجے کا فوجی ترک ہے جب شہر دمشق مین پہونچا تو اُسی سادی سپاہیانہ وضع مین فرمان رواے شام سیف الدولہ بن حمدان کے دربار مین گیا۔ جہان بڑے بڑے مشہور روزگار

علما جمع تھے اس مہذب مجمع مین ابو نصر کو خاموش کھڑے ہوئے دیکھ کے سیف الدولہ نے کہا "بیٹھ جاؤ" ابو نصر نے پوچھا "اپنے رُتبے کے مناسب مقام پر بیٹھون یا آپکے دربار کی مناسبت سے؟" سیف الدولہ نے کہا "اپنے رتبے کے مناسب مقام پر"۔ یہ سنتے ہی ابو نصر اہل دربار کی تمام صفون کو قطع کرتا ہوا خود سیف الدولہ کے مسند پر پہونچا اور اس طرح پھیل کے بیٹھ گیا کہ خود سیف الدولہ بھی مسند سے باہر نکل گیا۔ یہ دیکھ کے سیف الدولہ دل مین نہایت برہم ہوا۔ اور اپنے مسلح غلامون کی طرف دیکھ کے ایک خاص زبان مین جس کو سوا اُس کے غلامون کے دربار کا اور کوئی شخص نہ سمجھتا تھا کہا "اس شخص نے سخت بے ادبی کی ہے۔ مین اِس سے چند سوالات کرتا ہون اگر جواب نہ دے سکے تو بے مجھ سے پوچھے اِس کے ٹکڑے اُڑا دینا"۔ غلام تو خاموش رہے مگر ابو نصر نے اُسی زبان مین جواب دیا "یا امیر صبر کیجیے۔ ہر امر کا انکشاف انجام مین ہوا کرتا ہے"۔ سیف الدولہ نے گھبرا کے پوچھا "تم اِس زبان کو جانتے ہو!" جواب ملا "جی ہان جانتا ہون۔ اور اسی زبان پر موقوف نہین مین ستّر زبانون مین بخوبی گفتگو کر سکتا ہون"۔ یہ کہہ کے ابو نصر نے علما سے گفتگو شروع کی اور جو جس فن مین شہرت رکھتا تھا اُسی فن مین بحث کر کے اُسے خاموش کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر مین ظاہر ہو گیا کہ سارے علماے دربار مین سے کوئی بھی کسی فن مین اُس کی ہمسری کا دعوی نہ کر سکتا تھا۔ تمام حاضرین اور خود سیف الدولہ کی یہ حالت تھی کہ عش عش کر رہے تھے۔ اور حیران و مبہوت تھے۔ نوبت یہان تک پہونچی کہ علماے حاضرین نے دربار شاہی کو مدرسہ بنا دیا۔ اور جو الفاظ ابو نصر کی زبان سے سنتے اُنھین قلمبند کرنے لگے۔ یہ رنگ دیکھ کے سیف الدولہ نے دربار کے برخاست ہونے کا حکم دے کے تمام علما کو رخصت کر دیا۔ اور ابو نصر کو ساتھ لے کے دربار خاص مین چلا گیا اور پوچھا "کچھ نوش فرمائیے گا؟" ابو نصر نے کہا "نہین" پوچھا "کچھ پیجیے گا؟" کہا "نہین"۔ پوچھا "اچھا گانا سنیے گا؟" ابو نصر نے کہا "ضرور! اِس کا تو مجھے خاص شوق ہے"۔ فوراً ارباب نشاط حاضر ہوئے۔ اُس زمانے کی مشہور و مقبول عام گانے والیان سامنے کھڑی ہو کے مجرے کرنے لگین۔ ادہ

آلات طرب کے جتنے اعلےٰ درجے کے ماہر شہر مین موجود تھے اپنے اپنے ساز لے کے کھڑے ہوئے۔ اور بجانے لگے۔ مگر ابو نصر کی یہ حالت تھی کہ ہر ایک کے گانے اور بجانے مین عیب نکالتے۔ اور ایسی سخت نکتہ چینیان کین کہ اُن کے رُعب سے گانے بجانے والون کو اپنا فن بھول گیا۔ اور سیف الدولہ نے تعجب سے کہا "کیا جناب اِس فن کو بھی جانتے ہین؟" جواب دیا "جی ہان جانتا ہون" اب سب لوگ مُصر ہوئے کہ "کچھ سُنائیے" ابو نصر نے کہا "بہتر" یہ کہہ کے ایک تھیلی مین سے جو ساتھ تھی لکڑی کے چند ٹکڑے نکالے۔ اُنھین ایک خاص ترتیب و ترکیب سے جوڑ کے بٹھایا۔ اُن پر تار کھینچے۔ اور اُنھین بجا بجا کے ایک ایسی دُھن مین گانا شروع کیا کہ جو سُنتا اُسے ہنسی آنے لگتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دم بھر مین تمام حاضرین محفل مارے ہنسی کے لوٹنے لگے۔ پھر اُنھون نے اِس ساز کو کھول کے نئی ترکیب سے جوڑا۔ اور ایکی سُر ملا کے جو گانا بجانا شروع کیا تو تمام حاضرین زار و قطار رو رہے تھے۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ در و دیوار پہ رقّت طاری ہے۔ اِس کے بعد اُنھون نے اُس ساز کو پھر کھول ڈالا اور تیسری ترکیب سے جوڑ کے بجانا شروع کیا تو تمام سامعین پر غنودگی طاری ہوئی چند منٹ نہین گزرے تھے کہ سب لوگ حتیٰ کہ خود سیف الدولہ اور پہرے والے تک غافل سو رہے تھے۔ اِن سب کو غافل دیکھ کے ابو نصر نے اپنا ساز کھول کے تھیلی مین رکھا چپکے سے اُٹھ کے چلے گئے۔ اور سب لوگ سوتے کے سوتے رہ گئے۔ ان باتون کا یہ اثر تھا کہ علامہ ابو نصر فارابی مرتے دم تک سیف الدولہ کے دربار مین رہے۔ اور سیف الدولہ ہی نے اُنکے جنازے کی نماز پڑھائی۔ حکیم ابن سینا بھی اس فن کا اتنا بڑا باکمال تھا کہ شہنائی اُسی کی ایجاد ہے۔

عربون نے بھی یونانیون کی طرح اس بات کی کوشش کی کہ فن موسیقی کو تحریر مین لائین۔ سُرون اور گلے کے دیگر خصائص نغمہ کے اظہار کے لیے کسی خاص خط کے ایجاد کرنے کی طرف تو اُن کا خیال نہین گیا مگر سُرون کو سرود کے تارون اور اُن کے ساتھ اُنگلیون کے تعلقات کا لحاظ رکھ کے اُنھون نے اپنے تصانیف مین دُھنون کو اِس طرح بتانا چاہا کہ مثلاً "ثقیل اول"

باسباتہ فی مجری البنصر" (ثقیل ہے اور اول۔ بیچ کی انگلی سے مگر چھنگلیا کے برابر والی انگلی کی چال ہیں) اسی طرح کی بیسیون اصطلاحین ہین جن کو ہم اور ہمارے زمانے کے لوگ مطلقاً نہین سمجھ سکتے۔ حالانکہ عربی کی جو ہزارہا دھنین ان اصطلاحون مین بتائی گئی ہین اُن سے کتابین بھری پڑی ہین۔ افسوس اُن سے ہمارے موجودہ موسیقی دان فائدہ نہین اُٹھا سکتے۔ خلافت عباسیہ کے ساتھ ہی عربون کی موسیقی بھی مٹ گئی۔ کیونکہ جس طرح مسلمانون نے اپنے قرون اُولیٰ کے تمام فنون کو آخر تک محفوظ رکھا تھا اپنی پرانی موسیقی کو وہ نہ بچا سکے۔ جو تھوڑی بدنصیبی کی بات نہین ہے۔

اصل یہ ہے کہ موسیقی خالص عملی فن ہے۔ اور اس کا تعلق بہت کچھ ہر قوم کی زبان۔ لہجے اور اُس کے مخارج و اصوات سے اور اس سے بھی زیادہ اُس قوم کے گلے کے خصائص اور انکے مذاق و عادات کے ساتھ ہوتا ہے۔ زبان لب و لہجہ۔ مخارج اور ذوق و عادت کے چھوٹنے کے ساتھ ہی موسیقی بھی چھوٹ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان عرب سے نکلنے کے بعد جہان گئے اپنے مذہب اور اپنے تمام علوم و فنون کو تو ساتھ لیتے گئے مگر موسیقی کو نہ لے جا سکے۔ ایران مین پہونچ کے جب وہ فارسی بولنے لگے تو اُن کی موسیقی بھی وہی ہو گئی جو ایران مین فارسی بولنے والون مین مروّج تھی۔ اور جب ہندوستان مین آ کے ہندی بنے تو عربی موسیقی بالکل خواب و خیال ہو گئی اور ہندوؤن کی موسیقی اُن کی موسیقی بن گئی۔

شاعری کا فن بھی اسی قسم کا ہے۔ مگر چونکہ اُس کا بہت کچھ حصہ خیالات تشبیہات سے وابستہ ہے۔ اس لیے مسلمان جہان گئے اپنی شاعری کو ساتھ لیتے گئے۔ مسلمانون کے زمانے کی فارسی شاعری دراصل عربی شاعری ہی کا ایک نمونہ ہے۔ جس مین باستثناے چند جملہ تشبیہات و استعارات عربی سے ماخوذ ہین۔ اور یہی حال ہماری اُردو شاعری کا ہے جو آج تک زیادہ تر عربی شاعری ہی کا ایک ضمیمہ ہے۔ مگر عربی موسیقی نہ ایران تک آ سکی اور نہ ہندوستان مین پہونچ سکی۔ اگر موسیقی کے لیے کوئی ایسا خط ایجاد ہو جاتا جس مین آوازین

مخارج کے لحاظ سے نہین بلکہ اپنے مختلف سُرون اور گھٹنے بڑھنے کے اعتبار سے نقوش مین ادا کیے جا سکتے ہین۔ اور تانون۔ مینڈون اور گٹکری وغیرہ گلے کے مخصوص حرکات کی بنا پر علامات تحریری قائم کر دیے جاتے تو شاید عربی موسیقی ایسی تحریر مین آجاتی جو آج تک بتا سکتی کہ اُن کے موسیقی کے کیا اصول تھے اور وہ کس وضع کی تھی۔

ہندوستان مین مسلمان عربی وایرانی موسیقی کو کلیتہً بھول گئے اور انھین اپنے پُرانے نغمون کے عوض سنسکرت کا ایک ایسا مکمل فن موسیقی مل گیا جو بہ اعتبار اپنے قدیم اصول اور اپنی وسعت کے ساری دنیا کے موسیقی سے بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ موسیقی جو ہندوؤن کی صحبت ہاے عیش اور اُن کی عبادتون کی جان تھی چند ہی روز مین راجاؤن کی سبھاؤن سے مسلمان بادشاہون کے دربار مین۔ اور ہندوؤن کے مندرون سے مسلمان صوفیون کی محفل حال وقال مین پہونچ گئی۔ اور آخر دولت مغلیہ کے عروج کے زمانے مین خود مسلمانون مین سے ہندی موسیقی کے ایسے ایسے باکمال پیدا ہو گئے کہ اُن کے سامنے پُرانے ہندو گویّون کی شہرت مٹ گئی۔ اور جن کے گانے کے کمالات آج قومی روایتون مین کرامات ومعجزات کی شان سے بیان کیے جاتے ہین۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہندوستان کی موسیقی کا فن زیادہ تر مسلمانون ہی مین ہے۔ اور بڑے بڑے مشہور گویّے سب مسلمان ہین۔

ہندی موسیقی کی تفصیل بتانے کے لیے اس وقت ہمارے پاس کافی گنجائش نہین ہے جس کسی کو شوق ہو فارسی کی کتاب "اصول النغمات الآصفیہ" اور راجہ نواب علی خان صاحب کی کتاب "معارف النغمات" کا مطالعہ کرے۔

رومیون کے بعد یورپ کی موسیقی مدتون تک نہایت ہی ابتر حالت مین رہی۔ عیسائیون نے چونکہ بُت پرستون کی تمام باتون کو اختیار کر لیا تھا اسلیے موسیقی کو بھی روم کے پُرانے بت خانون کی طرح اپنے معبدون اور گرجون مین مروّج کر دیا۔ مگر اُنکی ابتدائی زمانے کی موسیقی ہمارے ڈفالیون کے راگ سے زیادہ وقعت نہ رکھتی تھی۔ سنہ ۳۸۶ء مین شہر ملان کے اُسقف

سینٹ امیروس نے یہ دیکھ کے کہ گرجون کی موسیقی بالکل بے اصول اور پراگندہ ہے اصلاح کی طرف توجہ کی اور وہ خاص دُھن ایجاد کی جو "امیروسین چانٹ (نغمۂ امیروس) کے نام سے مشہور ہے۔ پوپ گریگوری کے مرنے کے بعد جو سنہ ۶۰۴ء کا واقعہ ہے اس بات کی کوشش شروع ہوئی کہ موسیقی کی دُھنون کو کسی طریقے سے قلمبند کیا جائے۔ مگر اس زمانے مین جو خط موسیقی ایجاد کیا گیا اُس کا لکھنا چاہے آسان ہو مگر گاتے وقت اُس کا لحاظ رکھنا اور اُس پر عمل کرنا بہت ہی دشوار تھا۔ اسلیے کہ ہمارے یہان جس طرح بعض لوگون نے سُرون کے نامون کے پہلے حرف یا ٹکڑے لکھ دیے ہین ؛ ہان بھی لکھ دیے جاتے تھے۔ مثلاً سرگم کی جگہ س یا سر۔ رکھب کی جگہ ر یا رکھ۔ گندھار کی جگہ گ یا گن۔ یہ تحریر کسی حد تک دُھنون کو محفوظ ضرور کر سکتی تھی مگر گانے والے گاتے وقت اُن سے مطلق فائدہ نہ اُٹھا سکتے تھے۔ اور آواز کے دیگر خصائص تو مُطلقاً نہین معلوم ہو سکتے تھے۔

دسوین صدی کے آخر مین اِس تحریر کو من جمیع الوجوہ ناقص دیکھ کے ایک نیا طریقہ ایجاد کیا گیا۔ اس مین سُرون کے شمار کے لحاظ سے سات متوازی خطوط قایم کیے جاتے۔ نغمہ کا خط اُن مین لہراتا ہوا چلتا اور گلا جس سُر پہ پہونچتا اُسی سُر کی لکیر پر پہونچا دیا جاتا۔ اور اِس کے ساتھ گلے کے دیگر خصائص و حرکات نقطون اور خطون کے اشارے سے بتا دیے جاتے۔ اس خط نے موسیقی کی تحریر بہت آسان کر دی۔ لیکن سنہ ۱۰۲۲ء مین جب پوپ بنی ڈکٹ ہشتم کا زمانہ تھا اس خط موسیقی مین اور بہت سی ترقیان اور اصلاحین ہوئین۔ چنانچہ اسی زمانے مین پادریون کے بنی ڈکٹن گروہ کے ایک راہب نے جو علاقۂ ٹسکانی کے ایک گمنام گاؤن آرزّو مین پیدا ہوا تھا اور گوئی ڈو کے نام سے یاد کیا جاتا تھا سات خطوط متوازی کا شمار سات سے گھٹا کے چار ہی کر دیا۔ اِس لیے کہ چار خطوط اور اُن کے درمیان کی تین خلاؤن سے بل کے سات مقامات قایم ہو سکتے تھے۔ اِس مین چونکہ خطوط کی درمیانی خلا سے بھی کام لیا گیا تھا اِس لیے نقطون اور آڑے خطون کے علامات

و نشانات اُن خطون کے درمیان مین بھی قایم کر دیئے جاتے۔ یہی تحریر موسیقی آج تک یورپ مین مروج ہے۔ اور وہان کے تمام موسیقی کالجون مین اسی خط موسیقی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور اگرچہ اس اعتراض کا جواب نہین کہ سنسکرت کی قدیم مکمل و باضابطہ موسیقی سے غافل رہ کے یورپ والون نے اپنے آپ کو ایک بڑے علمی ذخیرے سے محروم و بے بہرہ رکھا ہے لیکن اِس مین شک نہین کہ یورپ مین فی الحال ہر حیثیت سے موسیقی کو بڑی ترقی ہو رہی ہے۔ اور گلے بازی اور آلات طرب دونون چیزون مین وہ ممالک ارض سے بڑھتے جاتے ہین۔

ہمارے یہان بھی اب موسیقی جاہل مغنیون سے نکل کے پڑھے لکھے اور شائستہ لوگون مین آنے لگی ہے۔ بعض علما نے اُس کے جواز کے فتوے دیے ہین۔ اور ہندوؤن نے بھی اپنے قدیم موسیقی کو نئے سرے سے سنبھالنا اور اُس مین از سر نو جان ڈالنا شروع کر دیا ہے۔ ایسی حالت مین تعجب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے موسیقی کے تحریر مین لانے کی اس وقت تک مطلقاً کوشش نہین کی گئی۔ جبکہ اُردو کا نیا "شارٹ ہینڈ" خط بھی ایجاد ہو گیا تو تعلیم یافتہ شایقین موسیقی کی کوشش و توجہ سے کسی مکمل خط موسیقی کا ایجاد ہونا ہماری موسیقی کی ترقی کے لیے لازمی اور ضروری ہے۔ ہم امید کرتے ہین کہ ہمارے احباب اس کمی کو جلد پورا کرین گے۔

فلینڈرس کی ایک کہانی

ہر قوم اور ہر ملک مین کچھ ایسی داستانین موجود ہین جن کو یہ وقعت تو نہین حاصل ہے کہ صفحات تاریخ مین لکھی جائین۔ مگر اکثر تاریخ کا ماخذ ایسی ہی کہانیان اور اسی قسم کے قومی گیت ہوتے رہے ہین جو پشتہا بہ پشت سے چلے آتے ہین اور ہر قوم کا کوئی فرد نہین جو اُنکو نہ جانتا ہو۔ حروب صلیبیہ کی تاریخ کا بھی ایک معتد بہ حصہ اسی طرح کے قومی نغمون اور

سے لیا گیا ہے - لیکن اسے ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ ایسی کہانیون مین غیر حملہ آورون کی عظمت دکھانے کے بعد خاتمہ ہمیشہ اپنی کامیابی ہی پر کیا جاتا ہے - اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ انجام غلط ہوتا ہے اور آغاز صحیح - اسی قسم کی ایک کہانی یورپ کے علاقۂ فلینڈرس مین جو مملکت ہالنڈ مین واقع ہے بہت مشہور ہے - اور ایسی ہے کہ اُسے مسلمان بڑی دلچسپی سے سنین گے - ہالنڈ کا بچہ بچہ تو صدیون سے جانتا چلا آتا ہے اب دلگداز کی زبان سے اُسے مسلمانان ہند کے بچے بھی سُن لین -

جب عربون نے یورپ پر حملہ کیا اور اُندلس اور فرانس کے غالب حصہ کو فتح کرکے اُنکی فوجین خشکی یا دریا کے راستے سے شہر اینٹ ورپ تک پہونچ گیئن تو اس زمانے مین اس شہر کا حاکم بڈرین نام ایک شخص تھا اینٹ ورپ آج کل کی طرح اُس زمانے مین بھی ایک بہت بڑا شاندار شہر تھا - کیونکہ شمالی یورپ کے تمام اندرونی ممالک کی تجارت اسی شہر کے ذریعے سے ہوتی تھی - سب مال جہازون کے ذریعے سے یہین آتا تھا اور یہان سے تمام اندرونی ممالک مین بھیجا جاتا تھا جس کی وجہ سے اس شہر کی بڑی وقعت اور شہرت تھی - لیکن پورے ملک پر کوئی مستقل حکومت نہ تھی - ہر شہر اور ضلع مختلف زمینداروں کے ہاتھون مین تھا جو وہان کے حاکم اور تمام سیاہ وسفید کے مالک تھے - عربون نے بہت ہی آسانی سے اینٹ ورپ کو فتح کرلیا اور بڈرین کو اپنی جان بچانے کے لیے شہر چھوڑ کر بھاگنا پڑا - اُس نے ایک قریب کے شہر مین پناہ لی جہان کا حاکم اور شخص تھا - بڈرین نے اُس سے اور آس پاس کے تمام حاکمون سے امداد چاہی کہ عربون سے لڑے مگر عربون کی ہیبت ایسی چھائی ہوئی تھی کہ کسی نے اُن سے بگاڑنا مناسب نہ جانا اور کسی نے بھی مدد دینے کی حامی نہ بھری - بڈرین اگرچہ بالکل بے دست و پا اور مجبور تھا مگر دل سے اپنے شہر کی محبت نہ گئی - بھیس بدل کے اینٹ ورپ مین آیا - اور وہان کے لوگون کو عربون کی مخالفت پر اُبھارنے لگا - مگر سب کو لڑائی کی مصیبتین یاد تھین - کوئی آمادہ نہ ہوا - قطع

نظر اس کے عربون کی حکومت مین انکو کوئی تکلیف بھی نہ تھی - بلکہ پہلے سے زیادہ آرام اور اطمینان حاصل تھا - اسی اثنا مین ایک روز بڈرمین اینٹ ورپ کی گلیون مین چکّر لگا رہا تھا کہ کسی عرب سپاہی کو اُس پر جاسوس کا شُبہ ہوا - فوراً اُسے گرفتار کر لیا - اور اُسی عدالت کے مکان مین مجرمون کی طرح لیجا کے کھڑا کر دیا جس مین سال ڈیڑھ سال پہلے کا ذکر ہے کہ یہ خود بیٹھ کر انصاف کیا کرتا تھا - اس نے جو اظہار دیا وہ بالکل ناکافی تھا کیونکہ اپنے چال چلن کی صفائی مین وہ کسی شخص کو بھی شہادت مین نہ پیش کر سکا - مگر عربون نے بھی اُس کے متعلق کچھ زیادہ کُرید نہین کی - اس لیے کہ اول تو ان دنون انھین کسی زبردست حریف کا اندیشہ نہ تھا اور دوسرے یہ بات تھی کہ بڈرمین کے خلاف کسی الزام کا صریح ثبوت بھی اُن کے پاس موجود نہ تھا - بس اتنا ہی حکم کافی سمجھا گیا کہ "وہ شہر بدر کر دیا جائے"۔

مسلمانون نے تو اُسے اِس حکم کے مطابق شہر کے باہر کر کے چھوڑ دیا - جنکی نظر سے غائب ہوتے ہی اُسے اتفاقاً اپنے چند پُرانے رفیق مل گئے جو اُسے دیکھ کے بہت خوش ہوئے - اور ہر طرح اُس کی خدمت و رفاقت کو آمادہ ہو گئے اُس کو بھی اپنے شہر سے بہت اُنس تھا اور کسی طرح اُسے چھوڑ کے جانے کو دل نہ مانتا تھا - فصیل کے باہر ہی ایک پوشیدہ مقام مین رہنے لگا اور وہ رفیق بھی اُس کے ساتھ تھے - بہت دنون تک یہ لوگ سوچتے رہے کہ کس طرح شہر پر دوبارہ قبضہ کیا جائے - مگر کوئی تدبیر بن نہ پڑی - سب تدبیرون سے عاجز آ کے بڈرمین نے ایک سُرنگ کھودنی شروع کی - اور چند روز مین اُس نے اور اُس کے رفیقون نے رات دن محنت کر کے سُرنگ کو تکمیل کے قریب پہونچا لیا - اس سُرنگ کے کھودنے مین اصلی مقصد یہ تھا کہ ایک ایسا خفیہ راستہ بنالین کہ شہر کے پھاٹک بند کے بند رہین اور اُسکے ذریعے سے پوری فوج شہر مین داخل ہو جائے۔

مگر اب فوج کہان سے لاتے ؟ اسی فکر مین تھا کہ معلوم ہوا سلطنت فرانس کی ایک زبردست فوج اینٹ ورپ کے قریب سے گزرنے والی ہے جو

کسی دور کی مہم پر جا رہی تھی۔ اُن لوگون کا قصد اِس شہر کی طرف آنے کا نہ تھا کیونکہ شہر کی فصیل بہت مضبوط تھی اور عربون سے مقابلہ کرنا آسان کام نہ تھا۔ مگر بڈرمین اُس فوج کے افسر سے ملا اور سمجھایا کہ مین بغیر کسی مزاحمت کے فوج کو شہر کے اندر داخل کرا دون گا۔ پہلے تو اُسے اُس کے کہنے کا یقین نہ آیا۔ مگر جب اُس نے افسر کو لیجا کے وہ خُفیہ سُرنگ دکھائی اور بتایا کہ صرف آدھ گھنٹے کی محنت مین یہ سُرنگ خاص حاکم کے محل کے اندر نکلے گی تو وہ اینٹ ورپ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا۔

عربون کو اِس کی بالکل خبر نہ تھی کیونکہ کسی کو وہ خُفیہ راستہ نہین معلوم تھا۔ فرانسیسی فوج جب اِس شہر کی طرف بڑھی تو عربون نے شہر سے باہر نکل کے مقابلہ کرنا چاہا۔ مگر باہر نکل کے اپنی صفین ہی درست کر رہے تھے اور لڑائی ابھی جاری نہین ہونے پائی تھی کہ شہر سے شور و غل کی آواز بلند ہوئی۔ پیچھے پھر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ شہر کے اندر لڑائی ہو رہی ہے۔ اور فرانسیسی فوج کا ایک حصہ شہر مین داخل ہو کے اُس پر قابض ہو گیا ہے۔ ایسی حالت مین اُن سے کیا بن پڑ سکتا تھا۔ مگر ہمّت ہارنا اور ہتھیار رکھنا اُنکی شان سے بعید تھا۔ ہزار مایوسی تھی مگر جان توڑ کر لڑنے لگے۔ اور سب نے بڑی شجاعت و ناموری کے ساتھ خوشی خوشی اور ذوق و شوق سے شربت شہادت پی لیا۔ اِس طریقے سے فلینڈرس مین صرف پانچ ہی برس کے بعد مسلمانون کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

فرانسیسیون نے بڈرمین کو پھر وہان کا حاکم تو بنا دیا مگر وہ پہلی آزادی نہ نصیب ہو سکی۔ کیونکہ نئے فتحیابون نے اُسے حاکم بھی بنایا تو اپنا غلام اور ماتحت بنا کے رکھا۔

چاہ کن را چاہ درپیش

یہ مثل تو ہمیشہ سے مشہور ہے۔ مگر جس عجیب اور انوکھے طریقے سے یہ فارسی

کے قدیم زبردست شاعر کمال الدین اسمٰعیل اصفہانی پر منطبق ہوئی خدا نہ کرے کہ کسی اور پر منطبق ہو۔ کمال الدین موصوف دولت مند تھے معزز تھے ہر دلعزیز تھے۔ حسب ونسب کے اعتبار سے بھی نہایت محترم تھے۔ اہل وطن اُنکے کمال شاعری کے بھی نہایت معترف تھے یہان تک کہ اُنھین مقبولیت عامہ کے دربار سے "خلاق المعانی" کا خطاب ملا تھا۔ لیکن کسی موقع پر اُنھین ہم وطنون سے صدمہ بھی پہونچ گیا۔ شاعر نازک خیالی کے ساتھ نازک مزاج بھی ہوتے ہین۔ آپ نے اُس پر بگڑ کے اہل اصفہان یعنی ابناے وطن* کے حق مین بددعا کی اور یہ قطعہ کہا۔

اے خداوند ہفت سیّارہ بادشاہے فرست خونخوارہ
تا در ودشت را چو دست کند جُوے خون اور روز جُو بارہ
عدد مردمان بیفزاید ہر یکے را کند دو صد پارہ

خدا جانے کس گھڑی یہ بددعا کی تھی کہ چند ہی روز مین پوری ہوگئی۔ اور چنگیز خان کے بیٹے اُقتائی خان کا تاتاری لشکر آ پہونچا۔ اہل اصفہان تاب مقاومت نہ لا سکے۔ اور تاتاریون نے شہر مین گھس کے قتل عام کا حکم دیدیا۔ ہمارے "خلاّق المعانی" صاحب کو جانبری کی کوئی صورت نہ نظر آئی تو فقیری لباس کر کے اصفہان سے نکلے اور شہر کے باہر ایک خانقاہ مین بیٹھ کے اللہ اللہ کرنے لگے۔ تاتاریون کے غول اُدھر سے گزرتے اور اُنھین تارک الدنیا درویش خیال کر کے چلے جاتے۔ اتفاقاً کسی مغل بچے (تاتاری لڑکے) نے یہان قریب کسی طائر کو دیکھ کے شکار کرنا چاہا۔ اور کمان مین تیر رکھ کے چاہتا تھا کہ اُس طائر کو اُڑا دے کہ کمان ہاتھ سے چھوٹ کے کنوین مین جا پڑی جو اُسی خانقاہ کے متعلق تھا۔ لڑکا کمان نکالنے کے لیے کنوین مین اُترا۔ اور اپنی کمان لی مگر اندر جا کے اُسے معلوم ہوا کہ کنوین مین بہت سامال واسباب اور سامان دولت پڑا ہوا ہے جیسے کوئی شہر والا تاتاریون کی دست برد سے بچانے کے لیے اُس کنوین مین ڈال گیا تھا۔ تاتاریون کو جیسے ہی اُس کا پتہ لگا سمجھے کہ یہی درویش صاحب جو فقیر بنے بیٹھے ہین۔ اپنا مال واسباب کنوین مین ڈال کے خود فقیر بن گئے ہین۔ اس خیال کا پیدا ہونا تھا کہ سیکڑون

تاتاری وحشی خانقاہ مین گھس پڑے اور اُنھین اُن کے سجّادے ہی پر قتل کر ڈالا - یون خلّاق المعانی کمال خود اپنی بد دعا کا نشانہ بنے- اُسی کنوین مین گرے جسے ہم وطنون کے لیے کھودا تھا- اور جو تمنا اہل اصفہان کے لیے کی تھی ایسی تکمیل کے ساتھ پوری ہوئی کہ خود بھی نہ بچ سکے -

---

عبد اللہ رضؓ بن ابی بکر صدیق رضؓ

عشاق عرب مین یون تو بڑے بڑے مشہور نام موجود ہین مگر اوّلیت کا تاج عبد اللہ بن ابی بکر کے محترم سر کے ساتھ مخصوص ہے جن کا محبت بھرا چہرہ صبح اسلام کے نمودار ہوتے ہی دُنیا کو نظر آیا تھا- عبد اللہ ممدوح حضرت ابو بکر صدیق کے فرزند دلبند تھے اور اُن خوبرو و صاحب جمال جوانان قریش مین تھے جن کی آنکھین آفتاب اسلام کے طلوع ہوتے وقت تڑکے ہی کھُل گیئن - چونک کے اُٹھے - سچّے ہادی برحق کی پُراثر آواز سُن کے خداے واحد ذوالجلال پر ایمان لائے- اور صحابہ کے محترم گروہ مین شامل ہو گئے -

جس وقت حضرت رسالت (روحی فداہ) نے اعزّا اور اہل وطن کے مظالم سے تنگ آکے اور جان سے ہاتھ دھو کے حرم ربانی کو چھوڑا اور گھر بار کو خیر باد کہی ہے اُسوقت عبد اللہ کا عنفوان شباب تھا اور مسین بھیگتی تھین - تین دن جب تک اُن کے پدر بزرگوار اور حضرت رسول خدا صلعم غار ثور مین رہے معمول تھا کہ روز رات کو سب کی آنکھ بچا کے غار مین آتے دونون بزرگون کے لیے کھانا لاتے - قریش اور اہل مکہ کے حالات اور اُن کے ارادون سے آنحضرت کو مطلع کرتے - اور رات کو وہین غار مین پڑ رہتے- صبح تڑکے پھر مکہ مین واپس چلے جاتے - اس کے بعد جب یہ پہلے دونون داعی الے الحق مہاجر غار سے نکل کے عازم مدینہ ہوئے تو عبد اللہ کا دل برابر اُن مین لگا رہا- ایک ایک سے جا جا کے خبر پوچھتے کہ ہمارے مظلوم مفرور کہان ہین - یہان تک کہ عبد اللہ بن الیقظ دیلی نے جو ارض یثرب سے آتا تھا مژدہ سنایا کہ دونون بزرگ خیریت کے ساتھ مدینے پہونچ گئے- یہ سنتے ہی عبد اللہ بن ابی بکر نے سفر کی تیاریان کر دین - اور دو چار ہی روز بعد اُن بزرگون سے جا ملے -

ہجرت کے آغاز مین عبد اللہ موصوف جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہین ایسے حسین و خوش رو نوجوان تھے کہ انکی جوانی مسلمانون کی نظر کے سامنے شباب جنت کی تصویر لا کے کھڑی کر دیتی۔ اور قاعدہ ہے کہ جس طرح روپیہ روپے کو کھینچتا ہے حُسن بھی حُسن کو اپنی طرف کھینچا کرتا ہے۔ چنانچہ اُن کی شادی سعید بن زید کی بہن عاتکہ بنت زید کے ساتھ ہو گئی جو ویسی ہی صاحب حسن و جمال تھین جیسے کہ عبد اللہ بن ابی بکر تھے۔ جوڑا نہایت ہی مناسب و موزون تھا۔ اور اس کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ دونون مین حد سے زیادہ محبت پیدا ہو گئی۔ چند ہی روز مین وہ محبت بڑھتے بڑھتے عشق کے درجے کو پہونچ گئی۔ جس نے عبد اللہ کو ناز آفرین بی بی کے صحبت و ناز برداری کے سوا سارے معاملات زندگی بلکہ دین و دُنیا سے بیخبر کر دیا اور نکاح کے بعد ایک ہی سال کے اندر یہ حالت ہو گئی کہ عبد اللہ کو کسی چیز کا ہوش نہ تھا۔

عبد اللہ اور حضرت صدیق کے سارے خاندان کا ذریعۂ کسب معیشت تجارت تھی۔ اور شام و یمن کے قافلے جب مدینے مین آتے تو اکثر تاجران مکہ و مدینہ بغیر دور و دراز کا سفر کیے گھر بیٹھے مناسب لین دین کر لیا کرتے۔ اتفاقاً شام کا قافلہ آیا۔ لوگ کاروبار مین مصروف ہوئے۔ اور مال کا مبادلہ مناسب نرخ پر ہونے لگا۔ عبد اللہ بن ابی بکر کو اُس کے آنے کی خبر ہوئی۔ اور لین دین کے لیے گھر سے نکلے۔ مگر گھر سے دو ہی قدم گئے تھے کہ معشوقہ پیکری تمثال کی صورت نظر کے سامنے آ گئی۔ اور کہا "اب کون جائے؟ ذرا چل کے پیاری عاتکہ کا جمال جہان آرا تو دیکھ آؤن"۔ فوراً عاتکہ کے پاس واپس آئے۔ اور معشوقۂ شیرین ادا کی باتون مین ایسے مصروف ہوئے کہ تجار کا شامی قافلہ لے دے کے چلا گیا اور یہ معشوقہ پیکری تمثال کے ناز و نیاز ہی مین پھنسے رہ گئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس بات کو دیکھا مگر خاموش ہو رہے۔ اور خیال کیا کہ عبد اللہ نے اگر کاروبار مین غفلت کی تو کچھ اپنا ہی بگاڑا۔ اور کسی کا کیا نقصان ہوا؟ اور یہ تجربہ شاید آیندہ کے لیے ان مین احتیاط پیدا کر دے۔

اس کے چند روز بعد ایک جمعے کو حضرت صدیق نماز جمعہ پڑھ کے گھر مین واپس آئے تو دیکھا کہ صاحبزادے معشوقہ کے پاس بیٹھے ہین۔ اور اُس کی باتون مین اس قدر محو ہین کہ دین و دنیا کی خبر نہین۔ پوچھا "عبد اللہ! تم نے جمعہ کی نماز بھی پڑھی؟" عبد اللہ نے نشۂ عشق سے چونک کے پوچھا "کیا نماز ہو گئی؟" یہ جواب سنتے ہی حضرت

صدیق دم بخود رہ گئے۔ دل مین کہا "عشق نے پہلے تو اِسے فقط دنیا سے بیخود رکھا تھا مگر اب یہ دین کی طرف سے بھی غافل و بے پروا ہے" یہ ایسی بات نہ تھی جس کو حضرت صدیق کا سا سچا حق پرست صحابی ایک گھڑی کے لیے بھی برداشت کر سکتا۔ فوراً بیٹے کے ساتھ کہا "عاتکہ کی الفت نے تمھین تجارت سے غافل کیا اور مین نے اُس کی کچھ پروا نہ کی بلکہ ایک کلمہ بھی زبان سے نہ نکالا لیکن اب اس الفت نے تمھین نماز کی طرف سے غافل کر دیا جو ایک گھڑی کو بھی قابل درگزر نہین۔ لہذا اِس کی سزا یہ ہے کہ اسی وقت عاتکہ کو طلاق دو"۔ پدر بزرگوار کا یہ حکم نہ تھا تیر تھا کہ یکایک دل و جگر دونون مین تر از و ہو گیا۔ سعادت مند بیٹے تھے عذر و انکار کی مجال نہ تھی۔ اِس کی بھی جرأت نہ ہوئی کہ باپ کے سامنے زبان سے اُف کا کلمہ زبان سے نکالین یا آنکھون سے اشک حسرت کا کوئی قطرہ ٹپکے۔ صبر کی سل سینے پر رکھی۔ بے عذر و حجت معشوقۂ نازنین سے دست بردار ہو کے اُسے طلاق دے دی۔ اور باپ سے چھپ کے کونے مین جا کے رونے لگے۔ اُدھر غریب عاتکہ بھی جس کے دل مین عبد اللہ کے سوا کسی کا خیال نہ آ سکتا تھا جانباز شوہر سے چھٹنے کے غم مین خون کے آنسو بہاتی ہوئی الگ جا بیٹھی کہ اب عبد اللہ سے سروکار ہی نہین رہا۔

اس طلاق کے روزِ قیامت کے بعد جب شام ہوئی تو عبد اللہ کی یہ حالت تھی کہ بچھونے پر اس طرح تڑپتے تھے جیسے کوئی انگارون پر لوٹتا ہو۔ کروٹ پر کروٹ بدلتے اور کسی پہلو پر قرار نہ آتا۔ بار بار رو رو کے اپنے چند اشعار پڑھتے اور کلیجہ تھام کے رہ جاتے۔ ان شعرون مین سب سے پچھلا شعر یہ تھا۔

فَلَمْ اَرَ مِثْلِی طَلَّقَ الْیَوْمَ مِثْلَہَا ولا مِثْلَہَا فِی غَیْرِ شَیْءٍ یُطَلَّقُ

(تو مین نے نہ اپنا سا کوئی عاشق دیکھا ہے کہ اُس کی سی دمہ جبین کو آج طلاق دے دی اور نہ اُس کی سی نازنین کو سوا اس کے اور کسی بات پر طلاق دی جا سکتی ہے) اتفاقاً جس جگہ عبد اللہ بیتاب ہو ہو کے یہ اشعار پڑھ رہے تھے اُس کے قریب ہی کے کوٹھے پر ابو بکر صدیق نماز پڑھ رہے تھے۔ بیٹے کی اِس حالت اور آہ و زاری نے اُن کے دل پر بڑا اثر کیا۔ بہت ہی متاثر ہوئے۔ اپنے پہلے حکم پر پچھتائے۔ اور فوراً بیٹے کے پاس آ کے کہا "تمھاری یہی حالت ہے تو مجبوری ہے۔ خیر جاؤ

عاتکہ سے پھر نکاح کر لو" طلاق بائن تھی نہین اور دولہا دولھن دونون مین صدمۂ فراق برداشت کرنے کی تاب نہ تھی لہذا دوبارہ نکاح مین کوئی دشواری نہین پیش آئی فوراً نکاح ہوگیا اور خدا نے دلدادہ عاشق و معشوق کو تھوڑی دیر کے لیے ہجر و فراق کا مزہ چکھا کے پھر ملا دیا۔ اور پھر وہی پہلی سی ناز و نیاز کی پُرلطف زندگی گزرنے لگی۔

اب ایک دن عبد اللہ نے جوش محبت مین اپنا ایک باغ پیاری معشوقہ عاتکہ کے نام لکھ دیا۔ اور اُس کا معاوضہ یہ قرار دیا کہ" میرے بعد تم جیتی جیتی کسی اور سے نکاح نہ کرنا" اس شرط کو عاتکہ نے قبول کیا اور دونون بہت ہی عیش و کامرانی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اور گو کہ عبد اللہ حضرت رسول خدا صلعم کے ساتھ غزوۂ حنین اور فتح مکہ مین موجود تھے اور بہادری سے لڑے مگر خدا نے دونون مرتبہ چشم زخم حوادث سے بچایا۔ فتح مکہ کے بعد جب عبد اللہ علم رسالت کے ساتھ غزوۂ طائف مین گئے تو زمانے کی بے رحمیون سے نہ بچ سکے۔ بعض کہتے ہین کہ کوئی تیر آکے لگا۔ اور بعض کا بیان ہے کہ کوئی پتھر ایسا لگا کہ سخت زخمی ہوئے۔ اس مین شک نہین کہ یہ زخم کاری ہونے پر بھی اچھا ہوگیا۔ مگر اس کا اس قدر اثر باقی رہ گیا تھا کہ زندگی کی بہت ہی کم امید تھی اسی اثنا مین آنحضرت صلعم نے سفر آخرت کیا۔ اتفاقاً آپ کو حیرہ کی دو چادرون کا ایک کفن پہنا کے کسی مصلحت سے اُتار لیا گیا اور دوسرے کفن مین دفن ہوئے۔ عبد اللہ نے وہ پہلا کفن لے کے رکھ لیا کہ" یہ کپڑا چونکہ حضرت سرور عالم کے جسم اطہر کو مس کر چکا ہے اس کو مین اپنا کفن بناؤن گا" مگر پھر رائے پلٹ گئی۔ اور کہا" جس کپڑے کو خدا نے اپنے رسول کے لیے نہین پسند کیا اُسے مین بھی نہین پسند کرتا" آنحضرت کی وفات کے بعد عبد اللہ کے اُس طائف والے زخم نے بہت طول کھینچا جس سے جانبر نہ ہو سکے اور آنحضرت صلعم کی وفات کے چالیس ہی روز بعد سفر آخرت کیا۔

پیارے شوہر کی موت کا عاتکہ کو بیحد صدمہ ہوا۔ انکے مرثیے مین چند شعر کہے جن مین انکی شجاعت کی بھی تعریف کی ہے۔ اور قسم کھائی ہے۔ کہ" اب میری آنکھ ہمیشہ اشکبار رہے گی اور میرا بدن ہمیشہ خاک آلود رہے گا" مگر اُن دنون اہل عرب

کا مذاق قدیم رواج اور شریعت غرّا کی اجازت سے ایسا تھا کہ اگر کوئی عورت بیوہ ہو گئی تو ہمیشہ کے لئے خاموش بیٹھنا بھی چاہے تو شرفاء اکابر قوم بیٹھنے نہ دیتے تھے۔ جیسے ہی عاتکہ کا زمانہ عدت ختم ہوا حضرت عمر نے نکاح کا پیام دیا۔ عاتکہ نے عذر کے طریق سے عبد اللہ کی وصیت اور باغ کے ہبہ کر دینے کا حال کہلا بھیجا۔ حضرت عمر نے اس بارے مین جا کے حضرت علی سے فتویٰ لیا کہ آپکی اس بارے مین کیا راے ہے؟ اُنھون نے غور فرما کے یہ فتویٰ دیا کہ عبد اللہ کا وہ باغ اُن کے ورثا کو واپس کر دو۔ اور نکاح کر لو۔" یہ فتویٰ سننے کے بعد جب حضرت عمر نے وعدہ کیا کہ باغ کا معاوضہ ادا کرنے کو مین تیار ہون تو عاتکہ مجبور ہو گئین۔ پیام کو قبول کر لیا۔ اور حضرت عمر کے ساتھ عقد ہو گیا۔ نکاح کے بعد حضرت علی نے عاتکہ کو اُن کا وہ مرثیہ والا عہد یاد دلایا کہ نہ کبھی میرے آنسو بند ہون گے اور نہ کبھی ٹھنڈا دھاڑونگی۔ اور فرمایا کہ "انسان جو کہے وہی کرے" اس کے جواب مین عاتکہ حسرت کے ساتھ خاموش ہو رہین۔ کاش حضرت علی نے دوسرے نکاح سے پہلے یاد دلایا ہوتا۔ حضرت عمر کی شہادت کے بعد عاتکہ کے ساتھ حضرت زبیر بن عوام نے نکاح کیا جب وہ بھی جنگ جمل مین شہید ہو گئے تو حضرت علی نے پیام دیا۔ جس کے جواب مین عاتکہ نے کہلا بھیجا "مین جس سے نکاح کرتی ہون شہید ہو جاتا ہے اور آپکے لیے مین اس کو پسند نہین کرتی۔" لیکن اس کے بعد جب حضرت امام حسینؓ نے پیام دیا تو عاتکہ راضی ہو گئین۔ اور آپ سے اُن کا چوتھا نکاح ہوا۔ پھر جب امام حسینؓ بھی میدان کربلا مین شہید ہو گئے تو عبد اللہ ابن عمر نے کہا "جسے شہادت کا شوق ہو عاتکہ سے نکاح کر لے۔" لیکن حضرت عاتکہ ایسی حسین و صاحب جمال تھین کہ اس کا بھی لوگون نے خیال نہ کیا۔ اور حضرت امام حسین کے بعد آپ کو مروان نے نکاح کا پیام دیا۔ جس کے جواب مین آپ نے کہلا بھیجا "رسول اللہ صلعم کے گھر کی بہو بننے کے بعد مین کسی خاندان کی بہو نہ بنون گی۔" اور اس کے بعد ایسی خاموشی کی زندگی بسر کی کہ پھر تاریخ مین نام نہ سنا گیا۔

حضرات ۔ حسن کا ڈاکو۔ حصہ دوم تیار ہے۔ عام قیمت فی جلد ۱۲؍ مگر خریداران دلگداز سے ۸؍ و محصول نومبر مین اسکے ویلیو دس دس آنے کے خریداران دلگداز کی خدمت مین حاضر ہون گے۔ اس کے سوا کوئی اور اطلاع نہ دی جائے گی۔ جو صاحب نہ لینا چاہین منع فرمادین۔ **منیجر دلگداز**

قیصرہ تھیوڈورا

جناب سرورِ کائنات صلعم کی ولادت قسطنطینیہ کی مشرقی سلطنت روم کے تاجدار جسٹن دوم کے عہد مین ہوئی ہے جو سنہ ۵۷۴ء یعنی ولادت محمدی کے چوتھے برس تک قسطنطنیہ کے تخت پر حکومت کرتا رہا تھا - اس سے پہلے اُس کا چچا جسٹینین قسطنطنیہ کے تاج وتخت کا مالک تھا اور سنہ ۵۲۷ء سے سنہ ۵۶۵ء یعنی ۳۸ سال تک یورپ کی مشرقی دُنیا کے سیاہ وسفید کا وہی مالک تھا۔ جسٹینین کے زمانے اور اُس کے حالات پر غور کرو تو عجب متضاد واقعات نظر کے سامنے آجاتے ہین - وہ عقلمند تھا - اچھا تھا - بڑا زبردست تھا - نئے نئے قوانین جاری کیے - بہت سے ملک فتح کیے - قسطنطنیہ کی جامع آیا صوفیہ کو جو اہل روم کی علم کی دیوی کا مندر تھی از سرِ نو تعمیر کرا کے عیسائیون کا گرجا قرار دیا - پھر اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اُس کے زمانے مین بڑے مظالم ہوئے - اُس کا عہد فتنون اور ہنگامون سے بھرا ہوا تھا - اور اُسے اپنے ملک کے اندرونی جھگڑون اور تعصّبات کی بدولت کبھی ایک گھڑی کو بھی اطمینان سے بیٹھنا نہین نصیب ہوا - اور اِن سب باتون سے بڑھی ہوئی یہ بات تھی کہ اُس کی بی بی تھیوڈورا تھی جو ایک عجیب وغریب عورت تھی - جس کے مذاق واطوار کی دورنگی بابل کی قدیم ملکہ سمیرامیس کی زندگی سے بھی زیادہ حیرت انگیز تھی - اور ہمین یقین ہے کہ اُس کے حالات ناظرینِ دلگداز

کے لیے بہت ہی دلچسپ ثابت ہون گے ۔

اُن دنون قسطنطنیہ کے فرمان رواؤن اور امیرون کو قدیم یونانیون اور رومیون کی طرح تھیئٹرون اور سرکسون کا بڑا شوق تھا۔ سرکسون مین وحشی درندے عام ناظرین کے سامنے لاکے باہم لڑائے اور بدنصیب مجرمون اور قیدیون پر چھوڑے جاتے تھے۔ جس ضرورت سے اکثر شیرون ریچھون چیتون اور تیندوون کی ایک بڑی بھاری تعداد موجود رہا کرتی تھی۔ انسطاسیوس قیصر کے زمانے مین قسطنطنیہ مین اِن وحشی درندون کا دارونغہ اقاقیوس نام ایک شخص تھا جو ہمارے ذات بابرکات کامل پاشا کا ہم وطن یعنی جزیرۂ قبرس (سائپرس) کا رہنے والا تھا۔ یہ شخص سارے قسطنطنیہ اور اُس کی قلمرو مین "ریچھ والا" کہلاتا تھا۔ جو پھبتی صورت و سیرت کے لحاظ سے کامل پاشا پر بھی پوری طرح صادق آسکتی ہے اقاقیوس کے ریچھ والا کہلانے کی وجہ شاید یہ ہو کہ وہ ریچھون کو زیادہ پالتا اور اُنھین بڑی کامیابی کے ساتھ سدھاتا تھا۔ یہ خدمت معزز ہو یا نہ ہو مگر اس مین شک نہین کہ کل امرا مین وحشی جانورون کا تماشا دیکھنے کا شوق ہونے کی وجہ سے رؤسا کے ایک بڑے حلقے پر اُس کا اثر تھا۔ اقاقیوس جب مرا تو اُس نے تین کافر ماجرا بیٹیان چھوڑین۔ بڑی قومیطو منجھلی تھیوڈورا۔ اور چھوٹی انسطاسیہ۔ باپ کے مرنے کے وقت اِن مین سے بڑی بھی سات سال سے زیادہ کی نہ تھی۔ بیوہ مان نے اپنے شوہر کی دارونغگی وحوش حاصل کرنے کے لیے بڑی دوڑ دھوپ کی۔ ایک ایک کے پاس جاکے روئی۔ اور جب دیکھا کہ اِس خدمت کے سرانجام دینے کے لیے کسی مرد کی شدید ضرورت ہے تو جھٹ پٹ نکاح کرکے اپنے نئے شوہر کا نام بھی دربار مین پیش کردیا مگر سماعت نہ ہونا تھی نہ ہوئی۔

اب اُس نے اپنی تینون کمسن نادان بھولی بھالی بچیون کو فریادیون کے کپڑے پنھا کے تھیئٹر مین بھیجا۔ اُن دنون رومی رؤسا و امرا دو گروہون مین بنٹے ہوئے تھے۔ سبز بانے والے اور نیلے بانے والے۔ (جنکے مفصل حالات ہم دلگداز کے کسی آیندہ نمبر مین لکھین گے) ان دونون گروہون مین باہم سخت رقابت تھی اور ہمیشہ ٹھنتی رہا کرتی۔ یہ خوبصورت ننھی ننھی فریادنین اُن کے سامنے گئین تو سبز بانے والون

نے اُن کی تحقیر وتضحیک کی۔ اور نیلے بانے والون کو اُن پر ترس آیا۔ مگر ان کا مطلب اب بھی نہ حاصل ہوا۔

اِن حسین لڑکیون مین سے منجھلی تھیوڈورا سب مین زیادہ حسین ونازنین اور سب سے بڑھ کے ذہین وہوشیار تھی۔ نیلے بانے والون کا یہ سلوک اُس کے دل پر نقش ہوگیا۔ اور جب موقع ملا تو اپنا بدلا لینے مین اُس نے کوئی کسر نہین اُٹھا رکھی بیری جمال تھیوڈورا اُن دنون اگرچہ ایک بیکس و بے یار یتیمہ تھی اور قسطنطنیہ کے لوگون نے اُس کی پامالی مین کوئی بات نہین اُٹھا رکھی تھی مگر تقدیر برسریاری تھی۔ اور خود قدرت نے عجب عالمگیر قوت کے ساتھ اُسے پالنا نشو ونما دینا اور اُس کے حسن وجمال کو چمکانا شروع کیا۔ اُس کے اُٹھتے ہوئے شباب اور اُس کی کافرماجرائی کی اداؤن کو دیکھ دیکھ کے سارے زمانے کی زبان پر تھا۔

ع "اب تو فتنہ ہے کوئی دن مین قیامت ہوگی"۔

یہ تینون لڑکیان جب جوان ہوئین تو اپنی بےلبسی و بےکسی سے اور نیز اس وجہ سے کہ کوئی مربّی سر پر نہ تھا اہل قسطنطنیہ کی جلوت وخلوت کی دلچسپیون اور عشرت پرستیون کا مشغلہ بن گئین۔ اندرونی زندگی مین اُن کو شوقین رؤسائے شہر نے بے آبرو کیا۔ اور اُن کی ظاہری زندگی یہ تھی کہ خوبصورت ایکٹرسون کی طرح اسٹیج پر آکے اپنے ناز وکرشمے سے ناظرین کی دلربائی کرتین پہلے بڑی بہن قومیطو اسٹیج پر آئی۔ اور اُس کے بعد جب تھیوڈورا بھی اسٹیج پر آکے نمودار ہوئی تو اُس کے حسن وجمال نے اُسوقت کے قسطنطنیہ مین قیامت کی سی ہلچل ڈال دی۔ جب وہ ایک نوعمر خوبصورت غلام کے بھیس مین ایک تپائی سرپر رکھے اسٹیج پر آتی تو ہزارون تماشائی دل مسوس کے رہ جاتے۔ اور جو جو وہ آزادی وبیباکی سے اپنی دلفریب ادائین دکھاتی لوگون کے دل ہاتھ سے نکلے جاتے۔ وہ نہ کبھی ناچی نہ گائی۔ نہ اُس نے بانسری بجائی۔ صرف اپنے ناز وانداز کے کرتب دکھائے۔ اور اپنے پیدائشی حسن کی کرشمون سے دنیا کو جیتنا شروع کیا۔ اکثر مذاق کے کھیلون مین وہ یک بیک کچھ ایسی دلربائی کی ادا سے منھ تھوتھا لیتی۔ اور ایسے مضحکہ خیز لہجے اور آواز مین شکوہ کرتی۔ اور بگڑ

بگڑ کے ڈھیلے ہاتھون سے مارنے لگتی کہ دیکھنے والے آپے سے باہر ہو جاتے اور ہزارہا خلقت سے تحسین اور تعریف کے نعرے بلند ہوتے۔ اُس کے دلفریب حسن پر اُس کی یہ شوخ ادائیان اور چلبلے پن کی حرکتین ایسا زیب دیتی تھین کہ جو تھا اُس کا فریفتہ تھا۔ اُس کے خط و خال نہایت ہی لطیف و نازک تھے۔ اور مصورون اور شاعرون کا خیال حسن کی جو اعلیٰ سے اعلیٰ تصویر کھینچ سکے تھیوڈورا کا پیارا چہرہ اُس پر غالب ہی آجاتا۔ رنگت کسی قدر زرد اور گندمی تھی۔ اور اُس مین ایک ایسی فطرتی دلکشی تھی کہ اُس کے خوبصورت چہرے کو دلون کا مقناطیس کہیے تو بیجا نہ ہوگا۔ شوخ آنکھین چلبلے پن کے ساتھ ہر وقت چلتی ہی رہتین اور اُس کی ہر حرکت اور اُس کے ہر انداز مین اپنا تھوڑا سا جادو اس طرح شریک کر دیا کرتین کہ کوئی دل نہ تھا جس پر اُس کا جادو چل نہ جاتا۔ اُس کی بات بات مین نزاکت تھی۔ اور ہر ہر ادا مین لگاوٹ۔ غرض ایک فتنہ تھا کہ اُس کے سامنے سارے فتنے دب گئے۔

مگر افسوس تو یہ ہے کہ ایسے اعلیٰ درجے کے حسن کی سخت بے وقعتی ہو رہی تھی۔ اس لیے کہ یہ آفتاب حسن عوام کی نظرون کے سامنے تھا۔ ہر شخص کے شہوت پرستی کے جذبات اُسے نہایت ہی آسانی و سہولت سے حاصل کر سکتے تھے۔ اور ایسے بے مثال جمال تمام زناکار لوگون کے لیے عام اس سے کہ خاص شہری ہون یا آفاقی اور چاہے کسی طبقے اور درجے کے ہون اور کوئی پیشہ و حرفہ کرتے ہون بے عذر موجود تھا۔ عشاق کے ہجوم اور حسن پرستون کی مزاحمت نے اکثر یہ رنگ بھی دکھایا کہ ایک عاشق اپنی خوش نصیبی پر ناز کرتا ہوا اُس کے بستر عیش پر پہونچا مگر اسی رات کو کسی دوسرے زبردست اور دولتمند عاشق نے اُسے ڈھکیل کے تھیوڈورا کے بستر عیش پر اپنا قبضہ کر لیا۔ آخر یہانتک نوبت پہونچی کہ جب وہ سڑکون پر گزرتی تو جو لوگ بدتہذیبی و بیحیائی سے بھاگتے یا جو ایسی ہرجائی نازنین کے عاشق و فریفتہ ہو جانے سے ڈرتے منھ چھپا کے یا راستے سے کترا کے نکل جاتے۔ اسی قدر نہین مورخین ڈراما بتاتے ہین کہ تھیوڈورا کی بے شرمی آخر اس درجے کو پہونچ گئی تھی کہ بارہا پبلک اسٹیج پر برہنہ آکے اُس نے اپنے ہنر اور اپنے ناز و انداز دکھائے۔ عیش پرستی کے فنون لطیفہ مین تھکنے کے بعد وہ فطرت کے اس بخل کی شکایت کرتی کہ انسان کو اُس نے

عیش کے برداشت کرنے کی بھی کس قدر کم طاقت دی ہے۔ شائستگی کی زبان اس قسم کے واقعات کو ہمیشہ پردے مین رکھا کرتی ہے۔ مگر تھیوڈورا کی بے اعتدالیان اس درجے کو پہونچ گئی تھین اور اُس کے شہوت رانی کے جذبات۔ اور اُسکے عیاشانہ ہنر اس قدر اعتدال سے باہر تھے کہ کسی پردے مین نہین چھپ سکتے بہرحال قسطنطنیہ کے معزز طبقہ والون اور عام دولت مندون مین سے شاذونادر ہی کوئی باقی رہا ہوگا جس نے تھیوڈورا کے حُسن وجمال کے مزے نہ لُوٹے ہون۔

تھوڑے زمانے تک حُسن پرستان قسطنطنیہ کی دیوی اور بے شرمی کی ملکہ بنی رہنے کے بعد وہ اقبولوس نام ایک معزز شخص کے گھر بیٹھ گئی اور اقبولوس مصر و افریقہ کا گورنر مقرر ہو کے اپنے علاقے کو گیا تو اُس کے ساتھ وہ بھی روانہ ہوئی مگر قیامت یہ تھی کہ باوجود اس کے کہ اقبولوس اُس کی پرستش کرتا تھا اور اُسکی حکومت و دولت کا زیادہ حصہ اُسی کی نازبرداری مین صرف ہوجاتا تھا مگر وہ اپنی اندرونی عشق بازیون سے باز نہ آتی۔ ظاہر مین اقبولوس کی پابند تھی اور باطن مین دیکھیے تو اندر ہی اندر بہتون سے تعلقات تھے۔ جسے اِس کی عادت پڑ گئی ہو کہ سیکڑون سے آنکھین لڑائے اور بیسیون کا آغوش شوق گرم کرے اُس سے ایک کا ہو کے رہنا بہت دشوار ہے آخر اقبولوس نے تنگ آ کے ایسی فضول خرچ اور بے عصمت معشوقہ کو نکال باہر کیا۔

اب تھیوڈورا بے یار و مددگار بے انیس و ہمدم اسکندریہ کی سڑکون پر افلاس و فلاکت زدگی کی حالت مین ماری ماری پھرتی تھی۔ مگر اُس کے بے مثل و نظیر حُسن سے بڑا مددگار کون ہوسکتا تھا؟ اُسی کے کرشمون سے انسانون کا شکار کھیلتی اور قدم قدم پر خلقت کو اپنا اسیر گیسو بناتی ہوئی خشکی کی راہ سے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوئی۔ ارض شام سے ایشیائے کوچک کے آخر تک ہر مقام مین اُس کا گزر ہوا۔ اور ہر شہر نے اِس حسین دیری جمال قبرسیہ کے حسن کے مزے لوٹے۔ جہان گئی لوگ اُس کے غیر معمولی حسن کی وجہ سے اُسے کوئی انسان سے مافوق مخلوق حور یا دیوی خیال کرنے لگے۔ یونانیونکے حسن کی دیوی وینس (زہرہ) بھی خریزۂ قبرس ہی مین پیدا ہوئی تھی۔ لہذا عام خیال تھا کہ یہ نئی مہ جبین اگر وینس کا کوئی نیا روپ نہین

تو اُس کی نسل سے ضرور ہے -

تھیوڈورا اس بات کو بخوبی سمجھی ہوئی تھی اور روز بروز سمجھتی جاتی تھی کہ دنیا مین فتحمند و کامیاب ہونے کے لیے خدا نے مجھے جو سلاح دیا ہے وہ میرا عالمگیر حسن ہے لہذا اُس کی حفاظت اور اُس کے اُبھارنے اور چمکانے مین کبھی ذرا بھی غفلت و کوتاہی نہ کرتی - خاصتہً اس بات کی تدبیرون مین ہمیشہ لگی رہی کہ کوئی بچہ نہ پیدا ہونے پائے لیکن اِس آوارہ گردی کے زمانے مین جب وہ روز نیا دانا کھاتی نیا پانی پیتی اور نئے پلنگ پر سوتی تھی ایک بار نیچر کی کمند مین پھنس ہی گئی چل رہ گیا - اور ایک لڑکا پیدا ہوا جسے اُس نے کسی معزز سردار کے سر تھوپا - اور اُسی کے آغوش مین چھوڑ کے آگے بڑھی -

اب تھیوڈورا کی عام دلربائیون سے اِس قسم کے واقعات اکثر پیش آتے کہ لوگ اُس کی لگاوٹ مین آکے اُس کے حجلۂ ناز مین باریاب ہوتے - مگر چند ہی باتین کرنے پاتے تھے کہ کوئی دوسرا شخص آکے اُنھین وہان سے نکال باہر کرتا اور خود اُس کا شانۂ عیش کا مالک بنجاتا - ان واقعات نے ہر صحبت مین مشہور کیا کہ جنون اور دیوزادون سے اُس سے تعلقات ہین - اور یہ اُنھین کا کام ہے کہ جو کوئی اُس کے دل مین جگہ پاکے اُس کی خوابگاہ تک پہونچ جاتا ہے اُسے اُٹھا کے پھینک دیتے ہین - اپنی بے وفائیون اور زرپرستیون پر پردہ ڈالنے کے لیے کیا عجب کہ خود تھیوڈورا ہی نے اس خیال کو پھیلایا ہو -

اسی اثنا مین اُس نے خواب دیکھا کہ "مین کسی بڑے زبردست شہنشاہ کی ملکہ ہون اور ساری دنیا پر حکومت کر رہی ہون" یہ خیال اُس کے دل مین اسقدر جم گیا کہ اُسی خیال کا پلاؤ پکاتی ہوئی قسطنطنیہ مین آئی - مگر اِس عظمت و سلطنت کی آرزو نے یکایک اُسکا مذاق بدل دیا - اور اُس کی زندگی مین اتنا بڑا تغیر ہو گیا کہ گویا وہ کوئی دوسری تھیوڈورا تھی - اب بجائے سڑکون پر مارے مارے پھرنے - ایک ایک سے آنکھ لڑانے - دلون پر نگاہ ناز کے تیر برسانے - اور ہر راہرو کو اسیر گیسو کرنے کے عوض وہ خودداری اور رکھ رکھاؤ سے رہنے لگی - اور پاکدامن بہو بیٹیون کی سی وضع اختیار کر لی - ایک چھوٹے سے مکان مین خاموشی کے ساتھ رہتی تھی - اُون کات کات کے پیٹ پالتی تھی - اور گویا کسی سے مطلب ہی نہ تھا - اگرچہ

ساری دنیا جانتی تھی کہ یہ وہی حُسن فروش تھیوڈورا ہے - جو ہزارون آدمیون کا پہلو گرم کر چکی ہے - اور اُس کے حالات کسی سے پوشیدہ نہ تھے - مگر اس انقلاب مزاج اور اس کایا پلٹ کو دیکھ دیکھ کے ہر شخص حیران و متعجب ہو رہا تھا -

اِن دنون جسٹن اول قیصر روم کا بھتیجا جسٹینین قسطنطنیہ مین شہنشاہ کے بعد سب سے بڑا بطریق اور صاحب اثر شخص تھا جو ایک حسین و خوشرو نوجوان تھا - اور اپنے چچا کی طرف سے دولت مشرقی روم کی ساری قلمرو پر حکومت کر رہا تھا - اتفاقاً کسی موقع پر تھیوڈورا کے چہرے پر جسٹی نین کی نگاہ پڑ گئی اور دیکھتے ہی شیدا ہو گیا -

۶ وہ نظر ہی وداع طاقت تھی - اگر تھیوڈورا وہی پہلی تھیوڈورا ہوتی تو اس نئے عشق کا جھگڑا ابھی دو چار روز کی شہوت رانی پر ختم ہو جاتا - مگر اب اُس نے اپنے آپ کو روکا - اور جس دولت حُسن کو کمال بے پروائی کے ساتھ وہ ہر ذلیل سے ذلیل شخص کی طرف پھینک دیا کرتی تھی اس موقع پر اُسے ذرا روک کے رکھا - اور جسٹینین کی آتش شوق بھڑک بھڑک کے خوب تیز ہو گئی - آخر تھیوڈورا نے چند روز تک اُسے ہجر و فراق کی تکلیفون کا مزہ چکھا کے اور اپنے وصل کی قدر و قیمت بتا کے اُس سے تعلق پیدا کر لیا - یہ تعلق اگرچہ ناجائز اور غیر مستقل تھا مگر تھیوڈورا نے بڑی ہی عقلمندی اور ہوشیاری سے کام لیا - ملنے پر بھی رُکتی - اور روز بروز اُس کے دل پر زیادہ قبضہ کرتی جاتی - اپنے برتاؤ سے کچھ ایسا خلوص اور ایسی سچی محبت ظاہر کی کہ جسٹی نین کا دل اُس کے ہاتھ مین تھا - اور جسٹی نین کی تمام آرزؤن اور مسرتون کا خلاصہ یہ تھا کہ تھیوڈورا مسرور و شادکام ہو اور ملک بھر مین اُس سے زیادہ معزز و محترم اور دولت مند کوئی نہ ہو - اُسے یقین ہو گیا کہ مین زندگی کے کسی مرحلے مین بغیر تھیوڈورا کی رفاقت کے کامیاب نہین ہو سکتا - آخر اُس نے اپنے اقتدارات سے مشرقی سلطنت روم کا سارا خزانہ تھیوڈورا کے قدمون پر لا کے ڈال دیا اور دل مین ٹھان لی کہ مین اِسے مذہبی رسوم و آداب کے ساتھ اپنی بی بی اور اپنی شریک زندگی بناؤنگا مانا کہ یہ کل تک ایک فاحشہ عورت تھی مگر آج تو پاکدامن خاتون اور میرے دل و جان کی مالک ہے "

مگر دشواری یہ تھی کہ اوّل تو روم کے قانون مین صراحتہً موجود تھا کہ سنیٹ (مجلس حکمرانی) کا کوئی معزز ممبر کسی ایسی عورت کے ساتھ شادی نہین کرسکتا جو بے آبرو ہو۔ یا ادنےٰ درجے کی ہو۔ یا کبھی اسٹیج پر آ چکی ہو" اس پر طرہ یہ ہوا کہ موجودہ قیصرۂ روم یعنی اُس کی چچی لوپی قینہ جو اگرچہ خود ایک وحشی قوم کی نسل سے تھی مگر نہایت ہی پاکدامن تھی اُس نے صاف صاف کہدیا کہ مین ایک بازاری کسبی کو اپنی بھتیج بہو ہرگز نہ بناؤن گی۔ خود جسٹی نین کی مان وِی جی لانشیہ نے باوجودیکہ تھیوڈورا کے حسن وجمال کو بہت ہی پسند کیا مگر اس اندیشہ سے اُسکے بہو بنانے پر وہ بھی راضی نہ ہوتی تھی کہ ایسا نہ ہو یہ مکار حسینہ میرے بھولے بھالے بیٹے کے اخلاق اور اُس کی مسرتون مین فرق ڈال دے۔ مگر جسٹی نین کو یہی دھن تھی کہ شادی کرون گا تو تھیوڈورا سے۔

اُس نے مان کی مخالفت کی تو پروا ہی نہ کی۔ جو نہایت دلگرفتگی کے ساتھ خاموش ہو رہی چچی کا البتہ اندیشہ تھا اس لیے کہ وہی وارث تاج ودیہیم تھا اور چچی کے ناراض کرنے مین سلطنت سے محروم ہوجانے کا خوف تھا۔ اس لیے خاموشی کے ساتھ اُس کے مرنے کا انتظار کرنے لگا۔ اِسی درمیان مین اُس نے اپنے چچا کو سمجھا بجھا کے اور نہایت ہی دانائی سے کام لے کے اِس مضمون کا ایک فرمان جاری کرا دیا کہ" قدیم رسوم کی پابندی کی کسی کو کچھ ضرورت نہین ہے۔ اور اِس بارے مین جو پرانے قوانین مروج ہین منسوخ تصور کیے جائین"۔ اس حکم نے اُن تمام محروم القسمت عورتون کے گھرون مین گھی کے چراغ جلا دیے جنھون نے کسی معزز رکن سلطنت کو اپنے حسن وجمال پر لبھا کے اور اُس کے دل پر قابو پا کے اُسے نکاح کرنے پر آمادہ کر لیا تھا مگر قانون کی گرفت سے مجبور تھین۔ اور کوئی زور نہ چلتا تھا۔ اب انھین آزادی حاصل تھی کہ جس بڑے سے بڑے امیر سے چاہین شادی کرین اور خوشیان منائین۔ اس نئے قانون پر عملدرآمد شروع ہی ہوا تھا کہ قیصرہ مر گئی اور جسٹی نین کے لیے میدان صاف تھا۔ بڑی دھوم دھام اور نہایت ہی تزک واحتشام سے شادی ہوئی۔ اور جسٹی نین کسی پاکدامن دوشیزہ کی طرح ملائک فریب تھیوڈورا کو بیاہ لایا۔ اب تھیوڈورا قسطنطنیہ کی ساری معزز بیگمون۔ محترم شاہزادیون۔ اور قسطنطنیہ کی کل شریف زادیون کی سرتاج تھی۔ اسی درمیان مین جسٹن قیصر نے جسٹی نین کو باضابطہ طور پر اپنا ولی عہد قرار دیا۔ اور جس وقت شہنشاہ اور مقتداے اعظم نے حسب

رسوم مروّجہ جسٹی نین کو خلعت ارغوانی پہنا کے تاج قیصری اُس کے سر پہ رکھا تو دوسرا خلعت و تاج انھین اپنے معزز و متبرک ہاتھون سے تھیوڈورا کو بھی پہنانا پڑا جو نہایت ہی تمکنت سے اُس کے برابر کھڑی زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ "شرافت و پاکدامنی پر حُسن یون فتح پاتا ہے!" مگر یہ عزت و شوکت بھی تھیوڈورا کی نظر مین کچھ زیادہ نہ تھی - اصل یہ ہے کہ معمولی قسم کی عزتین جو رسمی آداب سلطنت نے شاہزادیون نوابزادیون اور معزز طبقے کی بیگمون کے لیے مقرر کر رکھی تھین وہ نہ تھیوڈورا ہی سے کے لیے کافی تھین اور نہ اُس کے عاشق جسٹی نین کی تمنا و آرزو کی پوری کرنے والی تھین جسٹی نین کو ولی عہد مقرر ہوئے پورے دو سال بھی نہین ہوئے تھے کہ شہنشاہ جسٹن اول آغوش لحد کے سپرد کیا گیا اور جسٹی نین نے قیصر روم اور قسطنطنیہ کا شہنشاہ قرار پا کے تاج جہانبانی سر پر رکھا- اور تخت پر قدم رکھتے ہی اس نے تھیوڈورا کو بھی اپنے برابر بٹھا کے صاحب تاج و تخت بنایا - یون تو ہر بادشاہ بیگم روم مین ایک خاص شان اور خاص اثر رکھتی آئی تھی مگر تھیوڈورا دستور سابق کے خلاف ایک مستقل شریک سلطنت تسلیم کی گئی - اور تمام والیان ممالک کے نام رعایا سے عہد وفاداری لینے کے جو فرمان جاری ہوئے وہ صرف جسٹی نین نہین بلکہ اُس کے اور تھیوڈورا دونون کے ساتھ عہد وفاداری کرنے کے بارے مین تھے - اور جو برتاؤ ہندوستان مین جہانگیر نے نورجہان کے ساتھ کیا تھا وہی قسطنطنیہ مین جسٹی نین نے تھیوڈورا کے ساتھ کیا - گو کہ تھیوڈورا کو نورجہان سے کوئی نسبت نہین ہو سکتی - نورجہان پاکدامن اور عفیفہ تھی اور تھیوڈورا ایک بازاری عورت اور انتہا درجے کی بدنام فاحشہ مگر تقدیر دونون کی ملتی جلتی تھی - بہر تقدیر جسٹی نین کی سریر آرائی کے ساتھ ہی مشرقی دولت روم کی ساری رعایا تھیوڈورا کے آگے سجدے مین گر پڑی اور وہی بازاری کسبی جس نے بے شمار خلقت کے سامنے قسطنطنیہ کے تھیٹر مین اسٹیج پر نقالی کی تھی اسی شہر مین متین و سنجیدہ مجسٹریٹون مقدس و دیندار اُسقفون - فتحمند سپہ سالارون - اور اسیر شدہ شاہان ارض سب نے اُسے بلا تامل اپنی ملکہ اور اپنے جان و مال کی مالکہ تسلیم کر لیا-

اکثر لوگون کا خیال ہے کہ بے عصمتی عورت کی ساری خوبیون کو مٹا دیتی ہے - اس

خیال کے لوگ غالباً اُن مورخون کے بیان کو بڑے شوق اور بڑی دلچسپی سے
سنین گے جو تھیوڈورا کو ہر بات پر الزام دیتے ہین - اُس کی برائیان بتانے مین مبالغہ
کرتے ہین - اور اُس کے ہنرون کو بھی عیب بنا کے دکھاتے ہین - اِس مین شک نہین
کہ اُسے ہر صحبت مین جوانانہ شہوت پرستی کے الزام دیے جاتے تھے - اور ہر شخص
جو اُس کے حسن سے لطف اُٹھا چکا تھا اسے حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا - اور اسی
ندامت سے تھیوڈورا کو بھرے دربار مین اہل دربار سے چار آنکھین کرنے کی جرأت
نہ ہوتی - خواہ ندامت یا توہین و تحقیر کے ڈر سے جہان تک بنتا وہ عام مجمعون مین
آنے سے بچتی - اور کسی ایسے بڑے دربار مین بلائی جاتی تو انکار کر دیتی - اسی قدر
نہین وہ دار السلطنت قسطنطنیہ مین رہنے ہی سے بھاگتی - اور اُس کا سال کا زیادہ
حصہ اُن عالیشان قصرون باغون کوشکون اور نزہت گاہون مین گزرتا جو ہلسپانٹ
اور باسفورس مین سمندر کے کنارے بنے ہوئے تھے -

یہان اُس کی زندگی عیش و نعم اور خود آرائی مین بسر ہوتی - ہوشیار مشاطائین
اس کا بناؤ سنگھار کرتین - اس کے چاند سے چہرے کی آب و تاب کو چمکاتین - اور
اُس حسن و جمال کی آبیاری کرتین جس نے جسٹی نین کے دل کو ہاتھ مین لے کے ساری
دنیا کو مفتوح کر لیا تھا - حمامون مین نہا نہا کے نکھرتی - میز پر بیٹھ کے الوان نعمت کا مزہ
لیتی - عشرت گاہون مین بیٹھ کے اپنی خواصون سے ہنستی بولتی - اور نرم و نازک بہرون
پر لیٹ کے جوانی کی نیندین لیتی - اُس کے حضوری کے اسٹاف مین حسین و خوش سلیقہ
خواصین - نازک اندام و خوش رو نو عمر لڑکے - اشارون پر دوڑنے والے خواجہ سرا
اور صدہا غلام تھے - جن کے جھگڑے چکانے مین اُسے گھر بیٹھے عدالت و حکمرانی
کا مزہ آجاتا - اُسکے خلوت کدے کے قریب وہ دیوان خانہ تھا جس مین بڑے بڑے
ارکان دولت - اُمرا و رؤسا - سپہ سالار اور وزرا - رُہبان اور مقتدا باریابی
و آستان بوسی کی تمنا مین آکے جمع ہوتے - گھنٹون انتظار کرتے - اور امیدواری
کی سختیان برداشت کرنے کے بعد اُنھین صرف اتنی اجازت ملتی کہ ادب و تعظیم
سے آکے تھیوڈورا کے قدمون کو بوسہ دین اور نظر نیچی کیے واپس چلے جائین -
اکثر ایسے موقعون پر یہ منظر دیکھ کے خود اُس کا دل دھڑکنے لگتا کہ وہی امیر جس نے

کبھی اُس کے حسن وجمال کے مزے لوٹے تھے اُسے آغوش شوق مین بٹھایا تھا اور اُس کے لب لعلین کے بوسے لیے تھے آج اس بات کو اپنی بڑی اقبالمندی سمجھتا ہے کہ اُس کے قدمون کو چوم سکے - تھیوڈورا کو اس کا اندیشہ لگا رہتا تھا کہ اگر جسٹنین مرگیا تو میرا کوئی نہ ہوگا - اور وہ لوگ جو آج میری پرستش کر رہے ہین میری تذلیل کے درپے ہوجائین گے - اس خیال سے اُس نے بے انتہا روپیہ جمع کر لیا - تاکہ وقت پڑنے پر کم از کم اتنا تو ہو کہ مین کسی کی محتاج نہ ہون -

مگر سب سے بڑی قیامت یہ تھی کہ تھیوڈورا کے دل سے یہ خیال کسی طرح نہ جاتا تھا کہ لوگ مجھے ذلت وحقارت کی نظر سے دیکھتے ہین - یہ خیال بڑھتے بڑھتے جنون اور وہم کے درجے کو پہونچ گیا - اُس نے ہزارون جاسوس مقرر کر رکھے تھے جو محلّون محلّون مارے پھرتے - اور گھر گھر کی خبر لیتے - اور روز آکے اُسے خبر دیتے کہ فلان شخص نے آپ کی نسبت یہ کلمہ کہا - فلان نے آپ کو یہ الزام دیا - فلان آپ کو یہ کہتا تھا - اور فلان آپ پر یہ حملہ کرتا تھا - اس قسم کی صدہا رپوٹین روز آتین - اور وہ ہر ایک سے بدگمان ہوتی جاتی - ایسے لوگون کے سزا دینے کے لیے جنکی نسبت ایسی مخبریان ہوتین اُس نے ایک بڑا بھاری خوفناک اور زمین دوز قیدخانہ بنا رکھا تھا جو ایک طلسمی راز تھا - اور کسی کو اس کے مفصل حالات معلوم نہ ہوسکے - جاسوس جن لوگون کی نسبت ایسی کوئی مخبری کرتے - دو تین روز کے بعد وہ یک بیک گھر سے یا راہ چلتے سے غائب ہوجاتے اور اسی قیدخانے مین لا کے ڈال دیے جاتے - بغیر کسی تحقیقات کے اور بغیر اس کے کہ کسی عدالت نے فیصلہ کیا ہو یہ لوگ زبردستی چرا لائے جاتے اور اس قیدخانے مین بند ہوتے جہان رحم اور ترس کھانے کے نام سے بھی کوئی آشنا نہ تھا - آسمان کبھی کسی کو دیکھنا نہ نصیب ہوتا - سورج کی روشنی وہان تک پہونچ نہ سکتی - اور اندھیرے مین روشنی لے کے کوئی بڑی ہی سنگدل اور ظالم عورت آتی جو تمام اسیرون کو کوڑون سے پٹواتی - اُن پر طرح طرح کے عذاب کرتی - اور اُنھین ہر قسم کی تکلیفین دیتی - زمین کے اندر یہ مظلوم ستم زدہ درد و تکلیف سے چیختے چلاتے - دوہائیان دیتے - ایک ایک کی خوشامد کرتے - مگر کوئی اُن پر ترس نہ کھاتا - اور نہ کبھی ان کی آہ و نالہ کی

سُنی جاتی - غرض یہان ایسی روح فرسا اور جان گزا تکلیفین دیجاتین کہ بہت سے لوگ اسی قیدخانے مین تکلیفین اور اذیتین اُٹھاتے اُٹھاتے مرگئے - اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی کہ کیا ہوئے اور کہان گئے - بعض برگشتہ بخت ناشاد چھوٹ کے بھی آئے تو اس قابل نہ تھے کہ زندگی سے لطف اُٹھائین یا کسی کو دنیا مین منھ دکھائین کیونکہ کسی کی ناک غائب تھی - کسی کے کان کٹ گئے تھے - کسی کی آنکھ پھوٹ گئی تھی - کسی کا کوئی اور عضو کاٹ لیا گیا تھا - اور پھر اس کے ساتھ اکثر مخبوط الحواس تھے - اور دل و دماغ ہنین ٹھکانے رہے تھے - ماسوا اس کے اُن کی تمام دولت وجائداد تباہ کردی جاتی - اور قید خانے سے باہر آنے کے بعد وہ سڑکون پر مارے مارے پھرتے - پڑرہنے کے لیے کوئی جگہ بھی نہ نصیب ہوتی - اور اپنی ناکارگی کی حالت اور تباہی و بربادی سے دنیا کے سامنے تھیوڈورا کے انتقام کا زندہ ثبوت پیش کیا کرتے - اُس کے ہاتھ سے سزا پانیون مین عوام ہی ہنین بعضے ارکان سلطنت اور محترم مقتدایان دین بھی تھے - ایسے معزز مجرمون کی نسبت قتل وغیرہ سزاؤن کا حکم دیتے وقت تھیوڈورا اپنے معتمد علیہ داروغۂ قہاری سے کہتی "اگر میرے حکمون کی تعمیل مین تم نے ذرا بھی کمی کی تو مین اُسی خدا کی قسم کھا کے کہتی ہون جو ہمیشہ زندہ رہے گا کہ تمھاری کھال کھنچوا لونگی" رہائی پانے والون مین زیادہ تعداد اُن نوعمر لڑکون کی تھی جنکی نسبت وہ بدگمان ہوگئی ہوتی -

ہم بیان کر آئے ہین کہ ایشیاے کوچک مین تھیوڈورا ایک لڑکا جن کے کسی اپنے منظور نظر آشنا کے پاس چھوڑ آئی تھی - اُس لڑکے کو اُس شخص نے بڑی حفاظت سے پالا - اِس راز کو اُس سے مخفی رکھا کہ اُس کی مان تھیوڈورا ہے - جب اُسے یہ خبر پہونچی کہ اب تھیوڈورا قیصرۂ روم اور شہنشاہ قسطنطنیہ کی شریک زندگی و شریک سلطنت ہے تو اس خوف سے کہ ایسا نہ ہو مان کی ماماتا جوش مارے اور اس لڑکے کو زبردستی چھنوا لے اُس نے اس بچہ کو ارض عرب مین بھیج دیا - جہان کی آزاد سرزمین روم و فارس دونون کی دست رس سے باہر تھی - اس کے بعد جب وہ شخص بیمار ہوا اور جانا کہ میرا یہی مرض مرض موت ہے تو اُس نوعمر لڑکے کو عرب سے بُلوایا - اور مرنے سے چند ساعت پہلے بستر مرگ پر پڑے پڑے اُسے بتایا

کہ "تمھاری ماں اِس وقت دُنیا کی سب سے بڑی ملکہ اور قسطنطنیہ کی شہنشاہ بیگم تھیوڈورا ہے" اِس راز کے کھلتے ہی سادہ مزاج لڑکے کے دل مین خدا جانے کامیابی و مقصدوری اور دولت مندی و حکومت کی کیسی کیسی آرزوئین پیدا ہوگئین کہ باپ کو آغوش لحد کے سپرد کرتے ہی قسطنطنیہ کی راہ لی - اور قیصرہ کے محل کے پھاٹک پر پہونچ کے اپنے آنے کی خبر کرائی - تھیوڈورا یہ سنتے ہی چونک پڑی اُردا بیگنی (عرض بیگین) کو حکم دیا کہ اُسے قدر و منزلت سے اندر لے آؤ - لڑکا خوش خوش اندر گیا - ماں کے تخت کے سامنے ادب سے زمین بوس ہوا - ماں نے اُس پر سر سے پاؤن تک ایک نظر ڈالی - اور پھر اس کے بعد پتہ نہ لگا کہ وہ کہان گیا اور کیا ہوگیا - تھیوڈورا کی زندگی ہی نہین اُس کے مرنے کے بعد پھر کسی نے اُس لڑکے کی صورت نہ دیکھی اور یقیناً وہ اُس کے دوزخ مین پہونچ گیا - اُس کے زمانے والے اس سے اسقدر جلے ہوئے تھے کہ اُس کے عقائد اور مذہب پر بھی اعتراض کرتے اور اُسے لامذہب کہتے ہین - مگر یہ صرف تعصب ہے - وہ دل سے سچی مسیحیہ تھی - اور مسیحیت کی ترقی اور دینی خدمات کی جانب اپنے شوہر کو ہمیشہ متوجہ کرتی رہی - لیکن لامذہب نہ ہونے پر بھی اس مین شک نہین کہ وہ متکبر حریص طامع اور ظالم تھی - محض ظالم ہونے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ مسیحیہ نہ تھی تاریخ عالم کی تغلیط کرنا ہے - وہ تو ایک نفس پرست اور بد اطوار ملکہ تھی اچھے اچھے پابند دین اور خدا پرست مسیحیون نے انتقام لیتے وقت روم کے بت پرستون پر یہودیون پر مسلمانون پر جیسے جیسے مظالم کیے ہین اُنسے تھیوڈورا کی سنگدلیان کچھ زیادہ بڑھی ہوئی نہین -

اب بمصداق ع عیب اُو جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو ہم تھیوڈورا کے بعض محاسن بھی بیان کرتے ہین - اُس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ شہنشاہ جسٹی نین کے ناقابل برداشت غیظ و غضب کو ہمیشہ اعتدال پر لے آتی تھی - اس مین شک نہین ہے کہ اگر وہ نہ ہوتی تو جسٹی نین نہایت ہی ظالم و جابر اور اُس کے ساتھ ہی بہت ہی ناکام و نامراد بادشاہ ثابت ہوتا - اور غالباً اِس کو ہر واقف کار تسلیم کرے گا کہ جسٹی نین مین جتنی خوبیان تھین وہ اُسکی نہ تھین بلکہ اصل مین تھیوڈورا کی خوبیان تھین - دینداری اور جرأت و شجاعت کے ساری کامون مین جسٹی نین

کے نام کے ساتھ تھیوڈورا کا نام یکسان عزّت و وقعت کے ساتھ شامل تھا۔ اور یہ ایسی نیکی تھی کہ اُس کے دشمن بھی امید دلاتے ہین کہ باوجود تمام گناہون کے شاید وہ اُس کی نجات کا ذریعہ ہو سکے۔

ہر شخص کو اپنے گروہ والون سے زیادہ ہمدردی ہوا کرتی ہے۔ اس لیے کہ انکی تکلیفون اور مصیبتون سے جسقدر وہ واقف ہوتا ہے دوسرا نہین ہو سکتا۔ چنانچہ تھیوڈورا کو سب سے زیادہ ہمدردی عصمت فروش ناکام رنڈیون سے تھی۔ اُس نے جو سب سے بڑی اور اعلیٰ درجہ کی فیاضانہ تربیت گاہ قایم کی اپنی اُن ستم زدہ بہنون کے لیے تھی جنھین کسی مرد کی بے رحمانہ بے شرمی نے بے آبرو کر ڈالا تھا۔ یا جو ہر طرف سے عاجز آ کے رنڈی کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور ہوئی تھین۔ اس غرض کے لیے باسفورس کے ایشیائی ساحل کا ایک عالیشان قصر شاہی ایک باعظمت و جبروت خانقاہ بنا دیا گیا۔ اس کے مصارف نہایت فیاضی کے ساتھ سلطنت نے اپنے ذمے لیے اور اُس مین ۵۰۰ ایسی عورتین لا کے رکھی گئین جو قسطنطنیہ کی سڑکون اور وہان کے قحبہ خانون سے سمیٹ لائی گئی تھین۔ اس امن و امان کے قلعہ اور تقدس و اتقا کے امن مین یہ سوسائٹی کی ستائی اور مذہب دربار سے ملعون بنا کے نکالی ہوئی عورتین خاموشی اور تنہائی کی زندگی بسر کرتین۔ اُن عورتون کی روم مین یہ حالت ہو رہی تھی کہ اسی طبقہ کی چند بدنصیب عورتین ہجوم نامرادی سے گھبرا کے اور زندگی سے عاجز آ کے سمندر مین پھاند پڑی تھین۔ اُنکی اینتاقابل برداشت نامرادی اب اس فیاض مربیہ کی عنایت سے شکرگزاری اور اصلاح سے بدل گئی۔ اور سچ یہ ہے کہ تھیوڈورا نے اس تربیت گاہ کے ذریعہ سے ہزارون عورتون کو گناہ و عذاب اور ذلت و بے عزتی سے بچا لیا۔

تھیوڈورا کی دانائی و ذہانت کا خود جسٹی نین معترف تھا۔ جن عمدہ اور مضبوط قوانین کو اُس نے جاری کیا اُنھین وہ اپنی نہایت ہی مقدس و محترم ملکہ ہی کی جانب منسوب کرتا ہے اور اس کی نسبت یہ الفاظ زبان پر لاتا ہے کہ "دنیا کے لیے وہ ایک بڑی نعمت و برکت ہے"۔ تھیوڈورا دل کی نہایت ہی مضبوط اور بات کی بہت ہی پکی تھی۔ بڑے بڑے صاحب اثر امرا و وزرا کے مجمعون مین نہایت آزادی و ہوشیاری

سے مناسب راے دیتی - اور اکثر خوفناک موقعون پر اُس سے ایسی غیر معمولی جراءت ظاہر ہوئی کہ بڑے بڑے جوالمرد حیران رہ گئے - ایک بار سبز اور نیلے بانے والون کی برہمی سے قسطنطنیہ مین سخت بلوہ ہو گیا تھا - بلوائیون نے شہر کی عمارتون مین آگ لگا دی تھی - سارے شہر پر شعلے بلند تھے - سینٹ صوفیہ کی عالیشان عمارت جو قسطنطین اعظم نے دانائی کی دیوی کی یادگار مین بنائی تھی جل کے خاک کا ڈھیر رہ گئی - رعایا شہر چھوڑ کے بھاگنے لگی - جسٹی نین بھی اپنے ایک بیرونی قصر مین چلا گیا - اور وہان بھی اطمینان نہ نظر آتا تھا - امراے دربار نے یہ تجویز پیش کی کہ جسٹی نین کو مع اُس کے محلون اور حرمون کے جہازون پر سوار کرا کے کسی دُور کے شہر مین پہونچا دیا جائے - اس تجویز کی محرک گو کہ دغا بازی و سازش تھی اور اس وقت شہر سے نکلنا تاج و تخت سے جدا ہونا تھا مگر جسٹی نین گھبراہٹ مین فریب کو نہین سمجھا اور چلے جانے پر راضی ہو گیا - اِس موقع پر تھیوڈورا بہادرون کی طرح اُٹھ کھڑی ہوئی اور کمال جوالمردی سے بولی "مانا کہ بھاگتے ہی مین جان بچتی ہے مگر مین بھاگنے کو ذلت و حقارت سمجھتی ہون - موت پیدا ہوتے ہی ہماری قسمت مین لکھ دی گئی ہے - مگر جو صاحب تاج ہین وہ تاج و تخت سے علیحدہ ہو کے زندہ نہین رہ سکتے - میری درگاہ الٰہی مین یہ تمنا ہے کہ کبھی کوئی دن بغیر تاج جہانبانی اور خلعت ارغوانی کے نہ دیکھون - او قیصر! اگر تم نے بھاگنے ہی کا ارادہ کر لیا ہے تو تمھارے پاس دولت کے خزانے ہین - اور سامنے دیکھو جہاز بھی کھڑے ہین - جب چاہو ان پر چلے جا سکتے ہو - مگر اس سے ڈرو اور کانپو کہ مبادا زندگی کی ہوس مین تمھین بدنصیبی کی جلاوطنی اور ذلیل قسم کی موت نہ نصیب ہو جائے باقی رہی مین تو میرا شعار تو بہ قدیم الایام کا مقولہ ہے کہ "تخت ہی مبارک مقبرہ ہے!"
تھیوڈورا کی اس تقریر نے سارے دربار پر عجب اثر کیا - اور اسی کی اس مضبوطی کا نتیجہ تھا کہ جسٹی نین اپنے دارالسلطنت سے نہین ہٹا - اور اس کو کسی قسم کا آزار نہ پہونچ سکا -

جسٹی نین کے نکاح مین آنے کے بعد سے تھیوڈورا کی عصمت کا دعوی کیا جاتا ہے - اور اس مین شک نہین کہ اب کبھی اس سے کوئی ایسی بدعنوانی نہین ہوئی جو

ملتفت از بام ہوئی ہو یا جسٹی نین کو اُس کی عفت پر شبہ ہوا ہو۔ لیکن اُس کی اس پاکدامنی مین زیادہ دخل اس کے محض قید خانے اور اُس کی سختیون کو تھا دشمن تو کیا کہتے سارے شہر مین کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کے چال چلن کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکے۔ ممکن ہے کہ اس زمانے مین بھی اس کے مخفی عشاق ہون۔ اس کی پرائوٹ خدمت اور ہروقت کے کامون کے لیے دس خوش رُو اور بانکے ترچھے نوجوان تھے۔ جو جلوت وخلوت مین ہمیشہ سامنے رہتے۔ اور اُس کے نہایت ہی منظور نظر تھے۔ لیکن جب خود جسٹی نین کو اُس پر بدگمانی نہین ہوئی تو اور کسی کو بُری راے قایم کرنے کا کیا حق ہے؟ اور واقعی وہ دل کی ایسی مضبوط تھی کہ کوئی تعجب کی بات نہین اگر اُس نے اپنے شوق عیش اور بداطواری کی پُرانی عادتون کو اپنے موجودہ فرائض ومقاصد پر قربان کردیا ہو؟

اسی اخلاقی پالسی کا اثر تھا کہ اپنی دانائی وقابلیت سے اُس نے جسٹی نین کی محبت کو کبھی گھٹنے نہ دیا۔ اور ہمیشہ اُسے یکسان درجے پر قایم رکھا۔ بلکہ جسٹی نین کو روز بروز قطعی یقین ہوتا جاتا کہ بغیر تھیوڈورا کے مین نہ حکومت کرسکتا ہون اور نہ زندہ رہ سکتا ہون۔ بہرتقدیر جس مٹھی مین قیصر کا دل تھا وہ کبھی ڈھیلی نہ پڑنے پائی۔ کبھی کبھی خفیف سی باتون پر میان بی بی مین شکر رنجی بھی ہوجاتی مگر وہ دراصل ملاپ کا مزہ لینے اور جوشِ وصل مین تازگی پیدا کرنے کے لیے تھی۔ بعض بے وقوفون نے اُن رنجشون کو دلی عناد خیال کرلیا اور بادشاہ کو تھیوڈورا کے زیادہ مخالف بناکے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ مگر یہ کوشش اُن کے حق مین سم قاتل ثابت ہوئی۔ دو ہی تین روز مین میان بی بی مین پھر ملاپ ہوگیا اور وہ اپنے کیفر کردار کو پہونچے۔

شادی کے بعد تھیوڈورا کو سب سے بڑی تمنا اولاد نرینہ کی تھی۔ تاکہ سلطنت روم اُسی کی نسل مین رہے۔ مگر اس برکت کی صلاحیت کو اپنی ابتدائی بے اعتدالیون مین اُس نے خود ہی ہاتھ سے کھو دیا تھا۔ تاہم قدرت نے اُس کے آنسو پونچھے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ مگر اس کی عمر نے وفا نہ کی۔ اور بچپن ہی مین ماں باپ دونون کے کلیجون کو داغ دے کے آغوش اجل مین چلی گئی۔ جب تھیوڈورا نے اپنے

اپنے آنسوؤن مین نہلاکے دفن کیا۔

جوانی کی بے اعتدالیون نے اُسے اولاد ہی کی برکت سے محروم نہین رکھا بلکہ اُس کی صحت بھی اچھی نہ تھی - وہ کبھی موٹی اور تیار نہین ہونے پائی - ہمیشہ نازنین ونازک - اندام دُبلی پتلی اور چھریری تھی - اور اب آخر مین اس کی صحت زیادہ بگڑنے لگی - اُس کے طبیبون نے یہ علاج بتایا کہ علاقہ بیچیا کے حامون مین جاکے نہائے اور اس نے فوراً اُس سرزمین کا ارادہ کر دیا - سفر مین ایک بڑا بھاری جلوس بھی اُس کے ساتھ تھا - اطبا کے علاوہ ایک اسقف سلطنت کا سب سے بڑا خزانچی چند کاؤنٹ (نواب) اور پیطریق (امرا) تھے - اور چار ہزار ملازمون اور خادمون کا باشان وشوکت گروہ ہمراہ رکاب تھا - جس طرف سے ملکۂ عالم کی سواری گزرتی سڑکین دو تین روز پہلے سے درست اور صاف کر دی جاتین اور اُسکے فروکش ہونے کے لیے ہر منزل پر ایک قصر شاہی بنا ہوا ملتا - جو خاص اُسکے مقیم ہونے کے لیے تعمیر کیا جاتا - جاتے جاتے جب بتھینہ مین پہونچی تو وہان کے گرجون خانقاہون اور ہسپتالون پر اس نے بڑی بڑی فیاضیان کین - اور عام انعام واکرام کے ساتھ مذہبی خدمات بجالانے مین ذرا بھی کوتاہی نہین کی - یہ سب اس اُمید مین تھا کہ گرجون خانقاہون اور ہسپتالون والے اُس کی صحت کے لیے دعا کرین - مگر کسی کی دعا کارگر نہ ہوئی - اور فرشتۂ اجل آہی پہونچا - چنانچہ شادی کو چوبیسوان اور فرمانروائی کو بائیسوان سال تھا کہ ناگہان زہر باد ہو گیا - جس سے جان بر نہ ہو سکی - اور جسٹینین کو اُس کے مرنے کا بیحد صدمہ ہوا -

ہندؤن کے علوم

دُنیا اپنی نادانی سے چاہے قدر نہ کرے مگر سچ یہ ہے کہ ہندو مذہب اور اُسکے ساتھ ہندؤن کی قوم موجودہ دنیا کے آغوش مین ایک نامعلوم قدامت کی قابل قدر امانتین ہین - اور سلف کے جو ایام قدامت کے دُھندلکے مین آگئے اُن کے نہایت ہی بیش بہا تبرکات ہندؤن کی پُرانی زبان سنسکرت اور اُن کے ہمیشہ زندہ رہنے والے علوم ہین - زمانہ ہر چیز کو مٹاتا رہتا ہے - کسی مین چاہے کیسی ہی ابدی زندگی کی صلاحیت

ہو زمانہ اُس پر آہستہ آہستہ مرورِ ایام کی خاک ڈالتا ہی جاتا ہے۔ یہان تک کہ مُدت دراز کے بعد وہی خاک اُس کی قبر بن جاتی ہے۔ اور وہ بے مرے زندہ دفن ہو جاتا ہے۔ زمانے کے اِن زندہ مدفونون مین مصری بابلی اسرائیلی یونانی اور رومی ہین جو ایسے علوم وفنون اور ایسی تاریخی یادگارین چھوڑ گئے ہین کہ قدامت کی خاک مین دب جانے کے بعد بھی تہ خاک سے پکار پکار کے اپنا نام بتلاتے اور اپنی زندگی کا ثبوت دیتے رہتے ہین۔ مگر ہندوستان کی پرانی آریہ قوم نے باوجودیکہ سب سے قدیم ہے زمانے کی اُس خاک کو ہمیشہ جھٹک جھٹک کے ہٹا دیا۔ اور اُس پر مرورِ ایام کا زور نہ چلنا تھا نہ چلا۔ اور زمانہ اور رون کی طرح اُس کے زندہ دفن کرنے مین کسی طرح کامیاب نہ ہو سکا۔ ہندو قوم نے زندگی کی مزاحمتون پر ہمیشہ فتح پائی۔ جو جو دشواریان پیش آئین سب کو خاک کی طرح جھاڑ کے الگ پھینک دیا۔ اور حضرت مسیح سے ہزارہا سال پیشتر کے اِن پس ماندگان سلف کو آج بیسوین صدی عیسوی مین ہم دیکھتے ہین کہ معجز نما زندگی ابدی کا جامہ پہنے ہوئے اپنے پُرانے علوم کو خود ہی دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہین۔ آغاز ہستی کے دنگل کے پہلوانون مین سے آج کون باقی ہے؟ بابل والے۔ اسیریا والے۔ مصر والے۔ ایران والے۔ یونان والے۔ اور اُن کے زلہ خوار اہل روم سب مٹ گئے۔ نہ اُن کا مذہب باقی ہے۔ نہ اُنکی معاشرت باقی ہے۔ صرف اُن کے چند علوم ہین جو غیرون کے ہاتھ کا کھلونا ہین۔ مگر ہندو! آبحیات کے سرشار ہندو۔ ابد کی ڈھائی چھونے کے مشتاق ہندو! آج پامردی کے ساتھ خود ہی کھڑے ہوئے اپنے مذہب۔ اپنی معاشرت۔ اپنے کارنامون اور اپنی تاریخ کو دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہین۔ اور اگر کوئی غیر اُن کے علوم کے سمجھنے مین ذرا بھی غلطی کرتا ہے تو فوراً جھڑک کے ٹوک دیتے ہین۔ اور اپنی تاریخ وقسمت کا فیصلہ دوسرون کے ہاتھ مین نہین چھوڑتے۔

ہندون کا نایاب علمی ذخیرہ کیا بہ لحاظ اُن کی مذہبی روایتون کے اور کیا بہ لحاظ اُن کے رسم خط کے نہایت ہی قدیم ہے۔ اور جس قدر قدیم ہے اُسی قدر نادر۔ اس موقع پر ہم چاہتے ہین کہ اُن کے علمون کا ایک مختصر گوشوارہ اپنے احباب کے سامنے پیش کر دین اُن کے پُرانے تصانیف قریب قریب سب نظم مین ہین جو امر کہ اُنکی قدامت کا زبردست

ثبوت ہے - ظاہرین لوگ سمجھتے ہین کہ نثر نظم پر مقدم ہے - لیکن علمی دنیا مین یہ صحیح نہین - گفتگو مین بیشک نثر کو تقدم ہے - مگر جذبات دلی کے ظاہر کرتے وقت انسان مین ایک ایسی متانت اور غیر معمولی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ چاہتا ہے اُنھین کسی غیر معمولی وضع وعنوان سے ظاہر کرے - اسی شوق نے انسان کو اُس کے بچپن ہی مین نظم کی طرف متوجہ کر دیا - جذبات وخیالات شاعرانہ کو نثر مین ادا کرنا شاعری کے بہت دنون بعد شروع ہوا - لہذا ہندؤن مین اُن کے تمام علوم کا نظم مین ادا کیا جاتا ہی اُنکی قدامت کا ثبوت ہے -

ہندؤن کے قریب قریب تمام علوم کو مذہب نے اپنے آغوش مین لے لیا ہے یا اپنا لباس پہنا کے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے - ان کے علوم مین سب سے مقدم چار وید ہین جو انسان مین مذہبی روح پھونکنے کے مکمل ذرایع ہین - اُن مین دعاؤن اور مناجاتون کے ذریعہ سے فلسفۂ دین اور خدا شناسی کی بہت اعلی تعلیم دی گئی ہے -

وہ چارون وید حسب ذیل ہین (اول) رگ وید - (دوسرا) یجر وید - (تیسرا) سام وید (چوتھا) اتھر وید - ان چارون ویدون کے ماتحت چار اُپ وید ہین - اور اُن کے نام یہ ہین (پہلا) ایش (دوسرا) دھنش (تیسرا) گندھرب (چوتھا) ارتھ - ان چارون اُپ ویدون کے بعد اُپ انگ ہین -

چار اُپ وید جن کا ذکر آچکا ہندو مذہب مین دوسرے درجے کی مقدس ومحترم کتابین ہین - جن مین جراحی - طب - موسیقی - رقاصی - سپہ گری - معماری اور دیگر فنون عملی کا بیان ہے - اور ان کے دیکھنے سے انسان کو حیرت ہوتی ہے کہ اُس قدیم زمانے ہی مین ہندؤن نے امور معاشرت اور ضروریات زندگی کے متعلق فنون مین کس قدر ترقی کر لی تھی -

چھ وید انگ ان فنون کے بیان مین ہین جو خاص ویدون کی تعلیم سے تعلق رکھتے ہین - یا یون کہنا چاہیے کہ ویدون کے سیکھنے اور برتنے کے آلات ہین - اُن مین پہلے فن تجوید ہے جس کے ذریعہ سے ویدون کی قرأت وتلاوت کے قاعدے معلوم ہوتے ہین - یعنی انکے الفاظ کے ادا کرنے کے لہجے - آوازون کے مخارج اور دیگر خصوصیات صوت مذکور ہین جنکا ویدون کے پڑھنے کے وقت لحاظ رکھنا ضروری و لازمی ہے - اسی سلسلہ مین

نحو و صرف کا فن - آوازون کی ترتیب اور اُن کے باہمی تناسب کے قاعدے اور علوم نجوم و ہیئت بھی بصراحت بتائے گئے ہین -

ان تمام علمون اور فنون کی نسبت ہندؤن کا اعتقاد ہے کہ خداوند عل وعلانے اُنھین الہام کے ذریعے سے نیک نفس و پاک باطن برہمنون کے دلون مین القا کر دیا تاکہ اُن کی مدد سے دنیا والے ویدون کو پڑھین اور سمجھین - کیونکہ بغیر ان علمون کے دنیا ویدکی ربانی تعلیمون سے فائدہ نہ اُٹھا سکتی -

اُپ انگ کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ وید انگون کے بعد اور ان سے کم درجے کے ہین - لیکن اگر غور سے دیکھو تو وہ بہت ہی عظیم الشان اور اعلے درجے کے علوم عقلی و روحانی پر حاوی ہین - اُن مین منطق ہے - اور الہیات ہین - یعنی وہ مسائل و رموز علم الٰہی جو ویدون کی تصریحات کی تشریح کے لیے بعد والون کے ذریعہ سے معلوم ہوئے - احکام شریعت کا شمار بھی انھین مین ہے اور اسی سلسلہ مین دیوتاؤن اور برگزیدہ رشیون اور منیون کی کہانیان اور داستانین بھی ہین - ان سب ضروری کتابون کی مجموعی تعداد اٹھارہ ہے - اور یہی کتابین پُران کہلاتی ہین جن کے ماننے سے آریہ سماج والے انکار کرتے ہین - لیکن چاہے اُن پر بھروسہ نہ کیا جائے مگر یہ غیر ممکن ہے کہ اُن سے فائدہ نہ اُٹھایا جائے اسلیے یہ تمام علوم ویدون کے حرم مین داخل ہونے کی کُنجیان ہین - جن کو چھوڑ دیا جائے تو نہ ویدون کے مضامین سے صحیح استدلال کیا جاسکے گا اور نہ اُن کے سمجھنے پر پورا وثوق ہوسکے گا -

مذکورہ علمی کتابون کے علاوہ ہندؤن کے قدیم علمی خزانے کا زیور دو نہایت ہی مہتم بالشان منظوم کتابین ہین جو مقدس روایات مین شامل کر دی گئی ہین - یہ دونون راماین اور مہابھارت ہین - رامائن مین اجودھیا کے چندربنسی تاجدار راجہ رام چندر جی کے حالات و واقعات عجیب موثر و معجز نما شاعری مین بیان کیے گئے ہین جو نہایت ہی دلچسپ و نتیجہ خیز ہین اور تاریخی قصّے کے عنوان سے دینی و روحانی برکتین ظاہر کرتے ہین - رام چندر جی بشن جی کے ساتوین اوتار مانے جاتے ہین - اور اُنکی زندگی اعلیٰ ترین کمالات انسانی کا نمونہ ہے - مہابھارت مین وہ عظیم الشان لڑائی مذکور ہے جو ہستناپور کے تخت کے لیے پانڈو اپنے بنی اعمام کورؤن سے لڑے تھے - اور

جنکی نسبت ہندوؤن کا عقیدہ ہے کہ دنیا مین کبھی اس سے بڑی کوئی لڑائی نہین ہوئی ہے
ان کتابون کے مقابلہ مین یونان کے پہلے شاعر ہومر کی مثنویان ایلیڈ اور اُڈسے پیش کی جاتی ہین مگر کیا بہ لحاظ وسعت بیان اور کیا باعتبار شاعرانہ خوبیون کے یونان کی اُن دونون پرانی منظوم کتابون کو ہندوستان کی رامائن و مہابھارت سے کوئی نسبت نہین - مہابھارت ۱۸ کتابون یا بابون پر منقسم ہے - اور اُس مین ایک لاکھ سے زیادہ بند ہین -

اب ہندوؤن کی اُن چند کتابون کا مختصر تذکرہ بھی ضروری ہے جو اُن کے مذہبی قدیم لٹریچر سے ملحق اور اُنکے ضمیمے ہین - اول نگدھ بُدھ (یعنی حُسن علم) مصنفہ گوسوامی جی یہ اصل مین سنسکرت کی بہترین گرامر ہے - جس مین قواعد صرف ونحو نہایت صفائی و توضیح سے بتائے گئے ہین - فن لغت مین سنسکرت کی اٹھارہ کتابین مشہور ہین - مگر اُن سب سے بہتر اور مکمل "امرسنگھ" ہے -

سنسکرت کی نظمون سے عجب قسم کا سوز و گداز اور نہایت ہی شیرینی ظاہر ہوتی ہے جس کا آغاز اُن کے قدیم تر شاعر والمیکی جی سے ہوا ہے - انھون نے اپنی مشہور کتاب رامائن کے علاوہ ایک اور پُردرد واقعہ منظوم کیا ہے - وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک نوجوان اپنی نازآفرین معشوقہ کے ساتھ گھر بار سے دور ایک پُرفضا دشت مین سب سے الگ تھلگ رہتا تھا - جو مار ڈالا گیا اور اُس کی معشوقہ اُس جنگل مین اپنے ہمیشہ کے لیے چھوٹ جانے والے عاشق کی لاش پر روتی پیٹتی اور آہ و زاری کرتی ہے ظاہر ہے کہ والمیکی کے متبرک قلم نے جسے مبداء فیاض سے الہامی مدد ملتی تھی اس حسرتناک داستان مین کیسا سوز و گداز اور کیسا دل کو تڑپا دینے والا اثر پیدا کر دیا ہوگا -

ڈراما کی ایجاد اگرچہ بہت پہلے سے ہو چکی تھی مگر کالی داس کی شہرت نے پرانے سنسکرت ڈراما کو تقریباً فنا کر دیا - یورپ والے اب جو اس کے کمالات سے واقف ہوئے ہین اسے مشرق کا شیکسپیر کہتے ہین - اس کا بہترین ڈراما "سکنتلا" ہے جس کا ترجمہ انگریزی مین سر ولیم جونس نے اور جرمنی زبان مین فارسٹر ہرڈر اور دیگر سنسکرت دان مصنفین جرمنی نے کیا ہے - ہرڈر کو یہ ڈراما اس قدر پسند آیا کہ کہتا ہے "اس عظیم الشان

ڈراما کا ہر سین ایک چمن ہے۔ جس کی ہر ہر کیاری مین سے دلچسپ واقعات فطرتی طور پر خوبصورت پودھون کی طرح اُگ آتے ہین۔ اور اس مین کثرت سے وہ پر اثر اور نازک خیالات ملتے ہین جن کا یونانی ڈراما مین کہین پتہ نہین۔ اِسی کالی داس کی ایک اور نظم "میگھ دُوت" ہے۔ دلکنس نے انگریزی مین اُس کا ترجمہ کیا ہے اور مشرق کے شاعرانہ کمالات پر شعراے مغرب کو حیران کر دیا ہے۔

ہندو لٹریچر کی قدر یورپ خصوصاً جرمنی مین روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ مگر ہندو لوگ محض اسی غرور مین کہ یہ علوم اُن کے اور اُن کے گھر کے ہین اُس قدر توجہ نہین کرتے جیسی کہ ہونی چاہیے۔ خوشی کی بات ہے کہ اب ہندؤن کو سنسکرت دانی کا شوق ہو چلا ہے۔ اور جا بجا اُس کے مدارس اور کالج قائم ہو رہے ہین۔ خصوصاً بنارس تعلیم سنسکرت کی اعلی یونیورسٹی قرار پا گیا ہے۔ لیکن جب تک سرکاری یونیورسٹیون کا یہی طرز عمل رہے گا اور جب تک یونیورسٹی کی ڈگریان ذریعہ معیشت بنی رہین گی ابناے وطن مین ہندو ہون یا مسلمان تحصیل علم کا سچا ذوق پیدا ہونا دشوار ہے۔ دعوے کیا جاتا ہے اور بظاہر صحیح بھی نظر آتا ہے کہ ان یونیورسٹیون اور تعلیم کے موجودہ انتظامات نے ہندوستان مین علم کو بڑھا دیا ہے۔ لیکن اگر غور کرو تو علم بڑھا نہین بلکہ گھٹا اور گھٹتا جاتا ہے۔ جو قوم علم کو کاسۂ گدائی بنانا چاہتی ہو اُسے علم ہرگز نہین آسکتا۔ اگلے زمانے کا ایک متبحر ویدانت یا شاستری اور اسی طرح مسلمانون مین ایک عالم و فاضل آج کل کے سیکڑون سند یافتہ گریجویٹون سے اچھا تھا۔ ویسے دو عالم اچھے۔ اور ایسے دو ہزار زبردست علم فروش نہین اچھے کاش ہندو مسلمان اپنی اپنی یونیورسٹیان قائم کرنے کے خبط کے عوض اس بات کی کوشش کرتے کہ سرکاری یونیورسٹیان علم کی سچی اکاڈیمیان بنا دی جائین۔ اور ملازمت و کسب معیشت سے اُن کو کوئی واسطہ نہ رہے جیسا کہ خود انگلستان مین ہے۔ مگر ابھی ہندوستانیون کو اس کی مصلحت سمجھنے کے قابل ہونے کا ہوش نہین آیا ہے۔ ابھی اس مسئلہ کو چھیڑنا انگریزی تعلیم یافتون اور گریجویٹون کے حقوق مین دخل دینا ہے۔ وہ زمانہ بعد آئے گا جب ہندوستان کے تمام فرزندون کو معلوم ہوگا کہ اپنے وطن اپنی قوم۔ اپنے علوم۔ اور اپنے قدیم کمالات کے حقوق چند گریجویٹون کے حقوق سے مقدم ہین۔

چند خیالات و واقعات

کانپور کا جھگڑا عام مسلمانون کے جوش بعض معززین اسلام کے ایثار نفس اور حضور وائسرائے کی عنایت و توجہ سے طے ہوگیا۔ اسیران بلا چھوٹے اور مسجد کے اوپر کا دالان بننے کی اجازت ملی۔ اگرچہ نیچے ایک عام راستہ نکال دیا گیا۔ ہر طرف سے اطمینان و شکرگزاری کی آوازین بلند ہوئین اور قیامت زا شور و ہنگامے کے بعد ملک مین ایک خوشگوار خاموشی ہے۔

مسلمانون کے بعض حلقون سے اب بھی ناراضی کی آوازین سُنی جاتی ہین۔ لیکن اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ اور جب سارے ہندوستان سے شکرگزاری کا نعرہ بلند ہوگیا تو اختلاف بے نتیجہ ہے بلکہ اب اس کو دیکھنا چاہیے کہ وائسرائے کی اس فیاضی و رعایا نوازی پر اینگلو انڈین اخبارات اُن پر سخت حملہ کر رہے ہین۔ کیا یہ اچھا ہے کہ ہمارے ہی لیے حضور وائسرائے اپنے لوگون مین بُرے ہون اور پھر ہم بھی مطمئن نہ ہون؟ اگرچہ اس مین شک نہین کہ انگریزون کے اخبارات کی یہ ناراضی بھی موجودہ پالٹکس کی پالیسیون اور کانسٹی ٹیوشنل گورنمنٹ کی نیرنگیون مین سے ایک نہایت ہی آن بان کی دلکش و دلربا ادا ہے۔ مگر جو ہو ہمین اپنی وفاداری کی وضع نہ چھوڑنا چاہیے۔

بعض حضرات مولنا عبدالباری صاحب پر حملے کر رہے ہین کہ اُنھون نے بغیر دیگر علما سے پوچھے کیون اس صورت کو قبول کر کے اس کے جواز کا فتوے دے دیا؟ مگر سچ یہ ہے کہ مولنا نے ایک فتنہ کو مٹتے دیکھ کے اور اُن مصیبت زدون کی حالت اور ان کے انجام کا خیال کر کے جو اسیر و پابزنجیر تھے ایک مناسب و معقول صورت کو منظور کر لیا جس پر صرف نیک نیتی کی بنا پر وہ آمادہ ہوئے۔ اور شکریے کے مستحق ہین۔

مگر لطف یہ ہے کہ نواب رام پور کے طرفدار اس کامیابی کا سہرا اپنے حضور کے سر باندھ رہے ہین۔ خیر اُن کے سر جس کا سہرا چاہے چھین کے باندھ دیا جائے ہمین عذر نہین لیکن ہندوستان کی آزاد پبلک کے اسٹیج پر قدم رکھ کے اُنھون نے جو مزہ اُٹھایا ہے وہ نہ کبھی اُنھین بھولیگا اور نہ ہمین۔ لیکن اس سے زیادہ لطف کی یہ بات ہے کہ حامیان

زاں بعد بار میں سے بعض تو یہ فرماتے ہیں کہ یہ فیصلہ جو ہوا یہی اُن کا طبع زاد ہے - اور بعض فرماتے ہین کہ نواب صاحب جو فیصلہ کراتے تھے اِس سے اچھا اور مسلمانون کی پوری آرزو کے موافق تھا۔ جس کی رو سے مسجد کی نیچے کی زمین بھی مسجد کو ملتی مقتولین کی بیواؤن اور یتیمون کی خبرگیری ہوتی - اور جن اخبارون سے ضمانتین لی گئین واپس ہو جاتین - خدا جانے دونون مین کون سچّا ہے - بہتر ہو کہ نواب صاحب پھر ایک بار قومی دربار مین قدم رنجہ فرما کے خود ہی بتا دین کہ اِن مین سے کون سچا ہے ؟ مگر ہمین تو افسوس اِس بات کا ہے کہ وایسرائے بہادر کے ارشاد کے موافق ہم تو اس جھگڑے کو بھول جانا چاہتے ہین مگر نواب صاحب کے طرفدار ہمین بھولنے دیتے -

---

ریویو

نقاد - شروع ۱۹۱۳ء سے یہ اُردو رسالہ ایسی آب وتاب اور ایسی خوبی و رعنائی کے ساتھ نکل رہا ہے کہ اُسے دیکھ کے جی چاہتا ہے ہماری زبان اُردو بھی ایسی ہی ترقی یافتہ اور دلفریب ہوتی جیسا یہ اُس کا رسالہ ہے اُس کا ہر نمبر ماسبق نمبرون سے ترقی کرتا گیا ہے - اور حضرت دلگیر کی ستعدی سے امید ہے کہ آیندہ بھی یونہین ترقی کرتا رہے گا - اُردو خوان پبلک کا فرض ہے کہ اس کی قدر کرے - ٹائٹل کے علاوہ ۲۰×۲۶ پیمانہ کے ۵۲ صفحون پر ہوتا ہے - کاغذ اور لکھائی اور چھپائی اچھی ہی نہین دلفریب ہین - سالانہ چندہ صرف تین روپیہ سالانہ - درخواستین "میوہ کٹرہ آگرہ" کے پتے پر حضرت شاہ دلگیر صاحب کی خدمت مین بھیجی جائین -

---

اطلاع

جملہ خریداران دلگداز کی خدمت مین التماس ہے کہ وہ خط وکتابت مین اپنا نمبر خریداری لازمی طور پر بتا دیا کرین جو انکے پتہ کے ساتھ لکھا ہوتا ہے - رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۰ ڈاکخانہ کا نمبر ہے اسکے حوالہ کی ضرورت نہین اگر نمبر کا حوالہ نہ ہوگا تو ممکن ہے جواب مین تاخیر ہو یا جواب ہی نہ دیا جا سکے -

منیجر دلگداز

لکھنؤ کتب خانہ مہذب بک ایجنسی منشی بیت

نتیجہ محبت ۱۲/	جنگ طرابلس ۸/	محبت کی پتلی عہ/
بنو جان ۴/	کشتۂ ناز کامل ۶/	کرشمۂ الفت ۸/
مرقع طرابلس ۶/	بروگ عہ/	خون تمنا ۶/
عروج زوال ۶/	پیاری دنیا ۱۲/	کرشمۂ محبت ۱۲
شہنشاہ عیاران ۶/	سوانحعمری شہنشاہ بابر عہ/	دبدبۂ امیری ۶/
نشتر ۴/	نشۂ جوانی ۸/	کہکشان ۱۰/
ارمان عہ	بہشت برین ۱۲/	وینس کا بانکا ۶/
محبوبۂ لندن ۶/	امراؤ جان ۴/	ثمرہ دیانت ۶/
اندرا ۴/	حیات شیخ چلی ۸/	حسرت دید ۱۰/
پُرارمان لڑکی ۶/	ترچھی نظر ۴/	تاریخ جنگ جاپان وروس ۶
میٹھی چھُری عہ/	کنیز فاطمہ ۸/	سرود رامائن عہ/
احمق الذین ۱۲/	مالن کی بیٹی ۸/	نرالا عاشق ۴/
پرستان کی پری عہ/	ایرانکی شہزادی ۸/	دستاویز محبت ۸/
رزم بزم للعہ/	حاجی بغلول عہ/	کاپا پلیٹ ۴/

ان مذکورہ بالا کتابون سے علاوہ اور بھی ہر قسم کی کتابین روانہ ہوسکتی ہین

المشتہر پروپرائٹر کارخانہ مہذب بک ایجنسی لٹشمہ برن مرزا بیگ خان لکھنؤ

اخلاق عزیزی

اصول معاشرت اور فلسفہ اخلاق پر یون تو ہزارون کتابین لکھی گئی ہین مگر جو وقعت رومی فیلسوف سلف حکیم سنیکا کی کتاب "مارس آف سنیکا" کو حاصل ہے اور جیسی مقبولیت عامہ اس پرانی اخلاقی کتاب کو یورپ اور تمام شائستہ قومون مین حاصل ہوئی کسی کتاب کو نہین نصیب ہو سکی سچ یہ ہے کہ یہ کتاب حرز جان بنانے کے قابل ہے اور اسے ہر وقت ہر گھڑی اور زندگی کے ہر مرحلے مین ہر زن و مرد اور ہر بوڑھے بچے کے پیش نظر رہنا چاہیے۔ اور اسی خیال سے مین نے اس کا ترجمہ حتی الامکان فصیح اور سلیس اردو مین کر کے اخلاق عزیزی کے نام سے شائع کر دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ روشن خیال ہموطنون مین سے جو صاحب اس کتاب کو نہ دیکھین گے ایک نعمت عظمی سے محروم رہ جائین گے۔

یہ کتاب دو جلدون مین ہے۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ سب چیزین اچھی اور قابل پسند ہین۔ اور قیمت دونون جلدون کی دو روپیہ ۸ آنہ ہے شائقین فوراً منگوائین۔

المشتہر۔ محمد عبد العزیز کورٹ انسپکٹر لاٹوش روڈ لکھنؤ

بہار حسن

اکثر لوگ جدید مذاق کے دھوکے مین پڑ کے اپنی ان پرانی چیزونکو بھولے جاتے ہین جو نہایت لطیف نفیس و انتہائے زیادہ فائدہ مند ہین اور تجربہ کے صحیح اصول سے ملکی مذاق کے مطابق تیار کی جاتی ہین۔ خوبصورتی کے جوہر اُبھارنے رنگت کو نکھارنے صاف کرنے اور جلد کو ملائم و نازک بنانے کیلیے اسوقت تک دنیا مین ابٹن سے بہتر کوئی چیز نہین ایجاد ہوئی۔ مگر لوگونکی یہ حالت ہو کہ اپنے گھر کو چھوڑ کے باہر تلاش کرتے اور انگریزی غازون اور صابونون مین روپیہ ضایع کرتے ہین حالانکہ جو بات بٹنے سے حاصل ہوتی ہو اور کسی طرح نہین نصیب ہوسکتی۔ بٹنا جلد کو نہایت نازک و نفیس بنا کے کندنی رنگ پیدا کرتا۔ جوبن کو نکھارتا سانولی رنگت مین عجیب ملاحت نمایان کرتا اور سارے بنڈے کو عجیب روح افزا معشوقانہ خوشبو سے مہکاتا ہے۔ سچ پوچھیے تو سب سے بڑا عمل تسخیر یا تعویذ یہی بٹنا ہے۔ کیونکہ اس کے استعمال کے بعد حسن کی نظر ایک دفعہ چہرہ پر پڑ جاتی ہو جاتا ہو کہ دیکھا ہی کرے اور جو ایک گھڑی کے لیے پاس بیٹھ جائے گا چاہے گا کہ ہمیشہ پاس ہی بیٹھا رہے۔ مگر افسوس عمدہ بٹنا بنانا مشکل ہے۔ لکھنو کا بٹنا مشہور ہے۔ مگر ہمارے کارخانے نے بٹنے کا وہ خاص نسخہ تیار کیا ہے جو حرم سرائے شاہی اور محترم بیگمات کے سوا اور کسی کو نصیب نہین ہوسکتا تھا منجملہ اور صفتون کے ہمارے بٹنے مین یہ خاص صفت ہے کہ پھوڑے پھنسیونکے نشانات اور چہرے کے بدنما داغون کو بھی دور کرتا ہے۔ قیمت فی بکس جس مین آدھ پاؤ بٹنا اور ایک چھٹانک اعلی درجے کا چنبیلی کا تیل ہوتا ہے۔ عہ علاوہ محصولڈاک۔

نمک سلیمانی

اگر جناب تندرستی کی قدر جانتے ہین تو ایک شیشی نمک سلیمانی منگوا کر رکھ لیجیے۔ تندرستی کی حالت مین اسکی ایک چٹکی روزانہ کا استعمال۔ جملہ امراض سے بچاتا ہو۔ اور بیماری کی حالت مین معدہ کی جملہ شکایتون کو دور کر دیتا ہو ضعیفون مین بھی مفید ثابت ہوا ہو۔ قیمت فی شیشی ۱۲/

سفوف دافع لرزہ و بخار

اس سفوف کے استعمال سے لرزہ و بخار تین دن مین جاتا رہتا ہو اور اگر سات روز استعمال کر لیا جاوے تو دوبارہ عود نہین کرتا اگر آپ کونین کے استعمال سے بچنا چاہتے ہین تو اُسے استعمال فرمایے۔ قیمت ۷ خوراک کی ۱ر محصولڈاک فی نیس مبنی آدھ ڈرڑھ سے خریدار۔

المشتہر حکیم محمد سراج الحق منیجر کارخانہ معین الصحت کٹرہ بزن بیگ خان لکھنو

تاج ہیر آئل

مسٹر آرز و کے ایجاد کیے ہوئے ان مقوی دماغ اور مفرح و روح افزا تیلون نے نہایت ہی شہرت و مقبولیت حاصل کر لی ہے جس کسی نے ایک مرتبہ استعمال کیا پھر کسی دوسرے تیل مین نہ اُسے لطف آیا - اور نہ وہ تفریح و تازگی روح حاصل ہو سکی جو ان تیلون کے ذریعہ سے حاصل ہوئی تھی - اسی خیال سے کارخانہ روض الریاحین نے لکھنؤ مین اسکی ایجنسی قبول کر لی جو ہمیشہ مفرح اور منتخب تیلون کو پبلک کی ضرورتون کے لیے فراہم کیا کرتا ہے -

تاج ہیر آئل جو اپنی نزاکت نفاست اور جان بخشی کے لحاظ سے نازک طبع اور نفیس مزاج ملکۂ ہند تاج محل کی جانب منسوب ہین تقویت دماغ اور فرحت افزائی مین اپنا جواب نہین رکھتے - اور اسی لیے کارخانہ روض الریاحین اپنے گاہکون اور ہندوستان کے عام نازک طبع لوگون اور ضعف دماغ کے شاکیون کو ان نو ایجاد معجزات طبی کی طرف خاص توجہ دلاتا ہے -

تاج ہیر آئل تین طرح کے مخصوص تیل ہین جن مین مقوی دماغ روغنون مین نہایت ہی لطیف خوشبوئین پیدا کر دی گئی ہین -

(۱) تاج روغن بادام و بنفشہ قیمت فی شیشی ۱۲/

(۲) تاج روغن زیتون و یاسمن - // ۱۲/

(۳) تاج روغن آملہ و بنولہ - // ۱۲/

ان تیلون کی آدھ آدھ پاؤ کی نہایت خوبصورت شیشیان ہمارے پاس موجود ہین - درخواست آتے ہی ویلیو پی ایبل روانہ ہوگا۔ اور محصول ڈاک وغیرہ ان قیمتون کے علاوہ ہین -

المشتہر منیجر روض الریاحین - لکھنؤ کٹرہ بزن بیگ خان

سنہ ۱۹۱۳ع کا خاتمہ

اس سال کا دور بھی ختم ہونے کو آیا - مگر دنیا اُسی طرح سرگردان ہے - سقف فلک کی قندیلون کو متحرک دیکھ کے اگلے سمجھتے تھے کہ ہم تو اپنی جگہ پر ٹھہرے ہوئے ہین مگر قدرت نے ہمارے مزاج کا یہ رنگ دیکھ کے کہ ایک حالت پر قرار نہین آتا اور گھڑی بھر کو بھی نچلے نہین بیٹھ سکتے ہم مین سکون و مشغولیت پیدا کرنے اور ہمارے خیال کو ایک غیر کی انقلاب پذیری مین مصروف کرنے کے لیے آسمان کو ایک دلچسپ فانوس خیال بنا دیا ہے - مگر اب معلوم ہوا کہ چند زندہ دل تارون کے سوا سقف فلک تو اپنی جگہ پر قائم ہے خود ہمارے پاؤن مین چکر ہے - اور جس برقی تحریک کو ہم اپنے سرون پر تصور کیے ہوئے تھے وہ در اصل ہمارے پاؤن کے نیچے اور زمین مین ہے -

مگر ہمارے علم و خیال مین چاہے جتنا بڑا عظیم الشان انقلاب ہوگیا ہو مرور ایّام کا ظاہری سلسلہ ویسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا - اُسی طرح صبح و شام کے ردّ و بدل سے دن - دنون کے چکّر سے ہفتے - ہفتے کے مرور سے مہینے - اور مہینون کے دورے سے برس ایسی خموشی کے ساتھ چلے جاتے ہین کہ اکثر اُسی وقت خبر ہوتی ہے جب جا چکتے ہین -

زمانے کا مکتوب آگے کی طرف کھلتا جاتا ہے اور پیچھے سے لپٹتا آتا ہے جو لپٹ گیا وہ گیا - اور ماضی کے محافظ خانے مین مقفل ہوگیا اور ہمین اس سے کوئی واسطہ

نہین رہا۔کیونکہ وہ ہماری گرفت سے باہر ہے۔جو حصہ آگے کی طرف کھلنے والا ہے وہ ابھی آیندہ کے دھندلکے مین ہے۔ لپٹ چکنے والا حصہ گو ہماری رسائی سے باہر ہو گیا مگر اُس مین لپٹی ہوئی چیزون مین سے بعض بعض تو ہمین یاد ہین۔ آیندہ کھلنے والے حصے مین تو مطلق نہین معلوم کہ کیا ہے۔ دھڑکا لگا ہوا ہے کہ کیا ہو گا۔ نجومیون سے پوچھتے ہین۔ رمّالون سے قرعہ ڈلواتے ہین۔ مرتاض و پاکباطن علماے روحانیین سے جا جاکے سوال کرتے ہین۔ مجذوبون کی گالیان سُنتے ہین۔ مگر کچھ نہین پتہ لگتا۔ اور آخر تھک کے اور عاجز آ کے دعائین مانگتے ہین کہ خداوندا آیندہ یہ ہو۔ اور یہ نہ ہو۔ ہماری فلان آرزو پوری ہو۔ اور فلان بات کی حسرت نکل جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسی فکر مین روتے گڑگڑاتے اور ناک رگڑتے رہ جاتے ہین اور ہوتا وہی ہے جو ہوتا ہے۔

ان دونون جانب کے کھلنے اور لپٹنے والے حصون کے درمیان مین ”اب“ کی نہایت ہی مختصر اور تنگ وسعت ہے جس مین اتنی بھی گنجایش نہین کہ ہم پوری طرح پلک بھی مار سکین۔ ”اب“ کا میدان اس قدر محدود اور کم ہے کہ اُسے ہم اگر ایک نقطۂ موہوم کہین تو غالباً بیجا نہ ہو گا۔ تنگی اور بے حقیقتی مین اگر اُس کی کوئی تشبیہ ہو سکتی ہے تو وہ ہمارے شعرا کے معشوق کے دہان و کمر ہین۔ ان دو کے سوا دنیا مین اور کوئی چیز اس قدر بے حقیقت و بے بنیاد نہ ہو گی جس قدر کہ زمانے کے مکتوب مین گذشتہ و آیندہ کے لپٹے ہوئے حصون کے فیما بین ”اب“ کا میدان ہے۔ جس کا یہ حال ہے کہ ہوا کے ایک تیز جھونکے کی طرح آیا اور نکل گیا۔ آنے اور نکل جانے والے حصون پر نظر جمتی ہے۔ مگر ”اب“ کی رفتار اس قدر تیز ہے کہ اُس پر نظر ٹھہر ہی نہین سکتی۔ وہ چورون کی طرح دبے پاؤن آیا۔ اور عجیب معشوقانہ شوخی کے ساتھ ہمین چھو کے نکل گیا۔ اور ہنوز خبر بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ہم سے دور اور گذشتہ کی پیٹی مین آ چکا تھا۔

لیکن خدا کی قدرت کا تماشا جیسا اس مختصر ”اب“ کی معجز نمائیون مین نظر آتا ہے کسی چیز مین نہین نظر آ سکتا۔ باوجود اس اختصار و موہومیت بلکہ کالعدمیت کے دنیا مین جو کچھ ہوا ہے اسی ”اب“ مین ہوا ہے۔ اور ہمین اور ساری دنیا بلکہ سارے عالم مخلوقات کو

جو کچھ ملا ہے "اب" ہی کی معرفت ملا ہے - غور سے دیکھو تو تخلیق کا نقش طلسمی اور عالم ہستی کی کنجی یہی "اب" ہے - جو کچھ ہے "اب" ہے - اور جو "اب" نہین وہ دراصل نہین ہے - غیر ممکن ہے کہ کوئی چیز ہو اور "اب" نہ ہو - اے سراپا اعجاز "اب" تو ہی تو خدا کا وہ کلمہ "کن" نہین جس نے سارے عالم ہستی کو پیدا کیا ہے ؟

آہ "اب" ! امید کو یاس اور یاس کو امید بنانے والی مہیب و دلچسپ "اب" تجھ مین بُری بھلی سب طرح کی باتین ہین - تو ہی مراد بر لاتی ہے - تو ہی نامراد کرتی ہے - تو ہی خوشی دیتی ہے - تو ہی رنج دیتی ہے - تو ہی ہنساتی ہے اور تو ہی رُلاتی ہے - کاش تجھے قیام ہوتا - کبھی تیرا دامن ہمارے ہاتھ مین آجاتا اور ہم ایک گھڑی کے لیے روک کے اتنا دیکھ لیتے کہ تیری صورت کیسی ہے ؟ تیرے طلسمی چہرے مین کیا بات ہے کہ اُس پر کسی کی نظر نہین ٹھہرتی ؟ اور تجھ مین کون سا جادو کوٹ کوٹ کے بھر دیا گیا ہے کہ تیری نیرنگیان سارے عالم تخلیق کو حیران کیے ہوئے ہین - تو ہمین شاہد آرزو سے ہم کنار کراتی ہے مگر مدتون تک ستا ستا کے اور ڈہکا ڈہکا کے - تو ہمین ہموم و غموم مین مبتلا کرتی ہے مگر برسون تک امید کی بھپارے دے دے کے اور خوشی کے خواب دکھا دکھا کے -

لیکن "اب" مین جب رنج و راحت کے یہ دونون متساوی اور متضاد پہلو موجود ہین تو پھر یہ ہمین اچھی اور دلچسپ کیون معلوم ہوتی ہے ؟ ہمارے دل مین اس کا اشتیاق کیون ہے ؟ اس کے شوق مین آئندہ کے تیرہ و تار عالم ظلمات کی طرف ہماری نظر کیون لگی رہتی ہے ؟ اور جب یہ آنکھ بچا کے گزر جاتی ہے تو اس کے پانے یا کم سے کم چھو لینے کی دُھن مین ہم کمال از خود رفتگی کے ساتھ گذشتہ کی قلمرو کی طرف کیون رخ کر کے کھڑے ہو جاتے ہین جدھر اگر ذرا بھی قدم بڑھایا تو کارخانۂ قدرت کے پہرے والے ڈپٹ کے کہتے ہین "تادب" ! - اگرچہ یہ شوخ اور چلبلی "اب" ایک معشوقۂ طرار کی طرح سامنے سے نکل گئی ہے مگر اصل مین یہ کوئی محبوبۂ شیرین ادا نہین کہ عشاق دلدادہ کی طرح ہمین اُس کے وصال کا انتظار ہو - یا شاعرون کے مثل اپنا ہاتھ سے کھویا ہوا دل اُس کی زلف سے چھڑانے کے لیے ہم اُس کے پیچھے دوڑین ؟ پھر آخر ہم اس کے لیے کیون بیقرار ہین ؟ کیون مستقبل کے پھاٹک کے سامنے اُس کے شوق مین آغوش شوق کھولے کھڑے ہین ؟ اور کیون اُس کے گذرتے ہی ماضی کے دروازے کی طرف حسرت سے دیکھ کے اور ر

ہاتھ مل کے رہ جاتے ہین ؟

صرف اس لیے کہ "امید" "اب" کے آغوش مین پلتی اور "اب" ہی کے ہاتھ سے ہمین ملتی ہے - وہ امید کہ جس کی نسبت لوگ کہتے ہین کہ "دنیا بامید قائم" مگر ہم کہتے ہین کہ "ہماری دنیا ہی امید ہے" بس یہی شوق ہے جو ہر حال مین اور ہر طرح کی مصیبتین جھیلنے پر بھی ہمین اس بے وفا "اب" کی طرف سے بدظن نہین ہونے دیتا - یہ "اب" ہمارے ساتھ جو چاہے کرے ہم اُس کے شیدا ہی بنے رہتے ہین اور نہین چاہتے کہ اس کے ایسے پُر امید رفیق سے ہمارا ساتھ چھوٹے -

اسی قدر نہین - ہمین نظر آرہا ہے کہ ہماری زندگی اور ہستی بھی "اب" ہی کے ساتھ ہے - ہم اُسی وقت تک ہین جب تک "اب" ہے - اور جب "اب" نہ ہوگی ہم بھی نہ ہونگے اگرچہ یہ معمہ نہین سمجھ مین آتا کہ "اب" کے اس عجلت کے ساتھ گزر جانے کے بعد ہم زندہ کیون ہین ؟ لیکن یہ سمجھ مین اگر اپنی زندگی کو "اب" سے اس قدر وابستہ دیکھ کے ہم اس بات کی کوشش کرین کہ "اب" کو روک کے اپنی عمر بڑھائین - اور اُس کے تنگ اور نہایت محدود دامن سے اپنی آرزوؤن کو زبردستی چھین لین تو ہمین معذور خیال کرنا چاہیے گو کہ غیر ممکن تھا کہ بیوفا "اب" کو وفاداری و قیام کا سبق دیا جا سکے لیکن ہماری ہوس نے یہ خیال پیدا کر لیا اگرچہ "اب" کا دامن فی الحقیقت وسیع نہ ہو سکے گا مگر ہمین تو اُس مین اپنے مذاق و مقاصد کے مطابق وسعت نظر آجائے گی -

اسی پہلو کو پیش نظر رکھ کے ہم نے زمانے کو دنون - ہفتون - مہینون - برسون - اور صدیون پر تقسیم کر لیا - اور اُن مین سے ہر ایک کو جس مین "اب" کی موہوم گھڑی واقع ہو "موجودہ" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہین - غور سے دیکھو تو اُن مین ایک نہایت ہی مختصر موہوم گھڑی تو اب ہے باقی جو کچھ ہے گزشتہ اور آیندہ کی لپیٹ مین آیا ہوا ہے - مگر چونکہ وہ مبارک گھڑی ان کے آغوش مین ہے اور ان کے سبب سے ہمین "اب" کا پُر امید دامن زیادہ وسیع اور پھیلا ہوا نظر آتا ہے اس لیے ہم ان سب کو موجودہ کے لفظ سے تعبیر کر کے اپنا دل خوش کر لیا کرتے ہین -

رخصت ہونے والا سنہ ۱۹۱۳ء بھی اُنھین برسون مین سے ہے جنھین اُن کے گزر نے کے زمانے تک ہم "موجودہ برس" یا "اب کا سال" کہتے رہے - اور اُن کے ذریعہ سے

اپنی بے ثبات زندگی کو بارہ مہینون تک کی وسعت دے لی- یا یون کہیے کہ اپنے دل کے بہلانے کو اسے ایک دھوکے کی ٹٹی بنا لیا تھا- مگر افسوس زمانے کو ہماری اتنی تسلی بھی منظور نہین- اور یہ ۱۹۱۳ء کی ٹٹی بھی ہم سے چھینی جاتی ہے-

ہم نے کیا- خود دنیا نے اپنی ساری زندگی مین کوئی ایسا سال نہ دیکھا ہو گا جو صرف بُرا یا صرف بھلا ہو- ہر برس اپنے ساتھ خوشیان بھی لاتا ہے اور رنج بھی لاتا ہے- اور اُس کے دور مین ہماری حالت ہر روز نئی ہوتی ہے- کبھی نہایت ہی مسرور و شادکام ہوتے ہین- اور کبھی بہت ہی مغموم و مبتلائے آلام- ختم سال پر پہونچ کے پیچھے کی طرف دیکھنے اور یاد کرنے سے اس بات کا فیصلہ البتہ کیا جا سکتا ہے کہ اب کی سال ہمین صدمے زیادہ پہونچے یا خوشیان زیادہ نصیب ہوئین- اور اسی پر برسون کے اچھے یا بُرے ہونے کا دار و مدار ہوا کرتا ہے-

اسی اصول کے مطابق اگر ہم اس وقت توجہ سے دیکھ کے اس قریب الختم ۱۹۱۳ء کے حالات پر غور کرین تو ماننا پڑے گا کہ بعض شکایات کی وجہ سے ہمارا جوش و خروش اس سال چاہے ہمیشہ سے بڑھ گیا ہو مگر قریب ہی کے گذرے ہوئے ماقبل برسون کے دیکھتے یہ سال اچھا تھا- ۱۹۱۲ء جب شروع ہوا ہے مشرق و مغرب کی زمینین ہنگامون سے بھری ہوئی تھین- اور دنیا نہایت ہی خطرناک حالت مین نظر آتی تھی- مشرق اقصی مین چین بغاوتون اور ہنگامون کا مرکز بنا ہوا تھا- اور مغرب مین دولت عثمانیہ کی انتہا سے زیادہ نازک حالت تھی- ۱۹۱۲ء ترکی کو اس طرح ذبح کر کے گیا تھا کہ اس اسلامی بسمل کے جان بر ہونے کی کوئی امید نہ نظر آتی تھی- جس کے غم مین مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک ساری اسلامی دنیا سوگوار تھی- اور سچ یہ ہے کہ مسلمانون کی نظر مین دنیا تیرہ و تار اور زندگی دشوار تھی- ڈر رہے تھے کہ دیکھیے یہ نیا سال کونسی آفتین اور مصیبتین اپنے ساتھ لاتا ہے-

مگر تجربے سے معلوم ہو گیا کہ ہمارے حکمرانون وائسرائون اور گورنرون کی طرح قضا و قدرت کے دربار سے برس بھی کبھی گرم بھیجے جاتے ہین اور کبھی سرد- چنانچہ اسی ۱۹۱۳ء نے تجربہ کرا دیا کہ ۱۲ء جو فساد و ہنگامے پیدا کر گیا تھا اُن کو اس ۱۹۱۳ء نے بہت کچھ رفع کیا- اس صدی کے اندر قسمت کے ہاتھ سے نفع اُٹھانا تو ٹرکی کیا معنی

شاید کسی ایشیائی مملکت کی قسمت مین نہین ہے - اور اس رستخیز مین جبکہ آفتاب نے (وہ تہذیب و علم و فضل ہی کا کیون نہ ہو) مغرب سے طلوع کیا - اور اہل مشرق کے لیے در توبہ بھی بند ہو چکا تھا ایشیا والون کو کسی فلاح کی امید رکھنا بالکل بے سود ہے مگر گر کے کے سنبھل جانا اور دست بُرد زمانہ سے بچ جانا بھی موجودہ حالات کے دیکھتے ہم اہل مشرق کے حق مین نعمت غیر مترقبہ ہے - اور یہی نعمت اس سال کی برکتون سے ٹرکی کو نصیب ہوئی - یا تو اندیشہ تھا کہ قسطنطنیہ بھی علم توحید کے نیچے سے جاتا ہے - اور سنیٹ صوفیا کے گنبد پر پھر تثلیث کی صلیب نصب ہوا چاہتی ہے - ایشیائی مقبوضات کا بچنا بھی دشوار ہے - اور حرمین کی آزادی مین بھی فرق پڑ جانے کا اندیشہ ہے - کیونکہ کامل پاشا کی وزارت ذلت کے ساتھ سلطنت کو ہاتھ سے دے رہی تھی - اور اڈریا نوپل کو اگرچہ ساری دنیا کے مسلمان نہین دینا چاہتے تھے مگر خود ٹرکی کی کیبنٹ دینے کو تیار تھی - یا تو یہ مایوسانہ حالت تھی یا یکایک چند بہادر حامیان وطن نے اُٹھ کے ایک دم مین کچھ سے کچھ کر دیا - نہ وہ ذلیل وزارت عثمانی تھی اور نہ وہ پستی و حقارت - اگرچہ بگڑی ہوئی حالت کا سنبھالنا دشوار نہ تھا مگر یہ بھی کم نہین کہ چند نوخیز بہادرون نے قومی تاریخ کی آبرو رکھ لی اور دولت عثمانیہ اُس سخت ذلت کی صلح سے بچ گئی - ابتداءً اگرچہ اڈریا نوپل کو حریف کے حملون سے نہ بچا سکے - مگر اُس پر دوبارہ قبضہ کر لیا - اور گو ملک کا بہت بڑا حصہ نکل گیا مگر اڈریانوپل کے مل جانے سے ایک بات رہ گئی -

بے شک جزیرہ نمائے بلقان مین اس سال سال گذشتہ سے زیادہ خونریزی ہوئی - اور لاکھون بندگان خدا قتل ہو گئے - مگر سچ پوچھیے تو یہ سنہ ۱۲ کی کارستانیون کا نتیجہ تھا - سنہ حال نے اول ہی سے اصلاح کی بنیاد ڈالنا شروع کی - اور اُس مین اس قدر کامیاب ہوا کہ جاتے وقت دولت عثمانیہ کو نہایت ہی امن و خاموشی کی حالت مین چھوڑے جاتا ہے - وہین نہین آج چین مین بھی امن ہے - اور اُن دونون مشرقی و مغربی دول ایشیا کو سنہ ۱۹۱۳ء موقع دیے جاتا ہے کہ اگر سچے قومی جوش اور حقیقی ایثار نفس سے کوشش کرین تو اپنے آپ کو سنبھال لے جائین - ٹرکی پر سب سے بڑا احسان اس سال کا یہ ہے کہ کامل پاشا کے ایسے ملک و ملت فروش کو اپنے ساتھ لیے جاتا ہے - جس سے بڑا خطرناک دشمن ٹرکی کے لیے کوئی نہ ہو سکتا تھا - کامل پاشا کی

موت پرٹرکی کو سنہ ۱۹۱۳ء کا نہایت ہی شکر گزار ہونا چاہیے۔ مگر اصلی شکر گزاری یہ ہے کہ ترکان آل عثمان مین پھر ایسے قومی نکمرام نہ پیدا ہون۔ ٹرکی مین ہمین جو چیز سب سے زیادہ خطرناک نظر آتی ہے وہ یہی ہے کہ اُن مین اور اُنھین پر موقوف نہین سارے ایشیا مین ایسے ایسے بہت سے کامل پاشا پیدا ہو سکتے ہین۔

مسلمانان ہند مین سنہ ۱۹۱۳ء مین کانپور کی مسجد کا ایک نہایت ہی ناگوار واقعہ پیش آگیا تھا۔ جس نے اُنھین ایک مدت تک نہایت ہی مشتعل رکھا۔ مگر اسی سال نے اس جھگڑے کو نہایت ہی کامیابی و خوش اسلوبی کے ساتھ رفع دفع بھی کر دیا۔ اور اب جاتے وقت ہمین ہر طرف سے نہایت ہی مطمئن چھوڑے جاتا ہے۔

دلگداز کے ساتھ بھی اس کا سلوک قابل شکر گزاری رہا۔ جس کی انتظامی حالت اب بفضلہ تعالی اچھی ہے۔ اور امید ہے کہ آیندہ سال مین وہ بہت نمایان ترقی کرے گا۔ ناول "حسن کا ڈاکو" جو سنہ ۱۹۱۲ء کے خریدارون کی نذر کیا گیا تھا اُس کا دوسرا حصہ بھی خریدارون کی خدمات مین پہونچ گیا اور پسند کیا گیا۔ چونکہ اس ناول سے اکثر بے حمیت والیان ملک کی اچھی تادیب ہوئی ہے اس لیے اکثر حضرات مصر ہین کہ اس ناول کا سلسلہ "اسرار دربار حرام پور" کے نام سے جاری رکھا جائے۔ مگر سردست ایسے بے حمیت ذمہ داران بنی نوع انسان کے لیے اسی قدر سزا کافی ہے۔ تاہم اپنے احباب کے اصرار سے ہم نے اُن صدہا واقعات کو جو مختلف مقامات سے روز بتائے جاتے ہین اور ہمارے پاس کثرت سے پہونچ رہے ہین ترتیب سے جمع کرنا شروع کر دیا ہے۔ اگر ضرورت پیش آئی اور مناسب معلوم ہوا تو انھین زیادہ خوبی و تفصیل کے ساتھ آیندہ شایع کرتے رہین گے۔ مگر دلگداز کے خریدارون کو آیندہ اس ناول کا کوئی جزو نہ دیا جائے گا۔ بلکہ علٰحدہ شایع ہو گا۔

سنہ ۱۹۱۴ء کے خریدارون کے لیے ایک نیا اور بہت اہم تاریخی ناول جس کا نام "رومۃ الکبریٰ" ہے زیر طبع ہے۔ اس مین تاریخ روم کے ساتھ رومیون کی معاشرت اور اُن کی وہ زوال پذیری کی حالت نہایت ہی دلچسپی کے ساتھ دکھائی گئی ہے جب رومیون نے پُرانا مذہب بت پرستی چھوڑ کے دین مسیحی اختیار کیا تھا۔ اور قوم "گوتھ" کے فرمان روا "الارق" نے رومۃ الکبریٰ کو تباہ کیا تھا۔ تاریخ روم کے شایقین اس

ناول میں رومی عہد کی جیتی جاگتی تصویریں دیکھ لیں گے - اور چودہ پندرہ صدی پیشتر کا روضۃ الکبریٰ اُن کی متحیر آنکھوں کے سامنے پیش ہو جائے گا -

اس ناول کے متعلق کوشش ہو رہی ہے کہ جنوری ۱۹۱۴ء ہی میں تیار کر لیا جائے لیکن اگر نہ ہو سکا تو فروری کے آخر تک اُس کے فی پرچہ ۱۲؍ کے وی - پی جن کے ذریعے سے ۱۹۱۴ء کی قیمت وصول کی جائے گی قدر دان و حوصلہ افزا ناظرین دلگداز کی خدمات میں حاضر ہو جائیں گے -

گنگا کنارے کا پُرانا برگد

بڑھاپے کے وقار و تمکنت سے خاموش کھڑا ہے - اگرچہ ایک بلند ٹیلے پر ہے - اور اسکی چوٹی کوسوں سے دکھائی دیتی ہے مگر اپنی عزت گزینی کے لیے اس نے ایسا خاموش اور سنسان مقام اختیار کیا ہے جہان آبادی کا کوسوں پتہ نہیں - اُس کے سائے میں ایک چھوٹی سی ویران مسجد ہے - ایک مختصر سا اُجاڑ شوالہ ہے - اور چند اور عمارتوں کے منہدم و شکستہ آثار ہیں جن کو دیکھ کے کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ آیا کسی کے رہنے کے مکان تھے ؟ خانقاہ تھے ؟ ٹھاکر دوارے تھے ؟ کیا تھے ؟ ہاں مسجد کے متصل چند پُرانی قبریں ہیں جن میں سے بعض اپنی حالت پر قائم ہیں اور بعض مٹ رہی ہیں - جس سے اندازہ ہی نہیں یقین ہو جاتا ہے کہ بہت سی مٹ بھی گئیں - لیکن اتنا اطمینان ضرور ہے کہ سیہ مستان خواب فنا کا پورا ساتھ دے کے اور اُن کی ہڈیوں تک کے گل گل کے خاک ہو جانے کے بعد مٹی ہیں -

دن کو اکثر گڑریوں کے لڑکے اپنی بھیڑ بکریوں کے ساتھ اس پُرانے گھنے درخت کے سائے میں آکے بیٹھتے - کھیلتے کودتے - اور بےفکری کے گیت گاتے ہیں - اُن کی بکریاں اور بھیڑیں ادھر اُدھر دوڑ کے چرتی - ٹیلے کے دامن پر جولانیاں دکھاتی - اور نیچے اُتر کے گنگا کے پانی سے سیراب ہوتی ہیں - اس کی ٹہنیوں پر اور بڑے بڑے پتوں کی چلمنوں میں صدہا طیور اور گلہریاں - اور ہزار ہا قسم کے حشرات الارض آرام سے چھپے بیٹھے ہیں - جو ہر صبح و شام کو اپنے مستانہ نغموں سے ساکنان گورغریباں کے

مسکنون پر نوبت بجایا کرتے ہین۔ مگر رات کا اندھیرا ہوتے ہی سب کے سب نہایت ہی خموشی و سکون کے ساتھ اپنے نشیمنون مین غائب ہوجاتے ہین اور اُس وقت شب زندہ دار اُلّو جو دن کے شور و ہنگامے سے کول کے اندر سرک کے روشنی سے بہت دُور پڑا جا کے مصروف مراقبہ ہوگیا تھا باہر نکل کے خاموش دنیا اور سنسان عالم پر نگاہ عبرت ڈالتا۔ اور اپنے حُجرے سے گردن باہر نکال کے ہو الباقی کی ضربین اور نعرے لگانا شروع کرتا ہے۔

کیا دنیا کے پردے پر اس سے زیادہ عبرت ناک منظر کوئی اور بھی ہے؟ اور یہان کی خموشی سے بڑھ کے بھی کوئی پُرمعنی اور مضمون خیز کتاب ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہین۔ اس چھوٹے اور محدود عالم مین ایک غیر محدود خلقت آباد ہے۔ جو اپنے شور و ہنگامے سے زندگی و زندہ دلی کا اور اپنے سکوت و سکون سے ہماری ہستی موہوم کی بے ثباتی و بے استقلالی کا ثبوت دیتی رہتی ہے۔

خدا جانے یہ پُرانا درخت کب سے یہان گنگا کا پوجاری بنا کھڑا ہے۔ اور عالم کی نیرنگیون کے کیسے کیسے تماشے دیکھ چکا ہے۔ طیور کا جو عالم اس پر بسا ہوا ہے خدا جانے کیا کیا انقلابات دیکھ چکا ہے۔ اس عالم مین طوفان آئے ہین۔ آندھیان چلی ہین۔ قیامتین ہوئی ہین۔ اور بڑے بڑے ہنگامے بپا ہوئے ہین۔ زندگی و موت کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ خدا جانے کتنے ایک اور کیسے کیسے خوبصورت طیور اس کی ٹہنیون مین پل کے بڑے ہوئے ہین۔ اور یک بیک کمال بے اُنسی اور بے پروائی کے ساتھ بچپن کے دوستون اور طفولیت کے رفیقون سے رخصت ہو کے چلے گئے ہین۔ یہی وہ صحرا کا درخت تو نہین جس کی پُرعبرت تاریخ کا ایک ٹکڑا نظیر اکبرآبادی نے اپنی نظم "ہنس نامہ" مین اس تمہید سے بیان کیا ہے کہ

آیا تھا کسی شہر سے اک ہنس بچارا ۔۔۔ اک پیڑ پہ صحرا کے کیا اُس نے گزارا

لیکن چاہے یہ وہی درخت ہو یا کوئی اور اس مین شک نہین کہ اس پر روزانہ ویسے ہی ہنگامے مچے رہتے ہین۔ فرق اتنا ہے کہ جو مخلوق اس نباتی عالم مین آباد ہے نہایت ہی متین و ضابطہ ہے۔ اور ہماری طرح ادنیٰ ادنیٰ سی باتون پر آپے سے باہر نہین ہوجاتی۔ یہان بھی روز ولادتین ہوتی ہین۔ اور اس دنیا مین بھی روزانہ

بازار مرگ گرم رہتا ہے - مگر ہمارے گھرون کی طرح نہ یہان ولادت پر ڈھول بجتی ہے - اور نہ موت پر شور ماتم بلند ہوتا ہے - دنیوی مسرت والم پر یہ لوگ ہم سے زیادہ فلسفیانہ نظر ڈالتے ہین - اور ہم سے بدرجہا زیادہ بے پروا ہین - وہ اپنی مخلوقیت کے راز اور "فعل الحکیم لایخلوعن الحکمۃ" کے فلسفہ کو بخوبی سمجھ گئے ہین - اور قدرت کی دست بُرد پر دم نہین مارتے - نہ کبھی کوئی کلمۂ شکایت اُن کی زبان سے نکلتا ہے - اور نہ کسی تکلیف پر اُف کرتے ہین -

لیکن جو عالم اس مرقع عبرت درخت کے اندر واقع ہے اُس سے قطع تعلق کر کے اگر اُس چھوٹے سے شہر خاموشان کے حالات پر نظر ڈالیے جو اس کے سایے مین اور اس کے آس پاس ہے تو خدا جانے کیا کیا باتین خیال مین آجاتی ہین - خود اس سے پوچھو تو کچھ نہ بیان کرے گا - کیونکہ مقدس رود گنگا کے کنارے کھڑے ہو کے یہ سوا اپنے خالق بے ہمتا کے تسبیح و تہلیل کے کوئی اور بات گناہ سمجھتا ہے - اور اپنے خالق سے باتین کرنے مین اس قدر محو اور اس درجہ مصروف ہے کہ ہماری نہین سُنتا - لیکن اس کا ہر ہر پتہ تاریخ کا ایک ورق ہے - اور اس کے دامن مین اگلے فسانون کی تصویرین نظر آرہی ہین حقیقت مین نظر جا رہی - مسجد مندر قبرین - منہدم مکان کے آثار کہہ رہے ہین کہ کبھی یہان آبادی تھی - یہ لوگ جو ان ٹوٹی قبرون مین سو رہے ہین کبھی زندہ تھے - اس درخت کے قریب رہتے اور گرد و پیش کے میدانون مین چلتے پھرتے نظر آتے تھے - مسجد مین اذان ہوتی تھی - اور شوالے مین ناقوس بجتا تھا - خدا پرستی کے دونون عنوان زندہ تھے اور ایک دوسرے سے ربط و اُنس رکھتے تھے اگرچہ مذہب و اعتقادات مین باہمی اختلاف تھا مگر نہ لڑائی تھی نہ جھگڑا جس کا اس سے زیادہ واضح ثبوت کیا ہو گا کہ دونون کی عبادت خانے جو ایک دوسرے کے جوار مین تھے اپنی اصلی حالت پر قائم ہین اور سلف کی تبرکات کی شان سے ہم تک پہونچے ہین - جو ہندو مسلمان اس پُرانے برگد کے آغوش فنا مین سو رہے ہین اپنے عہد مین ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے - اور مختلف المذہب پڑوسیون کو ستانا اُن کے اصول اخلاق سے ناجائز تھا انھین کہین دُور لیجا کے اپنا معبد بنانے کا خیال نہ تھا بلکہ چاہتے تھے کہ ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہو کے اپنے خدا کی پرستش کرین - ممکن ہے کہ آج کل کے

زہریلے اثر سے وہ بھی متاثر ہو جاتے۔ اور لڑ جھگڑ کے ایسا قانون بنواتے کہ ایک فریق کا معبد الٰہی دوسرے فریق کے معبد سے دُور ہو۔ مگر خدا نے ایسے پُر فتن زمانے کے شروع ہونے سے پہلے ہی اُنھیں اپنے پاس بُلا لیا۔ اُن کے معبد ہین۔ اور حال کے نو تعمیر معابد کی طرح معرکہ آرائی اور جنگ و پیکار کے قلعہ ہونے کے عوض خالص عبادت کدے ہین۔ اس لیے کہ اُنھین خاموش اور سنسان پڑا رہنا پسند ہے اور یہ نہین گوارا کہ جھگڑالو نمازیون اور پوجاریون کے معبد بنین۔ موجودہ سپاہیانہ منش عابدون کو بھی یہ سادے اور بے شر معبد نہین پسند ہین۔ وہ اپنے لیے نئے مذاق کے معبد بنائین گے مگر ان مین نماز گزاری کے لیے نہ جائین گے۔

آہ! اس زمانے کے لوگ چاہے اُن کی بے شرمی کی زندگی اور اُن کے صلح جوئی کے مذاق کو نہ پسند کرتے ہون مگر ہمین اُن کی اگلی بے آزار زندگی پر بھی حسد آتا ہے اور ان کی بعد مرگ کی اس خاموش زندگی پر بھی۔ خیال کرو کہ جب وہ زندہ ہون گے اور یہ مکانات آباد ہون گے تو اُن کے باہمی اُنس و محبت نے اس مبارک خطۂ زمین کو مسرت و شادمانی کا کیسا پُر لطف مامن بنا دیا ہو گا۔ یہان کے ہندو مسلمان خلوص اور صاف دلی کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ ملتے جُلتے ہون گے۔ اور کسی کا کوئی کام بغیر دوسرے کی مدد اور شرکت کے پورا نہ ہوتا ہو گا۔ اور جب دنیوی کاروبار سے فرصت ملتی ہو گی اُس وقت دونون نہایت ہی اخلاقانہ رفق و مواسنت کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا ہو کے خدا کی عبادت کے لیے اپنے اپنے معبدون مین چلے جاتے ہون گے۔ اور جس طرح طیور اس برگد کی ٹہنیون پر بیٹھ کے بقول فیضی فیاضی

مرغان سحر بہر صباحے خوانند ترا بہ اصطلاحے

اپنے جد اجد انغمون سے خدا کو یاد کرتے ہین یہ دونون گروہ اپنی اپنی وضع اور اپنے اپنے مذاق مین اُس خالق بے ہمتا کی عبادت کرتے ہون گے۔ نہ ان کی آذان اُن کو ناگوار ہوتی ہو گی اور نہ ان کا سنکھ ان کو مشتعل کرتا ہو گا۔ زندگی بھر ساتھ دینے کے بعد مرنے مین بھی دونون نے ساتھ دیا۔ اور اسی درخت کے نیچے ایک کی ہڈیان آغوش لحد کے سپرد کی گئین اور ایک کی خاک کو گنگا مائی

نے مادر مشفقہ کی طرح اپنی متبرک گود مین لے لیا۔

غرض دونون مبارک زندگیان بسر کرکے چلے گئے۔ اور جو سلامت روی کی وضع اختیار کی تھی اُسے دم واپسین تک نباہ گئے اور اپنی باقیات الصالحات کے ذریعے سے آج تک نباہ رہے ہین۔ افسوس ہے تو اس بات کا کہ ہم اور ہمارے زمانے والے نہ اُن کی مبارک زندگیون سے سبق لیتے ہین اور نہ اُن کی قبرون پر جا کے دو آنسو بہاتے اور فاتحے کو ہاتھ اُٹھاتے ہین۔

مسجد ایاصوفیہ

قلاودیُوس والیریُوس نے جو تاریخ مین قسطنطین اعظم کے نام سے مشہور ہے جب اپنے حریف اور شریک سلطنت لی قی نُوس کو ۳۲۳ء مین یعنی ولادت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ۲۲۴ برس پیشتر شکست دے کے قتل کیا۔ اور بلا شرکت غیرے قیصر روم قرار پا کے رومۃ الکبریٰ مین داخل ہوا تو اہل روم جو بت پرست تھے اور اپنے شہر کی پوجا کیا کرتے تھے قسطنطین کے جھنڈون اور ہر قون پر بجائے عقاب کے صلیب کو اور اُس کے ہاتھ مین بعوض سپٹر (عصائے شاہی) کے ایک صلیبی چھڑی کو دیکھ کے اس قدر برافروختہ ہوئے کہ نہ سچے دل سے اُس کا استقبال کیا اور نہ اُس کی مشایعت مین ویسی گرمجوشی دکھائی جیسی کہ قیاصرہ کے داخلے کے وقت ظاہر کیا کرتے تھے۔ اہل روم کے اس سلوک نے قسطنطین کو خود رومۃ الکبریٰ کا دشمن بنا دیا۔ اور وہ اس فکر مین ہوا کہ اپنا دارالسلطنت رومہ کے علاوہ کسی اور شہر کو قرار دے۔

قسطنطین نے اپنی کامیابیون مین ہمیشہ الہامی دعوون سے کام لیا تھا۔ اپنے حریف لی قی نیوس کے مقابل صف آرا ہوتے وقت اُس نے اپنی فوجی قوت کو ضعیف اور حریف کے لشکر کو زبردست پا کے اور یہ دیکھ کے کہ لی قی نیوس اور رومیون کے جانی دشمن عیسائی ہین جن پر طرح طرح کے ظلم ہو رہے تھے اپنی روحانی آنکھون سے آسمان پر نورانی صلیب دیکھی تھی۔ اور اُسی رات خواب دیکھا تھا کہ

حضرت مسیح نے باوجود اس کے کہ وہ عیسائی نہ تھا اُسے ایک صلیبی جھنڈا دیا اور فرمایا کہ "جا اس جھنڈے کو لے کے اپنے دشمنون سے مقابلہ کر۔ جس کا یہ اثر تھا کہ سارے عیسائی اُس حضرت عیسیٰ کے دیے ہوے جھنڈے کے نیچے کٹنے مرنے کو تیار ہو گئے۔ اب اس موقع پر اُس نے رومتہ الکبریٰ کی عداوت مین دوسرا یہ خواب دیکھا کہ خدا اُس سے کہتا ہے کہ "جا اور بیزان طیوم کو اپنا دارالسلطنت قرار دے کے ازسرنو آباد کر۔"

بیزان طیوم جس سے موجودہ قسطنطنیہ مراد ہے ایک پُرانا شہر تھا جو لوگون کے لیے ایشیا سے یورپ مین اور یورپ سے ایشیا مین آنے کی پُرانی گزرگاہ تھا اور برّی و بحری دونون حیثیتون سے نہایت عمدہ موقع پر واقع تھا۔ قسطنطین نے اُسے آ کے دیکھا تو اُجاڑ اور ویران پایا۔ فوراً اپنا خواب پورا کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اُس کی تعمیر شروع کر دی۔ اور تکمیل مین اس سرگرمی سے متوجہ ہوا کہ خلاف امید چند ہی روز مین ہر طرف صدہا نئی عالیشان عمارتین بنا کے کھڑی کر دین اور تیاری کے بعد "نیاروم" نام رکھ کے اُسے اپنا دارالسلطنت قرار دیا۔ مگر زمانے کے دربار نے اُس کے مجوزہ نام کو نامنظور کر کے "قونس طان طینو پولی" نام رکھ دیا جسے بگاڑ کے انگریزون نے کانسٹن ٹی نوپل اور عربون نے قسطنطنیہ کر دیا۔

ان دِنون مغربی شہرون کا زیور بت خانے اور دیوی دیوتاؤن کے مندر اور استھان سمجھے جاتے تھے اس لیے قسطنطین اعظم نے بھی اگرچہ مسیحیون کی طرف بے انتہا رجحان رکھتا تھا اپنے اس نئے شہر کی رونق بڑھانے کے لیے بجائے اس کے کہ اُس مین کوئی گرجا تعمیر کرائے جا بجا کئی ایک عالیشان مندر بنوائے۔ جن مین دیویون کی مورتین رکھوائین اور کئی معبد غیر مجسم روحانی قوی کے نام سے بھی تعمیر کرائے جن مین سے ایک یہی مسجد ایا صوفیہ تھی جسے اُس نے بڑے اہتمام سے بنوا کے دانائی کی روحانی دیوی "صوفیا" کے نام نذر کر دیا تھا۔

قسطنطین اعظم کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُس نے مرتے وقت مسیحیت کا بپتسما لے لیا تھا۔ لیکن اُس کے مذہب کی نسبت بہت سوچ سمجھ کے اور اُس کی حالات پر غور کر کے کوئی رائے قائم کرنی چاہیے۔ اُس کے حالات اور اُس کے طبعی رجحان سے معلوم

ہوتا ہے کہ اُس کا پولیٹیکل مذہب مسیحیت ضرور تھا - اور مرتے وقت ہی نہین شروع ہی سے اُس نے مسیحیون کی طرفداری اور مسیحیت کی حمایت کی پالسی اختیار کر لی تھی - جس کے نیتجے مین وہ اپنے تمام حریفون کو پامال کرکے ساری مغربی دنیا کا شہنشاہ بن گیا - اور مسیحیون کا اُس پر یہ ایسا احسان تھا کہ اس کے معاوضے مین اُس نے اُن کو قوت دی - ہر جگہ اُنھین تبلیغ دین اور آزادی کے ساتھ اپنا مذہب پھیلانے کا موقع دے دیا - اُن مین مہلک مذہبی اختلافات دیکھ کے نیقیہ کی کونسل شاہانہ تزک و احتشام سے منعقد کرا کے مسیحیت کو ایک مضبوط اور باقاعدہ مذہب بنا دیا - اور وہ "نیقین کریڈ" عقائد نیقوی یدوّن کرا دیئے جو آج تک کیتھولک مسیحیت کے معتقد علیہ ہین - مگر یہ جو کچھ ہوا قسطنطین اعظم کی خوش اعتقادی یا دینی سرگرمی کے تقاضے سے نہین بلکہ سب مسیحیون کے احسانات کا بدلہ تھا -

سچ پوچھیے تو اپنی ذات سے وہ پُرانے عقائد کا بُت پرست ہی تھا جس مذہب کے ذریعے سے وہ سکندر اعظم اور دیگر قیاصرۂ سلف کی طرح اپنے آپ کو انسانیت کے درجے سے اوپر چڑھا کے ایک آسمانی دیوتا بنانا چاہتا تھا - چنانچہ باوجودیکہ وہ مسیح کی صلیب لے کے لڑنے کو چلا تھا - اور باوجودیکہ مسیح ہی کے حکم سے اُس نے اپنے نئے شہر قسطنطنیہ کو آباد کیا تھا مگر اُس مین جتنی مذہبی عمارتین تعمیر کرائین سب بُت پرستون کے مذاق کی تھین - اور سب سے زیادہ لطف کی یہ بات کی کہ ایک مینار پر یونانیون کے مہادیو "اپالو" کی ایک مورت اس ترمیم کے ساتھ قائم کرائی کہ سارا دھڑ تو اپالو کا تھا مگر اُس پر چہرہ اپنا لگا دیا - اور دیوتاؤن کے چہرون کے گرد تصویرون مین جو روشنی کی کرنین جھلکائی جاتی ہین اُن کی جگہ تین طرف صرف تین کرنین دکھا کے نُور کی ایک صلیب بنوا دی -

یہی اوصاف بتا رہا ہے کہ قسطنطین بہ خلاف دین مسیحی اختیار کرنے کے خود دیوتا بننا چاہتا تھا - اس کوشش مین اُس نے بت پرستی اور مسیحیت کو ایک مین ملا دیا - اور اُس مذہبی معجون مرکب کا مہادیو خود بنا - جس دھوکے مین پڑ کے عیسائی بے تکلف اُس کی پرستش بھی کرنے لگے تھے - الغرض قسطنطین کے دم واپسین تک قسطنطنیہ مین کوئی کنیسہ موجود نہ تھا - اور سینٹ صوفیا کی عمارت اصل مین ایک غیر متشکل

دیوی کا مندر تھی۔ مگر اس کے بعد جب اُس کی اولاد عقیدۃً عیسائی ہو گئی۔ اور تھیوڈوسیوس قیصر کے زمانے مین دولت روم کا مذہب مسیحیت قرار پائی۔ اور تمام بتکدے منہدم کر دیے گئے تو اس عالیشان مندر پر یہ بڑا احسان کیا گیا کہ بجائے کھود کے مٹا دینے کے وہ مسیحیون کا ایک کنیسۂ اعظم بنا لیا گیا۔

تھیوڈوسیوس کے بعد جب اُس کے بیٹون کی باہمی نزاع کی وجہ سے مشرقی و مغربی سلطنت ہاے روم جدا جدا قائم ہوئین اور ۳۹۵ء عیسوی مین ارقادیوس پہلا مشرقی شہنشاہ قرار پایا تو رومۃ الکبریٰ اور قسطنطنیہ مین پوری پوری رقابت شروع ہو گئی۔ اور اگرچہ ابھی تک یونانی کلیسا پوپ کی حکومت سے خارج نہین ہوا تھا مگر قسطنطنیہ کے مقتداے اعظم کو پوپ ہی کے قریب قریب مرتبہ دے دیا گیا۔ اور کنیسہ سینٹ صوفیا چونکہ اس مشرقی مقتداے دین کا دار القرار تھا۔ اس لیے اُسے بھی قریب قریب وہی عظمت حاصل ہو گئی جو روما کے گرجون لاطران وغیرہ کو حاصل تھی۔

اب سینٹ صوفیا کے جوار مین راہبون اور محترم اچھوتیون (ننون) کی خانقاہین تھین۔ دولت و حکومت نے ان مرتاض و تارک الدنیا بزرگون کو چند ہی روز مین ایسا غارت کر دیا کہ اُن کی فتنہ پردازیون کی بدولت سینٹ صوفیا نہایت ہی ناپاک سازشون کا مرکز بن گیا۔ اور کوئی دن کم گزرتا تھا جب اُن اچھوتیون کے کسی عنوان سے چھوت ہو جانے اور اُن کی بدکاریون کے طشت از بام ہونے کا کوئی نیا واقعہ نہ سُنا جاتا ہو۔ ان سازشون اور بے شرمیون کے دُور کرنے کے لیے شہنشاہ نے ۳۹۷ء مین انطاکیہ کے اسقف اعظم یوحنا کری سوسٹوم کو جس کا وعظ کسی سفر مین سُن کے وہ بہت متاثر ہوا تھا نہایت ہی رازداری کے ساتھ انطاکیہ سے بلوایا اور قسطنطنیہ کا مقتداے اعظم مقرر کر دیا۔ یہ شخص حقیقت مین نہایت ہی نیک نفس و پاک باطن تھا۔ ریاکاری نام کو نہ تھی۔ مذہب کے آگے کسی کی کچھ پروا نہ کرتا تھا۔ اور سینٹ صوفیا کے ممبر پر کھڑے ہو کے نہایت ہی آزادی سے ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر نکتہ چینی کرتا۔ عام رعایا اور تمام مسیحی اُس کی حد سے زیادہ معتقد تھے۔ اور اُس کے نام پر جان فدا کرنے کو تیار رہتے۔ مگر اُس نے آتے ہی ننون کی بدکرداری پر سخت حملے کیے۔ اور

راہبون کی سازشون کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام مسیحیون مین تو اُس کی قدر اور زیادہ ہو گئی مگر مقتدایان ملت دل مین اُس سے عناد رکھنے لگے۔ آخر اُنھون نے اندر ہی اندر سازش کر کے ایک طرف شہنشاہ بیگم قسطنطنیہ ملکۂ یُودوکسیا کو اُس کے خلاف کر دیا۔ اور دوسری طرف سکندریہ کے اسقف تھیوفیلوس نے اُس پر بہت سے مذہبی الزام عائد کیے۔ پھر اس کے بعد یہ کارستانی کی گئی کہ اسکندریہ کے اسقف اور راہب ایک جہاز پر آئے۔ ایک کونسل منعقد کی۔ مقتدائے اعظم قسطنطنیہ یوحنا کری سوسٹوم کو ملزم قرار دے کے اُس کی جلا وطنی کا حکم جاری کیا۔ اور ملکہ کے ایک ملازم افسر نے فوراً غریب کری سوسٹوم کو گرفتار کر کے چپ چپاتے شہر بثینہ مین پہونچا دیا۔ لیکن دوسرے مقتدا کے منتخب ہونے سے پہلے ہی رعایا کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو سب لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اسکندریہ سے آئے ہوے راہبون کو قسطنطنیہ کی سڑکون پر ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے اور چُن چُن کے قتل کر ڈالا۔ اور ملکۂ یودوکسیا کو ہنگامہ آرائون کے سامنے خوشامد اور لجاجت سے التجا کرنی پڑی کہ جس قدر جلد ممکن ہو یوحنا کری سوسٹوم کو بُلوائیے تاکہ شہر مین امن و امان قائم ہو۔ چنانچہ کری سوسٹوم پھر اپنی مقدس خدمت پر بڑے شان و شکوہ سے بُلوایا گیا۔ اُس کے داخلے مین شاہی جلوس کی شان تھی۔ اور اُس کے آنے کی خوشی مین شہر مین روشنی کی گئی۔

اتفاقاً ملکہ نے اپنی ایک مورت بنوا کے سنیٹ صوفیا کے قریب نصب کرانی چاہی۔ اس سے یوحنا نے اختلاف کیا۔ اور جب ملکہ کی طرف سے اس پر اصرار ہوا تو اُس نے آزادی کے ساتھ سنیٹ صوفیا کے ممبر پر کھڑے ہو کے یہ سخت ترین الفاظ کہے "ہیروڈیا پھر قہر آلود ہے۔ ہیروڈیا پھر ناچ رہی ہے۔ اور پھر یوحنا کا سر مانگتی ہے" ع۵

ع۵ یہ انجیل کی تاریخ کے ایک ہولناک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ ارض جلیل کے یہودی بادشاہ ہیرود انٹی پاس کے سامنے ہیروڈیا نام اُسی کے خاندان کی ایک لڑکی ناچی۔ اور ناچ کے اُسے اپنا فریفتہ کیا۔ اور جب وہ بے اختیار اُس پر شیدا ہو گیا تو اپنے وصال کے لیے یہ شرط پیش کی کہ حضرت عیسیٰ کے بپتسماد دینے والے پیشرو یوحنا کا سر کاٹ کے اُسے دیا جائے۔ جس کی فوراً تعمیل ہوئی۔ یہان کری سوسٹوم کی مراد ہیروڈیا سے ملکۂ یودوکسیا اور یوحنا سے خود آپ ہے۔

آخر چند روز کے بعد ملکہ نے پورا بندوبست کر کے اور شہر والون کی روک تھام کر کے راہبون کی مدد سے یوحنا کرسی سوسٹوم کو جلاوطن کرایا - اور اب کی جلاوطنی مین وہ اتنی دُور بھیجا گیا کہ سفر و غربت ہی مین جان دی - اس مرتبہ اُسے دوبارہ قسطنطنیہ آنا نہین نصیب ہوا بلکہ اُس کے مرنے کے تیس برس بعد اُس کی ہڈیان لا کے قسطنطنیہ مین دفن کی گئین - اس کی نیک نفسی اور اُس کے علم و فضل کا سب نے اقرار کیا - اور رومن کیتھولک اور کلیسیاے یونان دونون آج تک اُس کی یاد مین ایک مبارک دن منایا کرتے ہین -

جب یوحنا کرسی سوسٹوم کی پہلی جلاوطنی کے وقت پانچوین صدی کے دوسرے ہی تیسرے برس شہر مین ہنگامہ برپا ہوا ہے تو بلوائیون نے دوسری مسیحی عمارتون کے ساتھ سنیٹ صوفیا مین بھی آگ لگا دی تھی - جس سے اُسے بہت نقصان پہونچا - لیکن غالباً اُسی زمانے مین اُس کی مرمت کر دی گئی - اور وہ نقصان زیادہ نہین محسوس کیا گیا - لیکن اُس کے سوا سو برس بعد عہد جسٹی نین ۵۳۲ء مین یعنی حضرت رسول آخر الزمان علیہ السلام کی ولادت سے اُنتالیس برس پیشتر قسطنطنیہ مین نیلے بانے والون اور سبز بانے والون کی وجہ سے ایسا عظیم الشان ہنگامہ ہوا اور اس بے رحمی سے ہر عمارت مین آگ لگائی گئی کہ سارا شہر جل کے خاک ہو گیا - اور سنیٹ صوفیا کی مہتم بالشان عمارت بھی اس بلوے مین بالکل منہدم و برباد ہو گئی - اس بلوے کے وقت تو شہنشاہ جسٹی نین کو خود اپنی جان کے لالے پڑے تھے - مگر بلوے کے فرو ہونے کے بعد جب اُس کے حواس درست ہوئے اور عیسائیون نے آ کے اپنی مذہبی بے حرمتی کا حال بیان کیا تو شہنشاہ نے اُنھین تسلی دی - اور مضبوط وعدہ کیا کہ سنیٹ صوفیا کو مین بہت جلد بنوا دون گا - چنانچہ اُس مشہور ہنگامے کے چالیس ہی روز بعد جسٹی نین نہایت ہی خوش عقیدگی سے سنیٹ صوفیا کی تعمیر مین مصروف ہوا - جس مین اُس کی مذہبی ارادت کو شاہانہ غرور روز بروز زیادہ اُبھارتا رہتا تھا - انتھے میوس مہندس نے نقشہ تیار کیا جسے سب نے نہایت پسند کیا - اب پہلے سے بہت زیادہ رقبۂ اراضی اُس کے حدود مین داخل کر دیا گیا - قرب و جوار کے مکانات شہنشاہ نے بڑی سیر چشمی کے ساتھ خاطر خواہ معاوضہ دے دے

سکے لیے اور گرجے مین شامل کرلئے - جب پورا رقبہ مشخص ہو چکا - تو پُرانے منہدم کھنڈر کو کھود کے اور ملبہ ہٹا کے زمین برابر کی گئی - اور ایک ساتھ دس ہزار کاریگر کام مین لگائے گئے - جن کو روز بلاناغہ شام کے وقت غروب آفتاب سے پہلے چاندی کے سکّون مین اُجرت مل جاتی - خود جسٹی نین ہر وقت نگرانی مین لگا رہتا - اور جب دیکھیے ایک سادہ سوتی ڈھیلا ڈھالا کوٹ پہنے ہوئے کام کو ادھر اُدھر دیکھتا پھرتا - اور انعام دے دے کے کاریگرون کی حوصلہ افزائی کرتا -

اس اہتمام سے پانچ سال گیارہ مہینے اور دس دن مین یہ عالی شان گرجا بن کے تیار ہوا - اور بڑے ہی دھوم دھام اور نہایت ہی تزک و احتشام سے اُس کا افتتاح کیا گیا - اور جسٹی نین اس عمارت کی خوشنمائی اور شانداری کو دیکھ کے اس قدر آپے سے باہر ہو گیا تھا کہ افتتاح کے موقع پر عُجب و نخوت کے یہ کلمات اُس کی زبان سے نکلے "عظمت و جبروت والا ہے وہ خدا جس نے مجھے ایسے بڑے کام کی توفیق دی اور اس کا اہل جانا - اور اب اے سلیمان مین نے تیری عظمت مٹا دی!" جسٹی نین کا اس موقع پر حضرت سلیمان پر حملہ کرنا کسی کو پسند نہ آ سکتا تھا - اور اگر سچ پوچھیے تو جسٹی نین کے اس کام کو چاہے وہ کتنا ہی بڑا ہو حضرت سلیمان کے کام سے کوئی نسبت نہین ہو سکتی - نہ یہان وہ سلیمان علیہ السلام کی سی پیغمبرانہ پاک نفسی تھی اور نہ اتنا اہتمام ہی کیا جا سکتا تھا جتنا کہ حضرت سلیمان نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر مین کیا تھا -

خدا کو بھی جسٹی نین کا یہ دعوی پسند نہین آیا - اور تعمیر کو پورے بیس برس نہ گزرے ہون گے کہ آسمان سے بجلی گری اور سنیٹ صوفیا کے عظیم الشان گنبد کا مشرقی حصہ ٹوٹ گیا - جسٹی نین اب تک برسر حکومت تھا گنبد کے ٹوٹنے سے اُس کے دل کو صدمہ ہوا مگر اُسی پہلی ستعدی سے پھر اُس کی اصلاح اور مرمت مین مصروف ہو گیا - اور اُس کے زمانۂ حکومت مین جس کی وسعت ۳۶ سال کی تھی سنیٹ صوفیا کا بڑے کروفر سے دوبارا افتتاح ہوا - مگر جسٹی نین کا غرور توڑنے کے بعد خدا نے اُس کی حفاظت کی - یہان تک کہ قسطنطین اعظم کی بنیاد کے ۱۱۲۹ برس اور جسٹی نین کی تعمیر اولی کے ۹۲۱ برس بعد آل عثمان کے نامور اعظم سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے سنیٹ صوفیا کو مسجد جامع ایا صوفیہ بنا دیا -

اس درمیان مین اس گرجے کو مسیحی دنیا مین بہت اہمیت حاصل رہی تھی - اور جب

کلیسائے یونان کلیسائے روم سے الگ اور پوپ کی غلامی سے آزاد ہوا تو یہی معبد اعظم یونانی کلیسا کا مرکز قرار پا گیا تھا - اور یہان کا اسقف اعظم ساری یونانی العقیدہ مسیحیون کا سب سے بڑا مقتدا تسلیم کیا جاتا تھا - اس خوش سری کے زمانے مین جبکہ سنیٹ صوفیا یونانی عیسائیون اور اُن کے ساتھ روسیون اور تمام شمالی نصرانیون کا قبلہ بنا ہوا تھا - اُس نے بہت ہی غیر معمولی عظمت و وقعت حاصل کی - اور اُس کے حلقے مین گویا ایک شہر بسا ہوا تھا - جس مین ہر قسم کی خانقاہون مدرسون اور عدالت گاہون کے علاوہ بازار بھی تھے - اور شان و شوکت مین اُس کا مقابل شاید دنیا کا کوئی اور معبد نہ ہوگا - کیونکہ اب مشرقی سلطنت روم کو جو جاہ و حشمت حاصل تھی خود رومۃ الکبریٰ کی حکومت کو نہین نصیب تھی -

مسلمانون کے قبضے مین آنے سے پیشتر اس کا حال ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے مین بیان کیا ہے - وہ جب پھرتے پھراتے سلطان محمد اوزبک خان کی قلمرو مین پہونچا جو کریمیا اور بحر اسود کے شمالی سواحل (موجودہ قلمرو روس) پر واقع تھی تو اس سلطان کے چار محل پائے اور وہ چارون ملکائین پردے کا رواج نہ ہونے کی وجہ سے علانیہ دربار کیا کرتی تھین - اُنھین ملکاؤن مین ایک یونانی فرمان روائے قسطنطنیہ کی بیٹی تھی جس کا نام وہ "بیلون" بتاتا ہے - یہ مسیحیہ شاہزادی اُس سے بہت مانوس ہو گئی - اُس نے ابن بطوطہ کو دنیا کا ایک غیر معمولی سیاح و جہان گرد اور سیر و سفر کا شائق دیکھ کے اپنے وطن قسطنطنیہ کی سیر کا شوق دلایا - اور جب مان باپ سے ملنے کے لیے اپنے میکے مین گئی تو اُسے اپنے ہمراہ لیتی گئی - یون ابن بطوطہ کو قسطنطنیہ جانے کا شوق ہوا - ورنہ سوا اسلامی ممالک کے کسی غیر مذہب حکومت مین وہ کم جاتا تھا -

غرض اسی شاہزادی "بیلون" کے ہمراہ رکاب وہ بلغاریہ ہوتا ہوا قسطنطنیہ پہونچا - شہنشاہ قسطنطنیہ یعنی ملکہ "بیلون" کے باپ کا نام وہ شاہ "تکفور" بتاتا ہے اور لکھتا ہے کہ اس بادشاہ کا باپ جرجیس ابھی زندہ موجود تھا مگر بیٹے کو تخت سلطنت پر بٹھا کے تارک الدنیا ہو گیا تھا - آج ہی کل کے مثل اُس زمانے مین بھی وہ قسطنطنیہ کے دو حصہ بتاتا ہے - ایک باسفورس (جس کا نام اُن دنون وہ

دو اسبی" لکھا ہے) کے مشرق جانب ہے جو اسطنبول کہلاتا ہے- اور دوسرا باسفورس کے بائین یعنی مغربی جانب جس کا نام اُن دنون بھی "غلطہ" تھا- اسطنبول مین شاہی محل تھا اور خاص اہل شہر اور درباریون کا مسکن تھا- اور غلطہ مین دیگر ممالک فرنگ کے لوگ جنوا والے- فرانسیسی- فرنگی- رومی وغیرہ آباد تھے جیسا آج کل بھی ہے-

سنیٹ صوفیا کی نسبت اُس کا یہ بیان ہے کہ "ہم نے صرف اس گرجے کو باہر سے دیکھا- اندر نہین دیکھ سکے- اس کا نام ایا صوفیا ہے- لوگ کہتے ہین کہ یہ عمارت آصف بن برخیا کی بنائی ہوئی ہے جو حضرت سلیمان کے خالہ زاد بھائی تھے- یہ کنیسہ ممالکت روم کے تمام کنیسون سے بڑا ہے- اُس کے گرد اگرد ایک دیوار احاطہ کیے ہوئے ہے- جس کی وجہ سے بجائے خود ایک شہر معلوم ہوتا ہے- اُس چاردیواری مین داخل ہونے کے لیے تیرہ پھاٹک ہین- اور اُس کے اندر خاص حرم کا جو حصہ ہے وہ ایک میل کے پھیلاؤ مین ہے- اور اُس مین ایک عظیم الشان پھاٹک لگا ہوا ہے- جس مین جانے سے کسی کو روک ٹوک نہین کی جاتی- خود بادشاہ کے تارک الدنیا باپ کے ساتھ مین اُس پھاٹک مین داخل ہوا- اس پھاٹک کے اندر ایک ڈیوڑھی سی ہے جس کے اندر صحن مین سنگ مرمر کا فرش ہے اُس فرش کے بیچ مین ایک نہر گذرتی ہے جو کنیسہ کے اندر سے نکل کے آئی ہے اور اس کے دونون جانب سنگ مرمر کی ایک گز اونچی منڈیر چلی گئی ہے- جس مین طرح طرح کے نقش و نگار بنے ہوئے ہین- اور اُس منڈیر کے برابر دونون جانب ترتیب وار درخت چلے گئے ہین- خاص گرجے کے دروازے سے اس بیرونی پھاٹک تک انگور کی تاکین خوشنمائی کے ساتھ پھیلی ہوئی ہین- اور اُن کے نیچے نیچے زمین پر چنبیلی اور دوسری قسم کے خوشبودار پھولون کے درختون سے چمن بندی کی گئی ہے- ڈیوڑھی سے نکلتے ہی ایک خوبصورت چوبی بنگلہ سا ملتا ہے جس مین لکڑی کی بنچین ہین- اور اُن پر دربان اور ڈیوڑھی کے خدام بیٹھے رہا کرتے ہین- اُس بنگلے کے داہنی جانب کمرے اور کوٹھریان ہین جو زیادہ تر لکڑی کی بنی ہوئی ہین- اُن پر قسطنطنیہ کے قاضی اور اہل دفتر بیٹھ کے اپنا کام کرتے ہین- اور اُن کوٹھریون اور کمرون کے درمیان مین بھی ایک چوبی بنگلہ ہے جس مین کئی زینے چڑھ کے انسان جا سکتا ہے- اُس مین ایک کرسی ہے

جس پر غلاف پڑا ہوا ہے۔ اُس پر یہان کا سب سے بڑا قاضی بیٹھ کے اجلاس کرتا ہے۔ یہ سب تو اُس بڑے بنگلے کے داہنی جانب تھا۔ اُس کے بائین طرف عطارون کا بازار ہے اور وہ نہر نما حوض جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے تقسیم ہو کے دونون جانب بڑھ جاتی ہے۔ ایک حصہ قاضیون کے اجلاس کی طرف پھیلا ہوا ہے اور دوسرا عطارون کے بازار کی طرف۔ کنیسے کے گرد کے صحن کا یہ منظر دیکھ کے جب انسان اُس کے خاص اندرونی دروازے پر آتا ہے تو اُسے وہان متعدد بُرج نظر آتے ہین جن مین خدام کنیسہ بیٹھے رہتے ہین جو اندر باہر سب جگہ جھاڑو دیتے ہین۔ شام کو چراغ روشن کرتے ہین۔ اور رات کو سب پھاٹک بند کرتے ہین۔ اور کسی شخص کو جب تک وہ صلیب اعظم کے سامنے جو یہان قائم ہے سجدہ نہ کرلے کنیسہ کے اندر قدم نہین رکھنے دیتے۔ اس صلیب کی نسبت ان لوگون کا عقیدہ ہے کہ جس شہتیر پر حضرت مسیح کی صورت کا بنجانے والا شخص مصلوب کیا گیا تھا اُسی کے ایک ٹکڑے سے یہ بنی ہے۔ یہ کنیسہ کے دروازے پر نصب ہے۔ دس دس گز کے لمبے دو سونے کے خول ہین جن مین اصلی صلیب کی لکڑی اُتار دی گئی ہے۔ اور وہی دونون خول صلیبی وضع سے ایک دوسرے سے وابستہ کر دیے گئے ہین۔ اس دروازے کی دیوار اور محراب مین سونے چاندی کے پتر جڑے ہوئے ہین۔ اور اس کی دونون زنجیرین بھی خالص سونے کی ہین۔

مجھ سے بیان کیا گیا کہ اس کنیسہ مین ہزارون کی تعداد مین راہب اور اسقف رہتے ہین جن مین سے بعض خاص حواریین حضرت مسیح علیہ السلام کی نسل سے ہین۔ اور اسی احاطہ کے اندر ایک کنیسہ عورتون کے لیے مخصوص ہے جس مین ہزارون دنیا ترک کرنے والی عابدہ و زاہدہ کنواریان (اچھوتیان) رہتی ہین۔ اور جو دوسری عورتین دنیا ترک کرکے زہد و تقوی کے جوش مین یہان آکے گوشہ گزین ہو گئی ہین اُن کی تعداد اُن اچھوتیون سے بھی زیادہ ہے۔

بادشاہ اور اُس کے تمام اہل دربار اور تمام اہل شہر کا معمول ہے کہ ہر روز صبح کو اس کنیسے کی زیارت کے لیے آیا کرتے ہین۔ اور سال مین ایک بار خود پوپ روم اس کی زیارت کو آتا ہے۔ بادشاہ شہر سے باہر چار میل جا کے اُس کا استقبال کرتا ہے سامنا ہوتے ہی ادب سے پاپیادہ ہو جاتا ہے۔ شہر کے اندر اُس کی سواری کے

آگے آگے پیدل چلتا ہے۔ اور جب تک قسطنطنیہ مین اُس کا قیام رہے روز بلا ناغہ صبح شام کو اُس کے سلام کو حاضر ہوتا ہے۔

ابن بطوطہ اس کنیسے کے اندر کے حالات نہین دیکھ سکا جس کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ تارک الدنیا بادشاہ سابق کے ساتھ کنیسے کے اندر جانے لگا تو اُن راہبون نے جو دربانی کی خدمت بجا لا رہے تھے روکا اور بادشاہ نے ترجمان کے ذریعے سے اُسے بتایا کہ یہان معمول ہے کہ جب تک کوئی صلیب کا سجدہ نہ کرے اندر نہین جانے پاتا۔ اور اس قاعدے کی اس سختی سے پابندی کی جاتی ہے کہ مین بغیر اس کے آپ کے اندر لے جانے سے معذور ہون۔ ابن بطوطہ نے شرک کو گوارا نہ کیا۔ اور صاف کہہ دیا کہ اگر ماسوا اللہ کا سجدہ کیے بغیر کوئی اندر نہین جا سکتا تو مین اس کی سیر سے باز آیا۔

ابن بطوطہ آگے بڑھ کے بتاتا ہے کہ ایا صوفیہ کے احاطے کے اندر بہت سے مانسٹار (مانسٹریان) یعنی خانقاہین ہین۔ اور ہر ایک کے متعلق علحدہ عبادت خانہ ہے۔ زنانی اور مردانی دو خانقاہین پھاٹک مین داخل ہوتے ہی ملتی ہین جن مین نہرین جا رہی ہین۔ اُن کے علاوہ بائین طرف ایک اندھون کی اور ایک مسلوب الحواس بوڑھون کی خانقاہ ہے جس کے گرد اُن لوگون کے رہنے کے حجرے ہین۔ مجھے یہان ایک ایسی خانقاہ ملی جس مین شاہی خاندانون کی پانسو کے قریب خوبصورت باکرہ شاہزادیان تھین۔ اور ایک دوسری خانقاہ ہین اس کے قریب وزیرون اور امیرون کی کنواری بیٹیان تھین۔ جو موٹے جھوٹے کپڑے پہنے تھین۔ اور راہبانہ زندگی بسر کرتی تھین۔ اُن کے حلقون مین بیٹھ کے خوبصورت لڑکے ایسی خوش گلوئی سے انجیل پڑھتے ہین کہ سُننے سے دل پر بڑا اثر پڑتا ہے۔

الغرض سنہ ۱۴۵۳ء تک اس کنیسے کی یہی حالت رہی۔ اور مسیحی فرمان روایان قسطنطنیہ اُسے روز افزون ترقی دیتے رہے یہان تک کہ سنہ مذکور مین سلطان فاتح محمد ثانی نے قسطنطنیہ کو فتح کر کے توحید کے زیر علم کیا۔ اُس وقت سینٹ صوفیا کے کلسون پر سے صلیب اُتار دی گئی اور اُس کی جگہ ترکون کا نشان ہلال قائم کیا گیا۔ سلطان محمد شہر مین داخل ہوتے ہی پھرتا پھراتا جب سینٹ صوفیا کے صدر دروازے پر پہونچا تو گھوڑے سے اُتر پڑا۔ اندر داخل ہو کے اُس کی حالت دیکھی اور ساتھ والون سے کہا اگر مال غنیمت مجاہد

سپاہیون کے لیے ہے تو شہر کی عمارتین بادشاہ کی ہین - اور اسی حق اور اختیار کی رُو سے مین اس معبد کو خدای واحد ذو الجلال کی مسجد قرار دیتا ہون -

یہ کہہ کے سلطان چلا گیا - اور اُسی وقت سے اُس کے حکم کی تعمیل شروع ہو گئی - مشرکانہ عبادت کے آلات و ظروف سمیٹ کے باہر کیے گئے - صلیبین اُکھاڑ کے دُور کی گئین - مورتین توڑ کے باہر پھینک دی گئین - دیوارون پر جو تصویرین اور صلیبین بنی تھین مٹا دی گئین - اور ساری عمارت دھو دُھلا کے اور پاک و صاف کر کے خدائے وحدہ لاشریک کا ایک سادہ عبادت خانہ بنا دی گئی - بعد والے جمعہ کو موذن نے اونچے مینار پر چڑھ کے نعرۂ اللہ اکبر بلند کیا - اور امام نے جس کے پیچھے خود محمد ثانی شریک جماعت تھا نماز جمعہ اور نماز شکرانہ ادا کی -

بس اُس وقت سے آج تک یہ عمارت مسلمانون کی مسجد ہے -

دلگداز کی قیمت مین اضافہ

قدردانان دلگداز دلگداز کی حیثیت درست کرنے کے لیے جو کچھ کوششین گذشتہ تین سال کے اندر کی گئین محض اس امید پر تھین کہ اشاعت بہت زیادہ ترقی کر جائے گی - ورنہ آپ خود خیال فرما سکتے ہین کہ ولایتی چکنا کاغذ لگانا جو زیادہ قیمتی ہوتا ہے - اُس کی آب و تاب قائم رکھنے کے لیے خشک چھپوانا جس مین چھپائی کے مصارف پورے دُونے ہو جاتے ہین - صفحات کی تعداد کو ۱۶ سے بڑھا کے ۲۴ کر دینا جس مین کل مصارف ڈیوڑھے ہو گئے - اور ان سب باتون کے علاوہ ہر سال ختم سال پر تقریباً دس جز کا ایک نیا ناول طبع کر کے مفت خریدارون کی نذر کرنا ایسے مصارف ہین جو ایک روپیہ سالانہ مین کسی طرح نہین پورے پڑ سکتے - اس ایک روپیہ مین سے بھی ۴ر ہر سال محصول ڈاک کے نکل جاتے ہین - اور دفتر کے مصارف کے لیے کل ۱۲ر ان تمام ملکی و قومی خدمات کا سالانہ انعام باقی رہ جاتے ہین - ٹائٹل ملا کے رسالون کی سالانہ مقدار ضخامت ۲۱ جز کی ہوتی ہے اور ناول کے اگر ۱۰ جز قرار دیے جائین تو کل ۳۱ جز ہوئے جو ۱۲ر مین خریدارون کو دیے جاتے ہین -

عمدہ چھاپنے والے مطابع دیسی کاغذ کی صاف اور واضح چھپائی جو خشک کاغذ

کبھی نہین ہوتی فی روپیہ ۳۲ جز کے حساب سے دیتے ہین - اور اگر ولایتی کاغذ پر خشک چھپوایا جاے تو چھپائی کا نرخ عموماً فی روپیہ ۲۵ جز ہو جاتا ہے - اس کے مقابل دلگداز کو ایک مستقل مطبع اور اعلی درجے کا اسٹاف رکھنے پر ۱۳ یا ۱۴ جز دینا پڑتے ہین - یہ قیمت اُس وقت البتہ قائم رہ سکتی ہے جب اشاعت پانچ ہزار سے زیادہ ہو جائے اور ہم وعدہ کرتے ہین کہ جب اشاعت ہوگی ہم سالانہ قیمت ایک روپیہ ہی رکھین گے موجودہ حالت مین جبکہ تین سال کی تجربہ مین دلگداز کی اشاعت ڈھائی ہزار سے نہ بڑھ سکی تو ہم قیمت کے بڑھانے پر مجبور ہین - اور آیندہ سے سالانہ قیمت بجاے ایک روپیہ کے ڈیڑھ روپیہ سالانہ مع محصول ڈاک قرار دیتے ہین - اور سچ پوچھیے تو حساب سے یہی قیمت ہونی چاہیے آپ کو یاد ہوگا کہ جب دلگداز کا حصۂ مضامین صرف ۱۶ صفحون کا تھا - چھپائی بہت معمولی تھی - اور کوئی ناول مفت نہین نذر کیا جاتا تھا اکیلے حصۂ مضامین کی قیمت سالانہ سوا روپیہ (عہ/) تھی لہذا اب صفحون کے تعداد کے ۱۶ سے ۲۴ ہو جانے - نہایت عمدہ چھپائی - اور ایک ناول مفت نذر کرنے کی صورت مین ایک روپیہ کیونکر کافی ہو سکتا ہے؟ اگر انصاف کیجیے تو ڈیڑھ روپیہ بھی زیادہ نہین ہو سکتا -

قیمت کے کم اور غیر کافی ہونے ہی کا سبب ہے کہ باوجود ہر طرح کی کوششون اور جفاکشیون کے کسی طرح انتظام نہین سنبھل سکتا - انھین دشواریون کو خیال کر کے ہمارے صدہا احباب برابر تین سال سے لکھ رہے ہین کہ موجودہ قیمت بہت کم ہے کچھ نہ کچھ ضرور بڑھائی جاے - مگر ہم نے محض اس امید مین کہ اشاعت کی کافی تعداد اُس کمی کو پورا کر لے جاے گی تین سال تک وہی ایک روپیہ قائم رکھا مگر اب مجبور ہو کے ہم اپنے اُن عاقبت بین احباب کے مشورے کے مطابق سالانہ چندہ ایک روپیہ سے ڈیڑھ روپیہ (عہ/) کیے دیتے ہین - اور ناول ہدیۂ رومۃ الکبریٰ کے وی - پی جو آخر جنوری یا اوائل فروری مین حاضر ہون گے عہ/ (ڈیڑھ روپیہ) چندۂ سالانہ - اور ۲/ یا ۳/ محصول و منی آرڈر فیس ملا کے ایک روپیہ دس آنے (عہ/) یا ایک روپیہ گیارہ آنے (عہ/) کے ہون گے - اس پرچے کی اول مین "سنہ ۱۹۱۳ کا خاتمہ" والے مضمون کے آخر مین غلطی سے اُن وی پیون کی قیمت جو عہ/ یا عہ/ بتائی گئی ہے وہ غلط ہے اس کی جگہ عہ/ یا عہ/ خیال کی جاے - جو حضرات اس اضافۂ قیمت کو ناپسند فرمائین بذریعہ تحریر منع فرما دین تاکہ اُن کی خدمت مین وی - پی نہ روانہ کیے جائین - خاکسار - محمد عبد الحلیم شرر
ایڈیٹر

بڑی جنتری سنہ ۱۹۱۴ء یہ جنتری علی العموم "نامی جنتری" کیون کہلاتی ہے؟ اس لیے کہ حضرت رعد کے نامی پریس کو اس سے اور اس کو حضرت رعد کے نامی پریس سے جو خصوصیت ہے اُس نے اسے اور پریس دونون کو ہندوستان مین شہرت و مقبولیت کی سب سے بڑی سند دی ہے۔ اس کے اعلی درجے کے چھپے ہوے نسخے اپنے آبدار کاغذ- اپنی نفیس چھپائی- اپنی نازک نقاشی- اور اپنی لطیف رنگین تصویرون کے اعتبار سے شائستہ لوگون کی میزون کا زیور اور امیرانہ ڈرائنگ رومون کی رونق ہین- جس دفتر مین یہ جنتری نہین وہ ہرگز فیشن ایبل نہین کہا جا سکتا- اور پھر لطف یہ کہ جن حضرات کے پاس نامی پریس کی تمام اگلی پچھلی جنتریان موجود ہین اُن کے پاس سادی اور فصیح اُردو مین تاریخ کا ایک ایسا صاف اور سُلجھا ہوا ذخیرہ موجود رہتا ہے جو کہین نہین نصیب ہو سکتا- عام بازاری جنتریون کی قیمت تو فی جلد ۲ ر ہے- مگر منگوانے کے قابل وہ نفیس رنگین جنتریان ہین جن کی قیمت عہ ر ہے- پتہ حرف نامی پریس کا نپور کافی ہے

ایک ضروری ہدایت- مراسلت مین جو حضرات اپنا نمبر نہین بتاتے ہین کاش اُنھین معلوم ہوتا کہ وہ منیجر دلگداز پر کتنا بڑا ظلم کرتے ہین حتی الامکان اُنکا نام ڈھونڈھ کر ضرور جواب دیا جاتا ہی لیکن کہان تک؟ لہذا براہ کرم جو صاحب خط بھیجین اپنا نام نمبر ضرور بتا دیا کرین ورنہ اندیشہ ہے کہ انکو جواب دیا جا سکے- خاکسار منیجر دلگداز

سیرۃ العباس- عم رسول اللہ اور خلفاء عباسیہ کے مورث اعلی حضرت عباس بن عبد المطلب کے سوانح عمری مصنفہ مولانا حکیم سید فرید احمد صاحب عباسی- یہ ایک عالمانہ تصنیف ہے اور کسی مسلمان کے کتب خانہ کو اس سے خالی نہ رہنا چاہیے- قیمت فی جلد ایک روپیہ علاوہ محصول ڈاک

المشتہر منیجر مہذب بک ایجنسی کٹرہ بزن بیگ خان لکھنو

کشمیر جنت نظیر

(ایک نئے انداز کا سفر نامہ)

مصنفہ مسٹر محمد ظریف ایم-اے-

ملنے کا پتہ راجارام دفتری ۲۵ بالی گنج- سرکلر روڈ- کلکتہ

کتب خانہ مہذب بک ایجنسی لکھنؤ

حکیم محمد علیخان صاحب ایڈیٹر مرقع عالم کی تصانیف

عبرت - جہان و ہنوریا کا دلچسپ تاریخی قصہ عقد بیوگان پر محققانہ بحث تین حصوں میں مجموعی قیمت ۱۲؍

جعفر عباسہ - اس میں عورتون کے پردہ نہ کرنے کے نقصانات بہت کامیابی کے ساتھ دکھائی گئی ہین ۱۰؍

اختر حسینہ - عورتون کو تعلیم کہان تک دینا چاہئے اور نا بیجا ساری کی شادی کے کیسے برے نتائج ہوتے ہین دو حصون مین - عا؍ ۸؍

نیل کا سانپ - کلیو پیٹرا اور انطانی کی حسرت بھری داستان بالکل تاریخی واقعہ - عہ؍ ۹

گورا - رنڈاپے کے ہاتھون دو شریف خاندانون کی بربادی اور مقدس اور شرع شریف کی طرف سے عقد بیوگان پر دلائل - عا؍ ۲

حسن سرور - دلچسپ اور رنگیل دل تڑپا دینے والا سچا اور نیا ناول تین حصون میں - ۱۲؍

دیول دیوی - علاء الدین خلجی کے عہد کا ایک دلچسپ واقعہ قابل دید - عہ؍

اہرام مصری - کب اور کس نے انکو تعمیر کیا - ۲؍

تقدیر - تقدیر اور تدبیر پر ایک محققانہ بحث ۴؍

مسیحائے عالم - حفظ صحت کی ایک بہت کارآمد اور مفید کتاب ۸؍

مضامین مرقع عالم سنہ ۱۸۹۶ء تا سنہ ۱۹۰۵ء فی جلد ۱؍

دوسری دلچسپ کتابین

قیمت	کتاب	قیمت	کتاب
۴؍	نوجوان	۸؍	حیات شیخ چلی
۶؍	مرقع طرابلس	عہ؍	ترچھی نظر
۶؍	عروج زوال	۸؍	کنیز فاطمہ
عہ؍	شہنشاہ عیاران	۸؍	مالن کی بیٹی
عہ؍	نشتر		ایران کی شہزادی
عہ؍	ارمان	عہ؍	حاجی بغلول
عا؍	محبوبہ لندن	عہ؍	محبت کی پتلی
عہ؍	اندرا	۸؍	کرشمہ الفت
عا؍	پیارا ارمان لڑکی	عا؍	خون تمنا
عہ؍	میٹھی چھری	۱۲؍	کرشمہ محبت
۱۲؍	احمق الذین	عا؍	دبدبہ امیری
عہ؍	پرستان کی پری	۱۰؍	کہکشان
للعہ؍	رزم بزم	۶؍	وینس کا بانکا
عہ؍	امراؤ جان	۶؍	ثمرہ دیانت
عا؍	کشتہ ناز کامل	۱۰؍	حسرت دید
عہ؍	بردگ		تاریخ جنگ جاپان و روس
۱۲؍	پیاری دنیا	عہ؍	سرور امائن
	سوانحعمری شہنشاہ بابر	۱۰؍	نرالا عاشق
۸؍	نشہ جوانی	۸؍	دستاویز محبت
۱۲؍	بہشت برین	عہ؍	کایا پلٹ

ان مذکورہ بالا کتابون کے علاوہ دوسری کتابین بھی بکفایت روانہ ہوسکتی ہین

المشتہر منیجر مہذب بک ایجنسی - گڑھ بزن بیگ خان - لکھنؤ

تاج ہیر آئل

انگلش ٹریڈنگ کمپنی کی ایجاد کئی ہوے مقوی دماغ اور مفرح وروح افزا تیلون نے نہایت ہی شہرت و مقبولیت حاصل کر لی ہے - جس کسی نے ایک مرتبہ استعمال کیا پھر کسی دوسرے تیل مین نہ اُسے لطف آیا - اور نہ تفریح و تازگی روح حاصل ہو سکی جو ان تیلون کے ذریعے سے حاصل ہوئی تھی - اسی خیال سے کارخانہ روض الریاحین نے لکھنؤ مین اس کی ایجنسی قبول کر لی جو ہمیشہ مفرح اور منتخب تیلون کو پبلک کی ضرورتون کے لیے فراہم کیا کرتا ہے -

تاج ہیر آئل جو اپنی نزاکت نفاست اور جان بخشی کے لحاظ سے نازک طبع اور نفیس مزاج ملکۂ ہند تاج محل کی جانب منسوب ہین تقویت دماغ اور فرحت افزائی مین اپنا جواب نہین رکھتے - اور اسی لیے کارخانہ روض الریاحین اپنے گاہکون اور ہندوستان کے عام نازک طبع لوگون اور ضعف دماغ کے شایقون کو ان نوایجاد معجزات طبی کی طرف خاص توجہ دلاتا ہے -

تاج ہیر آئل تین طرح کے مخصوص تیل ہین جن مین مقوی دماغ روغنون مین نہایت ہی لطیف خوشبوئین پیدا کر دی گئی ہین -

(۱) تاج روغن بادام بنفشہ - قیمت فی شیشی عہ / ۱۲ ؎

(۲) تاج روغن زیتون و یاسمن " عہ / ۱۲ ؎

(۳) تاج روغن آملہ - و بنولہ " ۱۲ ؎

ان تیلون کی آدھ آدھ پاؤ کی نہایت خوبصورت شیشیان ہمارے پاس موجود ہین - درخواست آتے ہی ویلیو پی ایبل روانہ ہوگا باردانہ اور مصارف ڈاک وغیرہ ان قیمتون کے علاوہ ہین -

المشتہر منیجر روض الریاحین - کٹرہ بزن بیگخان - لکھنؤ

بہار حسن

یہ ایک اعلی درجے کا مرکب ٹبنہ ہے جو حرم سرائے شاہی مین مروج تھا - ایک ہی ہفتہ استعمال کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ حُسن کو کس خوبی سے نکھار دیتا ہے یہ جلد کو نہایت نازک و لطیف بنا کر کندنی رنگ پیدا کرتا ہے اور سانولی رنگت مین عجب ملاحیت نمایان کرتا ہے اور سارے پنڈے کو روح افزا معشوقانہ خوشبو سے مہکاتا ہے - اس کا روزانہ استعمال رخسارون کی جھائیان سیاہی بدنما داغ جھُرّیان چھیپ وغیرہ دُور کرکے چہرے کو مثل گلاب کے بنا دیتا ہے - قیمت فی بکس (عہ)

منجن

- دانتون پر بے مثل جلا کرکے مضبوط کرتا ہے اور گندہ دہنی کو دُور کر دیتا ہے قیمت فی ڈبیہ ۲

ضیق النفس

- یہ مرض بہت مشکل سے جاتا ہے اور مریض ہر وقت جان بلب رہتا ہے جو لوگ علاج کرنے سے مایوس ہو گئے ہون طلب کرین قیمت فی ڈبہ عا

طلاے حیات

- اس کے استعمال سے پٹھون مین از سر نو جان آجاتی ہے یہ عضو مخصوص کی سستی و لاغری وکجی کو دُور کرنے کیلیے بے نظیر دوا ہے - قیمت فی شیشی - عا ر

نمک سلیمانی

- سیکڑون بیماریان ہوئی اور ہوتی رہین گی مگر یہ اور ہی چیز ہے اسکی ایک چٹکی کا روزانہ استعمال جملہ بیماریونسے بچاتا ہے اور معدہ کی بیماریون کو دُور کرتا ہے ہیضہ مین بھی مفید ثابت ہوا ہے - قیمت فی شیشی ۱۲ ار

سفوف دافع لرزہ وبخار

- اگر آپ علاج کرتے کرتے پریشان ہو گئے ہون تو اس سفوف کا استعمال کیجیے انشاء اللہ تین دن مین لرزہ وبخار جاتا رہیگا اور سات روز کے استعمال مین دوبارہ عود کرنے کا اندیشہ نہ رہیگا قیمت (۷) خوراک کی ۷ ر

سرمہ مقوی نظر

- آنکھون کی بینائی بڑھانے مین بے نظیر ہے مطالعہ کرنے والے اصحاب کو بے حد مفید ثابت ہوا ہے اس کا دائمی استعمال دھند جالا اور آنکھون سے پانی بہنے کو موقوف کرتا ہے قیمت فی تولہ عہ ر

سفوف دافع جریان واحتلام

- یہ سفوف جریان احتلام دور کرکے ضعف اعصاب وغیرہ کو دُور کرکے اصلی حالت پیدا کرتا ہے بدن کو چست دماغ کو صحیح اور چہرہ کو سرخ سفید کرنا اسکا معمولی کام ہے فی بکس جس مین ۱۲ خوراکین ہوتی مین - عہ ر

المشتہر حکیم محمد سراج الحق مالک کارخانہ معین الصحت کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

نیا سال اور نیا خیال

دوستو! اب ہم سنہ ۱۹۱۴ء مین ہین - اور سنہ ۱۹۱۳ اُسی عدم آباد مین پہونچ گیا جہان اُس کے سے ہزارہا سنین ماضیہ جا چکے ہین - سنہ ۱۹۱۳ء کے خاتمہ سے ذرا پہلے ہم نے آپ کو متنبہ بھی کر دیا تھا کہ یہ برس رخصت ہوا چاہتا ہے - اپنی منازل دوازدہ گانہ پوری کر چکا اور اب جانے ہی کو ہے - لیکن اس بتا دینے پر بھی جس وقت یہ راتون رات منہ چھپا کے ہماری دنیا سے بھاگا ہے شاید آپ کو خبر نہ ہوئی ہوگی -

آپ نے دیکھ لیا کہ یہ کس طرح خاموشی و سہولت سے اور ہم سب کی آنکھ بچا کے چورون کی طرح بھاگا ہے - اور کیسے دبے پاؤن گیا ہے کہ ۳۱ دسمبر کی رات کو آپ آرام اور بے فکری سے سوئے اور یکم جنوری کی صبح کو اُٹھے تو معلوم ہوا کہ سنہ ۱۹۱۳ء گیا اور ہم سنہ ۱۹۱۴ء کے آغوش مین ہین -

برس آتے تو خوشیون اور امید و آرزو کے پُر لطف خیالون کے ساتھ ہین - مگر جاتے اس طرح چھپ کے ہین کہ اُنھین رخصت کرتے وقت دو آنسو بہانے کا بھی موقع نہین ملتا - اور یہی وجہ ہے کہ ہم سال کے پہلے دن خوشیان مناتے مسرت و شادکامی پر ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہین مگر جانے والے سنین کو گرمجوشی سے الوداع کہنے کا ارادہ ہی کرتے رہ جاتے ہین اُس کی نوبت نہین آتی - اور

اسی اندیشہ سے ہم نے رخصت کی گھڑی آنے سے پہلے ہی اُسے رخصت کر دیا اور چند کلمات حسرت زبان سے ادا کرکے دل کی حسرت نکال لی۔

یہ اُس کامیابی ہی کی برکت ہے کہ اب فارغ البالی کے ساتھ ہم اپنے نئے دوست سنہ ۱۹۱۴ء سے معانقہ کرتے ہین۔ یہ نیا سال اپنے آغاز ہی مین ہمارے شہر کے لیے ایک غیر معمولی خوشی و خوش نصیبی لایا ہے۔ وہ یہ کہ حضور وائسرائے لارڈ ہارڈنگ گورنر جنرل بہادر اوائل جنوری مین ہمارے شہر مین رونق افروز اور ہمارے مہمان ہوئے۔ اور قبل اس کے کہ ہمین کسی فکر و تردد یا کسی رنج و الم سے سابقہ پڑے سب کے پہلے ہم نے اپنے مہربان وائسرائے کے ورود مسعود پر جشن طرب منایا۔ سچ یہ ہے کہ ہماری اس سال کی زندگی کی بنیاد اچھی پڑ گئی۔ اور سنہ ۱۹۱۴ء کے واقعات کا مسرت و کامرانی سے آغاز ہو گیا۔ جس پر لکھنؤ جس قدر فخر کرے بجا ہے۔

لہذا جس طرح دکاندار صبح صبح کوئی اچھا سودا ہو جانے پر خوش ہو کے کہتا ہے "بھنی اچھی ہوئی ہے دن بھی اچھا کٹے گا" ویسے ہی ہم بھی آغاز سال کی اس اعلیٰ مسرت پہ مارے خوشی کے جامے سے باہر ہو کے کہتے ہین کہ سنہ ۱۹۱۴ء کا آغاز لطف و مسرت سے ہوا ہے تو بارھون مہینے انشاء اللہ شادکامی و لطف مین گزرین گے۔

نیک فالی کے اس سے زیادہ نمایان کیا آثار ہون گے کہ پالٹکس کے اُفق سے قتل و خونریزی اور تاخت و تاراج کا ابر چھنٹ گیا اور مطلع صاف نظر آ رہا ہے۔ جتنے فتنے فساد تھے اور جو کچھ شور و شر تھا سنہ گزشتہ کے ساتھ گیا۔ اور سنہ حال کی پہلی صبح صبح اقبال اور امن و امان کی سحر بن کے نمودار ہوئی ہے۔

بس۔ اب کچھ اور کہنے کی ضرورت نہین۔ کیا ضرور ہے کہ اس عیش کو افکار زمانہ سے مکدر اور اس لطف کو کل کی فکرون سے منغص کرکے ہم خود بھی پریشان ہون اور اپنے احباب اور قدر افزایان دلگداز کے اطمینان مین بھی خلل ڈالین۔ لہذا اس مسرت و شادکامی کے موقع پر ہم خوشی خوشی اپنے احباب سے بغلگیر ہوتے اور نہایت ہی گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہین۔ خدا ہمین بھی مبارک کرے اور ہمارے سارے دوستون کو بھی۔

آل عثمان مین پہلی سلطانۂ مسیحیہ

ترکان آل عثمان کا دوسرا تاجدار اورخان ہے جو عثمان خان بانی خاندان کا سعادتمند فرزند تھا۔ اُس کا عہد سنہ ۱۳۲۶ء سے لے کے سنہ ۱۳۶۰ء یعنی ۳۴ سال تک رہا۔ اریکہ آرائی کے اعتبار سے گو کہ وہ اپنے خاندان کا دوسرا تاجدار تھا مگر سچ یہ ہے کہ سلطنت عثمانیہ اُسی کے عہد سے ایک ترقی کرنے والی زبردست سلطنت بننا شروع ہوئی۔ اُس زمانے تک اُدھر کی تمام اسلامی قلمرون مین پُرانا سلجوقیون کا سکہ مروّج تھا اورخان نے خاص اپنے خاندان کا سکہ جاری کیا۔ سب کے پہلے اُس نے شہر بروصہ پر قبضہ کر کے اُسے اپنا مرکز حکومت بنایا۔ عالیشان جامع مسجد۔ شاہانہ عظمت وجلال کے دارالعلوم۔ اور رفیع الشان خیرات خانے سے اُس نے اپنے اُس نئے دارالسلطنت کو رونق دی۔ اور اُسے ایک اسلامی شہر بنا دیا۔ توحید کی صدا بلند ہوتے ہی نیقیہ کا عیسائی کلیسیا (فرقہ) فنا ہو گیا۔ اور جس طرح خدا کے شریک دیوتاؤن کے مندر مسیحیت کی صدا سے منہدم ہوئے تھے ویسے ہی اب بیٹے والے خدا کے معبد خدائے لم یلد و لم یولد کے آگے سربسجود ہو گئے۔

چند ہی روز مین اورخان نے مسیحی دولت یونان کے اُن شہرون اور علاقون پر قبضہ کر لیا جو ایشیاے کوچک مین واقع تھے اور جنھین یونانیون کی قدیم مہابھارت جنگ ٹراے سے تعلق تھا۔ اُن دنون یونانی سلطنت جس کا دارالسلطنت قسطنطنیہ تھا وحشی بلغاریون کے دست ستم سے خائف تھی۔ وارثان سلطنت مین جھگڑے تھے۔ اور سلطنت یونان اپنے پڑوسیون کا نام لے لے کے دہائیان دے رہی تھی۔ اسی اثنا مین ترکون نے اپنی بحری قوت مضبوط کرنا شروع کی تاکہ جزائر یونان اور بلاد یورپ پر حملہ آور ہون۔ ترک اُدھر بڑھنے کا منصوبہ دل مین ٹھہرا ہی رہے تھے کہ "کانتاکوزین" نے جو ولی کی حیثیت سے نظم و نسق سلطنت کا ذمہ دار تھا بلغاریون کی آفت سے بچنے کے لیے اُنھین خود ہی اپنی مدد پر

بُلایا- یہ مدد نہایت ہی فیاضی اور کشادہ دلی سے دی گئی- ایک ترک سردار اپنے زبردست لشکر کو جہازون مین بٹھا کے ساحل بلقان پر لے گیا- ساری فوج جہازون ہی پر چھوڑی اور تھوڑے سے منتخب جوانمردون کے ساتھ شہر ڈیوٹکا مین پہونچا جہان یہ حالت تھی کہ "کانٹا کوزین" منھ چھپا کے سرویا کی طرف بھاگ گیا تھا- لوگون کو خبر بھی نہ تھی کہ زندہ ہے یا مرگیا- اُس کی بی بی "ایرینہ" شہر کے اندر محصور تھی- اور بلغاری محاصرہ کیئے ہوے تھے- ترکون نے پہونچتے ہی بلغاریون کو بھگا دیا- اور اگرچہ سخت سردی کا موسم تھا فصیل شہر کے باہر اُتر پڑے-

ملکۂ ایرینہ نے اظہار شکر گزاری کے لیے بہت سے قیمتی تحفے دیا اور نفیس گھوڑے ہدیۃً نذر کیئے اور سردار عساکر ترک کو اپنے محل مین بطریق دعوت بُلایا- اُس کی دلچسپی کے لیے بڑے بڑے سامان کیئے- اور کہلا بھیجا کہ جلدی تشریف لایئے مین آپ کی منتظر ہون- مسلمان سردار نے اس دعوت کے قبول کرنے سے انکار کیا- مگر کیون؟ خیال کیا گیا کہ شاید سردار ترک اس لیئے عیش کدۂ شاہی مین نہین آتا کہ اُس کے ہمراہی شہر کے باہر برف اور سردی مین پڑے اُتر رہے ہین- وہ نہین چاہتا کہ اپنے رفیقون کو تکلیف مین چھوڑ کے خود دعوت کھائے اور قصر شاہی مین عیش منائے- لیکن نہین مسلمان سردار کا معیار شرافت یونانیون کے خیال و مذاق سے بہت بلند اور نہایت شریفانہ تھا- اُس نے کہلا بھیجا "میرا نفس اس بات کو نہین گوارا کرتا کہ میرا جو برگشتہ بخت دوست گھر سے غائب اور خانمان برباد ہے اُس کی غیبت مین اُس کی جورو کے پاس اُٹھون بیٹھون اور اُس سے ہم صحبت ہون" یہ ایک ایسی اعلیٰ تہذیب تھی جس سے یورپ والون کے کان اُس وقت تک نا آشنا تھے- الغرض اُس نے جہان تک بنا حاکم یونان کانٹا کوزین کی جستجو کی- اور جب اُس کا پتہ نہ لگا تو بغیر اس کے کہ اُس کی بی بی سے تنہائی مین ملے بہت سامال غنیمت اور بہت سے لونڈی غلام جو دشمنون سے ملے تھے لے کے واپس چلا آیا-

مورخین یورپ کہتے ہین کہ ترکون نے دول بلقان کو باہم لڑا کے اُس ملک پر قبضہ کرلیا - مگر دغا بازی کے اس فن کے استاد رومی تھے - مسلمانون اور ترکون کو یہ کاٹ چھانٹ نہین آتی تھی - اُن کا قدم خالص ہمدردی کے خیال سے پہلے پہل یورپ مین گیا تھا - لیکن اس موقع پر یورپ والون نے اُن کی زبردست بحری قوت کو دیکھ کے کوشش کی کہ اُن کا استیصال کردین - چنانچہ قبلۂ و کعبہ جناب پوپ نے اُن کے خلاف جہاد (کروسیڈ) کا فتوی دے دیا - شاہ قبرس - سلطنت جمہوری وینیس - اور سینٹ جان کی نیتیھ والے مذہبی بانکے جو صلاح الدین اعظم کے ہاتھون بیت المقدس سے نکالے گئے تھے اور مسیحی دنیا مین خدائی فوجدار بنے پھرتے تھے مع حوارین حضرت پوپ ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے - مگر لڑائی مین اپنا رنگ کچھ ایسا بگڑتا نظر آیا کہ گھبرا گئے اور روب سے صلح کرلی -

ان موافقانہ و مخالفانہ واقعات نے پوپ صاحب کو تو ترکون کی قوت توڑنے کی مصلحت سُجھائی لیکن ترکون کو جو مصلحت سوجھی وہ انوکھی دلچسپ اور مزہ دار تھی - وہ یہ کہ حاکم یونان سے قرابت پیدا کی جائے سلطان اورخان نے کانتاکوزین کی حسین و نازنین حوروش و پری جمال بیٹی تھیوڈورا کو کہین دیکھ لیا تھا - اور دیکھتے ہی اُس کے رخ زیبا پر فریفتہ ہو گیا تھا - اس پولٹیکل مصلحت کا خیال آتے ہی کانتاکوزین سے بادب و تہذیب درخواست کی گئی کہ اگر آپ اپنی بیٹی تھیوڈورا کو میرے عقد نکاح مین دے دین تو مین آپ کا دوست بن جاؤن - اور ایک ادنی خادم اور بیٹے کی طرح آپ سے پیش آیا کرون -"

شریعت اسلام نے کتابیہ یعنی نصرانیہ اور یہودیہ عورت کے ساتھ نکاح پہلے ہی سے جائز بتایا تھا - مسیحیت کی پُر تعصب دنیا مین اس کا فتوی حاصل کرنا البتہ دشوار نظر آتا تھا - لیکن جب شہنشاہ قسطنطنیہ کو اس قرابت مین اپنی پولٹیکل مصلحت نظر آئی تو یونانی کلیسیا نے بھی ذوق و شوق سے اجازت دے دی - اور قسطنطنیہ کے محل مین شاہانہ جشن کا سامان شروع ہوتے ہی

جوش وخروش سے ہریالے گائے جانے لگے -

خود اورخان دُلھن کے بیاہنے کو نہین گیا بلکہ اُس کی جگہ اُس کا سفیر اور بہت سے معزز سرداران ترک ۳۰ جہازون پر سوار ہوکے گئے اور مقام سیلبریا مین پہونچے جہان دُلھن والون کی طرف سے جشن طرب منعقد ہونے والا تھا۔ شاہانہ جاہ وجلال سے ایک عالیشان کوشک بناکے حجلۂ عروسی کی طرح آراستہ کی گئی - جس کے چارون طرف ریشمی زرکار پردے پڑے ہوئے تھے - اورآراستگی کا کوئی سامان نہین اُٹھا رکھا گیا تھا ۔صبح کا سُہانا وقت تھا کہ مسلح فوج زرق ورق وردیان پہنے صفین باندھ کے گرد کھڑی ہوگئی ۔کل اعلیٰ و ادنیٰ افسر ادب سے پا پیادہ کھڑے تھے فقط سردار کانتا کُزین گھوڑے کی پیٹھ پر تھا ۔کوشک کے اندر ایک مرصع تخت زرین پر مہ جبین تھیوڈورا بڑے بناؤچناؤ کے ساتھ لاکے بٹھائی گئی - وہ پُر تکلف بھاری کپڑے پہنے تھی -سر سے پاؤن تک زیور وجواہرات سے آراستہ تھی -بڑی بڑی ہوشیار مشاطاؤن نے اس کا سنگھار کیا تھا - اور وہ ایک آسمانی دیوی یا حور بناکے اپنے تخت زرنگار پر ناز و انداز سے بٹھائی گئی -

جب سب سامان درست ہوگیا تو ایک تُرہی بجی - اوراُس کی طلسمی آواز کے ساتھ ہی تمام حاضرین اورسمدھیانے والون یعنی سرداران ترک کو ایک جادو کا سا کارخانہ معلوم ہوا -یعنی وہ تمام زرنگار پردے ایک چشم زدن مین خود بخود کھنچ کے غائب ہوگئے - اور نظر آیا کہ مشعلین بلند ہین - مہتابین چھوٹ رہی ہین - ملائک فریب تھیوڈورا اپنے زرنگار مرصع تخت پر جلوہ افروز ہے - اُس کی ماں شہنشاہ بیگم ایرینہ اُس کے برابر بیٹھی شوق ومحبت کی نگاہون سے بیٹی کے پروان چڑھنے کا تماشا دیکھ رہی ہے - اورصدہا خواجہ سرا - فرشتہ صورت غلام اورحور طلعت کنیزین آگے پیچھے اُس کے گرد حلقہ باندھے ہوئے ہین جو ادب کے ساتھ گھٹنے ٹیکے اور ہاتھ جوڑے ہین -گویا سب اپنی پری رخسار دیوی کی پرستش کررہے ہین - پردون کے ہٹتے ہی ہر چہار طرف باجے بجنا شروع ہوگئے - نفیری اور شہنائی کا نغمہ بلند ہوا - نقارون پر چوبین پڑین - ڈومنیون نے میری

ہریالی بنّو کا ترانہ گایا۔ اور مستند شعراے زمانہ نے اُس کی مدح کے قصیدے سنائے۔ اس شان اور آن بان سے بغیر اس کے کہ گرجے مین عقد نکاح کی کوئی رسم ادا ہو دُلھن رخصت کر کے ترک سفیرون کے سپرد کر دی گئی۔ اور خان نے صرف اس بات کا اقرار کیا تھا کہ دُلھن اپنا مذہب بدلنے پر مجبور نہ کی جاے گی۔ اور کسی مسیحی رسم کو نہین قبول کیا تھا۔ جیسے ہی دُلھن کی سواری بروسہ مین پہونچی اورخان نے اپنے چارون بیٹون اور تمام بی بیون حرمون اور مخصوصین دربار کے ساتھ شہر کے باہر آ کے استقبال کیا۔ یہان اسلامی اصول کے مطابق عقد نکاح ہوا۔ اور تھیوڈورا مسلمانون کی سلطانہ بن گئی۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

اس کے تسلیم کرنے مین شاید کسی کو عذر نہ ہوگا کہ ہندوستان مین مشرقی تہذیب و تمدن کا جو آخری نمونہ نظر آیا وہ گزشتہ دربار اودھ تھا۔ اگلے دور کی یادگار اور بھی کئی دربار موجود ہین مگر جس دربار پر پُرانی تہذیب اور اگلی معاشرت کا خاتمہ ہو گیا وہ یہی دربار تھا جو بہت ہی آخر مین قائم ہوا اور عجیب و غریب ترقیان دکھا کے بہت ہی جلد فنا ہو گیا۔ لہذا مندرجۂ بالا عنوان کے تحت مین ہم اس مرحوم دربار کے مختصر حالات اور اُس کی خصوصیتون کو بیان کرنا چاہتے ہین۔

اس کے تسلیم کرنے مین تو شاید کسی کو عذر نہ ہوگا کہ جس خطۂ زمین پر یہ پچھلا دربار قائم ہوا اُس کی وقعت اور اہمیت ہندوستان کے تمام صوبون سے بڑھی ہوئی ہے۔ پُرانے چندربنسی خاندان خصوصاً راجہ رام چندر جی کے اعلی کارنامے اور عدیم النظیر ناموریان اس درجۂ کمال کو پہونچی ہوئی ہین کہ تاریخ کے ظرف کو تنگ اور محدود دیکھ کے اُنھون نے مذہبی تقدس کا جامہ پہن لیا ہے۔ اور آج ہندوستان کا شاذو نادر ہی کوئی ایسا بدنصیب گاؤن ہوگا جہان اُن کی یاد ہر سال رام لیلا کے مذہبی ناٹک کے ذریعے سے تازہ نہ کر لی جاتی ہو۔ لیکن اودھ کے اُس قدیم ترین دیوتائی دربار کے حالات اور اجودھیا کا اُس عہد کا جاہ و جلال والمیکی نے ایسی معجز نما فصاحت کے ساتھ دکھایا کہ وہ ہر عقیدت کیش کی

لوحِ دل پر لکھ گیا۔ لہذا ہمین اُس کے اعادے کی ضرورت نہین۔ جن لوگون نے اجودھیا کے پُرانے پُرشکوہ زمانے کی تصویر دالملکی کے لٹرری مرقع مین دیکھی ہے وہ اُسی مبارک خطے پر آج دلگداز مین فیض آباد کی تصویر دیکھین۔ لہذا ہم سلسلۂ واقعات کو اُس وقت سے شروع کرتے ہین جب اس آخری دربار کی بنیاد پڑی جسے فنا ہوئے کچھ اوپر پچاس سال سے زیادہ زمانہ نہین ہوا۔

جب نواب برہان الملک امین الدین خان نیشاپوری شہنشاہی دربار دہلی کی طرف سے صوبہ دار اودھ مقرر ہو کے آئے تو شیخزادگان لکھنؤ کو مغلوب کر کے قدیم مستقر اودھ یعنی محترم و متبرک شہر اجودھیا مین پہونچے اور آبادی سے فاصلے پر دریائے گھاگرا کے کنارے ایک بلند ٹیلے پر اپنا خیمہ نصب کیا۔ چونکہ انتظام صوبہ کی محویت مین اُنھین عالیشان عمارت بنانے کی فرصت نہ تھی اور نہ اپنی سادہ مزاجی کی وجہ سے ایسے نمائشی کرّوفر کا اُنھین شوق تھا اس لیئے ایک زمانے تک خیمون مین بسر کی۔ اور جب چند روز کے بعد اُنھین برسات مین تکلیف ہوئی تو وہان سے تھوڑی دور ہٹ کے ایک مناسب مقام پر اپنے لیئے ایک چھپّر بنوایا[ع۵] پھر اس کے بعد اُس چھپّر کے گرد کچّی دیوار کا ایک بہت وسیع مربع حصار کھچوا لیا جس کے چارون کونون پر قلعہ بندی کی شان سے چار کچّے بُرج بنوا دیئے تاکہ گرد و پیش کی نگرانی کی جا سکے۔ یہ احاطہ اس قدر وسیع تھا کہ اُس کے اندر رسالے۔ پلٹنین۔ توپخانے۔ اصطبل اور دیگر ضروری کارخانے آسانی سے رہ سکتے تھے۔ برہان الملک کو چونکہ عمارت کا شوق نہ تھا اس لیئے اُن کے زنانے اور بیگمات کے قیام کے لیئے بھی کچّے مکانات ہی بنا لیے گئے۔ غرض اُس کچے بنگلے مین اُس وقت کا والی اودھ جب اُسے اضلاع کے دورے اور سفرہاے حکمرانی سے فراغت ہوتی آرام و آسائش کے ساتھ رہتا تھا اور کسی بات کی شکایت نہ تھی۔ اور اُس کا یہ دارالامارت چند روز مین "بنگلہ" کے نام سے مشہور ہو گیا۔

ع۵ فیض آباد کے یہ تمام حالات منشی محمد فیض بخش کی "تاریخ فرح بخش" سے لیے گئے ہین۔ اصل کتاب ہم نے نہین دیکھی مگر اُس کا انگریزی ترجمہ مترجمہ ولیم ہوئی جو سنہ ۱۸۸۹ع مین گورنمنٹ پریس الہ آباد مین چھپا ہے ہمارے پاس موجود ہے۔

برہان الملک کے انتقال کے بعد جب نواب صفدر جنگ کا زمانہ شروع ہوا تو یہ بستی فیض آباد مشہور ہوئی۔ یہ ہے بنیاد شہر فیض آباد کی جس نے اپنے بننے اور بگڑنے کی سرعت مین لکھنؤ کو بھی مات کر دیا۔ اب ان دنون اُس کچی چار دیواری کے گرد اکثر مغل سرداران فوج نے اپنی دلچسپی کے لیے باغ اور پُرفضا و فرحت بخش نزہت گاہین بنائین - اور شہر کی رونق ترقی کرنے لگی - اس کچے احاطے کا ایک پھاٹک "دلی دروازہ" کہلاتا تھا جو مغرب کی طرف تھا اس کے باہر دیوان آتما رام کے بیٹون نے ایک شاندار بازار بنوایا - اور اُسی کے سلسلے مین رہنے کے لیے مکانات بھی تعمیر کرائے - اسی طرح اسمعیل خان رسالدار نے بھی ایک بازار بنوایا - اور چار دیواری کے اندر خواجہ سراؤن اور مختلف فوجی لوگون کے بہت سے مکان بھی تیار ہو گئے -

نواب صفدر جنگ کی وفات کے بعد اس نئی بستی پر چند روز کے لیے تباہی برس گئی - جس کی وجہ سے اتنے دنون مین جو کچھ بنا تھا زمانے نے بگاڑ کے رکھ دیا - اس لیے کہ اُن کے فرزند نواب شجاع الدولہ نے اپنی سکونت کے لیے لکھنؤ کو پسند کیا تھا اور وہین رہتے تھے - گو سال مین دو ایک راتین اپنے باپ دادا کے اس قدیم مسکن مین ضرور بسر کر لیا کرتے - یہان تک کہ ۱۷۶۴ء مین اُنھین بکسر کی لڑائی مین انگریزون سے شکست ہوئی - اُس وقت وہ کمال بے سرو سامانی سے بھاگتے ہوئے فیض آباد مین آئے اور وہان کے قلعہ مین جو کچھ ساز و سامان موجود پایا لے کے راتون رات چل کھڑے ہوئے - اور لکھنؤ پہونچے - یہان بھی ایک ہی رات قیام کر کے جو کچھ ہاتھ آیا لیا اور بریلی کی راہ لی - تا کہ افاغنۂ روہیلکھنڈ کے پاس جا کے پناہ لین - لڑائی کے نو مہینے بعد انگریزون سے اُن سے صلح ہو گئی - جس کی رو سے شجاع الدولہ کے ذمے واجب تھا کہ محاصل ملک مین سے پچاس لاکھ روپیہ انگریزون کو ادا کیا کرین -

صلح ہونے سے پہلے اسی سفر مین اتفاقاً شجاع الدولہ کا گزر فرخ آباد مین بھی ہوا تھا جہان احمد خان بنگش سے ملاقات ہوئی جو اُس عہد کے پُرانے تجربہ کار شجاعون مین خیال کیے جاتے تھے - اُنھون نے شجاع الدولہ کو مشورہ دیا کہ اب کی

جو تم جا کے عنان حکومت ہاتھ مین لینا تو میری ان دو باتون کو نہ بھولنا- ایک تو یہ کہ مغلون کا کبھی اعتبار نہ کرنا بلکہ اپنے دیگر ملازمون اور خواجہ سراؤن سے کام لو- اور دوسرے یہ کہ لکھنؤ کا رہنا چھوڑ دو اور فیض آباد ہی کو اپنا دارالحکومت بناؤ-

یہ باتین شجاع الدولہ کے دل پر بیٹھ گئین- اور انگریزون سے معاہدہ ہونے کے بعد ۱۷۶۵ء مین جو اُنھون نے اپنی قلمرو کی راہ لی تو سیدھے فیض آباد آئے اور اُسی کو اپنا دارالحکومت قرار دے دیا- اب یہان اُنھون نے نئی فوج بھرتی کرنا شروع کی- نئے رسالے مرتب کرنے لگے- اور نئی عمارتون کی بنیاد ڈالی- پُرانے حصار کو ایک مضبوط شہر پناہ کی شان سے از سر نو تعمیر کرایا- جو اب قلعہ کہلاتا تھا- مغلون کے جو مکانات اندر واقع تھے ڈھا دیے- اور اپنے اکثر خانگی ملازمون کو حکم دیا کہ شہر پناہ کے باہر مکان بنوائین- اُس حصار کے گرداگرد ہر طرف دو دو میل کا میدان چھوڑ دیا گیا جس کے گرد گہری خندق کھود کے قلعہ بندی کی وضع سے درست کی گئی- اور ملازمین سرکار اور افسران فوج کو اجازت ہوئی کہ اپنی حیثیت اور حالت کے مناسب قطعات زمین لے کے اُسی میدان مین مکان بنائین- جیسے ہی یہ خبر مشہور ہوئی کہ شجاع الدولہ نے فیض آباد کو اپنا مستقر قرار دیا ہے ایک دنیا کا رُخ ادھر پھر گیا- ہزار ہا خلقت آ آ کے آباد ہونا شروع ہوئی- شاہجہان آباد مین یہ حالت تھی کہ جسے دیکھیے فیض آباد جانے کے لیے تیار ہے- چنانچہ دہلی کے اکثر باکمالون نے وطن کو خیرباد کہی اور پورب کا رخ کیا- شب و روز لوگون کے آنے کا تانتا بندھا رہتا تھا- اور قافلے پر قافلے چلے آتے تھے- جو آ کے یہان بستے اور فیض آباد کی سواد مین کھپتے چلے جاتے- چند ہی روز کے اندر ہر قوم و ملت کے خوش باش- اہل قلم- اہل سیف- تاجر- صناع- اور ہر طبقے اور ہر درجے کے لوگ یہان جمع ہو گئے- اور جو آتا آتے ہی اس فکر مین پڑ جاتا کہ کوئی قطعۂ زمین حاصل کر کے مکان بنا لے-

چند ہی سال کے اندر اس پہلے حصار کے علاوہ دو اور فصیلین تعمیر ہو گئین- ایک جو پہلے مربع کے جنوبی پہلو سے ملی ہوئی تھی اُس کے رقبے کا طول و عرض دو دو میل کا تھا- اور دوسرا حصار ایک میل کے پھیلاؤ مین تھا جو قلعہ اور بیرونی فصیل کے درمیان

واقع تھا - اسی زمانے مین ترپولیا اور چوک بازار تعمیر ہوئے - آہنی سڑک قلعہ کے جنوبی پھاٹک سے شروع ہو کے سڑک الہ آباد کے ٹکڑ تک چلی گئی تھی اور اتنی کشادہ تھی کہ برابر برابر دس چھکڑے آسانی سے گزر سکتے تھے - فصیل شہر کا اُتار زمین کے پاس چاہے جتنا ہو درمیان مین دس گز سے کم نہ تھا جو اوپر پہونچ کے پانچ گز رہ گیا تھا - اس فصیل پر قاعدہ اور بے قاعدہ دونون طرح کی فوجون کے دستے رات بھر روند پھرا کرتے - اور جا بجا پہرہ دیتے - باقاعدہ سپاہیون کی وردی لال تھی اور بے قاعدہ سپاہیون کی وردی سیاہ - انھین سپاہیون کی ضرورت سے برسات مین فصیل پر جا بجا چھپر ڈال دیے جاتے مگر برسات کے ختم ہوتے ہی آگ لگنے کے اندیشے سے وہ لازمی طور پر اُتار ڈالے جاتے - چنانچہ صرف فصیل کی دیوارون کے لیے ہر سال تقریباً ایک لاکھ چھپر چھائے اور چار مہینے بعد نوچ کے پھینک دیے جاتے -

حوالی شہر مین دو مرغزار شکارگاہ قرار دیے گئے تھے جن مین سے ایک مغرب کی جانب گرجی بیگ خان کی مسجد سے گپتار گھاٹ تک چلا گیا تھا جو ایک معتد بہ مسافت ہے - اُس کے دونون طرف کچی دیوارین تھین اور تیسری طرف گھاگرا واقع ہوئی تھی - اس مین ہرن چیتل - بارہ سنگے - نیل گائین وغیرہ شکار کے جانور کثرت سے چھوڑے گئے تھے - جو نہایت آزادی سے چھوٹے پھرتے اور بھڑکتے ہی چوکڑیان بھرنے لگتے - دوسری شکارگاہ شہر سے مشرق طرف موضع جنورا اور چھاؤنی گوشائین سے دریا کنارے تک تھی جس کا پھیلاؤ چھ میل کا تھا - اس کے رقبہ مین گیارہ موضع اور اُن کی اراضی آگئی تھی - مگر یہ شکارگاہ ناتمام ہی رہی - اور اس کی نوبت نہ آنے پائی کہ اُس مین وحشی جانور چھوڑے جائین -

خاص شہر کے حلقے کے اندر تین ایسے نزہت بخش باغ تھے جو اس قابل تھے کہ امرا اور شاہزادے آ کے اُن مین سیر کرین اور اُن کی بہار اور شادابی سے لطف اُٹھائین - ایک انگوری باغ جو قلعہ کے اندر واقع تھا - اور اُس کے رقبہ کے چوتھائی حصہ پر حاوی تھا - دوسرا موتی باغ جو عین چوک کے اندر واقع تھا -

تیسرا لال باغ جو سب باغون سے زیادہ وسیع تھا۔ اس مین نہایت ہی نفاست سے چمن بندی کی گئی تھی - اور ہر طرح کے نازک و نظر فریب پھول قرینے سے لگائے گئے تھے ۔ سارے صوبے مین اس کی شہرت تھی - اور دُور دُور کے لوگون کو تمنا تھی کہ کوئی خوش نصیبی کی شام اس روح افزا باغ مین بسر کرین ۔ شہر کے نوجوان شرفا گول روز سہ پہر کو اُس مین گشت لگاتے اور دل بہلاتے نظر آتے - اس باغ کی جان فزائی کی شہرت یہان تک تھی کہ شہنشاہ دہلی شاہ عالم بادشاہ جب الہ آباد سے پلٹے تو اسی باغ کی سیر کے شوق مین فیض آباد ہوتے ہوئے دہلی گئے ۔ اور کچھ زمانے تک اسی کے اندر اُن کا قیام رہا - ان تین باغون کے علاوہ آصف باغ اور بلند باغ بھی نواح شہر مین لکھنؤ کے راستہ پر واقع تھے۔

نواب شجاع الدولہ بہادر کو شہر کی درستی کا اس قدر شوق تھا کہ ہر صبح و شام سوار ہو کے سڑکون اور مکانون کو معائنہ کرتے ۔ مزدور پھاوڑے اور کدالین لیے ہوئے ساتھ ہوتے ۔ جہان کہین کسی مکان کو ٹیڑھا اور اپنی حد سے بڑھا ہوا پاتے یا کسی دُکاندار کو دیکھتے کہ اُس نے سڑک کی زمین بالشت بھر بھی دبالی ہے فوراً اُسے کھُدوا کے برابر اور سیدھا کرادیتے۔

فوج کی اصلاح کی طرف بھی شجاع الدولہ کو خاص توجہ تھی ۔ رسالے کے اعلیٰ سردار نواب مرتضیٰ خان بریچ اور ہمت بہادر اور اُمراؤگیر نام دو گوسائین تھے۔ ان کے ماتحت اتنے سوار تھے کہ ان تین کے علاوہ اور جتنے چھوٹے چھوٹے جمعدار تھے سب کی فوج کی مجموعی تعداد سے ان مین سے ہر ایک کی جمعیت زیادہ تھی۔ دیگر سرداران فوج احسان کمبوہ ۔ گُرجی بیگ خان گوپال راؤ مرہٹا - میر جملہ کے داماد نواب جمال الدین خان - مظفر الدولہ تہور جنگ بخشی ابوالبرکات خان ساکن کاکوری - اور محمد معز الدین خان لکھنؤ کے ایک شیخزادے تھے۔ ان مین سے کوئی نہ تھا جس کے ماتحت ہزار پانسو سپاہیون کا گروہ نہ ہو۔ ماسوا ان کے خواجہ سرا اور وہ نوعمر خواجہ سرا جو اُن کے زیر نگرانی تربیت پاتے ۔ چیلے - اور شاگرد پیشہ تھے ۔ بسنت علی خان خواجہ سرا کے ماتحت دو ڈویژن فوج یعنی چودہ ہزار باقاعدہ فوج تھی جس کی وردی سرخ تھی - ایک دوسرا بسنت خواجہ سرا

تھا جس کے زیر کمان ایک ہزار بے قاعدہ نیزہ باز سوار اور ایک پلٹن تھی۔ عنبر علی خان خواجہ سرا کی افسری مین پانسو سوار اور ایک پلٹن تھی۔ جن کی وردیان سیاہ تھین۔ محبوب علی خان خواجہ سرا کے زیر علم پانسو سوار اور چار پلٹنین تھین۔ اتنی ہی فوج لطافت علی خان کے ماتحت تھی۔ رگھناتھ سنگھ اور پرشا و سنگھ مین سے ہر ایک کے زیر کمان تین تین سو سوار اور چار چار پلٹنین تھین۔ اسی طرح مقبول علی خان اول و دوم اور یوسف علی خان کے ہمراہ پانپان سو مغل سوارون اور پیدلون کی جمعیت تھی۔ اور توپخانہ بے حد و بے حساب تھا۔

لہذا کل فوج جو شجاع الدولہ کے قبضہ مین تھی اور فیض آباد مین موجود رہا کرتی اُس کی مجموعی تعداد یہ تھی۔ سرخ وردی والے تیس ہزار باقاعدہ اور سیاہ وردی والے چالیس ہزار بے قاعدہ پیادے۔ ان کے افسر اعلی یعنی سپہ سالار اعظم سید احمد تھے جو "بانسی والا" کے لقب سے مشہور تھے۔ جلدی بھرنے اور فیر کرنے کے اعتبار سے ان کی توڑے دار بندوقون کے مقابلے مین انگریزی فوج کی بندوقین کوئی وقعت نہ رکھتی تھین۔

اس جمعیت کے علاوہ شجاع الدولہ کے پاس بائیس ہزار ہرکارے اور مخبر تھے۔ جو ہر ساتوین روز پُونا سے اور ہر پندرھوین دن کابل سے خبرین لاتے۔ دربار مین ہمیشہ بلاد دُور و دراز کے حکمرانون کے نائب موجود رہا کرتے۔ ایک نائب مرہٹون کا تھا۔ ایک نظام علی خان فرمان روائے دکن کا۔ ایک ضابطہ خان کا۔ اور ایک نواب ذوالفقار الدولہ نجف خان کا۔ جن کے ساتھ اُن کے دفتر اور سپاہی بھی تھے۔ ان لوگون کے علاوہ اور بھی بہت سے فوجی افسر اپنی جمعیتون کے ساتھ یہان موجود رہتے۔ جیسے میر نعیم خان جن کے جھنڈے کے نیچے ثابت خانی بندیلکھنڈی چندیلا اور میواتی سپاہیون کا ہجوم تھا۔

محمد بشیر خان قلعہ دار تھے شہر کی فصیلون اور پھاٹکون پر اُنھین کے سوار اور پیادے پھیلے رہتے۔ اور قلعے کے اندر ہی اُن کے رہنے اور دفتر کے لیے عمدہ مکانات اور اُن کے سپاہیون کی بارکین بنی ہوئی تھین۔ جب بیرونی دیوارون مین بھی جگہ نہ باقی رہی تو سید جمال الدین خان اور گوپال راؤ مرہٹا نے

باہر نکل کے موضع نوراہی کے پاس سکونت اختیار کی اور اپنے مکانات اور کیمپ وہان بنائے- اور اِسی جگہ کی تنگی کی وجہ سے نواب مرتضیٰ خان بڑیچ میرزا احمد بانسی والا- میر ابو البرکات اور شیخ احسان اجودھیا اور فیض آباد کے درمیان خیمون مین رہتے تھے-

آدمیون کی کثرت اور سپاہیون کے ہجوم سے شہر کے اندر خصوصاً چوک مین اس قدر بھیڑ لگی رہتی کہ گزرنا دشوار تھا- اور غیر ممکن تھا کہ کوئی شخص بغیر ٹھوکر کھائے ہوئے سیدھا چلا جائے- فیض آباد نہ تھا انسانون کا جنگل تھا- بازار میں پہنچیے تو ملکون ملکون کا مال ڈھیر تھا- اور یہ خبر سُن کے کہ فیض آباد مین نفیس مزاج رئیسون اور شوقین امیرون کا منتخب مجمع ہے ہر طرف سے تاجرون کے قافلے لدے پھندے چلے آتے تھے- اور چونکہ چاہے کیسا ہی قیمتی مال ہو ہاتھون ہاتھ بک جاتا اچھی سے اچھی چیزون کے آنے کا سلسلہ بندھ گیا تھا جب دیکھیے ایرانی- کابلی- چینی- اور فرنگی سوداگر نہایت گران قیمت اور بھاری مال لیئے ہوئے موجود رہتے- اور جو نفع اُٹھاتے ہوس بڑھتی اور زیادہ جستجو و جانفشانی سے نیا مال لے آتے- مسیو ژان تیل مسیو سون سون اور مسیو پیدرو ز وغیرہ کے ایسے دوسرے فرانسیسی جو یہان اقامت گزین ہو گئے تھے سرکار مین ملازم تھے- اور شجاع الدولہ کی سلطنت سے روابط اتحاد رکھتے تھے- جو سپاہیون کو فوجی تعلیم دیتے- اور توپین بندوقین اور دیگر اسلحۂ جنگ اپنے اہتمام مین تیار کراتے-

منشی فیض بخش مصنف تاریخ فرح بخش ہی کی حکایت سے ہمین یہ واقعات معلوم ہوئے ہین خود اس زمانے مین موجود تھے اور اُنھون نے جو کچھ لکھا ہے اپنے مشاہدے سے لکھا ہے- وہ کہتے ہین کہ مین جب پہلے پہل گھر چھوڑ کے فیض آباد مین گیا ہون ممتاز نگر ہی تک پہونچا تھا جو شہر کے مغربی پھاٹک سے چار میل کی مسافت پر ہے مین نے دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے انواع و اقسام کی مٹھائیان گرما گرم کھانا- کباب- سالن- روٹیان- اور پراٹھے وغیرہ بک رہے ہین- سبیلین رکھی ہوئی ہین- نان خطائیان مختلف قسم کے شربت اور فالودہ بھی

بک رہا ہے اور ہزارہا آدمی خریداری کے لیے اُن دُکانون پر گرے پڑتے ہین - مجھے خیال گزرا کہ مین شہر کے اندر داخل ہوگیا اور خاص چوک مین ہون - مگر متحیر تھا کہ ابھی تک شہر کا پھاٹک تو آیا ہی نہین مین اندر کیسے پہونچ گیا ؟ لوگون سے پوچھا تو ایک راہ گیر نے کہا "جناب شہر کا پھاٹک یہان سے چار میل ہے - آپ کس خیال مین ہین ؟"

اُس جواب پر حیرت کرتا ہوا مین شہر مین داخل ہوا تو عجب چہل پہل نظر آئی - رنگینیان تھین اور دلچسپیان - جدھر دیکھتا ہون ناچ ہو رہا ہے - مداری تماشا کر رہے ہین - اور لوگ طرح طرح کے سیر تماشون مین مصروف ہین - مین یہ رونق اور شور و ہنگامہ دیکھ کے بہوت رہ گیا - صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک کوئی وقت نہ ہوتا جب فوجون اور پلٹنون کے نقارون کی آواز نہ سنی جاتی ہو - پہرون اور گھڑیون کے بتانے کے لیے بار بار نوبت بجتی اور گھڑیالون پر موگریان پڑتین جن کے شور غل سے کان اُڑے جاتے - سڑکون پر دیکھیے تو ہر دم گھوڑون - ہاتھیون - اونٹون - خچرون - شکاری کتون گائے بھینسون - بیلون - چھکڑون - اور توپون کے گزرنے کا سلسلہ جاری رہتا - جن کا شمار حساب اور اندازے سے باہر تھا - راستہ چلنا دشوار تھا -

ایک عجیب رونق و تمکنت کا شہر نظر آیا جس مین وضعداران دہلی مین سے خوش پوشاک اور وضعدار شریف زادے - حاذق اطبائے یونانی - اعلی درجے کے مردانے اور زنانے طائفے - ہر شہر اور ہر مقام کے مشہور اور باکمال گویّے سرکار مین ملازم تھے - اور بڑی بڑی تنخواہین پا کے عیش و فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے - ادنیٰ و اعلیٰ سب کی جیبین روپون اشرفیون سے بھری ہوئی تھین - اور ایسا نظر آتا کہ جیسے یہان کبھی کسی نے افلاس و احتیاج خواب مین بھی نہین دیکھا ہے - نواب وزیر (نواب شجاع الدولہ بہادر) شہر کی سرسبزی و رونق اور رعایا کی مرفہ الحالی مین ہمہ تن مصروف تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ چند ہی روز مین فیض آباد دہلی کی ہمسری کا دعوی کرے گا -

چونکہ کسی مملکت اور کسی شہر کا رئیس اُس نفاست اور شان و شکوہ سے نہین

رہتا تھا جس طرح کہ نواب شجاع الدولہ رہتے تھے - اور اُس کے ساتھ ہی یہ نظر آتا تھا کہ کہین کے لوگ اس بے جگری سے ہر کام مین اور ہر موقع و محل پر دولت صرف کرنے کو نہین تیار ہو جاتے تھے - اس لیے ہر قسم کے اور ہر جگہ کے اعلی دستکارون صناعون اور طالب علمون نے وطنون کو خیر باد کہ کے فیض آباد ہی کو اپنا مسکن بنا لیا - اور یہان ہر زمانے مین ڈھاکے - بنگالے - گجرات - مالوہ - حیدر آباد - شاہجہان آباد - لاہور - پشاور - کابل - کشمیر - اور ملتان وغیرہ کے طالب علمون کا ایک بڑا بھاری گروہ موجود رہتا جو علما کی درس گاہون مین تعلیم پاتے - اور اُس چشمۂ علم سے جو فیض آباد مین جاری تھا سیراب ہو ہو کے اپنے گھرون کو واپس جاتے - کاش نواب وزیر اور دس بارہ برس جی جاتے تو گھاگرا کنارے ایک نیا شاہجہان آباد آباد ہو جاتا - اور دنیا ایک نئی زندہ دہلی کی صورت دیکھ لیتی -

یہ نواب شجاع الدولہ کے صرف نو سال کے قیام کا نتیجہ تھا جس نے فیض آباد کو ایسا بنا دیا - اور ان نو سال مین بھی صرف برسات کے چار مہینے وہ شہر مین رونق افروز رہتے - باقی زمانہ اپنی قلمرو کے دورے اور سیر و شکار مین صرف ہوتا تھا - شجاع الدولہ کا طبعی میلان مہ جبین عورتون کی اور رقص و سرود کی طرف تھا جس کی وجہ سے بازاری عورتون اور ناچنے والے طائفون کی شہر مین اس قدر کثرت ہو گئی تھی کہ کوئی گلی کوچہ اُن سے خالی نہ تھا - اور نواب کے انعام و اکرام سے وہ اس قدر خوش حال اور دولتمند تھین کہ اکثر رنڈیان ڈیرہ دار تھین جن کے ساتھ دو دو تین تین عالیشان خیمے رہا کرتے - اور نواب صاحب جب اضلاع کا دورہ کرتے اور سفر مین ہوتے تو نوابی خیمون کے ساتھ ساتھ اُن کے خیمے بھی شاہانہ شکوہ سے چھکڑون پر لد لد کے روانہ ہوتے اور اُن کے گرد دس دس بارہ بارہ تلنگون کا پہرہ رہتا - اور جب حکمران کی یہ وضع تھی تو تمام امرا اور سردارون نے بھی بے تکلف یہی وضع اختیار کر لی - اور سفر مین سب کے ساتھ رنڈیان رہنے لگین - اگرچہ اس سے بد اخلاقی اور بے شرمی کو ترقی ہو گئی لیکن اس مین شک نہین کہ ان

شاہدان بازاری کی کثرت اور اُمرا کی شوقینی سے شہر کی رونق بدرجہا زیادہ بڑھ گئی تھی اور فیض آباد دُلھن بن گیا تھا۔

سنہ ۱۱۸۸ھ میں شجاع الدولہ نے مغرب کا سفر کیا۔ اس سفر میں شاہی کیمپ کی رونق اور چہل پہل بیان سے باہر تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ نوابی علم اقبال کے ساتھ ساتھ ایک بڑا بھاری شہر سفر کر رہا ہے۔ لکھنؤ ہوتے ہوئے اٹاوے پہونچے جس پر مرہٹے قابض تھے۔ ایک ہی حملے میں اُسے اُن سے چھین کے اپنے قبضے میں کیا۔ اور احمد خان بنگش کی قلمرو میں داخل ہو کے کوڑیا گنج اور کاس گنج میں خیمہ زن ہوئے۔ یہاں سے اُنھوں نے حافظ رحمت خان فرمان روائے بریلی کو لکھا "گزشتہ سال میں نے ایک کروڑ روپئے مہاجی سیندھیا مرہٹے کو بھیجے تھے جس نے آپ کا وہ تمام علاقہ جو درمیان دوآبہ ہے آپ سے چھین لیا تھا۔ وہ رقم ادا کر کے میں نے آپ کا وہ علاقہ اُس کے قبضے سے چھڑایا اور آپ کے حوالے کر دیا لہذا اب پچاس لاکھ کی رقم جو آپ کی طرف سے میں نے ادا کی تھی فوراً ادا کیجیے" حافظ رحمت خان نے اپنے تمام افغان سرداروں اور بھائی بندوں کو جمع کر کے کہا "شجاع الدولہ لڑائی کے لیے بہانہ ڈھونڈھ رہے ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ یہ مطلوبہ رقم ادا کر دی جائے۔ بیس لاکھ میں اپنے پاس سے دیتا ہوں اور باقی تیس لاکھ تم جمع کر دو" نا عاقبت اندیش پٹھان سرداروں نے جواب دیا "شجاع الدولہ کے سپاہی دیکھنے ہی کے ہیں وہ بھلا ہم سے کیا مقابلہ کر سکیں گے۔ باقی رہی انگریزی فوج جو اُن کے ساتھ ہے تو اُن کی توپوں پر جس وقت ہم تلوار سونت سونت کے جا پڑیں گے سب کے حواس جاتے رہیں گے۔ دینے لینے کی کچھ ضرورت نہیں" حافظ رحمت خان نے یہ سُن کے کہا "تمھیں اختیار ہے۔ مگر میں ابھی سے کہے رکھتا ہوں کہ اگر لڑائی کا رنگ بدلا تو میں میدان سے زندہ نہ آؤں گا۔ اور اُس کا جو کچھ انجام ہو گا وہ تمھیں کو بھگتنا پڑے گا"

بہر تقدیر شجاع الدولہ کو اپنی خواہش کے موافق جواب نہ ملا۔ فوج لے کے چڑھ گئے۔ لڑائی ہوئی۔ اور لڑائی کا وہی انجام ہوا جسے تقدیر نے حافظ رحمت خان کی زبان سے پہلے ہی سُنوا دیا تھا۔ حافظ صاحب شہید ہوئے۔

اور اُن کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ مگر یہ فتح شجاع الدولہ بہادر کو بھی سزاوار نہ ہوئی۔ ۱۳ رصفر ۱۱۸۸ھ (۱۷۷۴ء) کو لڑائی ہوئی تھی۔ ۱۱ رشعبان کو شجاع الدولہ بریلی سے کوچ کرکے لکھنؤ آئے۔ ماہ مبارک رمضان لکھنؤ مین بسر کیا۔ ۸ رشوال کو لکھنؤ سے کوچ کرکے ۱۴ رکو فیض آباد مین داخل ہوے۔ اور فتح کو ۹ مہینے دس ہی دن ہوے تھے۔ اور گھر مین پورے ڈیڑھ مہینے بھی آرام کرنے کا موقع نہین ملا تھا کہ ۲۳ رذیقعدہ ۱۱۸۸ھ (۱۷۷۴ء) کو رہگزاے عالم جاودان ہوئے۔ اور افسوس اُن کی وفات ہی کے ساتھ فیض آباد کی ترقی کا دور بھی ختم ہو گیا۔

اس وقت حکومت اودھ مین سب سے بڑا اثر نواب شجاع الدولہ بہادر کی بی بی بہو بیگم صاحبہ کا تھا۔ جو نہایت ہی دولت مند بھی سمجھی جاتی تھین۔ اُن کی منظوری سے نواب آصف الدولہ مسند نشین حکومت ہوے۔ مگر اُن کی اخلاقی حالت نہایت خراب تھی۔ اور مصاحبون کو مناسب معلوم ہوا کہ ماں بیٹون کو الگ رکھین۔ چند روز تک سیر و شکار مین مصروف رہنے کے بعد نواب آصف الدولہ بہادر نے لکھنؤ مین قیام اختیار کر لیا۔ جو یہین سے بیٹھے بیٹھے ماں کو ستایا کرتے۔ اور بار بار اُن سے روپیہ طلب کرتے۔

بہو بیگم صاحبہ کے موجود رہنے سے فیض آباد کو اُن کی زندگی تک تھوڑی بہت رونق حاصل رہی۔ اگرچہ اُن کی زندگی مین بھی نواب آصف الدولہ کی نالائقیون نے بہو بیگم صاحبہ کے اطمینان مین اور اس کی وجہ سے فیض آباد کے امن و امان مین خلل ڈالا۔ مگر اُس محترم خاتون کی زندگی تک وہ جھگڑے اور ہنگامے بھی ایک گونہ باعث رونق ہو جایا کرتے تھے اُن کی وفات پر فیض آباد کی تاریخ ختم ہو گئی۔ اور لکھنؤ کا دور شروع ہوا جس کا حال ہم آیندہ لکھین گے۔

مغرور جوتا

مین اپنے ٹوٹے ہوئے جوتے کو اُتار رہا تھا کہ اُس نے اور دانت نکال دیئے۔ اور

مین ایسا جھنجھلایا کہ اُسے نوچ کے پھینک دیا- میری یہ متکبرانہ برہمی اُسکو ناگوار سی گزری اور زبان حال سے بولا "میرا قصور ؟" مین نے بے پروائی سے کہا "ع کفش چون وندان نمایدے کنند انہ پائے دُور" اُس نے کہا "خیر آپ کو میری ضرورت نہین رہی ہے تو نکال دیجئے مگر یون ذلیل کرکے تو نہ نکالیئے!" اُس کے اس غرور پر مجھے ہنسی آگئی- اور کہا "کیا دنیا مین تجھ سے بھی زیادہ ذلیل کوئی چیز ہے ؟ تو انسان کے اسفل ترین حصۂ جسم سے وابستہ ہے- ہر وقت پاؤن سے کچلا اور روندا جاتا ہے- اور ہمیشہ راستہ کی نجاستون مین آلودہ ہوتا رہتا ہے- تہذیب کی صحبتون مین تیرا گزر نہین ہو سکتا- صفائی کی محفلون مین توگھسنے نہین پاتا- ہم جب کبھی کسی احسان فراموش کو دیکھ کے کہتے ہین کہ یہ ہماری ہی جوتیون کا صدقہ ہے اس وقت تجھے انتہا درجے کی ذلت سے دیکھتے ہین- اور ہماری محبوبۂ مہ جبین نے کل جو اپنی زلف برہم کی طرح پیچ وتاب کھا کے "میری جوتی کی نوک سے" کہا تھا تو اُس سے تجھے حد سے زیادہ حقیر خیال کیا تھا- تو یہ بھی نہین دیکھتا کہ جسے کمال درجہ ذلیل کرنا ہوتا ہے اُسے تیری مار ماری جاتی ہے؟ اور تیری ایک بے نتیجہ چوٹ بھی اپنے تیر وسنان اور شمشیر وخنجر کے ہزار جان ستان زخمون سے زیادہ ناگوار گزرتی ہے؟ یہ سب کیون؟ اس لئے کہ تو نہایت ہی حقیر اور حد سے زیادہ ذلیل ہے- لیکن باوجود ان سب باتون کے تجھے بیحیائی سے اپنی عزت کا خیال ہے؟"

مین سمجھتا تھا کہ یہ باتین اس سرکش جوتے کو خاموش کردین گی مگر اُس پر کچھ اثر نہ ہوا اور بولا "یون تو آپ کو اختیار ہے کہ اپنے نزدیک جسے چاہین معزز خیال کرلین اور جسے چاہین ذلیل کرین- لیکن خدائی فیصلہ آپ کی تجویز اور رمرضی سے نہین ہو سکتا- خدا نے ہر شخص اور ہر چیز کو اپنے مقام پر ایک فضیلت اور خصوصیت عطا کی ہے جس پر وہ جس قدر فخر وناز کرے بجا ہے- لیکن اُس پر آپ کی طرح کسی کو اترانا نہ چاہیے- مجھ مین اگر کوئی ذلت کی بات ہے تو وہ آپ کی بدولت ہے- آپ اپنے گھر مین مجھے ذلیل سمجھا کرین-

لیکن مین اپنی جگہ پر غور کرتا ہون تو اپنے مین کوئی ذلت و حقارت کی بات نہین پاتا۔ مین جس چیز سے بنا ہون اُسی سے آپ کا جسم بنا ہے۔ یہی زندگی یہی نرمی۔ یہی حس۔ اور یہی خوبی جو آپ کی کھال مین ہے کبھی مجھ مین بھی تھی۔ یہی غذائین جو روز آپ کا جزو بدن ہوا کرتی ہین کبھی میرا جزو بھی ہوا کرتی تھین۔ مرنے کے بعد میری حالت آپ سے اچھی ہی رہی۔ مین تو سڑنے گلنے سے بچ کے آپ کے پاؤن کا لباس بن گیا۔ آپ کی کھال مین اگر نفع رسانی خلق کا کوئی مادہ شاید ہو بھی تو اس مستعار زندگی ہی تک ہے۔ مرنے کے بعد آپ کے جسم کے کسی حصہ کو خلق اللہ کی خدمت کا کوئی موقع ملے اس کی ہرگز امید نہین۔ ممکن تھا کہ مین ایک پُرتکلف ٹوپی کا استر بن کے آپ کے سر پر جا پہونچتا۔ ممکن تھا کہ مین پوستین کی صورت مین نمودار ہوکے آپ کے جسم سے لپٹ جاتا۔ ممکن تھا کہ مین ایک پیٹی بنتا اور آپ کی کمر مین بندھا رہتا۔ اور ممکن تھا کہ مین کوئی اور ایسی خوبصورت چیز بن جاتا جسے آپ نہایت عزیز رکھتے۔"

جوتے کی ان واعظانہ باتون سے مین دل مین کانپ گیا مگر یہ اچھا نہ معلوم ہوا کہ ایک ایسی ذلیل شے سے قائل ہو جاؤن۔ جواب دیا "ان صورتون مین سے جو صورت ہوتی ویسی ہی تمھاری قدر و منزلت بھی کی جاتی۔ مگر اب تو تم ایک جوتے ہو اور ٹوٹے ہوے جوتے! ایسی حالت مین عزت کا نام لیتے تمھین شرم نہین آتی؟" مگر وہ جوتا بھی کچھ ایسا جھنجھلایا ہوا تھا کہ کسی طرح جان نہ چھوڑی اور کہا "مین تو جوتا ہونے مین بھی اپنی توہین و تذلیل کی کوئی وجہ نہین پاتا۔ جوتا ہونے سے کیا کوئی ذلیل ہو جاتا ہے؟ اگر مین آپ کے بادشاہ یا کسی معمولی حاکم ہی کا جوتا ہوتا تو آپ زمین پر سر رکھ کے مجھے چومتے۔ اگر مین آپ کے مرشد یا کسی ولی اللہ کا جوتا ہوتا تو آپ مجھے باوجود شکستگی کے آنکھون سے لگاتے۔ اگر مین آپ کے اُستاد یا کسی دوسرے بزرگ کا جوتا ہوتا تو آپ اپنی سعادتمندی تصور کر کے مجھے سیدھا کرتے۔ اور بالفرض اگر مین اُسی مہ جبین کی جوتیان ہوتا جس کے "میری جوتی کی نوک سے" کہتے مین آپ کو میری حقارت نظر آئی تو آپ میری مار کو بڑے شوق اور مزے سے کھاتے۔ اب آپ ہی

فرمائیے کہ جوتا ہونے سے میری کیا آبرو گھٹ گئی؟ ہان اس بات کو مین البتہ مان لونگا کہ آپ کے ایسے ناحق شناس انسان کی پاپوش بننے سے میری عزت جاتی رہی - اور مجھ مین ذلت وحقارت جو کچھ ہے آپ سے ملنے آپ کے پاس آنے اور آپ کی صحبت مین رہنے کی وجہ سے ہے "

اب گفتگو نے ایسی صورت اختیار کر لی تھی کہ اپنی کمزوری ظاہر ہوتا دکھائی دیتا اور مجھے یہ نظر آرہا تھا کہ میرا ہی جوتا مجھے کمال بے باکی سے ذلیل کر رہا ہے - برہمی کے ساتھ کہا "تیری حقارت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ جب مقدس دربار الٰہی مین پہونچے تو حکم ہوا کہ "فاخلع نعلیک" (اپنی جوتیان اُتار ڈالو) جوتے نے کہا "بے شک اس مقام پر جناب موسیٰؑ کو جوتیان اُتارنا پڑین - مگر جس منزل تک وہ جوتیان پہنے چلے گئے اور جہان تک میرا اُن کا ساتھ رہا وہان تک آپ تو کیا ہین بڑے بڑے آئمہ دین کی بھی رسائی نہین ہو سکتی - ذات وحدت کی قربت مین ضرورت تھی کہ حضرت موسیٰ دنیا کی تمام نمائشون سے معری ہو جائین - جوتیان تو جوتیان وہان تو اُنھین سارے کپڑے اُتار ڈالنا چاہیے تھے - اس مین اول تو میری ذلت نہین ہوئی اور جو ہوئی بھی تو آپ کے مقابلے مین نہین - آپ سے افضل ہی ہون "

آخر مین نے تنگ آکے پوچھا "کیا تو سچ مچ اپنے آپ کو مجھ سے افضل و اعلیٰ سمجھتا ہے یا یہ فقط تیری سخن پروری ہے؟" اُس نے کہا "سخن پروری اور ضد انسان کے صفات ہین - اور انسان کے سوا ساری مخلوق ان سرکشانہ صفات سے مبرا ہے - رہا اپنی بڑائی اور فضیلت کا خیال - تو وہ نفس پرستی کا تقاضا ہے - اور خدا نے مجھے اس مرض سے محفوظ رکھا ہے اپنے مخلوقیت کے فرائض ادا کرنے کی دُھن مین کبھی مجھے اس مسئلہ پر غور کرنے کی فرصت ہی نہین ملی - مین کیا جانون کہ آپ افضل ہین یا مین؟ ہان ایک بات البتہ خیال مین آتی ہے - مگر آپ شاید اسے مانین یا نہ مانین؟" مین نے گھبرا کے پوچھا "وہ کون سی بات ہے؟" جواب ملا کہ "اپنے فرائض زندگی کو جو شخص جتنی زیادہ عمدگی و مستعدی سے بجا لائے اُسی قدر اُسے افضل

ہونا چاہیے۔" مین نے کہا "بے شک!" میری زبان سے بے شک کا لفظ سنتے ہی وہ ایک جوش مسرت کے ساتھ بولا اچھا "تو پھر مین آپ سے افضل ہون مین سچ کہتا ہون کہ اپنے فرائض ادا کرنے مین کبھی مین نے کوتاہی نہین کی۔ مین آپ کے سپرد کیا گیا تھا۔ اور دربار الٰہی سے آپ کے یہان میرا تقرر ہوا تھا۔ آپ نے جب اور جو کام لینا چاہا مین نے عذر نہین کیا۔ آپ بُرے کامون کے لیئے گیے۔ سیہ کاریون مین مبتلا ہونے کے لیئے گھر سے نکلے۔ ایذا رسانی اور مخلوق کو آزار پہونچانے کے لیئے روانہ ہوے اور ہمیشہ مجھے پہن کے گئے۔ میری طرف سے آپ کی فرمان برداری مین ذرا بھی کمی ہوئی ہو تو فرمایئے؟ آپ مجھے پہنے ہوے نجاستون مین چلے گئے۔ کانٹون اور پتھرون مین گھس گئے۔ مجھے ان باتون سے تکلیف ہوئی مگر مین نے اطاعت سے منھ نہ موڑا۔ آپ کی رفاقت مین مجھے حد درجے کی بے نفسی سے کام لینا پڑا۔ نیکی اور بدی کی طرف سے اپنے آپ کو بالکل بے حس کر لینا پڑا۔ غرض مین نے ہر طرح کی مصیبتین جھیلین مگر آپ کی نافرمانی نہین کی۔ اب اس کے مقابلے مین آپ اس کا ثبوت دین کہ آپ بھی اپنے فرائض زندگی کو بے عذر و بے تامل ادا کرتے رہے۔ اور کبھی آپ سے ان مقاصد زندگی کے بجا لانے مین قصور نہین ہوا۔ اگر آپ اسے ثابت کر لے جائین تو گو کہ اس سے صرف میری آپ کی مساوات ثابت ہو گی مگر مین آپ کو اپنے سے افضل مان لون گا۔ ورنہ بندہ نواز قصور معاف آپ ہزار بڑھ بڑھ کے باتین بنائین مین آپ سے اچھا ہون!"

اب مین کلیۃً لاجواب تھا خصوصاً اس لیئے کہ اُس کے یاد دلانے سے زندگی بھر کے گناہ اور قصور میری آنکھون کے سامنے پھر رہے تھے کمال بے اختیاری سے قبول کر لینا پڑا کہ "مین ہارا اور تم جیتے۔ واقعی تم مجھ سے ہزار درجے بہتر ہو۔ اور مین نے جو تمھاری تحقیر کی اُسے معاف کرو!"

ریویو

اردو۔ لاہور سے اردو زبان کا یہ ایک نیا لٹرری رسالہ اکتوبر سنہ ۱۹۱۳ء سے

شایع ہونا شروع ہوا ہے جس کے مالک و ایڈیٹر مولوی فتح محمد خان صاحب جالندھری ہین جنھون نے اپنے تصانیف صرف و نحو اردو کے ذریعے سے زبان اردو پر اپنے حقوق پیدا کر لئے ہین۔ اور جن کی ذات سے امید ہے کہ تہذیب و ترقی اردو کا سلسلہ خوش اسلوبی کے ساتھ جاری رکھ سکین گے۔ اس کے پہلے دو نمبر جو ہماری نظر سے گزرے قابل قدر ہین۔ اور زار اردو کے شایقین کے لئے اچھا ذخیرہ رکھتے ہین۔ لکھائی۔ چھپائی۔ اور کاغذ قابل اطمینان ہین۔ سائز ۱۸ × ۲۲ ہے۔ اور سالانہ قیمت مع محصول ڈاک تین روپیہ ہے۔ جن حضرات کو زبان اردو کی تحقیق و تدقیق کا شوق ہو اس رسالے کی ضرور قدر فرمائین۔ اور جناب ایڈیٹر صاحب موصوف کی خدمت مین لاہور کے پتہ پر مراسلت کر کے طلب۔ فرمائین۔

ظریف یہ بھی ایک نیا اردو رسالہ ہے جس کو "زندہ دل اصحاب کا رسالہ" ہونے کا دعوی ہے۔ اور دسمبر ۱۹۱۲ء سے لاہور سے شایع ہونا شروع ہوا ہے۔ ایڈیٹر پیرزادہ عبدالرشید صاحب ہین۔ اگر یہ رسالہ اپنے مذاقیہ لٹریچر کو اچھی طرح سنبھال کے نباہ لے گیا تو عام پسند ثابت ہوگا۔ لیکن یہ نہایت ہی مشکل کام ہے۔ جس کی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ زبان جتنی عام ہوتی ہے اُتنی عام ظرافت نہین ہوتی۔ ہر مقام اور ہر سوسائٹی کی ظرافت اپنی خصوصیتون کے لحاظ سے جدا ہوتی ہے۔ ظرافت کی بنیاد جن واقعون محاورون اور خیالون پر ہوتی ہے وہ اُس قدر عام نہین ہو سکتے جتنی کہ عام زبان ہوتی ہے۔ اور ایسے لطیفے اور مضامین ظرافت جو تمام لوگون کو یکسان لطف دے جائین دشواری سے ہاتھ آسکتے ہین۔ پہلے نمبر کی ضخامت ۱۸ × ۲۲ پیمانہ کے ۳۲ صفحون کی ہے۔ قیمت عام شایقین سے ایک روپیہ بارہ آنے طلبہ سے دو آنے کم۔ نمونے کے لیے ۲؍ خریداری کے لیئے پیرزادہ عبدالرشید صاحب سے "وکٹوریہ ہال لاہور" کے پتہ پر مراسلت کی جائے۔

انتخاب توحید۔ ۱۸ × ۲۲ پیمانے کے ۱۴۷ صفحون کا رسالہ ہے جس مین مرحوم اخبار توحید میرٹھ کے بہت سے منتخب مضامین جمع کر دیے گئے ہین۔ پہلے حصے مین جو

۱۱۰ صفحات پر ختم ہوا ہے مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب کے مضامین ہین - اور دوسرے حصے مین جو ۶۴ یا ۶۵ صفحات پر ہے دیگر انشا پردازون کے مضامین - مضامین موثر - شوخ - انوکھے - دلچسپ - اور جدت کو لیے ہوے ہین جو چیزین کہ ہمارے محترم دوست خواجہ صاحب کا خاص جوہر ہین - چھپائی نہایت واضح اور صاف ہے اور کاغذ اُجلا اور روشن قیمت فی جلد ایک روپیہ - شایقین منشی محمد انور صاحب ہاشمی منیجر اخبار توحید سے "لال کورتی - میرٹھ" کے پتہ پر لکھ کے طلب فرمائین -

ہیر ورانجھا - یہ پنجاب کی مشہور "لیلی مجنون" کا دلچسپ اور عام پسند قصہ ہے جسے منشی مولا بخش صاحب کشتہ نے نئے لطف کے ساتھ پنجابی نظم مین تحریر فرمایا ہے ہمارے اکثر پنجابی احباب نے اسے پسند فرمایا - اور ہم سمجھتے ہین کہ زندہ دلان پنجاب بہت پسند فرمائین گے - قیمت فی جلد ۱۲ ر مصنف صاحب سے "امرت سر - ڈھاب کھٹیکان - کوچہ ڈاکٹر جھنڈے خان" کے پتہ پر خط لکھ کے منگوایا جاے -

---

دربار حرام پور کے اسرار

ناول "حسن کا ڈاکو" کی نسبت بعض حلقون مین مشہور ہے کہ اس کو کسی خاص ریاست یا رئیس سے تعلق ہے - واقعات مین توارد و توافق ہو جانا اور بات ہے مگر ہمارا روی سخن کسی کی طرف نہین - ہماری غرض عام والیان ملک و رؤسا کی تنبیہ و اصلاح ہے نہ کسی خاص نواب صاحب کی - لیکن لوگون نے اس ناول اور اس کے عنوان کو اس قدر پسند کیا کہ ہمارا حوصلہ بڑھ گیا - اب ہمارے دوستون کا بہت جی چاہتا ہے کہ یہ مشغلہ ختم نہ ہو - لہذا اس قسم کے ناولون کا ایک سلسلہ شروع کر دیا جاتا ہے جس کا نام ہم نے "دربار حرام پور کے اسرار" قرار دیا ہے - اس سلسلہ کا ایک نہ ایک حصہ ہر دوسرے تیسرے مہینے شایع ہو جایا کرے گا جو نہایت دلچسپ و پر لطف اور مقبول عام ہو گا - اور امید ہے کہ اس کا مجموعہ ایک مشرقی نواب کی مکمل اور عبرت خیز زندگی کی تصویر بن کے دنیا کی لائبریری مین ہمیشہ کے لیے محفوظ رہے گا -

ایڈیٹر دلگداز -

ہندوستان مین مشرقی تمدّن کا آخری نمونہ

(لکھنؤ)

ٹھیک کسی کو نہین معلوم کہ لکھنؤ کی آبادی کی بنیاد کب پڑی؟ اس کا بانی کون تھا؟ اور وجہ تسمیہ کیا ہے؟ لیکن مختلف خاندانون کی قومی روایتون اور قیاسات سے کام لے کے جو کچھ بتایا جا سکتا ہے یہ ہے۔

کہتے ہین راجہ رام چندر جی لنکا کو فتح کرکے اور اپنے بن باس کا زمانہ پورا کرکے جب سریر جہان پناہی پر جلوہ افروز ہوئے تو یہ سرزمین اُنھون نے جاگیر کے طور پر اپنے ہم سفر و ہمدرد بھائی لچھمن جی کو عطا کر دی۔ چنانچہ اُنھین کے قیام یا ورود سے یہان دریا کنارے ایک اونچے ٹیکرے پر ایک بستی آباد ہو گئی جس کا نام اُسی وقت سے "لچھمن پور" قرار پایا۔ اور وہ ٹیکرا "لچھمن ٹیلا" مشہور ہوا۔ اُس ٹیلے مین ایک بہت ہی گہرا غار یا کنُوان تھا جس کی کسی کو تھاہ نہ ملتی تھی۔ اور لوگون مین مشہور تھا کہ وہ سیس ناگ[عہ] تک چلا گیا ہے۔ اس خیال نے جذبات عقیدت کو حرکت دی۔ اور ہندو لوگ خوش اعتقادی سے جا جا کے اُس مین پھول پانی ڈالنے لگے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مہاراجہ جودھشتر کے پوتے راجہ جنم جے نے یہ علاقہ مرتاض

عہ ہندو دیومالا مین سیس ناگ اُس ہزار سرون والے سانپ کا نام ہے جو دھرتی (زمین) کو اپنے پھن پر اُٹھائے ہوئے ہے۔ اور قدرت و عظمت الٰہی کا ایک واجب الاحترام ظہور ہے۔

بزرگون - رشیون اور مُنیون کو جاگیر مین دے دیا تھا جنھون نے یہان چپہ چپہ پر
اپنے آشرم بنائے اور ہر کے دھیان مین مصروف ہو گئے - ایک مدت کے بعد
اُن کو کمزور دیکھ کے دو نئی قومین ہمالیہ کی ترائی سے آکے اِس ملک پر قابض ہو گئین
جو باہم ملتی جُلتی اور ایک ہی نسل کی دو شاخین معلوم ہوتی تھین - ایک "بھر"
اور دوسری "پاسی"

انھین لوگون سے سید سالار مسعود غازی سے سنہ ۴۵۹ محمدی (سنہ ۱۰۳۰ء) مین
مقابلہ ہوا - اور غالباً اُنھین پر بختیار خلجی نے سنہ ۶۲۳ محمدی (سنہ ۱۲۰۲ء) مین چڑھائی کی تھی -
لہذا اس سرزمین پر جو مسلمان خاندان پہلے پہل آکے آباد ہوئے وہ انھین دونون حملہ
آورون خصوصاً سید سالار مسعود غازی کے ساتھ آنے والون مین سے تھے -

بھر اور پاسیون کے علاوہ برہمن اور کائستھ بھی یہان پہلے سے موجود تھے
ان سب لوگون نے مل کے یہان ایک چھوٹا سا شہر بنا لیا - اور امن و امان سے رہنے
لگے - لیکن یہ نہین کہا جا سکتا کہ اس بستی کا نام "لچھمن پور" سے بدل کے "لکھنؤ" کب
ہو گیا - اس آخری مروجہ نام کا پتہ شہنشاہ اکبر سے پہلے نہین چلتا - لیکن اس سے
انکار نہین کیا جا سکتا کہ ہندو مسلمانون کی کافی آبادی بہت پہلے سے موجود تھی -
جس کا ثبوت اس واقعے سے ہو سکتا ہے جو شیوخ لکھنؤ کی خاندانی روایتون مین
موجود ہے کہ سنہ ۹۴۹ محمدی (سنہ ۱۵۴۰ء) مین جب ہمایون بادشاہ کو شیر شاہ کے
مقابل جونپور مین شکست ہوئی تو وہ میدان چھوڑ کے سلطان پور لکھنؤ پہلی بھیت
ہوتا ہوا بھاگا تھا - لکھنؤ مین اُس نے صرف چار گھنٹے دم لیا تھا - اور گو کہ شکست
کھا کے آیا تھا اور کوئی قوت و حکومت نہ رکھتا تھا مگر لکھنؤ کے لوگون نے محض
ہمدردی انسانی اور مہمان نوازی کے خیال سے اُن چند گھنٹون ہی مین دس ہزار روپیہ
اور پچاس گھوڑے اُس کی نذر کیے تھے - اتنے تھوڑے زمانے مین اس سامان کے
فراہم ہو جانے سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اُن دنون یہان معتد بہ آبادی موجود تھی -
اور اُن دنون کا لکھنؤ آج کل کے اکثر قصبات سے زیادہ بارونق و خوش حال تھا -
اُسی قدیم زمانے کے آنے والون مین شاہ مینا کا خاندان بھی ہے جن کا مزار پُرانوار
آج تک مرجع انام ہے - اور غالباً اُسی عہد کے آنے والون مین شاہ پیر محمد بھی تھے

جنھون نے خاص لچھمن ٹیلے پر سکونت اختیار کی۔ اور وہین پیوند زمین ہوئے۔ اُن کے قیام کی وجہ سے وہ پُرانا ٹیکرا لچھمن ٹیلے سے "شاہ پیر محمد کا ٹیلا" ہو گیا۔ اور مرور ایام سے وہ گہرا غار بھی پٹ گیا۔ اُس پر بعد کے زمانے مین شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے جو بہ نفس نفیس یہان آیا تھا ایک عمدہ مضبوط خوبصورت اور شاندار مسجد بنا کے کھڑی کر دی جو آج تک عالمگیر کی طرف سے صدائے "اللہ اکبر" بلند کرا رہی ہے۔

سنہ ۱۰۰۱ھ محمدی (سنہ ۱۵۹۰ء) مین شہنشاہ اکبر نے جب سارے ہندوستان کو بارہ صوبون مین تقسیم کیا تو صوبۂ اودھ کے صوبہ دار یا والی کا مستقر بادی النظر مین لکھنؤ ہی قرار پایا تھا۔ اُن دنون اتفاق سے شیخ عبد الرحیم نام ضلع بجنور کے ایک خستہ حال و پریشان روزگار بزرگ تلاش معاش مین دہلی پہونچے۔ وہان اُمرائے دربار مین رسوخ پیدا کر کے بارگاہ شہنشاہی مین باریاب ہوئے آخر منصبداران شاہی مین شامل ہو کے لکھنؤ مین جاگیر پائی۔ اور چند روز بعد بڑے تزک و احتشام اور کرّ و فر سے اپنی جاگیر مین آ کے مقیم ہوئے۔ یہان خاص لچھمن ٹیلے یا شاہ پیر محمد کے ٹیلے پر مقیم ہو کے اُنھون نے پنج محلا بنوایا۔ شیخن دروازہ تعمیر کرایا۔ اور لکھنؤ ہی مین پیوند زمین ہوئے۔ اُن کا مقبرہ "نادان محل" کے نام سے آج تک مشہور ہے جس کی عمارت کو ابھی چند روز ہوئے گورنمنٹ آف انڈیا نے پسند کر کے اپنی زیر حمایت لے لیا ہے۔

اسی زمانے مین یہان شیخ عبد الرحیم نے لچھمن ٹیلے کے پاس ایک دوسری بلندی پر ایک چھوٹا قلعہ تعمیر کرایا جو قرب و جوار کی گڑھیون سے زیادہ مضبوط تھا۔ اور گرد و نواح کے لوگون پر اُس کا بڑا اثر پڑتا تھا۔ یا تو اِس لیے کہ شیخ عبد الرحیم کو دربار شاہی سے علم ماہی مراتب عطا ہوا تھا یا اس لیے کہ اس قلعہ کے ایک مکان مین چھبیس محرابین تھین اور ہر محراب پر معمار نے دو مچھلیان بنا کے باون مچھلیان بنا دی تھین اس قلعہ کا نام "مچھی بھون" مشہور ہو گیا۔ "بھون" کا لفظ یا تو قلعہ کے معنون مین ہے یا "بادن" سے بگڑ کے بن گیا ہے۔ جس معمار نے اس قلعہ کو تعمیر کیا وہ لکھنا نام ایک اہیر تھا۔ اور کہتے ہین کہ اُسی کے

نام سے شہر کا نام لکھنؤ ہوگیا۔ اور بعض کا خیال ہے کہ لچھمن پور ہی بگڑ کے لکھنؤ بن گیا ہے۔ ان مین سے جو بات ہو مگر اس آبادی نے یہ نام شیخ عبدالرحیم کے آنے کے بعد پایا

چندروز بعد شیخ عبدالرحیم کے خاندان والون یعنی شیخزادون کے علاوہ یہان پٹھانون کا ایک گروہ آگیا۔ جو جنوب کی طرف بسے اور "رام نگر کے پٹھان" مشہور ہوئے۔ اُنھون نے اپنی زمینداری کی حد اُس مقام تک قرار دی تھی جہان اب گول دروازہ واقع ہے۔ کیونکہ وہان سے دریا کی طرف بڑھیے تو شیخ زادون کی زمین شروع ہوجاتی تھی۔ اِن پٹھانون کے بعد شیوخ کا ایک نیا گروہ آکے مشرق کی طرف بس گیا جو "شیوخ بنہرہ" کہلاتے ہین۔ اُن لوگون کی زمین وہان پر تھی جہان اب رزیڈنسی کے کھنڈر پڑے ہین۔

یہ تینون گروہ اپنے اپنے علاقون پر متصرف اور اپنے حلقون کے حاکم تھے۔ لیکن شیخزادون کا اثر سب پر غالب تھا۔ اور قرب وجوار پر اُن کا دباؤ پڑتا تھا جس کا قوی سبب یہ تھا کہ یہ لوگ دربار دہلی مین رسوخ رکھتے تھے۔ اُن مین سے کئی شخص پورے ملک اودھ کے صوبہ دار مقرر ہوگئے تھے۔ اور اُن کے قلعہ مچھی بھون کی مضبوطی کی اس قدر شہرت تھی کہ عوام کی زبان پہ تھا جس کا مچھی بھون اُس کا لکھنؤ

اکبر ہی کے زمانے مین لکھنؤ ترقی کرنے لگا تھا۔ اور اُس کی آبادی بڑھتی اور پھیلتی جاتی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ صوبہ دار اودھ اُنھین شیخزادون مین سے منتخب ہوئے لیکن عام معمول یہ تھا کہ اس خدمت پر معززین دہلی مقرر ہوتے۔ جو سالون سال اپنے گھر بیٹھے رہتے۔ فقط تحصیل وصول کے زمانے مین ایک دورہ سا کرتے اور اُن کے نائب یہان رہا کرتے۔ لہذا اُن سے شہر کی ترقی کی کوئی امید نہ کی جاسکتی تھی۔ ہان یہان کے دو ایک شیخ زادے جو صوبہ دار مقرر ہوگئے تو اُن کے تقرر سے البتہ لکھنؤ کو فائدہ پہونچا۔

لیکن اکبر کو معلوم ہوتا ہے کہ لکھنؤ کی طرف خاص توجہ تھی۔ چنانچہ اُس نے یہان کے برہمنون کو باجپئی چڑھاوے کے لیے ایک لاکھ روپیہ مرحمت فرمائے تھے۔ اور اُسی وقت سے لکھنؤ کے باجپئی برہمن مشہور ہوئے۔ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ لکھنؤ کے قدیم ترین ہندو محلہ جو اکبر کے وقت مین موجود تھے

باج پی ٹولہ۔ کٹاری ٹولہ۔ سوندھی ٹولہ۔ بنجاری ٹولہ۔ اور اہیری ٹولہ ہین اور یہ سب چوک ہی کے اطراف مین ہین۔

مرزا سلیم نے جو تخت پر بیٹھ کے نورالدین جہانگیر کے لقب سے مشہور ہوئے باپ کی زندگی اور اپنے ایام ولی عہدی مین مرزا منڈی کی بنیاد ڈالی جو مچھی بھون سے مغرب طرف واقع ہے۔ اکبر کے آخر عہد مین یہان کے صوبہ دار جواہر خان تھے۔ وہ تو دہلی ہی مین رہے مگر اُن کے نائب قاضی محمود بلگرامی نے چوک کے جنوب مین اُس سے ملی ہوئے داہنی طرف محمود نگر اور بائین طرف شاہ گنج آباد کیے اور اُن کے اور چوک کے درمیان مین بادشاہ کے نام سے اکبری دروازہ تعمیر کرایا۔

عہد اکبری مین جبکہ یہ عمارتین بن رہی تھین اور یہ محلے آباد ہو رہے تھے لکھنؤ ایک اچھی تجارت گاہ بن گیا تھا۔ اور ترقی کے اس درجے کو پہونچا ہوا تھا کہ ایک فرانسیسی تاجر نے جو گھوڑون کی تجارت کرتا تھا یہان قیام کر کے نفع حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اور دربار شہنشاہی سے لکھنؤ کے قیام کے لیے سند مستامنی؎ حاصل کر کے یہان اپنا اصطبل قائم کیا۔ اور پہلے ہی سال مین اُس کا کام اس قدر چلا کہ چوک کے متصل چار عالیشان مکان تعمیر کر لیے۔ سال ختم ہونے پر جب اُس نے پروانۂ مستامنی کی تجدید چاہی تو اُسے زیادہ قیام کی اجازت نہ ملی۔ اور اس پر بھی اُس نے زبردستی ٹھہرنے کا ارادہ کیا تو حسب الحکم شہنشاہی حکام شہر نے اُس کے مکانات ضبط کر کے نزول سرکار کر لیے اور اُسے یہان سے نکال دیا۔ وہ چارون مکان مدت تک سرکار کے قبضے مین رہے یہان تک کہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد مین جب ملا نظام الدین سہالوی نے اپنے قصبہ کے فسادون سے عاجز آ کے لکھنؤ مین سکونت اختیار کرنے کا قصد کیا تو عطیۂ سرکار کے طور پر وہ چارون مکان اُنھین دے دیے گئے۔ اور اُنھون نے اپنے پورے خاندان کے ساتھ آ کے اُن

؎ مستامن کے معنی طالب امن۔ یورپ والون کو چونکہ مسلمانون اور ہندؤن مین اپنے لیے خطرہ نظر آیا کرتا تھا اس لیے جہان قیام کرنا چاہتے وہان کے لیے دربار دہلی سے مستامنی کی سند حاصل کر لیا کرتے۔ تاکہ عمال و حکام اور نیز رعایا اُنھین نہ ستائے۔ اس سند سے چونکہ سلطنت پر ذمہ داریان عائد ہو جاتی تھین اس لیے ایک سال سے زیادہ کی سند کم دی جاتی تھی۔

مکانون مین سکونت اختیار کی جو اپنے گرد و پیش کے بہت سے مکانات کے ساتھ آج تک "فرنگی محل" کہلاتے ہین۔ ملا صاحب کے قدوم کی برکت سے لکھنؤ علم و فضل کا مرکز اور طلبۂ علوم کا مرجع و ماوی بن گیا۔ اور اس علمی مرجعیت کو اس قدر ترقی ہوئی کہ ملا نظام الدین کا مرتب کیا ہوا نصاب تعلیم جو سلسلۂ نظامیہ کہلاتا ہے مدت دراز سے ہندوستان ہی کا نہین سارے ایشیا کا نصاب تعلیم ہے۔ اور علمی کمالات کے ساتھ اس مین ولیانہ برکتین بھی مضمر تصور کی جاتی ہین۔ اور اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اُس قدیم زمانے ہی مین کہان کہان اور کتنی کتنی دُور کے طلبۂ علوم لکھنؤ مین جمع رہتے ہون گے۔

یورپین سیاح ٹیلیکٹ جو ۱۶۳۱ء محمدی (۱۶۳۱ء) یعنی شاہجہان بادشاہ کی سلطنت کے اوائل مین ہندوستان کی سیر کر رہا تھا لکھنؤ کی نسبت لکھتا ہے کہ "یہ عظیم الشان منڈی ہے"۔ عہد شاہجہانی مین یہان کے صوبہ دار سلطان علی شاہ قلی خان تھے۔ اُن کے دو بیٹے تھے۔ مرزا فاضل اور مرزا منصور۔ اُنھین دونون کے نام سے اُنھون نے محمود نگر سے جنوب کی طرف آگے بڑھ کے دو نئے محلے فاضل نگر اور منصور نگر آباد کیے۔

اس زمانے مین یہان اشرف علی خان نام ایک رسالدار تھے اُنھون نے اُسی سلسلہ مین اشرف آباد بسایا۔ اور اُن کے بھائی مشرف علی خان نے نالہ کی دوسری طرف اپنا گھر بنا کے مشرف آباد نام ایک اور محلہ قائم کیا جس کا نام مرور ایام سے اب نوبستہ ہو گیا ہے۔ انھین دنون پیر خان نام ایک اور فوجی افسر تھے جنھون نے ان سب محلون سے مغرب کی طرف دُور جا کے اپنی گڑھی بنائی جو مقام آج تک "پیر خان کی گڑھی" کہلاتا ہے۔

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے کسی ضرورت سے اجودھیا کا سفر کیا تھا۔ واپسی کے وقت لکھنؤ مین ٹھہرتا ہوا دہلی گیا۔ اس موقع پر اُس نے شاہ پیر محمد کے ٹیلے والی مسجد تعمیر کرائی۔ جو خاص لچھمن ٹیلے پر ہونے کی وجہ سے ایسی بلندی پر واقع ہے جس سے زیادہ مناسب جگہ مسجد کے لیے لکھنؤ مین نہین ہو سکتی۔ اور غالباً اسی موقع پر اُس نے فرنگی محل کے مکانات علامۂ زمان ملا نظام الدین کی نذر کیے ہون گے۔

محمد شاہ رنگیلے کے زمانے مین لکھنؤ کا صوبہ دار گردھا ناگر نام ایک بہادر ہندو رسالدار تھا۔ اُس کا چچا چھبیلے رام دربار دہلی کی طرف سے الہ آباد کی حکومت پر مامور تھا۔ چھبیلے رام کے مرنے پر گردھا ناگر نے سرکشی اختیار کی اور ارادہ کیا کہ چچا کی جگہ زبردستی الہ آباد کا حاکم ہو جائے۔ مگر پھر خود ہی کچھ سوچ کے اُس نے اظہار اطاعت و فرمان برداری کیا۔ اور دربار سے اُسے اودھ کی صوبہ داری کا خلعت عطا کیا گیا۔ اُس نے یہان کی سکونت اختیار کی اور اُس کی بی بی نے جو رانی کہلاتی تھی رانی کٹرہ آباد کیا۔

مگر یہان کا حاکم اور صوبہ دار چاہے کوئی ہو شیخزادون کا زور اس قدر تھا کہ کسی والی کو چاہے کیسا ہی زبردست ہو اور کیسی ہی سند حکمرانی لے کے آیا ہو یہ جرأت نہ ہو سکتی تھی کہ اُن کے حلقہ مین قدم رکھے۔ مچھی بھون کو اگرچہ قصر امارت کی حیثیت حاصل تھی لیکن شیخزادون نے اُسے اپنی موروثی جائداد بنا لیا تھا۔ اور دہلی سے جو والی آتا اُس کے پاس بھی نہ پھٹکنے پاتا۔ اُنھون نے مچھی بھون کے پاس دو اور عمارتین تعمیر کر لی تھین جن مین سے ایک کا نام "مبارک محلا" تھا اور دوسری کا "پنج محلا" تھا۔ پنج محلے کی نسبت کوئی کہتا ہے کہ پنج منزلی عمارت تھی اور کوئی کہتا ہے کہ ایک دوسرے کے پاس پانچ محل بنے ہوئے تھے۔ اور اُن کے جنوب طرف ایک بڑا محرابدار پھاٹک تھا جو "شیخن دروازہ" کہلاتا۔ شہر سے جو لوگ شیخزادون کی مذکورہ عمارتون مین جانا چاہتے اسی پھاٹک مین سے ہو کے گزرتے۔

اس پھاٹک کی محراب مین بانکے شیخزادون نے ایک ننگی تلوار لٹکا رکھی تھی اور حکم تھا کہ جو کوئی آنا چاہے چاہے کوئی ہو اور کتنا ہی بڑا شخص ہو پہلے اس تلوار کو جھک کے سلام کرے پھر آگے قدم بڑھائے۔ کس کی مجال تھی کہ اس حکم کی تعمیل مین عذر کرے؟ یہان تک کہ دہلی سے جو والی اور حاکم مقرر ہو کے آتے تھے اور شیخون سے ملنے کو جاتے تو انھین بھی جبراً و قہراً اس تلوار کے آگے ضرور سر جھکا دینا پڑتا۔

لکھنؤ کی یہ حالت تھی کہ سنہ ۱۱۶۱ محمدی (سنہ ۱۷۳۲ء) مین نواب سعادت خان برہان الملک دربار دہلی سے اودھ کے صوبہ دار مقرر ہو کے آئے۔ جن سے

ہندوستان کے اُس آخری مشرقی دربار کی بنیاد پڑی جس کے عروج کو ہم مشرقی تمدن کا آخری نمونہ قرار دے کے بیان کرنا چاہتے ہین - پہلے نمبر مین ہم نے فیض آباد کی حالت دکھائی جو اسی تمدن کا نقش اولین اور اسی مشرقی دربار لکھنؤ کا ایک ضمیمہ تھا - اس نمبر مین اس دربار کے قائم ہونے سے پیشتر کے لکھنؤ کی تصویر دکھا دی - اور اُس بساط کو اپنے ناظرین کے پیش نظر کر دیا جس پر اس دربار نے اپنی شطرنج بچھائی - آیندہ چند نمبرون مین اس نیشاپوری خاندان کی تاریخ حکومت بیان کرین گے - اور اُس کے بعد دکھائین گے کہ یہ تمدن کیا اور کیسا تھا -

---

سقف فلک

انسان کی جب پہلے پہل دنیا مین آنکھ کھلی ہوگی اور اُس نے اس نیلگون سقف فلک کی طرف نظر اُٹھا کے دیکھا ہوگا تو اُس کی عجیب حالت ہوئی ہوگی - ہم اس بالائی طلسم کو دیکھتے دیکھتے عادی ہوگئے ہین - اور ہمارے دلون کو صبر آگیا ہے کہ "کس نکشود و نکشاید بہ حکمت این معما را" لیکن اُس وقت انسان کی متجسس طبیعت کو اپنے اس عجز کی خبر نہ تھی - وہ بڑے بڑے دعوے رکھتا ہوگا - اور جانتا ہوگا کہ ہم سب کچھ کر سکتے ہین -

سچ یہ ہے کہ اُس وقت اس طلسم فلک کا راز معلوم کرنے کے شوق نے اُسے بہت ہی پریشان کیا - یہ تماشا دیکھتے دیکھتے وہ حیران ہوگیا کہ دن کو تو اس گنبد نما سقف مدور مین ایک ہی قندیل روشن ہوتی ہے جس کی تیز روشنی سے ہر طرف اُجالا ہوجاتا ہے - مگر رات کو جب وہ دن والی بڑی قندیل غائب ہوجاتی ہے تو جابجا بے ترتیبی سے سیکڑون چراغ روشن ہوجاتے ہین - اور پتہ نہین چلتا کہ کیون روشن ہوتے ہین اور انھین کون روشن کرتا ہے ؟ پہلا خیال یہ تھا کہ یہ قندیلین اس لاجوردی چھت مین قائم ہین - مگر مشاہدے سے معلوم ہوا کہ نہین یہ چلتی پھرتی رہتی ہین - اور ایک جگہ قائم نہین - یہ دیکھ کے اور حیرت ہوئی دل مین کہا "اُس سے تو یہ سمجھ مین آتا ہے کہ کچھ لوگ مقرر ہین جو آسمان پر ان چراغون کو لیے پھرتے ہین"

جب نظر اس رازِ قدرت کو کسی طرح نہ پا سکی اور یقین ہوگیا کہ اب یہ حال بغیر پاس جاکے دیکھے نہین کھل سکتا تو انسانون نے بڑی بے صبری کے ساتھ اس بات کی کوشش شروع کی کہ جس طرح بنے اس چھت پر چڑھین - جہان تک رسائی ہوسکی ڈھونڈھا اور تلاش کیا مگر کسی جگہ کوئی زینہ نہ ملا جس پر سے ہوکے اوپر جائین - سیڑھی بنانے کی کوشش کی مگر بہت سے بانس اُٹھا اُٹھا کے دیکھے کوئی آسمان تک نہ پہونچا آخر سب نے مل کے ایک مینار بنانا شروع کیا - اور اِس دُھن مین لگ گئے کہ جب تک آسمان نہ ملے گا ہم اس مینار کو اونچا کرتے ہی چلے جائین گے - اس مینار کے بنانے مین اُنھون نے بڑی بڑی مستعدیان دکھائین - نہ دن کو دن سمجھے نہ رات کو رات - لیکن اُسے جس قدر بلند کرتے جاتے تھے اُسی قدر آسمان اور اونچا ہوتا جاتا تھا - آخر ہاتھ پاؤن محنت سے رہ گئے - ساری کوشش بیکار گئی - ہمتین پست ہوگئین - اور نظر آگیا کہ کسی ایسے بُرج کے بنانے کا خیال کرنا جو آسمان سے جا لگے محض جنون ہے -

لیکن انسان سعی کے لیے پیدا کیا گیا ہے - فلک دوز بُرج بنانے کی کوشش مین عاجز ہوا تو اِس راز کے حل کرنے کی دوسری تدبیرین سوچنے لگا - ظاہر مین نظر آرہا تھا کہ چارون طرف آسمان کے کونے سطح زمین کے کونون سے ملے ہوئے ہین - بنانے والے نے اس نیلگون گنبد کو دیوارون پر نہین قائم کیا بلکہ ایک گول پیالا ہے جو فرشِ زمین پر اَوندھا دِیا ہے - اس کے ساتھ آسمان و زمین کے کنارے جہان پر ملے تھے وہ مقام کچھ بہت دُور نہ نظر آتا تھا - بہت سے اُوالعزمون نے کہا " اگر ہم آسمان پر سیڑھی نہین لگا سکتے - کوئی ایسا بُرج و مینار نہین بنا سکتے جس کی چوٹی اِس نیلی چھت کو چھو سکے تو ہم اُفق کی طرف جائین گے جس طرح بنے گا گرتے پڑتے پہونچین گے - اور اس اوندھے پیالے کے کگرون کو چھو لین گے - چنانچہ ہر شخص اپنی مرضی کے موافق کسی نہ کسی طرف چل کھڑا ہوا - کسی نے پورب کی راہ لی اور کسی نے پچھم کی - کوئی اُتر کی طرف چلا اور کوئی دکھن کی طرف - مگر سب حیرت سے دیکھتے تھے کہ جس قدر آگے بڑھتے ہین اُسی قدر اُفق پیچھے ہٹتا جاتا ہے - تیزی سے قدم اُٹھایا - وہ بھی اُسی تیزی سے دُور ہونے لگا - دوڑے وہ گویا ان سے بچنے کے لیے اُلٹا بھاگنے لگا -

اِسی دُھن مین یہ لوگ منزلون چلے گئے۔ ہزارون کوس آگے نکل گئے۔ مگر اُفق اُتنی ہی دُور تھا جتنی دُور کہ گھر سے چلتے وقت نظر آیا تھا۔ آخر بعض کو سمندر نے روکا۔ اور اپنی لہرون سے جبین بجبین ہو کے قدرت کی طرف سے ڈانٹا کہ "تادب!" بعض کو سر بفلک پہاڑون نے روکا اور عظمت و جبروت کے لہجے مین کہا "زیادہ حد ادب!" لیکن اُفق کی جستجو مین اتنی دُور نکل آئے تھے کہ پاؤن نے جواب دے دیا تھا۔ گھر واپس جانا محال تھا۔ جہان پہونچے وہین کے ہو گئے۔ مگر اپنی متجسّس طبیعت سے مجبور تھے۔ دُھن اب بھی یہی تھی کہ آسمان کو چھُو لین۔

ہوس آمیز امید نے اب ان کے دلون مین یہ خیال پیدا کیا کہ اگر گوشۂ فلک کو چھو لین گے تو اِس کے اُوپر چڑھنے کی کوئی راہ بھی ضرور نکل آئے گی۔ کوئی دروازہ یا کوئی کھڑکی موجود ہی ہوگی۔ بس ہم اُس کے پار ہوئے اور آسمان پر چڑھ گئے۔ جن کے پاؤن سمندر نے پکڑ لیے تھے اُنھون نے سوچتے سوچتے مدتون مین دریا پر سفر کرنے کے مخدوش ذریعے پیدا کر لیے۔ کشتیان بنائین۔ اور اُن پر سوار ہو کے ڈگمگاتے اور موجون کے تھپیڑے کھاتے ہوئے آگے بڑھے کہ اُفق فلک تک پہونچین جو سامنے ہی ہے۔ اُفق تو اب بھی نہ ملا۔ اپنی وضع کے مطابق دُور ہی ہوتا گیا۔ مگر صدہا جزیرے مل گئے۔ جن مین جا جا کے اُنھون نے سکونت اختیار کی۔ اور کوئی مقام نہ باقی رہا جہان نہ پہونچ گئے ہون۔

جن لوگون کو پہاڑون نے روکا تھا وہ پہلے تو ہیبت کھا کے اور خوف زدہ ہو کے رُکے۔ ذرا ٹھہرے۔ پھر غور سے جو دیکھا تو پہاڑون کی چوٹیان آسمان سے باتین کرتی نظر آئین۔ اور دل مین کہا "یہ تو آسمان پر پہونچنے کے اچھے خاصے زینے موجود ہین۔ ہم نے وہ بُرج بنانے کی فضول ہی کوشش کی تھی۔" فوراً پہاڑون پر چڑھنے لگے۔ اب اس سعی لاحاصل مین لگے ہوئے ہین۔ ٹھوکرین کھا کھا کے گرتے ہین ہانپ ہانپ کے قدم اُٹھاتے ہین۔ مگر چڑھتے ہی چلے جاتے ہین۔ آخر اکثر کو چوٹیون پر جا کے نظر آیا کہ یہان سے بھی آسمان اُتنی ہی دُور ہے جتنی دُور کہ زمین پر سے تھا مگر بعض جن کی نہایت بلند پہاڑون کی برف آلود چوٹیون تک رسائی نہ ہو سکتی تھی اُنھین یقین ہو گیا کہ اُوپر جا کے بھی سقف فلک کو نہ چھو سکین گے لیکن پھر بھی

رہ رہ کے یہ خیال آتا تھا کہ اگر اس برف کے سمندر کو منجھا کے اوپر پہونچ جائیں تو شاید آسمان کی حقیقت یہان سے کچھ زیادہ معلوم ہو سکے - اسی خیال سے اور اوپر چڑھنے کی ہوس مین بہتون نے جانین دے دین - مگر آسمان کو کوئی نہ چھو سکا -

اس جستجوے لاحاصل سے انسان کی آرزو تو نہ بر آئی مگر خدا کا جو منشاء تخلیق تھا وہ آپ ہی آپ بڑی خوبی کے ساتھ پورا ہوتا گیا - یعنی ساری زمین انسانون سے آباد ہو گئی - اور حضرت آدم کو خلافت و نیابت الٰہی کا جو عہدہ ملا تھا اُس کی البتہ بوجہ احسن تکمیل ہو ئی -

لیکن اس تھکنے اور عاجز ہونے پر بھی انسان اپنی جستجو سے باز نہ آیا - اب اُس نے زمین ہی پر بیٹھے بیٹھے آسمان مین تھگلیان لگانا شروع کین - غور کرنا شروع کیا کہ آخر یہ طلسم کیا ہے - اس سقف زرنگار پر کون لوگ رہتے ہین - آخر غور اور سوچ نے اُسے دھیان اور مراقبے کی برکتین دکھانا شروع کین - اور خیالات نے پرورش پا کے واقعیت اور حقیقت کے ایسے ایسے لباس پہنے کہ اُسے اپنی روحانی سیرون اور باطنی جستجوؤن کا یقین آگیا - اور سمجھا کہ ہم آسمان پر جا کے جو کچھ معلوم کر سکتے اُسے یہین گردن جھکا کے اور آنکھین بند کر کے چشم حقیقت بین سے دیکھ لیا کرتے ہین -

دنیا مین انسان کو جنگلون پہاڑون اور سمندرون مین بہت سی ایسی چیزین نظر آئی تھین جن کی عظمت سے مغلوب و خائف ہو کے اُس نے خیال کر لیا تھا کہ ان مین کوئی غیر مجسم قوی موجود ہین جو اپنی صورت تو نہین دکھاتین مگر ہم پر اپنا رعب بٹھا دیا کرتی ہین - جب ان قوتون کا اُسے بہت زیادہ یقین ہوا تو کبھی کبھی اُس کے خیال کی آنکھون نے ان روحانی قوتون کی صورتین بھی دیکھ لی تھین - اب اُس کا خیال اس جانب مائل ہوا کہ یہ سقف فلک انھین باطنی اور مخفی قوتون کا نشیمن ہے - اس خیال کی طرف توجہ ہونے کے بعد جب انسان نے مراقبہ و مکاشفہ کے قاعدون سے اُس کو خوب پرورش کیا تو آسمان پر اُسے بڑے بڑے تماشے نظر آنے لگے - اُس کی باطنی جستجوؤن نے سقف فلک کے اوپر جس روحانی عالم کا پتہ

لگایا تھا وہ ایک بڑا وسیع عالم نظر آیا۔ جس مین دیوتا رہتے تھے۔ دیویان اپنے لازوالی ابدی حسن کے کرشمے دکھا رہی تھین۔ اُن کے رہنے کے محل اُن کے سیر کرنے کے چمن اور اُن کے سارے ساز و سامان دنیوی تکلفات سے بدرجہا زیادہ بڑھے چڑھے نظر آئے۔

زیادہ غور و خوض اور مزید توجہ نے اس بات کو بھی محسوس کر لیا کہ آسمانی تارون کی حرکتین نئی نئی اور جدا گانہ ہین۔ اور سب ایک ہی مسافت پر نہین بلکہ نسبتاً قریب و بعید ہین۔ کوئی بہت زیادہ دُور ہے اور کوئی بہ نسبت اُس کے نزدیک۔ ان نئی باتون کے معلوم ہوتے ہی انسان کی جستجوؤن نے رفتہ رفتہ اس سقف فلک پر ایک بڑا بھاری نو کھنڈا محل بنا کے کھڑا کر دیا۔ اور چونکہ اس نو منزلی عمارت مین سے سب درجون کے تارے اور اُن کی حرکتین نیچے سے بخوبی نظر آ سکتی تھین اس لیے یہ بھی فیصلہ ہو گیا کہ یہ ساری عمارت صاف اور شفاف شیشے کی بنی ہوئی ہے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ سقف فلک کا یہ نو منزلا محل فرشتون اور دیوتاؤن کا عالیشان شیش محل بن گیا جس مین سے سرِ دشتستان کی ابدی کنو اریان اور دنیا پر تصرف کرنے والی دیویان جھانک جھانک کے دنیا والون کے ہر فعل اور اُن کی ہر حرکت کو دیکھتی رہتی تھین۔

اب ان خیالات کے ساتھ عقیدت نے دنیا کا رنگ ہی بدل دیا۔ ساتون سیارون مین سے ہر ایک دیوتا یا دیوی بن گیا۔ مراقبون۔ روحانی سیرون۔ اور جستجوؤن نے ان دیوتاؤن کی صورتین شکلین۔ اُن کے لباس۔ اُن کے رنگ اور اُن کے بانے (شعار) بتائے۔ اُن ساتون تارون کے جیسے شیش محل سقف فلک پر نظر آئے تھے دنیا مین بننے اور تیار ہونے لگے۔ اور بڑے زور و شور سے اُن کی پرستش ہونے لگی۔ سب کو یقین آ گیا کہ دنیا والون کا روحانی کمال یہی ہے کہ یہ جسم جو بوجھل ہونے کی وجہ سے اُوپر اُڑنے نہین دیتا۔ اس سے الگ ہو کے اور نسوت روح بن کے انسان سقف فلک کے اس شیش محل مین پہونچ سکتا ہے۔ اور یہی اُس کی نجات ہے۔ اور یہین سے روحانیت کا عالم قائم ہوا جس نے محققین مابعد کی جستجوؤن سے ہر عہد اور ہر زمانے مین نیا رنگ بدلا اور نئی شان دکھائی۔

یہ نو کھنڈا شیش محل ہزارہا سال تک قائم رہا۔ اگرچہ اس بارے مین کہ اُس مین کیا ہے اور کون اور کیسے لوگ رہتے ہین بعد کی جستجوؤن نے اختلافات پیدا کر دیے۔

ہر گروہ ایک نئے نتیجہ کو پہونچا - اور جس طرح بادشاہون کی دست برد سے دنیا کا جغرافیہ بدلا کرتا تھا اُسی طرح سقف فلک کا جغرافیہ بھی ہر گروہ اور ہر مذہب کے خیال کے مطابق بدلتا اور کچھ سے کچھ ہوتا رہا - لیکن پُرانے محققون کا بنایا ہوا شیش محل بدستور قائم تھا اور امید تھی کہ قیامت تک برقرار رہے گا - کیونکہ فنا ہونا اور کنار اُس کا خرق و التیام تک محال تھا -

لیکن دور جدید کی تحقیقات اور دُور بینی کے نئے آلات نے اب ہزارہا سال کے بعد سقف فلک کے اُس شیش محل کو جس کے مٹنے کو دنیا محال و خلاف عقل سمجھے ہوئے تھی اس طرح مٹا کے رکھ دیا کہ گویا تھا ہی نہین - اب نہ وہ شیشے کے آسمان ہین - اور نہ اُن کی وہ گردش - بلکہ تارے خود ہی اپنے حیز پر چکر لگا رہے ہین - تارون کی بھی وہ شکلین اور وضعین خواب و خیال ہوگئین - نہ عطارد مرد مقدس ہے نہ مریخ بانکا سپاہی - نہ زہرہ اپنی چشم فتان سے دلبری کرتی ہے نہ مشتری بال کھولے بین بجا رہی ہے - بلکہ بجاے اس کے کہ یہ سب دیوتا یا دیویان ہون ہماری زمین ہی کے سے کُرے اور بڑے بڑے عالم نکلے - تاہم اُس شیش محل کے ڈھا جانے پر بھی وہ روحانیات کا عالم باقی ہے جو اُسی سے نکلا تھا - مگر کُرون کے عالمون تک پہونچنا اور اُن مین زندہ و متحرک مخلوق کا پتہ لگانا ابھی باقی ہے - ہوائی گھوڑے انسان نے پیدا کر لیے ہین - اور امید ہے کہ باقی ماندہ رموز بھی کسی مابعد زمانے مین حل ہو جائین گے -

---

ہندوستان کا ایک دلچسپ مناظرہ

مسلمانون مین یا تو علم و فضل کی یہ حالت تھی کہ بڑے بڑے زبردست بادشاہ اور خلفا بھی مخالف کی ہر بات کو سنجیدگی و متانت سے سُنتے اور اُس پر غور کرتے تھے اور علما کی صحبت روشن دلی کا آئینہ ہوتی تھی نہ مرعون اور بٹیرون کی پالی - مگر جب مسلمانون مین وہ پُرانی علمی برکتین فنا ہوگئین تو اُن کی علمی محفلون اور تحقیق و تدقیق کی صحبتون نے جہالت کے دنگلون کی صورت اختیار کر لی - چنانچہ اسی کا ایک دلچسپ نمونہ یہ ہے -

دلگداز کے گزشتہ نمبر مین ہم دکھا چکے ہین کہ شجاع الدولہ کے زمانے مین فیض آباد کیسا بارونق شہر ہوگیا تھا - اور ہندوستان کے تمام باکمال اُس کی سواد مین کس کثرت سے جمع ہوگئے تھے - جہان اور لوگ تھے وہان پانچ حاذق اور پابند شرع طبیب بھی تھے جو دہلی سے آکے نواب شجاع الدولہ - اُن کی بی بی بہو بیگم صاحبہ اور اُن کی والدۂ محترمہ کی سرکارون مین بڑے بڑے بھاری درماہون پر مقرر ہوئے تھے - نواب شجاع الدولہ کے انتقال کے بعد بھی بیگمون کی سرکارین قائم رہین - اور وہ اطبا اُنھین سے وابستہ اور اسی شہر مین مقیم رہے - اُنھین مین ایک صاحب علم اور سن رسیدہ طبیب حکیم معالج خان تھے -

اُن دنون یہان ایک اعلی درجے کے صاحب علم ملّا مولوی محمد منیر تھے جو فارسی اور عربی کتابون کا درس دیتے - اور اُن سے تعلیم پانے کے لیے شہر مین بہت سے طلبہ کا ہجوم رہتا - ان مولوی صاحب کو بہو بیگم صاحب کے خواجہ سرا اور اُن کے داروغہ جواہر علی خان کی سرکار سے محض علمی خدمت کے طور پر کچھ ماہوار ملتی تھی - جواہر علی خان اُن کے علم و فضل کا بڑا معترف تھا - یہ خواجہ سرا اُس زمانے مین فیض آباد کا سب سے بڑا صاحب اقتدار اور صاحب اثر شخص تھا - فوج اور توپخانے سب اُس کے زیر حکم تھے - اور گویا سارے شہر پر اُسی کی حکومت تھی - حکیم معالج خان کو چونکہ فن طب کے علاوہ اپنے علم پر بھی غرہ تھا اس لیے اُن سے اور مولوی محمد منیر سے چشمک ہوگئی - اکثر صحبتون مین وہ مولوی صاحب پر کوئی نہ کوئی اعتراض جماد یا کرتے - اور ہمیشہ عیب چینی مین مصروف رہتے - یہ بات جواہر علی خان کو ناگوار ہوئی - اُس نے کئی بار حکیم صاحب کو سمجھایا - مگر اُنھون نے عیب گیری سے زبان نہ روکی - اسی اثنا مین ایک بڑے زبان آور ایرانی مغل جو ملّا عبد المجید کے نام سے مشہور تھے فیض آباد مین وارد ہوئے - اُن سے اور مولوی محمد منیر سے راہ و رسم بڑھا - تو حکیم معالج خان صاحب اُن دونون شخصون پر طعن و تشنیع کرنے لگے - آخر جواہر علی خان اس کے درپے ہوا کہ کسی موقع پر حکیم صاحب کو ملا صاحب کے مقابلے مین زک دلوا کے ذلیل کرائے - اتفاقاً حکیم معالج خان نے کسی صحبت مین اپنا یہ عقیدہ ظاہر کیا کہ "امام

زین العابدین کے صاحبزادے زید بن علی شہیدون مین شامل نہین ہین۔ اس لیے کہ اُنھون نے امام زمانہ امام محمد باقرؑ سے بغاوت کر کے خروج کیا تھا" یہ مسئلہ جواہر علی خان نے ملا عبدالمجید سے دریافت کیا۔ اُنھون نے کہا "زید کی شہادت یقینی ہے اور اُس سے انکار کرنا ہرگز درست نہین ہے" عجمی ملا صاحب کا یہ قول حکیم معالج خان نے سنا تو دعوے سے کہا "مین احادیث ائمہ سے ثابت کردون گا کہ زید کو شہید نہ کہنا چاہیے"

آخرکار مناظرہ قرار پا گیا۔ اور یہ ٹھہری کہ ماہ ذی قعدہ ۱۱۹۳ھ کی گیارھوین تاریخ بہار علی خان خواجہ سرا کے مکان مین دونون حضرات جمع ہو کے ایک دوسرے کے مقابل اپنے دعوے کو ثابت کرین۔ روز مقررہ کو بہت سے آدمی مناظرہ سننے کے لیے جمع ہو گئے۔ اور بڑی بھاری محفل مرتب ہو گئی۔ سب سے پہلے جواہر علی مولوی محمد منیر کو مع اُن کے طلبا اور طرفدارون کو لے کے آیا اور باہر پھاٹک پر اُس کی فوج کے تقریباً دو سو سپاہی کھڑے ہو گئے۔ اندر بھی بہار علی خان اور جواہر علی خان کے دو تین سو ملازم موجود تھے۔ ان کے علاوہ بہت سے شہر والے بھی بحث سننے اور تماشا دیکھنے کو آ گئے تھے۔ الغرض سب ملا کے کوئی پندرہ سولہ سو آدمیون کا مجمع تھا۔

اتنے مین حکیم معالج خان ایک کتاب ہاتھ مین لیے ہوئے اپنے مکان سے نکلے۔ جو بیگم صاحبہ کے مکان یعنی اِسی عمارت کے پھاٹک کے اندر واقع تھا۔ اُن کے برابر اُن کے صاحبزادے تھے۔ اور شاگردون کا ایک بڑا غول اُن کے پیچھے تھا۔ یہ

عہ حضرت زید نے امامت کا دعویٰ کیا تھا۔ اور کہتے تھے کہ کچھ ضرور نہین کہ ایک وقت اور ایک عصر مین ایک ہی امام ہو۔ جائز ہے کہ دنیا مین ایک ہی زمانے مین دو یا زیادہ امام ہون۔ حضرت علی کو خلفاے ثلثہ سے افضل مانتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ جائز ہے کہ کوئی کم فضیلت والا اپنے سے افضل کو چھوڑ کے امام ہو جائے۔ اور اس بنا پر وہ خلفاے ثلثہ کی خلافت کو جائز مانتے تھے۔ عبدالملک بن مروان کے زمانے مین اُنھون نے اپنے پیرودن کے ساتھ علم امامت بلند کیا۔ مگر ساتھ والون نے دغا کی۔ چھوڑ کے چلے گئے۔ اور عبدالملک نے اُنھین گرفتار کر کے مصلوب کیا۔ پہلا شیعہ فرقہ زیدیہ ہین۔ اور آج تک سواحل یمن پر کثرت سے موجود ہین۔

سب صاحب آکے ایک طرف بیٹھ گئے۔ اُن کے بعد ایرانی ملّا آغا عبدالمجید اور اُن کے رفقا کو لیے کے متبوع علی خان خواجہ سرا آیا۔ یہ بھی ایک بڑا زبردست حاکم اور رئیس تھا اور اُس کے ہمراہ بھی اُس کے ملازموں اور مسلح سپاہیوں کا ایک بڑا بھاری غول تھا۔

یہ سب لوگ آکے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ اور وقت آیا کہ مناظرہ شروع ہو۔ مگر محفل کا رنگ خطرناک تھا۔ تینوں گروہ مسلح تھے۔ ان لوگوں کو اس کا خیال نہ تھا کہ یہ ایک علمی تحقیق کی صحبت اور اہل علم کا جلسہ ہے۔ کسی گڑھی یا قلعے کا فتح کرنا نہیں ہے۔ ہر گروہ کے سپاہیوں کو صرف اس بات کا خیال تھا کہ ہمارے آقا سے کسی سے تکرار ہو گئی ہے۔ اور آج ہمیں حق نمک ادا کرنا ہے۔ جتنے تھے سب ہتھیار لگا لگا کے اور ادبچی بن کے پہونچے تھے۔ اور کٹنے مرنے کو تیار تھے۔ تینوں گروہوں کے سپاہی الگ الگ صفیں باندھے کھڑے تھے۔ بندوقیں بھری ہوئی تھیں۔ اور توڑے سُلگ رہے تھے۔ یہ عمارت وسیع تھی اور کافی گنجائش رکھتی تھی۔ تینوں طرف محرابیں بنی چلی گئی تھیں۔ اور بیچ میں کشادہ صحن تھا۔ مگر لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ اندر باہر کہیں تل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ اور سب اس طرح کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے کہ سانس لینا دشوار تھا۔

اب مناظرہ کا تماشا دکھانے سے پہلے بہتر ہوگا کہ ہم دونوں متقابل حریفوں کی تصویریں بھی اپنے ناظرین کے سامنے کر دیں۔ مولوی محمد منیر خاموش تھے اس لیے کہ بحث کرنے کا کام آغا عبدالمجید نے اپنے ذمے لیا تھا۔ اُنھیں صرف خاموش بیٹھ کے دیکھنا تھا۔ آغا صاحب کی یہ شان تھی کہ اول تو وہ ایک زبان آور یاوہ گو مغل تھے۔ دوسرے ایرانی تھے جو ہندوستانیوں کی اپنے سامنے کچھ ہستی نہیں سمجھتے۔ تیسرے وہ بڑے طمطراق سے باتیں کرتے تھے۔ آواز بلند تھی۔ اور اُس کے ساتھ خوش لہجہ تھے۔ چوتھے ابھی اُن کا عنفوان شباب تھا۔ عمر پورے تیس برس کی بھی نہ ہوگی۔ اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ شہر کے بڑے بڑے صاحب اثر لوگ اُن کے طرفدار تھے۔ برخلاف اس کے اُن کے حریف معالج خان کی یہ قطع تھی کہ اول تو پستہ قد اور ضعیف تھے۔ اور پیٹھ جھکی ہوئی تھی۔ دوسرے بوڑھے

اور ناتوان تھے - تیسرے کئی سال ہوئے اُنھین لقوہ مار گیا تھا جس کی وجہ سے گردن ٹیڑھی ہو کے رہ گئی تھی - اور صرف دواؤن کے زور پر جی رہے تھے - بات کرتے وقت گلے کی رگین پھول جاتین - اور بڑی دشواری کے ساتھ زبان سے لفظ نکلتا - چوتھے اُن کی حمایت پر کوئی نہ تھا - بلکہ شہر کے ادنی بازاری لوگ اُن کی بڑھاپے کی کمزوریون اور بگڑی ہوئی صورت کا مضحکہ اُڑاتے - اور سب سے بڑا نقصان اُن مین یہ تھا کہ کبھی اُنھین کسی مجمع عام مین بحث کرنے کا اتفاق نہین پیش آیا تھا -

مناظرہ کا شروع اور آغاز یون ہوا کہ آغا صاحب نے گلے کھلے - فضول طمطراق اور دم وخم کے ساتھ پوچھا "جناب حکیم صاحب امام کے فرزند کی شہادت کے بارے مین جناب کیا فرماتے ہین ؟" جواب دینے کی کوشش مین حکیم صاحب نے گلے کی رگین پھلائین - اینٹھی ہوئی زبان کو کئی بے نتیجہ حرکتین دین - چہرے نے کئی قطعین بدلین - پھر کچھ دیر تک ہکلائے - اور بہت زور لگا کے کہا "اُن پر لعن کرنا درست ہے" آغا صاحب "اُس کی دلیل ؟" حکیم صاحب نے اُنھین پہلی دشواریون اور چہرے کی مضحکانہ تبدیلیون کے ساتھ کہا "یہ معتبر حدیث ——" مگر قبل اس کے کہ حدیث کے الفاظ زبان سے نکلین آغا صاحب نے بات کاٹ کے کہا "معتبر حدیث وہ کون سی حدیث ہے ؟" حکیم صاحب کو چونکہ بات کرنا دشوار تھا کاغذ کا ایک پُرزا ملاّ کے ہاتھ مین دے دیا - اب کسی کو اس کی خبر نہین کہ اُس پُرزے مین کوئی حدیث لکھی بھی تھی یا نہین - اور لکھی تھی تو وہ کون سی حدیث تھی - اور نہ کسی نے اُس کاغذ کے دیکھنے کی کوشش کی - مگر چالاک ایرانی ملاّ صاحب نے وہ پُرزا پیچھے پھینک دیا اور چلاّ کے کہا "مین یہ نہین جانتا بزبانی جواب دیجیے" اب حکیم صاحب خاموش تھے - بدشواری کچھ بولتے بھی مگر جھنجھلاہٹ نے رہی سہی زبان بند کر دی - اُن کے صاحبزادے جو برابر بیٹھے تھے باپ کی زبان بند دیکھ کے کچھ لب ہلائے تھے کہ آغا صاحب بولے "تم کون ہو جو بیچ مین بولتے ہو؟" حکیم صاحب اس موقع پر جلدی سے بول اُٹھے "یہ میرا بیٹا ہے" - آغا نے کہا "مین باپ بیٹا نہین جانتا - گفتگو تو مجھ سے آپ سے ہے آپ جواب دین" اب باپ بیٹے دونون

بے زبان تھے - اور چالاک آغا صاحب نے بہ آواز بلند کہا "حضرات! حکیم صاحب کی بحث پر فاتحہ!" اور یہ کہتے ہی دونوں ہاتھ اُٹھا کے سورۂ فاتحہ پڑھنا شروع کردی - فاتحہ سنتے ہی سب لوگ ایک ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے - سب کے کھڑے ہوجانے سے اندھیرا ہوگیا - گھبراہٹ کے ساتھ لوگ ادھر اُدھر ٹاپنے لگے - کسی کو خبر نہ تھی کہ کون کہان ہے - کون آگے ہے اور کون پیچھے - سب ایک دوسرے کو ڈھکیل کے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے - مگر زور کسی کا نہ چلتا تھا - تمام حاضرین پر ایسی بدحواسی طاری تھی کہ نہ آقا نوکر کو پہچانتا تھا نہ نوکر آقا کو -

اس پر دلگی یہ ہوئی کہ جو لوگ باہر صحن مین کھڑے تھے وہ سمجھے کہ کسی سے چل گئی - اور سب کے سب بے تحاشا اندر گھسنے کی کوشش کرنے لگے - مگر راستہ کسی کو نہ ملتا تھا - سب ٹھٹھ لگائے کھڑے تھے اور غل مچا رہے تھے - ان کا غل سُن کے فوج کے سپاہی جو پھاٹک کے باہر تھے سمجھے کہ اندر کوئی مار ڈالا گیا - اور سب کے سب ایکبارگی اندر کی طرف لپکے - پھاٹک کھُلا ہوا تھا - مگر ایک ہی پھاٹک تھا - اور ہر سپاہی چاہتا تھا کہ سب سے پہلے پہونچے - نتیجہ یہ ہوا کہ سب پھنسے کھڑے تھے - اور لوگون کی پیش قبضین تلوارین جو لوگون کی کمرون مین تھین اور بندوقین جو ہاتھون مین تھین اُن کے ایک دوسرے سے کھٹاکھٹ لڑنے اور اُلجھنے سے عجب شور بلند تھا - جتنے تھے پریشان و مضطر تھے اور کسی کا کچھ زور نہ چلتا تھا - اُن کی یورش اور مضطربانہ شورش سُن کے سارے شہر مین غل مچ گیا کہ مناظرے مین چل گئی - اور دونون حریفون کے طرفدار شہر کے ہر کونے اور ہر محلے سے تلوار - چھری - کلہاڑی - لاٹھی یا جو حربہ ہاتھ مین آگیا لے لے کے دوڑے - اور سب نے بہار علی خان کے مکان پر دھادا کردیا - شیخ احمد علی عنبر علی خان کے دیوانخانے مین تلوئی اور سلون کے راجاؤن اور کئی اور چھوٹے چھوٹے زمینداروں کو بیٹھے معاملہ کی باتین کر رہے تھے اور کاروبار ریاست مین مصروف تھے - ثابت خانی پٹھانون کے کچھ مسلح سپاہی اُن کے پاس کھڑے ہوئے تھے کہ یکایک غل سنا اور خبر آئی کہ جواہر علی خان پر لوگون کا نرغہ ہے - فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے - اور تین سو مسلح سپاہیون کو لے کے وہ بھی آپہونچے - مگر باہر ہی کھڑے تھے - اندر گھسنا غیر ممکن تھا -

غرض ایک قیامت بپا تھی اور کسی کو خبر نہ تھی کہ وا قعہ کیا ہے - بعض دلگی بازون نے مکان کے اندر اندھیرے اور لوگون کی بدحواسی سے موقع پاکے یہ دلگی کی کہ جس کے سر پر ہاتھ پہونچا اُس کی پگڑی اُچھال کے ایک گہرے حوض مین پھینک دی جو پاس ہی تھا اور خشک پڑا تھا -

جب دیر تک یہ حالت رہی تو اکثر بگڑے دل سپاہیون نے تلوارین کھینچ لین - اور جب دو چار نے تلوارین کھینچین تو سب کے ہاتھ اپنے اپنے اسلحہ کے قبضون پر جا پڑے - تلوار - خنجر - پیش قبض - قرابین غرض جو حربہ جس کے پاس تھا اُسے تان کے کھڑا ہو گیا - اور اکثر نے پھنکیتی کی مشاقی دکھانے کے لیے پینترے بدل بدل کے چارون طرف خالی ہاتھ مارنا شروع کر دیے -

سب سے زیادہ کثرت جواہر علی خان کے طرفدارون کی تھی - اور سب کا خیال تھا کہ جواہر علی خان پر کسی نے حربہ کر دیا - اس بات کو جواہر علی خان سمجھ گیا - اور دل مین خیال کیا کہ جب تک لوگ میری صورت نہ دیکھ لین گے یہ ہنگامہ موقوف نہ ہو گا - یہ خیال آتے ہی وہ ایک اندرونی زینے پر سے ہو کے کوٹھے پر چڑھ گیا اور بالاخانے کے دروازے کھول کے سب کو اپنی صورت دکھائی - اور اطمینان دلایا کہ کوئی گھبرانے کی بات نہین - مین خیریت سے ہون " اُس کی صورت دیکھتے ہی سب نے خوشی کے نعرے بلند کیے - اور اطمینان کے ساتھ اپنے اپنے گھرون کی طرف چلے - جب کہین خدا خدا کر کے امن و امان قائم ہوا - اور لوگون کو جانے کا راستہ ملا -

لیکن طلوع آفتاب سے دوپہر تک اس مناظرے نے فیض آباد مین عجب گرم جوشی اور قیامت خیز پریشانی قائم رکھی - ایسا دلگی کا ہنگامہ بپا تھا کہ لوگ مدتون تک یاد کرتے رہے - اور یہ ۱۱ ذی قعدہ سنہ ۱۱۹۳ھ کا دن لوگون کو جب یاد آتا مارے ہنسی کے لوٹ جاتے - اس واقعے پر انشا پردازون نے زور قلم دکھائے - شعرا نے مثنویان تصنیف کین - اور بھاٹون نے گیت بنائے جو سالہا سال تک فیض آباد کی سڑکون پر گائے جاتے رہے - افسوس اُن مین سے کوئی نظم ہماری نظر سے نہین گزری ورنہ ضرور نذر ناظرین کرتے -

روحانی جاسوس

اگر انسان کا کانشنس درست ہو اور اُس مین سچی جستجو سے حق ہو تو اُس کی روحانی قوت ہی سچی جاسوس بن جاتی ہے۔ یہی قوت ہے جو انبیا و اتقیا مین معجزات و کرامات کی شان دکھاتی ہے ۔لیکن سچ یہ ہے کہ وہ کوئی خلاف فطرت چیز نہین - بلکہ روحانی جاسوس ہے جو اکثر بہت سچی مخبری کیا کرتا ہے۔

چنانچہ اس روحانی جاسوسی کی مخبری کا ایک واقعہ یہ ہے کہ معتضد باللہ عباسی ایک دن دوپہر کو سوتے سوتے چونک پڑا ۔ گھبرایا ہوا اُٹھا - اور خدام کو آواز دی۔ اور جیسے ہی لوگ حاضر ہوئے حکم دیا کہ اسی وقت دوڑتے ہوے دجلے کے کنارے جاؤ۔سب کے پہلے جو کشتی ملے اُسے حراست مین کر لو- اور ملاح کو پکڑ کے میرے پاس لاؤ" لوگ گئے - اور ایک ملاح کو دیکھا کہ بدحواس اور گھبرایا ہوا اپنی کشتی کو ایک طرف بھگائے لیے جاتا ہے فوراً اُس کی کشتی روک کے اُس پر پہرہ مقرر کر دیا - اور اُسے لے کے معتضد کی خدمت مین حاضر ہوئے۔

اُس کی صورت دیکھتے ہی معتضد نے بڑی ہی زور سے اُسے ڈانٹ بتائی- اور کہا " بدمعاش جلدی بتا کہ جس عورت کو تو نے آج مار ڈالا ہے اُس کا کیا واقعہ ہے اور سچ سچ بتانا - نہین تو اسی وقت سر اُڑا دون گا" ملاح خلیفہ کی ڈانٹ سُن کے سہم گیا - اور بولا" امیر المومنین قصور تو ہوا ہے آج صبح مین فلان گھاٹ پر تھا کہ ایک نہایت ہی حسین و پری جمال عورت میری کشتی مین سوار ہوئی اور فلان مقام پر لیجانے کو کہا - حسن و جمال کے ساتھ وہ نہایت ہی معزز و دولت مند معلوم ہوتی تھی اس لیے کہ بہت ہی بھاری کپڑے پہنے تھی اور سر سے پاؤن تک مرصع زیور سے لدی ہوئی تھی- اُس کو تنہا دیکھ کے مجھے لالچ معلوم ہوا - کشتی کے اندر گرا کے فوراً چھاپ بیٹھا - وہ چیخنے نہین پائی تھی کہ منہ بند کر کے گلا گھونٹ دیا - پھر اُس کے کپڑے اور اُس کا سارا زیور اُتار لیا - اور لاش دریا مین بہا دی- اس کے بعد ارادہ کیا کہ اُن کپڑون اور زیور کو گھر لے جاؤن مگر اندیشہ ہوا کہ اس وقت اُنھین لے کے کشتی سے نکلون گا تو ممکن ہے کہ کوئی راستے مین

پکڑ لے۔ اس لیے کشتی کو سیدھا شہر واسط کی طرف بھگا لے گیا۔ دوپہر کو جب دیکھا کہ دریا کشتیون سے خالی ہے تو پلٹ آیا۔ اور عنقریب کشتی چھوڑ کے گھر جانے کو تھا کہ اِن لوگون نے پکڑ لیا۔" معتضد نے کہا "اور وہ زیور اور کپڑے کہان ہین؟" کہا "کشتی کے بیچ مین تختون کے نیچے رکھے ہین۔"

معتضد نے خدام کو حکم دیا کہ "اسی وقت جا کے اُن کپڑون اور زیور کو لے آؤ۔ اور میرے سامنے حاضر کرو۔" دم بھر مین وہ سب چیزین آگئین۔ اور ملاح نے دیکھ کے اور پہچان کے کہا کہ "ہان یہی ہین۔"

اب معتضد کے غصہ کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اُس ملاح نے جس طرح اُس خاتون کو مارا اور ڈبو دیا تھا اُسی طرح اُسے دجلہ مین ڈبوا دیا۔ اور بغداد مین ڈھنڈھورا پٹوا دیا کہ "جس گھر کی کوئی جوان عورت آج صبح کو بھاری کپڑے اور زیور پہنے ہوئے فلان گھاٹ پر جا کے غائب ہو گئی ہو اُس کے لوگ بارگاہ خلافت مین حاضر ہون۔" دوسرے دن اُس عورت کے گھر والون نے آ کے اطلاع کرائی فوراً دربار مین بُلا لیے گئے۔ خلیفہ نے اُن سے اُس عورت کی کیفیت و حالت دریافت کی۔ پھر وہ کپڑے اور زیور منگوا کے دکھائے جنھین اُنھون نے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ تب معتضد نے وہ سب زیور اور کپڑے اُن کے حوالے کیے۔ اور بتایا کہ وہ خاتون شہید ہوئی۔ اُس کی لاش دریا مین بہا دی گئی۔ اور قاتل کو بھی سزا دی جا چکی۔"

اس وقت دربار مین ابو محمد حسین بن محمد صالحی موجود تھا جو اس کارروائی کو اول سے آخر تک دیکھتا رہا تھا۔ اُس نے بہ ادب عرض کیا "یا امیر المومنین! حضور کو اس واقعہ کی کیونکر اطلاع ملی؟ کیا حضور پر آسمان سے وحی اُترتی ہے؟" معتضد نے کہا "کل دوپہر کو میری ذرا یونہین سی آنکھ لگ گئی تو خواب مین کیا دیکھتا ہون کہ ایک مقدس و متبرک صورت کا پیرمرد جس کے سر کے بال برف کے سے ہین۔ سفید ڈاڑھی نہایت ہی نورانی ہے۔ اور سر سے پاؤن تک سفید براق کپڑون مین لپٹا ہوا ہے۔ میرے سامنے آ کے کہہ رہا ہے اے احمد (یہ معتضد باللہ کا اصلی نام ہے) اس گھڑی سب سے پہلے جو ملاح دریا مین کشتی لے کے

آئے اُسے گرفتار کرے - جس حسینہ کو اُس نے قتل کیا ہے اور اُس کے زیور اور کپڑے لیے ہیں اُس کے قتل کا اقرار کرا - اور اُس پر حد شرع جاری کر" یہ سنتے ہی میری آنکھ کھل گئی - پھر اُس کے بعد جو کچھ واقعات پیش آئے تم دیکھ ہی چکے ہو"

یہ پیر مرد جو معتضد کے خواب مین آیا کون تھا؟ یہی روحانی جاسوس تھا جو اک مقدس بزرگ کے بھیس مین آیا - اور معتضد کو اُس کے فرائض حکمرانی سے مطلع کر گیا -

---

ریویو

تاریخ اودھ - مولانا حکیم محمد نجم الغنی خان صاحب رامپوری نے یہ تاریخ بڑی محنت جستجو اور قابلیت سے تصنیف فرمائی ہے اور ہمارے قدیم کرم فرما مالک اخبار نیراعظم مرادآباد نے اسے شایع کیا ہے - یہ بیش بہا کتاب چار جلدون مین پوری ہوئی ہے - پہلی جلد ۱۹۰ صفحون پر ہے جس مین آغاز سے آخر عہد نواب صفدر جنگ تک کے حالات ہین - دوسری جلد ۲۹۶ صفحون پر ختم ہوئی ہے جس مین نواب شجاع الدولہ بہادر کی مسند نشینی سے نواب وزیر علی خان کے معزول اور خارج کیے جانے تک کے حالات ہین - تیسری جلد ۲۴۲ صفحون مین تکمیل کو پہونچی ہے - اور اُس مین نواب سعادت علی خان کی مسند نشینی سے مُنا جان ابن نصیر الدین حیدر کے معزول اور چنار گڈھ بھیجے جانے تک کے واقعات ہین - اور چوتھی جلد جو ۱۳۴ صفحون مین پوری ہو گئی ہے محمد علی شاہ کی تخت نشینی سے آخر انتزاع سلطنت تک کے واقعات ہین -

قابل مصنف کا مذاق تاریخ سچا اور اچھا ہے - طرز بیان عمدہ پیچیدہ واقعات کے سلجھانے اور صاف کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس تصنیف کے لیے اُنھون نے پوری وسیع النظری پیدا کی ہے - قریب قریب اودھ کی تمام تاریخون پر نظر ڈالی ہے - اور جو کام کیا ہے اچھی طرح تیار ہو کے کیا ہے -

حکومت اودھ اور خوانین روہیلکھنڈ کے درمیان مین جو افسوسناک واقعات پیش آئے اُن مین مصنف حکومت اودھ ہی کو ملزم ٹھیراتے ہین - اور اس مین ذرا شک نہین کہ اُس عہد کے دیکھتے حکمرانان اودھ کی یہ اتنی بڑی

پولٹیکل غلطی تھی جو قابل معافی نہین - لیکن ہم پوچھتے ہین کہ مسلمانون نے اپنے زوال کے زمانے مین معافی کے قابل کون سا کام کیا تھا جو اس کو کہا جائے؟ اس داستان حسرت کے ہر ہر ٹکڑے کو ہم سوا اس کے کہ "شدنی" کہہ کے اپنے آپ کو سمجھائین اور کس طرح اپنے دل کو تسلی دے سکتے ہین -

اس تاریخ مین حکمرانان اودھ کی بُری تصویر دکھائی گئی ہے - جس مین اُن رپورٹون نے بڑی مدد دی ہے جو لکھنؤ کے رزیڈنٹ تیار اور مرتب کر کر کے بھیجا کرتے تھے - مگر ہم مصنف صاحب سے عرض کرتے ہین کہ ع عیب او جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو - اِنھین بدنام فرمان رواؤن کے ہاتھون نے بہت سے اچھے کام بھی کیے ہین - حکومت اودھ کی قلمرو مین اُن دنون اگر چند مظلوم تھے جن کے حالات دنیا کے سامنے پیش کر دیے گئے ہین تو اُسی کی حدود مین اُن دنون مرفہ الحالی بھی ایسی تھی کہ پھر کبھی نہ نصیب ہوگی - انگریز رپورٹرون اور مورخون کا یہ عام مقولہ ہے کہ شہر والے گلچھرے اُڑا رہے تھے مگر گاؤن ویران اور تباہ تھے - مگر ہمین اتفاقاً جتنے گاؤن ملے سب ایسے ہی ملے کہ اُن دنون نہایت آباد اور بارونق تھے اور اب حد سے زیادہ ویران و خراب ہین - لکھنؤ مین بے شک وہ تمام عیوب پیدا ہوگئے تھے جو عیش پرستی کی وجہ سے دنیا کے ہر مشہور شہر مین پیدا ہو جایا کیے ہین لیکن لکھنؤ ہی نے ایک ایسا شایستہ تمدن پیدا کر دیا تھا اور ایسی نکھری سوسائٹی نمایان کر دی تھی جس نے لکھنؤ کو ہندوستان کا پیرس مشہور کر دیا تھا اور جس کی یاد مدتون مین بھولے گی - اِس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ ایشیائی تہذیب کا آخری گہوارہ لکھنؤ کا گم شدہ دربار تھا - اور اس گہوارے مین پڑ کے ہماری اصلی تہذیب ایسی موت کی نیند سوئی ہے کہ قیامت تک نہ جاگے گی - اور افسوس تو یہ ہے کہ اپنی ذاتی تہذیب کو کھو کے ہم کسی دوسری تہذیب کے چاہے نقال بن جائین مگر مالک قیامت تک نہ بن سکین گے -

تاہم ہمین اعتراف ہے کہ مصنف صاحب نے یہ تاریخ بڑی قابلیت اور تکمیل کے ساتھ لکھی ہے - جس کے لیے ہم اُن کے نہایت شکر گزار ہین لیکن آخر مین معلوم ہوتا ہے کہ جناب مصنف لکھتے لکھتے اُکتا گئے تھے - اور اس کے درپے تھے کہ اس بلا کو

کسی طرح ٹال دیں۔ چنانچہ پچھلی جلد جس میں بہت زیادہ واقعات ہونا چاہیے تھے صرف ۱۳۴ صفحون میں ختم ہو گئی ہے۔ محمد علی شاہ۔ امجد علی شاہ اور واجد علی شاہ کے حالات کے تشنہ رہنے کے علاوہ مرزا برجیس قدر اور غدر کے حالات ناگوار اختصار کے ساتھ ٹال دیے گئے ہیں۔

پہلی جلد کے اول میں مصنف صاحب کی تصویر ہے۔ اور چوتھی جلد کے آخری گیارہ صفحے جناب مصنف کے سوانح عمری کی نذر ہوئے ہیں جن میں اُن کے حالات کے علاوہ اُن کی غزلیں اُن کی نظمیں اور اُن کا واسوخت بھی درج کر دیا گیا ہے۔

کتاب ۲۰ × ۲۶ پیمانے کے معمولی کاغذ پر چھپی ہے۔ چھپائی بھی معمولی ہے۔ اور قیمت ہر جلد کی عہ ۱/ یعنی پوری کتاب کی قیمت چھ روپیہ (ﷲ) ہے۔ مالک اخبار نیر اعظم مراد آباد سے وی۔ پی منگوائی جاے۔

رومتہ الکبریٰ

اب کی جو ناول قدر دانان دلگداز کی نذر کیا جاے گا اُس کا نام "رومتہ الکبریٰ" ہے۔ اُس میں گوتھ لوگون کے ہاتھ سے رومتہ الکبریٰ کی تباہی اُس عہد کے رومہ کی آبادی و معاشرت کی سچی تصویر دکھا کے اوڈلفوس شاہ گوتھ کے ایک ناز پروردہ شاہزادی پر عاشق ہونے۔ اور لڑائی سے تھک کے محبت و خلوص کے ذریعے سے اپنے عشق میں کامیاب ہونے کے سچے تاریخی واقعات دکھاے گئے ہیں۔ اور آخر میں اسپین کی اُس گوتھ سلطنت و دولت کا پتہ دے دیا گیا ہے جسے مین صدیون بعد عربون نے تباہ کیا تھا۔ بہت دلچسپ اور نتیجہ خیز ناول اور تاریخ روم کے عمیق مطالعہ کا جوہر اور ست ہے۔ یہ ناول ۱۸۸ صفحون پر ختم ہوا ہے۔ اور جو خریدار نہیں ہیں اُن سے اس کی قیمت سوا روپیہ عہ ۱/ ہے۔ مگر ۱۹۱۳ء کے خریدارون کی خدمت میں مفت نذر کیا جاے گا۔ تیاری میں کسی قدر دیر ہو گئی۔ نصف سے زیادہ چھپ چکا ہے۔ تیار ہوتے ہی خریدارون کے نام عہ ۱۱/ ویلیو پے ایبل روانہ کیا جاے گا۔

ہندوستان مین مشرقی تمدّن کا آخری نمونہ

نواب سعادت خان برہان الملک کے خاندان کے متعلق اسی قدر بتا دینا کافی ہے کہ میر محمد نصیر نام نیشاپور کے ایک سید زادے جن کا سلسلۂ نسب امام موسی کاظمؓ سے ملتا ہے سنہ ١١٣٥ھ محمدی (سنہ ١٧٠٦ء) عہد بہادر شاہ مین وارد ہندوستان ہوئے۔ اُن کے بڑے بیٹے میر محمد باقر ساتھ آئے تھے جنھون نے یہان شادی کر لی۔ اور باپ بیٹون نے ناظم بنگالہ کے زیر حمایت عظیم آباد پٹنہ مین سکونت اختیار کی۔ محمد باقر کو ہندوستانی بی بی سے خدا نے ایک بیٹا دیا جو بعد کو شیر جنگ کے معزز لقب سے مشہور ہوا۔

میر محمد نصیر کے آنے کے دو سال بعد اُن کے چھوٹے بیٹے میر محمد امین بھی نیشاپور سے ہندوستان مین آگئے۔ عظیم آباد پہونچے تو سُنا کہ والد نے سفر آخرت کیا۔ اور اب دونون بھائی میر محمد باقر اور میر محمد امین دہلی کو روانہ ہوئے۔ جہان پہونچ کے میر محمد امین کو شاہزادون کی جاگیر کا ٹھیکہ مل گیا۔ اس مین انھون نے ایسی لیاقت مستعدی اور کارگزاری دکھائی کہ تمام لوگون مین شہرت ہو گئی۔ اقبال برسر یاری تھا۔ چند ہی روز بعد دربار شاہی کے معزز امیرون اور منصبدارون مین شامل ہوئے۔ پھر صوبہ دار اکبر آباد کی بیٹی سے نکاح ہو گیا۔ اور اُس اعلیٰ طبقۂ اُمرا مین شمار کیے جانے لگے جن پر سلطنت کی ذمہ داری کی خدمتون کے لیے انتخاب کی نظرین پڑتی تھین۔

اُن دنون دہلی مین سادات بارہہ کا زور تھا۔جن سے رعیت تو رعیت خود بادشاہ سلامت ڈرتے تھے۔محمد امین نے اُن کو قتل کرا کے سیّدون کا زور ہمیشہ کے لیے توڑ دیا۔اور لڑائی مین ایسی شجاعت دکھائی کہ دربار شاہی سے منصب ہفت ہزاری اور سات ہزار سوارون کی سرداری کے ساتھ برہان الملک بہادر جنگ کا خطاب عطا ہوا اور اُسی وقت اکبرآباد کے صوبہ دار مقرر ہوئے۔اِس کے بعد بادشاہی خواصون کی داروغگی عطا ہوئی جو بڑا معزز عہدہ تھا۔اس کے تھوڑے دنون بعد وہ صوبۂ اودھ کے صوبہ دار اور اس کے ساتھ ہی بادشاہی توپ خانہ کے داروغہ مقرر ہوئے۔آدمی ہوشیار اور نہایت ہی بیدار مغز اور اس کے ساتھ بڑے بہادر اور شجاع تھے۔شاہی توپخانے کو اپنے ہاتھ مین لے کے اُنھون نے ایسی زبردست قوت پیدا کر لی جیسی اُن دنون سارے ہندوستان مین کسی کو نصیب نہ تھی۔

اِس زمانے مین کوڑہ کے زمیندار بھگونت سنگھ نے سلطنت سے سرتابی کر کے بڑا زور باندھ رکھا تھا اور کئی افسر جو اُس کی سرکوبی کو گئے اُس کے ہاتھ سے مارے جا چکے تھے۔آخر برہان الملک اس مہم پر مامور ہوئے۔اور یلغار کرتے ہوئے پہونچے بھگونت سنگھ نے چالاکی سے اُن کو گھیر لیا اور لڑائی کا رنگ ایسا بگڑا نظر آیا کہ بڑے بڑے بہادرون کے ہاتھ پاؤن پھول گئے۔مگر برہان الملک نے ایسی جوانمردی سے مقابلہ کیا کہ دیر تک دشمنون کے نرغے مین اُن کی لمبی سفید نورانی ڈاڑھی چمکتی اور رعب ڈالتی رہی۔تھوڑی دیر مین بھگونت سنگھ اُن کے تیر کا نشانہ ہوا۔اور دشمن بھاگ کھڑے ہوئے

برہان الملک کی دوسری مہم اِس سے بھی زبردست تھی۔اُن دنون مرہٹون کا ہندوستان مین بڑا زور تھا۔اُنھون نے تاجدار دہلی سے چوتھ مقرر کرا لی تھی۔اور بڑے بڑے شورما اُن کے نام سے کانپتے تھے۔برہان الملک نے مرہٹون کو زبردست فوج کے ساتھ جا کے ایسی سخت شکست دی کہ اُن کے حواس جاتے رہے۔لوگ دُم بھاگے۔اور برہان الملک نے تعاقب شروع کیا۔واقعات تاریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس موقع پر برہان الملک زبردستی روک نہ دیے جاتے تو وہ بڑھ کے مرہٹون کا استیصال کر دیتے۔اور سلطنت مغلیہ اپنے اگلے عہد شباب کی طرح سارے ہندوستان کے سیاہ و سفید کی مالک ہو جاتی۔مگر اُس بدنصیب

زوال پذیر سلطنت کو مٹنا ہی تھا۔ درباریون کی سازش اور مقربین دربار کے حسد نے برہان الملک کی رفتار کو رُکوا دیا۔

اس بات نے برہان الملک کو یقین دلا دیا کہ بادشاہ مین اپنے نیک و بد کے سمجھنے کی صلاحیت نہین اور اہل دربار بد دیانت و خود غرض ہین۔ فوراً مرہٹون سے صلح کر لی۔ پھر ارادہ کیا کہ اپنے صوبے مین جا کے قیام کرین۔ اور سب سے الگ ہو کے اپنے علاقہ کو مضبوط اور منتظم بنا دین۔ غرض برہان الملک نے دل مین سمجھ لیا کہ اب سلطنت مغلیہ پنپنے والی نہین ہے۔ اپنا صوبہ لے کے الگ ہو جانا ہی مناسب ہے۔ اور دہلی کے دربار کو اُس کی قسمت پر چھوڑ دینا چاہیے۔

لکھنؤ مین جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہین شیخزادون کا زور تھا۔ اُنھون نے اپنی عادت کے موافق اُنھین بھی روکا۔ مگر برہان الملک حکمت عملی سے داخل ہو گئے اور نکسیر بھی پھوٹنے نہ پائی۔ برہان الملک کے لکھنؤ مین داخل ہونے کے متعلق دو روایتین مشہور ہین ایک یہ کہ وہ برابر بڑھتے چلے آئے۔ یہان تک کہ اکبری دروازہ پر رُک گئے۔ چونکہ وہ سابق کے تمام صوبہ دارون کے خلاف تجربہ کار اور متین و سنجیدہ شخص تھے۔ ٹھہر گئے۔ اور محمود نگر مین پڑاؤ ڈال دیا۔ دو ایک دن کے بعد شیخزادون کی دعوت کی۔ اُن سے بڑی خاطر تواضع سے پیش آئے۔ لیکن جس وقت غافل شیخزادے الوان نعمت کا مزہ لوٹنے مین مصروف تھے شاہی فوج خاموشی کے ساتھ چوک مین داخل ہو رہی تھی جو برابر بڑھتی ہی چلی گئی۔ یہان تک کہ مچھی بھون کے پاس جا پہونچی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ محمد خان بنگش نے برہان الملک کو بتا دیا تھا کہ لکھنؤ کے شیخزادے بڑے شورہ پشت ہین۔ اُن سے پیش پانا آسان نہین۔ مگر قرب و جوار کے دوسرے شیوخ اُن کے خلاف ہین۔ آپ اُن لوگون سے مدد لیجیے۔ اور اُنھین کی مدد سے لکھنؤ والون کو زیر کیجیے چنانچہ برہان الملک نے کاکوری مین قیام کر کے شیوخ کاکوری کو اپنے موافق بنا لیا۔ اُنھین کی مدد اور رہبری سے آگے بڑھے۔ اور یہ سُن کے کہ محمود نگر اور اکبری دروازے مین مقابلہ کا سامان کیا گیا ہے اصلی راستہ سے کترا کے مغرب کی طرف کٹ گئے۔ گئو گھاٹ کے پاس دریا کے پار اُترے۔ اور پار کی طرف سے آہستہ آہستہ آ کے اچانک مچھی بھون پر آ پڑے۔ غرض جو صورت ہو

اُنھون نے بغیر اس کے کہ کوئی مزاحم ہو قلعہ پر قبضہ کر لیا۔

جب مچھی بھون پر قبضہ ہو گیا تو پھر کون دم مار سکتا تھا؟ شیخزادون کے تمام معزز لوگون نے حاضر ہو کے عاجزی سے سر جھکا دیا۔ برہان الملک ہاتھی پر سوار ہو کے شیخن دروازے مین داخل ہوئے اور اُس تلوار کو جو بڑے بڑے بہادرون کا سلام لے چکی تھی اپنی تلوار سے کاٹ کے گرا دیا۔ پھر شیخزادون سے کہا "ہمارے قیام کے لیے مچھی بھون خالی کر دو۔" اس مین اُنھون نے لیت و لعل کرنا چاہی مگر نہ چلی۔ آخر ایک ہفتہ کی مہلت دی گئی۔ اور اس مدت کے اندر شیوخ جو کچھ اسباب لے جا سکے اُٹھا لے گئے۔ اور جو رہ گیا اُس پر برہان الملک کے سپاہیون نے قبضہ کیا۔ قلعہ مین جا کے رہنے سے پہلے اُس کے پاس ہی جہان خیمہ ڈال کے وہ رہے تھے وہان ایک نوبت خانہ تعمیر کرا دیا جس مین دربار اودھ کے آخر عہد تک روزانہ چھ وقت نوبت بجا کی۔

اس کے بعد برہان الملک اجودھیا مین گئے۔ اور دریا کنارے وہ بنگلہ بنوایا جس کا حال ہم بیان کر چکے ہین۔ لیکن وقتاً فوقتاً لکھنؤ مین آتے اور قیام کرتے تھے۔ کیونکہ صوبہ کا مستقر یہی شہر تھا۔ اُن کے زمانے مین یہان کئی نئے محلے آباد ہوئے۔ مگر یہ سب محلے اُن کے مغل سرداران فوج کے پڑاؤ کے مقامات تھے۔ جہان مستقل سکونت کے لیے ا لوگون نے مکان بنانا شروع کر دیے۔ سید حسین خان کا کٹرہ۔ ابوتراب خان کا کٹرہ۔ خدایار خان کا کٹرہ۔ بزن بیگ خان کا کٹرہ۔ وفا بیگ خان کا کٹرہ۔ محمد علی خان کا کٹرہ۔ باغ مہانرائن۔ سرائے معالی خان اور اسمعیل گنج (جو مچھی بھون کے مشرق طرف تھا اب کھنڈر) سب اسی زمانے کے محلے یا برہان الملک کے سرداران فوج کے لشکر گاہ ہین۔

نواب برہان الملک چھ ہی برس اودھ اور لکھنؤ مین رہنے پائے تھے کہ سنہ ۱۱۵۱ ہجری (سنہ ۱۷۳۸ء) مین نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کر دیا۔ اور وہ نہایت ہی تاکید کے ساتھ دہلی مین بلا لیے گئے۔ اُس پرفتن زمانے مین جو کچھ واقعات گزرے اُن کو لکھنؤ سے تعلق نہین۔ لکھنؤ مین اپنا نائب اور قائم مقام بنا کے وہ اپنے بھانجے اور داماد نواب صفدر جنگ کو چھوڑ گئے تھے۔ نادر دہلی کو لوٹ چکا تھا اور قتل عام کرا چکا تھا مگر ابھی وہین تھا کہ نواب برہان الملک نے دہلی مین وفات پائی۔ اُن کے بھتیجے شیر جنگ نے نادر شاہ سے سفارش اٹھوائی کہ نواب مرحوم کے بعد اودھ کی صوبہ داری اُنھین دی جائے۔ لیکن راجہ

نے جو برہان الملک کے معتمد عہدہ دارون مین تھا نادر کی خدمت مین اس مضمون کی ایک عرضداشت پیش کردی کہ "نواب برہان الملک شیر جنگ سے خوش نہ تھے - اور اسی لیے اُنھون نے اپنی بیٹی اُن کو چھوڑ کے صفدر جنگ کو دی جو اُن کی نیابت کرتے تھے اور اس وقت بھی اُن کی طرف سے لکھنؤ مین موجود ہین - برہان الملک کے مال و اسباب کی مالک سرکار ہے - جسے چاہے عطا کرے - اس لیے کہ یہ کوئی ورثہ نہین ہے - یہ بھی عرض ہے کہ صفدر جنگ بُردبار - خداترس - لائق اور وعدے کے سچے ہین - اور سپاہ اُن سے خوش ہے - قطع نظر اس کے حضور کے لیے برہان الملک نے دو کرڑ روپیہ کی رقم کا وعدہ کیا تھا اُس کے ادا کرنے کا انتظام نواب صفدر جنگ نے کر لیا ہے - جس وقت حکم ہو حاضر کر دیے جائین - ان وجوہ سے امید ہے کہ حضور اُنھین کی سفارش فرمائین گے" یہ عرضداشت دیکھتے ہی نادر شاہ نے صفدر جنگ کے لیے محمد شاہ سے خود ہی خلعت صوبہ داری لے لیا - اور اپنے ایک مصاحب اور دو سو سوارون کے ساتھ اودھ مین صفدر جنگ کے پاس بھیجا - یون خلعت صوبہ داری پہن کے صفدر جنگ نے دو کرڑ کا نذرانہ نادر کے پاس بھجوا دیا - اور اپنے علاقے پر حکومت کرنے لگے -

صفدر جنگ کا پورا نام مرزا مقیم ابوالمنصور خان صفدر جنگ تھا - گو اُن مین برہان الملک کی سی سچی بہادری - سادگی - راست بازی - اور جفاکشی نہ تھی مگر نہایت فیاض - بلند حوصلہ - رحم دل - رعایا پرور - اور منتظم تھے - شہر سے تین میل کی مسافت پر اُنھون نے قلعۂ جلال آباد تعمیر کرایا - اور مچھی بھون کے اندر پنج محلے کی جو قدیم عمارت تھی اُسے بھی شیخ زادون سے لے لیا - اور اُس کے عوض مین دو گانوان مین ۷۰۰ ایکڑ زمین شیخ زادون کو رہنے اور بسنے کے لیے عطا کی - جس سے اگرچہ شیخ زادون پر ظلم ہوا مگر لکھنؤ کی آبادی کو وسعت اور ترقی حاصل ہوئی - مچھی بھون کو صفدر جنگ نے از سر نو تعمیر کرایا - اور اُسے بہت درست کیا -

لیکن صفدر جنگ پانچ ہی برس اپنے صوبہ مین رہنے پائے تھے کہ دہلی مین اُن کی طلبی ہوئی - اور راجہ نول رائے کو اپنی نیابت پر لکھنؤ مین چھوڑ کے وہ دہلی چلے گئے - نول رائے علم دوست - وقت کا پابند - جفاکش - بہادر - اور بہت بڑا منتظم تھا - اور اس کے ساتھ اُسے خدا نے اپنے آقا کی سی اُولوالعزمی و فیاضی بھی دی تھی -

اُس نے ارادہ کیا کہ مچھی بھون کے سامنے دریا پر ایک پل تعمیر کرے - پایون کی بنیاد ڈالنے کے لیے گہرے کنوین کھدوائے - لیکن پائے بننا شروع نہین ہوئے تھے کہ اپنے آقا کی طلب پر اُسے فوج لے کے احمد خان بنگش کے مقابلہ کے لیے جانا پڑا - اس مہم پر وہ بڑی زبردست فوج لے کے گیا - مگر مارا گیا - اور پل کا کام جو چھڑا تھا نا تمام پڑا رہ گیا

احمد خان بنگش اُس زمانے کا بہادر ترین شخص تھا - اُس کے مقابلہ کے لیے برہان الملک کی ضرورت تھی - صفدر جنگ اُس کے حریف مقابل نہ ہو سکتے تھے - نتیجہ یہ ہوا کہ احمد خان کی اور اُن کے ساتھ افاغنہ کی قوت ترقی کر گئی - صفدر جنگ نے لاکھ ہاتھ پاؤن مارے - خود شہنشاہ دہلی تک کو اُس کے مقابلے پہ لا کے کھڑا کر دیا - مگر اُس کا کچھ نہ بگاڑ سکے - اور اُس کے اشارے سے حافظ رحمت خان نے اودھ کے شہرون اور قصبون مین لوٹ مار شروع کر دی - خیرآباد پر قبضہ کر لیا - اور خود احمد خان بنگش کا بیٹا محمود خان فوج لے کے چلا کہ لکھنؤ پر قبضہ کرے - سنہ ۱۱۶۹ ہجری (سنہ ۱۷۵۵ء) مین پٹھانون نے ملیح آباد مین اپنا تھانہ قائم کیا - اور سنہ ۱۱۷۰ ہجری (سنہ ۱۷۵۶ء) مین محمود خان کا کوئی عزیز بیس ہزار فوج لے کے لکھنؤ کی طرف چلا - شہر کے باہر پڑاؤ ڈالا - اور اپنا ایک کوتوال مقرر کر کے شہر مین بھیجا - صفدر جنگ کے آدمیون سے شہر خالی تھا جو چند تھے بھی پٹھانون کے آنے کی خبر سُن کے بھاگ کھڑے ہوئے اور پٹھانون کے کوتوال سلئے شہر مین آ کے بے اعتدالیان شروع کر دین -

اِن دنون شیخزادگان لکھنؤ مین سب سے زیادہ سربرآوردہ شیخ معز الدین تھے - وہ افاغنہ کے سردار سے شہر کے باہر جا کے ملے - اُسی وقت کسی نے اُس سے جا کے شکایت کی کہ شہر والے آپ کے کوتوال کی تحقیر و توہین کرتے ہین - اور کوئی اُس کا حکم نہین مانتا - شیخ معز الدین بولے "کیا مجال ہے کہ کوئی ایسی گستاخی کرے مین جاتا ہون مفسدون کو سزا دون گا" یہ کہہ کے واپس آئے اور تمام بھائی بندون کو بُلا کے کہا "پٹھانون کے قول و فعل کا اعتبار نہین - بہتر یہ ہے کہ ہم نواب صفدر جنگ کا ساتھ دین - اور مقابلہ کر کے پٹھانون کو یہان سے نکال دین" اس کے بعد شیخ معز الدین نے اپنے گھر کا زیور بیچ کر فوج جمع کی - اور ساری شیخزادون کو لے کے کوتوال پر حملہ کیا - وہ اپنی جان لے کے بھاگا اور شیخ صاحب نے کسی مغل کو درباری

لباس پہنا کے اپنے مکان مین بٹھا دیا- اور منادی کرادی کہ صفدر جنگ نے اپنی طرف سے اسمعیل کو کوتوال بنا کے بھیجا ہی- اس کے ساتھ ہی علی کے نام کا ایک پھریرا جھنڈا کھڑا کیا اور لوگ اُس کے نیچے آ آ کے جمع ہونے لگے-

یہ حالات سُن کے پٹھانون نے حملہ کر دیا- شہزادون نے جان توڑ کے مقابلہ کیا- اور اپنی بڑائی مشہور شجاعت دکھا دی- پٹھان مقابلہ کی تاب نہ لا سکے- پندرہ ہزار فوج کے ساتھ بھاگے اور موقع پا کے شہزادون نے پٹھانون کو سارے ملک اودھ سے نکال باہر کیا- دو سال بعد جب احمد خان بنگش سے صلح ہو گئی تو سنہ ۱۱۶۲ محمدی (سنہ ۱۷۵۳ء) مین نواب صفدر جنگ پھر لکھنؤ مین آ گئے- اور مہدی گھاٹ پر آ کے ٹھہرے- ایک خاص مکان اپنے رہنے کے لیے بنوایا اور سپاہ کی درستی مین مصروف ہوئے لیکن اس کی مہلت نہ ملی- اسی سال سلطان پور کے قریب پاپڑ گھاٹ مین پڑاؤ تھا کہ انتقال کیا- لاش پہلے فیض آباد کی گلاب باڑی مین لے جا کے زمین کے سپرد کی گئی- پھر تھوڑے دنون کے بعد ہڈیان دہلی مین لے جا کے دفن کی گئین جن پر نہایت ہی عالیشان مقبرہ موجود ہے- اور سیاحان ارض اُسے آج تک عبرت و عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہین-

ایک قاضی صاحب کا فتوی

اس سے پہلے نمبر مین ہم فیض آباد کا ایک مذہبی اور علمی مناظرہ دکھا چکے ہین اب یہ دکھاتے ہین کہ اُنھین دنون وہان ایک قاضی صاحب کے فتوے نے کیسا مزے کا چٹکلا رنگ دکھایا-

شجاع الدولہ کی وفات اور نواب آصف الدولہ کے لکھنؤ چلے آنے کے بعد فیض آباد مین صرف معزز بیگمون کی بڑی بڑی سرکارین رہ گئی تھین- جن کی ذات سے شہر کی رونق ایک بڑی حد تک برقرار تھی- اُن مین سب سے اول شجاع الدولہ کی والدہ نواب صدر النسا بیگم صاحبہ کی سرکار تھی- دوسری سرکار اُن کی بیوی جناب عالیہ متعالیہ نواب بہو بیگم صاحبہ کی تھی- جو سب سے بڑی سرکار تھی- تیسری بنی خانم صاحبہ تھین یہ نجم الدولہ کی بیوی تھین- دربار لکھنؤ سے پانچ ہزار ماہوار پاتی تھین- اور اس کے علاوہ بہت سے

جواہرات اور لاکھوں روپیہ کا اندوختہ تھا ۔ ان تینوں خاتونوں کے علاوہ برہان الملک کے خاندان کی تمام معزز و محترم بیگمیں فیض آباد ہی میں تھیں ۔ جن میں سے ہر ایک کی بجائے خود ایک مستقل سرکار تھی ۔

بہو بیگم صاحبہ نے اپنی کسی پیش خدمت کی بیٹی نورجہان کو بڑی محبت اور لاڈ پیار سے پالا تھا ۔ وہ بڑی خوبصورت تھی اور اُس کے ساتھ نہایت ہی شوخ و چالاک ۔ جب بڑی ہوئی تو بہو بیگم کو اُس کی شادی کی فکر ہوئی ۔ دروازے پر ایک سید صاحب بچوں کی تعلیم پر نوکر تھے ۔ اُنھوں نے اپنے بیٹے میر محمد صالح کے لیے پیام دیا ۔ بہو بیگم نے اس نسبت کو اس خیال سے پسند کر لیا کہ لڑکی کہیں باہر نہ جائے گی ۔ میرے ہی پاس بنی رہے گی ۔ اور شادی ہو گئی ۔

یہ میر محمد صالح جاہل ۔ بدصورت ۔ بے عقل ۔ متلون مزاج اور اللہ میان کی گاے تھے ۔ اور بی بی آفت کی پرکالہ ۔ جو بڑی ہی ہوشیار ۔ عقل کی پتلی ۔ شوخ و شریر ۔ بامذاق و سخن فہم ۔ اور اس کے ساتھ بلا کی خودرا ے اور ضدن تھی ۔ میان کو خطرے ہی میں نہ لاتی تھی ۔ اُس نے میان کی کبھی نوکر سے زیادہ وقعت نہ سمجھی ۔ یہاں تک کہ محمد صالح کی جورو ہونے پر شرماتی ۔ اور کوئی منھ پر کہہ دیتا تو بُرا مانتی تھی ۔ میان نے ڈیوڑھی کی خاک اُڑا دی اور وہ کبھی پاس نہ پھٹکتی ۔

چند روز بعد بہو بیگم نے نورجہان کو اپنے گھر کا داروغہ کر دیا ۔ اب سارا لینا دینا اُسی کے ہاتھ تھا ۔ اندر باہر کی مالک تھی ۔ روپیہ پیسہ خزانہ اور جواہرات جو کچھ سامان دولت تھا سب اُسی کے قبضے میں تھا ۔ اِس سے اُس کا دماغ اور آسمان پر چڑھ گیا اور میان سے کسی قسم کا تعلق ہی نہ باقی رہا ۔ صورت دیکھنے تک کی روادار نہ تھی ۔ بہو بیگم کے سگے بھائی آغا علی خان بیرونی کاروبار کے مختار تھے ۔ اور محل میں اُن کی اکثر آمد و رفت رہتی تھی ۔ وہ شوخ ادا نورجہان پر ایک جان چھوڑ سو جان سے عاشق ہو گئے ۔ دونوں کا تعلق نوکر چاکروں کے ذریعے سے باہر مشہور ہوا ۔ اور ہر صحبت میں ان دونوں کے ناجائز عشق کا تذکرہ ہونے لگا ۔

بہو بیگم کی سرکار میں ایک اور عورت نوکر تھی جس کا نام ساجدہ خانم تھا اُسے نورجہان نے کسی الزام پر برطرف کر دیا ۔ وہ محل سے نکل کے اپنے داماد

مرزا شیخا کے گھر مین آئی جنھین بہو بیگم صاحبہ کے خواجہ سرا جواہر علی خان کی سرکار مین رسوخ حاصل تھا۔ اُس نے داماد کے سامنے اپنا دُکھڑا روتے روتے نورجہان کی آوارگیون کا ذکر کیا۔ اور کہا "سارا فساد اُسی مُردار کا ہے"۔ مرزا شیخا نے یہ سُنا تو انتقام لینے کے درپے ہوگئے۔

چند روز پہلے اتفاقاً ایک ایسا واقعہ پیش آیا تھا جس سے جواہر علی خان اور آغا علی خان کے دلون مین کدورت پیدا ہو گئی تھی۔ آغا علی خان کا ایک حمام جواہر علیخان کی مکان سے ملا ہوا تھا۔ اور وہین پر آغا علی خان کا مکان بھی تھا۔ جواہر علیخان نے اپنے آرام کے خیال سے کئی بار اُس حمام کی مرمت کرا دی تھی۔ اُن کے اس تصرف سے آغا علی خان کو دل مین اندیشہ ہوا کہ یونہین مرمت کراتے کراتے جواہر علی خان اُس پر قبضہ نہ کر لین۔ اس اندیشہ کے مٹانے کے لیے اُنھون نے ایک رات اپنے آدمی بھیج کے اُس حمام کے روشندانون کے شیشے اور کھڑکیان تُڑوا ڈالین۔ اور جابجا توڑ پھوڑ کے اس قابل ہی نہ رکھا کہ اُس مین کوئی نہا سکے۔ جواہر علی خان کو یہ دیکھ کے بڑا ملال ہوا۔ ظاہر مین تو خاموش ہو رہا۔ مگر دل مین سوچنے لگا کہ آغا علی سے کیونکر اس کا بدلا لے۔

اسی سوچ مین تھا کہ مرزا شیخا نے اپنی ساس کا دُکھڑا رونے کے ساتھ نورجہان اور آغا علی خان کی عشق بازیون کا حال بیان کیا۔ اور اسی وقت سے نورجہان اور آغا علی خان کے عشق کے خلاف سازش شروع ہو گئی۔ مرزا شیخا نے نورجہان کے شوہر میر محمد صالح کو اکیلے مین بُلوا کے کہا "تم بڑے بے غیرت ہو! اپنی جورو کی آوارگیان اور آغا علی خان کے ساتھ اُس کے ناجائز تعلقات سُنتے ہو اور دم نہین مارتے!" محمد صالح نے کہا "مین کیا کرون؟ میرا کچھ زور ہے؟ نہ مجھ مین طاقت ہے اور نہ میرے پاس دولت ہے۔ غریب کی کون سُنتا ہے؟ آغا علیخان قوت اثر روپیہ پیسہ سب ہی کچھ رکھتے ہین۔ اور میرے پاس کیا ہے؟ پہاڑ کے سامنے تنکے کی کوئی اصل و حقیقت ہے؟" مرزا شیخا نے کہا "اچھا ایک کام کرو۔ ایک عرضی جواہر علی خان کی معرفت بہو بیگم صاحبہ کے ملاحظہ مین پیش کرا دو جس مین یہ سب حال لکھا ہو۔ جواہر علی خان تمھاری چارہ جوئی بھی کرین گے اور تمھارا کچھ وظیفہ

بھی مقرر کرا دین گے۔ دوسری طرف تم یہ کرو کہ قاضی صاحب کے محکمہ مین بھی درخواست پیش کر دو۔“

محمد صالح نے فوراً بہو بیگم صاحب کی خدمت مین عرضی دی۔ اور اُسی وقت قاضی صاحب کے محکمہ مین رجوع کیا۔ قاضی ایک معمولی درجے کے مفتی تھے۔ اور اُن کی سماعت ہی کون کرتا تھا؟ درخواست دیکھتے ہی اُن کا دم نکل گیا بولے ”مین آغا علیخان کے خلاف کیا کر سکتا ہون؟ مجھے رشتہ دوگے یا فیض آباد سے نکلواؤ گے؟ مگر جواہر علی خان کی طرف سے تشفی دی گئی۔ اور یقین دلایا گیا کہ آپ فتوی تو دین ہم آپ کی پوری پوری مدد کرین گے۔“

اب ایک مناسب موقع پر جواہر علی خان نے وہ عرضی لے جا کے بہو بیگم صاحبہ کو سنائی۔ اور پورا واقعہ سمجھایا۔ بہو بیگم سے اگرچہ بنی خانم سے بڑی ملاقات اور رسم و راہ تھی۔ مگر آغا علی خان کی اس حرکت پر بہت بگڑین۔ اور کہا ”مین شرع کے معاملے مین کسی کی مروت نہ کرون گی۔ اس معاملے کو قاضی صاحب کے وہان پیش کر دو۔ اور سارے شہر والون کو بھی خبر کر دی جائے۔ جو خدا اور رسول کا حکم ہو گا وہی ہو گا۔“

یہ سب کچھ ہوا مگر بنی خانم کو ابھی تک کانون کان خبر نہ تھی۔ آغا علی خان نے بھنک پائی مگر یقین نہ آیا کہ میرے مقابلے مین کوئی کارروائی کی جا سکے گی۔

آخر وہ دن آیا جو کارروائی کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ میر محمد صالح صبح صبح نئی درخواست لیے ہوئے قاضی صاحب کے پاس پہونچے۔ اور داد خواہ ہوئے۔ جواہر علی خان کی شہ تو تھی ہی۔ قاضی صاحب نے فوراً زور و شور سے آ کے خود آغا علی خان کی مسجد مین اپنا شرعی اجلاس جمایا۔ اور ”بشارت“ و ”سعادت“ نام بہو بیگم کی سرکار کے دو خواجہ سرا بجا آوری احکام کے لیے سامنے دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ اب قاضی صاحب نے شرع کے مطابق فتوی دیا۔ اور اُس فتوے کی بنا پر ایک قطعی حکمنامہ لکھ کے اُن دونون خواجہ سراؤن کے ہاتھ بنی خانم کے پاس بھیجا کہ ”نور جہان اسی وقت اپنے شوہر میر محمد صالح کے حوالے کر دی جائے جو ہماری عدالت مین داد خواہ ہوا ہے۔ تعمیل حکم مین اگر تاخیر ہوئی تو مسلمان محل مین گھس کے زبردستی حکم شرع کی تعمیل کرائین گے۔“

بنی خانم اس وقت تک واقعات سے بے خبر تھیں یہ حکم نامہ پہونچا تو ششدر رہ گئیں - اور برافروختہ ہوکے بولیں "آئیں! محمد صالح کی بھی اتنی مجال ہوئی کہ موا میری مرضی کے خلاف کہیں درخواست دے! اور یہ قاضی موا دیوانہ تو نہیں ہو گیا ہے؟ نورجہان اور محمد صالح دونوں میرے نوکر ہیں اور میں ان کی مالک ہوں - جو چاہوں گی کروں گی - موئے ہی کا تا قاضی، بیچ میں دخل دینے والا کون؟" یہ کہہ کے وہ حکمنامہ ہاتھ سے پھینک دیا - اور پروا بھی نہ کی

خواجہ سرا اُن سے چھٹتے ہی واپس آکے یہ حال بیان کیا قاضی صاحب نے بے تحاشا غل مچایا "دین محمدی مسلمانو دین اسلام کی مدد کو دوڑو! اور میرا ساتھ دو!" اب کیا تھا؟ جسے دیکھو مرنے اور جان دینے پر تیار ہو گیا - اُس وقت گرد و پیش جواہر علی خان کی فوج کے لوگ تھے جو کالی وردیاں پہنے تھے - اُنھوں نے وردیاں اُتار اُتار کے پھینک دیں - اور سفید کپڑے پہن کے موجود ہو گئے - قاضی صاحب نے دین محمدی کا جھنڈا بلند کیا - اور بہت سے بے فکرے کندھوں پر جھنڈے رکھ رکھ کے آ گئے - غرض ہزاروں کا غول جمع ہو گیا - جو "دین! دین!" کے نعرے لگاتے ہوئے بنی خانم کے مکان کی طرف چلے - آخوند احمد علی اپنا دربار جما کے بیٹھے تھے اور کچھ پیدل فوج اُن کے ساتھ تھی - "دین دین" کے نعرے سنتے ہی وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے - اُن کے بہت سے بھائی بند اور شہر کے خوش باش اُن کے غول میں آملے اور وہ کوئی تین سو آدمیوں کے ساتھ قاضی صاحب کے لشکر مجاہدین میں آ کے شریک ہو گئے - آگے بڑھے تو بہت سے تماشائی ہندو مسلمان بھی آملے -

الغرض یہ ہزارہا مجاہدین کا پُر شور گروہ بنی خانم کی محلسرا کے قریب پہونچا - سڑک تنگ تھی - اور مجمع اس قدر زیادہ تھا کہ لوگ ٹھٹے اور پیچھے ہٹتے جا رہے تھے ہتھیاروں کے لے چلنے کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے سب لوگ بھالوں اور تلواروں کو ہاتھوں سے اوپر اٹھائے اور سروں کے اوپر بلند کیے ہوئے

بنی خانم کی ڈیوڑھی پر اس وقت ڈیڑھ سو سپاہی تھے جو اُن کے ملازم تھے اُنھوں نے جو ساری خدائی کو اپنے اوپر ترغہ کر کے آتے دیکھا تو جانیں

لے لے کے بھاگ کھڑے ہوئے۔ میدان صاف دیکھ کے ان لوگون نے محلسرا گھیر لی۔ خواجہ سرا محل کے اندر گھس گئے۔ اور نور جہان جس جگہ بیٹھی تھی وہان پہونچ کے اُسے گود مین اُٹھا لیا۔ اور باہر لا کے ایک ڈولی مین بٹھا کے پردہ باندھ دیا۔ اور بڑی شان وشوکت سے لے کے واپس چلے۔ بنی خانم یہ تماشا دیکھتی رہ گئین۔ اُن کے بنائے کچھ نہ بنی۔ آغا علی خان اپنے گھر مین جا کے چھپ رہے جو بنی خانم کی محلسرا کے پچھواڑے تھا۔ اور نور جہان کو مجاہد بلوائیون نے لا کے خرم خواجہ سرا کے مکان مین بند کر دیا۔

اب مجمع منتشر ہو گیا۔ لوگ اپنی دینی کامیابی اور اپنے زبردست عزا پر فخر کرتے ہوئے گھرون کو گئے۔ قاضی صاحب نے اجراے حکم شرع کے صلے مین جواہر علی خان کی سرکار سے بھاری دوشالہ پایا۔ اور شوہر امیدوار محمد صالح کو پچاس روپیہ دیے گئے کہ گھر گرہستی کا سامان درست کرے۔ اور اپنی جورو کو رکھے۔ مگر نور جہان میان کی منحوس صورت وقطع دیکھ کے کچھ ایسی جھنجھلائی اور صدیائی ہوئی تھی کہ اتنی آفت مچنے پر بھی محمد صالح کو چلا چلا کے کوستی اور گالیان دیتی تھی۔ اور کسی کی کچھ پروا نہ کرتی تھی۔

تین چار روز کے بعد وہ جواہر علی خان کے حکم کے مطابق خرم کے مکان سے نکال کے ایک دوسرے مکان مین پہونچا دی گئی جو عنبر علی خان کے اصطبل سے ملا ہوا تھا۔ اس اصطبل مین جواہر علی خان کے گھوڑے اور سائیس رہتے تھے۔ اس وقت تک تو نور جہان میان کو اُٹھتے بیٹھتے گالیان دیتی تھی مگر اب سوچ سمجھ کے اُس نے وضع بدلی۔ اور میان کو شیشے مین اُتارنا شروع کیا۔ یکایک ایسی محبت کرنے اور اس طرح جان فدا کرنے لگی کہ عقل کے پورے میان اُس کا دم بھرنے لگے۔ یقین آ گیا کہ یہ سچ مچ مجھ پر مرتی ہے۔ وہ جو کہتی منظور کر لیتے۔ اور جو کام کہتی کرنے کو تیار ہو جاتے۔

نور جہان کی خوش نصیبی سے جس مکان مین وہ رکھی گئی تھی اُس کے کوٹھے پر مغرب طرف ایک کھڑکی تھی۔ اور اُس کے مقابل حمام کے کوٹھے پر لکڑی کا ایک اوٹ کھڑا تھا جس کے اُدھر آغا علی خان کی نشست رہا کرتی تھی۔ آغا علی خان نے

اوٹ کا ایک تختہ نکال ڈالا - اور معمول ہوگیا کہ اُدھر اپنے کوٹھے پر نورجہان آکے بیٹھتی - اِدھر اوٹ کی آڑ مین یہ بیٹھتے - اور دونون مین دُور ہی دُور سے اشارون مین باتین ہوا کرتین - اب روز کا یہی مشغلہ تھا - دونون کوٹھون پر جمے رہتے - اور جب دیکھیے اشارے بازیان ہو رہی ہین -

اِن عاشقانہ دلچسپیون کو چند ہی روز ہوئے تھے کہ سلون کے نوجدار میر غلام امام فیض آباد مین آئے - اور عنبر علی خان کے مکان کے پھاٹک کے اوپر جو چھپر پڑا تھا اُس مین اُترے - اس بالاخانے کے چھپر سے اُن دونون مکانون کا سامنا تھا - اُنھون نے ان عاشقانہ اشارہ بازیون کا سین دیکھا - اور منشی فیض بخش مصنف تاریخ فیض آباد سے تذکرہ کیا - اُنھون نے چھوٹتے ہی جواہر علیخان کو خبر کی - اور اُس نے اپنے سائیسون کو بُلا کے حکم دیا کہ "نورجہان جس مکان مین رہتی ہے اُس کے کوٹھے کی کھڑکی بند کروا دو - اور دیکھتے رہو کہ پھر کبھی نہ کھلنے پائے"

اب وہ دُور کی نظر بازیان بھی موقوف ہوئین - جن سے دونون ہجران زدہ دلون کی تھوڑی بہت تسلی ہو جایا کرتی تھی - جب روزن در بھی بند ہو لئے اور دیدار یا کی کوئی صورت نہ نظر آئی تو نورجہان نے احمق میان ہی سے کام لے کے دوسرا راستہ نکالا - ایک دن جواہر علی خان کے پاس اُس کا شوہر محمد صالح آیا - اور بیوی کی طرف سے پیام دیا کہ "اُنھون نے حضور مین عرض کیا ہے کہ مین اس مکان مین اکیلی گھٹ گھٹ کے مری جاتی ہون - نہ کوئی یہان آنے والا ہے نہ کوئی جانے والا - کوئی اتنا بھی نہین جس سے دو گھڑی باتین کر کے دل بہلاؤن - لے دے کے جو کچھ ہین میان ہین وہ بھی اکثر حضور مین حاضر رہتے ہین - پھر کہیے مین کیا کرون؟ اور کیونکر دل بہلاؤن؟ اور نہین تو اتنی ہی اجازت دیجیے کہ یہان شہر مین میری ایک جان پہچان والی ہین وہ کبھی کبھی ڈولی مین بیٹھ کے میرے پاس چلی آیا کرین" اس درخواست کے ساتھ نورجہان نے اس قدر خوشامد کردی تھی کہ جواہر علی کا دل نرم ہو گیا - اور اُس نے اجازت دے دی کہ ڈولی پر بیٹھ کے جو عورت آئے نہ روکی جائے - اور اُسے آنے جانے اور رہنے کی

اجازت ہے - اس اجازت کے مطابق اکثر ایک ڈولی کی آمد و رفت رہتی - اور جو بدبخت آتیں دو دو تین تین نارہ کے چلی جاتیں اور کوئی تعرض نہ کرتا -

اپنی آزادی حاصل کرنے کے بعد نور جہان نے اس بات کی کوشش شروع کی کہ مرزا شیخا کو اپنا دوست اور طرفدار بنائے - اُن کے پاس چپکے سے کہلا بھیجا کہ اگر مین پھر بنی خانم کے محل مین پہونچ گئی تو وعدہ کرتی ہون کہ تمھاری ساس کو دوبارہ نوکر رکھوا دون گی - اور اسی قدر نہین بلکہ اُن کی تنخواہ بھی کچھ بڑھوا دون گی - مرزا شیخا لالچ مین آگئے - اور ایک دن رات کو سب کی آنکھ بچا کے نور جہان سے ملے - باہمی دوستی و اتحاد کا اقرار کیا - اور دونون مین سچے دل سے مضبوط عہد و پیمان ہوا - اور مرزا شیخا نے کہا "مجھ سے جہان تک بنے گا آپ کو آزادی دلانے کی کوشش کرون گا" اس عہد و پیمان کے بعد نور جہان نے آغا علی خان کے پاس کہلا بھیجا کہ "مین نے اپنے میان اور مرزا شیخا دونون کو ہموار کر لیا ہے - اب تم خانم صاحبہ سے کہو کہ میرے بلانے کی کوشش کرین -

کامیابی کا یہ پہلو نکلتے ہی آغا علی خان نے بھی محمد صالح کو بلا کے اُس پر پچارا پھیرا - ایسی باتین بنائین کہ وہ اُن کا دم بھرنے لگا - اور اُنھون نے زیادہ دلدہی کے لیے بیس روپیہ مہینہ اُس کی تنخواہ بھی مقرر کر دی - اور اُس کے بعد جا کے بنی خانم کو نور جہان کا پیام دیا -

بنی خانم کے بھی دل سے لگی ہوئی تھی فوراً تیار ہو گئین - اول تو انھین اپنے گھر کے کاروبار مین جتنا بھروسا نور جہان پر تھا کسی پر نہ تھا - اُن کے کام جیسے نور جہان سے نکلتے تھے کسی سے نہ نکلتے تھے - اُس کی جگہ پر جو عورت اب کام کرتی تھی اُس سے وہ خوش نہ تھین - اور بات بات پر نور جہان یاد آتی تھی علاوہ اس کے جن زبردستیون کے ساتھ نور جہان اُن سے چھینی گئی تھی اُس مین اُنھین اپنی سُبکی اور بے وقعتی نظر آتی تھی - اس کا خار دل مین تھا - اور کہتی تھین کہ کسی طرح ہو جواہر علی خان سے اس کا بدلہ ضرور لون گی - بہر تقدیر نور جہان کا پیام سنتے ہی تیار ہو گئین - اور اُسی وقت سوار ہو کے بہو بیگم صاحبہ کے پاس پہونچین - دو تین دن وہان رہین - چوتھے دن بہو بیگم کے سامنے یہ معاملہ چھیڑا -

اور کہا "آپ جانتی ہین کہ محمد صالح میرا خانہ زاد اور میرے غلام کا لڑکا ہے۔ اور اُسے اِس مین کچھ عذر نہین کہ نورجہان میرے پاس رہے جس کے بغیر مجھے بڑی تکلیف ہے۔ جو کچھ فساد ہے اوپر والون کا ہے" بہو بیگم نے پوچھا "محمد صالح اس پر راضی ہے کہ اُس کی جورو تمھارے یہان رہے؟" بی خانم بولین "میرے کہنے کا یقین نہ ہو حضور خود اُس سے بُلا کے دریافت فرمالین۔ بلکہ ڈیوڑھی پر حاضر ہے پُوچھوا لیجیے"

محمد صالح اس سازش مین پڑکے دس بارہ دن سے جواہر علی خان کے پاس نہین گیا تھا۔ اور بی خانم کا طرفدار تھا۔ اس وقت بہو بیگم صاحب نے دریافت کرایا تو اُس نے بی خانم کے بیان کی پوری پوری تصدیق کر دی۔ اُس کا بیان سُن کے بہو بیگم صاحبہ بولین "جب اُسے نورجہان کے تمھارے یہان رہنے مین اطمینان ہے تو پھر کون روک سکتا ہے؟ اُسے اختیار ہے جہان چاہے لے جاکے رکھے" اس حکم پر بی خانم کو اطمینان ہو گیا اور نورجہان کو اپنے ساتھ لے کے سوار ہونے کو تھین۔ دروازے پر گاڑی کھڑی تھی۔ جلوس کے سوار بھی وردیان پہنے ہوئے تیار تھے کہ پانی برسنے لگا۔ اور اُنھین ٹھہرنا پڑا کہ مینھ تھمے تو سوار ہون۔

یہ رات کا وقت تھا۔ اور جواہر علی خان مغربین کی نماز پڑھ کے بیٹھا ہی تھا کہ ایک سائیس نے کہا "نورجہان بھاگ گئی! ہم سب سمجھے کہ جو بی بی اکثر آیا کرتی تھین وہی ڈولی مین سوار ہو کے جا رہی ہین۔ لیکن جب دیر تک مکان مین سناٹا رہا تو ہمین شک ہوا۔ جاکے پکارا اور کوئی نہ بولا۔ تب اندر جاکے دیکھا۔ اور معلوم ہوا کہ وہ ہمین جُل دے کے نکل گئی" جواہر علی خان نے حکم دیا کہ "جاؤ ڈھونڈھو۔ اور جہان ہوے لاؤ" اتنے مین مرزا شیخا آگئے۔ اور جواہر علی خان نے اُن کی طرف دیکھ کے جوش کی آواز مین کہا "حضور عالیہ بیگم صاحبہ نے خدا ترسی کی راہ سے آل نبی کی خبر لی تھی اور اس کا اُنھین اجر ضرور ملے گا۔ اب اُسے اختیار ہے جو چاہے کرے مگر ہم نے اُس کے حق مین اچھا ہی کیا تھا" یہ کہہ کے اُس نے سپاہیون اور جاسوسون کو بُلا کے حکم دیا کہ سارے شہر مین پھر کے

پتہ لگاؤ کہ یہ عورت کہاں گئی ہے"۔ صدہا آدمی ہر طرف پھیل گئے۔ اور گلی کوچون مین ہر جگہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ ہونے لگی۔

یہ ہو ہی رہا تھا کہ بہو بیگم کی ڈیوڑھی کے پہرے کے سپاہیون مین سے ایک نے ان کو خبر دی کہ "کوئی آدھا گھنٹہ ہوا نورجہان محل کے اندر داخل ہوئی ہے اور عنقریب بی خانم اُسے گاڑی مین ساتھ بٹھا کے اپنے گھر لے جانے والی ہین"

یہ سنتے ہی جواہر علی خان کی تن بدن مین آگ لگ گئی۔ حکم دیا کہ "خبردار جانے نہ پائے جو کچھ ہوگا مین سمجھ لون گا۔ بی خانم اپنے گھر مین پہونچ بھی جائین تو بھی تم بلاتامل گاڑی مین ہاتھ ڈال دینا۔ نورجہان کو کھینچ کے گاڑی سے نکال لینا۔ اور چاہے پانی برسے۔ بجلی گرجے۔ بادل کڑکے جو ہو تم اُسے اسی وقت پکڑ کے میرے پاس حاضر کر دینا"

جواہر علی خان کا حکم کوئی معمولی چیز نہ تھا۔ بے قاعدہ فوج کے ہزارون سپاہی سڑکون پر پھیل گئے۔ اور منتظر تھے کہ بی خانم کی گاڑی آئے اور دھاوا کر دین۔ لیکن بی خانم کے لوگون نے اس ناکہ بندی کی خبر اُنھین پہونچائی۔ سنتے ہی اُنھین بھی ضد ہو گئی۔ دل مین کہا "اب تو مین لے ہی کے جاؤن گی"۔ چلتے چلتے رُک گئین اور سارے واقعات جا کے بہو بیگم سے کہہ دیے۔ اُنھون نے برہم ہو کے ایک خواجہ سرا کی زبانی جواہر علی خان کے پاس کہلا بھیجا "تمھین کیا ہو گیا ہے جو راستہ روکتے ہو؟ اپنی اس بیہودہ ضد کو چھوڑو"

جواہر علی خان اس وقت اس قدر غصہ مین بھرا ہوا تھا کہ آپے سے باہر تھا۔ یہ بھی بھول گیا تھا کہ بہو بیگم میری آقا اور مالک ہین۔ اور مین اُن کا غلام ہون۔ بیگم صاحبہ کے پیام کا کچھ جواب نہ دیا۔ بلکہ جب محل کا خواجہ سرا واپس جا چکا تو اپنے سرداران فوج کو دوبارہ تاکید کی کہ "خبردار بی خانم جانے نہ پائین۔ تم لوگ اُسی طرح مستعد رہو۔ مین منع بھی کرون تو تم نہ ماننا۔ بے تکلف گاڑی پکڑ لینا۔ اور کہنا ہم نہ جواہر علی خان کو جانتے ہین نہ کسی اور کو۔ ہم تو سچے مسلمان ہین۔ اور ہمارا دین اسلام ہے۔ زیادہ روک کی گئی تو ہم غدر مچا دین گے اور سید کی جائز منکوحہ کو اُس کے آشنا سے چھین کے شوہر کے حوالے کر دین گے۔

پھر وہ جانے اور اس کا کام جانے - دین کا حکم ہے نہ ہم چاہیں مرجائیں مگر سیدانی سیّد ہی کے پاس رہے گی ؟

بہو بیگم صاحبہ کو جب معلوم ہوا کہ جواہر علی خان نے کچھ جواب نہیں دیا تو متردد ہوئیں کہ کیا کریں - کسی اور خواجہ سرا کے پاس اتنی فوج نہ تھی کہ جواہر علی خان کا وہ مقابلہ کرسکے - بار بار جواہر علی خان ہی کے پاس آدمی بھیجتی تھیں اور وہ کچھ جواب نہ دیتا تھا - غصہ مین بھرا بیٹھا تھا - منہ مین کف تھا - اور آنکھون سے شعلے نکل رہے تھے - آخر دیر تک کے نامہ و پیام کے بعد جواہر علی خان نے قبول کیا کہ "اگر خود محمد صالح آکے کہہ دے کہ مین نے اپنی جورو کو پایا - اور اُسے جہان چاہون گا لے جاکے رکھون گا تو مین نہ روکون گا - بہو خانم نورجہان کو لے جائین - لیکن بغیر اس کے نورجہان کو کوئی نہیں لے جا سکتا ؟

اس قرارداد کے مطابق محمد صالح کی تلاش شروع ہوئی - اُس سے لوگون نے کہہ دیا تھا کہ "جواہر علی خان کے سامنے نہ جانا وہ تمھیں مار ہی ڈالین گے " یہ سنتے ہی ایسا بدحواس ہو بھاگا کہ ایک ذلیل جھانجھ بجانے والے کے تنگ و تاریک مکان مین جہان اندھیرا گھپ تھا - دبک کے بیٹھ رہا - اور ڈر کے مارے زور سے سانس بھی نہ لیتا تھا - چارون طرف لوگ اُسے ڈھونڈھتے پھرتے تھے اور اُس نے ایسی چپ سادھی تھی کہ کسی طرح سراغ نہ لگتا - بڑی دیر کے بعد خدا خدا کر کے ملا - اور لوگ کھینچتے ہوے پھاٹک پر لائے - یہان پہونچتے ہی اُس نے دوہائیان دینا شروع کین کہ "للہ مجھے جواہر علی خان کے سامنے نہ لیجاؤ !"

آخر جواہر علی خان کی نظر قہر سے بچنے کے لیے وہ ایک ڈولی مین بٹھایا گیا جس مین پردہ باندھ دیا گیا - اور پردہ کی بوبو بنا کے ڈیوڑھی مین لایا گیا - جواہر علی خان بھی اب معمول کے موافق محل کے اندر آچکا تھا اُس کے سامنے محمد صالح نے پردے کے اندر سے چلّا کے کہا "خدا حضور کو سلامت رکھے ! حضور کی مہربانی سے مجھے اپنی جورو مل گئی - اور اب چاہتا ہون کہ وہ بہو بیگم صاحبہ ہی کے پاس رہے وہ میری آقا اور میرے جان و مال کی مالک ہین ؟

خوش عقیدہ مصنف تاریخ فرح بخش کا بیان ہے کہ جیسے ہی یہ کلمات محمد صالح

کی زبان سے نکلے بادل زور سے گرجا۔ بجلی کڑک کے زمین پر گری۔ جواہر علی خان کی زبان سے بے تحاشا آہ نکل گئی۔ اور جتنے لوگ کھڑے تھے مبہوت و ششدر رہ گئے۔

اب کیا تھا؟ بی خانم نورجہان کو لے کے اپنے گھر پہونچین۔ اپنی کامیابی پر خوشیان منانے لگین۔ نورجہان کے یہان گھی کے چراغ جل گئے۔ اور آغا علی خان کی آرزو بر آئی۔ اب نہ کہین قاضی صاحب کے فتوے اور شرعی فیصلے کا پتہ تھا نہ وہ دین محمدی کا جھنڈا بلند تھا۔ اور نہ فیض آباد مین وہ "دین دین!" کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ لیکن ہان اس واقعے کے طفیل مین بارھوین صدی ہجری کے آخر کی ایک شرعی عدالت کی وضع۔ حالت۔ شان اور حکومت نظر آ گئی۔

چیچک کا ٹیکا اور لیڈی مانٹگو

کتنی بڑی حیرت کی بات ہے کہ چیچک کا ٹیکا جو آج دنیا مین خدا کی ایک بڑی بھاری برکت ہے اور جس کے رواج دینے پر یورپ جس قدر فخر و ناز کرے بجا ہے دراصل ایک مشرقی علاج ہے۔ اور غالباً مسلمانون ہی سے لیا گیا ہے۔

ہم ہندوستان مین دیکھتے ہین کہ کامیابی کے اتنے تجربون کے بعد بھی اب تک یہ حال ہے کہ ٹیکا لگائے جانے کے خوف سے مائین بچون کو چھپاتی پھرتی ہین۔ پرانے مذاق کے باپ بھائی نہ بچون کے لیے ٹیکا لگانے والون سے کشتیان لڑنے یا انھین رشوتین دینے کو تیار ہو جاتے ہین۔ بڑے بڑے مہذب لوگون تک کا یہ حال ہے کہ دفع الوقتی کے لیے جھوٹ فقرے بناتے ہین اور بہت سے ملکی حکیم اور وید بھی باوجود عقل رکھنے کے اپنی طرف سے تصنیف کر کر کے ٹیکے کے رواج دینے پر مختلف اور طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہین۔ اور یہ نہین پسند کرتے کہ اس لاکھون دفعہ کے آزمائے ہوئے علاج سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ان کی اس نفرت و مخالفت کو دیکھ کے جب ہم اس کا خیال کرتے ہین کہ یہ طریقۂ علاج انھین کے یہان سے سیکھا گیا ہے تو بڑی حیرت معلوم ہوتی ہے۔ اور تعجب آتا ہے کہ اپنی ہی چیز اگر غیرون کے ہاتھ سے ملے تو وہ کس قدر اجنبی

اور مہیب بن جاتی ہے ؟

ٹیکے کو سب سے پہلے انگلستان کی ایک تعلیم یافتہ شریف زادی اور مہذب و دانا خاتون نے رواج دیا جس کا نام لیڈی مانٹگو میری ورٹلی تھا - وہ سنہ ۱۱۱۹ محمدی (سنہ ۱۶۹۰ء) مین انگلستان کے علاقہ نوٹنگھم شائر مین پیدا ہوئی تھی - اعلی درجے کے امیر اور شریف گھرانے کی بیٹی تھی اس لیے اچھی صحبت مین نشو ونما ہوا - اُس کا باپ ڈیوک آف کنگسٹن روشن خیال اُمراے انگلستان مین تھا جس نے بیٹی کو اچھی سے اچھی تعلیم دلائی - اور بیٹی کو بھی علم و فضل کا ایسا شوق تھا کہ لاطینی زبان مین بہت اچھا درخور حاصل کر لیا اور بڑی نمایان ترقی کی -

بائیس برس کے سن کو پہونچی تو انگلستان کے ایک نامی گھرانے کے اقبالمند نوجوان ایڈورڈ ورٹلی مانٹگو کے ساتھ شادی ہو گئی جو پہلے ارل آف سنیڈوچ کا فرزند تھا - مسٹر مانٹگو نے پارلیمنٹ مین چمکنا اور نمود حاصل کرنا شروع کیا - چند ہی روز مین وہ بڑا قابل آزاد اور روشن خیال ممبر ثابت ہوا - مشہور شاعر ایڈیسن سے اُس سے بڑی دوستی تھی - اور انگلستان کے اعلی درجے کے مدبران سلطنت مین شمار کیا جاتا تھا -

سنہ ۱۱۲۵ محمدی (سنہ ۱۷۱۶ء) مین مسٹر مانٹگو قسطنطنیہ کے سفیر مقرر ہو کے دولت عثمانیہ کے دار السلطنت کو روانہ ہوئے اور لیڈی میری مانٹگو نے بھی جن کی عمر اب ۲۶ برس کی تھی پیارے شوہر کے ساتھ استنبول کی راہ لی - جہان دونون میان بیوی کو دو سال تک رہنا پڑا -

قسطنطنیہ مین انگلستان کے بہت سے سفیر اس سے پہلے بھی آ چکے ہون گے مگر مسٹر مانٹگو نے محض اپنی بی بی کی قابلیت سے جو ناموری و شہرت حاصل کی اس سے پہلے کسی کو نہین نصیب ہوئی تھی - لیڈی میری یہان ترکی اُمرا کے خاندانون سے ملین اُن کے حالات دریافت کیے - اور جو کچھ واقعات معلوم ہوتے اُنھین لکھ لکھ کے لنڈن مین اپنے دوستون کو بھیجا کرتین - یہ خطوط اس قدر دلچسپ تھے کہ لوگون نے شوق اور قدر سے جمع کیے - اور ہر طرف لوگون مین اُن کے

پڑھنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔

قیام قسطنطنیہ کے زمانے ہی مین لیڈی میری مانٹگو کو پتہ لگا کہ یہان کے بعض گاؤن مین چیچک کے روکنے کے لیے بعض مائین اپنے بچون کے ٹیکا لگایا کرتی ہین۔ اس نئے اور عجیب علاج کو اُنھون نے اُن گاؤن مین جا کے دریافت کیا۔ جو عورتین اُس کا طریقہ جانتی تھین اُن سے مل کے کیفیت معلوم کی۔ اُن لڑکون کو دیکھا جن کے ٹیکا لگایا گیا تھا۔ خوب اچھی طرح آزما لینے کے بعد خود اپنے فرزند کے ٹیکا لگایا۔ اور دیکھا کہ وہ چیچک سے بالکل محفوظ رہا۔ تب اُنھون نے آزمایش کے لیے اور بہت سے لڑکون کے ٹیکا لگایا۔ اور پھر اُسے عام لوگون مین پھیلانے لگین۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشرقی یورپ مین اُن کی کوشش سے ٹیکے کا رواج ہو گیا۔ اور لوگ اس خلقی علاج کی قدر کرنے لگے۔

سنہ ۱۱۴۷ محمدی (سنہ ۱۷۱۸ء) مین لیڈی میری اپنے شوہر کے ساتھ انگلستان واپس آئین۔ اور مقام ٹوئی کنہم مین بود و باش اختیار کی۔ اب یہان اُن سے انگریزی کے مشہور شاعر پوپ سے بہت راہ و رسم ہو گیا تھا۔ اور گو کہ وہ اپنے دلچسپی کے اوقات پوپ کی صحبت مین بسر کرتی تھین مگر یہان بھی اُنھین شب و روز ٹیکے کے رواج دینے ہی کی فکر رہا کرتی تھی۔

اس کے بعد خدا جانے کیا بات ہوئی کہ پوپ سے بگڑ گئی۔ اور پوپ نے باوجود ایک بلند خیال اور عالی دماغ شاعر ہونے کے جذبے مین آ کے لیڈی میری کی ہجو مین چند شعر کہہ ڈالے جن مین اُن کے اخلاق پر حملہ کیا۔ اور چاہا کہ لیڈی میری کی مسلمہ ناموری۔ قابلیت۔ پاکیزگی خیال اور نیک نفسی کی شہرت کو خاک مین ملا دین۔ مگر چونکہ اخلاقی جرأت نہ تھی اور پوپ کے دل مین خود ہی چور تھا اس لیے اُن اشعار کو گمنام طور پر شایع کیا۔ اگر کسی نے پوچھا بھی کہ یہ آپ کے شعر ہین تو انکار کر دیا۔ لیکن ایسی باتین کہین چھپائے چھپی ہین؟ ہر جگہ شہرت ہو گئی کہ یہ شعر اصل مین پوپ ہی کے ہین۔ مگر چونکہ بے اصل و حقیقت ہین اس لیے وہ اپنی طرف منسوب کرتے ڈرتے ہین۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بجاے اس کے کہ لیڈی میری کے نام پر کسی قسم کا حرف آئے خود پوپ کو سخت بدنامی نصیب

ہوئی - عام لوگون نے اُن کی اس حرکت کو ناپسند کیا - اور اُسنے اُنھین کو ذلیل و کمینہ سمجھنے لگے -

اب سنہ ۱۱۶۸ محمدی (سنہ ۱۷۳۹ء) شروع ہوا - اور لیڈی میری کا سن ۴۹ سال کا تھا - طبیعت ناساز رہنے لگی - اور معلوم ہوا کہ انگلستان کی آب و ہوا موافق نہین ہے - تبدیل آب و ہوا کے لیے ایطالیہ کا سفر کیا - وہان شہر وینس مین جاکے اقامت گزین ہوئین - اور صحت برقرار رکھنے کے لیے اس طرح پاؤن توڑکے بیٹھین کہ ۲۲ سال وہین گزر گئے - سنہ ۱۱۶۸ محمدی مین گئی تھین اور سنہ ۱۱۹۰ محمدی (سنہ ۱۷۶۱ء) مین ۷۱ برس کی بوڑھی اور واجب التعظیم خاتون بن کے پھر انگلستان مین آئین - اس لیے کہ اُن کی صاحبزادی لیڈی بیوٹ نے تاکید سے بُلایا تھا - مگر عمر پوری ہو چکی تھی - تندرستی نے جواب دے دیا - اور وطن مین آکے شاید پورے ایک برس بھی نہ رہی ہون گی کہ سنہ ۱۱۹۱ محمدی (سنہ ۱۷۶۲ء) مین دنیا سے رخصت ہوگئین - اور ناموری و نیکوکاری کے رجسٹر مین اپنا نام لکھوا کے دوسرے عالم باقی مین جا پہونچین -

مگر دنیا مین اُن کی دو نہایت ہی قابل قدر یادگارین ہمیشہ باقی رہین گی - جن مین سے ایک بھی کسی کو حاصل ہو تو اُس کی ناموری و برکت کے زندہ رکھنے کو کافی ہے - ایک تو چیچک کا ٹیکہ جس سے اب ساری دنیا نفع اُٹھا رہی ہے - اور ہندوستان ہی نہین دنیا کے ہر ملک کے گاؤن گاؤن مین لیڈی میری کی یہ یادگار اپنی برکتون سے نوع انسان کو نفع پہونچا رہی ہے -

اور دوسری یادگار اُن کے وہ خطوط ہین جو اُنھون نے قسطنطنیہ سے اپنے احباب کو لکھے تھے - انگلستان کے لوگون مین اُن کے مطالعہ کا شوق اس قدر بڑھا کہ اُن کی وفات کے دوسرے ہی سال یعنی سنہ ۱۱۹۲ محمدی مین وہ خطوط تین جلدون مین مرتب و مدوّن ہو کے چھپے اور شایع ہوئے - چند روز بعد لوگون کو کچھ اور خطوط ملے - اور چوتھی جلد بھی مرتب ہو کے شایع ہوگئی - ان خطوط کی زبان ایسی دلکش اور شیرین تھی کہ بہت ہی پسند کیے گئے - خصوصاً اس لیے کہ ترکون کے قومی خصائص معلوم ہونے کا یورپ مین

جس قدر شوق تھا اُسی قدر حالات سے لاعلمی تھی - لیڈی میری سے پہلے کسی نے ایسی تفصیل و تحقیق سے آل عثمان کے حالات نہین بتائے تھے - بلکہ کہا جاتا ہے کہ ترکون کے حالات مین جو پہلی کتاب انگلستان مین شایع ہوئی یہی تھی - لوگون نے اس کتاب کے لیے اس کثرت سے شوق کے ہاتھ پھیلا لئے کہ پہلا ایڈیشن چند ہی روز مین ختم ہوگیا - دوبارہ چھپی اور تھوڑے زمانے مین فروخت ہوگئی - غرض برابر ایڈیشن پر ایڈیشن شایع ہوتے چلے جاتے تھے یہان تک کہ سنہ ۱۲۳۲ محمدی (سنہ ۱۸۰۳ء) مین یعنی لیڈی میری کی وفات کے ۴۱ برس بعد اُن کے صاحبزادے نے از سرِ نو درست اور مرتب کرکے اُن خطوط کی چارون جلدون اور اپنی مان کی دیگر قابل قدر تصانیف کا ایک نیا اعلی درجے کا ایڈیشن شایع کیا -

لیڈی میری کے صاحبزادے ایڈورڈ ورٹلی مانٹگو کی نسبت کہتے ہین کہ دماغ بگڑا ہوا تھا - امارت اور گھر کی فارغ البالی پسند نہ تھی - جب دل مین آتی گھر سے بھاگ کھڑے ہوتے - اور کسی ایسے کام کو اختیار کر لیتے جو اُن کی حالت و حیثیت سے بہت ہی گرا ہوتا - دوسرا کمال اُن مین یہ تھا کہ سچ سے نفرت تھی - غلط اور بے بنیاد واقعات کو اس طرح شوکت الفاظ سے بیان کرتے اور ایسے تعلقے باندھ دیتے کہ سننے والے کو سچ کا یقین آجاتا - اس مین اس قدر ملکہ بڑھا ہوا تھا کہ فی البدیہہ قصے پر قصے دل سے ہٹ کے بیان کرتے چلے جاتے اور کیا مجال کہ سلسلہ ٹوٹ جائے - مگر بھاگنا قیامت تھا -

پہلی بار بھاگے تو گھر والون کو ملنے سے یاس ہوگئی چند روز بعد پتہ لگا کہ آپ ایک چمنی سوئی پر کے نوکر ہین - انگلستان کے ہر مکان بلکہ ہر کمرے مین آتش خانہ بنا ہوتا ہے - اُس مین سے دھوان نکلنے کے لیے جو نل دیوار کے اندر ہی اندر اوپر تک چلا جاتا ہے اُسے چمنی کہتے ہین - اس چمنی مین دو چار مہینے مین اتنا کاجل جمع ہوجاتا ہے کہ نہ نکالا جائے تو راستہ بند ہوجائے - اس لیے وہان بہت سے لوگ چمنی سوئیپری یعنی چمنیون مین سے کاجل جھاڑنے کا کام کرتے ہین - ان لوگون کے کپڑون مین چونکہ ہمیشہ کاجل بھرا رہتا ہے اس لیے

۔ سے زیادہ میلے کچیلے رہتے ہین - اور انگلستان مین جو شخص جتنا زیادہ میلا ہو
ن قدر زیادہ ذلیل و حقیر تصور کیا جاتا ہے - غرض جمنی سوئی پرون سے زیادہ
بل اُس سرزمین مین کوئی نہین ہوتا - مگر آپ کو جوش خاکساری مین یہی پیشہ
ب سے زیادہ پسند آیا -
لوگون کو معلوم ہوا تو سمجھا بجھا کے گھر مین لے آئے - لیکن چند روز بعد پھر
چکر ہو گئے - اب کی خبر لگی کہ ایک مچھلی والے کے شاگرد ہین - اور اُس کے
تھ کشتی مین بیٹھے مچھلیان پکڑتے ہین - لوگ گھیر گھار کے پھر لائے - مگر
ڑے زمانے کے بعد پھر چمپت ہو گئے - اب کی شاید مان کے مطبوعہ خطوط کا
تھا کہ قسطنطنیہ مین آ کے ترکون کی طرح رہنے لگے - اُنھین کی وضع اختیار
ی - اُنھین کے سے کپڑے علانیہ پہننا شروع کیے - اُنھین کی سی ٹوپی اور
ار سر پر تھی - اور چونکہ اُن کی پوری پوری معاشرت اختیار کر لی تھی اس لیے
ن امید ہے کہ تثلیث سے توبہ کر کے مسلمان بھی ہو گئے ہون گے - لہذا ہم
ی کے حق مین دعاے مغفرت کر کے سلسلۂ بیان کو ختم کرتے ہین -

ریویو

الات سرسید - شیخ ضیاء الحق صاحب جن سے پبلک خوب واقف
، اور چند سال ہوئے اخبار پیشوا کے ایڈیٹر کی حیثیت سے پبلک کے
ج پر نمایان ہوئے تھے فی الحال اُنھون نے ایک نہایت اہم اور مفید کام
وع کیا ہے - جس سے امید ہے کہ قوم کے اخلاق و تمدن ہی نہین قومی لٹریچر
حق مین بھی نہایت سودمند ثابت ہوگا - اُنھون نے سرسید مرحوم کے تصانیف
ملفوظات سے وہ تمام اقوال جو ملکی و قومی اتحاد و اتفاق - اخلاقی تمدنی
ا شرتی قربانی - علمی و ادبی و مذہبی اصول تعلیم و تربیت وغیرہ کے متعلق
چُن کے جدا جدا مرتب کیے ہین - تاکہ وہ ایک نئی ترتیب سے ابناے
ن کے سامنے پیش ہون اور اُن سے زیادہ فائدہ اُٹھایا جا سکے - ان مین
، وہ حصہ جس مین ہند و مسلمانون کے اتحاد پر سرسید مرحوم کے اقوال یکجا

کر دیے گئے ہیں بطور ایک حصہ کتاب اور اشتہار کے جداگانہ شایع کر دیا گیا ہے جس کی قیمت صرف ۲ / نہ ملنے ہے۔ پوری کتاب کی قیمت ڈیڑھ روپیہ (عیر) ہوگی جو زیر طبع ہے۔ درخواستین مصنف صاحب کے پاس پہونچ جانی چاہیے تاکہ انھین کے اندازے سے پہلا ایڈیشن تیار کیا جائے۔ مصنف صاحب کا پتہ "لاہور اندرون موری دروازہ - مقابل خالصہ ہای اسکول" ہے۔

رومۃ الکبریٰ

ہمارا یہ نیا ناول بفضلہ تعالیٰ مکمل اور تیار ہو گیا - اُس کی قیمت بجائے خود سوا روپیہ عہ ہے - مگر ۱۹۱۳ء کے خریداران دلگداز کی خدمت مین بلا قیمت نذر کیا جائے گا - اس پرچہ کے شایع ہونے کے بعد ہی اُس کے وی - پی روانہ ہونا شروع ہو جائین گے ۱۹۱۴ء کا چندہ دلگداز ڈیڑھ روپیہ ہے اور محصول و منی آرڈر کے ۳/ لہذا ہر وی - پی ایک روپیہ گیارہ آنے (عہ/۱۱) کا ہوگا - جن صاحبون کو لینے مین کوئی عذر ہو فوراً تحریر فرما دین تاکہ نقصان نہ اُٹھایا جائے - اور جو لوگ جہان تک بنے وی پی کے لینے کے لیے تیار رہین اگر کسی وقت باہر جانے والے ہون یا انھین گھر پر موجود نہ رہنے کا خیال ہو اپنے عزیزون اور نوکرون کو بتا دین کہ وہ دلگداز کے وی - پی کو آتے ہی قبول کر لین - ڈاکخانے کا طرز عمل ایسا ہے کہ اُن کی ذرا سی بھی غفلت ہمین اور اُن کو بہت پریشان کرتی ہے - اور دونون مین سے کسی نہ کسی کو نقصان اُٹھانا پڑتا ہے -

خاکسار مہتمم دلگداز

اطلاع

جملہ خریداران دلگداز کی خدمت مین التماس ہے کہ خط و کتابت مین اپنا نمبر خریداری لازمی طور پر بتا دیا کرین جو اُن کے پتہ کے ساتھ لکھا ہوتا ہے رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۱ ڈاکخانہ کا نمبر ہے اس کے حوالہ کی ضرورت نہین - اگر نمبر کا حوالہ نہ ہوگا تو ممکن ہے جواب مین تاخیر ہو یا جواب ہی نہ دیا جا سکے -

منیجر دلگداز

محمد علی پاشا

موجودہ والاشان دولت فراعنۂ قدیم اور خدیوان مصر کے خاندان کا پہلا بانی یہی محمد علی پاشا تھا۔ یہ نامور شخص دنیا کے اُن ممتاز لوگوں مین ہے جنھون نے ادنیٰ درجۂ ذلت سے ترقی کرنا شروع کی۔ اور بڑھتے بڑھتے اپنے آپ کو انتہائی درجۂ کمال پر پہونچا دیا۔ انھین لوگون کے حالات دیکھ کے معلوم ہو سکتا ہے کہ اگر انسان مین طلب صادق اور سچی مستعدی ہو تو اپنے لیے ترقی کی راہین خود ہی پیدا کر لیا کرتا ہے۔ اور کوئی دشواری اور مزاحمت اُس کو آگے بڑھنے سے نہین روک سکتی۔

یہ محمد علی صوبۂ البانیا کے لوگون مین سے تھا جنھین ترک لوگ ارناؤط کہتے ہین۔ البانیا جزیرہ نمائے بلقان کے جنوب و مغرب مین ہے۔ سارا ملک کوہستانی ہے۔ گویا پیچیدہ سلسلہ ہائے کوہ کی ایک نہ سلجھنے والی گتھی ہے۔ اور ویسی ہی پولیٹیکل گتھی اُس کی موجودہ حالت بھی ہو رہی ہے۔ اس سنگستانی سرزمین مین درشت مزاج جفاکش اور ایسے خیرہ سر لوگ رہتے ہین جو بات بات پر بگڑتے اور دل مین ٹھان لین تو ہر مشکل کا سامنا کرنے کو تیار ہو جاتے ہین۔ ابھی تک تو اس سرزمین مین مسلمانون کی تعداد عیسائیون سے

زیادہ تھی۔ مگر آیندہ کی نسبت خدا ہی جانتا ہے کہ کون لوگ زیادہ ہون گے۔ اس لیے کہ متعصب نصاراے بلقان مسلمانون کو طرح طرح سے فنا کرکے اپنی کثرت بڑھانا چاہتے ہین۔ دولت عثمانیہ مین حمایت دین کی قوت نہین۔ اور دول یورپ کا نازک دل گو کہ ہر حصۂ ارض کی ادنی بے اعتدالی پر دُکھ جاتا ہے مگر مسلمانون کی مظلومی پر نہین پسیجتا۔

الغرض محمد علی اسی ملک کا ایک بہت ادنی اور معمولی درجہ کا کسان تھا۔ اُس کسانی مین بھی اتنی حیثیت نہ تھی کہ اپنا اور اپنے خاندان کا پیٹ پال سکتا۔ اس لیے ترک وطن کرکے رومیلیا یعنی اُس صوبے مین چلا آیا جس مین خاص قسطنطنیہ واقع ہے۔ اور شہر قبالہ مین ایک چھوٹی سی ادنی درجے کی دُکان کھول دی۔ لیکن جس طرح کسانی اس کے لیے کسب معیشت کا کافی ذریعہ نہ تھی دُکانداری بھی نہ ثابت ہوئی۔ مجبوراً تجارت کو بھی خیرباد کہی۔ اور ہنوز سترہ اٹھارہ سال ہی کی عمر تھی کہ دُکان بند کرکے فوج مین نوکری کرلی۔ اب وہ اُس ڈھرے پر پڑا جسے تقدیر نے اُس کی ترقی کا راستہ مقرر کر رکھا تھا۔ بس اسی وقت سے وہ یوماً فیوماً عروج پانے لگا۔

اتفاقاً اُن دنون کانڈیا یعنی کریٹ کے دریائی ڈاکوؤن نے سر اُٹھایا تھا۔ دولت عثمانیہ نے ان جری لوٹیرون کی سرکوبی کے لیے جو فوج بھیجی اُس مین محمد علی بھی تھا۔ وہان بغاوت کے فرو کرنے اور سرکشون کے ہموار کرنے مین اس سے ایسی بہادری اور جان بازی ظاہر ہوئی اور اُس نے ایسی شجاعت کے ساتھ ہوشیاری ودانائی سے کام لیا کہ اُس کے افسر بے انتہا خوش ہوئے۔ باب عالی مین اُس کے نمایان خدمات کی رپورٹ کی۔ اور سلطنت اُس کی قدردانی و قدرافزائی پر آمادہ ہوگئی۔

چنانچہ ۱۲۱۹ھ ہجری (سنہ ۱۸۰۴ء) مین وہ ایک البانی لشکر کا سردار بنا کے مصر مین بھیجا گیا تاکہ فرانسیسیون سے جو مصر پر قبضہ کیے لیتے تھے لڑے۔ اور انگریزون کا ساتھ دے جو مصر کو فرانس کے تصرف سے بچانا چاہتے تھے۔ گو کہ اس زمانے مین اُس کی عمر ۲۱ ہی سال کی تھی مگر اُسے بڑی نمایان کامیابی ہوئی۔ فرانسیسیون سے لڑا۔ اُنھین

قلمرو مصر سے مار کے نکال دیا - اور خود مصر مین ٹھہر گیا -

اس مہم مین محمد علی کو سب سے زیادہ قیمتی نفع یہ ہوا کہ انگریز اُس کے دوست ہو گئے - جن کی حالت دیکھ کے اُس نے اپنی ذات اور اپنی فوج مین بہت سی اصلاحین کین - مصر مین اُس نے اہل مصر کے ساتھ بڑی ہمدردی کی - رعایا کو اپنا دوست بنا لیا - اور ہر جھگڑے کو والی مصر اور شرفائے ملک کے درمیان مین پڑ کے اہل وطن کی مرضی کے موافق طے کرا دیا کرتا -

یہ اُسی مملوک جن کے ہاتھ سے کئی صدی پہلے دولت عثمانیہ نے ملک مصر کو لیا تھا اب تک موجود تھے - سلطنت کے ہاتھ سے نکل جانے کے باعث وہ دبے پڑے تھے مگر فنا نہین ہوئے تھے - مصر کی پولٹیکل حالت دیکھ کے محمد علی نے اپنی ترقی و کامیابی کا ذریعہ اُنھین لوگون کو قرار دیا - اور اپنی قسمت بنانے کے لیے جو منصوبہ دل مین ٹھہرایا تھا اُس پر عمل درآمد شروع کر دیا -

چنانچہ اب اُس نے یہ پالسی اختیار کی کہ ابناے وطن اور خاصۃً مملوکون کا طرفدار اور سرگروہ بن گیا - اور ہر امر مین اُن کی طرفداری کر کے اُنھین اپنا ایسا گرویدہ کر لیا کہ وہ اُس کے حکم پر جان دینے کو تیار ہو جاتے - ان دنون سلطان کی طرف سے مصر کا گورنر جنرل خسرو پاشا تھا - محمد علی مملوکون کو اُس کے خلاف اُبھارتا - اور روز نئے نئے فساد اُٹھ کھڑے ہوتے - یہان تک کہ اہل مصر نے پوری قوت پکڑ لی - اور محمد علی ہی کو اپنا حاکم و فرمان روا منتخب کر لیا - اور جب اس کا ہنگامہ کسی طرح موقوف نہ ہوا تو مجبوراً سلطان نے سنہ ۱۲۲۰ھ (سنہ ۱۸۰۶ء) مین محمد علی کو محمد علی پاشا بنا کے گورنر جنرل قاہرہ مقرر کر دیا -

پھر اُس کی خوش انتظامی و اطاعت دیکھ کے دوسرے سال اُسے اسکندریہ کی گورنری بھی دے دی گئی - اور اب سارا ملک مصر اُسی چند سال پیشتر کے ادنیٰ کماندار قبالہ کے تابع فرمان تھا - باب عالی سے بظاہر تو یہ ترقیان اس لیے دی گئین کہ وہ اُن کا اہل تھا اور سلطنت کی اُس نے بڑی قابل قدر خدمتین کی تھین - لیکن دراصل اُس نے باب عالی کے تمام وزیرون اور سلطنت کے گرد و پیش والون کو بے انتہا رشوتین

دے دے کے اپنے موافق بنا لیا تھا۔

اس انقلاب نے مملوکون اور اُمراے مصر کا حوصلہ بڑھا دیا تھا اور اُن کے دل مین یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ حاکم کو بدلنا ہمارے اختیار مین ہے۔ جب چاہین سرکشی کر کے اُسے نکال دے سکتے ہین۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب محمد علی پاشا بلا شرکت غیرے حاکم ہو گیا تو اُس کی اطاعت مین بھی وہ چون وچرا کرنے لگے۔ اور ہر وقت بغاوت کا اندیشہ لگا رہتا تھا۔ سلطان کے دربار کو تو محمد علی رشوت دے کے موافق بنا سکتا تھا مگر ان لوگون کا سیدھا کرنا بہت ہی دشوار بلکہ غیر ممکن نظر آیا۔

لیکن محمد علی پاشا نہ کمزور طبیعت کا حاکم تھا کہ دب جاتا اور نہ ایسا نرم دل اور سیدھا سادھا تھا کہ رعایا کے ہاتھ کی کٹھ تپلی بن جاتا۔ آمادہ ہو گیا کہ اُمراے مصر اور مملوکون کی قوت کا بالکل خاتمہ کر دے۔ پہلے اُس نے سمجھا بجھا کے اور حکمت عملی سے کام لے کے اُن کے مطیع ومنقاد بنانے کی بہت کوشش کی مگر مطلق کامیابی نہ ہوئی۔ آخر سنہ ۱۲۲۶ محمدی (سنہ ۱۸۱۱ء) مین اُس نے قاہرہ کی شہر پناہ کے اندر ۴۷۰ مملوکون اور سرکش امیرون کی دعوت کی۔ اور جبکہ وہ غافل اور مست بادۂ عیش تھے یک بیک اُن پر شمشیر بکف سپاہی ٹوٹ پڑے اور ایک آناً فاناً مین سب کو کاٹ کے ڈال دیا۔ ساتھ ہی اُس نے حکم دے دیا کہ جہان کہین کوئی مملوک یا اُن لوگون کا طرفدار ملے بے پوچھے قتل کر ڈالا جائے۔ چنانچہ ۴۷۰ چوٹی کے لوگون کے علاوہ شہر اور قصبات مین ۱۲۰۰ معزز مملوک اور قتل ہوئے۔ دو ہی چار روز مین سرکشون سے میدان صاف ہو گیا۔ اور ہر جگہ محمد علی پاشا کا ایسا رعب بیٹھ گیا کہ سارے ملک مین کسی کی مجال نہ تھی کہ اُس کے سامنے چون بھی کر سکے۔ لوگ اُس کے نام سے کانپتے اور اُس کی صورت سے ڈرتے تھے۔ ملک کی ساری مخالفانہ قوتین فنا ہو گئین اور ساحل بحر روم سے بلندی مصر تک ہر جگہ اُس کے نام کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔

اسی اثنا مین ارض حجاز مین وہابیون کا فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ یہ وسط

عرب کے علاقہ نجد کے لوگ مدت سے حنبلی یا اہل حدیث تھے۔ توحید کے زبردست حامی۔ سنت نبی کے دلدادہ۔ رسوم شرک و بدعات کے سخت مخالف اور قبر پرستی کے جانی دشمن تھے۔ ان مین عبدالوہاب نام ایک شخص پیدا ہوا جس نے اُن کا مقتدا بن کے سارے ملک کو اپنے زیر فرمان کر لیا۔ عبدالوہاب کے بعد جب اُس کا بیٹا محمد بن عبدالوہاب باپ کی گدی پر بیٹھا اور قوم کا مقتدا اور سرگروہ بنا تو اُس نے اُن لوگون مین حد سے زیادہ دینی جوش پیدا کر دیا اور فتوی دے دیا کہ "جو لوگ شرک مین مبتلا ہون اور قبر پرستی کرین گو اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتے ہون اُن پر جہاد کرنا فرض ہے"

یہ حکم سنتے ہی سارا نجد جہاد کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا اور سب نے یکایک ترغہ کر کے مکۂ معظمہ اور مدینۂ طیبہ پر قبضہ کر لیا۔ گو اس مین شک نہین کہ ان لوگون مین اعلی درجے کی بدوی شجاعت تھی۔ مگر تمدن سے کوسون دور تھے جس کے باعث اُن کے ہاتھ سے حرمین کے لوگون پر نہایت ظلم ہوا۔ اور کہتے ہین کہ سوا روضۂ اقدس کے اُنھون نے تمام قبرین کھود کے پھینک دین۔ اس لیے کہ حدیث صحیح مین ہے کہ حضرت علی کو جناب رسول مقبول صلعم نے حکم دیا تھا کہ "جو قبر ملے اُسے کھود کے زمین کے برابر کر دین"

دولت عثمانیہ کو جب نظر آیا کہ وہابیون نے حرمین پر سے آل عثمان کی حکومت ہی اُٹھا دی تو محمد علی پاشا کے نام فرمان سلطانی صادر ہوا کہ فوراً جا کے وہابیون کی سرکوبی کرے اور حرمین شریفین مین پھر ہلالی علم بلند کرے۔ محمد علی پاشا زبردست فوج لے کے ارض حجاز مین گیا۔ چھ سال خونریزیون کے بعد وہابیون کو حرمین سے نکال کے ارض نجد کی طرف پھر ہنکا دیا۔ اور حرمین کا بخوبی انتظام کر کے مصر مین واپس آیا۔

محمد علی پاشا کی زندگی اُلو العزمیون سے بھری ہوئی تھی۔ ارض حجاز کی مہم سے فرصت ہوئی تو اپنے ایک بیٹے اسمعیل پاشا کو ایک زبردست لشکر کا سالار بنا کے مملکت نوبیہ کی طرف بھیجا کہ اُسے فتح کر کے قلمرو مصر مین شامل کرے۔ اسمعیل نے اس مہم مین بڑی کامیابی حاصل کی۔ اور

علاقجات ڈنگولا - سنعار - اور کردفان وغیرہ کو فتح کر کے اپنے زیر علم کر لیا

محمد علی نے ادھر نوبیہ کو فتح کیا اور اُدھر یورپ کے اُبھارنے اور بڑھاوا دینے سے یونانیون نے دولت عثمانیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا - سلطان نے باغیون کی سرکوبی کے لیے فوج بھیجی - اور محمد علی پاشا نے بھی ۱۶۳ جہازون کا ایک زبردست بیڑا سواحل یونان پر بھیجا جس کا امیر البحر اُس کا بیٹا ابراہیم پاشا تھا - اس مصری بیڑے نے یونانیون کے ہوش پرّان کر دیے - جس شہر پر پہونچا اُسے تہ و بالا کر دیا - اور اُس کے سپاہیون نے جہان خشکی پر قدم رکھا یونانیون کو پامال ہی کر کے رہے - مسلسل تین سال تک ان مصری جہازون نے یونان کو نہایت ہی پریشان رکھا تھا کہ دول یورپ نے دیکھا یونان کے بنائے کچھ نہین بنتی لہذا متفقہ آواز بلند کی کہ "یونان کو آزادی دی جائے" - باب عالی نے اس کی کچھ پروا نہ کی اور انگلستان فرانس اور روس کے متحدہ بیڑے یونانیون کی مدد کو آپہونچے - بندرگاہ نویری نو پر سنہ ۱۲۵۶ محمدی (سنہ ۱۸۲۷ء) مین دنیا کی وہ یادگار بحری لڑائی ہوئی جس مین یورپ کے متحدہ بیڑون نے عثمانی اور مصری بیڑون کو بالکل تباہ کر دیا - اور یہی وہ بدنصیبی کا دن تھا جس روز دولت عثمانیہ کی بحری قوت کا خاتمہ ہوا - اب یورپ کی خواہش کے مطابق صلح ہوئی - جس کی رُو سے یونان کو آزادی ملی - اور ڈنمارک کا ایک شاہزادہ وہان کا ازغیبی تاجدار بنایا گیا -

گو کہ ترکون کا اس لڑائی مین بڑا بھاری نقصان ہوا تھا مگر باب عالی نے اس امر کو تسلیم کر لیا کہ محمد علی پاشا کی فوج اور اُس کے بیڑے سے سلطان کو بڑی مدد ملی - اور اُس کے صلے مین سنہ ۱۲۵۹ محمدی مین کانڈیا یعنی کریٹ کی گورنری بھی اُسی کو دی گئی - مگر یہ انعام و معاوضہ محمد علی پاشا کی امید سے کم تھا - اُس نے درخواست کی کہ ان خدمات کے صلے مین ملک شام بھی میرے حوالے کیا جائے - اس درخواست کو باب عالی نے قطعاً نامنظور کیا - اور محمد علی پاشا نے برافروختہ ہو کے خود ہی ملک شام پر فوج کشی کر دی - سلطان کا لشکر ملک شام سے دُور اور غیر منتظم حالت مین تھا - بخلاف اس کے مصر کی

سرحد شام سے ملی ہوئی تھی اور محمد علی پاشا کا لشکر خوب آراستہ اور تیار تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مصری فوج شہروں پر شہر فتح کرتی چلی جاتی تھی اور سلطان کے بنائے کچھ نہ بنتی تھی آخر چند ہی روز مین محمد علی پاشا سارے ملک شام کا مالک ہو گیا۔ اور تہمندی کے پھریرے اُڑاتا ہوا ایشیائے کوچک مین داخل ہوا۔ ۱۲۴۶ سنہ محمدی مین شہر قونیہ کے نزدیک ترکون اور مصریون مین ایک خونریز لڑائی ہوئی جس مین عساکر سلطانی پسپا ہوئے۔ اور محمد علی پاشا جوش اور ولولے کے ساتھ خاص قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔

مگر یہ امر دول یورپ کی پالسی کے خلاف تھا کہ حاکم مصر سلطان پر غالب آئے۔ اور مشرق مین ایک نئی زبردست دولت و قوت قائم ہو۔ چنانچہ سب نے درمیان مین دخل دیا۔ اور محمد علی سے کہا کہ اب خبردار آگے قدم نہ بڑھانا۔ محمد علی پاشا نے اپنے مربی و آقا کے کہنے کی تو کچھ پروا نہ کی تھی مگر یورپ والون سے ڈرا اور صلح قبول کی۔ شہر طاہیہ مین دونون جانب کے سفیرون نے معاہدۂ صلح کی تکمیل کی جس کی رُو سے محمد علی پاشا کو ملک شام اور علاقۂ عدنہ دے دیے گئے۔

اب ۱۲۹۶ محمدی (۱۸۳۹ء) آیا جبکہ محمد علی پاشا ستر برس کا بوڑھا تھا۔ اور بڑی شجاعت اور کمال ہوشیاری کے ساتھ مصر۔ سوڈان۔ شام عرب۔ اور جزیرۂ کریٹ پر حکومت کر رہا تھا۔ یکایک سلطان روم یعنی سلطان محمود خان ثانی نے ارادہ کیا کہ ملک شام کو محمد علی پاشا کے قبضے سے نکال لین۔ مگر پہلی ہی لڑائی مین سلطانی لشکر کو شکست ہوئی۔ اور سلطان نے مجبوراً انگلستان اور دول یورپ سے مدد مانگی۔ یہ اجنبی دول جو غیرون کے معاملات مین دخل دینے ہی کو اپنا ذریعۂ ترقی سمجھتی تھین فوراً مدد دینے کو تیار ہو گئین۔ محمد علی پاشا اُن کی بحری قوت سے زک اُٹھا چکا تھا مگر پھر بھی پروا نہ کی اور سب سے لڑنے کو تیار ہو گیا۔ ساحل شام پر بیروت کے قریب لڑائی ہوئی۔ جس مین محمد علی پاشا کو شکست ہوئی۔ اور اسی قدر نہین بلکہ اُسے یہ بھی نظر آیا کہ دول کے جہازون نے اسکندریہ کا راستہ

بندکر دیا ہے۔ اپنی بے دست و پائی دیکھ کے حریف کی شرطین قبول کرنے پر راضی ہوا۔ اور ملک شام سے دست بردار ہو کے صرف مصر وغیرہ کا حاکم رہ گیا۔

لیکن اسی معاہدے مین اُس کی اتنی اشک شوئی بھی کی گئی کہ وہ ملک مصر کا مستقل والی تسلیم کیا گیا۔ اور قرار پایا کہ گو وہ سلطان ہی کی جانب سے مصر کا گورنر جنرل ہوگا مگر اس ملک سے کبھی بدلا نہ جائے گا۔ اور ولایت مصر ہمیشہ اُسی کی نسل مین رہے گی۔ یون ملک مصر اُس کی اولاد کا حق بن گیا۔

اب اُس کی عمر زیادہ ہو چلی تھی۔ حوصلے اگرچہ بڑے بڑے تھے مگر جسمانی طاقت نے جواب دے دیا۔ یہان تک کہ ۱۲۶۴ھ محمدی (۱۸۴۸ء) مین اپنے بیٹے ابراہیم پاشا کو اپنا وارث بنا کے حکومت سے علٰحدہ ہو گیا۔ اور دوسرے ہی برس ۱۲۶۵ھ محمدی مین جبکہ اُس کی عمر پورے اسی برس کی ہو چکی تھی دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اُس کے جانشین ابراہیم پاشا کی عمر نے وفا نہ کی چند ہی روز مین سفر آخرت کیا۔ اور اُس کی جگہ اُس کا بیٹا عباس پاشا والی مصر مقرر ہو کے باپ دادا کی مسند حکومت پر بیٹھا۔

زندگی کے آخری دو برس مین محمد علی پاشا کے حواس بجا نہ تھے۔ بڑھاپے نے دماغ ماؤف کر دیا تھا۔ لیکن اس مین ذرا شک نہین کہ وہ بہت ہی غیر معمولی آدمی تھا۔ اُس نے یورپ کے نظام سلطنت کو اپنی قلمرو مین جاری کیا۔ اور مغربی اصول و آئین جنگ اختیار کر لیے تھے۔ اپنے ملک مین زراعت تجارت۔ اور صنعت و حرفت کو ترقی دی۔ جنگی اور طبی مدرسے کھولے۔ اور اہل فرانس کی قابلیت کا اس قدر معترف تھا کہ غالباً مسلمان حکمرانون مین پہلا وہی شخص ہے جس نے ضرورت اور مصلحت دیکھ کے اپنے دو بیٹون کو تعلیم و تربیت کے لیے پیرس مین بھیجا۔

اُس نے اپنی زندگی خود ہی بنائی۔ اور بغیر کسی دوسرے کی مدد کے صرف اپنی کوششون سے ہر امر مین ترقی کرتا گیا۔ نیا نیا ایک ادنی ارناؤط کسان سے زبردست فرمان روا اور تاجدار بن گیا۔ تعلیم سے وہ پہلے بالکل بے بہرہ تھا۔

پینتالیس برس کی عمر مین اپنے شوق سے لکھنا پڑھنا سیکھا اور تحصیل علم مین ایسی محنت کی کہ جاہل ڈکاندار سے ایک تعلیم یافتہ مدبر سلطنت ہو گیا۔

یہ امر البتہ افسوس کے قابل ہے کہ عروج حاصل کرنے کے شوق مین اُس کے ہاتھ سے بڑے بڑے مظالم ہوئے۔ سازشون کا بازار گرم ہوا۔ اُس نے بدعہدیان کین۔ دغابازیون سے کام لیا۔ اور بیگناہون کے خون سے ہاتھ رنگے مگر طالبان سلطنت کے لیے یہ باتین ہمیشہ ایک معمولی چیز ہوتی آئی ہین؟

حُسن کی کرشمہ سازیان

اس سلسلے کو ہم نے چند روز کے لیے روک دیا تھا۔ اس لیے کہ ہمارا خیال تھا کہ ہمارے احباب ایک ہی عنوان کو باربار پڑھتے پڑھتے اُکتا گئے ہون گے۔ اگرچہ ظاہر ہے کہ اس سلسلہ مین فقط عنوان ہی عنوان کی یکسانی تھی۔ ورنہ اصل مین ہر مرتبہ کسی نئی مشہور خاتون یا ملکہ کے حالات ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ اُنھین تازگیون اور دلچسپیون کو یاد کر کے اکثر قابل احباب نے اُس سلسلے کے جاری کرنے کا تقاضا کیا۔ اور ہم اُن کی خواہش پوری کرنے کے لیے پھر دنیا کی اُن تاریخی عورتون کے حالات شروع کرتے ہین جنھون نے اپنے حسن وجمال کی کشش اور اپنے بانکپن کے اسلحہ سے کام لے کے دنیا پر کوئی خاص اثر ڈالا۔

بوادیقیا اور قارطس مانڈوا

انگلستان کی تاریخ کا آغاز اِن دو ملکاؤن کے کارنامون سے ہوتا ہے۔ جنھون نے اپنی رعایا کو اپنے حُسن کے دام گلوگیر مین اسیر کر کے اُن سے جو اور جیسا کام چاہا لے لیا۔ ان مین سے اول الذکر یعنی ملکۂ بُوادیقیا (جس کے نام کا تلفظ انگریزی مین فی الحال بوڈیشیا کیا جاتا ہے) نہایت ہی شریفانہ طرزعمل رکھنے کے باعث دنیا مین سچی شجاعت وحمیت اور اعلی درجہ کی قومی وملکی محبت کا جوش دکھا گئی۔ اور دوسری یعنی قارطس مانڈوا جس کے نام کا تلفظ فی الحال کارٹسمانڈوا کیا جاتا ہے اپنی مذکورہ ہمرتبہ بہن کے خلاف نہایت بے حمیت و بے غیرت

اور بے عصمت و بے عفت تھی - جو بے وفائی و بے عصمتی کا شرمناک ترین نمونہ دکھا کے اور ابدی بدنامی حاصل کرکے دنیا سے رخصت ہوئی - لیکن ہمین یہ خیال کرکے افسوس آتا ہے کہ پہلی جو اچھی تھی وہ تو دنیا سے ناکام و نامراد گئی - اور دوسری اپنے ناپاک جرم کی سزا سے بچ جانا درکنار اپنے مقاصد مین کامیاب و بامراد ہوئی -

ملکۂ بوادیقیا کی سرگذشت یہ ہے کہ اُس کا شوہر پراسوطاغوس (پرسوٹگس) انگلستان کے علاقہ اقینی کا بادشاہ تھا جو علاقہ کہ اب نارفولک کے نام سے مشہور رہے - اُن دنون انگلستان مین چونکہ رومیون کا اثر بڑھ رہا تھا - اور وہان کی قومی قوتین رومی اسلحہ سے مرعوب ہو ہو کے فنا ہوتی جاتی تھین اس لیے پراسی طاغوس نے وصیت کر دی کہ میرے مرنے کے بعد میری حکومت و سلطنت کے وارث شہنشاہ روم اور میری بیٹیان ہون - اس وصیت مین اُس کی یہ مصلحت تھی کہ شہنشاہ روم تو انگلستان مین آ کے میری قلمرو پر قبضہ کرنے سے رہا - میری بیٹیان ہی مالک ہون گی - اور شہنشاہ کے تعلقات کی وجہ سے وہ ہر طرح کی دشواریون سے محفوظ اور تمام بیرونی حملون سے مامون ہو جائین گی - اور کسی پاس پڑوس والے فرمان روا یا کسی رومی سپہ سالار کی اتنی جرات نہ ہو سکے گی کہ میری قلمرو کو نگاہ اُٹھا کے بھی دیکھ سکے -

لیکن اُس کی امید کے خلاف یہ اُلٹا نتیجہ ظاہر ہوا کہ اُس کی آنکھ بند ہوتے ہی رومی سپہ سالار نے اُس کے شہر اور محل پر قبضہ کر لیا - رومی سپاہیون نے سارے شہر اور محل مین لُٹس مچا دی - جو ہاتھ آیا اپنا مال سمجھ کے لوٹ لے گئے - اور اسی قدر نہین بوادیقیا کی ناز پروردہ شاہزادیون کو بھی جو شریک وراثت قرار دی گئی تھین نہایت بے رحمی کے ساتھ بے آبرو کیا - ملکہ بوادیقیا نے اس پر اظہار ناراضی کیا تو اُس غریب کو پکڑ کے سر بازار خاص اُس کی رعایا کے سامنے کوڑون سے مارا اور تحقیر و تذلیل کی کوئی بات اُٹھا نہ رکھی -

رومی جب لوٹ مار کے اور ہر طرح کی بے حرمتیان کرکے واپس گئے تو بوادیقیا نے اپنی رعایا کو رومیون کی مخالفت پر اُبھارا - رومیون نے اس موقع پہ کچھ ایسی بے رحمی اور دغا بازی سے کام لیا تھا کہ ساری رعایا طیش مین بھری ہوئی

تھی۔ اور جتنے آدمی تھے اگرچہ جانتے تھے کہ رومیوں سے مقابلہ کرنا جنون اور اُن کے مقابل ہتھیار اُٹھانا خودکشی ہے اپنی ملکہ کی صدائے فریاد سنتے ہی لڑنے مرنے اور جان دینے کو اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بوادیقیا اُن سب کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کرکے اور قومی اسلحہ سے مسلح کرکے بڑے جوش وخروش کے ساتھ مردانہ وار چلی۔ اور رومیون کے قلعۂ کمالوڈونم پر جو اب کال چسٹر کے نام سے مشہور ہے دھاوا کر دیا۔ رومیون نے پوری قوت سے مقابلہ کیا۔ اپنے منجے ہوئے اصول جنگ کے مطابق صفین باندھ کے بڑھے۔ مگر برطانیہ والون کے پُرجوش سیلاب کا روکنا دشوار تھا۔ ہزار کوششین کین کسی طرح کامیاب نہ ہوئے۔ آخر شکست کھا کے بھاگے۔ اپنی دغابازی وبے حمیتی کے پاداش مین نہایت ہی بودے پن کے ساتھ مارے گئے۔ اور بوادیقیا نے مذکورہ رومی قلعہ پر قبضہ کر لیا۔

اس فتح نے اس برطانی ملکہ کا حوصلہ بڑھا دیا۔ فوج درست کرنا شروع کی۔ ملک کا انتظام اپنے ہاتھ مین لیا۔ رومیون کی شائشتگی وتہذیب کو تو اُن کے ظالمانہ و وحشیانہ حرکات سے پہلے ہی دھبّہ لگ گیا تھا اب اُن کی سپہگری وشجاعت بھی خاک مین مل گئی۔ اور اُن کے نام کو ایسا داغ لگا جو کسی طرح مٹائے نہ مٹتا تھا۔ آخر زبردست رومی سپہ سالار سویطونیوس جو شمالی انگلستان کی قوتون کی پامالی مین معروف تھا اپنا جرار لشکر لے کے آیا۔ اور بوادیقیا کو اُس کے مقابلے مین صف آرا ہونا پڑا۔ اس زبردست لشکر سے مقابلہ کرنا برطانیون کی قوت سے باہر تھا۔ اگرچہ جان پر کھیل کے لڑے۔ اور دیر تک ملکہ کے اشارون پر جو قلب فوج مین موجود تھی اور تلوار کو حرکت دے دے کے اُنھین حوصلہ دلا رہی تھی وہ بڑھ بڑھ کے اپنے سر کٹواتے رہے۔ مگر آخر کار شکست ہوئی بدحواس وبددل ہو کے بھاگے۔ بہادر ملکہ بوادیقیا کو بھی مجبوراً میدان چھوڑنا پڑا۔ اور اسی میدان پر اُس باحمیت ملکہ کے کارنامون کا خاتمہ ہو گیا۔

اُس کے انجام کی نسبت مورخین مین اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہین کہ عین معرکہ کارزار مین بہادری کے ساتھ لڑتی ہوئی ماری گئی۔ اور بعض کا بیان ہے کہ اپنی جان

بے کے میدان سے تو نکل آئی تھی مگر ناکامی کی زندگی کو اُس کا شریف نفس نہ گوارا کر سکا۔ گھر آتے ہی زہر کھا کے اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ جو اُن دونون رومیون کے نزدیک نہایت ہی شریفانہ اور مبارک موت تھی۔ بوادیقیا کی زندگی کا خاتمہ ۵۱۰ سنہ قبل محمدؐ (سنہ ۶۱ع) مین ہوا۔

قارطس مانڈوا دوسری بدکار انگلش ملکہ بھی قریب اسی زمانے یعنی جناب سرور کائنات علیہ السلام کی ولادت سے تقریباً پانسو برس بیشتر یا پہلے عہد عیسوی مین تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصلی وارث سلطنت اور مالک تاج و سریر وہی تھی۔ اور اُس کا شوہر دینوطیوس اُس کی طرف سے نیابتہً حکومت کر رہا تھا۔ لیکن اپنی نیک نفسی و شجاعت سے سارے ملک مین ہردلعزیز ہو گیا تھا۔ کل فوج والے اُس کا دم بھرتے تھے۔ اور ہر سپاہی اُس کے نام پر شیدا تھا۔

مگر خرابی یہ تھی کہ میان کو رعایا کے خوش رکھنے اور ملک مین عدل وانصاف کرنے کا شوق تھا تو بادشاہ بیگم بی کارٹسمانڈوا کو نفس پرستی اور اپنے دل کی ہوسین نکالنے کا۔ اُنھین اپنے عیش و آرام اور شہوت پرستی کے سوا اور کسی بات کی فکر ہی نہ تھی۔ انھین بے باکانہ شہوت رانیون کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ کے اسلحہ بردار دیلوقاطوس سے آنکھ لڑ گئی۔ اور دونون ایک دوسرے کی محبت کا دم بھرنے لگے۔ دینوطیوس (بادشاہ) کو یہ بات ناگوار گزرنے لگی۔ اور اس بات کی تدبیرین سوچنے لگا کہ کیونکر اپنے رقیب کو زک دے جو بستر عیش کا مالک بن کے اس کی زندگی کو روز بروز زیادہ بدمزہ کرتا جاتا تھا۔

وہ ان منصوبون کو دل مین سوچتا ہی رہا اور بی بی نے اپنے حقوق واقتدارات شاہی کو عمل مین لا کے اُسے بالکل چھوڑ دیا۔ اور علانیہ دیلوقاطوس کا آغوش گرم کرنے لگی۔ اُس وقت تک برطانیہ والون نے دین مسیحی نہین اختیار کیا تھا۔ اپنے قدیم بت پرستی کے مذہب پر تھے۔ اور اُس وقت کے آئین و رسوم کے مطابق شاید عورتون کو اس بات کا حق حاصل ہو کہ شوہر کو جب چاہین چھوڑ دین اور جس کسی کو پسند کرین اُس سے آشکارا طور پر تعلقات پیدا کر لین۔ لیکن چونکہ برطانی لوگون نے اپنی ملکہ کے اس فعل کو پسند نہین کیا۔ پہلے اُسے سمجھایا

اور روکا اور جب اُس نے کسی طرح نہ مانا تو بغاوت کر دی۔ اور ارادہ کیا کہ قارطس مانڈوا کو تخت سے اُتار کے کسی اور کو اپنا فرمان روا بنا لین۔

رعایا کو برہم و افروختہ دیکھ کے ملکہ نے رومیون سے مدد مانگی جو طرح طرح کے بہانے اور حیلے پیدا کر کے سارے جزیرے مین اپنی حکومت قائم کرتے جاتے تھے۔ اس سے بہتر اور کون موقع ہو سکتا تھا۔ فوراً زبردست رومی لشکر ملکہ کی کمک کے لیے آ پہونچا۔ جس نے آتے ہی تمام سرکش برطانیون کو مار کے سیدھا کر دیا۔ اور رعایا کے بعد خود ہی سلطنت کے بھی مالک ہو گئے۔ رومیون کی مدد سے قارطس مانڈوا کو شاید اپنے محبوب آشنا سے ملنے کی آزادی مل گئی ہو۔ مگر سلطنت پھر نہ نصیب ہوئی۔ اور رومیون کی گرفت ایسی قوی تھی کہ اسی وقت سے اس پرانے خاندان حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

صفدر جنگ منصور علی خان کے انتقال کے بعد سنہ ۱۱۶۷ محمدی (سنہ ۱۷۵۳ء) مین اُن کے بیٹے نواب شجاع الدولہ مسند نشین ہوئے۔ جن کے کچھ حالات اس مضمون کے پہلے حصے مین بیان ہو چکے ہین۔ وہ ایک مضطرب و بیقرار طبیعت کے اُولوالعزم فرمان روا تھے۔ لیکن بدقسمتی سے اُن کا عہد بڑے بڑے فتنون اور یادگار زمانہ انقلابون سے بھرا ہوا تھا۔ دنیا کی دو زبردست تاریخی قومون اور قوتون کی قسمت کا فیصلہ اُنھین کی آنکھون کے سامنے ہوا۔ پہلے پانی پت کی محشر انگیز لڑائی ہوئی۔ جس مین احمد شاہ درانی۔ شجاع الدولہ اور نجیب الدولہ کے ساتھ خوانین روہیلکھنڈ کی تمام زبردست فوجین ایک طرف تھین اور مرہٹون کا ٹڑی دل دوسری طرف۔ اس لڑائی نے سنہ ۱۱۷۵ محمدی (سنہ ۱۷۶۱ء) مین ایک ہی دن کے اندر فیصلہ کر دیا کہ ہندوستان چاہے مسلمانون کا رہے یا نہ رہے مگر مرہٹون کا نہین ہو سکتا۔ اُس کے بعد بکسر کا قیامت خیز میدان گرم ہوا جس مین انگریزون کی باقاعدہ فوج ایک طرف تھی اور شجاع الدولہ کا لشکر کثیر ایک طرف۔ اس لڑائی نے جنگ پانی پت کے چار سال بعد سنہ ۱۱۷۹ محمدی (سنہ ۱۷۶۴ء) مین چوبیس گھنٹہ کے اندر اس بات کا

تصفیہ کر دیا کہ ہندوستان اب مسلمانون کا نہین انگریزون کا ہے۔

ان لڑائیون سے پہلے شجاع الدولہ اگرچہ لکھنؤ ہی مین رہے مگر بڑی بڑی مہمون پولٹیکل مشغولیتون اور فوجی اصلاحون سے اُنھین اتنی مہلت ہی نہ ملی کہ شہر کی ترقی و آرایش کی طرف توجہ کرین۔ اُنھون نے قلعے بنوائے۔ گڑھیان قائم کین۔ فوجی سامان اور آلات جنگ کو فراہم کیا۔ اس کی فرصت نہ ملی کہ اپنے گھر کو درست اور اپنے شہر کو آراستہ کرین۔ بکسر کی لڑائی کے بعد جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہین وہ فیض آباد مین جا کے اقامت گزین ہو گئے اس لیے لکھنؤ اُن کی تمدنی برکتون سے محروم رہ گیا۔ سنہ ۱۱۸۸ ہجری (سنہ ۱۷۷۵ء) مین اُنھون نے سفر آخرت کیا اور نواب آصف الدولہ اُن کے جانشین ہوئے۔

آصف الدولہ نے مسند حکومت پر قدم رکھتے ہی مان سے ناراض ہو کے لکھنؤ کی راہ لی۔ اور یہی وہ زمانہ ہے جب سے دربار اودھ کی قوت فرمان روائی گھٹنے اور لکھنؤ کی ظاہری رونق بڑھنے لگی۔ بکسر کا میدان جیتنے کے بعد انگریزون نے دربار اودھ مین دخل دہی کے بہت سے حقوق حاصل کر لیے تھے۔ جن کی بنا پر یہان فوجی ترقیون کی روک ٹوک کی جاتی اور ہمیشہ غائر نظر سے اس بات کی نگرانی کی جاتی کہ حکومت اودھ کو پھر ایسی قوت نہ حاصل ہونے پائے کہ اُس کی فوجین دوبارہ انگریزی لشکر کے سامنے صف آرا ہو سکین۔ تاہم شجاع الدولہ جب تک فیض آباد مین زندہ رہے فوجی اصلاح ہی مین مصروف رہے۔ اور رات دن اسی بات کی دُھن تھی کہ جس طرح بنے اپنی قوت کو بڑھائین۔ چنانچہ منشی فیض بخش اپنی تاریخ فرح بخش مین اسی زمانے کا چشم دید حال بیان کرتے ہین کہ "جلدی بھرنے اور فیر کرنے کے اعتبار سے شجاع الدولہ کی فوج کی بندوقون کے مقابلے مین انگریزی فوج کی بندوقین کوئی وقعت نہ رکھتی تھین"

لیکن آصف الدولہ کا عہد شروع ہوتے ہی یہ سب باتین تشریف لے گئین۔ انگریزون نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ اپنے دخل دہی کے حقوق کو بڑھانا شروع کیا۔ اور نہایت ہی دانائی سے آصف الدولہ کو اس بات پر آمادہ کر دیا کہ فوجی اصلاح کی طرف سے بے پروا ہو کے دوسرے مشاغل مین دل بہلائین۔

آصف الدولہ کو خود بھی فوج کا زیادہ شوق نہ تھا - اُنھین لٹانے اور مزے اُڑانے کے لیے روپیہ کی ضرورت تھی - جو بغیر فوج کے موقوف کیے پوری نہ ہو سکتی تھی اس لیے اُنھون نے تھوڑی سی فوج رکھ لی - باقی سب کو معزول کر دیا - اور عیش و عشرت مین مصروف ہو گئے - وہ اپنے مغربی دوستون کے اطاعت کیش دوست تھے - جو اُن کے اشارون پر چلتے - اور اُن کے مشورے کے آگے کسی کی نہ سنتے -

اس خلوص عقیدت کے صلے مین انگریزون نے روہیلکھنڈ پر اُن کا قبضہ کرا دیا اپنی مان بہو بیگم صاحبہ کے ستانے اور لوٹنے کے لیے جب اُنھون نے انگریزون سے مدد مانگی تو نہایت فیاضی کے ساتھ اُنھین اخلاقی مدد دی گئی اور اُن کی طرفداری کی گئی - لیکن اس پر بھی اُن کے زمانے تک اُنھین یا لکھنؤ کی رعایا کو بہت ہی کم محسوس ہو سکا کہ ہمارے نظم و نسق مین کسی بیرونی قوت کو دخل ہے - جس کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ آصف الدولہ کی عام فیاضی اور عیش پرستی نے ساری رعایا کو بھی عیش پرست و عشرت طلب بنا دیا تھا - اور کسی کو موجودہ راحت و آرام کے آگے انجام پر غور کرنے کی ضرورت ہی نہ محسوس ہوتی تھی -

اس عیش پرستی کا نتیجہ یہ تھا کہ ظاہری صورت مین اُن دنون لکھنؤ کے دربار مین ایسی شان و شوکت پیدا ہو گئی جو کہین اور کسی دربار مین نہ تھی - اور ایسا سامان عیش جمع ہو گیا تھا جو کسی جگہ نہ نظر آتا - اُن دنون شہر لکھنؤ ایسی رونق پر تھا کہ ہندوستان ہی نہین شاید دنیا کا کوئی شہر لکھنؤ کے اوج و عروج کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا شجاع الدولہ جو روپیہ فوج اور جنگی تیاریون مین صرف کرتے تھے اُسے آصف الدولہ نے اپنے عیش طلبی کے ذوق اور شہر کی آرایش و خوش حالی مین صرف کرنا شروع کر دیا - اور چند ہی روز کے اندر ساری دنیا کی دھوم دھام اپنے یہان جمع کر لی - اُن کا حوصلہ بس یہی تھا کہ نظام حیدرآباد ہون یا ٹیپو سلطان کسی دربار کا کروفر اور کسی کی شوکت و حشمت میرے دربار سے زیادہ نہ ہو سکے -

اپنے بیٹے وزیر علی خان کی شادی مین اُنھون نے ایسا حوصلہ دکھایا کہ برات کا تزک و احتشام تاریخ ارض کے تمام تکلفات سے بڑھ گیا - برات کے جلوس مین بارہ سو ہاتھی تھے - دولھا جو شاہی خلعت پہنے تھا اُس مین بیس لاکھ کے جواہرات

لٹکے ہوئے تھے - محفل طرب کے لیے دو عظیم الشان اور پُر تکلف خیمے بنوائے گئے جن مین ہر ایک ۶۰ فٹ چوڑا - ۱۲۰ فٹ لمبا اور ۶۰ فٹ بلند تھا - اور ایسا عمدہ نفیس اور قیمتی کپڑا لگایا گیا تھا کہ اُن دو نون کی تیاری مین سلطنت کے دس لاکھ روپیہ صرف ہو گئے -

اُنھون نے دریا کنارے مچھی بھون کے مغرب طرف دولت خانہ - رومی دروازہ اور اپنا یکتائے روزگار امام باڑہ تعمیر کرایا - سنہ ۱۲۱۳ محمدی (سنہ ۱۷۸۴ء) مین اودھ مین قحط پڑ گیا تھا - اور شرفائے شہر تک فاقہ کشی مین مبتلا تھے - اس نازک موقع پر رعایا کی دستگیری کے لیے امام باڑے کی عمارت چھیڑ دی گئی - چونکہ شریف لوگ دن کو مزدوری کرنے مین اپنی بے عزتی خیال کرتے تھے اس لیے تعمیر کا کام دن کی طرح رات کو بھی جاری رہتا - اور غریب و فاقہ کش شرفائے شہر رات کے اندھیرے مین آکے مزدورون مین شریک ہو جاتے - اور مشعلون کی روشنی مین کام کرتے - اس عمارت کو نواب نے جیسے خلوص عقیدت اور جوش دینداری سے بنوایا تھا ویسے ہی خالص اور سچے دلی جوش سے لوگون نے تعمیر بھی کیا - نتیجہ یہ ہوا کہ ایسی نفیس اور شاندار عمارت بن کے تیار ہو گئی جو اپنی نوعیت مین بے مثل اور نادر روزگار ہے - اُس کا نقشہ بنانے کے لیے بڑے بڑے مشہور مہندس اور معمار بُلائے گئے - اور سب نے کوشش کی ہمارا نقشہ دوسرون کے مجوزہ نقشون سے بڑھ جائے - مگر کفایت اللہ نام ایک بے مثل زمانہ معمار کا نقشہ پسند کیا گیا - اور اُسی کے مطابق عمارت بننا شروع ہو گئی جو ۱۶۷ فٹ لمبی اور ۵۲ فٹ چوڑی ہے - اینٹ اور نہایت اعلیٰ درجے کے چونے سے یہ عمارت بنائی گئی جس مین فرش سے چھت تک لکڑی کا کہین نام نہین ہے - اس عمارت کو شاہان مغلیہ کی سنگین عمارتون سے کسی قسم کا تعلق نہین ہے - لکھنؤ مین اُس کثرت سے سنگ مرمر دستیاب نہین ہو سکتا تھا - لیکن امام باڑے اور آصف الدولہ کی دوسری عمارتون کو دیکھیے تو ایک نئی خوشنمائی اور نرالی عظمت و شان رکھتی ہین - امام باڑے کی لداؤ کی چھت جو کڑا دے کے بنائی گئی ہے اتنی بڑی ہے کہ اتنی بڑی لداؤ کی چھت ساری دنیا مین کہین نہین ہے - اور اسی وجہ سے یہ بھی دنیا کی اعجوبۂ روزگار کاریگریون مین شمار کی جاتی ہے -

آصف الدولہ کی عمارتون پر یورپ کی عمارتون کا ذرا بھی اثر نہ تھا - وہ اپنی نوعیت مین خالص ایشیائی ہین جن مین نمایشی نہین اصلی وحقیقی شان وشوکت پائی جاتی ہے - نواب آصف الدولہ کے بعد اُن کی یہ عمارتین کس مپرسی مین پڑی رہین - غدر کے بعد انگریزون نے اُن پر قبضہ کرکے گرد وپیش کے مکانون کو منہدم کر دیا - اور سوا اُس جانب کے جدھر دریا ہے باقی تینون طرف میدان کر کے امام باڑہ کو قلعہ اور رومی دروازے کو اُس کا پھاٹک بنالیا - اُس زمانے مین اس امام باڑے کے اندر گورے رہتے تھے - اس کے بڑے ہال مین سلح خانہ تھا - اور اس فرش پر بڑی بڑی توپین دوڑتی پھرتی تھین - مگر کبھی نہ زمین کھُدی نہ در و دیوار کی کوئی چیپ اُکھڑی - اب سرکار انگریزی نے امام باڑے کو چھوڑ کے پھر مسلمانون کے حوالے کر دیا ہے - اس کی مسجد مین ایک مجتہد صاحب نماز پڑھاتے ہین - اور امام باڑے مین تعزیہ داری ہوتی ہے -

نواب آصف الدولہ کی عمارتون کی مضبوطی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اُنھین تعمیر ہوئے اگرچہ سوا سو برس سے زیادہ مدت گزر گئی مگر آج تک اُسی عظمت وشکوہ اور اُسی مضبوطی و پائداری سے اپنی جگہ پر قائم ہین - نہ کوئی اینٹ اپنے مقام سے ہٹی ہے اور نہ کسی جگہ چونے نے اینٹون کو چھوڑا ہے - برخلاف اُن کے دیگر شاہان اودھ نے کروڑون روپیہ صرف کرکے جو عمارتین بعد کو بنوائین وہ قومی وملکی وضعداری کے مفقود ہو جانے کے علاوہ نہایت کمزور ہین - اور اگر وقتاً فوقتاً مرمت نہ ہوتی رہتی تو آج تک کب کی منہدم ہو چکی ہوتین -

آصف الدولہ امام باڑے اور مچھی بھون کے متصل اپنے محل دولت خانے مین رہتے تھے - شہر کے باہر اور دریا پار ہجوم خلائق سے دُور اور دنیوی جھگڑون سے الگ رہ کے مصروف عیش ہونے کے لیے بیبا پور کا محل بنوایا - اکثر جب وہ سیر وشکار کے لیے جاتے تو اسی مکان مین قیام کرتے - اسی طرح چنہٹ مین ایک پُرفضا ونزہت بخش مکان - اور چارباغ اور عیش باغ مین کوٹھین بنوائین - اور اسی زمانے مین یحیی گنج مین اور اُس کے متصل اصطبل بنے - پھر محلۂ وزیر گنج قائم ہوا جو آصف الدولہ کے بیٹے وزیر علی خان کی قیام گاہ ہونے کے باعث اُنھین کی طرف

منسوب اور اُنھین کی یادگار رہے۔

اب لکھنؤ مین حاکم اور فرمان روا کے مستقل طور پر سکونت پذیر ہو جانے کی وجہ سے عام خلقت کا رُخ لکھنؤ کی طرف پھر گیا۔ جو لوگ شجاع الدولہ کے زمانے مین فیض آباد مین بس گئے تھے اُنھون نے فیض آباد کو چھوڑ چھوڑ کے لکھنؤ مین آ کے بسنا شروع کیا۔ دوسری طرف دہلی کے لوگ اپنے وطن کو خیرباد کہہ کے سیدھے لکھنؤ مین آتے تھے اور پھر واپس جانا نہ نصیب ہوتا تھا۔ خلقت کے اس ہجوم نے نئے محلے آباد کرنا شروع کر دیے۔ اس لیے کہ باہر کے آنے والون مین سے جسے جہان جگہ مل جاتی آباد ہو جاتا۔ اور سیکڑون نئے محلے آباد ہوتے چلے جاتے۔

چنانچہ امانی گنج۔ فتح گنج۔ رکاب گنج۔ نخاس۔ دولت گنج۔ بیگم گنج۔ نواب گنج خانساماں کا احاطہ (جسے نواب آصف الدولہ کے ایک خانگی داروغہ نے آباد کیا اور افتتاح کی تقریب مین خود اُنھین بلایا) ٹکیٹ گنج۔ ٹکیٹ رائے کا بازار (جو وزیر اعظم مہاراجہ ٹکیٹ رائے کی جانب منسوب ہین) ترمنی گنج۔ ٹکری یا ٹکلی۔ حسین الدین خان کی چھاؤنی۔ حسن گنج باؤلی۔ بھوانی گنج۔ بالک گنج۔ کشمیری محلہ۔ صورت سنگھ کا حاطہ۔ نواز گنج۔ تحسین گنج۔ خدا گنج نگریا (جس کی نواب آصف الدولہ کی ماں بہو بیگم صاحبہ نے اُسی دن بنیاد ڈالی جس دن دریا پار اُنھون نے علی گنج کی بنیاد رکھی تھی) عنبر گنج۔ محبوب گنج۔ توپ دروازہ۔ خیالی گنج۔ جھاؤلال کا بازار۔ جھاؤلال کا پل (ان دونون محلون کے بانی راجہ جھاؤلال سلطنت اودھ کے وزیر خزانہ تھے) یہ سب وہ محلہ ہین جو عہد آصفی مین بسے اور تعمیر ہوئے۔ اور انھین دنون دریا کے پار حسن رضا خان نے حسن گنج بسایا۔

نواب آصف الدولہ کی فیاضیون کی عام و خاص مین شہرت تھی۔ اور دور دور کے شہرون مین اُن کی داد و دہش کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ لوگ اُٹھتے بیٹھتے محبت و عزت کے ساتھ اُن کا نام لیتے۔ اور اُن کے تمام ذاتی عیوب فیاضی کے دامن مین چھپ کے نظرون سے غائب ہو گئے تھے۔ اور عوام کو نواب کی صورت مین ایک عیش پرست فرمان روا نہین بلکہ ایک بے نفس اور درویش صفت ولی نظر آتا۔ ہندو و مسلمان تک صبح کو آنکھ کھلتے ہی جوش عقیدت سے کہتے

"یا آصف الدولہ ولی!"

اُسی زمانے مین جنرل کلاڈ مارٹن نام ایک بہت بڑا دولت مند فرانسیسی تاجر لکھنؤ مین آکے رہ پڑا تھا۔ اُس نے ایک نہایت ہی عالیشان کوٹھی کا نقشہ بنا کے نواب آصف الدولہ کے ملاحظہ مین پیش کیا۔ نواب نے اُسے اس قدر پسند کیا کہ اُس کی قیمت مین دس لاکھ اشرفیان دینے کو تیار ہو گئے۔ بیع کا معاہدہ تکمیل کو نہین پہونچنے پایا تھا کہ نواب آصف الدولہ نے سفر آخرت کیا۔ اور عمارت ہنوز تکمیل کو نہین پہونچی تھی کہ خود مسیو مارٹن دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اُنھون نے چونکہ دولت بے پایان چھوڑی تھی اور وارث کوئی نہ تھا اس لیے مرتے وقت وصیت کر دی کہ میری لاش اسی کوٹھی کے اندر دفن کی جائے تاکہ میرے بعد اُسے حکمرانان اودھ ضبط نہ کر سکین۔ اس عمارت کا نام اُنھون نے کانسٹین شیا (قسطنطنیہ) قرار دیا تھا۔ مگر عوام مین وہ آج کل "مارکین صاحب کی کوٹھی" مشہور ہے۔ اور دیکھنے کے قابل ہے۔ مرنے کے بعد وہ اسی کوٹھی مین دفن ہوئے۔ اور وہ مدرسہ آج تک جاری ہے جس سے بہت سے طلبہ کو کھانا اور کپڑا ملتا ہے۔ مگر سنتے ہین کہ مارٹن صاحب نے اس اسکول اور اُس کے وظائف کو کسی مذہب اور قوم کے ساتھ مخصوص نہین کیا تھا۔ بلکہ وصیت کی تھی کہ عیسائی ہندو مسلمان سب ہی یکسان طور پر اس سے فیض یاب ہو سکتے ہین لیکن اب یہ مدرسہ صرف یوروپین بچون کے لیے مخصوص ہے۔ کسی ہندوستانی کو وظیفہ نہ ملنا درکنار اُس کی تعلیم مین بھی شریک نہین کیا جاتا۔ شاید یہ اس وجہ سے ہو کہ غدر کے زمانے مین جاہل و پُرجوش بلوائیون نے قبر کھود کے مسٹر مارٹن کی ہڈیان نکال لین۔ اور اُنھین ادھر اُدھر پھینک دیا۔ انگریزون کو بعد تسلط اتفاقاً ایک ہڈی مل گئی تھی جو پھر اُسی جگہ خاک مین دبا دی گئی۔ لیکن اُن بلوائیون کے فعل کے ذمہ دار عام ہندوستانی نہین ہو سکتے۔

سنہ ۱۲۲۷ محمدی (سنہ ۱۷۹۸ء) مین نواب آصف الدولہ نے سفر آخرت کیا۔ اور اُن کی جگہ نواب وزیر علیخان مسند نشین ہوئے۔ جن کی شادی کی دھوم دھام کا حال ہم بتا چکے ہین۔ مگر چار ہی مہینے مین اُن سے ایسے بیہودہ اور قابل نفرت

حرکات ظاہر ہوئے کہ اکثر لوگ اُن سے ناراض تھے۔ خود بہو بیگم صاحبہ اُن کے مقابل اپنے سوتیلے بیٹے یمین الدولہ نواب سعادت علی خان کو زیادہ پسند کرتی تھیں۔ ادھر اس چیز کی شہرت ہوئی کہ وزیر علی خان آصف الدولہ کے بیٹے ہی نہیں ہیں۔ کیونکہ آصف الدولہ کی نسبت بہتون کا خیال تھا کہ پیدائشی عنین تھے۔

نواب سعادت علی خان آصف الدولہ کی مخالفت کے باعث اُن کے زمانے مین مدتون قلمرو سے باہر اور دُور رہے تھے۔ مدتون کلکتہ مین رہے اور ایک زمانۂ دراز تک بنارس مین قیام رہا۔ وزیر علی خان کی نسبت یہ خیال قائم ہونے کے بعد قرعۂ انتخاب نواب سعادت علیخان پر پڑا۔ وہ بنارس سے لائے گئے اور بیباپور کی کوٹھی مین خود گورنر جنرل بہادر نے دربار فرما کے وزیر علی خان کی معزولی اور نواب سعادت علیخان کی مسند نشینی کا فیصلہ کیا۔ وزیر علی خان فوراً گرفتار کر کے بنارس بھیج دیے گئے۔ جہان اُنھون نے طیش مین آکے مسٹر چیری کو مار ڈالا۔ اور اس کی سزا مین گرفتار کر کے چنارگڑھ بھیجے گئے۔ اور وہین مرے۔ اُن کی مصیبتون اور سرگردانیون کا ایک بڑا بھاری قصہ مشہور ہے جس کا یہ مختصر مضمون متحمل نہین ہو سکتا۔

خیالات و واقعات

ان دنون مسلمانون مین جو آزادانہ پولٹیکل تحریک پیدا ہوئی ہے وہ ہر جگہ کسی نہ کسی عنوان سے اپنا جلال دکھادیا کرتی ہے۔ چنانچہ ندوۃ العلما کے دارالعلوم مین طلبا نے اسٹرائک کردی۔ اور جو گتھی پڑی تھی کئی مہینے گذر جانے پر کبھی سلجھنے کو نہ آئی جس کی وجہ زیادہ تر جلسۂ انتظامی ندوہ کی بے پروائی کی کارروائی اور ارکان ندوہ کی باہمی رنجش تھی۔ طلبہ بظاہر چاہے کچھ کہین لیکن اصل مین اُس مذاق تعلیم کو پسند کرتے ہین جس کے موجد مولانا شبلی نعمانی ہین۔ بعض کا عام خیال یہ ہے کہ جب تک مولانا شبلی زندہ ہین بغیر اُن کے ندوہ زندہ نہین رہ سکتا۔ ارکان ندوہ مین سے جو حضرات برسرکار ہین اُن مین سے بعض کا خیال ہے کہ چاہے ندوہ مٹ جائے مگر مولوی شبلی کو ہم نہ آنے دین گے۔

بڑے غور اور بحث سے رد و قدح کے بعد ندوہ کے مقاصد یہ قرار دیے گئے تھے کہ اُس کا دار العلوم دیگر عربی مدارس کی طرح عام قسم کی پُرانی تعلیم نہ دے گا بلکہ وہ ایسے زمانہ شناس اور جدید مذاق مین سموئے ہوئے علما پیدا کرے گا جو جدید تعلیم یافتہ یعنی انگریزی دان گروہ کی پیشوائی کر سکین - یہ خطرناک حالت دس بارہ سال سے نمایان طور پر نظر آنے لگی ہے کہ انگریزی مدارس کے پڑھے ہوئے اپنے پیشواؤن کی گرفت سے باہر ہوتے جاتے ہین - اُنھون نے موجودہ علما کو چھوڑ کے شعرا کی طرح اُن کے ہر فعل پر حملے شروع کر دیے ہین - بات بات پر اُنھین بناتے ہین - اور علما نے بھی خیال کر لیا کہ ہمارے ماننے والے صرف ادنی طبقون کے مسلمان ہین - اس لیے ہمین اُنھین سے سروکار رکھنا چاہیے - نتیجہ یہ ہوا کہ سُنی مسلمانون کا سر برآوردہ گروہ بے سر ہو کے ایسا خود سر ہو گیا ہے کہ اُن مین کا ہر جاہل آپ اپنا مجتہد بنا جاتا ہے - اسی آفت کے دُور کرنے کے لیے ندوہ نے اپنے دار العلوم کے لیے ایسا نصاب قائم کیا کہ اس دار العلوم کے تعلیم پائے ہوئے انگریزی دان گروہ پر اپنا اثر ڈال کے اُنھین اپنا پیرو بنا سکین -

---

مولانا شبلی نے اس مین شک نہین کہ اس خیال کو پیش نظر رکھ کے نصاب مین مناسب ترمیمین کین - انگریزی تعلیم کو لازمی قرار دیا - تاریخ و ادب اور کلام و فلسفہ اسلام کے سبجکٹون کو بڑھایا - ایک جماعت ایسے مبلّغون اور مشنریون کی قائم کی جو فارغ التحصیل ہونے کے بعد دعوت اسلام کر سکین - اچھے واعظ ہون اور اچھے مناظر - اور غیر مذہبون کے اُن حملون کو رد کین جو اسلام پر ہو رہے ہین - بہت سے طلبہ ان فنون کو اختیار کر کے اپنی زندگی کے کئی سال صرف کر چکے ہین اور اُن کی موجودہ حالت دیکھی جائے تو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ لوگ بیشک ندوہ کے مقاصد پورے کر سکین گے - اور اسلام کی اچھی خدمت کرین گے -

---

لیکن مولانا شبلی کی علٰحدگی کے بعد اب عجیب مختلف المذاق ارکان کے ہاتھ مین ندوہ کی قسمت چلی گئی ہے - جن مین سے کوئی صاحب تو چاہتے ہین کہ تصوف کے

روحانی اصول کی تعلیم کے لیے ندوہ افلاطون کا مدرسۂ الہیات یا موجودہ زمانہ کا گرُوکل بنا دیا جائے۔ بعض حضرات خالص علم حدیث کی تعلیم چاہتے ہین بعض بزرگون کے ذہن مین ہے کہ ندوہ کے دارالعلوم مین سے اچھے اور مستند فقیہ نکلا کرین اس کشمکش نے پُرانے نصاب مین خلل انداز ہو کے ندوہ کو اُس کے پُرانے طے شدہ مذاق سے الگ کر دیا۔ اور طلبہ مین بے قراری اور پریشانی بڑھنا شروع ہوئی۔ اور اُن سے سرکشی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔

طلبہ کی سرکشیان دیکھ کے جدید منتظمین نے ندوہ مین سخت قسم کی شخصی سلطنت قائم کی۔ طلبہ کے حرکات کی نگرانی اور اُن کے افعال کی جاسوسی ہونے لگے۔ اُن کے خطوط ہاتھ مین جانے سے پہلے ناظم کے ہاتھ مین جانے لگے۔ ڈاک والون کو ہدایت کی گئی کہ طلبہ کے پرائوٹ خطوط منتظمون کے ہاتھ مین دیا کرین۔ اُن کی مذہبی محفلون کی روک تھام۔ اور انھین کسی اور سے لکھنے پڑھنے کی ممانعت کی جانے لگی اور انھین نظر آیا کہ ہم گویا حراست مین ہین۔ اور ہمارے ہر کام پر ناظم صاحب کا پہرہ بیٹھا ہوا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اسٹرائک ہو گئی۔

اسٹرائک کے دور کرنے کے لیے جو انتظامی جلسہ ہوا اُس نے باوجودیکہ مسلّم عقلا کا مجموعہ تھا قبل اس کے کہ طلبہ کو بُلا کے اُن کے خیالات وشکایات سنے محض ناظم صاحب کی رپورٹ پر یک طرفہ فیصلہ کر دیا کہ جو طلبہ ناظم صاحب کے بیان کے مطابق اسٹرائک کے اصلی محرک اور بانی ہین قطعاً خارج کر دیے جائین۔ اور سب کو چند روز کی مہلت دی جائے۔ اُس مدت مین اگر مانین تو خیر ورنہ سب نکال دیے جائین۔ اس فیصلہ کا رزولیوشن پاس ہونے کے بعد طلبہ کو ایک حکم محکم قضا شیم کی شان سے سُنا یا گیا جس کے آگے سر جھکانے سے طلبہ نے قطعی طور پر انکار کر دیا۔ آخر انتظار کے بعد طلبہ علیٰحدہ کر دیے گئے جنھون نے لکھنؤ ہی مین رہ کے اپنا جدا مدرسہ جاری کیا۔ اور اپنے اُسی نصاب کی تعلیم جاری کر رہی۔

طلبہ کی اسٹرائک سے پہلے ہی بعض بزرگان ملت نے ندوہ کی بدنظمیون اور بے ضابطگیون کو دیکھ کے "اصلاح ندوہ" کے نام سے ایک انجمن قائم کی - اور اس بات پر غور کرنا شروع کیا کہ اول تو ندوہ کے اصول و قواعد کیا اور کیسے ہین - اور دوسرے یہ کہ بُرے بھلے جیسے قواعد ہون اُن پر کہان تک عمل درآمد ہوتا ہے

مگر خرابی یہ ہے کہ ندوہ کی کارروائیون پر اعتراض ہوتے دیکھ کے ٹرسٹیان علی گڈھ کالج کو اپنی دستار بھی مرکز ثقل سے ہٹی ہوئی نظر آئی اور اپنی گرتی ہوئی چھت مین پشتیبان لگانے کی غرض سے وہ بھی ارکان انتظامی ندوہ کے ہم آہنگ ہو کے کہتے ہین کہ مقررہ ذمہ وار جماعت کے اقتدارات مین دخل دینے کا حق کسی کو نہین حاصل ہے - بیشک - پبلک کی عام مخالفت سے سلطنتین پلٹ سکتی ہین برطانیہ عظمی کی پارلیمنٹ ٹوٹ سکتی ہے - حکومتین اپنے قوانین مین ردو بدل کر سکتی ہین - مگر علیگڈھ کالج کے ٹرسٹیون اور ندوۃ العلما کے ممبران انتظامی کے اقتدارات پر کوئی اثر نہین پڑ سکتا - ساری دنیا کہتی ہے کہ سکرٹری صاحب علیگڈھ کالج بدلنے کے قابل ہین - مگر ٹرسٹیون کا مجمع علی رغم انف مسلمانان ہند اُن پر اطمینان کا ووٹ پاس کرتا ہے - مگر یاد رہے کہ "من ترا حاجی بگویم تو مرا ملا بگو" کی کارروائی زیادہ زمانے تک نہین چل سکتی -

---

ریویو

سیر پنجاب - سرکار آصفیہ حیدرآباد دکن کے سابق مدارالمہام مہاراجہ سرکشن پرشاد یمین السلطنۃ بہادر نے پار سال ایک سفر کیا تھا - ۶ رجون سنہ ۱۳ء کو گھر سے نکلے تھے اور اجمیر - بمبئی - دہلی - ہردوار - رڑکی - پیران کلیر - امرتسر لاہور - کورکشیتر - پانی پت - متھرا - فتح پور سیکری - الہ آباد - جبل پور کی سیر کر کے ۱۳ راگست سنہ الیہ کو واپس آگئے - ہمین افسوس ہے کہ لکھنؤ ایسے روشن خیال رئیس اور ایسے صوفی منش سیاح کی زیارت سے محروم رہ گیا اپنے اس سفر کے حالات مین آپ نے اپنا سفر نامہ "سیر پنجاب" کے نام سے شایع فرمایا ہے جو اچھا چھپا ہے - اور ۲۴۶ صفحون پر ختم ہوا ہے

مہاراجہ بہادر کا علمی وادبی مذاق بہت اچھا ہے - اثنائے سفر مین اکثر مجمعون مین آپ نے جو تقریرین کی ہین - اور جا بجا طبیعت کو حاضر پا کے جو کلام موزون کیا ہے دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے - شاعرانہ نازک خیالیون کے علاوہ آپ تصوف کے رنگ مین ڈوبے ہوئے ہین - اور سفرنامہ بتا رہا ہے کہ آپ جہان جاتے ہین اتفاق واتحاد کے پُرجوش مشنری بن کے پہونچتے ہین - ہندو مسلمان دونون فریقون کے بزرگون اور معبدون کا ادب کرتے اور ہر جگہ تصوف کے جذبات سے دونون مین قدرت الٰہی کے جلوے دکھاتے جاتے ہین - جن حضرات کو دیکھنے کا شوق ہو مہاراجہ بہادر دام اقبالہ سے طلب فرما کے ملاحظہ فرمائین -

سفر حج کی صوغاتین - اکثر حُجاج حج سے شرفیاب ہو کے اپنے دوستون کے لیے طرح طرح کی صوغاتین لایا کرتے ہین مگر ہمارے مکرم دوست مولانا محمد الدین صاحب ایڈیٹر صوفی (پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات) گذشتہ موسم حج مین حج کعبہ اور زیارت عتبات عالیات سے مشرف ہو کے مسلمانون کے لیے ایسی صوغاتین لائے ہین جن کے ذریعہ سے وہ تمام مسلمانون کو وہی جلوے دکھاتے ہین جو خود دیکھ آئے ہین - خانہ کعبہ اور دیگر متبرک مقامات کے آٹھ فوٹو اور ایک روضۂ رسول و مسجد نبوی کا نقشہ تصویرین تو ہوئی ہین مگر یہ نقشہ نہایت ہی اچھی چیز ہے جس مین بتا دیا گیا ہے کہ مسجد نبوی کا رقبہ اصل مین کتنا تھا پھر اُس مین حضرت عمر فاروق - حضرت عثمان ذی النورین - ولید بن عبد الملک - مہدی عباسی اور سلطان عبد المجید خان نے اپنے اپنے وقتون مین کس کس جانب اور کس کس قدر زمین کا اضافہ کیا - یہ نقشہ کپڑے پر چڑھا ہوا اور رنگین ہے - مسلمانون کو چاہیے کہ ان ہدیون کو مولانا ممدوح سے منگوا کے اپنے گھر مین رکھین -

معلومات

اس نام کا ایک اعلیٰ درجہ کا نیا ماہوار رسالہ دلگداز پریس مین چھپ کے جناب حکیم محمد عبد الولی صاحب بی - اے کی ایڈیٹری مین جولائی سنہ ۱۹۱۴ء سے شایع ہونا شروع ہوگا - مضامین نہایت ہی قیمتی اور علمی ہون گے - اور امید ہے کہ ایڈیٹر صاحب کا بے مثل علمی مذاق اس رسالہ کے ذریعہ سے اُردو کی ادبی وعلمی دنیا مین بہت کچھ اضافہ کرے گا - یہ رسالہ ۲۰×۳۰ پیمانے کے ۴۸ صفحون پر ہوگا - کاغذ عمدہ ولایتی رہے گا اور چھپائی نہایت صحیح اور روشن ہوگی - قیمت جملہ شایقین سے پانچ روپیہ سالانہ - ملک کو اپنی قدردانی کا ثبوت دینے کے لیے فوراً رسالہ معلومات کا خیر مقدم ادا کرنا چاہیے - اُس کے متعلق جملہ خط وکتابت حکیم عبد الولی صاحب بی - اے - ایڈیٹر معلومات سے "محلہ جھوائی ٹولہ لکھنؤ" کے پتہ پر کی جاے -

ملتمس منیجر معلومات -

شکل
بیان
کیجیے
بعض حضرات
شاہوا پرچہ
باہیے ہین
ور بعض
نیر تر شا
ور تسیل نہ ہو
غا ہوتے
ین - اس لیے
رسے کرم
اون مین سے
جو حضرات
ترشا پرچہ
ہتے ہون
ن فوراً
طلاع دین
اُنھین
رشا پرچہ
باجایا کرے
منیجر
دلگداز

حسن کی کرشمہ سازیان

اس عنوان کے تحت مین دلگداز کے صفحون پر ہم دنیا کی بہت سی نامور عورتون کے حالات لکھ چکے ہین - اور ابھی صدہا ایسی عورتین باقی ہین جن کے واقعات آیندہ بیان کیے جائین گے - لیکن اس دلچسپ سبجکٹ پر ایک عام بحث کی بھی ضرورت ہے - جس کی طرف اب ہم توجہ کرتے ہین - بہ لحاظ ترتیب اس بحث کو سب سے پہلے ہونا چاہیے تھا - لیکن مضائقہ نہین - ایک ماہانہ رسالے کے صفحون کو ایسی مصنفانہ ترتیب سے ہمیشہ آزاد رہنا چاہیے - سچ پوچھو تو عورت کے حُسن کی کشش ہی نوع انسان کو دنیا مین لائی ہے - اگر حضرت آدم جناب حوّا کی باتون مین آکے خدا کا منع کیا ہوا پھل نہ کھاتے تو غالباً دنیا انسانون سے خالی ہوتی - جناب حوّا کے فقرے مین آکے حضرت آدم نے جنت الفردوس اور وہان کی آزادیان اور بےفکریان ہاتھ سے کھوئین - اور وہ اس دنیا مین پھینکے گئے جہان اُن کی اولاد کو ایک سخت آزمایش مین پڑنا اور محنت مشقت کر کے اپنا پیٹ بھرنا ہے -

جنت سے جدا ہونے کے بعد بھی اگر انسان کی حالت پر غور کیجیے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف اس لیے آیا ہے کہ مرتے دم تک حسن کے کرشمون مین مبتلا رہے -

اور اسی دُھن مین جان دے۔ اُس کی زندگی و موت دونون حسن کے کرشمون سے وابستہ ہین جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے سب حسن ہی کی کرشمہ آرائیان ہین۔ توالد و تناسل کا سلسلہ اور گروہ انسان کا بڑھنا اور پھیلنا فقط اُس کشش کے نتائج ہین جو خدا نے حسن مین پیدا کر دی ہے۔ اور اب تو سائنس کی تحقیق و تدقیق یہان تک ثابت کر چکی ہے کہ انسان ہی نہین حیوان بھی۔ اور حیوان ہی نہین سارے نباتات بھی اپنی بقا اور ترقی مین کشش حسن ہی کے زیر بار احسان ہین۔

یہ تو دنیوی زندگی کی حالت تھی۔ اب موت کو لیجیے۔ ہر نیکوکار و دیندار کا خیال ہے کہ دوسرے عالم مین جا کے اُس روحانی اور نورانی عالم مین حورون کی ہمکناری نصیب ہو گی۔ چنانچہ ہر پاکباز مرنے والا حورون سے ملنے کے شوق کو دل مین لیے ہوئے دنیا سے خوش خوش جاتا ہے۔ گویا وہ نہین جاتا بلکہ حوران جنت کے حسن کی کشش وہان کھینچ لیجاتی ہے۔ مسیحیون کے نزدیک حورون کے علاوہ فرشتہ بھی آسمانی کنواریان ہین جو مقبول بندون اور خدا رسیدہ ولیون اور سنیٹون کے سرون پر کوہ قاف کی زاہد فریب پریون کی طرح معشوقانہ اداؤن سے آنے اور منڈلانے لگتے ہین۔

نسل ابراہیمؑ کی ملتون مین تو اُس عالم نور کے مہوشون کا خیال تو اب آخرت اور نیکوکاری کے اجر تک محدود ہے دوسرے قدیم ادیان و ملل پر نظر ڈالیے تو نازآفرین حسینان عالم بالا نے دلربائی و دلبری کے درجے سے قدم آگے بڑھا کے معشوقی سے معبودی کی وضع و شان اختیار کر لی ہے۔ اُن کے الٰہیات کا عنصر اعظم مہ جبین دیویان ہین جو قدرت کے تمام شعبون پر متصرف و حکمران ہین۔ اُن کے نزدیک خدائی اختیارات حسین دیویون ہی مین بٹے ہوئے ہین۔ جو پاکبازان ارض پر اپنے چاند اور سورج کے ایسے حسن عالم آشوب کی کرنین ڈال کے اُنھین اپنا پوجاری بناتی ہین۔ اور حسن ہی کی کشش ہے جس سے خدا کی معبودیت اور مخلوق کی عبادت وابستہ ہے۔

حسن کی کشش ایسی زبردست ہے کہ غور سے دیکھیے تو وہی انسان کی بنانے

اور بگاڑنے والی ہے۔ اور خدا نے واقعی اُس مین ایک ایسی قوت پیدا کر دی ہے جو انسان سے جیسے کام چاہتی ہے کرا دیتی ہے۔ جنت کا چھوٹنا کوئی معمولی نقصان تھا؟ یہ اتنا بڑا گھاٹا تھا کہ اگر آدمی مین اپنی طبیعت پر ذرا بھی قابو ہوتا تو قیامت تک عورت کے پھندے مین نہ پھنستا۔ اور پھر کبھی اُس کے دل پر حسن کی کشش کوئی اثر نہ کرتی۔ مگر نہین۔ ایسا نہ ہوا بلکہ یون کہنا چاہیے کہ نہ ہو سکا۔ اُس کے دنیا مین آنے کے بعد بھی جو پہلا فتنہ ہوا وہ بھی عورت کی اور حسن کی کشش ہی کی بدولت تھا۔ ہابیل نے عورت کی زلف گرہگیر مین پھنس کے نہایت ہی نیک نفسی اور پورے رضا و تسلیم کے ساتھ جان دی۔ اور قابیل نے عورت ہی کے شوق مین بھائی کے خون مین ہاتھ رنگے۔ اور پہلا قتل عمد کا مجرم قرار پایا۔ اس کے بعد سے دنیا کے تمام تاریخی واقعات کی تہ مین دیکھیے تو حسن و عشق کے کرشمون سے بھری ہوئی ہے۔ اور یہ بات تھوڑے تعجب کی نہین کہ مذاہب جن کی غرض و غایت خداپرستی اور نظام عالم کی اصلاح ہے سب کی تاریخ کا آغاز عورت کی کشش اور حسن کے جھگڑون ہی سے ہوا ہے۔ یہود و نصاریٰ اور مسلمانون ہی کی تاریخ کو دیکھیے جس کا متحدہ و مسلمہ افتتاح آدم و حوّا اور ہابیل و قابیل کے واقعات سے ہے جن کو ہم بیان کر چکے ہین۔

ہندؤن کی دیومالا اپنے شروع ہی سے ہر بڑے سے بڑے دیوتا کی ایک دیوی ثابت کرتی ہے۔ اور اُن کی تاریخ کا آغاز دو عظیم الشان لڑائیون سے ہوتا ہے جو اگر سچ پوچھیے تو حسن و عشق ہی کے جھگڑے۔ اور درودپدی۔ اور سیتا جی کے بے مثال حسنون کے کرشمے تھے۔ وہ کیسی نازک اور اندوہناک گھڑی تھی جب درودپدی نہایت توہین اور سنگدلی کے ساتھ پانڈوون کے ہاتھ سے زبردستی چھین لی گئی؟ اور پھر وہ کتنا بڑا قیامت خیز میدان جنگ تھا جس مین اِس ایک عورت کی عصمت پر ہاتھ ڈالنے کا انتقام لاکھون آدمیون کے قتل سے لیا گیا؟ اسی لیے وہ کیسا جگرخراش وقت تھا جب کیکئی کی آتش فشان زبان نے راجہ دسرت کو رام چندر جی کے بن باس پر مجبور کیا۔ اور اس کے بعد وہ بھی کس بلا کی عالم سوز گھڑی تھی جب رات دن

سیتا جی کو اُن کے وحشت ناک جنگلی مسکن سے اُڑا لے گیا - اور پھر ان دونوں واقعات کے نتیجہ مین وہ کیسا خون بار محشرستان تھا جب لاکھون آدمیون کے مارے جانے کے بعد رام چندر جی نے اپنی عصمت مآب رانی کو خانمان برباد دشمنون کے پنجۂ ستم سے چھڑایا؟

اب مشرق کو چھوڑ کے مغرب مین چلیے تو وہان بھی مذہب اور تاریخ کا آغاز حسن کے اُن قیامت زا کرشمون سے ہوتا ہے جنھین عالم شاعری کے آدم اور یونان کے پہلے شاعر ہومر نے اپنی قدیم نظم ایلیڈ مین بیان کیا ہے - اُس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیسی سنسنا دینے والی گھڑی تھی جب ایشیاے کوچک کے فرمان روا پریم کا حسین وخوبرو بیٹا پارس یونان کے بڑے دیوتا جیو پیٹر کی بیٹی اور منلاؤس شاہ یونان کی ملکہ ہلین کو بھگالے گیا - اور پھر اس کے بعد وہ کیسی جان ستان رزمگاہ تھی جس مین یونانیون نے اس مملکت کے دارالسلطنت ٹراے پر چڑھائی کر کے خون کے دریا بہا دیے - اور جس کے واقعات بتا رہے ہین کہ یورپ وایشیا کے فی مابین جو جھگڑے شروع ہوئے وہ حسن کی کرشمہ سازیون کے کیسے خوفناک نتائج تھے -

دنیا کے سب سے پہلے مورخ یونان ہیرودوطوس نے اپنی تاریخ کو اسی قسم کے واقعات سے شروع کیا ہے - ایشیا والون کی قدیم روایتون سے یہ پتہ نہین چلتا کہ کبھی اُن کا خیال بھی اس جانب گیا ہو کہ اہل یورپ سے اُن سے رقابت و عداوت ہے - مگر اہل یونان اور ایشیاے کوچک والے جو ایک دوسرے کے پڑوس مین آباد تھے اُن مین ابتدا ہی سے چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی - اس کے چند روز بعد یونانیون سے اُن چند دوسری قومون سے رقابت پیدا ہوئی جو اُن کے ملک تک پہونچتی تھین - ان لوگون کی دست بُرد سے انھون نے پورے ایشیا کو اپنا دشمن خیال کر لیا - حالانکہ ایشیا والے ان معاملات کو سوا شخصی بے اعتدالیون کے کسی عام اور قومی عداوت پر محمول نہین کرتے تھے - تاہم اس مین شک نہین کہ درۂ دانیال کے اس پار اور اُس پار والون مین ایک قسم کی قومی رقابت ضرور پیدا ہو گئی تھی -

لیکن ہیرو وو طوس کہتا ہے کہ یورپ اور ایشیا والون مین مدت ہاے دراز اور قرن ہا قرن سے جو جھگڑے چلے آتے ہین وہ شایستہ اور تعلیم یافتہ اہل فارس کے نزدیک صرف عورتون کے لے بھاگنے یا بھگاے جانے کے نتائج ہین۔ وہ کہتے ہین کہ سب سے پہلی چھیڑ فنیقی تاجرون نے کی۔ یہ لوگ ملک شام کے ساحلی علاقہ فنیقیہ کے رہنے والے تھے۔ دنیا کے پہلے تاجر اور پہلے جہازران تھے۔ بحری سفرون کے ذریعے سے اُنھون نے اپنی تجارت اُسی قدیم زمانے مین ممالک دور و دراز تک پھیلا دی۔ اور مصر و بابل کا مال لے لے کے ممالک و بلاد یورپ تک جا پہونچے اُنھین تاجرانہ سیاحتون مین اُن کے چند جہاز یونانی بندرگاہ ارغوس مین پہونچے اور مال تجارت اہل شہر کے سامنے پیش کیا۔ ارغوس اُن دنون یونان کے اکثر شہرون سے زیادہ بارونق تھا۔ اُمرا و اکابر یونان آآ کے اُن کا مال خریدنے لگے۔ اور دریا کنارے بڑا بھاری بازار لگ گیا۔ اس بازار کو لگے چار ہی پانچ روز ہوے تھے کہ ایک دن معزز یونانی گھرون کی خاتونین اپنی پسند کا سودا خریدنے کو آئین۔ جن مین وہان کے فرمان روا شاہ ایناچوس کی حسین و گل اندام بیٹی ایو بھی تھی۔ یہ عورتین جہاز کے پچھلے حصہ کے پاس کھڑی لین دین کر رہی تھین کہ یکایک فنیقی سوداگرون نے اُن پر حملہ کر دیا۔ نازک بدن عورتین مردون کے اس حملے کی بھلا کیا تاب لا سکتی تھین ہ گھبرا کے بھاگین۔ اور سب تو اپنی جان بچا کے نکل آئین مگر شاہزادی ایو اور اُس کی چند سہیلیان نہ بھاگ سکین۔ فنیقی اُنھین اپنے جہاز مین پکڑ لے گئے۔ جھٹ پٹ لنگر اُٹھا دیا۔ اور مصر مین پہونچ کے دم لیا۔

یونانیون کو اس کا بڑا ملال ہوا۔ ایو تو نہ ملی۔ مگر انتقام کے خیال سے اُن کے چند جہاز سرزمین شام کے ساحل شہر طائرمین پہونچے جو فنیقی لوگون کا منشا و ماوی تھا۔ اور ایسی تدبیرین کین کہ وہان کے بادشاہ کی بیٹی شاہزادی یوُروپا کو بھگا لے گئے۔

اس واقعے سے یونانیون کو اپنا انتقام مل گیا تھا مگر اُنھین اتنے ہی مین صبر نہ آیا۔ اُن کے چند اور جہاز بحر اسود مین (جو اُن دنون یُوجبین کہلاتا تھا) سفر کر کے

دامن کوہ قاف کے اُس ساحل پر پہونچے جہان فی الحال اُباز ی مسلمان رہتے ہین یہ سرزمین اُس زمانے مین کولچس کہلاتی تھی - اُس مین دریاے فاسس کے کنارے ایا نام ایک ساحلی شہر تھا اور وہین یہ یونانی جہاز لنگرانداز ہوئے تھے - اپنی مہم کے اغراض و مقاصد پورے کرنے کے ساتھ ہی ساتھ اُنھون نے یہان کی محل پیرین اور جادو نگاہ عورتون کو دیکھا جن کے حسن و جمال کی ساری دنیا مین شہرت تھی اور جن کے حسن کے کرشمون نے کوہ قاف کی پریون کو حسن و جمال کا مکمل ترین نمونہ بنا رکھا تھا - غرض نہایت خاموشی کے ساتھ کوشش کر کے وہ کسی حکمت سے وہان کے بادشاہ کی بیٹی شاہزادی میڈیا کو اپنے جہاز پر لائے - اور اُسی وقت لنگر اُٹھا کے اُسے زبردستی یونان مین بھگا لائے -

کولچس کے بادشاہ کو اپنی بیٹی کے پکڑ جانے کا بڑا صدمہ ہوا - اور اپنے ایلچی یونان مین بھیجے جنھون نے آکے یونانیون سے اس دست بُرد کا جواب طلب کیا - اور استدعا کی کہ شاہزادی میڈیا اُن کے حوالے کی جائے تاکہ اُسے لیجا کے اُس کے جگر چاک باپ کے سینے سے لگا دین - یونانیون نے جواب دیا "جس طرح ایشیا والون نے ہماری شاہزادی ایو کے بھگائے جانے کی کوئی وجہ نہین بیان کی اور نہ اُسے واپس کیا اُسی طرح ہم بھی نہ شاہزادی میڈیا کو واپس کرین گے اور نہ اِس کی کوئی وجہ بیان کرین گے کہ اُسے کیون بھگا لائے -

ایشیا والون مین یونانیون کی اس دست بُرد کا انتقام لینے کا خیال برابر قائم رہا یہان تک کہ ایک نسل گزر گئی اور پریَم کا بیٹا اس بات کے درپے ہوا کہ کسی یونانی شاہزادی کو بھگا لا کے اپنی جورو بنائے - چنانچہ موقع پا کے وہ ہلین کو بھگا لایا - اور اُس کے نتیجے مین ایشیاے کوچک کے شہر کے ٹراے کا وہ میدان گرم ہوا جس کا ذکر ہومر نے کیا ہے -

گزشتہ واقعات پر راے زنی کرتے وقت بقول ہِرودوطوس کے ایشیا والے اور اہل فارس کہتے تھے کہ شاہزادیون کے بھگا لیجانے کے واقعات اگرچہ تابڑ توڑ دونون طرف سے پیش آئے - اور ابتدا اہل ایشیا ہی سے ہوئی تھی مگر اصلی الزام یونانیون ہی پر ہے - اس لیے کہ ہلین کے بھگا لیجانے پر اُنھون نے

آپے سے باہر ہو کے لڑائی ٹھان دی۔ ایرانی ان باتون کو اتنی اہمیت نہ دیتے تھے کہ ان کی وجہ سے لڑائی ٹھان دین۔ اُن کے خیال مین عورتون کو بھگا لے جانا بےشک شرارت کا کام تھا لیکن ایسا ہو جائے تو اُس کی بنا پر انتقام کے درپے ہو جانا اور قتل و خونریزی کرنا اُن کے مذاق مین ایک لغو فعل تھا اور وہ کہتے کہ عقلمندون کا یہ کام نہین ہے کہ ایسے واقعات کی پروا کرین۔

بہر تقدیر یورپ کی مہابھارت یعنی ٹرائے کا محاصرہ اور یورپ و ایشیا کی سب سے پہلی معرکہ آرائی حسن ہی کی ایک دلچسپ کرشمہ آرائی تھی جسنے ہومر نے ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا ہے۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری زمانہ

نواب سعادت علی خان نے سنہ ۱۲۲۲ محمدی (سنہ ۱۷۹۸ع) مین تخت پر بیٹھتے ہی آدھا ملک انگریزون کی نذر کر دیا۔ مشہور یہ ہے کہ وہ سلطنت سے مایوس و ناامید بنارس مین پڑے ہوئے تھے کہ خبر پہونچی نواب آصف الدولہ بہادر نے سفر آخرت کیا اور مسند حکومت پر وزیر علی خان بیٹھ گئے۔ یہ سنتے ہی سلطنت کی رہی سہی امیدین بھی خاک مین مل گئین۔ اِس قطعی یاس کے عالم مین تھے کہ بنارس کے کسی یوروپین حاکم نے آکے پوچھا "نواب صاحب! اگر آپ کو اودھ کی حکومت مل جائے تو انگریزی حکومت کو کیا دیجیے گا؟" جو چیز ہاتھ سے جا چکی ہو انسان کے دل مین اُس کی قدر ہی کیا ہو سکتی ہے؟ بے اختیار زبان سے نکلا "آدھا ملک انگریزون کی نذر کر دون گا۔" یہ وعدہ سُن کے اُس انگریز حاکم نے کہا "تو آپ خوش ہون۔ اور مین آپ کو خوشخبری سُناتا ہون کہ آپ ہی فرمانروائے لکھنؤ منتخب ہوئے ہین۔" سعادت علی خان یہ مژدۂ غیر مترقبہ سُن کے خوش تو ضرور ہوئے مگر اپنے وعدے کا خیال آیا تو ایک سناٹے مین آ گئے۔ اور آخر تخت نشینی کے بعد اس وعدے کے ایفا مین اُنھین اپنی آدھی قلمرو بانٹ دینا پڑی۔ جس کا کانٹا زندگی بھر اُن کے دل

مین کھٹکتا رہا۔

انگریزی تاریخون مین اُن سے وعدہ لیے جانے کا ذکر تو نہین ہے مگر اس کو سب تسلیم کر رہے ہین کہ نواب سعادت علی خان کو چونکہ انگریزون نے تخت پر بٹھایا تھا اس لیے اُنھون نے اپنا آدھا ملک شکریہ کے طور پر انگریزون کی نذر کر دیا۔ بہر تقدیر جو کچھ ہو سعادت علی خان کی تخت نشینی کے وقت اودھ کی حکومت آدھی رہ گئی۔ لکھنؤ کے پُرانے لوگون مین مشہور ہے کہ اسی کوفت مین سعادت علی خان نے نہایت ہی کفایت شعاری سے کام لے کے اور تحصیل وصول مین بے انتہا مستعدی و بیدار مغزی ظاہر کر کے بائیس تئیس کرڑ و ڑ روپیہ جمع کیا۔ اور انگلستان مین برٹش گورنمنٹ سے مراسلت کر کے یہ طے کر لیا تھا کہ ہندوستان کی حکومت کا ٹھیکہ بعوض ایسٹ انڈیا کمپنی کے اُن کو دے دیا جائے۔ اور معاہدے کی تکمیل ہونے ہی کو تھی کہ اُن کے سالے نے کسی سازش مین شریک ہو کے زہر دے دیا۔ اور وہی مثل پوری ہوئی کہ

ع آن قدح بشکست و آن ساقی نہ ماند۔

یہ اور اسی قسم کے بیسیون واقعات مشہور ہین۔ جن کا ثبوت سوا افواہی رد ایتون کے اور کچھ نہین مل سکتا۔ لیکن اس مین شک نہین کہ سعادت علی خان اس قدر جُز رس اور منتظم واقع ہوئے تھے کہ اُن کے سے حاکم نے قلم و کا کوئی جُز آسانی سے نہ دیا ہوگا۔ دوسرے اُن کے طرز عمل اور اُن کی پالسی مین ایک ایسی مضطربانہ ہوشیاری اور پُر اسرار بیقراری نظر آتی ہے کہ چاہے پتہ نہ چلے مگر صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی بڑا کام کرنے والے تھے۔ اور اُن کے تیور بہت ہی پُر معنی تھے۔

ملک کو بانٹ دینے کی وجہ سے اُنھین سب سے بڑی مشکل یہ پیش آئی کہ سلطنت کی نصف آمدنی گھٹ گئی۔ اور آصف الدولہ مرحوم نے مصارف حد سے زیادہ بڑھا رکھے تھے۔ چنانچہ اُنھین اپنے دربار کے مصارف گھٹانا پڑے جو نہایت ہی مشکل چیز تھی۔ اس کوشش مین اُنھون نے حسابات کی جانچ کی۔ ادنی ادنی رقمون پر نظر ڈالی۔ معافیون اور جاگیرون کی

نہایت سختی کے ساتھ چھان بنان کی۔ دربار کے مصارف مین جہان تک بنا کمی کی۔ غرض جس طرح ہو سکا بدنامیان اُٹھا کے اور لوگون پر سخت بے رحمیان کر کے اُنھون نے سلطنت کی آمدنی بڑھائی اور خرچ گھٹایا۔

یہ کارروائیان دیکھ کے ذی ہوش اور منصف مزاج لوگ تو سعادت علی خان کی لیاقت و خوش تدبیری کے قائل ہو گئے مگر عوام مین بے انتہا ناراضی پھیلی۔ ایک طرف ان معافی دارون اور جاگیردارون کا گروہ شاکی تھا جن کی جائدادین ضبط ہوئی تھین۔ دوسری طرف وہ فضول اور از کار رفتہ ملازمین روتے پھرتے تھے جن کی جگہین تخفیف مین آ گئی تھین۔ اسی قدر نہین ملک مین ایک بڑا بھاری گروہ اُن لوگون کا بھی تھا جو وزیر علی خان کے طرفدار تھے۔ اُن کو جائز اور سچا حقدار سلطنت خیال کر کے سعادت علی خان کو غاصب بتاتے تھے۔ غرض ملک مین ہزارون دشمن تھے جن سے خطرہ تھا کہ نواب کی جان پر نہ حملہ کر بیٹھین رعایا کے علاوہ فوج بھی نئے نواب سے نہایت ہی ناراض تھی۔ بیشمار فوج کا ٹڈی دل جو نواب شجاع الدولہ کے عہد مین جمع تھا اُس مین آصف الدولہ ہی کے زمانے مین سرکار انگریز بہادر کے مشورے سے تخفیف شروع ہو گئی تھی۔ مگر آصف الدولہ کی فیاضیون اور فضول الخرچیون نے بہلائے رکھا۔ اور شکایت کی آواز زیادہ نہین بلند ہونے پائی۔ سعادت علی خان نے جب زیادہ تخفیف کی اور اُس کے ساتھ جزرسی بھی اختیار کی تو ہر طرف ہائے ہائے پڑ گئی۔ اور جو تھا اُن کی جان کو رو رہا تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی جان کی حفاظت کے لیے سرکار انگریزی کو ضرورت معلوم ہوئی کہ انگریزی باضابطہ فوجی گارڈ خاص شہر کے اندر رکھا جائے۔ کیونکہ شہر کے مفسدون اور سرکشون کی سرکوبی کے لیے اور نیز امن و امان قائم رکھنے کی غرض سے ایک بیرونی زبردست قوت کا ہر وقت شہر مین موجود رہنا بہت ہی ضروری تھا۔ جس کی نسبت سُنا جاتا ہے کہ نواب سعادت علی خان نے نہایت ہی ناگواری کے ساتھ منظور کیا۔

فرمان روایان اودھ نے اس سے بیشتر اپنے رہنے سہنے کے متعلق نہایت ہی

سادگی ظاہر کی تھی۔ پہلے تین حکمرانون یعنی نواب برہان الملک نواب صفدر جنگ - اور نواب شجاع الدولہ نے جن تین سادے مکانون مین زندگی بسر کی وہ بھی اُن کی ذاتی ملکیت نہین بلکہ کرائے پر تھے - انھون نے اپنا اصلی مکان یا تو میدان جنگ کو خیال کیا یا ساری مملکت کو جس مین دَورہ کرتے رہتے اور ساری مملوکہ زمین کے ہر حصہ کو اپنا مسکن و مکان تصور کرتے نواب آصف الدولہ اگرچہ نہایت ہی مصرف تھے - عیاشی و فضول خرچی مین بدنام تھے مگر اُن کے لیے بھی صرف ایک سادہ پُرانی قطع کا مکان یعنی مچھی بھون کے قریب والا پنج محلہ کافی تھا - حالانکہ اُنھین عمارت کا بڑا شوق تھا۔ اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ بیس لاکھ روپیہ ایک امام باڑے اور مسجد کی تعمیر مین صرف کر دیے اور اس سے زیادہ ہی رقم چوک - مختلف بازارون - منڈیون - پلون - اور سراؤن وغیرہ کی تعمیر مین خرچ کی - غرض پہلے تین فرمارواؤن کا شوق تعمیر اگر قلعون - گڑھیون کی تعمیر اور فوجی سامان کے فراہم کرنے مین پورا ہوتا تھا تو آصف الدولہ کا شوق دینداری کی عمارتون یا نفع رسانی خلق اللہ کے کامون مین - اس کے ساتھ عمارت کا قدیم مذاق بھی اب تک نبھتا چلا جاتا تھا - آصف الدولہ کے زمانے تک کی عمارتین قدیم مذاق تعمیر کا مکمل ترین نمونہ ہین - دہلی و آگرے مین شاہجہان بادشاہ کو اعلی درجے کا سنگ رخام اور سنگ سرخ قریب کی کانون مین مل گیا تھا جس نے وہان کی عمارتون مین خاص قسم کی نفاست اور اعلی درجے کی شان پیدا کرادی - لکھنؤ مین پتھر کا ملنا غیر ممکن تھا - اور آگرے اور جے پور سے لانا اس قدر دشوار تھا کہ کسی کو منگوانے کی جرأت نہ ہو سکتی تھی - آصف الدولہ نے اینٹ اور چونے سے وہی کام لیا - اور ویسی ہی شانداری دکھادی -

نواب سعادت علی خان کو باوجود کفایت شعاری - جزرسی - اور روپیہ جمع کرنے کی ہوس کے مکانون اور عمارتون کا شوق تھا - مگر افسوس اُن کا یہ شوق کلکتہ وغیرہ مین رہنے اور مختلف مقامات کی عمارتون کے دیکھنے کی وجہ سے ایسا غارت ہو گیا تھا کہ اُن کے عہد کی عمارتون سے وہ پُرانی خصوصیتین

جدا ہو گئین - اور اُس وقت سے گویا عمارت کا مذاق ہی بدل گیا-
لکھنؤ مین اس انقلاب تعمیر کا اصلی باعث کچھ تو تخت نشینی سے پہلے نواب سعادت علی خان کی غریب الوطنی خانہ بدوشی اور اقوام یورپ سے ملنا جلنا تھا اور زیادہ تر یہ چیز تھی کہ جنرل مارٹن نے اپنے مذاق کی دو ایک کوٹھیان یہان بنوا کے ایک نئی وضع عمارت فرما رواؤن کے سامنے پیش کر دی جو بلحاظ مضبوطی کے ناقص اور باعتبار ضروریات زندگی کے نہایت ہی دلفریب تھی- جن عمارتون کی حالت بالکل اُن کھلونون کی سی تھی جو بچون کے ہاتھ مین دے دیے جاتے ہین - اور روز ٹوٹتے اور نئے خریدے جاتے ہین- ناقدین یورپ تنقید کرتے وقت بڑے زور و شور سے اعتراض کرتے ہین کہ آصف الدولہ کے بعد والے فرمان روایان لکھنؤ کا مذاق عمارت بالکل بگڑ گیا تھا - اور اُن کی تمام عمارتین لڑکون کے کھلونے یا لڑکیون کے گھرَوندے ہین - مگر ادھر توجہ نہین کرتے کہ یہ مذاق بگاڑا کس نے ؟ کہا جاتا ہے کہ یہان کا قومی مذاق اس لیے بگڑ گیا کہ یہان دراصل کوئی قوم تھی ہی نہین- اور اس کا خیال نہین کیا جاتا کہ یہان کی قومیت کو کس نے بگاڑا - اور کس کی کرشمہ سازیون نے لوگون سے اُن کی پرانی وضع چھڑا دی - سچ یہ ہے کہ ؏ اے بادصبا این ہمہ آوردۂ تست -
سعادت علی خان نے پہلی کوٹھی فرحت بخش پچاس ہزار روپیہ پر جنرل مارٹن سے مول لی - اُسی مین رہنا شروع کیا اور اُس کے متصل اور کئی مکان بنوائے پھر وہان سے قریب ہی صاحب رزیڈنٹ کی سکونت کے لیے ٹیڑھی کوٹھی تعمیر کی جس کے کھنڈرر رزیڈنسی کے اندر پڑے ہوئے ہین - اس کے بعد اپنے دربار کے لیے اُنھون نے لال بارہ دری تعمیر کرائی جس مین اب کتب خانہ ہے - اور اُن دنون قصر السلطان کے نام سے مشہور تھی - اس کے علاوہ دریا پار اُنھون نے دلارام نام ایک نئی کوٹھی تعمیر کی - اور اسی سلسلے مین ایک بلند ٹیکرے پر جو اب صدر یعنی لشکر گاہ لکھنؤ کے علاقے مین واقع ہوا ہے اور جہان سارے شہر گرد کے میدانون اور دریا کا دلکش منظر نظر کے سامنے ہوجاتا ہے ایک خوبصورت کوٹھی تعمیر کی - اور دلکشا اُس کا نام رکھا - اُسی طرح ایک

اور کوٹھی تعمیر کی جس کا نام حیات بخش قرار دیا۔ مگر وہ کوٹھی نواب سعادت علی خان کے بعد کے فرمان روایان اودھ کے استعمال مین نہین رہی - اُس مین غدر سے پہلے میجر بینک رہتے تھے۔ اور غدر کے بعد یہ معمول تھا کہ انگریزی گورنمنٹ کی طرف سے جو معزز یوروپین اودھ کے چیف کمشنر مقرر ہو کے آتے اُسی کوٹھی مین قیام کرتے۔

مذکورۂ بالا کوٹھیون کے علاوہ نواب ممدوح نے مشہور عمارتین منور بخش اور خورشید منزل بھی تعمیر کرائین - اور چوپڑ کا اصطبل بھی اُنھین کی یادگار ہے۔ مگر ان سب عمارتون کی تعمیرین پُرانی وطنی عمارت کی وضع ترک کر دی گئی - اور یورپ سے آئی ہوئی نئی جدتین اختیار کی گئین۔ اور ظاہر ہے کہ اس بارۂ خاص مین لکھنؤ کا کوئی فرمان روا بھی اُن نئی عالیشان عمارتون کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا جو خود دولت برطانیہ کے اثر اور اہتمام سے ہندوستان کے مختلف شہرون مین تعمیر ہو چکی ہین یا روز بروز تعمیر ہوتی رہتی ہین - غرض یہی زمانہ ہے جب سے لکھنؤ مین اُن قدیم مذاق کی عمارتون کا خاتمہ ہو گیا جو تاریخی وقعت رکھتی ہون - اور کسی خاص خوبی کے لحاظ سے سیاحون کو اپنی طرف بُلاتی ہون۔

نواب سعادت علی خان نے لکھنؤ کے مغربی حصہ مین ایک بڑا گنج بنوایا - اور اُس کی آبادی و رونق کے لیے اس قدر اہتمام کیا کہ اُس کے واسطے خاص قوانین وضع کیے گئے - اور تاجرون اور دُکانداروں کو خاص قسم کے حقوق عطا کیے گئے - اُس نے بڑی رونق پائی - اور آج تک باوجودیکہ شہر کی آبادی سے فاصلہ پر اور بالکل الگ واقع ہوا مختلف چیزون کی سب سے بڑی منڈی ہے - اور عالم نگر کا اسٹیشن صرف اُسی کی وجہ سے روز بروز ترقی پاتا جاتا ہے۔

سعادت گنج کے علاوہ دوسرے بڑے بازار جو نواب ممدوح کے عہد مین قائم اور آباد ہوئے حسب ذیل ہین - رکاب گنج (جو آج لوہے کی سب سے بڑی اور غلہ وغیرہ کی ایک ممتاز منڈی ہے) جنگلی گنج - مقبول گنج - مولوی گنج - گولا گنج - اور رستوگی محلہ - موتی محل مین جو اصلی اور پرانی عمارت ہے

وہ بھی نواب سعادت علی خان ہی کی بنوائی ہوئی ہے - یہ عمارت موجودہ احاطہ موتی محل مین شمال کی طرف واقع ہے - اُس مین ایک نہایت ہی نفیس سفید گنبد تھا جس مین کاریگر نے موتی کی سی آب و تاب پیدا کر دی تھی -

سعادت علی خان اودھ کے تمام فرمان روا‌ؤن سے زیادہ بیدار مغز و مدبر اور اُس کے ساتھ نہایت ہی کفایت شعار جُزرس بلکہ بخیل خیال کیے جاتے ہین - ملک کا انتظام اُنھون نے غیر معمولی ہوشیاری اور خوبی و شائستگی سے کیا - اور اس مین ذرا شک نہین کہ اگر اُن کو آخر عہد تک پورا اطمینان نصیب ہوجاتا تو تمام گذشتہ بدنظمیان اور خرابیان دُور ہوجاتین - اور وہ ملک کی پوری پوری اصلاح کر دے جاتے - لیکن خرابی یہ ہوئی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ اُن کے تعلقات اچھے نہین رہے - یہان تک کہ بعض اوقات اُن کا دل تاج و تخت اور فرمان روائی و جہان بانی سے کھٹا ہو گیا تھا - انھین باتون سے عاجز آ کے اُنھون نے آدھے سے زیادہ ملک سرکار عظمت مدار برطانیہ کے سپرد کر دیا - اور سمجھے کہ اب مین اپنے مقبوضہ علاقے مین بے خرخشہ و بے تردد حکومت کر سکون گا مگر افسوس کہ اب بھی اُن کو اطمینان اور چین نہ نصیب ہوا - جو ملک اُن کے قبضے مین چھوڑا گیا تھا اُس مین بھی جابجا انگریزی فوج کے کیمپ قائم کیے گئے - اور بڑی مقدار خاص لکھنؤ اور اُس کے حوالی مین مقیم ہوئی جس کی سنبھال دشوار تھی - اور اُس کی تعداد کے زیادہ ہونے سے سلطنت پر سخت بار پڑ گیا تھا - اس کے مقابل انھین اپنی بہت سی فوج گھٹا دینی پڑی - مگر باوجود ان افکار و ترددات کے اُنھون نے جو جو اصلاحین کین بہت کچھ قابل تعریف ہین - مگر سب سے عجیب یہ بات ہے کہ بازارون کی ترقی اور تجارت کے فروغ کے ساتھ اُن کے دربار مین باکمال لوگ اور قابل قدر لوگون کا اتنا بڑا مجمع ہو گیا تھا کہ اُس وقت ہندوستان کے اور کسی دربار مین ایسے صاحبان کمال نہ نظر آ سکتے تھے - ایسے لوگ اکثر اُسی جگہ جمع ہوا کرتے ہین جہان کے رئیس معمول سے زیادہ فیاضی ظاہر کیا کرتے ہون - سعادت علی خان جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہین جزرس اور بخیل تھے - مگر اس بخل و کفایت

شعاری کے ساتھ یہ صفت تھی کہ اُن کی ذاتی قابلیت دوسرے باکمالون کی لیاقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتی تھی - اور اسی بات نے اُن کے ہاتھون سے لائق لوگون کی بڑی بڑی قدرین کرائین - اور لکھنؤ پہلے سے زیادہ اہل کمال کا مرجع بن گیا - جو قابل آدمی جہان ہوتا سعادت علی خان کی قدر دانی کی شہرت سنتے ہی اپنے وطن کو خیرآباد کہہ کے لکھنؤ کا رخ کرتا - اور یہان آکے ایسا آرام پاتا کہ پھر کبھی وطن کا نام نہ لیتا -

سنہ ۱۲۴۳ محمدی (سنہ ۱۸۱۴ء) مین نواب سعادت علی خان نے سفر آخرت کیا - اور اُن کے بیٹے غازی الدین حیدر مسند حکومت پر رونق افروز ہوئے - قیصر باغ کی مربع عمارت کے اندر نواب سعادت علی خان اور اُن کی بی بی مرشدزادی کے مقبرے ہین - ان دونون مقبرون کی جگہ ایک مکان تھا جس مین نواب غازی الدین حیدر ایام ولی عہدی مین رہا کرتے تھے - باپ کی آنکھین بند ہوتے ہی جب وہ ایوان شہریاری مین گئے تو کہا "مین نے والد کا گھر لیا ہے تو ضرور ہے کہ اپنا مکان اُنھین رہنے کو دے دون" اس خیال کے مطابق نواب مرحوم کو اپنے گھر مین دفن کرایا - اور پُرانا مکان منہدم کرا کے یہ مقبرے تعمیر کرا دیے -

اب غازی الدین حیدر کے عہد مین نہ باپ کی سی بیدار مغزی اور دولت کی قدر تھی - اور نہ اگلے فرمان رواؤن کی سی فوجی سرگرمی - ہان آصف الدولہ کے عہد کی سی آرام طلبی اور عیش پرستی ضرور تھی مگر اُس مین بھی یہ فرق آ گیا تھا کہ آصف الدولہ کا اسراف بھی ملک و ملت کی نفع رسانی کے لیے ہوتا تھا اور اب خالص نفس پروری تھی -

غازی الدین حیدر کو باپ کا جمع کیا ہوا کرورون روپیہ کا نقد خزانہ مل گیا تھا جو شاہی شوق کے پورا ہونے مین نہایت ہی دریا دلی سے اُڑنے لگا - موتی محل مین ہم کہہ آئے ہین کہ شمالی جانب سعادت علی خان نے ایک کوٹھی تعمیر کرائی تھی - غازی الدین حیدر نے اُس احاطہ مین دو اور کوٹھیان تعمیر کرائین جن کے نام مبارک منزل اور شاہ منزل قرار دیے گئے - شاہ منزل کے

پاس ہی کشتیون کا ایک پُل تھا اور مبارک منزل اس سے مشرق کی طرف ہٹی ہوئی تھی۔ شاہ منزل کے محاذی دریا پار رمنہ تھا جو ہزاری باغ کے نام سے موسوم تھا اور اُس مین میلون تک نزہت بخش سبزہ زار چلا گیا تھا۔ اُس مین اکثر مست ہاتھی گینڈے اور وحشی درندے لڑائے جاتے اور بادشاہ اس پار شاہ منزل کے کوٹھے پر جلوہ فرما ہو کے اُن کی لڑائی کا تماشا ملاحظہ فرماتے۔ شیرون کی لڑائی بھی وہین ہوتی۔ جس کے لیے مضبوط کٹہرے اور ایک عمدہ سرکس بنا ہوا تھا۔ مگر جو چھوٹے غیر آزار رسان جانور لڑائے جاتے اُن کی لڑائی خاص شاہ منزل کے احاطہ مین اسی پار رہوتی۔

یہ درندون اور وحشی جانورون کے لڑانے کا شوق ہندوستان مین یہان سے پہلے اور کہین نہین سُنا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ رزیڈنٹون اور دربار کے اہل یورپ سے رومیون کے ایمفی تھئیٹر کے حالات سُن کے جہان پناہ کے دل مین شوق پیدا ہوا۔ اور رومتہ الکبریٰ والون کی ظالمانہ دلچسپیون کا مذاق لکھنؤ مین بھی پیدا ہو گیا۔ اور موتی محل مین یہان بھی ایک مختصر ایمفی تھئیٹر بن کے تیار ہو گیا۔

غازی الدین حیدر نے اپنی ایک یوروپین بی بی کے لیے ولایتی محل بنوایا۔ اور اُس کا نام ولایتی باغ قرار دیا۔ وہان سے قریب ہی قدم رسول کی عمارت تیار کرائی۔ غازی الدین حیدر کی آرزو کے موافق دربار انگریزی سے اُنھین "بادشاہی" کا لقب عطا کیا گیا۔ اس سے پیشتر فرمان روایان اودھ وزیر کے رتبے کے سمجھے جاتے اور سوا نواب کے اور کسی اعزازی لقب سے نہین یاد کیے جاتے تھے۔ اس زمانے تک ہندوستان مین شہنشاہی مغلیہ کی اتنی آن بان باقی تھی کہ اگرچہ ملک خود مختار و خود سر حکمرانون مین بنٹ گیا تھا اور شہنشاہ دہلی کے قبضہ مین صرف دہلی کے گرد و پیش کی زمین باقی رہ گئی تھی لیکن اس بے بضاعتی پر بھی شہنشاہ و جہان پناہ وہی تھے۔ نہ سریر آرایان دہلی کے سوا ہندوستان مین کسی کو "بادشاہ" کہلانے کا حق تھا اور نہ خطاب و عزت دینے کا۔ اُن کے اس غرور کے توڑنے کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی نے غازی الدین حیدر کو جنھون نے باپ کے اندوختہ

میں سے بہت سا روپیہ انگریزوں کو قرض دے دیا تھا - شاہی کا خطاب دیا - اور دربار اودھ نے اس عزت و سرفرازی کو نہایت ہی قدر کی نگاہ سے دیکھا - چنانچہ اس وقت سے حکمرانان اودھ جو رزیڈنٹوں کے ہاتھوں کے کھلونے تھے بادشاہ بن گئے - اور آخری فرماں روا واجد علی شاہ کے مرنے تک ان کا سرمایۂ ناز رہے

غازی الدین حیدر نے اسی خطاب شاہی کی یادگار میں دریا پار مچھی بھون کے ایک نیا بازار بسایا اور اُس کا نام بادشاہ گنج رکھا - اسی زمانے میں حکیم مہدی نے مہدی گنج آباد کیا - اور نائب السلطنت آغا میر کی شاہانہ عمارت کے دُور تک پھیل جانے کی وجہ سے عین وسط شہر میں محلہ آغا میر کی ڈیوڑھی قائم ہوا - اور اسی عہد میں آغا میر کی سرا تعمیر ہوئی -

بادشاہ کو اور اُن سے زیادہ بادشاہ بیگم کو مذہبی معاملات میں بہت زیادہ انہماک تھا - صفویہ خاندان کے زمانے سے ایران کا عام مذہب شیعہ اثنا عشری تھا - مگر ہندوستان کے عام مسلمان سُنی تھے - نواب برہان الملک چونکہ ولایت سے نئے آئے تھے اس لیے اُن کا اور اُن کے سارے خاندان کا مذہب شیعہ تھا - باوجود اس کے زمانے تک لکھنؤ میں حکومت کا وہی قدیم طریقہ چلا آتا تھا جو آغاز سلطنت اسلام سے دیگر بلاد ہند اور سارے ملک کا تھا - مگر اس وقت سے بادشاہ اور اُن کے خاص محل کے انہماک مذہبی کی وجہ سے شیعیت حکومت لکھنؤ کا ایک نمایاں عنصر بن گئی - فرنگی محل کے علما کی طرف سے حکمرانوں کی توجہ ہٹ گئی - اور خاندان اجتہاد عروج پا کے سلطنت کا اصلی مقنن قرار پایا -

لیکن شیعہ مذہب اپنی اصلی حالت پر قائم رہتا تو چنداں مضائقہ نہ تھا - خرابی یہ ہوئی کہ بادشاہ بیگم کی جاہلانہ اور امیرانہ مذہبی سرگرمی نے مذہب شیعہ میں نئی نئی بدعتیں ایجاد کیں - جن کی وجہ سے اسی قدر نہیں ہوا کہ بادشاہوں اور امیروں میں طرح طرح کی طفلانہ مزاجیاں پیدا کیں بلکہ لکھنؤ کی شیعیت ساری دنیا کی شیعیت سے نرالی اور عجیب ہو گئی -

سب سے پہلے بیگم صاحبہ نے امام صاحب العصر کی چھٹی کی رسم قرار دی جس پر اگر یہ ہوتا کہ کسی محفل مین امام ممدوح کے حالات بیان کرکے ثواب حاصل کر لیا جای تو مضائقہ نہ تھا مگر نہین یہان ہندوؤن کے جنم اسٹمی کے رسوم کے موافق پورا زچہ خانہ مرتب کیا جاتا - اس کے بعد یہ ترقی ہوئی کہ صحیح النسب سیدون کی خوبصورت لڑکیان لے کے ائمۂ اثنا عشر کی بی بیان قرار دی گئین جن کا نام اچھوتیان رکھا گیا۔ اور جب وہ امامون کی بی بیان تھین تو پھر اُن کے وہان امامون کی ولادت بھی ہوتی - اور بارھون امامون کی ولادت کی تقریبین بڑے کرو فر کے ساتھ منائی جانے لگین -

غازی الدین حیدر نہایت ہی غضبناک اور آشفتہ مزاج بادشاہ تھے - اور رعب و داب اس بلا کا تھا کہ اُن کے سامنے لوگون کے ہوش و حواس بجا نہ رہتے - اُن کے زمانے مین انگریزون سے تعلقات تو اچھے رہے مگر آغا میر جو وزیر السلطنت تھا دربار پر اس قدر حاوی تھا کہ خود بادشاہ بیگم اور ولی عہد سلطنت تک اُس کے آزار سے محفوظ نہ رہ سکے - غازی الدین حیدر اُسے گھونسون اور لاتون سے مارتے - جس مار کو وہ خوشی سے کھا لیتا - مگر اس کا بدلہ دیگر معززین دربار اور اعزاے شاہی تک سے لے لیا کرتا -

اس پہلے بادشاہ اودھ نے مذہبی ارادت و عقیدت سے دریا کنارے اور موتی محل کے متصل نجف اشرف یعنی روضۂ مطہرۂ حضرت علی کی نقل لکھنؤ مین بنوائی - اور اُس کی روشنی و خدمت کے لیے بہت سا روپیہ سرکار انگریزی کے حوالے کیا - جس کی بدولت آج تک وہ بارونق اور خوب آباد ہے - اور سنہ ۱۲۵۶ محمدی (سنہ ۱۸۲۷ع) مین جب اُن کا انتقال ہوا تو اُسی مین دفن ہوئے -

فقیرون کا بادشاہ

ہندوستان مین معمول ہے کہ لوگون کا ہر گروہ اور ہر طبقہ بہ اعتبار اپنے خصوصیات و اطوار کے دوسرون سے جدا رہتا ہے - اور اُس کے اخلاقی تعلقات اپنے ہی گروہ مین محدود رہتے ہین - اسی امتیاز کی وجہ ہے کہ

ہر گروہ کی بجاے خود ایک گورنمنٹ قائم ہوجاتی ہے جس مین ایک بادشاہ یعنی چودھری ہوتا ہے۔ اور اُس کی مشیر ایک مجلس وزرا ہوتی ہے جسے پنچایت کہتے ہین۔

اس قسم کا نظام تمدن بعض دیگر ممالک مین بھی قائم ہے مگر وہان اس نظام کو ایسی قوت نہین حاصل ہوسکتی جیسی کہ ہندوستان مین ہے۔ اس کی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے فرزندون مین ذات اور برادری کی ایسی تفریقین واقع ہوئی ہین کہ وہ بالطبع اسی نظام کے خواستگار ہین۔

ہمین اپنے ایک قدامت پرست دوست سے معلوم ہوا کہ پچیس تیس سال کا زمانہ ہوا سندیلہ مین ایک پُرانے ہیجڑے کے مرجانے پر قریب قریب شمالی ہند کے کل ہیجڑے جمع ہوئے تھے۔ جن مین ایک ہیجڑون کا بادشاہ بھی تھا۔ جس کی شاید نواح فرخ آباد مین بہت بڑی جاگیر تھی۔ اور اُس کی نسبت یہ روایت مشہور تھی کہ شاہنشاہان دہلی مین سے کسی تاجدار کا کوئی بیٹا ہیجڑا ہوگیا تھا۔ پہلے تو باپ کی نظر مین وہ ذلیل وخوار رہا۔ لیکن آخر بادشاہ کا بیٹا تھا مجبوراً اُسے دہلی سے دُور ایک بڑی جاگیر عطا کی گئی تاکہ گھر سے الگ وہین بیٹھ کے اپنی بےشرمی کی زندگی ختم کردے۔ ہیجڑون نے اُس کی یہ قدر کی کہ اپنا بادشاہ بنالیا۔ اور اُس وقت سے جو ہیجڑا اُس گدی پر بیٹھا ہیجڑون کا بادشاہ قرار پاگیا۔

غرض ہندوستان مین قریب قریب ہر ذلیل وحقیر گروہ کی ایک جماعت قائم ہوتی ہے جس کا کوئی فرمان روا بھی ضرور ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ ہر گروہ اور ہر طبقہ کی شاہیان یہان مدت ہاے دراز سے چلی آتی ہین۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ ایک سب سے ذلیل گروہ کی بادشاہی کبھی ہندوستان مین نہین سنی گئی تھی جس کا تکملہ انگلستان نے کردیا۔

ہندوستان مین کبھی کوئی فقیرون کا بادشاہ نہین سنا گیا۔ اگرچہ تصوف کے عام مذاق اور درویش پرستی کے رجحان نے یہان ہر فقیر کو "شاہ جی" کا لقب دے کے شاہی دلوادی۔ اور ہر فقیر اپنی گدی اور اپنے تکیہ کا

بادشاہ بن گیا۔ اور جب ہر فقیر یہان ایک بادشاہ بن گیا تو پھر کیونکر ممکن تھا کہ وہ کسی ہم عصر کے آگے سر نیاز جھکائے؟ اور کسی کو ان کی بادشاہی کا فخر حاصل ہو؟ لیکن انگلستان مین فقیرون کا ایک نامی گرامی بادشاہ ہو چکا ہے جس کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ وہان کے عام فقرا "شاہ صاحب" نہین مانے جاتے۔

اِن انگلش شاہ گدایان کے حالات غالباً دلچسپی سے خالی نہ ہون گے۔ ان شاہ صاحب کا نام "کاریو بام فائلڈ مُور" تھا اور لقب "فقیرون کا بادشاہ" آپ ایک گرجے کے مہتمم پادری صاحب کے فرزند دلبند تھے۔ مگر سیاحت کا اس قدر شوق تھا کہ سوا شہرون شہرون مارے پھرنے کے کسی ایک جگہ قدم نہ جمتا۔ ہنوز وطن ہی مین تھے کہ چند جپسی لوگون نے بستی کے باہر آکے پڑاؤ ڈالا۔

جپسی ایک خانہ بدوش قوم ہے جو نہ کہین گھر بناتے ہین اور نہ کہین پاؤن توڑکے بیٹھتے ہین۔ متمدن لوگون کے خلاف وہ نہایت ہی بے پروا۔ بے تکلف اور سادہ مزاج ہوتے ہین۔ گداگری کرتے ہین۔ اور ہاتھ دیکھ کے آیندہ زندگی کے حالات بتانا۔ اور انسان کو تقدیری واقعات اور پیش آنے والے سوانح سے مطلع کرنا اُن کا کام ہے۔ انگلستان مین مشہور ہے کہ جپسی بچون کو پکڑ لے جاتے ہین۔ اور جب اُن کا کوئی خاندان کسی بستی مین ہو کے گزرتا ہے تو مائین بچون کو گھرون مین پکڑ کے بٹھا لیتی ہین اور اکثر بچہ خود ہی ایسے سہمے ہوتے ہین کہ اُن کا نام سنتے ہی کونون مین دبک جاتے ہین۔

بہ خلاف عام اہل انگلستان کے جو جپسی لوگون سے الگ ہی الگ رہتے ہین یہ شاہ کاریو صاحب اُن سے جا کے ملے۔ ملاقات پیدا کی اور چند روز مین ایسا ربط وضبط پیدا کر لیا کہ ان کو اُن سے اور اُن کو ان سے ملنے مین لطف آنے لگا۔ ان ملاقاتون مین شاہ کاریو کو جپسیون کی زندگی بہت پسند آئی۔ اُن کی خانہ بدوشی کی روا روی اور اُن کی شادی کی زندگی مین کچھ ایسی دلکشیان نظر آئین کہ جس طرح اگلے دنون ہمارے یہان بعض بگڑے شریف زادے شہدون کی زندگی پسند کر کے اُنھین مین مل جُل

جاتے اور اُن کی معاشرت اختیار کر لیا کرتے تھے آپ نے اُن کی زندگی اختیار کر لی تمام دوستوں اور عزیزوں کو خیرباد کہہ دی اور حبشیوں کے ساتھ ہو لیے۔

اس زندگی کے اختیار کر لینے کے بعد شاہ کاریو نے طرح طرح کے کارنامے دکھانے ہر گھڑی ایک نئی وضع میں آنے اور ایک نیا فقرہ بنانے میں ایسے کمالات دکھائے کہ لوگ اُن کی باتوں کو جادو یا کرامت ماننے لگے۔ ایک ہی صحبت کے سامنے دن میں چار چار پانچ پانچ بار آتے۔ ہر دفعہ ایک نئی بات بنا کے پیش کرتے اور کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آتا کہ یہ وہی شخص ہے جو ابھی چند گھڑیاں ہوئیں دوسری وضع میں آیا اور کوئی اور فقرہ دے کے کچھ وصول کر لے گیا ہے۔ کبھی وہ ایک ستم زدہ مہتم کنیسہ بن کے آتے اور کہتے "میں قاعدے کے موافق حلف نہ اُٹھا سکا اور اپنی خدمت سے محروم رہ گیا" دوسری بار دوسرے بھیس میں آکے فرماتے "میں ایک کویکر[ع۵] ہوں تجارت میں گھاٹا ہونے سے تباہ ہو گیا"۔ تیسری بار تیسری وضع میں آکے فرماتے "میں ایک کشتی شکستہ ہوں۔ جہاز ڈوب گیا۔ اور مجھے تختوں یا موجوں نے ساحل پر پھینک دیا"۔ چوتھی بار چوتھے بہروپ میں آکے کہتے "میں فلاں گاؤں کا لوہار ہوں۔ بھٹی کے بھڑک اُٹھنے سے آگ لگ گئی۔ اور سارا گھر جل کے خاک ہو گیا۔ بی بی بچے شعلوں کی نذر ہوئے مصیبت کے ایام کاٹنے کے لیے میں زندہ ہوں" ہر گھڑی نیا رُوپ بھرنے میں ان شاہ صاحب کی اس قدر شہرت تھی کہ تمام لوگوں کی زبان پر تھا "ہر لحظہ بوضع دگر آن یار برآمد"۔ اور متحیر ہو ہو کے کہتے کہ پروطیوس[ع۵] بھی

ع۵ کویکر مسیحیوں کا ایک نیا مبتدع گروہ تھا جو لوگ حلف اُٹھانے کو بُرا سمجھتے۔ اور اپنی راست بازی میں مشہور ہیں۔

ع۵ پروطیوس یونانیوں کا ایک دریائی دیوتا تھا جسے گھڑی گھڑی اپنی صورت بدل لینے میں کمال بتایا جاتا ہے۔ وہ لوگوں کو آیندہ قسمت کا حال بتاتا تھا۔ جزیرۂ فارُس کے ایک غار میں رہتا۔ لوگ وہاں اُس سے غیب کی باتیں پوچھنے کو جاتے لیکن صرف اُسی صورت میں کامیاب ہوتے جب کہ وہ سوتا ہوا ملتا۔ کیونکہ اگر جاگتا ہوتا تو اپنی ایسی صورت بنا لیتا کہ کوئی پہچان ہی نہ سکتا۔

اتنی جلدی صورت نہ بدل سکتا ہوگا جس قدر جلد یہ حضرت روپ بدل لیا کرتے ہین - ایک خاص طریقہ آپ نے یہ اختیار کر رکھا تھا کہ کسی خاص تدبیر سے لوگون کے کتون کو پھسلا لے جاتے - اور کسی کو کانون کان خبر نہ ہوتی - اس جرم مین آپ دو دفعہ گرفتار ہو کے سزایاب اور امریکہ مین جلا وطن کر دیے گئے - مگر دونون دفعہ کوئی نہ کوئی جلتن کر کے وہان سے بھاگ آئے -

انھین جلا وطنیون مین سے ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ علاقۂ ورجینیا سے چلے تو بڑا بھاری جنگل قطع کیا - امریکہ کے مشہور دریاے ڈیلاوار کے اس پار اس وضع مین آئے کہ ایک گھوڑے کی پیٹھ پر سوار تھے - اور لگام کے عوض صرف ایک رومال اُس کے سر سے اٹکا ہوا تھا -

مملکت گدائی کے اس نامی فرمان روا کی نسبت کہتے ہین کہ بلا کا حافظہ پایا تھا - اور جس سے بات کرتا اُس کا دل اس طرح لُبھا لیتا کہ مجال نہ تھی وہ دھوکا نہ کھا جائے - نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ کبھی ایک رئیس اعظم بن جاتا اور کبھی ایک درویش بے نوا -

آپ نے اپنے ہم مذاق لوگون یعنی مکار فقیرون کی ایک بڑی بھاری جماعت پیدا کر لی - جو ملک کے لیے ایک زبردست فتنہ تھی - اور چونکہ تمام باتون مین آپ سب سے زیادہ قابلیت اور کمال رکھتے تھے اس لیے سب نے مل کے آپ کو اپنا بادشاہ منتخب کیا - اور اُسی وقت سے آپ فقیرون کے بادشاہ مشہور ہوئے - اور آخر زندگی تک اس معزز خدمت کو ایسی خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ جیتے جی آپ ہی اُن کے فرمان روا رہے - کسی اور کے منتخب کرنے کی ضرورت نہین پیش آئی -

آخر اسی حکومت و فرمان فرمائی کے ساتھ سنہ ۱۷۷۰ء مین ستتّر برس کی عمر پا کے آپ دنیا سے رخصت ہوئے - اور انگلستان مین علاقۂ ڈیون شائر کے قصبۂ بکلے مین سنہ ۱۶۹۳ عیسوی مین پیدا ہوئے تھے -

ریویو

فلسفۂ جذبات یعنی نفسانیات (سائیکالوجی) پر اُردو زبان مین سب سے پہلی کتاب مصنفۂ مولوی عبدالماجد صاحب بی - اے - یہ کتاب ۱۸×۲۲ پیمانے کے ۲۲۹ صفحون پر ختم ہوئی ہے - انجمن ترقی اُردو نے اسے اپنے اہتمام سے طبع کروا کے شایع کیا ہے اور اُردو کے کتب خانے مین ایک نہایت ہی قیمتی کتاب اضافہ کر دی ہے - جو جذبے نفس انسانی اور نفوس حیوانی مین پیدا ہوا کرتے ہین اُن پر خوش اسلوبی کے ساتھ عالمانہ و محققانہ بحث اس کے سوا اور کسی اُردو کتاب مین نہ نظر آئے گی - جو حضرات عالمانہ مذاق کے دلدادہ ہین ضرور ملاحظہ فرمائین - مولوی عبدالماجد صاحب نہایت ہی گہرا علمی مذاق رکھتے ہین - اور مسلمانون مین اُن کے ہم مذاق چند ہی لوگ نظر آئین گے - ملک مین ایسے فلسفیانہ مذاق کا پیدا ہونا بڑی خوش نصیبی کی بات ہے - اور تعلیم یافتہ اہل وطن کا فرض ہے کہ اس علمی خدمت کی قدر اور مصنف کی حوصلہ افزائی کرین - آخر مین "فرہنگ مصطلحات" کے عنوان سے گیارہ صفحون کی ایک فہرست لگی ہوئی ہے جس مین ۱۳۵ نو ایجاد اصطلاحات بتائے گئے ہین جن کو فاضل مصنف صاحب نے خود ہی اختراع کر کے اُن سے علمی مسائل کے ادا کرنے مین کام لیا ہے - یہ کتاب دو قسم کے کاغذون پر چھپی ہے - عمدہ کاغذ والی کی قیمت عہ؍ اور دوسرے درجہ والی کی قیمت عہ؍ فی جلد ہے - مہتمم صاحب "دارالاشاعت انجمن ترقی اُردو" سے فلاور ملز لکھنؤ کے پتہ پر خط بھیج کے منگوائی جائے -

فتح قسطنطنیہ یہ ۲۰×۲۶ پیمانے کے ۱۳۸ صفحون کا نہایت ہی نفیس چھپا ہوا ایک بیش بہا رسالہ ہے جس مین حاجی بدرالدین احمد صاحب بی - اے نے سلاطین آل عثمان کے دلچسپ حالات آغاز سے فتح قسطنطنیہ کے زمانے تک بڑی خوبی کے ساتھ موثر اور پُر جوش زبان مین بیان فرمائے ہین - قیمت فی جلد عہ؍ ہے - ملک مین تاریخ کا مذاق ترقی کر رہا ہے - اور ہمین یقین ہے کہ ہمارے جن دوستون کو اسلامی تاریخ مین دلچسپی ہے اس تازہ تصنیف کو بہت پسند فرمائین گے - جو نمبر ۱۹ ۱۹؍

اسمٰعیل اسٹریٹ ڈاکخانہ انٹالی - کلکتہ" کے پتہ پر خود مصنف صاحب کو لکھ کے منگوائی جا سکتی ہے -

رہبر کامل یہ چھوٹے پیمانے کے ۴۰۵ صفحون کی ایک ضخیم کتاب ہے اور غرر الحکم و درر الکلم" نام ایک عربی کتاب کا ترجمہ ہے جس مین حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے کلمات و نصایح حروف تہجی کی ترتیب سے جمع کر دیے گئے ہین - اصلی عربی کتاب کے مولف کا اسم گرامی علامہ عبدالواحد محمد بن عبد الاحد احدی تمیمی ہے - اسناد و صحت روایت مین جو مصنفین سلف مشہور ہین اُن مین ہمین اس مصنف کا نام کہین نہین نظر آیا - اور نہ مترجم صاحب نے اُن کے حالات اور اُن کے زمانے سے ہمین اطلاع دی ہے - لہذا یہ کتاب علم و حکمت کا چاہے کتنا ہی بڑا خزانہ ہو لیکن حضرت علی مرتضی کی جانب منسوب ہونے کی وجہ سے ہم مجبور ہین کہ اس کے ہر ہر مقولے کی تنقید روایت اُسی احتیاط سے کرین جس احتیاط کا لحاظ اہل اسلام سلف سے آج تک احادیث و آثار صحابہ کے بارے مین کرتے آئے ہین - اور جب تک ایسی صحیح روایتون سے جو ہر طرح کی پرکھ مین پوری اترین یہ اقوال ہمارے سامنے نہ پیش کیے جائین ہم اُنھین حضرت علیؓ کی طرف منسوب کرنا شان مرتضوی مین بے ادبی تصور کرتے ہین - حضرت علیؓ کا ایک دیوان اشعار بھی موجود ہے نہج البلاغہ مین آپ کے خطبات بھی جمع کر دیے گئے ہین - لیکن اصول تنقید کی رُو سے کوئی بھی اس قابل نہین کہ اُس پر وثوق کیا جائے - اس رسالہ کی قیمت عہ ۸ فی جلد ہے اور مہتمم صاحب کتب خانہ اسلامی کی خدمت مین "یکی دروازہ - لاہور - پنجاب" کے پتہ پر درخواست بھیج کے طلب کی جا سکتی ہے -

---

چند خیالات و واقعات

مسلمانون کو خواجہ کمال الدین صاحب کا نہایت ہی شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نازک زمانے مین جبکہ دنیاے اسلام مین ہر جگہ سیاسی انحطاط نظر آ رہا ہے اُن کی خالص ہی سرگرمیون سے اسلام کی روحانی ترقیان کوکب اقبال کی طرح نمایان ہوئین - اسلام کا روحانی علم بالحال اُن قومون کے ہاتھون مین ہے جو بڑھاپے کی وجہ سے ناتوان و کمزور ہین - اس لیے خدا کی اگر مرضی ہے کہ یہ سجادین باقی رہے تو بے شک اب وہ اس علم کا حامل و حامی ان قومون کو بنائے گا جن کے ارادے نئے اور حوصلے تازے ہین - اور جن کی رگون مین

نیا پُرجوش خون دوڑ رہا ہے - خدا کی یہ مشیت اگر خواجہ صاحب کے ذریعہ سے پوری ہوتی نظر آتی ہے تو ہمیں اُن کی نہایت ہی قدر کرنی چاہیے - مسلمانون مین اگر اپنے دین کی سچی محبت ہے تو خواجہ صاحب کو پوری مدد دین گے اور کوشش کرین گے کہ اُن کا مشن مضبوط ہوجائے بعض حضرات فرماتے ہین کہ مسلمانون کو پہلے خود ہندوستان کی مسلمانون کو اور اس کے بعد یہان کے عام لوگون کو مسلمان بنانا چاہیے یہہ وہ سچ فرماتے ہین - اور اسی لیے ہم ان کی خدمت مین بکمال التجا عرض کرتے ہین کہ اس حصہٗ تبلیغ کو جو اُن کے نزدیک مقدم ہے اپنے ذمے لین - اور جس کسی نے بعد کا کام اپنے ذمے لیا ہے اُسے اُس کا کام کرنے دین -

---

جو حضرات ایسی رائین دیا کرتے ہین وہ شاید ایک بڑی قوم کو چند ممبرون کی چھوٹی انجمن سمجھے ہوئے ہین - کارروائیون کے لیے اس قسم کا پروگرام بنانا کمیٹیون اور انجمنون کا کام ہے - قومین جن کے افراد لاکھون کرورون سے تجاوز کیے ہون اپنے لیے کوئی پروگرام نہین بناتی ہین اور نہ بنا سکتی ہین - اُن کے مختلف گروہ بلالحاظ تقدم و تاخر اپنے خیال اور اپنے جوش کے مطابق مختلف کامون مین لگ جاتے ہین - اور سچا خیراندیش قوم و خادم ملت وہی ہوتا ہے جو ہر گروہ کو اُس کے مقاصد مین مدد دے - اور ہم سے پوچھیے تو ہمارے نزدیک سب سے اہم اور سب سے مقدم دینی خدمت یہی ہے جو خواجہ صاحب بجالا رہے ہین - اور اُن کی مدد مین کمی کرنا ایسی بے حسی ہے جس کے بعد مایوسی کے سوا کچھ نہین ہو سکتا -

---

ہمین افسوس ہے کہ ہمارے نہایت پرانے دوست منشی گنگا پرشاد ورما اڈیٹر ہندوستانی و ایڈوکیٹ دنیا سے رخصت ہوگئے - وہ ہماری عنفوان شباب کی ساتھی اور پوری رفیق زندگی تھے - اُنھون نے لکھنؤ کو باغ بنا دیا - اور اگر چندے وہ اور زندہ رہتے تو خدا جانے لکھنؤ کیا ہو جاتا - اُنھون نے لکھنؤ میونسپلٹی کو زندہ کر دیا تھا - جس سے شہر کو بیحد نفع پہونچا - اُن کی وفات پر افسوس کرنا صرف اُن کے پس ماندون کی ہمدردی نہین بلکہ شہر لکھنؤ کی ہمدردی ہے - اس لیے کہ لکھنؤ کو ایسا سچا دوست پھر مشکل سے ملے گا -

حسن کی کرشمہ سازیان

بثینہ محبوبہ جمیل

عاشق و معشوق ہر قوم اور ہر سرزمین مین گزرے ہین مگر جیسے اور جتنے وارفتہ مزاج نامی عاشق خاک عرب نے پیدا کیے شاید اور کوئی ملک نہ پیدا کرسکا ہوگا۔ ہر ملک کے لٹریچر مین دو چار جانبازان محبت کے نام ضرب المثل اور شاعری کے عنصر قرار پا گئے ہین۔ مگر عرب مین بیسیون عاشقون نے اپنی بیتابیون اور بیقراریون کی بدولت ناموری کی شہ نشین پر جگہ پائی اور سب ملکی لٹریچر مین ضرب المثل ہو گئے۔

عرب کا قریب قریب ہر شاعر عاشق تھا۔ اور عاشق بھی نام کا نہین بلکہ سچا عاشق جسنے کسی معشوقہ کو دل دیا۔ زندگی بھر اُس کے عشق مین سر گشتہ رہا۔ اور اُسی کے فراق مین روتا ہوا مرا۔ ان عشاق عرب مین سے صرف ایک مجنون عامری کا نام تو عربی شاعری سے نکل کے فارسی اور اردو شاعری مین بھی آگیا لیکن دوسرے دلدادہ عاشقون کے نام عربی ہی کی ادب مین رہے جسکی وجہ سے ہمارے تمام اہل وطن کو اُنکے حالات کی بہت ہی کم اطلاع ہو سکی۔

ان خالص عربی شاعری کے نامورانِ عشق مین سے قیس لُبنیٰ کے سچے حالات ہم اپنے ایک ناول کے ذریعہ سے قدردانان دلگداز کے سامنے پیش کر چکے ہین۔ اب ایک

دوسرے عاشق کے حالات نذر ناظرین کرتے ہین جس کا نام جمیل تھا۔ اور اُسکی معشوقہ بھی بثینہ تھی جس کا خوبصورت نام ہمنے زیب عنوان کیا ہو۔ حُسن کی کرشمہ سازیون کے سلسلہ مین ہمین صرف اس نازنین عرب کے واقعات سے تعلق ہو۔ مگر عشق عاشق و معشوق کو ابد الآباد تک کیلئے باہم ایسا وابستہ کر دیا کرتا ہو کہ دونون کا جدا کرنا امکان سے باہر ہو جاتا ہو اور ایک کے حالات دوسرے کے حالات بنجاتے ہین۔

بثینہ بنت حبا قبیلۂ بنی عُذرہ کے ایک نہایت معزز خاندان کی لڑکی تھی۔ ہم بتا چکے ہین اور غالباً ہمارے ناظرین کو یاد بھی ہو گا کہ بنی عُذرہ سارے عرب مین حسن و عشق کے لحاظ سے ممتاز تھے۔ اُن کی لڑکیان جیسی حسین و نازنین ہوتی تھین ویسے ہی اُنکے لڑکے عاشق مزاج اور تیغ ابرو کے گھائل ہوا کرتے تھے۔ اسی عشق کی چاشنی نے بنی عذرہ کے لڑکون اور لڑکیون دونون مین شاعرانہ مذاق پیدا کر دیا تھا۔ لڑکے جس جوش و خروش سے عاشقانہ اشعار کہتے ویسے ہی ذوق و شوق سے لڑکیان اُن اشعار کو سنتی اور پڑھتی تھین۔ اور ضرورت یا جوش کے وقت مین خود بھی غزلخوان ہو جایا کرتی تھین۔

غرض بثینہ ایسے زندہ دل قبیلہ کی ایک پاک باطن و عفت شعار لڑکی تھی جس کا زمانہ تابعین کا تھا۔ اسکی شادی نبیہ بن اسود نام ایک شریف نوجوان کے ساتھ ہو گئی تھی۔ اسکے ذاتی صفات یہ تھے کہ قبیلہ کی تمام لڑکیون سے زیادہ شیرین ادا و صاحب جمال اور حد درجہ کی سخن سنج و فصیح البیان تھی۔ اُس کی آنکھ مین بھی جادو تھا۔ اور زبان مین بھی اور انھین خوبیون نے اس کے ہم قوم شاعر جمیل بن عبد اللہ کو اسکا عاشق بنا دیا جو عہد بنی امیہ کے اعلیٰ ترین شعرا مین سمجھا جاتا ہو۔

عشق کی شمع دونون دلون کے اندر بچپن ہی مین روشن ہو گئی تھی جس سے پتہ چلتا ہو کہ اگر بثینہ کے حسن کی شہرت جمیل کے اشعار سے ہوئی تو جمیل کو بثینہ ہی کے دلبستان حسن نے شاعر بنایا۔ آغاز عشق یون ہوا کہ ایک دن جمیل اپنی اونٹنیون کو چراتا ہوا علاقہ بغیض کی ایک وادی مین لے آیا جہان پانی بھرا ہوا تھا۔ یہان پہونچ کے خود ایک مقام پر صاف جگہ دیکھ کے لیٹ گیا۔ اور اونٹنیون کو چھوڑ دیا بعض چرنے لگین۔ بعض پانی پر جھکین۔ اور بعض بیٹھ کے جوگالی کرنے لگین۔ اتفاقاً اس وادی کے کنارے ایک طرف بثینہ کے قبیلہ کا پڑاؤ تھا۔ بثینہ اپنی ایک ہمسن سہیلی کے ساتھ یہان پانی

لینے کو آئی۔ راستہ مین جمیل کی اونٹنیان بیٹھی تھین۔ بثینہ نے انھین کچھ اس طرح شوخی کے ساتھ چھیڑا کہ وہ بھڑک کے بھاگین۔ اور جمیل نے گالی دیکے کہا "میری اونٹنیون کو کیون ستایا؟" بثینہ نے یہ سخت وسست کلمات سنے تو اُسے کہان تاب تھی؟ بگڑ کھڑی ہوئی۔ اور ایک کی سو سنا دین۔ لیکن اُسکے اس بگڑ نے اور کوسنے مین کوئی ایسی دلفریب ادا تھی جس نے جمیل کی خرمن جان مین عشق کی آگ لگا دی۔ دل مین کہا۔ ع جواب تلخ می زیبد لب لعل شکرخارا۔ ساتھ ہی خیال آیا کہ کاش میری یہ تمنا پوری ہوتی اور یون کہ

گالیان کھائے پر مزے کے ساتھ　　گال گورے سے چومتا جائے

بس یہی جمیل کا آغاز عشق تھا جسے وہ خود اپنے اس شعر مین یاد دلاتا ہے۔

واول ما قاد المودة بيننا　　بوادي بغيض يا بثين سباب

(جس ادا نے پہلے پہل ہم دونون مین محبت پیدا کی وہ اے بثینہ تیرا کوسنا تھا)

غالباً یہ وادی القری کا واقعہ ہے جو مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان واقع ہے اور جہان جمیل کا نشو ونما ہوا تھا۔ اب دل مین عشق کی گرمی پیدا ہوئی تو طبیعت شاعرانہ رنگینیان اور اُس کے ساتھ ہی ساتھ سچے جوش کی بیتابیان دکھانے لگی۔ آخر اپنے درد دل کو اشعار کے ذریعہ سے ظاہر کرنے لگا اور وہ اشعار اہل زبان مین مقبولیت حاصل کرنے لگے اور چند ہی روز مین بثینہ پر اسکا عشق سارے عرب مین مشہور ہو گیا۔ جمیل کے مان باپ نے بیٹے کی یہ حالت دیکھی تو بثینہ کے باپ کو اپنے لڑکے کا پیام دیا۔ وہ اُس کے عشق کی خبرین سُن سُن کے سخت برہم ہو رہا تھا۔ شادی کا پیام سُن کے بگڑ کھڑا ہوا اور کہا "شریف زادیون کا نکاح اُن بدمعاشون کے ساتھ نہین ہو سکتا جو ان پر اظہار عشق کر کے انھین بدنام کرتے ہون۔" غرض یہی نہین ہوا کہ بثینہ کے باپ نے جمیل کا پیام نامنظور کیا۔ بلکہ نبیہ بن اسود نام ایک اور شخص کے ساتھ اسکا نکاح بھی پڑھا دیا۔ اور سمجھے کہ جھگڑا ہمیشہ کے لیئے چک گیا۔ جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہین۔

جمیل کے لیے اس سے بڑی کوئی ناکامی نہ ہو سکتی تھی مگر عشق سچا تھا اور کسی شہوانی خواہش نے اُسے بثینہ کے رخ زیبا کا دیوانہ نہین بنایا تھا۔ اس خبر نے آتش عشق کو اور بھڑکا دیا۔ اور رات دن اسی کوشش مین رہنے لگا کہ کسی طرح بثینہ سے ملے۔

اُس کے حسن عالم آشوب کی زیارت کرے - اُسکی پیاری باتین سُنے اور اُسے اپنے پُرسوز اشعار سُنائے - بثینہ کے بھائی حَوَاش نے جب یہ دیکھا کہ بثینہ کی شادی ہوجانے پر بھی جمیل اُس پر اپنا عشق ظاہر کرنے اور اپنے اشعار مین اُسپر تشبیب کرنے سے نہین باز آتا تو غصہ مین آکے خود بھی شعر کہنا شروع کیے جن مین جمیل کی بہن پر اپنا عشق ظاہر کرتا جمیل نے اسکی بھی کچھ پروانہ کی - لیکن حَوَاش کو چند ہی روز مین نظر آگیا کہ اُس کے اشعار کو کوئی سنتا بھی نہین اور جمیل کے اشعار جمیل کی زبان سے نکلتے ہی ساری دنیا کی زبان پر جاری ہوجاتے ہین مجبوراً اسنے اپنی بیہودہ شاعری چھوڑ دی اور سمجھ گیا کہ جمیل کا عشق ایک ایسی بلا ہے جو کسی طرح نہین ٹل سکتی -

لیکن بثینہ کے باپ بھائی اور شوہر کا زور ہی کیا چل سکتا تھا جبکہ خود بثینہ دل مین جمیل کے عشق کی قدر کرتی تھی - اور باوجود دوسرے کی منکوحہ ہونے کے اُس کو جمیل کے ساتھ ایسا لگاؤ ہوگیا تھا کہ دل کو اُسکی طرف سے پھیرنا اختیار سے باہر تھا -

ان دنون جیسا کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے عرب کی مسلمان عورتون کا معمول تھا کہ اچھے کپڑے پہن کے اور پورا بناؤ سنگھار کر کے عید کے دن عیدگاہون مین جایا کرتین - اور اپنے عزیزون اور دوستون سے بے تکلف ملتین - جمیل کو یہ موقع غنیمت معلوم ہوا عیدگاہ مین جا کے وہ جگہ ڈھونڈھ نکالی جہان بثینہ اپنی رازدار بہن اُم الحسین کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی - جمیل کو دیکھ کے وہ خوش ہوئی - اُس سے کھل کے ملی - باہم سوال و جواب رہے جن سے ناز و نیاز کے صدہا اسرار خایان ہو رہے تھے - غرض دیر تک لطف و محبت کی باتین رہین - اور آخر دونون ایک دوسرے کی ملاقات سے محظوظ ہو کے اپنے اپنے گھر واپس گئے - جمیل نے بے انتہا کوشش کی تھی کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے اسکا راز عشق دوسرون پر ظاہر ہو جائے - لیکن عشق بھلا چھپنے والی چیز ہے؟ اُن تمام لڑکون اور لڑکیون پر جو اس صحبت مین شریک تھے راز فاش ہوگیا جس کو خود جمیل نے محسوس کر کے اپنے نئے اشعار مین ظاہر کیا اور بصد حسرت و یاس کہا کہ "ہائے! اب پھر اسال عید ہی مین ملنا ہوگا"

اِن اشعار نے راز عشق کو اور طشت از بام کر دیا - اہل قبیلہ نے بثینہ سے کہا کہ خبردار پھر کبھی اس شریر شخص سے نہ ملنا" مگر اُس کے تو دل کو لگی ہوئی تھی قسم کھا گئی

کہ "چاہے کچھ ہو مین تو جمیل سے ضرور ملونگی - اور جب سنونگی کہ دروازے پر آیا ہی بلا تامل باہر نکل آؤنگی"۔ بثینہ کی اس قسم کا حال جمیل کو معلوم ہوا تو بار بار قبیلہ کے پڑاؤ کے آس پاس منڈلانے اور تاوے بھرنے لگا۔ کسی نہ کسی ذریعہ سے اسے اپنے آنے کی خبر کر دیتا وہ بھی کوئی نہ کوئی بہانہ کرکے گھر سے نکل کے آتی - دونون ایک دوسرے کے دیدار سے خوش ہوتے جبتک موقع پاتے بیٹھ کے باتین کرتے اور رخصت ہو کے اپنے اپنے مقام مین چلے جاتے

ان خبرون کو سُن سُن کے بثینہ کے اعزہ دانتون سے انگلیان کاٹتے - مارے غیرت کے زمین مین گڑے جاتے - اور مشتعل ہو ہو کے انتقام کے درپے ہوتے - یہان تک نوبت پہونچی کہ سب اس تاک مین تھے کہ کسی جگہ دونون کو باتین کرتے دیکھین اور تلوارین مار کے وہین ختم کر دین - اتفاقاً ایک دن اُنھین خبر لگ گئی کہ آج جمیل بثینہ سے ملنے کو آنے والا ہی فوراً دس بارہ آدمی تلوارین باندھ باندھ کے گھاٹیون مین چھپ رہے - اب ادہر سے بثینہ اور اسکی بہن ام الحسین گھر سے نکل کے ایک وادی مین پہونچین - اُدھر سے جمیل ایک تازہ دم اور صبا رفتار سانڈنی پر سوار آیا - اور معشوقہ سے مل کے جوش دل کو ظاہر کرنے لگا - جس طرح بُلبُل پھولون مین بیٹھ کے چہکتا ہی ویسے ہی آپ نے بثینہ کا رخ زیبا دیکھتے ہی غزل خوانی شروع کر دی - اور شکوہ و شکایت کا دفتر کھل گیا - اپنے اشعار خوب گا گا کے سنائے - اور آخر ایک شعر سنایا جس کا مطلب یہ تھا کہ "اے بثینہ تیرے قبیلہ کے جن مردون نے میرے مار ڈالنے کی نیت کی ہی اور میرا خون حلال کر لیا ہی کاش وہی مجھے پاتے (اور مار ڈالتے)"۔ یہ شعر پڑھا ہی تھا کہ ایک جانب سے وہ لوگ تلوارین کھینچے ہوئے نمودار ہوئے - لڑکیون کے نازک کلیجے دہل گئے - مگر جمیل نے اُن سے پھر ملنے کا وعدہ کیا اور جھٹ پٹ سانڈنی پر سوار ہو کے بھاگا - اونٹنی ایسی تیز تھی کہ دشمنون کے مجمع مین سے ہو کے نکل گئی اور کسی نے اُسکی گرد بھی نہ پائی۔

اس واقعہ کو چند ہی روز ہوئے تھے کہ ایک دن ایک اعرابی بثینہ کے قبیلہ مین آیا اور لوگون سے کہا "تمھارے پڑاؤ کے قریب ہی پہاڑیون مین مینے تین شخصون کو دیکھا جو معلوم ہوتا ہی کسی گھات مین ہین - غالباً ڈکیتی کرینگے - تم لوگون کو ہوشیار رہنا چاہیئے" قبیلہ والون نے ان لوگون کے حُلیے اور اُن کی وضع پوچھی اور اعرابی کے بیان سے سمجھ گئے کہ نہ کوئی ڈاکو ہی نہ کوئی چور بلکہ میان جمیل ہین جو غالباً بثینہ سے ملنے کو آئے ہین

اور ساتھ ہی خیال آیا کہ معلوم ہوتا ہے بثینہ سے آج ملنے کا وعدہ ہے۔ اسلیئے کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ آج گھر سے باہر نہ جانے پائے۔ فوراً بثینہ کا خیمہ گھیر لیا۔ اور وہ غریب رات بھر اپنے خیمہ مین قید رہی۔ جمیل نے گھاٹیون مین رات بھر نہایت ہی بیتابی و بیقراری سے انتظار کیا۔ اور صبح کو ناکام و نامراد اپنے آپ کو کوستا اور معشوقۂ شیرین ادا پر بدگمانی کرتا ہوا واپس گیا کہ معلوم ہوتا ہے اُسنے عہد وفا کو توڑ دیا۔ پچھتاتا ہوا گھر پہونچا تو وہان کی بعض شریر لڑکیون نے جنھین اس ناکامی کی خبر ہوگئی تھی بنانا شروع کیا کہ "واہ۔ اچھی لڑکی پر مرتے ہین جسے اِن کی محبت کی پرواہی نہین۔ ایسی بے وفا پر مرتے تمھین شرم نہین آتی؟" اصل یہ ہے کہ جمیل کے قبیلہ والے چاہتے تھے کہ اُس کے دل کو بثینہ سے نفرت ہوجائے اور اکثر لڑکیان چاہتین کہ بجائے بثینہ کے اُسے اپنا شیدا بنالین۔ ان کی یہ طعن و تشنیع کی باتین سُن کے جمیل نے چند شعر سنائے جن مین سے آخری شعر کا مطلب یہ تھا کہ "جس سے محبت ہو اُس کے جھوٹ اور اُسکی بے وفائی مین بھی مزہ ہے"۔

اس کے بعد ایک مدت تک دونون مین فراق رہا۔ لیکن گو کہ جمیل کو کوئی جانان مین جانا دشوار نظر آتا تھا۔ مگر شوق دل لے ہی گیا۔ دونون مین وقت مقرر ہوگیا۔ اور سواد قبیلہ کے پہاڑون کی ایک محفوظ گھونگھٹ مین عاشق و معشوق ایک دوسرے سے ملے۔ مگر بثینہ کی ایک لونڈی کو خبر ہوگئی جو کسی بات پر جلی ہوئی تھی۔ فوراً جا کے اُسکے باپ اور بھائی کو خبر کردی۔ اسی قدر نہین خود اُن کے سرون پر لے جا کے کھڑا کردیا۔ دونون نے طیش مین آ کے تلوارین کھینچ لین۔ اور دم سادھ کے آڑ مین کھڑے ہوگئے کہ اُن کی بے عصمتی و بے حیائی کی چند باتین سُن لین تو حملہ کرین۔ اتفاقاً جمیل نے آج ہمیشہ کے خلاف ولدارانہ آفرین سے کہا "بثینہ! تم میری آہ وزاری سنتی اور میری بیتابی و بیقراری کو دیکھتی ہو مگر اس محبت کی قدر نہین کرتین؟" بثینہ نے کہا "آخر کیا کرون؟ اور تمھاری محبت کی کیونکر قدر کرون؟" بولا "جس طرح عورتین مردون کی محبت کی قدر کر کے اُن کی آرزو پوری کیا کرتی ہین"۔ یہ جواب سنتے ہی بثینہ چونک سی پڑی۔ حیرت زدہ و مبہوت ہو کے جمیل کی صورت دیکھی۔ اور بولی "تمھاری محبت کی یہی غرض ہے؟ مگر میرے دل مین تمھاری طرف سے خدا کی قسم کبھی ایسا خیال بھی نہین گزرا تھا! مین ایک شریف عرب کی بی بی ہون۔ اور گناہ سے ڈرتی ہون۔ اگر پھر کبھی تمھاری زبان سے یہ کلمات نکلے تو یاد

رکھنا کہ زندگی مین پھر میری صورت نہ دیکھو گے۔" یہ جواب سُن کے جمیل کا چہرہ خوشی سے چمک اُٹھا مسکرایا اور کہا "بثینہ! مین نے یہ فقط تمھارا امتحان کرنے کیلئے کہا تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اگر تم میری آرزو پوری کرنے کی ذرا بھی حامی بھر لیتین تو میرا دل ٹوٹ جاتا۔ دل مین کہتا کہ ایسی معشوقہ مجھے نہین چاہیئے۔ اور تلوار کھینچ کے تمھارا سر اڑا دیتا۔ لیکن اگر اسکا موقع نہ ملتا تو تمھین چھوڑ کے چلا جاتا اور پھر کبھی نہ ملتا۔ میری محبت بھی تمھاری طرح پاک ہے جس کو اکثر اپنے اشعار مین ظاہر کر چکا ہون۔" یہ کہہ کے اسی مضمون کے چند اشعار سنائے۔ یہ گفتگو سنتے ہی باپ نے تلوار میان مین کر لی۔ اور بیٹے سے کہا "چلو گھر پلٹ چلین۔ اب ہمین ضرورت نہین کہ ایسے پاکباز عاشق کے عشق مین مزاحم ہون۔ یا بثینہ کو اُسکے پاس جانے سے روکین۔" بیٹے نے بھی باپ کے خیال سے اتفاق کیا۔ اور دونون واپس گئے۔ اور عاشق و معشوق نے اپنی صحبت وصل بے خلل و غش پوری کی۔

لیکن اس پر بھی اہل قبیلہ کے کہنے سننے سے اور نیز تمام قبائل عرب مین بدنام ہونے کے اندیشہ سے پھر بثینہ کو روکا۔ اور اس کو گوارا نہ کر سکے کہ جمیل آزادی کے ساتھ آ آکے اُن کی لڑکی سے ملا کرے۔ مگر بثینہ کے دل کو خود ہی ایسا لگاؤ ہو گیا تھا کہ ہزار روک اور بندش ہو وہ جب سنتی کہ جمیل پاس کی پہاڑیون مین آیا ہے کوئی نہ کوئی جتن کر کے پہونچ جاتی۔ اور مل آتی۔ چنانچہ ایک دن جمیل نے کسی شخص سے کہا "بھلا تم میری اتنی مدد کرو گے کہ مجھے بثینہ سے ملا دو؟" اُس نے کہا "اچھا"۔ پھر سے ساتھ لے جا کے خاندان بثینہ کے پڑاؤ کے پاس کی پہاڑیون مین چھپا دیا۔ اور اُس کی انگوٹھی لے جا کے چپکے سے بثینہ کے چرواہے کو دی۔ اور کچھ دے دلا کے کہا "تم اس انگوٹھی کو بثینہ تک پہونچا دو۔ و سے فلان مقام کا پتہ دے دو۔ اور اس سے وعدہ لے آؤ۔" بثینہ انگوٹھی دیکھتے ہی مارے خوشی کے آپے سے باہر ہو گئی۔ چرواہے کا شکریہ ادا کیا اور رات کو آنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ رات کو جیسے ہی قبیلہ کے سب لوگ سو گئے وہ چپکے سے دبے پاؤن اُٹھ کے پہاڑون مین آئی۔ بڑے ذوق و شوق سے ملی۔ رات بھر یہ صحبت عیش گرم رہی جمیل کمال بیتابی کے ساتھ اپنے اشعار سناتا رہا اور صبح ہوتے ہی رخصت ہو کے بثینہ اپنے خیمے مین گئی۔ اور جمیل نے اپنے قبیلہ کا راستہ لیا۔

(باقی پھر)

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

سنہ ۱۲۵۶ محمدی (سنہ ۱۸۲۷ء) مین غازی الدین حیدر کے بیٹے نصیر الدین حیدر تخت پر بیٹھے - غازی الدین حیدر کے زمانے سے جیسا کہ ہم بتا چکے ہین فرمان روایان اودھ نواب نہین بادشاہ تھے - اس دولت کا آغاز وزارت ولی کے درجے سے ہوا تھا - اور اگلے زبردست وذی وقعت فرمان روا سب نواب وزیر کہلاتے تھے - لیکن اب جبکہ اصلی حکومت وسطوت رخصت ہو چکی تھی اور ہندوستان کے پالٹکس مین ان لوگون کا بالکل اثر نہین باقی رہا تھا یہ بادشاہ بن گئے -

خیال کیا جا سکتا ہے کہ انگریزون نے حکمرانان اودھ کو بادشاہی عزت دی تو اپنی پشت پناہی سے اُن کی سطوت بھی بڑھا دی ہوگی - اور انھین نام ہی کا بادشاہ نہین بلکہ حقیقۃً بادشاہ بنا کے دکھا دیا ہوگا - لیکن نہین - ہمین نظر یہ آتا ہے کہ اس عہد مین اودھ سے باہر ان لوگون کا اثر تو بالکل تھا ہی نہین - خود اپنی قلمرو مین بھی یہ اتنے آزاد نہ تھے جتنے کہ ان کے ماسبق بزرگ ہوتے آئے تھے - اب کسی کی تخت نشینی بغیر انگریزون کی منظوری کے ہو ہی نہ سکتی تھی - انگریزی فوج ساری قلمرو مین جا بجا پھیلی ہوئی تھی - کوئی اہم معاملہ بغیر صاحب رزیڈنٹ کی دخل دہی کے طے ہی نہ ہو سکتا تھا - سریر شہریاری ایک اسٹیج تھا جسپر جو کچھ ہوتا بہ ظاہر نظر آتا کہ ایکٹر کر رہے ہین مگر اصل مین وہ افعال کسی اور شخص کے قبضۂ قدرت مین تھے جو پردے کی آڑ مین تھا اور جو چاہتا تھا کرتا تھا -

مگر خدا کی اتنی مہربانی تھی کہ ان پچھلے حکمرانان اودھ کی اور انکے ساتھ قریب قریب سارے وابستگان دامن دولت کی حس مفقود ہو گئی تھی جس کی بدولت وہ اپنی کمزوری و بے دست و پائی کو بالکل محسوس نہ کر سکتے تھے - غازی الدین حیدر بادشاہ بنتے ہی عیش و عشرت مین مشغول ہو گئے - اور نصیر الدین حیدر کو تو تخت شاہی ورثہ مین ملا تھا - نواب سعادت علی خان کا جمع کیا ہوا روپیہ عیش پرستی مین دونون کا ممد و معاون ہوا - کچھ انگریزون کو قرض دیا گیا کچھ ان بدعتہ مذہبی رسمون کی بجا آوری مین صرف ہوا جنھین بادشاہ اور اُن کی ملکائون نے اپنے مذاق کے موافق ذوق و شوق سے ایجاد کیا - اور باقی فضول خرچیون اور عیاشیون کی نذر ہونے لگا - غازی الدین حیدر نے تو اتنا بھی کیا تھا کہ نجف اشرف کی

نقل ہوا کے اپنی قبر کاٹھ کا نا کر لیا - اور بغیر اس کے کہ اپنے ورثہ پر بھروسہ کرین کچھ روپیہ
انگریزون کے حوالے کیا کہ اُسکے سود سے پورے دینی آداب کے ساتھ نجف کی داغت
کیا کرین - چنانچہ آج تک اُن کی قبر پر ہمیشہ چراغ روشن ہوتا ہو مجلسین ہوتی ہین -
قرآن خوانی ہوتی ہو - اور محرم مین خوب روشنی ہوتی ہو جس کی طفیل تھوڑے سے
غریبون کی پرورش ہو جایا کرتی ہو - مگر نصیر الدین حیدر کو ہجوم عیش مین اتنی بھی توفیق
نہ ہوئی - دریا پار محلہ اداوت نگر مین انھون نے ایک کربلا بنوائی جو خود اُنکا مرقد قرار
پانے والی تھی مگر اس کی خدمت و داشت کی ذرا بھی فکر نہین کی جس کا نتیجہ یہ ہو کہ آج
وہ ڈالی گنج کے اسٹیشن کے پاس اُجاڑ اور خاموش پڑی ہو اور شاید کوئی چراغ جلانیوالا
بھی نہین - اُنکے زمانے مین نئے محلے گنیش گنج اور چاند گنج وہین دریا پار آباد ہوئے -

نصیر الدین حیدر کو نجوم سے عقیدت تھی جسنے علم ہیئات کی طرف توجہ دلائی - اور
ارادہ کیا کہ اپنے شہر مین ایک اعلی درجہ کی رصدگاہ قائم کرائین چنانچہ اسی غرض کیلیے
ایک کوٹھی نواب سعادت علی خان کے مقبرے اور موتی محل کے درمیان مین تعمیر کرائی جو
رصدگاہ ہونے کے باعث لکھنؤ مین "تارے والی کوٹھی" کے نام سے مشہور ہوئی - اُس مین
بڑی بڑی دوربینین اور اعلی درجہ کے آلات رصد جمع کیے گئے - اُن کے مناسب طور پر
قائم کرنے کا کام اور اُن کا انتظام و اہتمام کرنل ولکاکس کے سپرد ہوا جو ایک اچھے
ہیئات دان تھے - مگر لکھنؤ کی یہ رصد گویا کرنل صاحب موصوف ہی کی زندگی کا ایک معمول
الحال کارخانہ تھی - کیونکہ سنہ ۱۲۵۶ محمدی سے نصیر الدین حیدر کی سلطنت کا آغاز ہوا جسکے
چار پانچ سال بعد غالباً یہ رصدگاہ قائم ہوئی ہوگی - اور اسوقت سے سنہ ۱۲۶۷ محمدی / ۱۸۴۷ء
تک جبکہ آخری تاجدار اودھ واجد علی شاہ کا زمانہ تھا یہ رصدگاہ انھین کے اہتمام مین
رہی سنہ مذکور مین کرنل صاحب کا انتقال ہوا اور اُنکی جگہ کوئی ہیئات دان اس
خدمت پر نہین مقرر کیا گیا - واجد علی شاہ نے اسکی طرف سے بے پروائی کی لکھنؤ کے
بعض مستند اشخاص کی زبانی سنا گیا کہ اس کی سب سے بڑی دوربین کو واجد علی شاہ نے
ایک کھلونہ خیال کر کے حیدری طوائف کے حوالے کر دیا تھا - لیکن گزیٹیر سے معلوم ہوتا
ہو کہ یہ رصدگاہ انتزاع سلطنت کے زمانے تک قائم تھی - غدر مین غالباً بلوائیون نے
اسے تباہ کر دیا - کیونکہ احمد اللہ شاہ نے (جو ڈنکا شاہ بھی کہلاتے تھے اور انگریزی فوج سے

بڑی مستعدی و گرمجوشی کے ساتھ لڑے تھے تارے والی کوٹھی ہی مین سکونت اختیار کی تھی اسی مین اپنا دربار قائم کیا تھا - اور باغی فوجون کے افسر اکثر یہین جمع ہو کے مشورے کیا کرتے تھے -

اسی زمانے مین روشن الدولہ نے جو وزیر سلطنت تھے اپنی خوبصورت اور شاندار کوٹھی تعمیر کرائی جس مین فی الحال ڈپٹی کمشنر بہادر اجلاس کرتے ہین - اسلیے کہ واجد علی شاہ نے اس کوٹھی کو قیصر باغ بنواتے وقت ضبط کر لیا تھا - اور جب ملک انگریزون کے قبضہ مین آیا ہے یہ کوٹھی ایک سرکاری جائداد تھی -

نصیر الدین حیدر کا زمانہ سچ یہ ہے کہ نہایت ہی خطرناک زمانہ تھا - ایک طرف تو انتظام مملکت کی خرابی تھی بادشاہ کو عیش وعشرت اور اپنی ایجاد کردہ دینداری کی رسمون سے فرصت نہ ملتی تھی - سارا نظام سلطنت وزیر پر چھوڑا جاتا تھا - اور وزیرون کی یہ حالت تھی کہ کوئی ایسا شخص ملتا ہی نہ تھا جو نیک نیتی اور خوش تدبیری سے کام چلا سکے حکیم مہدی بلائے گئے وہ منتظم تو اعلے درجہ کے تھے مگر چاہتے تھے سلطنت کو اپنی ہی میراث بنا لین - روشن الدولہ وزیر ہوے ان مین نہ مادہ تھا نہ طبیعت داری ان سے کچھ کرتے دھرتے نہ بنی - بادشاہ کی فضول خرچیون کی یہ حالت تھی کہ سعادت علی خان کا جمع کیا ہوا سارا روپیہ پانی کیطرح اڑ گیا - اور ملک کی آمدنی محل کے مصارف کے لیے کفایت ہی نہ کرتی تھی - اسپر طرہ یہ کہ بادشاہ اور اُن کی مان بیگم نمازی الدین حیدر کی خاص محل مین جھگڑے پیدا ہوے - وہ منا جان کو بادشاہ کا بیٹا بتاتی تھین اور بادشاہ اُس کو اپنا بیٹا تسلیم نہ کرتے تھے - ان باتون نے ملک کی ایسی حالت کر دی تھی کہ معلوم ہوتا حکمرانون مین حکومت کرنے اور ملک کے سنبھالنے کی مطلق صلاحیت نہین ہے -

صاحب رزیڈنٹ اور گورنر جنرل ہند نے بار بار سمجھایا - ڈرایا - دھمکایا - انجام سے مطلع کیا - اور برابر کان کھولتے رہے مگر یہان کسی کے کان پر جون نہ رینگی نصیر الدین حیدر عیش و عشرت مین رہتے رہتے اس درجہ زنانہ مزاجی پیدا ہو گئی تھی کہ عورتون کی سی باتین کرتے - اور عورتون ہی کا سا لباس پہنتے - زنانہ مزاجی کے ساتھ مذہبی عقیدت نے یہ شان پیدا کر دی کہ ائمہ اثنا عشر کی فرضی بی بی (اچھوتیان) اور اُن کی ولادت کی تقریبین جو اُن کی مان نے قائم کی تھین ان کو اور زیادہ ترقی دے دی - یہان تک کہ ولادت ائمہ کی

تقریبون مین خود حاملہ عورت بن کے زچہ خانے مین بیٹھتے - چہرے اور حرکات سے وضع حمل کی تکلیف ظاہر کرتے - اور پھر خود ایک فرضی بچہ جنتے جس کے لیے ولادت چھٹی اور نہان کے سامان بالکل اصل کے مطابق کیئے جاتے - یہ تقریبین اسقدر زیادہ تھین کہ سال بھر بادشاہ کو انھین سے فرصت نہ ملتی سلطنت کی طرف کون توجہ کرتا -

دربار اودھ اور سرکار انگریزی کے تعلقات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ اگر گورنر جنرل اور رزیڈنٹون کی نظر عنایت نہ ہوتی - اور انگلستان کا جو بورڈ ایسٹ انڈیا کمپنی کا نگران تھا کمپنی کو روکے تھامے نہ رہتا تو انتزاع سلطنت کی کارروائی اسی زمانے مین ہو گئی ہوتی - مگر اس طفلانہ مزاجی کے دربار کی زندگی ابھی باقی تھی انگریز ملک کے لینے کا ارادہ کر کر کے رہ گئے -

نصیر الدین حیدر کی نسبت لکھنؤ کے پرانے معتبر لوگون کا بیان ہی کہ اس زنانہ مزاجی اور ان طفلانہ حرکتون کے ساتھ نہایت ہی ظالم بھی تھے - لیکن چونکہ ساری زندگی عورتون مین بسر ہوتی تھی اسلیے ان کے مظالم کا شکار بھی زیادہ تر عورتین ہی ہوتین - بیسیون عورتون کو ادنی قصور اور معمولی بدگمانی پر دیوارون مین چنوا دیا - کہتے ہین کہ راہ چلتے کسی مرد کو کسی عورت کے سینہ پر ہاتھ رکھے دیکھ لیا تھا فوراً عورت کی چھاتیان اور مرد کے ہاتھ کٹوا ڈالے -

آخر دس برس کی بے اعتدالیون کے بعد جبکہ اندر باہر تمام اہل دربار زندگی سے عاجز آ گئے تھے بادشاہ خود اپنے دوستون اور عزیزون کے ہاتھ کا شکار بنے - اور کسی نے زہر دے کے ۱۲۶۶ سنہ محمدی (۱۸۳۷ء) مین قصہ تمام کر دیا - نصیر الدین لاولد مرے تھے مناجان جنھین غازی الدین حیدر کی بادشاہ بیگم نے ہمیشہ اپنا پوتا اور سچا وارث سلطنت بنا کے پیش کیا مگر غازی الدین حیدر اور نصیر الدین حیدر دونون نے انکے نسل شاہی ہونے سے انکار کیا تھا جس کی بنا پر گورنمنٹ انگریزی نے نواب سعادت علی خان مرحوم کے بیٹے نصیر الدولہ مرزا محمد علی خان کی تخت نشینی کا پہلے سے بندوبست کر لیا تھا - مگر بیگم صاحبہ نے نہ مانا مناجان کو لے کے لال بارہ دری یعنی تخت گاہ مین آ گیئن - رزیڈنٹ نے ہزار روکا اور سمجھایا مگر ایک نہ سنی اور زبردستی مناجان کو تخت پر بٹھا دیا جنھون نے تخت پر قدم رکھتے ہی نذرین لین - اور اپنے دشمنون سے فوراً بدلا لینا بھی

شروع کردیا۔ بہتون کے گھر لٹوائے۔ بعض کو گرفتار کیا۔ بعض قتل ہوئے۔ اور شہر مین ایک ہڑبونگ مچ گیا۔

صاحب رزیڈنٹ اور اُن کے اسسٹنٹ فوراً دربار مین پہونچے۔ بادشاہ بیگم کو سمجھایا کہ منا جان وارث سلطنت نہین ہو سکتے۔ اور اس مین آپ کو ہرگز کامیابی نہ ہوگی۔ پھر لاٹ صاحب کا تحریری فرمان دکھایا اور کہا بہتر یہی ہو کہ منا جان تخت کو خالی کردین۔ اور نصیر الدولہ کی تخت نشینی عمل مین آجائے۔ مگر کسی نے سماعت نہ کی۔ بلکہ کسی نے اسسٹنٹ رزیڈنٹ پر حملہ کیا جس سے اُن کا چہرہ خون آلود ہوگیا۔ رزیڈنٹ نے منڈیاؤن سے انگریزی فوج پہلے ہی سے بُلوالی تھی جس نے تختگاہ کے سامنے توپین لگادی تھین اور سپاہی صفین باندھے کھڑے تھے۔ مجبوراً صاحب عالیشان نے گھڑی ہاتھ مین لی اور کہا دس منٹ کی مہلت دی جاتی ہو اس زمانے کے اندر اگر منا جان تخت سے نہ اُتر گئے تو جبریہ کارروائی کی جائے گی۔ اس کا بھی کسی نے خیال نہ کیا حالآنکہ رزیڈنٹ بار بار کہتے جاتے تھے کہ اب پانچ منٹ باقی ہین۔ اب دو ہی منٹ رہ گئے۔ اور اب دیکھیے پورا ایک منٹ بھی نہین۔

ان تنبیہون کا کسی نے خیال نہ کیا اور یکایک توپون نے گراپین مارنا شروع کین۔ آناً فاناً مین تیس چالیس آدمی گر گئے۔ درباری بدحواسی کے ساتھ گرتے پڑتے بھاگے۔ جو طائفہ مجرئی کر رہا تھا اس مین سے بھی کئی آدمی زخمی ہوئے۔ شیشہ آلات جھناجھن ٹوٹ ٹوٹ کے گرنے لگے۔ جب کئی وفادار بہادر جو سینہ سپر تھے مارے جا چکے تو منا جان نے بھی تخت پر سے گر کے بھاگنے کا قصد کیا مگر پکڑ لیے گئے۔ غرض بیگم صاحب اور انہین دونون کو انگریزون نے گرفتار کرلیا۔ ساتھ ہی نصیر الدولہ کی تخت نشینی عمل مین آئی جو محمد علی شاہ کے لقب سے بادشاہ اودھ قرار پائے۔ اور منا جان اور اُن کی دادی سخت حراست مین لکھنؤ سے کانپور اور کانپور سے قلعہ چنارگڈھ مین بھیج دیے گئے۔ اور دو ہزار چارسو روپیہ ماہوار اُن کی تنخواہ لکھنؤ کے خزانے سے مقرر کردی گئی۔

محمد علی شاہ کی عمر تخت نشینی کے وقت ۶۳ برس کی تھی۔ بوڑھے تجربہ کار تھے زمانے کے گرم و سرد اور دربار کی طفلانہ مزاجیان دیکھتے رہے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ نواب سعادت علی خان کے بیٹے تھے اور اُن کی آنکھین دیکھے ہوئے تھے۔ انھون نے بہت سنبھل کے کام کیا۔ کفایت شعاری کے اصول جاری کیے۔ اور جہان تک بنا انتظام کے سنبھالنے کی کوشش کی۔ مگر عمر زیادہ آ چکی تھی۔ اور قوی جواب دیتے جاتے تھے۔ تخت پر بیٹھتے ہی انھون نے حکیم مہدی کو فرخ آباد سے بلوا کے خلعت وزارت دیا۔ مگر چند ہی روز بعد وہ مر گئے۔ تب ظہیر الدولہ کو خلعت وزارت ہوا۔ وہ تین مہینہ بعد وہ بھی دنیا سے رخصت ہوئے۔ اور منور الدولہ وزیر قرار پائے۔ جنھون نے دو چار مہینہ کے بعد ہی استعفا دے دیا اور کربلاے معلے چلے گئے۔ پھر اشرف الدولہ محمد ابراہیم خان وزیر قرار پائے جو اورون کے دیکھتے ذی ہوش اور متین تھے۔

محمد علی شاہ کی تخت نشینی پر گورنمنٹ انگریزی اور سلطنت اودھ مین ایک نیا معاہدہ ہوا جس کی رو سے سرکار انگریزی نے جو فوج اودھ کی نگرانی کے لیے رکھی تھی اُس مین معتدبہ اضافہ ہوا۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی گورنمنٹ کو یہ اختیار حاصل ہوا کہ ساری قلمرو اودھ یا اُس کے جس علاقے مین بدنظمی دیکھے اُسے جبتک چاہے اپنے زیر انتظام رکھے۔ بادشاہ نے ناگواری کے ساتھ اس عہد نامے پر دستخط کیے اور جہان تک بنا ملک کی اصلاح کرنے لگے۔

تخت نشینی کے دوسرے ہی برس انھون نے اپنا مشہور امام باڑہ حسین آباد اور اُس کے قریب ایک عالیشان مسجد تعمیر کرانا شروع کی جس کی بابت اہتمام کیا گیا کہ دہلی کی جامع مسجد سے رونق و وسعت مین بڑھ جاے۔

اُن دنون لکھنؤ کی آبادی درونق اس قدر ترقی کر گئی تھی۔ اور اس کثرت سے آدمی اُس کی سواد مین آباد تھے کہ اُسے ہندوستان کا بابل کہنا بیجا نہ تھا واقعی یہ شہر ہر حیثیت سے اُس عہد کا زندہ بابل تھا۔

اس مشابہت کو شاید انگریزون یا کسی درباری سے سن کے محمد علی شاہ نے ارادہ کیا کہ لکھنؤ کو پورا پورا بابل بنا دین۔ اور اپنی ایک ایسی یادگار قائم کر دین

جو اُن کے نام کو تمام شاہان اودھ سے زیادہ بلندی پر دکھائے۔ انھون نے
بابل کے مینار یا وہان کے ہوائی باغ کی طرح کی ایک عمارت حسین آباد کے
قریب اور موجودہ گھنٹہ گھر کے مقام پر تعمیر کرانا شروع کی جس مین محرابون
کی مدور حلقہ پر دوسرا حلقہ اور دوسرے حلقہ پر تیسرا حلقہ۔ غرض یونہین تلے
اوپر قائم ہوتے چلے جاتے تھے۔ ارادہ تھا کہ یونہین سات منزلون تک اُسے
بلند کر کے ایک اتنا بڑا اور اونچا بُرج بنا دیا جائے جو دنیا بھر مین لاجواب
ہو۔ اور اُس کے اوپر سے سارے لکھنؤ اور اُس کے گرد کی فضا نظر آئے۔
یہ عمارت اگر پوری بن جاتی تو یقیناً لاجواب اور عجیب و غریب ہوتی۔
اس کا نام "ستکھنڈا" قرار دیا گیا تھا۔ اور بڑے اہتمام سے بن رہی
تھی۔ مگر پانچ ہی منزلین بننے پائی تھین کہ محمد علی شاہ نے ۱۲۵۸ھ محمدی
(۱۸۴۲ء) مین سفر آخرت کیا۔

محمد علی شاہ نے اپنے مختصر زمانے مین بغیر اس کے کہ اندرونی جھگڑے
پیدا ہون یا ملک مین بدنظمی کی فریاد بلند ہو لکھنؤ کو نہایت ہی خوبصورت شہر
بنا دیا۔ حسین آباد کے پھاٹک سے رومی دروازے تک دریا کنارے
کنارے ایک سڑک نکالی۔ جو چوک کہلاتی تھی۔ اس سڑک پر باوجود دو
طرفہ عالیشان مکانون کے ایک طرف رومی دروازہ آصف الدولہ کا
امام باڑہ اور اُس کی مسجد تھی۔ دوسری طرف ستکھنڈا اور حسین آباد کا
پھاٹک تھا۔ اس نئے امام باڑے کی مختلف سربفلک عمارتین تھین
اور اُن کے پہلو مین جامع مسجد واقع تھی۔ ان سب عمارتون نے
مل کے دونون جانب ایک ایسا خوشنما اور نظر فریب منظر پیدا کر دیا تھا
جو دنیا کے تمام مشہور و خوش سواد مناظر پر چشمک زنی کرتا تھا۔ اور
اب بھی گو کہ درمیان مین باشندگان شہر کے جتنے مکانات واقع تھے
سب کھُد گئے مگر دنیا کا ایک بہترین منظر تصور کیا جاتا ہو۔

خلفائی بنی امیہ کا ادبی مذاق

خالص عربی مذاق کو قائم رکھ کے جیسی شانداری و کروفر کے کرشمے بنی اُمیہ کے خلفا نے دکھائے اور کوئی اسلامی سلطنت نہین دکھا سکی ہو - اور یہی سبب تھا کہ اصلی عربی لٹریچر، اور ادبی علم و فضل کا جتنا بڑا مرکز مملکت ہسپانیہ بن گئی تھی بغداد کی عباسی خلافت بھی نہ تھی - خلافت بغداد کی قلمرو بے شک بڑی تھی اور اس کا دربار بھی زیادہ پُرسطوت و جبروت نظر آتا ہو لیکن بغداد کے خلفا نے اپنے علمی ذوق مین جو کچھ کیا یہ تھا کہ دیگر زبانون کے علوم کثرت سے عربی مین نقل کر لیے - اسکے سوا اور تمام باتون مین ساسانی مذاق اور ایرانی معاشرت کا اُن پر اس قدر اثر پڑ گیا تھا کہ اُن مین نہ عربی وضع قطع ہی باقی رہی تھی نہ عربی سخن سنجی - نہ عربی سادگی معاشرت باقی تھی نہ عربی آزادی و حریت اب اُن مین نہ وہ اگلا عربی لٹریچر تھا نہ وہ عرب العربا کی پُرانی پُرجوش و ولولہ خیز شاعری - ہر چیز مین عجمیت کی بو آ رہی تھی - اور بعض یورپین مورخین کا کہنا بالکل بجا ہو کہ دربار خلافت کا بغداد مین قائم ہونا عربی سطوت کا بڑھنا نہ تھا بلکہ دراصل عربیت پر عجمیت کی ایک زبردست فتح تھی -

یہ خلاف عباسیون کے بنی اُمیہ کے دربار ابتدا سے آخر تک جہان رہے خالص عربیت کے رنگ مین ڈوبے رہے - اور اسی وجہ سے اُن کے عہد مین عربی زبان اور عربی لٹریچر نے بڑی ترقیان حاصل کین - دمشق مین خلفای بنی امیہ شام اگرچہ سطوت قیصری سے بڑھ کے شان و شوکت دکھا رہے تھے اور عیش و عشرت کے سامانون مین گھرے ہوے تھے مگر اپنے مذاق عربیت کے قائم رکھنے کا یہان تک اہتمام تھا کہ شاہزادے اور اعیان خلافت کے فرزند بچپن سے صحراے عرب مین بھیج دیے جاتے تاکہ قدیم قبائل عرب مین رہ کے عربی فصیح و خالص زبان کے ساتھ عربی خصائل و عادات کو سیکھین اور بدوی شجاعت سے نا آشنا نہ ہونے پائین - مگر بنی عباس کے زمانے مین یہ طریقہ تعلیم مفقود ہو گیا تھا -

غالبًا کہا جائے گا کہ اُن خلفا کے عہد تک عرب لوگ غیر قومون کے مذاق ومعاشرت سے آشنا نہین ہونے پائے تھے اسلیے کہ وہ فتوحات عرب کا ابتدائی زمانہ تھا۔ لیکن نہین۔ بنی اُمیہ اندلس نے بھی جو بنی عباس کے معاصر اور پورے رقیب تھے سرزمین اندلس مین پہونچنے کے بعد جو جزیرہ نماے عرب سے ہزارہا کوس کی مسافت پر تھی اپنے عربی مذاق کو نہین چھوڑا تھا۔

یہ دیکھ کے نہایت حیرت معلوم ہوتی ہے کہ گاتھ لوگون کی سرزمین پر اور مسیحیت کے آغوش مین جہان ایک طرف فرانسیسی و لاطینی معاشرت تھی اور اور دوسری طرف صحرا نشینان افریقہ کی رومی آمیز بدویت چند خانہ بدوش عربون نے پہونچ کے ایک ایسی زبردست سوسائٹی قائم کر لی جس کا مذاق خالص عربی تھا۔ اور جس کا لٹریچر عربی ادب کا ایسا اعلی نمونہ تھا جو کسی بیرونی اثر سے مغشوش نہ تھا۔ وہان ان پر نہ شارلمین کے دربار کا اثر پڑا نہ رومیون کے علم و فضل کا۔ نہ گاتھک معاشرت نے اُن کی عادات و اطوار کو بگاڑا نہ یونانی علوم نے ان کی سادگی مذاق و سادگی عقاید مین تفرقہ ڈالا۔ وہ خالص عرب تھے اور صدیان گزرنے کے بعد بھی خالص عرب رہے بلکہ اگر غور سے دیکھیے تو اُن کا مذاق سخن مصر و شام اور عراق و عرب کے شعرا کے مذاق سے اچھا اور سچا تھا۔

اندلس مین عربی ادب و شاعری کا سب سے بڑا قدردان خلیفہ الحکم المستنصر باللہ تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خود بہت بڑا عالم و ادیب تھا۔ اور تصنیف و تالیف اور کتب بینی مین جیسا انہماک اُس کو تھا شاید دنیا کے کسی بادشاہ مین نہ دیکھا گیا ہوگا۔ اُس کا باپ مشہور خلیفہ اندلس عبدالرحمن ثالث الناصر لدین اللہ اگرچہ اپنی پچاس سال سے زیادہ زمانے کی حکومت مین ہمیشہ فتوحات اور فوج کشیون مین مصروف رہا۔ لیکن اس پر بھی اسپین مین اس کی قدردانی سے بڑے بڑے گران پایہ فاضلون کا مجمع ہو گیا تھا۔ خلف بن ایوب بن فرج کی شاعری کی ساری عربی دنیا مین دھوم تھی۔ اور اس کی نظمین اُن علمی محفلون مین جنھین ولی عہد خلافت

الحکم" شاہی قصر مروان،، مین منعقد کیا کرتا تھا اور جن مین تمام علما و فضلای ملک جمع ہوتے تھے) نہایت ذوق و محویت کے ساتھ سُنی اور سُنائی جاتی تھین ۔ اسی قسم کی ایک صحبت وزیر سلطنت عبیداللہ بن یحیی بن ادریس کے گھر پر بھی اکثر مرتب ہوا کرتی اور ابن فرج اور دیگر مشہور شعرا کے اشعار لطف کے ساتھ پڑھے جاتے۔

ابوبکر اسمٰعیل بن بدر بھی اُس زمانے کا ایک فاضل گران پایہ تھا جس کی خلیفۃ الناصر بڑی قدر و منزلت کرتا۔ جس کے اشعار پر بادشاہ نے شعر کہے تھے ایک اور گران پایہ صاحب علم و فضل سلیمان بن عبدالغافر الفریسی تھا ۔ یہ عالم ہونے کے ساتھ ایک زبردست سپہ سالار بھی تھا۔ بڑے بڑے میدانون مین فتح کے جھنڈے اُڑا چکا تھا مگر اب دنیا سے علیحدہ ہو کے لذات دنیوی سے کنارہ کش ہو گیا تھا۔ بہت ہی سادی زندگی بسر کرتا۔ جُوتا پہننا چھوڑ دیا تھا۔ بھیڑون کی کھال اُس کا لباس تھا ۔ اور شب و روز زہد و تقوی مین مصروف رہتا۔ اور باوجود اس شان کے اُس سے خلیفۃ الناصر سے اکثر صحبت رہتی۔ جیسے اُس پر اس قدر وثوق تھا کہ غُربا مین اکثر خیرات اُسی کے ہاتھون سے تقسیم ہوتی۔ اور بہت سے مفلوک الحال خاندانون کی خبر گیری دستگیری کا ذریعہ وہی تھا۔ الناصر نے ایک دن بر سبیل تذکرہ اُس سے کہا" مجھے اپنی پچاس سال کی کامیاب اور فتحمندیون کی سلطنت مین صرف چودہ دن ایسے نظر آتے ہین جن مین پورا اطمینان قلب حاصل تھا"۔

عبدالرحمن الناصر آخر عمر مین اپنی زندگی مدینۃ الزہرا، مین بسر کرتا۔ جس چھوٹی سی خوبصورت بستی کو اُس نے قرطبہ کے پاس آباد کر کے اور اپنی ایک محبوبہ خاص زہرا، کے نام سے نامزد کر کے بڑے بڑے خوبصورت قصرون اور عالیشان جامع مسجد سے آراستہ کر دیا تھا۔ یہین اس کے گرد بڑے بڑے علما و زہاد کا مجمع رہتا۔ اور اُس کی ترک دنیا کی زندگی علمی صحبتون مین گزرتی ۔ ایک بڑا صاحب علم مصاحب والی اشبیلیہ ابوبکر اسمٰعیل بن بدر بن اسماعیل بن زیادہ تھا جو اموی النسل تھا۔ اُس کی نسبت ابن فرج نے اپنی کتاب" جنات" مین لکھا ہو کہ خیال آفرینی و سخن سنجی مین

تمام معاصرین سے بڑھا ہوا تھا "۔

مرد تو مرد اُن دنون بہت سی صاحب علم عورتین الناصر کی متقیانہ صحبت علم مین موجود تھین جن کے نام دنیاے اسلام مین ہمیشہ مشہور رہین گے۔ بادشاہ کی اس پاکبازی کی صحبت کو اکثر محسنہ کا دلکش نغمہ شگفتہ رکھتا۔ محسنہ صاحب علم و فضل تھی اور محل مین بادشاہ کی معتمدی یا پیش دستی کی خدمت انجام دیتی۔ فن موسیقی مین کمال رکھتی تھی اور اس کے ساتھ گلا بھی بڑا پیارا پایا تھا۔ دوسری خاتون عائشہ بنت احمد بن قاسم تھی جو قرطبہ کی ایک نازکبدن و نازک طبع نازنین تھی۔ اس کی شاعری کی ان دنون سارے اندلس مین دھوم تھی۔ اس کی نسبت عام خیال تھا کہ بہ اعتبار عصمت و عفت۔ حسن وجمال۔ اور علم و فضل کے سارے ملک مین اپنا جواب نہین رکھتی۔ صفیہ بنت عبد الراعی بھی اس عہد کی ایک بڑی صاحبۂ علم خاتون تھی۔ اُس کے اشعار مین شاعرانہ نازک خیالی کے ساتھ ایسی عالمانہ متانت و بلند پروازی تھی کہ خلیفۂ الناصر کو نہایت ہی لطف آتا۔ اسی درجہ کی ایک قابل کنیز نا مُراامیدیا تھی (غالباً یہ اندلسی زبان کا نام ہوگا یا ایسا بگڑا ہو کہ ہم نہین پہچان سکتے) جو بادشاہ کی محبوبہ تھی اور اُس کی خوش طبعی و ظرافت بذلہ سنجی و لطافت سے الناصر کے آخری ایام زندہ دلی و لطف مین بسر ہوتے۔

۳۵۰ھ مین جب عبد الرحمن الناصر نے سفر آخرت کیا تو خلیفۂ الحکم کا علمی ذوق و شوق پہلے سے بہ درجہا زیادہ بڑھ گیا۔ ابتداے عمر سے اُسے علم کا بڑا شوق تھا۔ دنیا کے تمام عیش درکنار اُسے حکمرانی و فتحمندی مین اتنی دلچسپی نہ تھی جتنی کہ کتابون کے جمع کرنے اور اُن کے مطالعہ مین تھی۔ اُس بات کی دُھن تھی کہ دنیا بھر کی عربی کتابین اُس کے کتب خانے مین جمع ہو جائین۔ چنانچہ اُس کی مسلسل کوششون سے شاعری ادب دینیات و اخلاق۔ تاریخ و جغرافیہ اور تمام علوم و فنون کی کتابون کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا جو دنیا کے کسی شہر مین نظیر نہ رکھتا تھا۔ اُس کے

نائب اور ایجنٹ کتابون کو تلاش کرتے ہوئے ساری دنیا مین مارے مارے پھرتے تھے۔ اور اسی مضمون کے نامہ و پیام لے کے اس کے سفیر افریقہ۔ و مصر۔ شام و عراق۔ اور فارس و عرب کے اسلامی درباروں مین پہونچے۔ اور اُنھین عام اجازت حاصل تھی کہ جتنا روپیہ درکار ہو خرچ کرین مگر کسی قیمتی کتاب کو ہاتھ سے نہ جانے دین۔

چند ہی روز مین شاہی قصر مروان کتابون سے بھر گیا۔ کتابون کے سوا اُس کے کرون مین کوئی چیز نہ نظر آتی۔ اور فرنیچر وغیرہ جو کچھ تھا کتابین تھین۔ غرض سوا خلیفۂ اندلس الحکم بن عبدالرحمن الناصر الملقب بہ مستنصر باللہ کے کوئی مسلمان فرمان روا دنیا مین نہین گزرا ہے جسے کتابون اور علم و فضل کا اس قدر شوق ہوا ہو۔ اُس کے پاس کتابون کے ذریعہ سے عربون کے اُن تمام قبائل کے انساب جمع ہو گئے جو عرب و افریقہ مین آباد تھے۔ اور اُن کے عرب سے نکل کے دیگر ملکون مین آباد ہونے اور مختلف مشاغل مین مصروف ہونے اور اُن کی نقل و حرکت کی پوری تاریخ موجود تھی۔ اُس کے قصر کا دروازہ اہل علم کے لیے ہمیشہ اور ہر وقت کھلا ہوا تھا۔ جن مین سے اکثر کو وہ بہت کچھ دولت دے کے روانہ کرتا کہ دنیا کی سیر کرین اور جو نئی کتابین ملین اُس کے کتب خانے کے لیے لے آئین۔

اسی قسم کے جویاے علم علماے دربار مین سے ایک علامہ ابو اسحق محمد بن القاسم الشیبانی تھے جو مصر مین اُس کے لئے کتابین تلاش کرتے۔ شام مین اُس کے ایجنٹ علامہ ابو عمر محمد بن یوسف بن یعقوب الکندی تھے جو غالباً مشہور فیلسوف عرب یعقوب کندی کے بڑے پوتے تھے۔

علامہ ابوالفرج اصفہانی نے جو نسل بنی اُمیہ سے تھے انھین دنون اپنی مشہور کتاب "اغانی" تصنیف کی تھی جس کی تصنیف کے ساتھ ہی ساری دنیا مین شہرت ہو گئی۔ خلیفۂ الحکم نے علامۂ موصوف کے پاس خاص اپنی دستخطی تحریر ایک ہزار اشرفیون کے ساتھ بھیجی جس کا

مضمون تھا کہ "یہ تھوڑی رقم ابتداءً نذر کی جاتی ہو اور اِس کے سوا جس قدر مطلوب ہو خزانے سے روانہ کی جائے گی۔ مہربانی کرکے اپنی کتاب کا ایک نسخہ میرے پاس بھیج دیجیے" علامۂ ممدوح نے فوراً اپنی کتاب مذکور کا ایک نسخہ روانہ کر دیا اور اُس کے ساتھ ہی خاندان بنی امیہ کی ایک تاریخ مرتب کرکے بھیجی جس مین تمام شاہان بنی امیہ کے حالات وانساب ایسے استیعاب کے ساتھ درج تھے کہ کوئی جزئی واقعہ بھی مصنف کے قلم سے نہین چھوٹا تھا۔ اور ملوک بنی مروان کی تعریف کے قصائد بھی تصنیف کرکے بھیجے۔

خاص بغداد مین بھی اُس کے ایجنٹ کی حیثیت سے محمد بن طرحان موجود تھا جو ہر کتاب کو چاہے کتنے ہی دامون پر ملے بلا تامل خرید لیتا۔ اسی قدر نہین الحکم نے دنیا کے ان تمام اسلامی شہرون مین جو علم و فضل کے اعتبار سے شہرت رکھتے کاتب مقرر کر رکھے تھے اور اُن کو حکم تھا کہ جو کتابین قیمتہً دستیاب نہ ہو سکین تو جس طرح بنے اُن کی نقلین کرا لائین۔

اس کوشش اور ایسے ذوق و شوق سے الحکم نے قرطبہ کا کتبخانہ جمع کیا۔ جس مین کتابین نہایت ہی صفائی اور اہتمام سے رکھی جاتین جو علمون اور فنون کے لحاظ سے جدا جدا مرتب تھین قصر مروان کے ہر کمرے اور بڑے ہال بین لکھ کے لگا دیا گیا تھا کہ اس مین کن کن فنون کی کتابین ہین۔ ان کتابون کی اُس نے جو فہرست خود ہی ترتیب کی تھی۔ اُس مین صرف کتابون اور مصنفون ہی کے نام نہ تھے بلکہ یہ بھی درج تھا کہ مصنف کون تھا؟ کہان کا تھا؟ اُس کا نسب کیا تھا؟ اُس کے کمالات کیا تھے؟ اور علم و فضل کی دنیا مین اس کا کیا پایہ تھا؟ اس جستجو و تدقیق کا یہ نتیجہ تھا کہ الحکم کو اُن تمام عربون کے انساب ازبر تھے جو اندلس کے مختلف شہرون مین جا جا کے آباد ہو گئے تھے۔ اور علم انساب مین وہ اپنے زمانے کا بے نظیر و بے ہمتا عالم تھا۔

اس علمی تحقیق مین اُسے اپنے معتمد ابوعبد السلام غالب بن محمد بن عبد الواہب سے نہایت ہی بیش قیمت مدد ملتی تھی - اسی ابوعبدالسلام نے بادشاہ کے اشارے سے اندلس کے ہر ہر شہر اور قریے کا ایک ایک گزیٹر مرتب کیا تھا جس سے سارے ملک کی حالت آئینہ ہوگئی تھی -

علامۂ ابو محمد ابن حزم جو اُن چند منتخب علماے اسلام مین ہین جن پر دنیاے اسلام کو ناز ہو اپنی کتاب "الفصل فی الملل والاہواء والنحل مین" خلیفۂ الحکم کی نسبت لکھتے ہین کہ "یہ خلیفہ اپنی پندرہ سالہ فرمان روائی مین علم اور اہل علم کا حامی و مربی رہا جس کے ساتھ رعایا کو دلی محبت تھی اور لوگ اس کی علم پروری پر ناز کرتے تھے"

اندلس کا نامور مورخ ابن حیان الحکم کے اس کتب خانہ کا نام "کتب خانۂ مروانیہ" بتاتا ہو - اسلیے کہ وہ قصر مروان مین تھا - اور لکھتا ہو کہ "اس کی فہرست چوالیس جلدون مین تھی - اور ہر جلد مین پچاس تختے لگے تھے - اور یہ جلدین اول سے آخر تک کتابون اور مصنفون کے نامون سے بھری ہوئی تھین" - ایک اور مصنف طلید الفتی کہتا ہو کہ "کتب خانے کی فہرست الحکم کے زمانے مین پوری طرح مکمل نہین ہونے پائی تھی اسلیے الحکم کے بعد اُسکے بیٹے خلیفہ ہشام نے اسے تکمیل کو پہونچایا"

ان واقعات کو سن کے انسان کے دل مین خیال گزر سکتا ہو کہ الحکم صرف کتاب کا کیڑا تھا اور ملاؤن اور کتابون مین حد سے زیادہ مصروف ہو جانے کے باعث فوج کشی خوش تدبیری اور دیگر امور سلطنت کی طرف سے بالکل غافل ہوگیا ہوگا - لیکن ایسا نہ تھا - الناصر نے اپنی زندگی ہی مین فرمان روائی سے گوشہ گیر ہو کے نظام سلطنت فاضل بیٹے کے ہاتھ مین دے دیا تھا - اُسوقت اُس نے اپنی علمی مشاغل کے لیے وقت مقرر کرکے حکمرانی کے لیے کافی زمانہ نکال لیا تھا - اور تمام انتظامات نہایت ہی حسن وخوبی سے انجام دے لیکن مین بھی قدر دانی علم کا وہی حال تھا - افریقہ اندرممالک اسلامیۂ مشرق کے

تمام علما و فضلا کے پاس اُس نے پیام بھیجا کہ یہان آکے قیام کیجیے۔ اور ہسپانیہ کو اپنا گھر بنائیے۔ اُس کے دو بھائی تھے عبد العزیز اور المنذر جو علم و فضل مین اُس کے ہم مذاق تھے۔ کتب خانہ کو اُس نے عبد العزیز کے انتظام مین دیا۔ اور المنذر کو صرف اس کام پر مامور کیا کہ علما و فضلا کی خدمت و خبر گیری کیا کرے۔ اور اس طرح اُن کی دلدہی کرے کہ وہ شوق سے یہان رہین اور اپنے وطنون کو بھول جائین

ان دلون برخلاف عام سلاطین اور دولت مندون کے اندلس کی شاہی شہر مدینۃ الزہراء کے قصرون اور کوشکون مین بجاے اس کے کہ عیش و عشرت کے کرشمے نظر آئین اور رقص و سرود کی محفلین گرم ہون ہر وقت علمی صحبت قائم رہتی۔ اور سوا علوم و فنون کے کسی چیز کا چرچا نہ تھا۔ رضیہ نام ایک مہ جبین عورت الحکم کی محبوبۂ خاص تھی۔ اُس کے سوا اور کسی پری وش نازنین کی صحبت مین اُس کا دل نہ لگتا۔ اس مہ جبین عورت کی نسبت مورخین اندلس کہتے ہین کہ جس طرح حسن و جمال اور ناز و انداز مین جواب نہ رکھتی تھی اسی طرح علم و فضل اور تاریخ دانی و سخن سنجی مین بھی یکتاے روزگار تھی۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہو کہ اُس کے ساتھ الحکم کو اس کی خوبصورتی کی وجہ سے نہین بلکہ اُس کے علم و فضل کی وجہ سے محبت تھی۔ الحکم نے اُسے "نجم السرور" خطاب دیا تھا اسلیے کہ اس کی صبح عید کا مطلع رضیہ ہی کا دلکش چہرہ تھا۔

الحکم کی خدمت مین سب سے زیادہ رسوخ علامۂ محمد بن یوسف کو تھا جو وادی الحجارہ کے رہنے والے تھے اور ایک مشہور زمانہ مورخ تھے۔ انھون نے اسپین اور افریقہ کی ایک ضخیم و مستند تاریخ لکھی تھی جسمین بادشاہون اور مشاہیر ملک کے حالات درج تھے۔ اسی عہد کا ایک اور ادیب محمد بن یحیی تھا۔ جس پر بادشاہ کو ناز تھا۔ اس کی علمی قدردانی کی یہ حالت تھی کہ تخت نشینی کے دوسرے ہی برس سرحد کے مسیحی باغیون کی سرکوبی کے لیے زبردست فوج لے کے روانہ ہوا تو طلیطلہ

(ٹالڈو) مین پہونچ کے سُنا کہ فوج کا کوئی نوجوان بیماری کے عذر پر شرکت جہاد سے معافی چاہتا ہی۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ قاضی عبد الوالید یونس بن عبد اللہ شہیر بہ "ابن الاصغر" کا بیٹا عبداللہ ہی اور نو عمری ہی مین علم و فضل اور ذوق تاریخ کے لحاظ سے فرید زمانہ بن گیا ہی۔ سامنے بلوا کے اُس کی صورت دیکھی۔ حالات دریافت کیے۔ اور اپنے سپہ سالار سے کہا "اِنھین رہنے دو۔ اِن کی صحت بہت قیمتی ہی۔ اچھے ہو گئے تو اِن سے ایسے کامون کی امید ہی جو مجھے بہت عزیز ہین۔" پھر اُس سے کہا "عبد اللہ! تم اُن لوگون مین ہو جن کی ذات سے مجھے امید ہی کہ بنی عباس کی قلمرو کی علمی ترقیون کو حسد کی نگاہ سے نہ دیکھون گا۔ بہتر یہ ہوگا کہ تم قرطبہ مین چلے جاؤ۔ اور وہان میرے قصر مطلّٰی مین جو دریا کنارے ہی قیام کرو۔ وہان کی آب و ہوا مین جب میرے اطبا پوری توجہ سے علاج کرین گے تو جلدی اچھے ہو جاؤ گے۔" نوجوان نے شکر گذار ہو کے عرض کیا "مین اپنے گھر کی خاموشی مین زیادہ اچھا کام کر سکون گا۔" اور خلیفہ کی نظر عنایت کا اس قدر اثر پڑا تھا کہ وہ نوجوان تندرست ہوتے ہی شعراے سلطنت کے قصائد جمع کرنے اور ایک مکمل تاریخ مدون کرنے مین مصروف ہو گیا۔ اور اس قدر جلد اس علمی خدمت کو انجام دیا کہ اِدھر الحکم فتح کے پھریرے اُڑاتا ہوا قرطبہ مین آیا اور اُدھر نوجوان عبد اللہ اپنی کتاب لے کے حاضر دربار ہوا جو علما و فضلا کے مجمع مین پسند کی گئی۔ اور عبد اللہ بھی اُن مستعد صاحب علم لوگون مین شامل ہو گیا جنھین خاص مدینۃ الزہرا کی اکیڈمی مین جگہ دی گئی تھی۔

جو اہل علم وہان جمع تھے اُن مین ایک احمد بن سعید الہمدانی تھے۔ جنھون نے اسپین کی تاریخ لکھی تھی۔ ایک یوسف بن ہارون الارادی تھے جو ابو عمرو کے لقب سے مشہور تھے۔ اسی طرح کے اور صدہا عالم تھے جو مختلف علوم مین باکمال تسلیم کیے جاتے۔

اُن دنون اسپین مین علم وفضل کو اس قدر ترقی تھی کہ مرد تو مرد عورتین بھی اپنی علمی قابلیتون سے ناموری حاصل کر رہی تھین - الناصر کے عہد کی صاحب علم عورتون کے حالات ہم بتا چکے ہین - الحکم کے زمانے مین یہ نئی عورتین شہرت کے شہ نشین پر آئین - الحکم کے قصر لبنی مین ایک بہت بڑی صاحب علم نازنین تھی جو نحو وصرف ادب اور شاعری مین مشہور تھی - ان علمون کے علاوہ اُسے علوم ہندسہ وریاضی مین بھی اچھا دخل تھا - عبارت نہایت ہی پاکیزہ لکھتی تھی - اور اُس کی ہر ہر ادا کی طرح اس کا ہر ہر فقرہ بھی دلکش ہوتا تھا - بادشاہ جب محل مین ہوتا تو اُس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے فرمان جاری ہوتے الحکم اُس کے زور قلم زور بیان اور اُس کی رائے صائب کا نہایت ہی معترف تھا -

محل ہی مین ایک اور لائقہ وفاضلہ فاطمہ بنت زکریا ی شبلیری تھی اُس کے زور قلم اور عبارت آرائی کی بھی اندلس مین دھوم تھی - ایک خاتون عائشہ بنت احمد بن محمد تھی جس کے علم وفضل اور ساتھ ہی ساتھ اُس کے دیگر محاسن کا قرطبہ مین بہت شہرہ تھا - ابن حیان اس خاتون کی نسبت اپنی تاریخ مین لکھتا ہو کہ سارے اسپین مین اُن دنون کوئی عورت نہ تھی جو حسن وجمال عفت وعصمت اور فضیلت و علمیت مین اس کی مدمقابل ہو سکے - خوبی عبارت کے ساتھ اُس کی خوش خطی بھی ایسی اعلی درجہ کی تھی کہ دیکھ کے آنکھین روشن ہو جاتین -

شہر مین ایک اور صاحب علم خاتون تھی حفصہ بنت جعفر بن نصیر التمیمی اُس نے علمی کتابون کا ایک بہت اچھا کتب خانہ جمع کر رکھا تھا اور اُس کے اشعار مقبول عام تھے - چونکہ وہ نہایت ہی خوش گلو تھی اسلیے اپنے اشعار ایسے دلکش نغمہ کے ساتھ سنایا کرتی کہ سننے والے وجد مین آجاتے - ایک عالمہ خاتون مریم بنت ابو یعقوب الفیصولی الثعلبی تھی اسنے اشبیلیہ مین ایک مدرسۂ نسوان جاری کر رکھا تھا جس مین وہان کے تمام معززین کی لڑکیان تعلیم پاتین - اور چند روز مین یہ ہو گیا کہ قرطبہ کی قریب قریب تمام امیرزادیان اور معزز خاتونین اسی مدرسہ کی "اولڈ گرلز" تھین

الحکم کی وفات کے بعد رضیہ نے محض علمی شوق مین مشرق کا سفر اختیار کیا مصر وشام وعراق کی تمام شہرون مین گئی - اور جہان پہونچی اُس کا نام ہر جگہ اس سے پہلے پہونچ چکا ہوتا - ۱

حسن کی کرشمہ سازیان

بثینہ محبوبۂ جمیل

ان دنون جمیل کا معاصر شاعر کثیر تھا - اور جس طرح جمیل بثینہ کے شمع رخسار کا پروانہ تھا وہ عزہ نام ایک مہ پارہ نازنین کی زلف گرہ گیر کا اسیر تھا - اتفاقاً کثیر ایک دن جمیل سے آکے ملا - جمیل نے پوچھا "کہان سے آتے ہو؟" کہا "بثینہ کے باپ کے پاس سے آ رہا ہون" پوچھا "اور جاتے کہان ہو؟" کہا "عزہ کے شوق دیدار مین جاتا ہون" بولا "تو پہلے ایک کام کرو - عزہ سے پھر مل لینا - اسوقت بثینہ کے قبیلہ مین واپس جاؤ - اور جس طرح بنے میرے لیے اُس سے وعدۂ وصل لے آؤ" کثیر نے عذر کیا کہ "مین ابھی ابھی وہان سے چلا آتا ہون دوبارہ جاتے شرم آتی ہے" بولا "شرم آتی ہو تو آیا کرے - اس وقت تو تمھین میری خاطر سے وہان جانا پڑے گا" مجبور ہو کے کثیر نے کہا "اچھا بتاؤ تمھین اُس سے ملے ہوے کتنے دن ہوئے؟" کہا "اوائل شوال مین اس کا دیدار نصیب ہوا تھا - اور ہوا یہ کہ مین اُس کے قبیلے کے پڑاؤ کے قریب وادی ردم نام ایک تالاب کے کنارے پہونچا تھا کہ کیا دیکھتا ہون بثینہ اور اُس کی ایک لونڈی کپڑون کی گٹھری لیے ہوئے نہانے اور کپڑے دھونے کو آ رہی ہین - جب وہ پانی مین

اُترچکین تو مجھ سے نظر دوچار ہوئی ۔ بثینہ نے کوئی اجنبی سمجھ کے جھٹ پٹ ایک بھیگی چادر مین مُنھ چھپا لیا اور لونڈی نے پوچھا "آپ کون ہین؟" مین نے کہا "جمیل" نام سُنتے ہی بثینہ نے چہرہ کھول دیا۔ مانوس ہو کے بے تکلف باتین کرنے لگی ۔ اور غروب آفتاب کے وقت تک اُس سے لطف و محبت کی باتین ہوتی رہین ۔ اب جدائی کی گھڑی آپہونچی تھی ۔ مین نے پوچھا "اب اس کے بعد کب ملو گی؟" بولی "اس وقت اس کا کیا جواب دون؟ ہمارا قبیلہ یہان سے کوچ کرنے والا ہے ۔ کسے خبر کہ اب کہان پڑاؤ ہوگا؟ اور کب اور کس جگہ ملنے کا موقع ملے گا؟" لاچار مین چلا آیا ۔ جب سے درد فراق مین مبتلا ہون ۔ اور اس درد کا علاج سوا تمھارے کسی سے نہین ہو سکتا"

کثیر مجبوراً اُلٹے پاؤن بثینہ کے قبیلہ کی طرف پھر چل کھڑا ہوا اور جمیل سے کہتا گیا کہ "جب تک مین واپس نہ آؤن تم یہین ٹھہرے رہنا" بثینہ کے باپ نے جیسے ہی کثیر کو واپس آتے دیکھا جوش مسرت سے مرحبا کہی اور واپسی کا باعث دریافت کیا ۔ کہا "آج تین نئے شعر میرے خیال مین آئے ہین ۔ جی چاہا کہ تمھین آکے سناؤن" جواب ملا "ضرور سناؤ ۔ اس سے بڑی کیا عنایت ہو سکتی ہے؟" کثیر نے خیمے کے پاس کھڑے ہو کے اور اس بات کا یقین کر کے کہ بثینہ کے کان تک آواز پہونچ جائے گی اپنے وہ اشعار سنائے ۔ اُن اشعار کا مضمون یہ تھا کہ "مین نے عمر سے کہا کہ اپنا قاصد بھیجون گا تاکہ تو بتا دے کہ کب ملے گی ۔ اور وصال کے بارے مین تیرا کیا حکم ہے ۔ آخری ملاقات وادی دوم مین ہوئی تھی جب کپڑے دھوئے جا رہے تھے" یہ اشعار سنتے ہی بثینہ بیتاب ہو گئی ۔ بے اختیار سینہ پر ایک دوہتڑ مارا ۔ اور منھ سے نکلا "ارے رے رے!" باپ گھبرا کے اندر دوڑا گیا ۔ اور پوچھا "بیٹی کیا ہوا؟ خیریت تو ہے؟" بولی "کچھ نہین ۔ وہی کُتا تھا جو لوگون کے سو جانے کے بعد رات کو پہاڑون سے نکل کے آتا ہے ۔ میری آواز سن کے بھاگ گیا" یہ کہہ کے اُس نے اپنی لونڈی سے چلّا کے کہا "جا دوڑ کے دومات (چند ٹیلون کا نام) سے لکڑیان لے آ ۔ تاکہ ہم ایک بکری ذبح کر کے اپنے مہمان کو کھلائین" کثیر نے یہ سن کے کہا "نہین! تکلیف نہ کرو ۔ مجھے اس وقت

جانے کی جلدی ہو۔ ٹھہر نہین سکتا۔ اور اسی دم واپس آکے جمیل سے یہ کیفیت بیان کی۔ وہ سنتے ہی مارے خوشی کے آپے سے باہر ہوگیا اور بولا "پری بثینہ نے اُس وقت جب سارے قبیلہ والے رات کو سو چکین گے دومات مین ملنے کا وعدہ کیا ہو" کثیر نے کہا "اگر تمھارے نزدیک اُس نے وعدہ کیا ہو تو چلو" شام ہوتے ہوتے دونون دومات مین پہونچ گئے۔ بثینہ نے ساتھ آنے پر اپنی بہن اُم الحسین اور اپنی خالہ زاد بہنون لیلیٰ اور نجیا کو بھی راضی کرلیا تھا۔ جب سب سو گئے تو چارون لڑکیان اپنے خیمون سے نکل کے مقام موعود پر آپہونچین۔ عاشق و معشوق عجیب خلوص اور خوشی سے ملے۔ صبح تک ایک دوسرے کی باتون اور صحبت جانان کی لذتون مین مشغول اور محو رہے۔ خود کثیر کہتا ہو کہ "مین نے اپنی زندگی بھر نہ اس سے زیادہ عفت و پاکبازی کی کوئی صحبت دیکھی تھی۔ اور نہ کبھی اس سے بڑھ کے سچی محبت کا کوئی منظر نظر آیا تھا۔ دونون ایک دوسرے کے جذبات سے اس قدر واقف تھے اور دلون کی باتون کو اس طرح سمجھ جاتے تھے کہ سمجھ ہی مین نہ آتا تھا کس کا عاشقانہ علم غیب بڑھا ہوا ہے" آخر روز ہجران کی قیامت کا آفتاب نکلا۔ اور دونون ایک دوسرے سے رخصت ہوکے اپنے گھرون کو سدھارے۔

اس ملاقات کی بثینہ کے گھر والون کو خبر ہوگئی۔ اور سب نے قسم کھالی کہ جمیل جہان ملے گا مار ڈالین گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جمیل و بثینہ پر دنیا تنگ تھی۔ بثینہ کو گھر مین بڑی کڑی کڑھا کرتی۔ مگر جمیل کا یہ عالم تھا کہ جوش عشق جنون اور مالیخولیا کی شان دکھانے لگا۔ راتون کو قبیلہ بثینہ کے قریب آتا۔ اندھیرے مین ٹیلون پر چڑھتا۔ اور دیار جانان کی طرف رُخ کرکے ہوا سے کہتا۔

هبي لى نسمة من ريح بثن ومنى بالهبوب الى جميل

(بثینہ کی خوشبو کا کوئی جھونکا لا۔ اور جمیل پر اتنا احسان کرکہ اُسی کی طرف چل)

یون پہاڑون مین رات رات بھر روتا اور صبح سے پہلے بھاگ جاتا۔ ادھر بثینہ کا یہ عالم تھا کہ اپنی سہیلیون سے بار بار کہتی "ہاے جمیل کے رونے کی آواز آرہی ہو" وہ کہتین "ہوش کی دوا کرو۔ جمیل یہان کہان؟"

انہیں دونون کثیر سے پھر ملاقات ہوئی۔ اُسے جمیل کی بیتا بیان دیکھ کے اُس کے چند مشہور اشعار یاد آئے۔ جو اُس نے بثینہ کے فراق مین کہے تھے وہ اشعار پڑھے اور کہا ”کیا بثینہ نے یہ شعر نہین سُنے جو اس قدر بے پروا ہے؟“ جمیل نے اسی قسم کے چند اشعار کثیر کے پڑھ دیے اور کہا ”کیا عزہ کے کان تک تمھارے یہ شعر نہین پہونچے جو تمھین نہین پوچھتی؟“ جواب معقول تھا دونون نے لپٹ کے رونا شروع کیا اور ساری رات روتے اور آنسو بہاتے رہے۔

آخر جوش عشق اس حد کو پہونچا کہ نہ رہا گیا۔ اور جان پر کھیل کے جمیل قبیلۂ بثینہ کی طرف چلا۔ اور ایک تالاب کے قریب پہونچ کے ٹھہر گیا کہ بثینہ کی کوئی لونڈی یا اُس کے گلہ کی چرانے والی خادمہ ملے تو زہے قسمت خوشامد درآمد کر کے پیام شوق لیجانے پر راضی کرے۔ بثینہ کی کوئی لونڈی تو نہ ملی مگر بنی عذرہ ہی کی ایک اور حبشن لونڈی مشک لیے ہوے پانی لینے کو آگئی۔ وہ اتفاق سے جمیل کو پہچانتی تھی۔ صورت دیکھتے ہی چلائی ”واہ واہ! کیسے رہے؟“ اور اُس کے ساتھ ہمدردی کرنے لگی۔ جمیل نے کہا ”تمھین مجھ پر ترس آتا ہے تو اتنا احسان کرتین کہ کسی بہانے سے میری یہ انگوٹھی لیجا کے بثینہ کو دے دیتین۔ میرا پیام شوق پہونچاتین۔ اور اُس سے وعدۂ وصل لے آتین۔ تم جب تک واپس نہ آؤگی مین یہان تمھارا منتظر رہون گا“ لونڈی نے قبول کیا۔ اور انگوٹھی لے کے گھر گئی۔ یہان باتون مین اُسے اتنی دیر ہو گئی تھی کہ اُس کے آقا نے خفا ہو کے پوچھا ”اور اتنی دیر تو نے کہان لگائی؟“ اس نے کچھ معمولی عذر کر دیے جن کا کسی کو یقین نہ آیا۔ اور لوگ اس سے مار مار کے پوچھنے لگے کہ ”سچ بتا اتنی دیر سے کہان تھی؟“ زیادہ مار پڑی تو اُس نے ساری کیفیت بیان کر دی۔ اور جمیل کی انگوٹھی نکال کے اُن کے ہاتھ مین رکھ دی۔ اس واقعہ کی خبر بثینہ کے گھر مین پہونچی تو اُس کے باپ بھائی اور شوہر تلوارین سُوت سُوت کے کھڑے ہو گئے کہ اسی وقت جا کے اس کا کام تمام کر دین گے۔ خدا کی قدرت دو چار عذری جوان آگئے جنھین جمیل سے ہمدردی تھی۔ انھون نے ان لوگون کو قتل پر آمادہ دیکھ کے کہا ”یہ کیا ہو اکیا؟“ انھون نے ساری

سرگذشت بیان کرکے کہا "جاتے ہین جمیل کو مارڈالین گے" جوانون نے پوچھا "جمیل ہو کہان ہے؟" کہا "اِن پہاڑیون کے اُس طرف فلان تالاب کے کنارے" انھون نے کہا "لیکن تم نے اسے کوئی جرم کرتے یا بثینہ سے ملتے نہین پکڑا ہے یون اس کی نکسیر بھی پھوٹی تو اس کے اعزہ بدلہ لینے پر آمادہ ہو جائین گے" یہ سُن کے بثینہ کے عزیز خاموش ہوئے اور کہا "پھر کیا کرین؟" کہا "اگر اُس سے انتقام لینا چاہتے ہو تو ایسی تدبیر کرو کہ وہ بثینہ کے پاس بیٹھا اور اس سے باتین کرتا ہوا پکڑا جائے" یہ تجویز پسند کی گئی۔ اور یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ اُس جشن لونڈی کو انگوٹھی واپس دی گئی۔ اور کہا گیا کہ "تو اسے لے جاکے بثینہ کو دے اور اُس سے وعدہ لے۔ اور یہ نہ بتا کہ کسی اور کو بھی خبر ہو گئی ہے۔ اور جس وقت وہ جانے کا وعدہ کرے اُس کی جاکے جمیل کو خبر کر دے" لونڈی تو ادھر بثینہ کے پاس گئی۔ اور یہ لوگ اِدھر سیدھے جمیل کی تلاش مین روانہ ہوئے۔ پتہ پوچھ ہی لیا تھا دم بھر مین جا پہونچے اور سارے واقعہ کی خبر کر دی۔ جمیل نے کہا "خیر مین تو چلا جاؤن گا مگر تم کسی طرح بثینہ کو تو خبر کرو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ یہان آکے پریشان ہو" سب نے اس کا وعدہ کیا۔ اور جمیل کو وہان سے بھگا کے آئے اور بثینہ کی لونڈی کو کچھ دے دلا کے راضی کیا۔ اور اُس کے ذریعہ سے اُسے بھی خطرے اور جمیل کے چلے جانے سے آگاہ کر دیا۔

اس کے بعد پھر جمیل و بثینہ مین کئی ملاقاتین ہوئین۔ اور اہل قبیلہ کو معلوم ہو گیا کہ بثینہ اپنی حرکتون سے باز نہین آتی۔ اور برابر جا جا کے ملتی ہے۔ تب ناچار ہو کے انھون نے اُم منظور نام ایک بڑھیا کو بثینہ کا نگہبان مقرر کیا جو ہر وقت سایے کی طرح اُسکے ساتھ رہتی۔ اور کسی طرح پیچھا نہ چھوڑتی۔ جمیل کو شوق دیدار ام منظور کے پاس لے آیا۔ اُس کے ہاتھ جوڑے ناک رگڑی سب طرح کہا کہ "لِلّٰہ بثینہ کو ایک نظر دکھا دو" وہ بگڑ کے بولی "جاؤ اپنا کام کرو۔ مین کوئی کٹنی نہین ہون" جمیل نے کہا "بُوا ایسا نہ کرو کہ پھر تمھین میری شکایت ہو" ام منظور نے ایک نہ سنی۔ اور جمیل نے نہایت ہی حسرت کے ساتھ بے نیل مرام واپس آکے دو شعر کہہ ڈالے جن کا مضمون یہ تھا کہ "ہاے وہ گھڑی نہ بھولے گی

جب اُم منظور نے سب سے چھپا کے مجھے بثینہ کا جلوہ دکھایا تھا؟" یہ اشعار اُنکی زبان سے نکلتے ہی قبائل عرب میں مشہور ہو گئے۔ اور جب بثینہ کے شوہر اور باپ بھائی کے کان تک پہونچے تو وہ ام منظور پر بہت بگڑے۔ اس نے لاکھ قسمیں کھا کھا کے اپنی برارت کی ایک نہ مانی اور اُس پر سے بھی اپنا اعتبار اُٹھا لیا۔

لیکن معلوم ہوتا ہو کہ جو واقعہ جمیل نے شعروں کے ذریعہ سے مشہور کیا اس کی کچھ اصلیت بھی تھی۔ کیونکہ مصعب بن زبیر نے اپنے عروج اور حکومت عراق کے زمانے میں کسی کی زبانی جمیل کے اِن دو شعروں میں سے ایک کو سنا تو اُنھیں بڑا لطف آیا۔ اور جوش میں آ کے کہنے لگے کاش یہ معلوم ہوتا کہ ام منظور نے جمیل کو بثینہ کا جلوہ کیونکر دکھایا تھا؟" جس نے شعر سنایا تھا اُسی نے ان کی یہ تمنا سن کے کہا "وہ تو مشکل ہی کیا ہو۔ جس ام منظور کا اس شعر میں ذکر ہو ابھی زندہ موجود ہو خود اُس سے بلا کے پوچھ لیجیے"

مصعب نے فوراً جہاں ام منظور تھی وہاں کے عامل کو حکم بھیجا کہ "اُم منظور کو فوراً میرے پاس عزت و حرمت سے سوار کرا کے بھیجو" اور جب وہ آئی تو کہا "بڑی بی اتنا بتا دو۔ تم نے کس ادا سے بثینہ کو جمیل کا جلوہ دکھایا تھا کہ اس سے ایسا مزے کا شعر نکل گیا؟" ام منظور نے کہا "سنیئے۔ میں نے ایک ہار بثینہ کے گلے میں ڈال دیا تھا۔ ایک خمار سر میں لپیٹ دی تھی۔ کاکلوں کی چوٹیاں گوندھ دی تھیں۔ اور مانگ میں خلوق (خوشبو جو صندل کی طرح لگائی جاتی تھی) لگا دیا تھا بس اتنا ہی سنگار کر کے میں نے بثینہ کو ایک جگہ بٹھا دیا اور جمیل کو صرف اتنی اجازت دی کہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کے پاس سے گزر جائے۔ اسی شان سے وہ کن انکھیوں سے دیکھتا ہوا گزرا۔ اور قدم قدم پر پھر پھر کے دیکھتا جاتا تھا یہاں تک کہ نظر سے غائب ہو گیا" مصعب کو ان دنوں عائشہ بنت طلحہ کے عشق کا زور تھا۔ اُن سے نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ اور ہر لحظہ اُن کے شمع رخسار کے پروانے بنے رہتے۔ ایک بیتابی کے ساتھ ام منظور کو قسم دلائی کہ "یونہیں تم مجھے عائشہ بنت طلحہ کا جلوہ دکھا دو" بڑھیا کو کیا عذر ہو سکتا تھا۔

اپنے خیال کے مطابق عائشہ بنت طلحہ کو اُس وقت کی بثینہ بنا کے بٹھا دیا۔ اور مصعب اونٹ پر سوار ہو کے جس طرح بڑھیا نے بتایا تھا کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے نکل گئے۔ اور جب تک نظر کام دیتی تھی پھر پھر کے دیکھتے جاتے تھے۔

بہر تقدیر ان دو شعروں سے ام منظور کا کانٹا تو راستہ سے نکل گیا لیکن معشوقہ پری تمثال کے قبیلہ میں میاں جمیل جاتے کیونکر؟ وہاں جو تعاشوں کا پیاسا تھا۔ اور یہاں تاب فراق نہ تھی آخر ایک دن چرواہے کا بھیس کر کے چلے ہی گئے۔ اتفاقاً اس دن بثینہ کے گھر میں چند مہمان ٹھہرے ہوئے تھے آپ بھی اُن کی آڑ میں دبے ہوئے ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ بثینہ نے پوچھا "تم کون ہو؟" کہا "وہ ایک محتاج غلام ہوں" غلام خیال کر کے اُس نے ان کو اور مہمانوں سے الگ بٹھایا۔ پھر آگ روشن کی۔ اور وہ خود اور اس کی ایک لونڈی آگ میں گوشت بھون بھون کے سب کو کھلانے لگیں اتنے میں آپ نے ایک شعر پڑھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "سرما زدہ شکستہ حال کے لیے کیا حکم ہے؟ وہ رات بھر آگ ہی تاپتا رہے یا اُسے اوڑھنے کو کچھ ملے گا؟" سنتے ہی بثینہ چونک پڑی اور لونڈی سے کہا "یہ تو خدا کی قسم جمیل کی آواز ہے! جا کے دیکھ تو سہی" لونڈی نے آ کے دیکھا۔ اور واپس آ کے چپکے سے کہا "وہ آپ سچ کہتی تھیں۔ جمیل ہی ہے" اس جواب پر بثینہ نے بیتاب ہو کے ایک ایسی چیخ ماری کہ پاس پڑوس کے تمام آدمی دوڑ پڑے۔ مگر جب تک کوئی آئے آئے اس نے گھبرا کے اپنا دوپٹہ آگ میں ڈال دیا۔ اور جب لوگوں نے آ کے پہنچنے کا سبب پوچھا تو بولی "ہائے کیا کروں میرا دوپٹہ جل گیا" اس کے بعد جب سب چلے گئے تو لونڈی بھیج کے جمیل کو اپنے پاس بلایا۔ بڑی گرمجوشی سے ملی۔ اپنی کہی اور اس کی سنی۔ اور تین دن تک اپنے پاس چھپائے رکھا۔

اس موقع پر بثینہ نے اپنے اعزا اور شوہر کی مرضی کے خلاف نہایت جرأت کا کام کیا تھا۔ لیکن عشق اور اس سچی محبت کے تقاضے سے

جو اُسے جمیل کے ساتھ تھی وہ ہر طرح کے خطرون مین پڑنے اور اس سے بھی بڑھ کے جرأتین کرنے کو تیار ہو جاتی تھی - چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہو کہ ایک اندھیری رات مین جبکہ بادل گرجتا تھا - مینھ برس رہا تھا اور وہ بنی عذرہ کی کسی دعوت سے واپس آ رہی تھی - اس کی بہن ام الحسین اور کئی اور لڑکیان ساتھ تھین - چلتے چلتے کسی لڑکی پر ایک کنکری آ کے گری وہ سہم سی گئی اور ڈر کے بولی "رو یہ کنکری تو کسی جن نے ماری ہو" بثینہ سمجھ گئی کہ جمیل کے سوا اور کوئی نہین ہو سکتا - لڑکیون سے کہا "ہان یہ جنون ہی کا کام ہو - جلدی قدم اٹھاؤ - کہ بھاگ کے اپنے گھر ہو رہین - اور جاتے ہی پڑ کے سو رہین" سب لڑکیان بجاے اس کے کہ کچھ دیر اُس کے پاس بیٹھ کے باتین کرین بھاگ بھاگ کے اپنے گھر چلی گئین - فقط ام الحسین اور وہ بڑھیا ام منظور جس کا ذکر آ چکا ہو رہ گئین - تو بثینہ خود جا کے جمیل کو اپنے خیمے مین بلا لائی - اور دونون ساتھ بیٹھ کے باتین کرنے لگے - ساری رات باتون مین کٹ گئی - مگر پچھلے کو نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ دونون ایک دوسرے کے پہلو مین پڑ کے غافل سو گئے - اور اسی حالت مین صبح ہو گئی - پاس ہی خیمے مین اس کا شوہر تھا - اسلیے کہ ان دنون عربون مین رواج تھا کہ میان بی بی جدا جدا خیمون مین رہا کرتے - اس کے شوہر کا معمول تھا کہ روز صبح کو اپنے غلام کے ہاتھ اُس کے پینے کو ایک کٹورا دودھ خاص اپنے اہتمام سے بھیجا کرتا - اُسی معمول کے مطابق آج جو غلام آیا تو کیا دیکھتا ہو کہ بثینہ کے پہلو مین جمیل پڑا سو رہا ہو - فوراً واپس گیا کہ اپنے آقا کو خبر کر دے - اتفاقاً لیلی نام قبیلہ کی ایک عورت نے جو بثینہ کی دوست تھی اسے روک کے پوچھا "کہان جاتے ہو؟" اور غلام نے سارا حال بیان کر دیا - لیلی کو بثینہ کے حال پر ترس آیا - غلام کو باتون مین لگایا اور چپکے سے اپنی لونڈی کو اشارہ کیا کہ بثینہ کو جا کے ہوشیار کر دے - اُس نے آ کے جگایا - اور ماجرا

بیان کیا تو بثینہ گھبرا کے اُٹھی جمیل کو جھنجھوڑ کے اُٹھایا اور کہا "خدا کے لیے اپنی جان بچاؤ!" جمیل نے کہا "مین ڈرنے والون مین نہین ہون" تلوار کھینچ لی۔ اپنے بہادرانہ عشق کی مدح مین فخریہ دو شعر پڑھے اور مقابلہ کو تیار ہو گیا۔ یہ دیکھ کے بثینہ اور سہم گئی۔ اور خوشامد سے کہا "یہ وقت نہ بہادری کا ہی اور نہ شاعری کا۔ تمھارے لیے نہین مین خود اپنی آبرو کے لئے ڈرتی ہون۔ اسی مین مصلحت ہی کہ چپکے سے تخت کے نیچے دبک رہو" آخر معشوقۂ نازنین کے کہنے سے جمیل تخت کے نیچے گھس گیا۔ بثینہ اپنے بچھونے پر لیٹ کے سوتی بن گئی اور اس کے پہلو مین بجائے جمیل کے اُس کی بہن اُم الحسین آ کے لیٹ گئی۔ جب یہ کارروائی ہو لی اور لونڈی نے واپس جا کے لیلی کو اشارے سے بتایا کہ انتظام ہو گیا تب اُس نے اُس غلام کو رخصت کیا۔ غلام نے جاتے ہی اپنے آقا بثینہ کے شوہر کو خبر کی۔ وہ تلوار لے کے دوڑا کہ اس فتنہ کو ہمیشہ کے لیے مٹا دے۔ مگر یہان آ کے جب دونون ہم پہلو سونے والون کے مُنھ پر سے چادر ہٹائی تو کیا دیکھتا ہی کہ دونون بہنین آس پاس سو رہی ہین۔ نہایت ندامت کے ساتھ غلام کو گالیان دیتا ہوا واپس گیا اُدھر لیلے اسی وقت بثینہ کے ماں باپ کے پاس دوڑی گئی اور کہا "خدا تمھین غارت کرے! اپنی لڑکی کو یون بدنام کرتی ہو! اور یہ شریر کانا (بثینہ کے شوہر کی ایک آنکھ نہ تھی) خدا اس سے سمجھے ہر روز کوئی نئی بات اُٹھا کے کھڑی کر دیا کرتا ہی!" وہ دونون داماد کو برا بھلا کہنے لگے اور ہر طرف سے اُس پر لعنت برسنے لگی۔ یہان میان جمیل دن بھر جملہ جو معشوقۂ پری تمثال کے خیمے مین اُس سے پیار کی باتین کرتے رہے اور جب شام ہوئی تو رخصت ہوئے۔ اور آتے ہی اس واقعہ کو بھی موزون کر کے سارے عرب مین پھیلا دیا۔

قبیلۂ بنی عذرہ کے جس بطن (شاخ) مین بثینہ تھی وہ "بنی الاحب" کہلاتا تھا۔ اب بنی احب کے ایک نوجوان عبید اللہ بن قطبہ نے جمیل کی

ہجو مین اشعار کہنا شروع کیے۔ مگر شاعری مین بھلا جمیل کا کوئی کیا مقابلہ کر سکتا تھا! جواب مین ایسی مٹی خراب کی کہ اُس کے حواس جاتے رہے اور چند روز کے رد و قدح کے بعد اس نے عہد کر لیا کہ پھر کبھی جمیل کو نہ چھیڑ ون گا۔ جب وہ ہار چکا تو بنی احب کے ایک اور شخص عمیر بن رمل نے جمیل کی ہجو مین طبع آزمائی شروع کی۔ اور وہ بھی ہار کے ندامت سے خاموش ہوا۔ جمیل نے اِن دونون کی ہجو ون مین چونکہ سارے قبیلہ کے اوپر حملہ کیا تھا اور جن کی ہجو تھی وہ بثینہ کے عزیز تھے اسیلیے انھین سن کے بثینہ بھی جمیل سے خفا ہوگئی۔ اُدھر بثینہ کے اعزہ سب طرف سے ہار کے اپنے علاقہ کے حاکم زکوۃ عامر بن ربعی کے پاس پہونچے اور فریاد کی کہ "جمیل ہمارے مردون کی ہجو کرتا ہی۔ ہمارے گھرون مین چھپ چھپ کے آتا ہی۔ اور ہماری عورتون کے ساتھ عشق بازی کرتا ہی" عامر نے کہا "ایسا ہی تو تمھارے لیے اُس کا خون حلال ہی۔ جہان ملے بے تکلف مار ڈالو۔ اور کوئی مزاحم ہو تو مجھ سے آکے کہنا" جمیل کو جب یہ حال معلوم ہوا تو بنی احب کے علاقہ سے دُور دُور رہنے لگا۔

یہ زمانہ جمیل کے لیے بڑی بدنصیبی کا تھا۔ ایک طرف جان کا خوف تھا اور دوسری طرف بثینہ کی ناراضی کا صدمہ۔ اصل یہ ہی کہ عبید اللہ بن قطنہ اور عمیر بن رمل بثینہ کے عزیز تھے۔ جمیل نے اُن کی ہجو کہی تو اُسے بُرا معلوم ہوا۔ اور کہنے لگی "میرے ساتھ عشق کا تو دعوی ہی مگر میرے عزیزون کی مذمت کرتے ہین" آخر فراق کی بیتابی۔ اور اپنے وفور محبت کو اس عنوان سے اشعار مین ظاہر کیا اور اس طرح دلجوئی کی کہ بثینہ کا دل صاف کیا۔ غیر جمیل نے اپنی شاعری کے جادو سے بثینہ کو تو مسخر کر لیا لیکن حاکم کے موافق بنانے کی کوئی تدبیر نہ بن پڑی۔

آخر بے صبری دل کے ہاتھون سے مجبور ہو کے اِس خوف کے زمانے مین بھی ایک دن سب سے چھپ کے بثینہ سے ملا۔ باتین کین اور اس کے پاس بیٹھا ہی ہوا تھا کہ بنی احب سر پر آ پہونچے۔ ادھر

اُسے پکڑ لیا۔ مگر غنیمت یہ ہوا کہ بنی احب جمیل کے قبیلہ والون سے دبے ہوئے تھے۔ کیونکہ بنی عذرہ کے جس گروہ مین جمیل تھا وہ بڑا زبردست قبیلہ تھا۔ اسیلیے بثینہ کے اعزہ ڈرے کہ اگر جمیل کے قبیلہ والے انتقام لینے کو اُٹھ کھڑے ہوئے تو کیا کرین گے۔ ناچار خاموش ہو رہے اور اُسے نکل جانے کا موقع دے دیا۔ مگر اُسی وقت والی ملک کے پاس دوڑے گئے اور سارا ماجرا بیان کر کے اپنی عاجزی و بیچارگی ظاہر کی۔ اس نے حکم جاری کر دیا کہ جہان ملے گرفتار کر لیا جائے۔ اس حکم کے بعد جمیل کو بھاگنے راستہ نہ ملتا تھا۔ مجبوراً صحبت یار سے دست بردار ہو کے ملک یمن کی راہ لی۔ اور وہان کی دشت دورمین خاک چھاننے لگا۔ یہان تک کہ وہ والی بدل گیا۔ اور بثینہ کے قبیلہ والون یعنی بنی احب نے بھی علاقۂ شام مین جا کے پڑاؤ ڈالا۔ جمیل کو خبر ہوئی تو پھر آپہونچا۔ اور پہلے کی طرح پھر بثینہ سے ملنا جلنا شروع کر دیا۔

اب پھر بثینہ کے اعزہ کا کوئی زور نہ چلتا تھا۔ آخر سب کے سب جمیل کے باپ معمر کے پاس آئے جو اپنے قبیلہ کا دولت مند حاکم اور صاحب اثر شخص تھا اور بڑی عاجزی سے کہا "خدا کے لئے اپنے بیٹے کو روکیے۔ وہ ہماری لڑکی پر اظہار عشق کرتے اُس سے بار بار آکے ملتے۔ اشعار مین اُس کے حسن و جمال کا ذکر کر کے اُسے بدنام کرتے۔ اور ہمین ساری دنیا مین رسوا کرتے ہین" معمر نے وعدہ کیا کہ اچھا مین اُسے سمجھا دون گا۔ پھر اس کے بعد جب جمیل سے ملا تو کہا "بیٹا۔ اس گمراہی مین کب تک پڑے رہو گے؟ ایک شوہر والی عورت کے ساتھ علانیہ اظہار عشق کرتے ہو جو ظاہر مین تم سے چکنی چپڑی باتین کر دیتی ہے اور اصل مین اپنے شوہر کی جان نثار ہے۔ تمھین اس پر شرم نہین آتی کہ جسے اپنی معشوقہ بتاتے ہو وہ روز غیر کا پہلو گرم کرتی ہے؟ تمھاری ان حرکتون کو سُن سُن کے مین مارے غیرت کے مرا جاتا ہون مگر تم پر اثر نہین ہوتا۔ سچ یہ ہے کہ مین نے نہ تم سے زیادہ نالائق دیکھا ہے اور

نہ تم سے بڑھ کے کوئی بے وقوف ہوگا جو ایک ایسی عورت کے شوق
مین عمر ضائع کرے جس کا ملنا غیر ممکن ہو۔ لہٰذا ان بیہودگیون سے باز آؤ۔
مین نے اس بارہ مین خوب غور کرلیا ہو۔ اگر کوئی صورت امکان مین
ہوتی تو تمھارے لیے اپنی ساری دولت خرچ کرکے مین اُس
عورت کو لے آتا۔ اور تمھارے حوالے کرتا۔ خوب یاد رکھو کہ بثینہ
جس کی ہونے والی تھی ہو چکی۔ تمھارے قبیلہ مین ایک سے ایک
بڑھ کے خوبصورت لڑکیان پڑی ہین جس سے کہو شادی کردون
مگر اُس کا خیال چھوڑ دو۔" جمیل نے کہا "آپ کی راے نہایت صائب
ہو۔ اور جو کچھ آپ فرما رہے ہین بالکل بجا و درست ہو۔ لیکن سچ
فرمائیے۔ آپ نے کبھی کسی شخص مین اتنی طاقت پائی ہو کہ اپنے عشق
کو دل سے نکال ڈالے؟ اور معشوقہ سے دست بردار ہو کے دل کو
تسلی دے سکے؟ خدا کی قسم اگر یہ بس کی بات ہوتی کہ اُس کی یاد کو دل
سے بھلا دون اور اُس کی صورت کو جو آنکھون کے آگے قائم ہو گئی
ہو سامنے سے ہٹا دون تو مین ہرگز تامل نہ کرتا۔ مگر افسوس یہ امکان
مین نہین۔ در اصل یہ ایک آفت ہو جس مین پھنس گیا ہون۔ اور
اس سے بچنے کی کوئی صورت نہین نظر آتی۔ جانتا ہون کہ بثینہ کے
اعزہ و اقارب اور حکومت دشمن ہو۔ مگر محبت سے باز نہین آسکتا۔ یہی
نہ کہ اس شوق مین مار ڈالا جاؤن گا تو یہی میری تمنا ہو" اور
پُرجوش اشعار مین دل کی حالت ظاہر کرنے لگا۔ اس وقت
اُس نے اپنی بے بسی و بیقراری ایسے موثر الفاظ مین ادا کی تھی
کہ باپ اور تمام سننے والے زار و قطار رونے لگے۔

اب اُسے اپنی زندگی بہت دشوار نظر آنے لگی اور آمادہ ہوا کہ
بھاگ کے ملک شام مین چلا جاے۔ چلتے وقت دل مین کہا "اب کوئی
جاہلون سے جاتا تو ہئی ہون چلو چلتے وقت ایک رخصتی ملاقات تو کرلون"
یہ خیال آتے ہی ایک رات کو جبکہ قبیلہ والے غافل تھے بے تکلف بثینہ کے

خیمے مین چلا گیا۔ وہ صورت دیکھتے ہی سہم کے رہ گئی۔ اور کہا "خدا کی قسم تم اپنی بھی جان دوگے اور میری بھی جان لوگے! تم کو یہان آتے ڈر نہ لگا؟" جواب دیا "آپ تو شام کو جاتا ہون۔ اور جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے۔ آیا ہون کہ تم سے رخصت ہو لون" یہ سن کے اُسنے پاس بٹھا لیا۔ دیر تک عشق و محبت کی باتین رہین۔ پھر لپٹ لپٹ کے رخصت ہوا۔ اور کہا "مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی مین پھر تمھاری زیارت نہ ہوگی" یہ کہہ کے رویا محبوبۂ پری تمثال کو رلایا۔ اور اپنے چند اشعار شوق درد کے لہجے مین سُنا کے چلا آیا۔

ایک مدت تک ارض شام مین سرگردان رہنے کے بعد پھر واپس آیا۔ اور بثینہ نے اُس کے آنے کی خبر سنی۔ اب بثینہ کی بیتابی و بیقراری بڑھی ہوئی تھی۔ قبیلہ کی چند لڑکیون کی معرفت اُسے خود ہی پیام بھیج کے بلوایا۔ اور ایک محفوظ مقام مین اطمینان سے ملی۔ دونون نے اپنے دلون کی حالت ایک دوسرے پر ظاہر کی۔ اور شکایت ہجران کے دفتر کھولے۔ انھین باتون مین مصروف تھے کہ کیا دیکھتے ہین بثینہ کے باپ اور بھائی سر پر تلوارین کھینچے کھڑے ہین۔

یہ دیکھتے ہی جمیل بجلی کی طرح تڑپ کے الگ جا کھڑا ہوا۔ تلوار کھینچ لی اور شمشیر زنی کا ایسا کمال دکھایا کہ دونون حریف مقابلے مین عاجز آ کے اور ہمتین ہار کے بھاگ کھڑے ہوئے۔ باپ بھائی کے جانے کے بعد بثینہ نے گھبرا کے کہا "اب تم خدا کے لیے واپس جاؤ۔ ذرا بھی ٹھہرے تو مین ایسی رسوا ہون گی کہ کہین کی نہ رہون گی۔ اور ممکن ہے کہ سارا قبیلہ چڑھ آئے تو پھر کیا کروگے؟" کہا "مین سب سے مقابلہ کرون گا۔ تم شوق سے جاؤ۔ مگر مین یہان ٹھہرا رہون گا۔ ان کا جو جی چاہے کرین" لیکن بثینہ نے قسمین دلا دلا کے چلے جانے پر مجبور کیا اس واقعہ کو بھی اس نے اپنے کلام مین موزون کیا ہے۔

اب پھر جمیل بثینہ کے قبیلہ کے آس پاس مارا مارا پھرتا تھا۔ اور

پہاڑون مین بیٹھ بیٹھ کے مصیبت ہجران پر روتا تھا - اتفاقاً ایک دن اپنے دو چچا زاد بھائیون روق اور مسعدہ سے ملاقات ہو گئی - اُن کو پُر جوش اشعار مین اپنا درد دل سنایا - اور کہا "للہ کوئی ایسی صورت نکالو کہ مین اپنی بثینہ سے مل سکون" انھون نے کہا "تمھارے معاملہ مین کون دخل دے؟ اس وقت قبیلہ مین ایک سے ایک بڑھ کے حسین لڑکی پڑی ہوئی ہو مگر تم بثینہ کے نام پر مٹے ہوئے ہو - جو دوسرے کی جورو ہو کامیاب بھی ہو تو گویا تم بدکاری مین مبتلا ہو گے جسے ہم تمھاری شان کے خلاف سمجھتے ہین - اور یا ذلیل ہو گے جو بات ہمین گوارا نہین ہو سکتی اگر تم اپنے نفس پر تھوڑا سا جبر کرو - اپنی خواہشون کو روکو - اور پرہیز کی کڑواہٹ گوارا کر لو تو ساری دشواریان دور ہو جائین گی" یہ سن کے جمیل پھوٹ پھوٹ کے رویا اور کہا "بھائی اگر یہ میرے بس کی بات ہوتی تو تمھارا کہنا ٹھیک تھا - لیکن کیا کرون دل ہی قابو مین نہین ہو - مین تو ایک قیدی ہون جو اپنے نفع کی کوئی بات نہین کر سکتا - مین تمھارے پاس اس لیے آیا تھا کہ میری مدد کرو اور درد دل کا کوئی علاج بتاؤ - یہ اگر تم سے نہین ہو سکتا تو نہ سہی مگر مجھے اور زیادہ پریشان تو نہ کرو" یہ سُن کے دونون کو ترس آ گیا - اور کہا "خیر اگر تم جان دینے ہی پر تلے ہوئے ہو تو ایک تدبیر ہو سکتی ہو - بنی احب مین ہمارا ایک جانی دوست ہو - اُس سے مدد مل جائے گی - بثینہ آج ہی رات کو قبیلہ کی اور بہت سی لڑکیون کے ساتھ ایک میدان مین کھیلنے کو جائے گی - ہم تمھین چھپ کے وہان لے چلین گے - اس سے ملنا - جب تک موقع ہو باتین کرنا - اور جب صبح ہوتے دیکھنا میرے ان دوست کے گھر مین جا کے چھپ رہنا - اسی طرح ایک زمانے تک تم وہان قیام کر کے اس سے ملتے رہنا" جمیل نے کہا "اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہو" اور ان کے ساتھ بھیس بدل کے راتون رات بنی احب مین جا پہونچا - ساتھیون نے وہان پہونچ کے جب اپنے دوست سے یہ خواہش بیان کی تو اُس نے کہا "تم مجھے

ایک بڑی آفت مین پھنسا رہے ہو۔ ذرا بھی کھل گیا تو سارا قبیلہ میری جان کا دشمن ہو جائے گا؟" اُنھون نے پھر اصرار کیا تو اس نے جبراً و قہراً منظور کر لیا۔ اور ساتھ ہی جمیل کو اپنے خیمے مین چھپا کے بٹھا لیا۔ اور رات ہی کو اپنی لونڈی کے ہاتھ اُس کی انگوٹھی بثینہ کے پاس بھیجی۔ بثینہ انگوٹھی پہچانتے ہی لونڈی کے ساتھ چلی آئی۔ بڑی گرم جوشی سے ملی۔ اور رات بھر دونون مین اظہار شوق کی باتین ہی ہوتی رہین۔ غرض مسلسل تین دن تک دونون یونہین راتون کو ملتے رہے۔ تیسرے دن جمیل نے بثینہ سے کہا "اس نیک دل آدمی نے ترس کھا کے مجھے اپنے خیمے مین بٹھا لیا۔ اور مسلسل تین دن تک ہمین وصل کی لذت حاصل ہوتی رہی۔ اب اس پر زیادہ بار ڈالنا نہین اچھا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی کو خبر ہو اور اس پر آفت آجائے اسلیے مین اب رخصت ہوتا ہون"

جمیل اور بثینہ کے عشق مین ایک مرتبہ دوچار روز کے لیے جوش رقابت خلل انداز بھی ہوا تھا۔ اور ہوا یہ کہ بثینہ اپنے قبیلہ کے کسی خوش رُو لڑکے سے باتین کر رہی تھی کہ جمیل نے دیکھ لیا۔ اس کا جواب اُس نے یہ دیا کہ اُس کے سامنے وہ بھی کسی اور جوان لڑکی سے ہنس ہنس کے باتین کرنے لگا۔ ان واقعات نے دونون دلون مین ذرا رکاوٹ پیدا کر دی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہجر کی تکلیف دونون کو بیقرار و بیتاب کیے ہوئے تھی۔ ایک دن اُسے دور سے دیکھ کے وہ آئی مگر پاس آکے ٹھٹک کے آڑ مین الگ ہی کھڑی ہو رہی۔ جمیل کا دل ہاتھ سے نکل گیا۔ اور تین شعر پڑھے جن مین سے پہلے کا مضمون یہ تھا "مجھے دھڑکا لگا تھا کہ ایسا نہ ہو موت مجھے فنا کر دے اور دل کی حسرتین دل ہی مین رہ جائین" یہ سنتے ہی بثینہ کا دل بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔ اور دونون مین ملاپ ہو گیا۔ اس وقت جوش مین آکے بثینہ نے کہا "جمیل اپنا یہ شعر مجھے اپنی زبان سے سناؤ۔

تطلق وعداوتستر نو بلحظہا   اذا امر من اترابہا من یروقہا

(اُس کا ہم سن چاہنے والا اُس کے پاس سے گزرا ہو اور وہ پردے کی آڑ مین کھڑی ہو کے اُسے کن انکھیون سے دیکھ رہی ہو) مگر جمیل نے اس شعر کو پڑھا بثینہ سُن کے رونے لگی۔ پھر بولی "جمیل ایسا کبھی نہین ہوا۔ اور تمھین بتاؤ کہ تم سے بڑھ کے میرا چاہنے والا کون ہوگا؟"

اب جمیل ملک شام مین تھا اور اپنے قبیلۂ بنی عذرہ کے سردار کا مہمان تھا۔ اُس کی سات بیٹیان تھین اور ساتون حسین و گل اندام تھین۔ اُس نے چاہا کہ اپنی کسی بیٹی کا اُس کے ساتھ عقد کر دے۔ ان لڑکیون کو سمجھا دیا کہ بناؤ سنگھار کیے رہا کرو۔ اور جب موقع ملے جمیل کو اپنی صورت دکھا دیا کرو۔ عاشق مزاج نوجوان ہو اور اس کے ساتھ شریف شاید فریفتہ ہو کے کسی کے لیے پیام دے دے۔ لڑکیون نے یہ معمول کر لیا کہ جب اُسے تنہا پاتین پردہ اٹھا کے اپنی جھلک دکھا دیا کرتین۔ جب جمیل کو معلوم ہوا کہ جان بوجھ کے یہ حرکت کرتی ہین تو اُن کی تحقیر اور بثینہ کی تعریف مین چند شعر کہے اور بھاگ کھڑا ہوا۔ اور ملک مصر کی راہ لی بنی احب کا پڑاو راستہ ہی مین تھا۔ اُن کے قریب پہاڑیون مین ٹھہر گیا اور ارادہ کیا کہ بثینہ کا ایک جلوہ دیکھ لے تو قدم آگے اٹھائے معشوقۂ شیرین ادا کی ہمکناری کے شوق مین بیتاب تھا کہ ایک دن اتفاقاً بثینہ کے قبیلہ کے مرد کہین باہر چلے گئے۔ بثینہ کا خیمہ سرراہ اس سڑک کے کنارے تھا جو شام سے مصر کو گئی تھی۔ کئی دن سے بارش تھی۔ اب پانی بھی ذرا کھلا تھا کہ بثینہ کیا دیکھتی ہو ایک شکستہ حال بھوکا بدوی خیمے مین آ کے پناہ گزین ہوا ہو۔ بثینہ کے پاس ایک بڑھیا تھی جو صورت دیکھتے ہی چونک کے بولی "جمیل؟" جواب ملا "ہان مین جمیل ہون" اُس نے پنیر اور مسکہ کھلایا۔ پانی پلایا۔ اور جب اُس کے حواس درست ہوئے تو کیفیت پوچھی بولا "تین دن سے سامنے کی پہاڑیون مین چھپا ہوا تھا۔ اور منتظر تھا کہ مرد جالین اور پانی کھلے تو بثینہ سے آ کے ملون اور اُس کا ایک

جلوہ دیکھ لون - اس لیے کہ اب مین مصر کی طرف جاتا ہون - پھر دیکھئے زندگی مین آنا نصیب ہوتا ہے یا نہین - یہ سُن کے بثینہ اس سے بڑی سچائی اور لطف کے ساتھ ملی - تھوڑی دیر تک دونون نے مزے مزے کی باتین کین - اور جمیل اس سے رخصت ہو کے مصر چلا گیا -

مصر کا حاکم و والی اُن دنون عبد العزیز بن مروان تھا - اس نے جمیل کی بڑی قدر کی - ایک اعلیٰ درجہ کے مکان مین ٹھہرایا - ہر طرح کی خاطر مدارات کی - اور بثینہ سے ملانے کا مضبوط وعدہ کیا - مگر افسوس عمر نے وفا نہ کی - وہان چند ہی روز کے قیام مین بیمار پڑ گیا - اور مرض مہلک ثابت ہوا - اتفاقاً سہل ساعدی اور ایک اور شخص اُس کی عیادت کو آئے - اسیلیے کہ جمیل اُس وقت کا بے مثل و بے نظیر شاعر تھا اور لوگ اس کی صورت دیکھنے کے مشتاق رہتے تھے - سہل بڑے فقیہ اور مقتدا ے ملت تھے اُن کو دیکھ کے جمیل نے پوچھا "بھلا ایسے شخص کی نسبت آپ کیا فرماتے ہین جس نے زندگی بھر نہ کبھی زنا کیا ہو - نہ شراب پی ہو - نہ کسی کی جان لی ہو - اور پچاس سال سے اس بات کی شہادت دیتا رہا ہو کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" سہل نے کہا "مین سمجھتا ہون کہ اُس کی نجات ہو گی - مگر ان خوبیون کا کون آدمی ہے؟" بولا "یہ خاکسار" سہل سُن کے حیران رہ گئے - اور حیرت کے ساتھ پوچھا "بڑے تعجب کی بات ہے کہ قریب قریب تمھاری ساری زندگی تو بثینہ پر اظہار عشق کرتے گذری ہے اور اپنے آپ کو ایسا پاکباز و متقی بتاتے ہو!" جواب دیا "آپ جانتے ہین کہ مین اب چند ہی روز کا مہمان ہون - لیکن مرتے وقت بھی دعوے کے ساتھ کہتا ہون کہ مجھے محمد رسول اللہ صلعم کی شفاعت نہ نصیب ہو اگر کبھی مین نے بُری نیت سے بثینہ کے بنڈے مین ہاتھ بھی لگایا ہو - وصال مین اکثر میرا یہ کام ہوا کرتا کہ اُس کا نازک ہاتھ لے کے اپنے مضطر دل پر رکھ لیا کرتا جس سے ذرا تھوڑی دیر کے لیے تسکین ہو جاتی اور اس کے بعد پھر وہی بیقراری پیدا ہو جاتی -

شاید اس کے چند ہی روز بعد کا واقعہ ہو کہ بنی احب کے خیمون کے پاس ایک دن ایک شتر سوار آیا۔ اونٹنی سے اُتر کے ایک ٹیلے پر چڑھ گیا۔ اور ایک پُر سوز نوحے کی دُھن مین تین شعر گا گا کے سُنائے جن کا آخری شعر یہ تھا۔

توُمی بثینۃ فاندبی بعویل ۔ وابکی خلیلک دُون کل خلیل

(بثینہ اُٹھ۔ اور چلا چلا کے بین کر ۔ اور اپنے اُس محب پر رو جو سب دوستون سے اونی تھا)

یہ اشعار نہ تھے جادو تھے کہ سنتے ہی سارے قبیلے کی عورتین خیمون سے نکل پڑین۔ اور سراسیمہ و مضطر اس تازہ وارد شخص کی طرف دوڑین۔ آگے آگے ایک غزال رعنا اور حور وش ماہ سیما تھی جو نہایت بدحواس اور مضطرب الحال نظر آتی تھی۔ اپنے کرتے کے دامن مین اُلجھتی اور ٹھوکرین کھاتی ہوئی آئی اور کہنے لگی "او شخص اگر تو سچا ہو تو تو نے مجھے مار ڈالا اور اگر جھوٹا ہو تو رُسوا کر دیا خدا کے لیے بتا کہ ماجرا کیا ہو؟" اُس نے کہا "مین جھوٹا نہین سچا ہون۔ جمیل عذری نے ارض مصر مین انتقال کیا۔ وہان مجھ سے اُن سے راہ و رسم پیدا ہو گیا تھا۔ اِن دنون جب وہ سخت بیمار ہوے اور یقین آ گیا کہ یہی مرض مرض موت ہو تو ایک دن تنہائی مین اُنھون نے مجھ سے کہا کہ "ایک بات کا اقرار کرو۔ جب مین مرجاؤن تو میرے پاس جو کچھ ہو تم لے لو اور مجھے دفن کرو۔ پھر اس کے بعد میری اونٹنی پر سوار ہو کے قبایل بنی عذرہ مین سے قبیلۂ بنی احب مین جاؤ۔ وہان پہونچ کے میری قبا پہن لو۔ اِس کا گریبان چاک کر ڈالو۔ اور کسی بلندی پر کھڑے ہو کے میرے یہ تین شعر بہ آواز بلند اہل قبیلہ کو سنا دو۔ چنانچہ دیکھ لو یہ انھین کی قبا مین پہنے ہوئے ہون جس کا گریبان چاک ہو"۔

یہ حالت سُننے کے بعد پھر بثینہ کو کہان قرار تھا؟ زور و شور سے رونے پیٹنے اور بین کرنے لگی۔ اور قبیلہ کی ساری عورتین ماتم مین اُس کے ساتھ شریک تھین۔ روتے روتے غش کھا کے گری۔ پھر دیر کے بعد اٹھی اور جمیل کے مرثیے مین اپنے اشعار پڑھنا شروع کیے۔ جو برابر تین شبانہ روز تک زبان پر جاری تھے۔ یہانتک کہ تیسرے دن اسی

غم مین وہ بھی دنیا سے چل بسی - اور ۸۲ھ مین دونون عاشق و معشوق کی زندگی کے ساتھ اُن کی داستان عشق بھی ختم ہو گئی -

اہل ادب مین ایک ایسا واقعہ مشہور ہی جو بثینہ کے اس وقت مرجانے کے خلاف ہی - وہ یہ کہ بثینہ جب بڑھیا ہو گئی تو ایک دن عبد الملک بن مروان نے بلوا کے اس کے اور جمیل کے عشق کے حالات اُس کی زبان سے سُنے - اور سُن کے کہنے لگا "بثینہ - تم مین کوئی خوبی نہین نظر آتی - آخر تم مین کیا بات تھی جو جمیل تم پر عاشق ہو گیا؟" بثینہ نے برجستہ جواب دیا "اور آپ مین کیا بات تھی جو لوگون نے آپ کو خلیفہ بنا لیا؟" اس جواب پر عبد الملک مارے ہنسی کے لوٹ گیا - اور انعام و اکرام کے ساتھ بثینہ کو رخصت کیا -

اس قصہ کو کسی شخص نے بنا لیا ہی - اور اگر صحیح ہو تو بثینہ کا نہین کسی اور عورت کا ہی - اس لیے کہ اہل سیر کو اس پر اتفاق ہی کہ جمیل کی خبر مرگ سُننے کے بعد بثینہ تین دن سے زیادہ نہین جی - علاوہ برین واقعات مندرجۂ بالا سے صاف ظاہر ہی کہ بثینہ جوان مری ہی جبکہ اس کے حسن و جمال مین کسی قسم کا فرق نہین آنے پایا تھا - اور عبد الملک بن مروان ۸۶ھ مین یعنی جمیل کی وفات کے چار ہی برس بعد دنیا سے رخصت ہو گیا اسلیے یہ غیر ممکن ہی کہ چار ہی سال کے اندر بثینہ جوان سے بڑھیا اور ایک گل اندام حسینہ سے کریہ منظر ضعیفہ ہو گئی ہو -

عالمگیر قتال غرب

دنیا والون کی آج تک ہمیشہ کٹتے مرتے ہی گزری ہی - یہ سب جانتے ہین کہ امن و امان سے بہتر کوئی نعمت نہین - تہذیب اور علمی ترقی ہمیشہ یہی تعلیم دیتی ہی کہ صلح جوئی سے بہتر کوئی اخلاقی خوبی نہین ہی - انسان کا نام انسان اسی لیے رکھا گیا ہی کہ اس مین اُنس اور میل جول کے جذبات ہین - اور

وحشی درندون کی طرح ایک دوسرے کے خون کا پیاسا رہنا اُس کا کام نہین لیکن حیرت اور بڑے تعجب کی بات ہو کہ یہی انسان جس نے اپنا نام انسان رکھا ہو اُس سے بھی لڑے بھڑے نہین رہا جاتا۔ تعلیم۔ تہذیب۔ مذہب۔ اخلاق سب خاموشی کی زندگی بسر کرنے کی ہدایت کرتے ہین مگر اس کی یہ حالت ہو کہ علم و فضل اور تہذیب و معاشرت مین جس قدر ترقی کرتا جاتا ہو اسی قدر زیادہ لڑاکا اور خونخوار ہوتا جاتا ہو۔

موجودہ دور تہذیب سب سے زیادہ مدعی امن ہو۔ کہا جاتا ہو کہ آج کل کی شائستگی نے خونریزی موقوف کر دی۔ اور جہان کہین اس جدید تہذیب کا اثر پڑا ہو وہان قتل و خون کا بازار سرد پڑ گیا ہو اور لوگ نہایت ہی امن و امان کی زندگی بسر کرنے لگے ہین۔ اگلی خونریزیون کا الزام مذہب کو دیا جاتا ہو کہ صرف اپنے عقاید کے تسلیم کرانے اور اپنے گروہ کی بات بالا کرنے کے لیے وہ ملکون مین شمشیر قتال بلند کرایا کرتا تھا۔ اور موجودہ تہذیب نے چونکہ مذاہب کا اثر کمزور کر دیا ہو اس لیے لوگون مین خونریزی موقوف ہو گئی اور دنیا کو پنپنے کا موقع ملا ہو۔

لیکن تجربہ نے آخر کار ان دعوون کو بھی توڑ دیا۔ اور ہم دیکھ رہے ہین کہ ان حاملان لواے تہذیب اور بہرہ مندان صفوف ادیان کے ہاتھون سے ایسی خونریزی ہو رہی ہو جیسی کہ آج تک دنیا مین کبھی نہین ہوئی تھی۔ اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ علم و فضل اور تہذیب و تمدن مین جرمن اور فرانس کا قدم آج کل دنیا کی تمام قومون سے بڑھا ہوا ہو۔ اور ان کے بعد سب سے اعلی درجہ انگلستان اور امریکا کا خیال کیا جاتا ہو جن کی نسبت یہ راے قائم کی گئی ہو کہ تحصیل زر کو علمی ترقی کے شوق پر ترجیح دیتے ہین۔ لیکن انھین مین اکثر کے ہاتھون سے آج کل دنیا پر ایسے ظلم ہو رہے ہین اور نوع انسان اس بے رحمی سے قتل ہو رہی ہو کہ اس کی نظیر سے دنیا کی تاریخ خالی ہو۔ اور کبھی مذہب کے ہاتھون سے ایسا قتل عام نہ ہوا تھا۔ دولت برطانیہ نے بہت الگ رہنا چاہا۔ مگر نہ بن پڑی اور مجبوراً اُسے بھی اپنے ہاتھ خون مین رنگنا پڑے۔

تاریخ عالم کے آغاز مین ہمین مشرق مین مہا بھارت اور رامائن کی لڑائیان اور مغرب مین ٹراے کی معرکہ آرائیان نظر آتی ہین - اول الذکر دونون لڑائیون کے مردمیدان ہندو اور تیسری جنگ کے سُورما یونانی تھے - دونون کے شعرا اپنی ان لڑائیون کو دنیا بھر کی لڑائیون سے بڑا بتاتے ہین لیکن سچ پوچھیے تو تینون میدان قومی اولوالعزمی اور مقامی سپہ گری کے اعلی ترین دنگل ضرور تھے - مگر ان کے حالات کے بیان کرنے مین شعراے قوم نے بہت ہی مبالغہ کیا ہے کیونکہ اُس عہد کی قلت آبادی کے لحاظ سے نہ اُن مین جانبازون کی اتنی کثرت ہوسکتی تھی اور نہ موجودہ ذرائع سفر کے مفقود ہونے کی وجہ سے اُن کی خونریزی کا میدان اتنا وسیع ہوسکتا تھا -

اُس کے بعد ہزارون سال تک اسی قسم کی حملہ آوریون اور خونریزیون کا میدان گرم رہا - اسیریا و بابل والون کا ارض یہودا پر آنا اور ساری نسل اسرائیل کو تباہ کر دینا - زرکسیز کا (جسے بعض محققین کیخسرو عجم خیال کرتے ہین) بیس بیس لاکھ سپاہیون کے ساتھ یونان پر چڑھائی کرنا اور بحری لڑائی مین بالکل تباہ ہوجانا - رومیون کا قرطاجنہ والون سے لڑنا اور انھین تباہ کرنا - گوتھ اور ہن کی سی وحشی قومون کے سیلاب کا مملکت روم مین آنا اور رومی تمدن و تہذیب کا غارت ہونا - صحرا نشینان عرب کے عالمگیر لشکرون کا عرب سے نکلنا اور مشرق سے مغرب تک ساری متمدن دنیا کو زیر و زبر کر دینا - صلیبی مجاہدون کے ٹڈی دل کا کوہستان آلپس سے نکل کے بنی اسرائیل کی موعودہ زمین پر گرنا اور صدیون تک خالص دینی مقاصد پر نوع انسان کی قربانی ہوتی رہنا - اور سب کے آخر مین قراقرم کی گھاٹیون اور دشت قپچاق کے صحرا سے تاتاری درندون کے طوفان کا اٹھنا اور عربی تہذیب کے ساتھ لاکھ آدمیون کو عدم آباد مین اُڑا لے جانا -

یہ سب ہوا - اور اس مین خدا کی کروڑون مخلوق تلوار کے گھاٹ اُتری مگر وہ وحشی تھے - جاہل تھے - غیر مہذب تھے - اور تمدن سے مس نہ رکھتے تھے - لیکن مہذب دنیا مین تعلیم و تہذیب کے اعلی ترین کمال پر پہونچنے کے بعد بھی

خون کا سیلاب ہے۔ اور انسان کی سی بے نظیر امانت خاک مین ملائی جائے تو پھر ہمین یہی کہتے بنتا ہے کہ یہ مثل "لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیوان ہی رہا" جانورون ہی تک محدود نہین بلکہ انسان کو ہزار لکھائیے پڑھائیے۔ لاکھ مہذب و شائستہ بنائیے اصل مین وہ ایک خونخوار درندہ ہی ہے۔ صلح کی برکتون کا یقین رکھنے اور امن و امان کے فائدون سے واقف ہونے پر بھی ادنی سی چھیڑ پر لڑ ہی پڑتا ہے۔

اگلی غیر مہذب لڑائیون کے بعد اب ہم مہذب لڑائیون کا ذکر کرتے ہین۔ اُن کا آغاز نپولین بونا پارٹ کی الوالعزمی سے ہوا جس نے سارے یورپ اور مصر و شام مین ہل چل ڈال دی اور اپنی ملک گیری کی ہوس پر لاکھون آدمیون کی قربانی چڑھائی۔ اُس کے بعد اسی تہذیب کا تقاضا ہوا کہ دولت عثمانیہ کو جس سے یون پنش پانا دشوار تھا رفتہ رفتہ کمزور کیا جائے۔ پہلے نورینو کی بحری لڑائی مین زبردست دول یورپ نے ملکے عثمانی بیڑے کو بالکل تباہ و غرق کر دیا۔ اور ہزارون آدمی بحر فنا مین غرق ہوئے۔ پھر کریمیا کی لڑائی ہوئی جس مین مہذب دول یورپ کا مقصد یہ تھا کہ روسی اثر جنوب مین بڑھنے نہ پائے۔ اور ترکون کو کسی قسم کا فائدہ نہ ہو۔ لکھو کھا خلقت اس لڑائی مین بھی ضائع ہوئی۔ اس کے بعد فرانس و جرمن کی پہلی لڑائی ہوئی جس مین لاکھون بندگان خدا جرمنی کے شوق ملک گیری پر بھینٹ چڑھے۔ بعد ازان روسیون اور ترکون کی لڑائی ہوئی جس کے لیے ایک زمانے سے اُن کے صوبون مین فساد کرایا جاتا تھا۔ اُن کے وزرا کو رشوتین دی جاتی تھین۔ اُن کی رعایا مین شورش پیدا کرائی جاتی تھی۔ آخر لڑائی چھڑ گئی۔ اور تہذیب و بدتہذیبی دونون طریقون سے لاکھون آدمی دونون حریفون کی فوجون اور رزم گاہ کی رعایا مین سے قتل ہوئے۔ ترکون نے آخر کئی صوبے آزاد کر کے جان چھڑائی اور امن و امان قائم کرنے کی فکر کرنے لگے۔ مگر زبردست فتنہ پردازون کی سازشون کے سامنے ایک کمزور صلح جو کا کیا زور چل سکتا تھا۔ کبھی چین سے بیٹھنا نہ نصیب ہوا۔ مہذب دنیا کا یہ عام مشغلہ تھا کہ جب اور کوئی فکر نہ ہوتی

تو جزیرہ نماے بلقان اور قلمرو عثمانیہ کے پالٹکس مین مفسدانہ دخل دہی شروع ہوجاتی - یہ سلسلہ جاری تھا کہ جاپان (جس نے مغربی عقابون کی نظر سے بچ بچ کے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا اور تہذیبان مغرب ہی کا سا مہذب بن گیا تھا) سر اُٹھایا اور خم ٹھوک کے روس کے سامنے کھڑا ہو گیا - بحری و بری دونون لڑائیان ہوئین - اور لکھوکا آدمی دونون کے اغراض حکمرانی پر قربان ہوئے آخر بڑی مصیبت سے روس نے جان بچائی - اب چند روز بعد تہذیب کا یہ تقاضا ہوا کہ اسلامی سلطنتون کا خاتمہ کر دیا جاے - ایران سے مراکش تک ہر جگہ لڑائی چھڑ گئی - روس نے ایران کی پھڑپھڑانے والی بے بس رعایا کو دبوچا - اٹلی نے بے پوچھے گچھے اور بے وجہ موجہ طرابلس کے ساحلی شہرون پر قبضہ کر لیا - فرانس نے بڑھ کے مراکو کا گلا دبایا - پھر جب اقصاے تہذیب کے صلح پسندون نے دیکھا کہ اٹلی کا طرابلس پر کوئی زور نہین چلتا - ہمت ہارے دیتا ہے - اور اُس کے حواس بجا نہین - تو سب طرف سے تقاضا ہوا کہ دولت عثمانیہ طرابلس سے دست بردار ہو کے صلح کر لے - اور کچھ ایسی ریشہ دوانیان چلائی گئین اور سازشین کی گئین کہ عثمانی وزارت نے اس کو قبول بھی کر لیا -

اِدھر مہذب احباب یورپ کی صلاح سے اس صلح نامہ پر دستخط ہوئے اور اُدھر انھین کرم فرماؤن کی عنایت سے تمام ریاستہاے بلقان نے دولت عثمانیہ کے مقابلہ مین اشتہار جنگ دے دیا - اور سارے جزیرہ نماے بلقان مین خون کی ندیان بہنے لگین - دولت عثمانیہ اِن سب کے مقابلہ مین کمزور نہ تھی مگر حسن تدبیر سے وہ کمزور کر دی گئی - جانباز سپاہیون کو پیٹ کی روٹی اور سامان جنگ دونون سے محروم رکھ کے پٹوایا گیا - اور آخر نتیجہ یہ ہوا کہ سوا تھوڑے سے مشرقی علاقۂ یورپ کے جو قسطنطنیہ کے حوالی مین ہو تمام مقبوضات یورپ دولت عثمانیہ کے قبضہ سے نکل گئے - اور جن علاقون پر نصرانی ریاستہاے بلقان کا قبضہ ہوا تھا اُن مین مسلمان رعایا پر ایسے مظالم ہونے لگے کہ سُننے سے رُوئین کھڑے ہو جاتے ہین - غرض لاکھون خلقت امن کے زمانے مین بھی تہذیب یورپ کی نذر ہوئی -

لیکن جو دولت ترکان آل عثمان سے چھینی گئی تھی اُس کا ہضم ہونا آسان نہ تھا غیر منقولہ مال غنیمت کی تقسیم مین دشواریان پیش آئین اور اُسی کا نتیجہ ہو کر جرمنی کی ایسی صاحب علم وفضل قوم نے جو موجودہ ترقیون کا اعلی ترین نمونہ تصور کی جاتی تھی روس کے مقابل اشتہار جنگ دیا۔ اور فرانس پر صرف اس لیے کہ وہ سلطنت روسیون کی دوست ہے فوج بڑھائی۔ بلجیم کی غیر جانبداری کے قائم رکھنے کا جو پرانا عہدنامہ تھا اُس کے ساتھ خود بلجیم کو بھی پامال کر ڈالا۔ جس کی وجہ سے انگلستان کی ایسی صاحب علم اور صلح جو سلطنت کو بھی اس کے خلاف اشتہار جنگ دے دینا پڑا۔ اور ایک ایسی لڑائی چھڑ گئی جو دنیا کی تمام گذشتہ لڑائیون سے زیادہ خوفناک ہونے کے ساتھ ساری دنیا مین پھیلی ہوئی ہے۔ یورپ مین چار طرف شمال ومشرق مین روس وجرمن کی سرحد پر وسط یورپ مین روس و آسٹریا کی سرحد پر۔ شمالی بلقان مین سرویا و آسٹریا کی سرحد پر اور مغربی یورپ مین بلجیم اور فرانس مین کئی ہزار میل کی مسافت تک خون کا مینھ برس رہا ہے۔ ایشیا اور انتہائے مشرق مین سواحل چین پر۔ افریقہ مین زنجبار سے لے کے شمالی ومغربی سواحل افریقہ تک۔ اوشنیا یعنی جزائرستان مین آسٹریلیا اور نیوزیلینڈ کے پاس کے جزائر مین خونریزی ہو رہی ہے۔ اور سمندر جو اگلے دنون آزاد رہا کرتا تھا آج کل عموماً خطرناک ہے۔ اور جو خطرہ بالٹک اور نارتھ سی کے سواحل سے شروع ہوا اُس سے اٹلینٹک اوشن پے سفک اوشن۔ آرکٹک اوشن اور انڈین اوشن تک خطرے سے خالی نہین ہین

بلقان کے مظلوم مسلمان شعدی کا یہ شعر پڑھ رہے ہین۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را چندان امان نہ داد کہ شب را سحر کند

اور ہمین مہذب قومون کا یہ رنگ دیکھ کے یہی ماننا پڑتا ہے کہ تہذیب وشائستگی سوا اس کے کہ انسان کو لڑائی کے لیے زیادہ تیار کرے۔ اور اس کی خونریزی کی قوت وہوس کو اور بڑھا دے اور کچھ نہین کرتی ؛؛

اسرار دربار حرام پور دو حصہ تیار ہین ضرور ملاحظہ ہون۔ فی حصہ ۵/

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

محمد علی شاہ کے بعد امجد علی شاہ اریکہ آرای سریر شہریاری ہوئے۔ محمد علیشاہ نے کوشش کی تھی کہ ولی عہد سلطنت کی تعلیم اعلی درجہ کی ہو۔ چنانچہ انھین علما و فضلا کی صحبت مین رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امجد علی شاہ بجاے اِس کے کہ تعلیم مین کوئی نمایان ترقی کرین اخلاق و عادات کے لحاظ سے ایک ثقہ مولوی بن گئے عنان حکومت ہاتھ مین آنے کے بعد اُن کا جو کچھ حوصلہ تھا یہ تھا کہ وہ اور اُن کے ساتھ ساری رعایا جناب قبلۂ و کعبہ کی حلقہ بگوش ارادت بن جاے۔ لیکن ظاہر ہے کہ علماے دین و مقتدایان ملت کو پالٹکس سے کسی قسم کا واسطہ نہین ہوسکتا۔ وہ نہ مدبر سلطنت ہوسکتے ہین نہ اسٹیٹسمین۔۔ اُن سے جو کچھ ہدایت مل سکتی یہ تھی کہ سیدون کی خدمت گزاری کی جاے۔ اور سلطنت کا روپیہ مومنین کی اعانت و دستگیری مین صرف ہو۔ اور یہ کام بھی ارادت کیش اور محتاط و پرہیزگار فرمان رواے اودھ امجد علی شاہ کی نظر مین اُسی وقت قابل اطمینان ہوسکتا تھا جب خود جناب مجتہد العصر کے مبارک ہاتھون سے انجام پائے چنانچہ ملک کی آمدنی مین سے لاکھون روپیہ زکوۃ کے نام سے اُن کی نذر کیا جاتا۔ اور اُس کے علاوہ اور بھی بہت سی خیرات کی رقمین انھین کے ہاتھ مین جاتین۔

امجد علی شاہ کے لیے تقوی طہارت کا خیال مرض بن گیا تھا۔ انھین

اپنے خیال کی پابندی شرع سے اتنی فرصت ہی نہ ملتی تھی کہ نظم و نسق مملکت طرف توجہ کرتین۔ جس کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ محمد علی شاہ نے اپنی تجربہ کاری و بیدار مغزی سے جو کچھ انتظامات کیے تھے سب درہم و برہم ہو گئے۔ اور یہ حالت ہو گئی جو (قاضی محمد صادق خان اختر کے بیان کے مطابق یہ تھی) کہ تمام عمال بدکار بد باطن اور خود غرض تھے۔ رعایا تباہ تھی۔ زبردست کا ٹھینگا سر پر تھا ظالم و مجرم کو سزا نہ ملتی۔ خزانہ خالی تھا۔ رشوت ستانی کی گرم بازاری تھی۔ اور جو فتنے پیدا ہوتے کسی کے مٹائے نہ مٹ سکتے۔

لیکن اس اتقا کی خاموشی اور تمدنی غفلت و بے پروائی پر بھی انھون نے محلۂ حضرت گنج آباد کیا جو آج لکھنو مین تمام محلون سے زیادہ صاف ستھرا خوب آباد نہایت خوبصورت۔ دولت مند تاجرون کا اعلیٰ ترین بازار ہے اور سول لائن کا سب سے زیادہ بارونق حصہ ہی۔ اُنھون نے لکھنؤ سے کانپور تک براہ راست ایک پختہ سڑک بنوائی۔ اُن کے عہد مین سب سے بڑا کام یہ ہوا کہ لوہے کے پُل کی عمارت بن کے تیار ہو گئی۔ اس پُل کی تعمیر کا واقعہ یہ ہی کہ اس کے اجزا اور پرزے غازی الدین حیدر نے انگلستان سے منگوائے تھے۔ مگر وہ پُرزے جب تک لکھنؤ مین پہونچین بادشاہ رہگرائے عالم جاودان ہو چکے تھے۔ نصیرالدین حیدر کے عہد مین جب وہ پُرزے ولایت سے آئے تو انھون نے اپنے دربار کے انجینیر مسٹر سنکلیر کو اُن پرزون کے جوڑنے اور پُل کو بنا کے کھڑا کر دینے کا ٹھیکہ دیا۔ اور حکم دیا کہ وہ پرزے رزیڈنسی کے سامنے پار دریا کے کنارے ڈال دیے جائین جس مقام پر پُل کے یہ آہنی پُرزے ڈالے گئے تھے اُس جگہ کا پتہ دینے کے لیے آج وہین ایک گھاٹ اور شوالہ قائم ہی۔ مسٹر سنکلیر نے دریا کے اندر ستون قائم کرنے کے لیے گہرے کُنوین کھدوائے۔ اور ستونون کی جڑائی بھی کرلائے مگر اسکے بعد اُن سے کچھ کرتے دھرتے نہ بنی اور پُل کی تکمیل مین ناکامی ہوئی محمد علی شاہ کے زمانے مین یہ کام ناتمام پڑا رہا۔ مگر امجد علی شاہ نے اپنے عہد مین اس کی جانب توجہ کی اور پُل بن کے تیار ہو گیا۔ لیکن جو لوہے کا پل آج کل قائم ہی یہ وہ امجد علی شاہ کے زمانے کا پل نہین ہی۔ وہ ایک ہینگنگ برج یعنی لٹکنے والا پل تھا

جس کا سارا بار چار بلند اور زبردست آہنی کھمبون پر لٹک رہا تھا - انگریزی زمانے مین جب اُس کے پُرزے زنگ آلود ہو کے کمزور ہوئے اور اُس پر عام آمدورفت مین خطرہ نظر آیا تو اسے منہدم کرا کے اُس کی جگہ دوسرا آہنی پُل قائم کیا گیا اور وہی پُل اس وقت موجود ہی۔

امجد علی شاہ ہی کے زمانے مین اُن کے وزیر امین الدولہ نے امین آباد آباد کیا۔ جس کی آبادی و رونق آج کل روز افزون ترقی کر رہی ہی - امجد علی شاہ نے اپنے زمانے مین اگرچہ کچھ نہین کیا اور نہ اپنے شوق سے کوئی ایسی عمارت بنوائی جو آج کل اُن کی یادگار ہو۔ مگر شاید اپنے اتقا و پرہیزگاری کے صلے مین اُنھین یہ قدرتی ناموری حاصل ہو گئی کہ لکھنؤ کے آج کل کے دو سب سے زیادہ مشہور، سب سے زیادہ آباد، سب سے زیادہ بارونق - اور سب سے زیادہ دولتمند محلہ امین آباد اور حضرت گنج اُنھین کے عہد کی یادگار ہین۔

آخر زمانے نے اُن کے دور کا ورق بھی اُلٹا - اور ۱۲۶۳ھ محمدی (۱۸۴۷ء) مین جبکہ عمر اڑتالیس برس سے کچھ ہی دن زیادہ تھی مرض سرطان مین مبتلا ہو کے دنیا سے رخصت ہو گئے - اور اپنے آباد کیے ہوئے محلہ حضرت گنج مین مینڈو خان رسالدار کی چھاؤنی کے اندر دفن ہوئے - اُن کا امام باڑہ جس مین وہ مدفون ہین حضرت گنج کے مغربی حصہ مین لب سڑک موجود ہی جس کی عمارت اُن کی وفات کے بعد واجد علی شاہ نے دس لاکھ روپیہ صرف کر کے بنوائی تھی۔

یہ امام باڑہ حسین آباد کی ایک ناقص نقل ہی - اور اگر حسین آباد کی طرح اُس مین بھی روشنی ہوتی تو محرم مین لکھنؤ کا شرقی حصہ بھی عالم نور بن جایا کرتا۔ اگرچہ اُس کے لیے کوئی وثیقہ نہین معین ہی لیکن اس کی آمدنی بھی کم نہین - احاطے کی عمارت کے بیرونی رخ کی دکانون مین بہت سے اچھے اچھے تاجرون کی دکانین ہین - اور اندرونی عمارتون مین بہت سے یوریشین وغیرہ رہتے ہین جن سے کرایے کی معتد بہ رقم وصول ہوتی ہی - مگر کرایہ وصول کرنے والون کا یہ بھی احسان ہی جو محرم مین خاص قبر اور امام باڑے مین چند چراغ روشن کر دیا کرتے ہین

اب امجد علی شاہ کے بڑے بیٹے واجد علی شاہ تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے

اُن کا خاتمہ اس مشرقی دربار کی تاریخ کا آخری ورق اور اسی مرثیۂ پاستان کا آخری بند ہی - چونکہ انتزاع سلطنت اُنھین کے عہد مین ہوا اس لیے تمام اہل الراے کے ہدف سہام اور نشانۂ ملامت وہی بن گئے - اور قریب قریب تسلیم کرلیا گیا کہ زوال سلطنت کا باعث وہ تھے - لیکن جس زمانے مین اُن کی سلطنت کا خاتمہ ہوا ہی اُن دنون ہندوستان کی تمام وطنی قوتین لُٹ رہی تھین - اور بُری بھلی سب طرح کی قدیم حکومتین دنیا سے مٹتی جاتی تھین - پنجاب مین سکھون کا اور دکن مین مرہٹون کا دفتر کیون اُلٹا جو بہادر زبردست اور ہوشیار مانے جاتے ہین ؟ دہلی مین مغل شہنشاہی کا اور بنگالے مین نواب ناظم بنگالہ کا استیصال کیون ہوا حالانکہ ان مین اتنی طفلانہ مزاجی نہ تھی جتنی کہ لکھنؤ کے اریکہ آراے سلطنت مین بتائی جاتی ہی - مذکورہ چارون دربارون مین کوئی واجد علی شاہ نہ تھا حالانکہ اُن کی تباہی لکھنؤ کی تباہی سے کم نہ تھی -

اصل یہ ہی کہ اس عہد مین ادھر اہل ہند کی غفلت وجہالت کا پیمانہ چھلکنے کے قریب پہونچ گیا تھا اور اُدھر دولت برطانیہ کی قوت اور برٹش قوم کی عاقبت اندیشی - قابلیت جفاکشی اپنی کوششون اور اپنی اعلی تہذیب و شائستگی کا ثمرہ پانے کی روز بروز مستحق ثابت ہوتی جاتی تھی - غیر ممکن تھا کہ دانایان فرنگ کی ذہانت وطباعی خوش تدبیری و باضابطگی ہندوستان کی جہالت و خود فراموشی پر فتح نہ پاتی - زمانے نے ساری دنیا مین تمدن کا نیا رنگ اختیار کیا تھا - اور پکار پکار کے ہر ایک قوم سے کہہ رہا تھا کہ جو اس مذاق مین میرا ساتھ نہ دے گا مٹ جائے گا - زمانے کے اُس ڈھنڈورے کی آواز ہندوستان مین کسی نے نہ سنی - اور سب مٹ گئے - انھین مٹنے والون مین ایک اودھ کی سلطنت بھی تھی - جس کے زوال کا بار غریب واجد علی شاہ پر ڈال دینا محققانہ مذاق کے خلاف ہی -

پابند شرع باپ نے واجد علی شاہ کو بھی علما کی صحبت مین رکھ کے اپنا سا بنانا چاہا تھا - اور یہ رنگ ایک حد تک واجد علی شاہ پر چڑھا بھی جو اقتضاے عمر کے ساتھ زیادہ کھلتا گیا - مگر امجد علی شاہ کا اس مین کچھ زور نہ چلا کہ وارث سلطنت فرزند کا فطری رجحان عیاشی اور فنون طرب ونشاط کی طرف تھا - اگرچہ باپ کی تاکید سے لکھنے

پڑھنے کی تعلیم بھی اچھی تھی لیکن موسیقی کا شوق غالب تھا۔ ولیعہدی ہی مین اپنے ذاتی شوق سے اُنھون نے باپ کے منشے کے خلاف گویون اور ڈھاڑیون کو اپنی صحبت مین رکھا۔ گانا بجانا سیکھا۔ آوارہ عورتون اور ڈوم ڈھاڑیون سے ربط وضبط بڑھایا۔ اور انجام یہ ہوا کہ جو لطف انھین حسین عورتون اور گویون کی صحبت مین آتا علمی مذاق کی مہذب صحبتون مین نہ آتا۔

باپ کے خلاف انھین عمارت کا بھی شوق تھا۔ اور ولی عہدی ہی مین انھون نے خاص اپنی محفل طرب اور عیش کے لیے ایک پُرفضا باغ اور اُس مین دو ایک مختصر خوبصورت اور پُرتکلف مکان بنوائے۔ علی نقی خان جنھین تخت پر بیٹھتے ہی خلعت وزارت عطا کیا اُن سے زمانۂ ولی عہدی مین ایک رنڈی کے گھر پر ملاقات ہوئی۔ اُن کی جوانانہ شوخ مزاجی نے مزاج مین درخور پیدا کیا۔ اور جب مذکورۂ بالا باغ اور عمارت اُن کے اہتمام مین تعمیر ہوکے پسند آئی تو سمجھ لیا گیا کہ وزارت اور انتظام مملکت کے لیے اُن سے زیادہ موزون کوئی شخص نہین ہے۔

واجد علی شاہ کی سلطنت کا آغاز تو اس عنوان سے ہوا کہ نوجوان بانکے بادشاہ کو عدالت گستری اور اصلاح فوج کی طرف غیر معمولی توجہ تھی۔ سواری مین آگے آگے دو نقرہ صندوقچے چلتے جس کسی کو کچھ شکایت ہوتی عرضی لکھ کے اُن مین ڈال دیتا۔ کنجی خود بادشاہ کے پاس رہتی۔ محل مین پہونچ کے حضور ان عرضیون کو نکالتے اور اپنے ہاتھ سے احکام تحریر فرماتے۔ اسی طرح کئی نئے رسالے اور کئی پلٹنین بھرتی ہوئین۔ رسالون کے نام بادشاہ نے اپنی منشیانہ طباعی سے بانکا۔ ترچھا۔ گھنگھور رکھے۔ اور پلٹنون کے نام اختری۔ نادری رکھے گئے۔ خود بدولت بہ نفس نفیس گھوڑے پر سوار ہوکے جاتے اور گھنٹون دھوپ مین کھڑے ہوکے اُن کی قواعد اور فنون جنگ مین اُن کی مشاقی دیکھتے۔ اور خوش ہو ہوکے باکمال سپاہیون کو انعام واکرام سے سرفراز فرماتے۔ فوجی قواعد کے لیے خود ہی فارسی اصطلاحات اور کلمات مقرر کیے "راست رو۔ پس بیا۔ دست چپ بگرد"۔ چند روز بعد جوان حسین عورتون کی ایک چھوٹی زنانی فوج مرتب کی گئی اور اُن کو بھی انھین اصطلاحون مین قواعد سکھائی گئی۔

مگر جدید عہد کا یہ نقش اولین چند روزہ تھا۔ پورا ایک سال بھی نہ گزرا ہوگا کہ طبیعت اِن چیزون سے اُکتا گئی۔ زمانہ ولی عہدی کا وہی پرانا مذاق پھر عود کر آیا۔ حسین اور آوارہ عورتون سے صحبت بڑھی۔ ارباب نشاط کا بازار گرم ہوا۔ اور تھوڑے ہی دنون مین ڈوم ڈھاڑی ہی ارکان دولت اور معززین سلطنت تھے۔ بادشاہ کے دل مین اب اگر کوئی علمی اور شریفانہ مذاق باقی تھا تو وہ شاعری تھی۔ کیونکہ خود شعر کہتے اور شعرا کی قدر کرتے تھے۔

لکھنؤ مین اُن دنون شاعری کا چرچا حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ اکیلے لکھنؤ مین اتنے شاعر موجود تھے کہ اگر سارے ہندوستان کے شعرا جمع کیے جاتے تو انکی تعداد لکھنؤ کے شاعرون سے نہ بڑھ سکتی۔ میرا ور سودا کی پرانی شاعری تقویم پارینہ ہو چکی تھی۔ اب ناسخ کی زبان اور آتش کے خیالات دماغون مین بسے ہوئے تھے جن مین رند و صبا کے رندانہ کلام اور نواب مرزا شوق کی مثنویون نے شہوت پرستیون کی روح پھونک دی تھی۔ اور اسی مذاق کو بادشاہ کی طبیعت کا اصلی رنگ چاہتا اور پسند کرتا تھا۔

اسلامی شاعری کا رنگ خلافت اسلامیہ کی پہلی صدی تک تو یہ تھا کہ شاعر ایک خاص عورت پر عاشق ہوتے۔ اُس کا نام لے لے کے اُس کے حسن کی خوبیون اور اُس کی اداؤن کی دلفریبیون کو بیان کرتے۔ اور اُس کی طرف خطاب کر کر کے اپنی بیتابیون اور بیقراریون کو ظاہر کرتے۔ اکثر چھپ چھپ کے اُس سے ملتے مگر تہذیب و عفت کے دائرے سے کبھی قدم باہر نہ نکالتے۔ چند روز بعد عرب ہی مین معشوق گمنام ہو گیا۔ اور عموماً شعرا کا معشوق اُن کے خیال کا ایک پُتلا بن گیا جسے زندمشرب تو کوئی حسین عورت یا کوئی خوبرو لڑکا بتاتے۔ مگر صوفی تھوڑی سی معنوی تاویل کر کے اُسے حسین مطلق یعنی خلاق عالم بتا دیتے۔ یہی سمو یا ہوا چھپا ڈھکا مذاق رندی فارسی شاعری مین رہا اور یہی مذاق اس وقت تک اردو شاعری کا بھی تھا۔ مگر نواب مرزا شوق نے اپنی شاعری کو حسین پردہ دار عورتون پر عاشق ہو کے اُن کے خراب کرنے کا آلہ بنایا۔ اور قیامت یہ تھی کہ اُن کی مثنویون کی زبان ایسی خوبصورت بے تکلف اور شستہ و رفتہ تھی اور ان مین عاشقانہ جذبات

اس کثرت سے بھر دیے گئے تھے کہ مہذب و شائستہ لوگون سے بھی بے دیکھے اور مزہ لیے نہ رہا جاتا -

واجد علی شاہ نے بھی اِن مثنویون کو دیکھا اور چونکہ ماشاء اللہ سے خود شاعر تھے اس رنگ کو اختیار کر کے اپنے بہت سے عشقون اور اپنی عنفوان شباب کی صدہا رندانہ بے اعتدالیون کو خود ہی موزون کر کے ملک مین پھیلا دیا - اور اخلاقی دنیا مین اقراری مجرم بن گئے - مین سمجھتا ہون کہ بادشاہ تو بادشاہ وزرا و اُمرا مین بھی شاذ و نادر ہی ایسے گزرے ہون گے جنھون نے عنفوان شباب مین اپنی شہوت پرستی کی ہوسون کو جی بھر کے نہ نکال لیا ہو - مگر واجد علی شاہ کی طرح کسی نے اپنے اِن بے شرمی کے جرائم کو خود ہی پبلک کے سامنے پیش نہین کیا تھا - واجد علی شاہ زور مین آئے تو چاہے شاعری مین نہ بڑھ سکین مگر اپنے جذبات و خیالات اور اپنے کارنامون کے عالم آشکارا کرنے مین نواب مرزا سے بھی دو قدم آگے نکل گئے - اور یہان تک ترقی کی کہ بعض موقعون پر انھین مبتذل بازاری مذاق اور فحش الفاظ کے استعمال مین بھی تامل نہین ہوتا -

وہ کہاریون - رنڈیون - خواصون - محل کی آنے جانے والی عورتون غرض صدہا عورتون پر عاشق ہوئے - اور چونکہ ولی عہد سلطنت تھے اپنے عشق مین خوب کامیاب ہوئے - جن کی شرمناک داستانین اُن کی نظمون - تحریرون - اور تصنیفون مین خود اُن کی زبان سے سُن لی جا سکتی ہین - اور یہی سبب ہو کہ تاریخ مین اُن کا کیرکٹر سب سے زیادہ ناپاک اور تاریک نظر آتا ہو -

چونکہ عمارت کا بیحد شوق تھا اس لیے تخت نشین ہوتے ہی قیصر باغ کی عمارت بنوانا شروع کر دی - جو چاہے آصف الدولہ کی عمارتون کی طرح مضبوط نہ ہو مگر خوبصورتی اور شانداری مین لاجواب ہو - اس مین بہت سی خوشنما اور باشان و شوکت دو منزلی عمارتون کا ایک مربع مستطیل قطعہ دور تک چلا گیا تھا - جس کا ایک رُخ جو دریا کی جانب تھا غدر کے بعد کھود ڈالا گیا - اور تین ضلع اب تک قائم ہین - جن کو مختلف قطعات پر بانٹ کے گورنمنٹ نے تعلقداران اودھ کے حوالے کر دیا ہو - اور حکم دیا ہو کہ اُن مین رہین اور اُن کو اسی وضع مین قائم و برقرار رکھین -

قیصر باغ کا اندرونی صحن جس مین چمن بندی تھی جلوخانہ کہلاتا تھا۔ درمیان مین پتھر والی بارہ دری تھی جو آج کل لکھنؤ کا ٹاؤن ہال ہی۔ اس مین اور کئی عمارتین بھی تھین جو اب نہین باقی ہین۔ اس کے باہر یہان سے متصل ہی بہت سی شاہی عمارتین تھین جنھون نے اس قطعۂ زمین کو اعجوبۂ روزگار بنا دیا تھا۔ یہ عمارتین قیصر باغ کے مشرقی پھاٹک کے باہر تھین۔ آپ کو اس پھاٹک سے نکلتے ہی دونون جانب چوبی اسکرینین ملتی تھین۔ جن مین سے گزر کے آپ چینی باغ مین پہونچتے۔ وہان سے بائین ہاتھ کی طرف مڑ کے آپ جل پریون کے ایک عالیشان پھاٹک پر پہونچتے۔ جس پر مدار المہام سلطنت نواب علی نقی خان کا قیام رہتا تھا تاکہ ہر وقت جہان پناہ سے قریب رہین اور بوقت ضرورت فوراً بلا لیے جا سکین۔ اس پھاٹک کے اُس طرف حضرت باغ تھا۔ اور اندر ہی داہنی طرف چاندی والی بارہ دری تھی۔ یہ ایک معمولی اینٹ چونے کی عمارت تھی مگر چھت مین چاندی کے پتر جڑے ہونے کیوجہ سے چاندی والی بارہ دری کہلاتی۔ اُسی سے ملحق کوٹھی خاص مقام تھی جس مین خود جہان پناہ سلامت رہتے۔ اور وہین نواب سعادت علی خان کی بنائی ہوئی پرانی کوٹھی بادشاہ منزل تھی۔

اب اُن چوبی اسکرینون کے گلیارے سے نکل کے دوسری طرف مڑیے تو پیچیدہ عمارتون کا ایک سلسلہ دُور تک چلا گیا تھا جو چولکھی کے نام سے مشہور تھین ان عمارتون کا بانی حضوری نائی عظیم اللہ تھا جنھین بادشاہ نے چار لاکھ روپیہ دے کے مول لے لیا تھا۔ نواب خاص محل اور معزز محلات عالیات اس مین رہتی تھین اس کے اندر غدر کے زمانے مین حضرت محل کا قیام رہا۔ اور یہین انکا دربار ہوا کرتا تھا۔

یہان سے ایک سڑک قیصر باغ کی طرف آئی تھی جس کے کنارے ایک بڑا بھاری سایہ دار درخت تھا اُس کے نیچے گرد اگرد سنگ مرمر کا ایک نفیس گول چبوترہ بنایا گیا تھا۔ جس پر قیصر باغ کے میلون کے زمانے مین جہان پناہ جوگی بن کے اور گیروے کپڑے پہن کے آتے اور دھونی رما کے بیٹھتے۔ اس چبوترے سے آگے بڑھ کے ایک عالیشان پھاٹک تھا جو لکھی پھاٹک کہلاتا اس لیے کہ اس کی تعمیر مین

ایک لاکھ روپیہ صرف ہوئے تھے۔ اور اُس سے بڑھ کے آپ پھر قیصر باغ مین آ جاتے۔ قیصر باغ کی عمارت مین سلطنت کے اسی لاکھ روپیہ صرف ہوئے تھے۔ اور اُس کے چارون طرف کی عمارتون مین جہان پناہ کی بیگمین اور پری جمال وماہ طلعت خاتونین رہتین۔ جن کی جگہ اب عجیب و غریب صورتون کو دیکھ کے بعض پُرانے زمانے والے کہہ اُٹھا کرتے دین۔

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز ٭ بسوخت عقل زحیرت کہ این چہ بوالعجبیست

قیصر باغ کے مغربی پھاٹک کے باہر روشن الدولہ کی کوٹھی تھی۔ اسے واجد علیشاہ نے ضبط کرکے اُس کا نام قیصر پسند رکھ دیا تھا اور اُن کی ایک محبوبہ نواب معشوق محل اُس مین رہتی تھین۔ اب اُس مین صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کی عدالت ہے۔ اُس کے سامنے اور قیصر باغ کے اِس مغربی پہلو پر بھی ایک دوسرا جلوخانہ تھا۔

سال مین ایک مرتبہ قیصر باغ مین ایک عظیم الشان میلا ہوتا جس مین پبلک کو بھی قیصر باغ مین آنے اور جہان پناہ کی عشرت پرستیون کا رنگ دیکھنے کا موقع مل جاتا۔ بادشاہ نے سری کرشن جی کا رہس جو ہندوؤن مین مروج ہے دیکھا تھا۔ اور سری کرشن جی کی معشوقانہ وضع عاشقی اس قدر پسند آ گئی تھی کہ اُس رہس سے ڈراما کے طور پر ایک کھیل ایجاد کیا تھا جس مین خود کنھیا بنتے مخدرات عصمت آیات گوپیان بنتین۔ اور ناچ رنگ کی محفلین گرم ہوتین۔ کبھی جوش جوانی کے جذبات سے جوگی بن جاتے۔ موتیون کو جلا کے بھبھوت بنائی جاتی جس کی بدولت فقیری مین بھی شاہی کے کرشمے نظر آتے۔ میلے کے زمانے مین ان صحبتون مین شریک ہونے کی عام اہل شہر کو اجازت ہوجاتی مگر اس شرط کے ساتھ کہ گیروے کپڑے پہن کے آئین جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اسی اسی برس کے بڈھے بھی شنگرفی کپڑے پہن کے چیلا بن جاتے۔ اور بادشاہ کی جوانی کے بادۂ طرب سے اپنے بڑھاپے کا جام بھر لیتے۔

یہی رنگ چلا جاتا تھا اور لکھنؤ مین کمال بے فکری کے ساتھ رنگ رلیان منائی جا رہی تھین کہ گورنمنٹ برطانیہ کو رزیڈنٹون نے یہان کے حالات سے آگاہ کیا اور وہان کے بورڈ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ ملک اودھ قلمرو برطانیہ مین شامل کرلیا جائے

اس حکم کی تعمیل کے لیے انگریزی فوج لکھنؤ مین آئی - اور یکایک خلاف توقع بادشاہ کو حکم سنایا گیا کہ آپ کا ملک انگریزی ممالک محروسہ مین شامل کر لیا گیا - آپ کے لیے بارہ لاکھ روپیہ سالانہ اور آپ کے جلوسی لشکر کے لیے تین لاکھ روپیہ سالانہ ماہوار جو آپ کی اور وابستگان دامن کی ضرورتون کیلئے بخوبی کافی ہو مقرر کی گئی - اور آپ کو اجازت ہو کہ شہر کے اندر آرام سے بے فکرے بن کے بیٹھیے - اور رعایا کی فکرون سے آزاد ہو کے بے خلل و غش رنگ رلیان منائیے" یہ احکام سنتے ہی شہر مین سناٹا ہو گیا - خود بادشاہ نے رو رو کے بہت کچھ عذر خواہی کی - بادشاہ کی مان اور خاص محل نے حق وکالت ادا کیا مگر گورنر جنرل بہادر کے حکم مین رد و بدل کرنا صاحب رزیڈنٹ کے اقتدار سے باہر تھا - ایسٹ انڈیا کمپنی کی گورنمنٹ نے بغیر کسی زحمت و مزاحمت کے ملک اودھ پر قبضہ کر لیا - اور بادشاہ مع اپنی والدہ و ولی عہد خاص خاص محلات اور جان نثار رفقا کے کلکتہ روانہ ہوے کہ انگلستان جا کے اپیل کرین اور اپنی بیگناہی ثابت کر کے انتزاع سلطنت کے حکم کو منسوخ کرائین -

عربون کی فطری جمہوریت

اہل عرب بالطبع جمہوریت پسند واقع ہوئے ہین اور اسی سبب سے قدیم الایام مین نہ کبھی کسی سے وہ مفتوح ہوئے اور نہ کبھی اُنھین کسی غیر قوم کی غلامی کرنی پڑی اُن مین ہزارہا سال سے ایک قسم کی طبعی اور فطری جمہوریت چلی آتی تھی - باہمی ربط و ضبط قائم رکھنے کے لیے وہ اپنے شیوخ کا حکم ضرور مان لیا کرتے تھے - مگر شیخ کی حیثیت قبیلہ کے ایک وکیل یا آج کل کی جدید اصطلاح مین نمایندے کی سی ہوتی - جس کی سرداری و سرگروہی کو زیادہ تر سیاسات خارجہ اور بین الاقوامی معاملات سے تعلق ہوتا - محالفہ (یعنی دو قبیلون کا باہم دوستی و یکجہتی کا عہد و پیمان کرنا) اُن کے تمام شیوخ کو اور اُن کے ساتھ کل قبائل کو ملا کے ملک مین ایک عام پارلیمنٹ قائم کرا دیتا - اور قبایل کے شیوخ اُس پارلیمنٹ کے ارکان بن جاتے اُن مین قومی آزادی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ ارض عرب مین اکیلا اُس

آف کامنز ہی رہا ہاؤس آف لارڈز کبھی نہ قائم ہو سکا۔

اسلام نے عربون کی اس فطری جمہوریت کے لیے ایک بین الاقوامی قانون بنا دیا جس سے اُنھین اور زیادہ آزادی مل گئی۔ اور نظام مملکت قائم ہوئے بین خدا اور رسول کی فرمان برداری کے سوا وہ ہر قسم کی غلامی سے محفوظ ہو گئے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو خلیفہ منتخب ہوئے اُن کی حیثیت بالکل پریسیڈنٹ کی سی تھی۔ جن کی حکومت اُسی حد تک تھی جہان تک شرعی قانون کے اجرا کا تعلق تھا۔ قرآن مجید نے اُن کی نسبت "اُولوالامر منکم" کہہ کے اُن کی پریسیڈنٹ کی حیثیت اور زیادہ مضبوط کر دی۔ اور خدا اور رسول کے بعد انھین بھی حکومت کرنے کا حق مل گیا۔ چنانچہ اسی قرآنی اصطلاح سے اُن کے لیے "امیرالمومنین" کا خطاب ماخوذ کر لیا گیا۔

کہتے ہین کہ اولوالامری کی شان خلفاے راشدین کے زمانے تک قائم رہی۔ مگر حقیقت یہ ہو کہ خلافت راشدہ بھی اس کو آخر تک نہین نباہ سکی جس کی وجہ یہ تھی کہ اسلامی خلافت اب وہ اگلی عرب ہی کی پارلیمنٹ نہ تھی بلکہ عربون کو دنیا کی ایک زبردست سلطنت مل گئی تھی۔ اور عربون کی پارلیمنٹ کو جو صرف علاقہ ہای عرب کے لیے موضوع تھی دنیا کے بڑے بڑے آباد اور متمدن ملکون پر فرمان فرمائی کرنا پڑی۔ اور روم و عجم کی سی شخصی سلطنتون کی رعایا سے سابقہ پڑا جو بادشاہ کو ظل اللہ اور بجاے خلیفۂ رسول کے خدا کا نائب اور اُس کے کارخانے کا مختار کل بلکہ معبود و مسجود خیال کرتی تھی۔ اور ایسی رعایا سے سابقہ پڑنے کا لازمی نتیجہ تھا کہ عرب کی پارلیمنٹ کے پریسیڈنٹون سے شخصی فرمان رواؤن اور خود سر تاجدارون کی وضع ظاہر ہونے لگی۔ اور جس طرح سکندر اعظم ایران کو فتح کر لینے کے بعد اہل یونان کے مذاق کا حاکم نہین باقی رہا تھا ویسے ہی عرب کے یہ خلفا دنیا کے بڑے بڑے ملک فتح کر لینے کے بعد صرف پُرانی عربی پارلیمنٹ کے پریسیڈنٹ نہین رہ سکتے تھے۔ بلکہ لازمی تھا کہ شخصی سلطنتون کے تاجدار بن جائین۔

پہلے دو خلیفون نے اپنی پُرانی وضع کو آخر تک نباہا۔ مگر حضرت عثمان کی عبادت گزاری و ترتیب قرآن ہی نے یہ شان دکھادی کہ ممالک مفتوحہ و مقبوضہ کی

شکایتون سے کان بہرے کر لیے۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ حرم مدینہ مین خونریزی ہوئی۔ بازار فتنہ گرم ہوا۔ اور وہ خود کمال مظلومی و استقلال کے ساتھ شہید ہوئے۔ حضرت علی کی خلافت کا آغاز ہی اندرونی جھگڑون سے ہوا۔ اور ان اندرونی جھگڑون ہی نے اُس کا خاتمہ بھی کر دیا۔ ان جھگڑون اور خونریزیون کو عام مورخین ہوس والا بتاتے ہین۔ مگر دراصل یہ عرب کی قدیم جمہوریت کا جدید شخصیت سے مقابلہ تھا۔ جس مین بظاہر شخصیت کو اور باطناً جمہوریت کو فتح ہوئی۔ اس لیے کہ عرب نے اس خلافت ہی کو جو شاہی منبی جاتی تھی اپنے آغوش سے نکال کے باہر پھینک دیا۔ خلافت مدینہ سے گئی اور پھر نہ آنے پائی۔

حضرت علی ہی کے عہد مین عرب کے باہر دو دربار قائم ہو گئے تھے۔ ایک کوفہ مین جو ارض عراق مین عربون کی ایک نوآبادی تھی۔ اور دوسرا دمشق مین جو ارض شام کا بہت ہی پرانا تاریخی شہر تھا۔ کوفے مین آزاد قبایل عرب کے بڑے بڑے شرفا آباد تھے اور جنھون نے حکومت کی آزادیون کو ہمیشہ روکا۔ یہان تک کہ حضرت علی کبھی اُن کو اپنا سچا مُطیع و منقاد نہ بنا سکے۔ مگر دمشق اور ارض شام کا نشو و نما ہی شخصی حکومتون کے آغوش مین ہوا تھا لہذا وہان جب امیر معویہ نے اپنے شخصی اقتدارات بڑھائے۔ اور قیاصرۂ روم کی شان و شوکت اختیار کر کے اپنے دربار مین ٹوسیاٹزم (شخصیت) بڑھائی تو کسی نے چون نہ کی۔ اور ساری رعایا غلامی اختیار کرنے کے لیے تیار ہو گئی۔ اور جو دو چار آزاد مشرب عرب وہان موجود تھے اور دربار کا رنگ دیکھ دیکھ کے بگڑنے لگتے تھے اُن کو معویہ نے اپنے حلم اور اپنی فیاضی سے مطیع بنا لیا اگرچہ اُن دونون دربارون مین نہ وہ عربون کی سادی اولوالامری تھی اور نہ وہ اگلی امیر المومنینی۔ مگر کوفہ اور دمشق کی آب و ہوا کا فرق اُس وقت صاف نظر آ گیا جب ایک سرکش موذی کی تلوار نے حضرت علی کی خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ اور اُن کے جانشین حضرت امام حسن کو خود اپنے لشکر کے باہمی اختلافات سے تنگ آ کے خلافت چھوڑ دینا پڑی مگر معویہ کا شخصی دربار آخر تک قائم رہا۔

حضرت علی ہی کے عہد مین عربون کی فطری جمہوریت کا پہلا نمونہ خوارج تھے جن کا خیال تھا کہ علی اور معویہ قومی حقوق کی طرف سے بے پروا ہو گئے اپنے ذاتی اغراض

ومقاصد کے لیے لڑ رہے ہین۔ پھر جب دونون کی مسلمہ پنچایت مین حضرت علیؓ ہی کے نائب نے کہہ دیا کہ دونون مدعیان خلافت علیحدہ کردیئے جائین اور کوئی تیسرا شخص خلیفہ منتخب کرلیا جاے۔ اور پھر اس پر حضرت علی نے عمل نہ کیا تو علانیہ بغاوت کردی آیۂ کریمہ "اِن الحکم الّا لِلہ" کو اپنا شعار بنایا۔ اپنے جھنڈے پر اُسے لکھا اور دعوی کیا کہ سوا اُس خلافت کے جو قرآن وحدیث کی پابندی مین حکومت کرے اور سچی اولوالامری ہو کسی حاکم کی تقلید اور غلامی کرنا حرام ہے۔ یہ لوگ شکستین کھانے پر بھی فنا نہ ہوسکے اور کوفہ وبصرہ کے اطراف مین بیٹھ کے ہر سلطنت اور خلافت سے سرتابی کرتے رہے۔

اب دمشق مین خلافت کے نام سے شخصی حکومت کا دربار قائم تھا۔ جو قوانین شریعت اور عربی آزادمشربی سے روز بروز زیادہ دُور ہوتا جاتا۔ اُس کے فرمان روا بنی اُمیہ تھے جن کی زبان قانون تھی۔ اور سارے ممالک دُور و دراز اُن کے آگے سربسجود تھے۔ مگر عرب کے اندرونی قبائل کو یہ دیکھ دیکھ کے تاب نہ آتی تھی کہ ہماری ہی قائم کی ہوئی خلافت اولوالامری سے فرعونیت بنتی جاتی ہو اور ہم کچھ نہین کرسکتے۔ اسی جوش نے حضرت امام حسین کو شہید کرایا اور اسی نے چند روز کے لیے عبداللہ بن زبیر کی خلافت خاص مکۂ معظمہ مین قائم کرائی۔ مگر دمشق کی شاہانہ فوجون کے مقابل مین وہ بھی زندہ نہ رہ سکی۔

ابن زبیر کی خلافت کا خاتمہ ہونے کے بعد وسط عرب کے لوگون کو صبر آگیا کہ اگر خلافت اُلوالامری نہین رہی تو اب وہ ہمارے ملک مین بھی نہین۔ ہم اپنے ملک مین آزاد ہین۔ اور وہی پُرانی قبیلہ بندیان موجود ہین۔ دمشق کا شاہانہ تمرّد دوسرے ملکون کے ساتھ جیسا سلوک چاہے کرے ہماری آزادیون مین فرق نہین ڈال سکتا۔ اور جب وہ ہماری آزادیون مین فرق نہین ڈالتا تو ہمین کیا پڑی ہو کہ خواہ مخواہ کو جھگڑا مول لین۔ مگر اطراف کوفہ وبصرہ کے خوارج کا جوش کسی طرح دھیما پڑنے کو نہ آتا تھا۔ وہ برابر مقابلہ کیے جاتے تھے۔ اور کوئی بادشاہ ہو اُس کی جان کے دشمن تھے۔ رہ رہ کے اُبھرتے تھے۔ گر گر کے سنبھلتے تھے۔ شکستین کھاتے تھے اور پھر اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ مارے جاتے تھے اور پہلے سے زیادہ جوش خونخواری کے ساتھ حملہ آور ہوتے تھے۔

دیگر خلفا ے بنی اُمیہ نے تو فوج کشی ہی کے ذریعہ سے اُنھین دبانا چاہا مگر عمر بن عبد العزیز نے اُن سے مناظرہ کر کے اپنی علمی قابلیت اور اپنے دینداری کے اثر سے ان پر فتح حاصل کی جس کا بیان لطف سے خالی نہین۔ اُس کی خلافت کا آخری سال تھا کہ والی کوفہ عبد الحمید نے رپورٹ کی کہ بسطام بن یشکر خارجی نے جو شوذب کے لقب سے مشہور ہے اسّی دلیر ساتھی جمع کر کے عراق مین سر اٹھایا ہے اور برسر پرخاش ہے۔ عمر نے عبد الحمید کے نام فرمان بھیجا کہ "ان لوگون کو اپنی طرف سے نہ چھیڑو۔ کسی بہادر اور محتاط سردار کو فوج دے کے اُن کے مقابلے مین بھیج دو مگر تاکید کر دو کہ جبتک وہ لوگ فتنہ انگیزی و خونریزی کے مرتکب نہ ہون اُن سے مقابلہ نہ کرے۔" اس حکم کے مطابق عبد الحمید نے محمد بن جریر بن عبد اللہ بجلی کو احکام خلافت کی پابندی کی تاکید کر کے دو ہزار سپہ گردن کے ساتھ روانہ کر دیا۔ جس نے بسطام کے مقابل مین جا کے پڑاؤ ڈال دیا۔ اور خاموشی سے حریف کے حملے کا انتظار کرنے لگا۔

عمر بن عبد العزیز نے جس وقت یہ فرمان عبد الحمید کو بھیجا ہے اُسی وقت ایک دوسرا خط براہ راست بسطام کو بھیجا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "مین نے سنا ہے تم نے خدا اور رسول کے حکم کے خلاف بغاوت اختیار کی ہے۔ حالانکہ تمھین مجھ سے زیادہ استحقاق خلافت کا نہین ہے۔ اچھا آؤ۔ ہم تم مناظرہ کر لیں۔ اگر ہم حق پر ثابت ہون تو ساری دنیا کے مسلمانون کی طرح تم بھی میری خلافت کو خاموشی سے قبول کر لو۔ اور اگر تم حق پر ثابت ہو تو ہم غور کرین کہ اِس معاملہ مین کیا کرنا چاہیے۔" بسطام نے معمول کے خلاف جب یہ رنگ دیکھا کہ خلافت کی زبردست فوج سامنے خاموش پڑی ہوئی ہے اور خود خلیفہ بحث کرنا چاہتے ہین تو عمر ابن عبد العزیز کو خط لکھا "آپ جو کچھ فرماتے ہین بجا و درست ہے اور آپ کی خواہش کے مطابق مین اپنے دو معتمد علیہ شخصون کو یہ خط دے کے بھیجتا ہون۔ ایک تو بنی شیبان کا ایک حبشی غلام عاصم ہے اور دوسرا میرے قبیلۂ بنی یشکر کا ایک معمولی شخص ہے۔" دونون بسطام کا خط لے کے مقام خناصرہ مین پہونچے جہان اُن دنون عمر بن عبد العزیز تھا۔ اور حاضر دربار ہوئے عمر اُن سے اخلاق کے ساتھ پیش آیا۔ اور اطمینان سے قریب بٹھا کے پوچھا "تم لوگون نے کس لیے بغاوت اختیار کی ہے؟ اور سرتابی کا اصلی سبب کیا ہے؟"

عاصم۔ ہمین آپ کے ذاتی افعال وخصائل کی شکایت نہین ۔ جانتے ہین کہ آپ نیک نفس پابند شرع عدالت گستر ہین۔ اور لوگون کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہین۔ مگر یہ بتایئے کہ آپ اولوالامر کس حق سے بن گئے؟ کیا ساری دنیا کے مسلمانون نے مشورہ کر کے اور برضا ورغبت آپ کو امام منتخب کیا ہو؟،،

عمر۔ نہین۔ مگر حالت یہ ہو کہ نہ مین نے لوگون سے خلافت مانگی۔ اور نہ جبراً حاصل کی۔ مگر مجھ سے پہلے وہ جس شخص کے ہاتھ مین تھی عام اس سے کہ اس نے جائز طور پر حاصل کی ہو یا ناجائز طور پر۔ اُس نے میری جانشینی کی وصیت کر دی تھی۔ اُس وصیت کے بموجب مین نے اُس کو قبول کر لیا۔ کسی نے اس سے اختلاف نہین کیا۔ اور نہ تمھارے سوا آج تک کوئی جھگڑا کرنے والا پیدا ہوا تھا۔ تم لوگون کی بھی یہ رائے ہو کہ ایسے شخص کو خلیفہ ہونا چاہیئے جو انصاف کرے اور عدالت گستری سے کام لے۔ تو پھر مجھی کو وہ منصف شخص خیال کر لو۔ اور اگر مین حق کے خلاف کوئی کارروائی کرون یا صراط مستقیم سے گمراہ ہو جاؤن تو پھر میری اطاعت تم پر فرض نہ رہیگی،،

یہ تقریر سُن کے بسطام کے دونون نائبون نے کہا "اچھا تو پھر ہمارا آپ کا ایک بات پر فیصلہ ہو جانے دے،،

عمر۔ "وہ کون سی بات ہو؟،،

عاصم۔ "ہم دیکھتے ہین کہ آپ اُن تمام افعال اور حرکات وسکنات کو بُرا سمجھتے ہین جو آپ کے گھرانے کے اگلے عمرانون سے سرزد ہوتے رہے۔ اور اُن کو ظالم وجابر جانتے ہین۔ لہذا اگر یہ آپ کے نزدیک صحیح ہو کہ وہ ضلالت پر تھے اور آپ حق پر ہین تو اُن پر لعنت بھیجیے،،

عمر۔ "میرا خیال ہو کہ تم لوگون نے دنیا طلبی کے لیے ہتھیار نہین اُٹھائے ہین بلکہ فلاح اُخروی کے خواستگار ہو؟،،

عاصم۔ "بے شک ہم دنیا نہین چاہتے،،

عمر۔ "مگر تمھاری اس درخواست سے تو معلوم ہوتا ہو کہ راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہو،،

عاصم۔ "کیون؟،،

عمر۔ "حدیث سے ثابت ہو کہ اللہ جل شانہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

لعنت بھیجنے والا پیغمبر بنا کے نہین مبعوث کیا تھا۔ اور ابراہیم خلیل اللہ کا قول تھا کہ بار الٰہا جو میری پیروی کرے میرا ہی اور جو میرا کہنا نہ مانے اُس کے لیے تو بخشنے والا مہربان ہی۔ اور ان دونون بزرگون کی نسبت وہ حضرت رب العزت فرماتا ہی یہ وہ لوگ ہین جنھین خدا نے ہدایت کی ہی۔ اس لیے تم بھی اُن کی پیروی کرو۔ مین نے ان گذشتہ خلفا کے افعال کو ظلم مان لیا۔ مذمت اور عیب چینی کے لیے اتنا کافی ہی۔ رہا گنہگارون پر لعنت بھیجنا تو یہ کوئی ایسا فرض نہین ہی جس سے مسلمان کو مفر ہی نہ ہو۔ اور اگر تمھارے نزدیک فرض ہی تو بتاؤ تم نے فرعون پر کب اور کتنی بار لعنت کی ہی؟"

عاصم: "نہین۔ یاد نہین کہ فرعون پر ہم نے کبھی لعنت بھیجی ہو۔"

عمر: "تو پھر تمھارے لیے تو اگر فرعون پر بھی لعنت نہ بھیجو جو بدترین خلق تھا کوئی مضایقہ نہین۔ اور میرے لیے اتنی بھی گنجایش نہین کہ اپنے اُن خاندانی لوگون اور قرابت دارون پر لعنت نہ بھیجون جو مسلمان تھے۔ نمازی تھے۔ روزہ دار تھے۔ اور عبادت گزار تھے!"

عاصم: "جور و ظلم کرنے کی وجہ سے کیا وہ کافر نہین ہوگئے؟"

عمر: "ہرگز نہین۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگون کو اسلام کی دعوت کی اور جن لوگون نے وہ دعوت قبول کر لی۔ اور آپ کی شریعت کو مان لیا اُن کے ایمان کو آپ نے تسلیم فرما لیا۔ پھر اس کے بعد اگر اُن سے کوئی گناہ سرزد ہوا تو اُن پر صرف حد جاری کی گئی اسلام سے خارج نہین کیے گئے۔"

عاصم: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگون کو توحید کی طرف بلایا تھا۔ اور اس کے ساتھ یہ شرط تھی کہ آپ پر خدا جو احکام نازل کرے اُن کے ماننے کا اقرار کرین۔"

عمر: "بے شک۔ مگر گذشتہ خلفاے بنی اُمیہ مین سے تو ایک بھی ایسا نہین گذرا جس نے کہا ہو مین احکام نبوت کو نہ مانون گا یا سنت رسول اللہ پر عمل نہ کرونگا اصل حقیقت یہ ہی کہ شقاوت اُن پر غالب تھی۔ اور جن امور کو حرام جانتے تھے جان بوجھ کے اُن کے مرتکب ہوئے۔"

عاصم: "اچھا لعنت بھیجنے مین آپ کو تامل ہی تو اُن کے افعال پر تبرا کیجیے جو آپ کے عمل کے خلاف ہین۔ اور اُن خلفا کے احکام کی تردید کیجیے۔"

عمر "اچھا بتاؤ تم ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کو کیسا سمجھتے ہو؟ حق پر تھے یا باطل پر؟"

عاصم "حق پر تھے۔ اُن کے افعال کو کون باطل کہہ سکتا ہے؟"

عمر "تمھین اس کی خبر ہو کہ ابوبکر نے جب مرتدون پر حملہ کیا تھا تو اُن کا قتل و قمع کیا۔ اُن کے اہل و عیال کو لونڈی غلام بنایا۔ اور اُن کی جائداد پر قبضہ کر لیا؟"

عاصم "جی ہان معلوم ہے"

عمر "اور یہ بھی جانتے ہو کہ ابوبکر کے بعد عمر نے مرتدون کے اہل و عیال کو فدیہ لیکے چھوڑ دیا تھا؟"

عاصم "یہ بھی جانتے ہین"

عمر۔ "تو کیا عمر نے ابوبکر کے اس فعل سے تبرا کیا تھا؟"

عاصم "نہین"

عمر "انھون نے نہ کیا سہی۔ خود تم اُن دونون خلیفون مین سے کسی ایک کے فعل سے تبرا کرتے ہو؟"

عاصم "ہم بھی نہین کرتے"

عمر "اچھا اب ایک اور بات بتاؤ۔ غالباً تمھین معلوم ہوگا کہ تمھارے بزرگان نہروان (سب سے پہلے خوارج جو حضرت علی سے لڑے تھے) مین سے کوفہ والون کو گو کہ سرکشی پر آمادہ تھے نہ خونریزی کی اور نہ کسی کا مال لوٹا۔ بخلاف اس کے بصرے والے نہروائیون نے یہانتک بیرحمی اختیار کی کہ عبداللہ بن خباب اور اُن کی لونڈی کو بھی نہ چھوڑا جو حاملہ تھی؟"

عاصم "ہان یہ تو ہوا تھا"

عمر "تو کیا جن خوارج نے خونریزی کی تھی خونریزی نہ کرنے والون سے یا جن لوگون نے خونریزی نہین کی تھی خونریزی کرنے والون سے تبرا کرتے تھے؟"

عاصم "نہین"

عمر۔ "انھون نے نہ کیا تو مضائقہ نہین تم اُن دونون فریقون مین سے کسی ایک سے تبرا کرتے ہو؟"

عاصم "نہین۔ ہم بھی نہین کرتے"

عمر "تو پھر تمھارے لیے تو اسقدر گنجایش ہے کہ ابوبکر و عمر اور اپنے کوفے اور بصرے والے دونون گروہون کیساتھ باوجود اُنکے باہمی اختلاف اعمال کے تولا کرتے ہو مگر مجھے اپنے اُن عزیزون سے جو مسلمان اور دیندار تھے تبرا کیے بغیر مفر نہین!"

اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز نے انھین لاجواب دیکھ کے سمجھانا شروع کیا کہ خدا سے ڈرو

سچ یہ ہو کہ تم لوگ جاہل ہو۔ اور مجھ سے کام نہین لیتے۔ جن باتون کو رسول اللہ صلعم نے منع کیا ہو انھین تو جائز کر لیتے ہو اور جن باتون کو جائز بتایا ہو اُن سے لوگون کو منع کرتے ہو۔ جس شخص کے لیے رسول اللہ صلعم سے خوف تھا اُسے تمھارے یہان امان ملتی ہو اور جسے آپ نے امان دی تھی اُس کے تم جانی دشمن ہو یا کلمہ گو کو تمھارے یہان امان نہین ملتی حالانکہ آنحضرت اُسے امان دیتے تھے۔ اور اُس کی جان و مال پر دست درازی کرنا حرام بتاتے تھے۔ تمام مذاہب کے پیرو ون کا خون تم اپنے اوپر حرام سمجھتے ہو تمھارے یہان ایک حلال ہو تو کلمہ گو کا خون!،،

یہ تقریر سن کے بسطام کے وہ دونون سفیر عاجز اور لاجواب تھے۔ اور سر جھکائے ہوئے سوچ رہے تھے۔ آخر وہ یشکری شخص سر اٹھا کے بولا ”اچھا ایک بات بتایئے۔ فرض کیجیے کہ ایک شخص کسی قوم کی جان و مال کا مالک ہوا۔ اُن لوگون کے ساتھ انصاف اور نیکی کرتا رہا۔ لیکن آخر مین اپنی وہ حکومت اُسنے ایک شخص کو دے دی جو اُس کا اہل نہ تھا۔ آپ ایسے شخص کی نسبت کیا کہتے ہین؟ اُسنے خدا ترسی کا حق ادا کیا یا نہین؟،،

عمر ”ہرگز نہین۔ ایسے شخص کی نسبت کون کہہ سکتا ہو کہ اُس نے خدا ترسی کا حق ادا کر دیا؟،،

یشکری ”ایسا ہو تو پھر آپ یہ خلافت یزید بن عبدالملک* کو کیون دیے جاتے ہین جس کی نسبت آپ جانتے ہین کہ حق پر نہ رہے گا!،،

عمر ”مگر اُسے مین نے اپنا ولی عہد نہین قرار دیا ہو بلکہ اُس کے بارے مین عبدالملک و سلیمان مجھ سے پہلے وصیت کر گئے ہین مین اُس بارے مین کچھ نہین کہتا۔ جب اُس کا زمانہ آئیگا تو مسلمانون کو اختیار ہوگا کہ اُس کی اطاعت کرین یا نہ کرین،،

یشکری ”یہ مین نے مانا کہ آپنے اُسے ولی عہد نہین بنایا۔ مگر جس کسی نے بنایا اُس کے اس فعل کو آپ کیسا خیال کرتے ہین جائز یا ناجائز؟،،

یہ الفاظ سُن کے عمر بن عبدالعزیز کی آنکھون سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر ضبط کر کے کہا ”اِس کے جواب کے لیے مجھے تین دن کی مہلت دو“ بسطام کے دونون سفیرون نے قبول کیا یہ صحبت اسی پر ختم ہو گئی اور وہ دونون رخصت ہو کے اپنی فرودگاہ کو گئے۔

* آل مروان کا سب سے زبردست خلیفہ عبدالملک بن مروان وصیت کر گیا تھا کہ اُس کے بیٹے ولید سلیمان اور یزید ایک دوسرے کے بعد اورنگ نشین خلافت ہون۔ عمر بن عبدالعزیز عبدالملک کا بھتیجا تھا۔ سلیمان نے وصیت کر دی کہ اُس کے بعد اُس کا ابن عم عمر اور پھر اُس کے بعد سگا بھائی یزید خلیفہ ہو۔

اس کے بعد جب وہ دونوں آ کے عمر بن عبدالعزیز سے ملے تو عاصم نے صورت دیکھتے ہی کہا۔ "مین تو اعتراف کرتا ہون کہ آپ بالکل برسر حق ہین" عمر نے یشکری سے پوچھا اور تم کیا کہتے ہو؟ بولا "آپ کی جو کچھ تعریف کی گئی ٹھیک ہے مگر میرا ابھی اطمینان نہین ہوا اپنے جو کچھ کہا ہے اسے عام لوگون کے سامنے پیش کیجیے اور دیکھیے کیا کہتے ہین"

یہ کہہ کے وہ یشکری واپس گیا اور عاصم عمر ہی کے پاس رہ گیا۔ عمر نے اسے انعام دیا اور اچھی طرح رکھا۔ مگر اس کی عمر نے وفا نہ کی۔ آنے کے پندرھوین ہی دن مر گیا لیکن اس واقعہ کے بعد سے عمر بن عبدالعزیز کی یہ حالت تھی کہ بار بار زبان سے نکل جاتا "یزید بن عبدالملک کے معاملہ نے مجھے خاک مین ملا دیا" یہ سن کے بنی امیہ کو اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو عمر بن عبدالعزیز دینداری کے جوش مین آ کے کسی غیر کو ولی عہد مقرر کر دے۔ یہ ہوا تو غضب ہی ہو جائیگا اور پھر خلافت بنی اُمیہ کے گھرانے مین نہ آئے گی۔ اسی خطرے سے بچنے کے لیے لوگون نے سازش کر کے عمر بن عبدالعزیز کو ایک شخص کے ہاتھ سے زہر دلوا دیا۔ اور چند ہی روز مین اس کا خاتمہ ہو گیا۔ مگر اُس کی وفات سے پہلے ہی اُس کی باتون سے متاثر ہو کے بسطام سرکشی سے باز آ گیا۔ اور جو خلافت کی فوج اس کی روک تھام کے لیے گئی تھی واپس آئی۔

سعی بے حاصل

کچھ کرو۔ اور کیے جاؤ۔ کیونکہ تم کرنے ہی کے لیے پیدا ہوئے ہو۔ تم اسی وقت تک زندہ ہو جب تک کچھ کرتے ہو۔ تمھارا کچھ کرنا رُکا اور سمجھ لو کہ تم نہین ہو۔ "کام" تمھاری زندگی کا شعار۔ اور انسانی ہستی کے علم کا ارکہ ہے۔ کوئی ترقی کا آسمان کوئی بلند ہمتی کا عرش اوپر دکھائی دے اور تم اُس کی طرف اُڑو۔ کوئی اُلوالعزمی کا شہ نشین۔ اور کوئی عالی حوصلگی کی مسند نظر آئے اور تم اُس کی طرف دوڑو۔ کوئی ہزار روکے نہ رُکو۔ ہزار منع کرے نہ مانو۔ دلیری و استقلال کے ساتھ بڑھتے ہی چلے جاؤ۔ کیونکہ ناکامیان نہ چلنے ہی مین ہین۔ چلے اور پہونچے۔ تمھارا ہمت بندھانے والا گیت کہہ رہا ہے "لیس للانسان الا ما سعیٰ" یہی نعرہ لگاتے

ہوئے بڑھو اور منزل مقصود مین پہونچ جاؤ۔ اسی طلسمی عمل کو تعویذ کی طرح بازو پر باندھ کے ہاتھ بڑھاؤ۔ اور جو کچھ چاہتے ہو لو۔ مگر ہان شرط یہ ہو کہ ہمت پوری اور جستجو سچی ہو۔ تمھارے کام مین سچی سعی کی شان پیدا ہوئی اور دشوارئیون۔ ناکامیون۔ مزاحمتون اور مصیبتون کی یہ خطرناک گھاٹی سی جو سامنے نظر آرہی ہو اُسے "من طلب وجد" کے موکل فرشتون نے ایک تھیئٹر کے پردے کی طرح ہٹا کے تمھین شاہد آرزو کا جلوہ دکھا دیا۔

جب کبھی ہم کسی دشوار اور اپنی حیثیت سے بڑھی ہوئی آرزو کے حصول کے لیے قدم مارتے ہین۔ یا کسی ایسے کام کو شروع کرتے ہین جس مین کامیابی مشکل نظر آتی ہو تو اکثر احباب کی ناصحانہ زبان سے سنتے ہین "بیکار محنت سے کیا حاصل؟" اور "اس سعی بے حاصل کا کیا نتیجہ؟" مگر آہ! وہ یہ نہین جانتے کہ حرکت ہی مین برکت ہو۔ اور "لاحاصل" "بے نتیجہ" "دشوار" "مشکل" بلکہ "محال" "غیر ممکن" اور اسی طرح کے تمام ہمت شکن الفاظ سب انھین لوگون کے لیے ہین جو ان الفاظ کو اُن کے متعارف معنون مین لیتے ہین۔ ساری مشکل تمھارے مشکل جاننے سے ہو۔ اور تم محال نہ جانو تو سچ اور حقیقت یہ ہو کہ کوئی چیز محال نہین ہو۔ کیا تم نے نہین سنا کہ بعض اعلی درجہ کے اولوالعزمون نے محال کا لفظ اپنی لغت مین سے نکال ڈالا تھا! اور اُس کے سے تمام عالی ہمت لوگون کے نزدیک محال وغیر ممکن کوئی چیز نہ تھی؟

اصل یہ ہو کہ فائدہ اور نتیجہ ہو یا نہ ہو کچھ کرتا رہنا ہماری فطرت ہو۔ اور بے کچھ کیے ہم رہ ہی نہین سکتے۔ تم نے کسی صوفی کو کبھی حال آتے دیکھا ہو؟ مغنی کے ایک پُر اثر شعر اور معنی خیز کلام پر وہ کس طرح بیخود ہو کے ناچنے لگتا ہو؟ اسی طرح ہمارے دل مین جس وقت کوئی جوش یا خیال پیدا ہوتا ہو ہم بھی مجبور ہو جاتے ہین کہ وہ جوش جس وضع سے کہے ہاتھ ہلانے اور اُسی کی گت پر ناچنے لگین۔ لہذا ہمارا کام ہو کہ بلالحاظ اس کے کہ کامیابی ہوگی یا ناکامی ہاتھ پاؤن مارین اور کوشش کا دامن پکڑ لین چاہے وہ چھٹ کے ہمارے ہاتھ ہی مین رہ جائے۔ فلسفۂ اسباب وعلل کا گرویدہ ہمارے کامون کا محاسبہ کرتا اور ہمارے تمام افعال کی علت وغایت پوچھتا ہو۔ ہم اگر جواب مین یہ کہین کہ "کوئی غرض نہین" تو ہمین

ع یہ واقعہ نپولین بوناپارٹ کا ہو۔

مجنون بتاتا ہی اور اگر یہ جواب دین کہ ہمارے تمام افعال کسی دوسری قوت کے تابع اور بجاے خود اضطراری ہین تو ہمین "جبریت" کا ملزم ٹھہرا کے وہ ہماری نسبت بے دینی ولا مذہبی کا فتوی دیتا ہی۔ وہ چاہے ہمین کچھ کہے اور کیسے ہی الزام دے مگر ہم اپنی فطرت سے مجبور ہین۔

اے پرستاران عقل! ہر شخص سے اُس کے حرکات وسکنات کا سبب نہ پوچھا کرو۔ کیونکہ چون وچرا کا میدان بہت تنگ ہی۔ اور علت ومعلوم کا سلسلہ ہر جگہ نہین چلتا۔ دیکھو پہاڑ کی چوٹی پر سے اُس بد نصیب کے قدم کو لغزش ہوگئی۔ آہ وہ گرا۔ اور لُڑھکتا۔ قلا بازیان کھاتا۔ چٹانون سے ٹکراتا۔ اور سنگلاخ سلون کی رگڑین کھاتا ہوا نیچے چلا آتا ہی۔ اس قعر فنا مین جاتے وقت اگرچہ اُسے یقین ہی کہ ساری کوششین بے سُود ہین۔ مگر دل نہین مانتا۔ کبھی کسی تپھر کو پکڑ لیتا ہی۔ اور کبھی کسی گھاس پر ہاتھ مارتا ہی۔ تپھر ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہی۔ اور گھاس کی پتیان ٹوٹ کے مٹھی مین رہ جاتی ہین۔ مگر وہ اپنی سعی لاحاصل سے باز نہین آتا۔ اُس سے نہ پوچھو کہ یہ بے نتیجہ کوششین کیون کر رہے ہو؟

اُس شکستہ بخت کشتی شکستہ کو دیکھتے ہو جسے عدم آباد کے پُر خطر سفر مین سہارا دینے کے لیے کوئی ٹوٹا تختہ بھی نہین نصیب ہوا؟ ناپیدا کنار سمندر مین زور وشور سے ہاتھ پاؤن مارتا۔ اور اُس سیاہ چٹان کی طرف جارہا ہی جو کوسون کی مسافت پر ایک دیو زاد کی طرح سطح آب پر کھڑی ہوئی اُسے اپنی طرف بلا رہی ہی۔ جانتا ہی کہ وہان تک پہونچنا انسان کی امکانی کوشش سے باہر ہی۔ اور بفرض محال پہونچے بھی تو وہان کسی قسم کا سامان زندگی نہین موجود ہی۔ مگر اُسے اِن انجامون کا مطلق خیال نہین۔ زیست کی کوئی امید نہین ہی؟ مگر دیکھو اُس ٹہنی پر جو کہین سے بہتی ہوئی آگئی ہی ہاتھ مارتا ہی کہ اُسے پکڑ کے ڈوبنے سے بچ جاے۔ اُس تنکے کا سہارا چاہتا ہی جسے موجین خدا جانے کہان سے بہا لائی ہین۔ تم ہی نہین کہتے خود اُسے بھی معلوم ہو کہ یہ سعی بے حاصل ہی مگر اپنی سعی کر گذرتا ہی۔ اور بے کیے نہین رہا جاتا۔

ان دونون انتہا درجے کے مایوسان زیست کو تم نے دیکھ لیا کہ گو اُنھین یقین واثق تھا کہ کوشش بے فائدہ اور ہاتھ پاؤن مارنا بے سود ہے مگر اپنی سی کیے گئے۔ اور مرتے دم تک کچھ کرتے ہی رہے۔ یونہین تم بھی دم واپسین تک اپنا کام کرتے رہو۔ شہید اور پڑکے مرنے والے مین یہی فرق ہے کہ پہلا مرتے دم تک کوشش کا دامن نہین چھوڑتا اور دوسرا ہاتھ پاؤن ڈال کے پڑجاتا ہے۔ اگرچہ دوا درمن اور تدابیر صحت سے یہ بھی باز نہین آتا مگر شہید کی کوشش زیادہ جان بازی کی ہے اور اسی لیے اُس کو ابدی زندگی نصیب ہوگئی۔ اس سے تم اس نتیجہ کو بہ آسانی پہونچ سکتے ہو کہ جو آخر تک اپنا کام کرتا رہے اور کوشش کیے جائے دراصل مرتا ہی نہین۔ اس کی موت صرف ظاہر مین نظر آتی ہے حقیقت مین اُسے ابدی زندگی حاصل ہوگئی۔ کیونکہ اُس کی سعی و کوشش ہی اُس کے حق مین آب حیات بن جاتی ہے۔

اسباب و علل کا سلسلہ کوششون کے عالم مین چلتا بھی ہے تو اسی حد تک جہان تک کہ ہم پر یاس و ناامیدی کا غلبہ نہ ہو۔ مایوسی کے بعد ہم جو کچھ کرتے ہین وہ ہمارا ایک اضطراری فعل ہوتا ہے جب چڑیا بلی کے منھ مین جاکے پھڑپھڑاتی اور بکری شیر کے پنجے مین پھنس کے چلّاتی اور ہاتھ پاؤن مارتی ہے اُس وقت اُسے حس نہین ہوتی کہ ہم یہ کیون کررہے ہین۔ اسی طرح ہمارے عالم یاس کے مضطربانہ حرکات کے متعلق اگر ہم سے سوال کیا جائے کہ ”یہ کیون کیا؟“ اور ”یہ کیون نہ کیا؟“ تو اول تو ہمین جواب دینے کی فرصت ہی نہین ہوتی۔ جو سراپا مصروف سعی لاحاصل ہو اُس کے کان سب طرف سے بہرے ہو جاتے ہین۔ اور اگر توجہ کرنے کی فرصت مل بھی جائے تو اس وقت ہمارا دماغ چون وچرا کا بار اٹھا ہی نہین سکتا۔ ہم خود ہی نہین جانتے کہ یہ کیون کررہے ہین۔ تمھین کیا جواب دین؟ بس اتنا ہے کہ لیئے ان مضطربانہ افعال اور اپنی اُن بے نتیجہ کوششون سے ہم اپنے جوش کی آگ پر پانی ڈالتے اور اپنے بیتاب دل کو گونہ تسکین دیتے ہین۔ ہم یہ ہرگز نہین سمجھتے کہ اس ہاتھ پاؤن مارنے سے مطلب حاصل ہوجائیگا مگر ان یہ

بے بسی کی حرکتین ہمارے دل کو ایک طرح کی تسکین دیتی اور اُس تسکین مین کچھ ایسی لذت ہی کہ تم ہزار روکو لاکھ منع کرو۔ زبردستی پکڑو۔ اور ہمارے ہاتھ پاؤن باندھ تک دو مگر ہم نہ باز آئینگے۔ خدا غریق رحمت کرے ہمارے فطرت شناس شاعر کو جو کہتا ہی۔

بس ہجوم نا امیدی خاک مین مل جائے گی — وہ جو اک لذت ہماری سعی بے حاصل مین ہی

غالب مرحوم سے پہلے سعی بے حاصل کی لذتون سے کوئی شاعر نہین آشنا تھا اور نہ کسی نے بتایا تھا کہ ان مضطربانہ حرکات یاس مین کیا مزہ ہی؟ اور رقص بسمل کن جذبات کا نتیجہ ہی؟

ریویو

اسلامک ریویو یہ انگریزی زبان مین وہ ماہانہ رسالہ ہی جسے خواجہ کمال الدین نے تبلیغ اسلام کیلئے انگلستان سے نکالا۔ خواجہ صاحب کی کوششون سے حقیقت اسلام کے جو معجزات ظاہر ہو رہے ہین محتاج بیان نہین ہین۔ اُن کی جوانمردی اور سچی محبت دین نے انگلستان مین۔ انگلستان ہی نہین ساری مسیحی دنیا مین۔ بلکہ مسیحیت کے آغوش مین اسلام کی بنیاد قائم کر دی۔ جو کام لاکھون کروڑون روپیہ اور صدہا علما کی کوشش سے نہ ہوتا اُسے خواجہ صاحب نے اپنے قناعت کے سرمایے اور اپنی تنہا کوشش سے کر دکھایا۔ اب وقت ہی کہ اُنکی مدد کی جائے اور اُن کا کام بڑے پیمانے پر جاری کیا جائے۔ اگر اب بھی مسلمان نہ چونکین اور اُن کی اعانت مین جوش نہ دکھائین تو سمجھنا چاہیے کہ وہ کچھ نہ کرینگے اور اُن سے کسی قسم کی امید نہین۔ ایک افسوسناک خیال پیدا کیا گیا تھا کہ خواجہ صاحب احمدی گروہ کے ایک رکن رکین ہین اور اُنکی کوششون کا مآل مرزا صاحب کی امامت و نبوت کا اثبات ہوگا۔ لیکن آجتک خواجہ صاحب نے اپنی ساری تبلیغ مین کبھی کسی ایسے مسئلہ کو نہین چھیڑا جو عام مسلمانون مین اور احمدیون مین مختلف فیہ ہو۔ قطع نظر اس کے اب کھل گیا کہ وہ احمدیون کے اعتدال پسند گروہ مین ہین جو عام اہل سنت سے زیادہ اختلاف نہین رکھتا اور اُن قادیانی اکسٹریمسٹ لوگون سے الگ ہین جن کا خوفناک اصول یہ ہی کہ اپنی مسجد کے سوا ساری دنیا کی مسجدین ڈھا دو۔ اور اگر فرض کیجیے کہ خواجہ صاحب کی معتدل احمدیت بھی

مسلمانون کے لیے نا قابل برداشت ہو تو ہم انھین اتنا بے وقوف نہین سمجھتے کہ اصلی اصول اسلام اور اُس کی حقیقی خوبیون کو چھوڑ کے وہ یورپ کے سامنے ہمارے فریقی اختلافات کو پیش کرکے دین اسلام کو بدنام ۔عام مسلمانون کو ناراض ۔ اور اپنی تبلیغ کی قوت کو خود ہی کمزور کر دین گے ۔ اور اتنے دنون مین جو کچھ کیا ہو اُسے اپنی بے عقلی پر قربان کرکے رکھ دین گے ۔

یہ تو اُن مسلمانون کے لحاظ سے تھا جو احمدیت سے تعصب رکھتے ہین ۔ رہا خود ہمارا خیال وہ تو یہ ہو کہ یورپ کے لوگون مین خالص دین اسلام کی تبلیغ ہونی چاہیے بلالحاظ اس کے کہ فرق اسلام کی باہمی جزئی بحثون کا خیال کیا جاے ۔ اور اگر بالفرض خواجہ صاحب کی طرف سے اس کا اطمینان نہین ہو تو بھی کوئی مضایقہ نہین ۔ اسلیے کہ ہمارے نزدیک یورپ والون کا احمدی مسلمان بن جانا لاکھ درجہ بہتر ہو بمقابل اس کے کہ وہ تثلیث پرست رہین ۔

اس لیے اسلام کے امرا اور دولت مندون کا تو یہ فرض ہو کہ خواجہ صاحب کے مشن کی کامیابی کے لیے دریا دلی سے چندہ اور بھاری رقمین دین مگر عام تعلیم یافتہ مسلمانون پر یہ واجب ہو کہ ہر شخص اپنا قومی و مذہبی فرض خیال کرکے اُن کے اُس انگریزی رسالے اسلامک ریویو کی خریداری کرے جو نہایت ہی عمدہ کاغذ پر چھپتا ہو اور تبلیغی مباحث و مضامین کے ساتھ خواجہ صاحب کی ماہانہ کارگزاریون کے نتائج سے مطلع کر دیا کرتا ہو ۔ قیمت سالانہ سات روپیہ ہو ۔ اس لیے کہ جتنے رسالے فروخت ہوتے ہین ان سے زیادہ یورپ کے عیسائیون مین مفت تقسیم ہوتے ہین ۔ درخواستین ”مسجد“ ۔ ووکنگ ۔ انگلینڈ کے پتہ پر خواجہ کمال الدین صاحب بی ۔ اے ۔ ال ۔ بی ۔ یا مولوی محمد صدرالدین صاحب بی ۔ اے بی ۔ ٹی کی خدمت مین بھیجی جائین ۔

ہندوستان کے بانکے

انگریزی حکومت سے پہلے جب دہلی کا دربار مغلیہ برقرار تھا۔ پھر اُس کے بعد لکھنو میں جب اودھ کی چند روزہ سلطنت قائم تھی ہمین بانکون کا ایک عجیب وغریب گروہ نظر آتا ہو جن کا انجام یہ ہو کہ اب اُن کا کہین پتہ نہین اور آغاز یہ تھا کہ تاریخ سے کہین سراغ نہین لگتا کہ یہ گروہ کب پیدا ہوا۔ اور اس کی بنیاد کیونکر پڑی۔

ہمارے یہ قومی سپاہی جو "بانکے" کہلاتے تھے اپنی زندگی سپہگری کی نذر کر دیتے۔ سوتے جاگتے۔ اُٹھتے بیٹھتے۔ چلتے پھرتے۔ ہر وقت پورے اسلحۂ جنگ سے آراستہ اور اوڈچی بنے رہتے یکرنگی و یک وضعی کو اپنا شعار جانتے۔ اور اس بات کی دُھن تھی کہ ہماری ہی بات سب پر بالا رہے۔ باوجودیکہ وہی مروج متداول اسلحہ سب کے پاس ہوتے مگر ساتھ ہی ہر ایک اپنی کوئی خاص دھج اور اپنا کوئی مخصوص بانا رکھتا جس کو مرتے دم تک نہ چھوڑتا۔ اور اس کی تاب نہ لاسکتا کہ اس دھج یا شعار کو کوئی اور بھی اختیار کرے۔

پہلے پہل اِن بانکون کا نام محمد شاہ رنگیلے کے زمانے مین سُنا جاتا ہو پرانے راوی اور یادگار زمانہ بڈھے بیان کرتے ہین کہ محمد شاہ کے پاس ایک لشکر بانکون کا تھا اور ایک زنانون کا۔ اور نادر شاہ کے مقابلے مین اگر کچھ لڑنے تو یہی لوگ لڑے

بانکے جانین دینے پر تُلے ہوئے تھے - اور زنانے عورتون کی طرح "اوہی! کہہ کے تلوار مارتے تھے - اُس زمانے کے بعد جب دہلی اپنے باکمالون اور ہر فن کے اُستادون کی قدر کرنے کے قابل نہ رہی تو اُن کا رخ اودھ کی طرف پھر گیا - اور قدردانی کی امید مین ہر ادنی و اعلی دہلی چھوڑ چھوڑ کے یہان آنے لگا - اب یہ لوگ فیض آباد اور لکھنؤ کی سڑکون پر ٹہلتے نظر آتے تھے - مگر یہان زنانے سپہگرون کا تو پتہ نہ تھا ہان بانکے تھے جن کی روز بروز کثرت ہوتی جاتی تھی -

بادی النظر مین خیال ہوتا ہو کہ تمام بانکون کی ایک سی وضع ہوگی - مگر ایسا نہ تھا - ان مین سے ہر فرد اپنے بانکپن کو ایک نئے عنوان اور نئی شان سے ظاہر کرتا - پہلے عام وضع یہ تھی کہ سر کو چندیا سے گُدی تک مُنڈاتے - اور دونون طرف کے پٹون مین سے ایک تو کانون تک رہتا - اور دوسرا شانون تک لٹکتا - بلکہ کبھی اُس کی چوٹی گوندھ کے ایک طرف سینے پر ڈال لی جاتی - اس کے بعد جدّتین ہونا شروع ہوئین اور ہر بانکے نے اپنے لیے کوئی نئی دھج ایجاد کی - کسی صاحب نے ایک طرف کی مُوچھ اس قدر بڑھائی کہ وہ بڑھتے بڑھتے چوٹی سے بوس و کنار کرنے لگی - کسی صاحب نے پگڑی کا شملہ بجائے پیٹھ کے ایک طرف شانے پر ڈال لیا - کسی صاحب نے پاجامہ کا ایک پائنچا اس قدر نیچا کر لیا کہ زمین بوسی ہو رہی ہو اور دوسرا پائنچا اس قدر اُٹنگا رکھا کہ آدھی پنڈلی کھلی ہوئی ہو - کسی صاحب نے لوہے کی ایک بیڑی پاؤن مین ڈال کے اس کی زنجیر کمر مین اٹکائی - اور اُسے کھڑکاتے ہوئے پھرنے لگے - کسی صاحب نے یہ [illegible]ی کی کہ بہت سے روپیون مین دونون طرف کنڈے لگا کے اور اُنھین باہم جوڑ کے ایک نئی قطع کی نقرہ زنجیر بنائی پھر اُس کے دونون سرون پر چاندی کے دو حلقے لگائے - ایک حلقہ کو ایک طرف کے پاؤن مین ڈال لیا اور دوسرے کو اسی طرف کے بازو مین پہن کے شانے پر اٹکا لیا - اور نہایت غرور و تمکنت کے ساتھ زنجیر بجاتے ہوئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے - غرض جتنے بانکے تھے اُتنی ہی وضعین تھین - اسی قسم کی جدت طرازیان اسلحہ کے متعلق تھین - کوئی صاحب دودھارا تیغا ہاتھ مین رکھتے جو ہر وقت برہنہ اور ہوا سے لڑتا رہتا - کوئی صاحب رستم و نریمان کے زمانے کا وزنی سلاح گرز لیے پھرتے - کوئی صاحب تبر کاندھے پر رکھے نظر آتے - اور ساری

دنیا کو اپنی نظر مین ہیچ خیال کرتے۔

اِن لوگون کے باہر نکلنے کی یہ شان تھی کہ تبختر و نخوت کے ٹھاٹھ سے اپنے اوپر ناز کرتے ہوے چلتے۔ ہر ایک پر کڑوے تیور ڈالتے۔ اور اگر کہین کسی کو دیکھ لیتے کہ انھین کا بانا اور شعار اُس نے بھی اختیار کر لیا ہو تو بلا تامل ٹوک بیٹھتے۔ اور کہتے "آئیے ہم سے آپ سے دو دو ہاتھ ہو جائین۔ یہ بانا یا تو ہمارا ہی ہو گا یا آپ ہی کا ہو گا"

اس سے زیادہ قیامت یہ تھی کہ ان لوگون کا تبختر۔ اِن کا فخر و ناز۔ اِن کی چال ڈھال۔ اِن کی وضع قطع۔ اور اِن کے مخصوص شعار سب چیزون کی یہ حالت تھی کہ دیکھتے ہی انسان کو بے اختیار ہنسی آ جائے۔ مگر کس کی مجال تھی کہ اُن کی طرف دیکھ کے مسکرا بھی دے۔ انھون نے کسی کو بھولون بھی مسکراتے دیکھا اور فوراً قبضہ پر ہاتھ جا پڑا۔ پھر اُس وقت اگر کوئی ایسے ہی بُردبار بانکے ہوئے تو اُسے خوشامد درآمد کر کے عفو تقصیر کا موقع بھی ملا۔ ورنہ بلا تامل ترا سے قبضہ جھونک دیا اور اپنی راہ لی۔

یہ مجال نہ تھی کہ کوئی بانکے صاحب کسی صحبت مین ہون اور کوئی اُن کی بات ٹوکے یا اُن پر اعتراض کرے۔ نتیجہ یہ تھا کہ بڑھ بڑھ کے باتین بناتے۔ لاف زنی کرتے۔ زٹلین اُڑاتے۔ اور جھوٹ کے پُل باندھتے مگر کسی کو جرأت نہ ہو سکتی کہ چون کرے یا مسکرائے۔ مشہور ہو کہ ایک بانکے صاحب چند مہذب لوگون کی محفل مین کہنے لگے۔ "اجی فلان راجہ کی گڑھی پر جب ہم نے سو آدمیون سے دھاوا کیا ہو تو ہر سپاہی کے گلے مین پانچ پانچ ڈھولین تھین۔ اور ہمارے سو آدمی پان سے ڈھولین بجاتے ہوئے جا پڑے" اور تو کس کی مجال تھی کہ ایک بانکے کی زبان پکڑے سب خاموش بیٹھے رہے مگر ایک نوجوان کی زبان سے نکل گیا "خیر پانچ ڈھولین تو گلے مین ڈال کے شاید اون کی سب طرح چارون طرف پھیلا لی ہون۔ مگر ہر آدمی پانچ پانچ ڈھولین کن ہاتھون سے بجاتا ہوگا؟" یہ سنتے ہی بانکے حضرت آگ بگولا ہو گئے۔ تلوار سیدھی کی اور ڈانٹ کے کہا "اَین! یہ ہم پہ اعتراض! تو ہم جھوٹے ہوئے؟" سب نے کہا "آپ کو جو جھوٹا کہے وہ خود جھوٹا۔ یہ لڑکا بزرگون کی کیا قدر جانے؟ آپ اپنی طرف دیکھین"

دُھن کے اس قدر پکے تھے کہ کسی کا دباؤ ہی نہ مانتے۔ یہان تک کہ بعض بعض بہت اعلیٰ درجے کے بانکے بادشاہون اور حکام وقت کی بھی پروا نہ کرتے تھے۔

نواب سعادت علی خان کے زمانے مین دہلی کے آئے ہوئے مشہور بانکون مین ایک میرزا جہانگیر بیگ تھے۔ اُن کا نوعمری کا زمانہ تھا۔ باپ نواب صاحب کے درباریون مین تھے۔ جہانگیر بیگ کی شورہ پشتی کی خبر کئی بار سُن کے نواب سعادت علیخان خاموش ہورہے۔ مگر آخر کار ایک دن بہت برہم ہوئے۔ اور اُن کے والد سے کہا "آپ کے صاحبزادے کی شورہ پشتیان حد سے گزرتی جاتی ہین اور انھون نے سارے شہر مین اُدھم مچا رکھا ہو۔ اُن سے کہہ دیجیے گا کہ اپنے اِس بانکپن پر نہ بھولین۔ ناک نہ کٹوالی ہو تو مین سعادت علی خان نہین"۔ باپ خود ہی بیٹے کی حرکتون سے عاجز تھے۔ عرض کیا "خداوند۔ اُس کی شرارتون سے غلام کا ناک مین دم ہو۔ ہزار سمجھاتا ہون نہین مانتا۔ شاید حضور کی یہ دھمکی سن کے سیدھا ہو جائے"۔ یہ کہہ کے گھر آئے اور بی بی سے کہا "تمھارے صاحبزادے کے ہاتھون زندگی سے عاجز آگیا ہون۔ دیکھیے اس نالایق کی حرکتون سے ہماری کیا گت بنتی ہو؟ جی چاہتا ہو نوکری چھوڑ دون۔ اور کسی طرف منھ چھپا کے نکل جاؤن"۔ بی بی نے کہا "اُے تو کچھ کہوگے بھی؟ آخر ہوا کیا؟" کہا "ہُوا یہ کہ آج نواب صاحب بہت ہی برہم بیٹھے تھے۔ میری صورت دیکھتے ہی کہنے لگے اپنے بیٹے سے کہہ دینا کہ مین سعادت علی خان نہین جو ناک نہ کٹوالی ہو"۔ اتنے مین میرزا جہانگیر بیگ جو کہین باہر گئے ہوئے تھے گھر مین آگئے۔ مان نے کہا "بیٹا خدا کے لیے اپنی یہ حرکتین چھوڑ دو۔ تمھارے ابا بہت ہی پریشان ہین"۔ میرزا صاحب نے کہا "میرا کچھ قصور بھی بتائیے گا یا خالی الزام ہی دیجیے گا؟" باپ نے کہا "کوئی ایک قصور ہو تو بتایا جاے؟ تم نے وہ سر اٹھا رکھا ہو کہ سارے شہر مین آفت مچ گئی۔ آج نواب صاحب کہتے تھے کہ اپنے صاحبزادے سے کہہ دینا مین سعادت علی خان نہین جو ناک نہ کٹوالی ہو"۔ باپ کی زبان سے اتنا سُنتے ہی مرزا صاحب کو جو طیش آیا تو کمر سے پیش قبض نکال لی۔ اور خود ہی اپنی ناک کاٹ کے باپ کی طرف پھینک دی۔ اور بولے "بس؟ اسی ناک کاٹنے کی نواب صاحب دھمکی دیتے ہین؟ لیجیے یہ ناک لیجا کے اُنھین دے دیجیے"۔ یہ دیکھتے ہی مان باپ دونون سناٹے مین آگئے۔ اور جب باپ نے بیٹے کی ناک نذر کے طریقہ سے نواب صاحب کے سامنے پیش کی اور واقعہ بیان کیا تو وہ بھی دم بخود رہ گئے۔ اور معذرت کرنے لگے کہ

بھی میرا یہ منشا نہ تھا۔ مین تو سمجھا تھا کہ اس دھمکی سے انھین تنبیہ ہو جائے گی" باپ نے کہا "خداوند ایسا نالائق اور اپنی دُھن کا پکا ہی کہ کسی کا زور ہی نہین چلتا۔ جسے نہ جان کا خیال ہو نہ عزت آبرو کا اُس کے کون مُنھ لگے؟"

اس واقعہ کے بعد مرزا جہانگیر بیگ نکھٹے مشہور ہوگئے۔ اور اب اتنے بڑے زبردست اور سندیافتہ بانکے تھے کہ شہر کے سارے بانکے اُن سے دبتے تھے سیکڑون بانکے اُن کے شاگرد اُن کے حکم کے تابع بے عذر فرمان بردار اور ان کے جتھے مین بھی شریک تھے جن سے سارا شہر کانپتا تھا۔ یہان تک کہ ایک مشہور بھانڈ نے نواب سعادت علی خان کے سامنے کوئی گستاخانہ نقل کی تو انھون نے ہنس کے کہا "میرے سامنے تو جو چاہتا ہے کہہ جاتا ہی جب جانون کہ تو میرزا جہانگیر بیگ نکھٹے پر کوئی فقرہ تیز کرے"۔ اُس نے عرض کی "خداوند کہہ تو جاؤن گا مگر حضور بچا لینے کا اقرار فرمائین" نواب نے وعدہ کیا۔ اور اُس کے دو چار روز بعد ایک دن میرزا جہانگیر بیگ پورے اسلحہ لگائے دریا کنارے اپنی نشست مین مونڈھے پر بیٹھے تھے۔ پچاس ساٹھ شاگردون اور بانکون کا گرد مجمع تھا۔ کہ وہ بھانڈ ایک لُنگ باندھے ہوے دریا سے نکل کے آیا۔ اس کی صورت دیکھتے ہی میرزا جہانگیر بیگ نے کہا "اخاہ تم ہو! اچھے تو رہے" یہ سنتے ہی وہ آداب بجا لایا۔ سامنے آکے زمین پر بیٹھ گیا۔ اور اُن کے چہرے کی طرف ہاتھ اُٹھا کے کہنے لگا "خداوند۔ اتنی کٹ گئی۔ اور یہ جو رہی ہی یہ بھی کٹ جائیگی!" ایک بھانڈ کی زبان سے یہ جملہ سنتے ہی میرزا جہانگیر بیگ کو ایسا طیش آیا کہ مارے غصہ کے اس قدر کانپے کہ ہاتھ سے تلوار چھوٹ پڑی۔ اور وہ بے تحاشا بھاگ کے پانی مین کود پڑا۔ دو چار غوطے لگائے اور پانی ہی پانی کسی طرف نکل گیا۔ اب میرزا صاحب کے جتھے کے لوگ ڈھونڈھتے پھرتے تھے کہ کہین ملے تو حرامزادے کو مار ڈالین۔ آخر ایک دن نواب سعادت علی خان نے اُسے میرزا جہانگیر بیگ کے قدمون پر گروا کے کہا "بھئی اس کی بات کا بُرا ماننا ہی کیا؟ یہ تو مجھے بھی کہہ جاتا ہے" اور اُس کا قصور معاف کروا دیا۔

شاہی کے آخر زمانے تک اِن لوگون کا بڑا زور رہا۔ اور بانکپن مین کچھ ایسی امتیاز کی صورتین تھین کہ اکثر شریف زادے خصوصاً وہ جنھین سپہ گری کا شوق ہوتا بانکے بن جاتے۔ اور اپنی کوئی خاص دھج بنا لیتے۔ اگر قاعدے اور سلطنت کی

قوت کے ساتھ کوئی ایسا گروہ موجود ہوتا تو در اصل یہ لوگ سلطنت کے قوت بازو ثابت ہوتے - اور اُن کی ذات سے قوم و ملک کو بڑا نفع پہونچتا - لیکن بدنصیبی سے جن دنون بانکون کا گروہ پیدا ہوا ہے دہلی و لکھنو کی دونون سلطنتین نہایت کمزور اور عجیب غیر منتظم حالت مین تھین - اور یہی بانکے جو مایۂ ناز اور ذریعۂ عروج ہو سکتے تھے اُن کے لیے باعث زوال بن گئے - سلطنت اُن کو دبا نہ سکتی تھی - اور اُن کی خود سری و سرکشی سے آے دن شہر کے گلی کوچون مین خانہ جنگیان ہوا کرتی تھین جن لوگون کو اُن کے ہاتھ سے آزار پہونچتا سلطنت اُن کی داد رسی نہ کر سکتی اور انھون نے اپنے ایسے ایسے جتھے بنا لیے تھے کہ بڑے بڑے رسالدارون کو بھی اُن سے دب جانا پڑتا تھا -

اِن مین باوجود احمقانہ تبختر و غرور کے یہ خاص بات تھی کہ ہندوستان کے بلکہ شاید ساری اگلی دنیا کے کج خلق سپہگرون کے خلاف یہ نہایت ہی مہذب سپاہی تھے - اور اُن لوازم اخلاق کو جو دو مہذب و شائستہ دوستون مین ہوا کرتے ہین اپنے حریف کے ساتھ برتتے تھے - کسی ادنی درجے کے سپاہی سے لڑنا اور مقابلہ کرنا اپنی شان و وضع کے خلاف اور موجب توہین تصور کرتے - شریف حریف ہی سے لڑتے اور پھر اُس کے ساتھ شرفا کا سا برتاؤ بھی کرتے - اکثر یہ ہوا کہ دو بانکون مین لڑائی ہوئی - اور لڑائی مین بھی دونون کو اس کا لحاظ ہے کہ کوئی بات حریف کی عزت و حرمت یا مرضی و شان کے خلاف نہ ہونے پائے - ایک کہتا "پہلے آپ وار کرین" دوسرا کہتا "نہین پہلے آپ - یہ نہین ہو سکتا" - پھر جب حریف کمزور ثابت ہو جاتا تو فوراً لڑائی سے ہاتھ روک لیتے - اور پھر اس کے حق مین ان سے زیادہ کوئی مہربان نہ تھا - دنیا مین اس کے نہایت ہی سچے ہمدرد یہ تھے - اگر وہ اپنے پاؤن سے چلنے کے قابل ہوتا تو اُس کے گھر تک اُس کی مشایعت کرتے - راستہ مین بیسیون جگہ یہ واقعہ پیش آتا کہ یہ کہتے آپ آگے چلیے اور وہ کہتا آپ آگے چلیے - بعض بانکون کے واقعات مین مشہور ہے کہ لڑائی کے بعد زخمی حریف کو اس کے گھر تک پہونچانے گئے اور وہان سے چلے تو حریف دوست نے کہا "تو کیا آپ تنہا جائین گے ؟ یہ نہین ہو سکتا" وہ انھین اِن کے گھر تک پہونچانے کو آیا - اور جب وہ پہونچا کے چلا تو اخلاقاً

پھر اُسکے ساتھ ہو لیے - اسی اخلاق مین صبح ہو گئی کہ جب اُس کے گھر پہونچتے ہین تو وہ اِن کی مشایعت کے لیے اِن کے ساتھ ہو لیتا ہے اور جب وہ اِن کے گھر پہونچتا ہے تو یہ اُس کی مشایعت کے لیے اُس کے ساتھ ہو لیتے ہین۔

اکثر بانکون کی یہ وضع تھی کہ شربتی کے باریک انگرکھے کے سوا کوئی کپڑا نہ پہنتے اور لڑائی مین زرہ پہننا یا ڈھال سے کام لینا بُزدلی اور نامردی خیال کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ حریف کا سامنا ہوتا تو اُس کی تلوار کو گویا ننگے سینے پر لیتے۔ چرکے پر چرکے کھاتے اور اُف نہ کرتے۔ اسی طرح چِلّون کا جاڑا اُسی شربتی کے انگرکھے پر گزرتا اور مجال کیا کہ کانپین تھرتھرائین یا زبان سے "سو اِسوا" کی آواز نکلے۔ بعض اسپر بھی یہ قیامت کرتے کہ اُس باریک لباس پر باسی پانی چھڑکواتے اور جو جو سردی معلوم ہوتی اور اکڑتے جاتے۔

اِن کی آخر زمانے کی عام وضع قطع دکھانے کے لیے ہم ایک بانکے صاحب کی صورت اپنے ناظرین کو دکھائے دیتے ہین جنھین خوش نصیبی سے ہم نے اپنے بچپن مین غدر کے تیرہ چودہ برس بعد مٹیا برج (کلکتہ) مین اپنی آنکھون سے دیکھا تھا۔ یہ صاحب عہد شاہی کے باقیات الصالحات مین سے تھے۔ غدر مین جا بجا لڑے۔ جب انگریزون کا تسلط ہو گیا تو ہتھیار پھینک کے بہت دنون تک ادھر اُدھر چھپتے پھرے۔ اور آخر جب پریشان ہوئے تو کلکتہ مین آئے کہ واجد علی شاہ کے ظل عاطفت مین باقی ماندہ زندگی بسر کر دین۔ ان سے اگرچہ ہتھیار چھین گئے تھے مگر وضع نہین بدلی تھی۔ یہ ایک کشیدہ قامت دُبلے چھریرے آدمی تھے پیشانی سے گُدّی تک بیچ مین سر منڈا ہوا تھا۔ ایک پٹا بڑا تھا اور ایک چھوٹا۔ اور دونون دو پلڑی ٹوپی اور پگڑی کے نیچے نکلے ہوئے تھے۔ ڈاڑھی چڑھی تھی۔ اور مونچھین ہمیشہ کھڑی رہتین۔ بدن مین کھنچا ہوا چست نیچے دامنون کا انگرکھا تھا۔ ٹانگون مین عورتون کا سا لمبے پائچون کا کلیون دار پائجامہ پیٹھ پر مثلث وضع کا رومال اوڑھے رہتے۔ ہاتھ مین ہر وقت ایک پنکھا رہتا۔ اور لکھنؤ کا خورد نوکا جوتا پاؤن مین تھا۔ مگر یکرنگی کا سب سے زیادہ نمایان ثبوت یہ تھا کہ یہ سب کپڑے چھینٹ کے۔ اور ایک ہی قسم کی چھینٹ کے تھے جس چھینٹ کا انگرکھا تھا اُسی کی ٹوپی تھی اُسی کی پگڑی تھی۔ اُسی کا رومال پیٹھ پر تھا۔ اُسی کا پائجامہ تھا

اُسی کا پنکھا تھا۔ اور وہی چھینٹ جوتے کے بیرونی رُخ پر بھی منڈھی ہوئی تھی۔ ہم یہ نہین کہہ سکتے کہ سارے بانکون کی یہی وضع تھی۔ ممکن ہو کہ انھین بزرگ نے خاص اپنی یہ دھج رکھی ہو۔

مٹیا بُرج مین چند روز یہ اسی وضع مین رہے۔ جدھر سے نکل جاتے اُنگلیان اٹھنے لگتین۔ اور لوگ گھرا گھرا کے اِن کی صورت دیکھتے۔ اور ہنستے۔ اب انگریزی مین یہ تو مجال نہ تھی کہ کسی کو ہنسنے پر ٹوکین۔ وہ جو مثل مشہور ہو کہ "دبی بلّی چوہون سے کان کٹاتی ہو" یہ بیچارے خود ہی نظر نیچی کر لیتے۔ اور کوئی چاہے کچھ کہے یا کچھ کرے یہ اپنی آنکھین جھکائے چلے جاتے۔ مگر باوجود اس کے اکڑ اور تیورون کا وہی حال تھا کسی محفل مین بیٹھ کے باتین کرتے تو معلوم ہوتا کہ ساری صحبت پر حکومت کر رہے ہین اور کسی کی اپنے سامنے کچھ ہستی نہین سمجھتے۔ جب واجد علی شاہ کا سامنا ہوا تو بادشاہ نے کہا بھئی چھوٹے خان (یہی اِن بانکے صاحب کا نام تھا) اب زمانہ بدل گیا دنیا بدل گئی۔ نہ وہ ہم رہے۔ نہ وہ تم رہے۔ اس لیے جس طرح ہماری وضع بدل گئی ویسے ہی اب تم بھی اپنی وضع بدل دو۔" عرض کیا "خداوندا! اب تھوڑی سی رہ گئی ہو اِسے اِسی وضع مین گزر جانے دیجیے۔" بادشاہ نے کہا "نہین تمھین میرے سر کی قسم اب وضع بدل دو۔ اور سمجھو کہ جو کچھ ہونا تھا سو ہو چکا۔" یہ کہہ کے بادشاہ نے ایک خواص کو اشارہ کیا جس نے ایک دوشالہ لا کے اُڑھا دیا۔ جب دوسری وضع کا کپڑا اُڑھا ہی دیا گیا تو مجبور ہو گئے۔ آداب بجا لا کے وہ دوشالہ لے لیا۔ اور گھر آئے۔ پھر اِس کے بعد جو گھر سے نکلے تو سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

چند سال کے بعد انھون نے مٹیا برج ہی مین انتقال کیا۔ اور مین سمجھتا ہون کہ اُن کی موت پر نہین بلکہ اُن کے وضع بدلنے ہی پر پُرانے بانکون کا خاتمہ ہو گیا۔

اس مین شک نہین کہ جب شریف زادون اور عام سپہ گرون مین بانکے بننے کا شوق بڑھا۔ ادنی و اعلی ہر گروہ مین بانکے پیدا ہونے لگے۔ اور شہر مین بانکون کی کثرت ہوئی تو بہت سے ایسے بانکے بھی نظر آنے لگے جن مین نہ ویسی شرافت تھی اور نہ ویسی شجاعت۔ اور جب موقع پڑتا اُن کی کمزوری کھل جاتی۔ لیکن اصلی بانکپن ملک و قوم کا ایک بہت ہی اعلی درجے کا شریفانہ جوہر تھا۔ جو مسلمانون کے

سوا آخر ایام مین بہت سے ہندوٗن سے بھی ظاہر ہوا - اس اصلی جوہر کا ہندوستان سے مٹ جانا اُس کی تاریخ کا ایک حسرتناک ورق ہی -

ہمین اِس سے اِنکار نہین ہی کہ بانکون کی کثرت اور ہتھیارون کے بے روک اور بے ضرورت استعمال نے ملک کے امن و امان مین فرق ڈال دیا تھا - شہر مین روز خانہ جنگیان ہوتین - اور اکثر رہ گذرون پر لاشین پھڑکتی نظر آتین - یہی نہین بلکہ روز بروز ثابت ہوتا جاتا کہ بانکے سپھگر خانہ جنگیون اور باہمی جدال و قتال مین جس قدر زیادہ باکمال اور شجاع ہین اُسی قدر غنیم کے حملے رد کنے اور میدان جنگ مین ابناے وطن کے ساتھ شریک ہو کے لڑنے مین ناقص و ناکارہ ہین - لیکن اِس پر بھی ہم کہتے ہین کہ یہ گروہ مٹنے کے قابل نہ تھا - اور مٹانے کی نہین بلکہ اُسے باضابطہ بنانے کی ضرورت تھی -

یورپ مین بھی ہمین قدیم الایام مین بانکون کا ایک گروہ نظر آتا ہی جو نائٹ کہلاتے تھے - موجودہ یورپ کے اعلی دربارون سے فی الحال معزز لوگون کو جو نائٹ کا خطاب ملا کرتا ہے یہ اُسی پرانے فنا شدہ گروہ کی یادگار ہی - ہم اِن مغرب کے بانکون کا حال آیندہ نمبر مین بیان کرین گے -

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

واجد علی شاہ کی یہ بڑی خوش نصیبی تھی کہ تاج و تخت سے جدا ہوتے ہی آخر ۱۲۸۵ھ ہجری (۱۸۵۶ء) مین لکھنوٗ چھوڑ کے کلکتہ کی طرف روانہ ہو گئے - تاکہ اپنے معاملہ مین باضابطہ پیروی کرین - اور گورنر جنرل ہند کے دربار سے کامیابی نہ ہو تو لندن پہونچ کے مقدمہ کو پارلیمنٹ اور ملکۂ انگلستان کے سامنے پیش کر دین - چنانچہ جب کلکتہ مین کام نہ نکلا تو انگلستان کا قصد کیا - مگر اطبا نے بحری سفر کو بادشاہ کے لیے مُضر تجویز کیا - اور مشیرون نے روکا - نتیجہ یہ ہوا کہ خود بادشاہ تو کلکتہ ہی مین ٹھہر گئے - مگر اپنی مان اور بھائی کے ساتھ ولی عہد کو انگلستان روانہ کیا - اِس سفر

مین میرے نانا منشی قمرالدین صاحب مرحوم بھی اِس خانمان برباد شاہی قافلہ کے ہمراہ تھے۔ بادشاہ کو سرکار انگریزی کی مجوزہ تنخواہ لینے سے انکار تھا۔ اور اڑے ہوئے تھے کہ ہم تو اپنا تخت و تاج ہی لین گے جو بے قصور چھینا گیا ہی۔

بادشاہ کلکتہ مین تھے۔ اُن کا خاندان لندن مین تھا۔ اور معاملہ زیر غور تھا کہ یکایک کارتوسون کے جھگڑے اور گورنمنٹ کی ضد نے سنہ ۱۲۷۳ھ ہجری (۱۸۵۷ء) مین غدر پیدا کرا دیا۔ اور میرٹھ سے بنگالہ تک ایک ایسی آگ لگی کہ اپنے پرائے سب کے گھر جل اُٹھے۔ اور ایسا فتنۂ عظیم پیدا ہوا کہ ہندوستان مین برٹش گورنمنٹ کی بنیاد ہی متزلزل نظر آتی تھی۔ جس طرح میرٹھ وغیرہ کے باغی ہر طرف سے سمٹ کے دہلی مین جمع ہوئے تھے اور ظفر شاہ کو ہندوستان کا شہنشاہ بنایا تھا ویسے ہی الہ آباد و فیض آباد کے باغی مئی ۱۸۵۷ء مین جوش و خروش کے ساتھ لکھنؤ پہونچے اُن کے آتے ہی یہان کے بھی بہت سے بھکڑے اُٹھ کھڑے ہوے۔ اور شاہی خاندان اودھ کا اور کوئی رکن نہ ملا تو واجد علی شاہ کے ایک دس برس کے نابالغ بچے مرزا برجیس قدر کو تخت پر بٹھا دیا۔ اور اُن کی مان نواب حضرت محل سلطنت کی مختار کل بنین۔ تھوڑی سی انگریزی فوج جو یہان موجود تھی اور اُس کے ساتھ یہان کے تمام یوروپین عہدہ داران مملکت جو باغیون کے ہاتھ سے جان بر ہو سکے بیلی گارد مین قلعہ بند ہو گئے۔ جس کے گرد باغیون کے پہونچنے سے پہلے ہی دُھس بنا لیے گئے تھے۔ اور حفاظت و بسر کا کافی بندوبست کر لیا گیا تھا۔ غنیمت ہوا یا یہ کہیے قسمت اچھی تھی کہ واجد علی شاہ کلکتہ جا چکے تھے۔ ورنہ وہی خواہ مخواہ بادشاہ بنائے جاتے۔ اور اُن کا حشر ظفر شاہ سے بھی بدتر ہوتا اور اودھ کے پریشان بختون کو ذرا پنپنے کے لیے مٹیا برج کے دربار کا جو ایک عارضی سہارا مل گیا تھا یہ بھی نہ نصیب ہوتا۔

اب لکھنؤ مین انگریزون کی باغی فوج کے علاوہ اودھ کے اکثر زمیندار و تعلقدار اور عہد شاہی کے برطرف شدہ سپاہی کثرت سے جمع تھے۔ اور اُن مین شہر کے بہت سے اوباشون اور ہر طبقہ کے لوگون کا طوفان بے تمیزی بھی شریک ہو گیا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ تھوڑے سے انگریزون پر ایک خدائی کا نرغہ ہے۔ مگر فرق یہ تھا کہ محاصرہ کرنے والون مین سوا اوباش اہل شہر اور بے اصول و خودسر مدعیان شجاعت کے

ایک بھی ایسا شخص نہ تھا جو اصول جنگ سے واقف ہو۔ اور تمام منتشر قوتون کو یکجا کر کے ایک باضابطہ فوج بنا سکے۔ بخلاف اِس کے انگریز اپنی جان پر کھیل کے اپنی حفاظت کرتے۔ اور سر ہتھیلی پہ رکھ کے حملہ آورون کو روکتے تھے۔ اور جدید اصول جنگ سے بخوبی واقف تھے۔

اب لکھنؤ مین برجیس قدر کا زمانہ اور حضرت محل کی حکومت تھی۔ برجیس قدر کے نام کا سکہ جاری ہوا۔ عہدہ داران سلطنت مقرر ہوئے۔ ملک سے تحصیل وصول ہونے لگی۔ اور صرف تفنن طبع کے طور پر محاصرے کی کارروائی بھی جاری تھی۔ لوگ حضرت محل کی مستعدی و نیک نفسی کی تعریف کرتے ہین وہ سپاہیون کی نہایت قدر کرتی اور اُن کے کام اور حوصلے سے زیادہ انعام دیتی تھین۔ مگر اِس کا کیا علاج کہ یہ ممکن نہ تھا کہ وہ خود پردے سے نکل کے فوج کی سپہ سالاری کرتین۔ مشیر اچھے نہ تھے اور سپاہی کام کے نہ تھے۔ ہر شخص غرض کا بندہ تھا۔ اور کوئی کسی کا کہنا نہ مانتا تھا۔ انگریزی فوج کے باغی اِس غرور مین تھے کہ یہ فقط ہمارے دم کا ظہور ہے۔ اصلی حاکم ہم ہین۔ اور جس کے سر پر تاج رکھ دین وہی بادشاہ ہو جائے۔ احمد اللہ نام ایک شاہ صاحب جو فیض آباد کے باغیون کے ساتھ آئے تھے۔ اور کئی معرکون مین لڑ چکے تھے وہ الگ اپنا رعب جما رہے تھے۔ بلکہ خود اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔ برجیس قدر کے مقابل لکھنؤ ہی مین ایک اُن کا دربار الگ قائم تھا اور دونون دربارون مین پولٹیکل اختلاف کے ساتھ شیعہ سنی کا جھگڑا اور تعصب بھی نمایان ہونے لگا۔ غرض بادشاہ اور شاہ صاحب مین رقابت بڑھتی جاتی تھی۔ آخر اسی سال نومبر کے مہینے مین برجیس قدر کی تخت نشینی کو چھ ہی سات مہینہ ہوئے تھے کہ انگریزی فوج لکھنؤ پر تسلط حاصل کرنے کے لیے آگئی۔ جس کے ساتھ پنجاب کے سکھ اور بھوٹان کے پہاڑی بھی تھے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اُنھین لوگون نے زیادہ مظالم کیے۔ دو ہی تین دن کی گولہ باری مین نئی سلطنت کا جو نقش قائم ہوا تھا کرمی کے جالے کی طرح ٹوٹ کے رہ گیا۔ ہزارہا مفرورین کے ساتھ حضرت محل اور برجیس قدر نیپال کی طرف بھاگے۔ شاہ صاحب نے دو تین دن لڑ لڑ کے اگرچہ برجیس قدر کے لیے آزادی سے بھاگنے کا موقع پیدا کر دیا مگر خود اپنی جان نہ بچا سکے

شکست کھا کے بھاگے۔ باڑی اور محمدی ہوتے ہوئے پوائین مین پہونچے۔ وہان کسی نے گولی مار دی۔ پوائین کے راجہ نے سر کاٹ کے انگریزون کے پاس بھیجا اور صلہ مین انعام و جاگیر پائی۔

آبادی کو باغیون سے صاف کرنے کے لیے انگریزون نے شہر مین سخت گولہ باری کی۔ ساری رعایا گھبرا اٹھی۔ زن و مرد گھر چھوڑ چھوڑ کے بھاگے۔ اور ایک ایسی قیامت بپا ہو گئی کہ جن لوگون نے دیکھا ہے آج تک یاد کر کے کانپ اٹھتے ہین۔ محلون کی بیٹھنے والیان جن کی صورت کبھی آفتاب تک نے نہ دیکھی تھی برہنہ پا جنگلون کی خاک چھانتی پھرتی تھین۔ بیکسی مین ایک ایک کا دامن پکڑتی تھین۔ اور جو ملتا تھا دشمن ہی ملتا تھا۔ اور سعدی کا یہ مصرع پوری طرح صادق آرہا تھا کہ "یاران فراموش کردند عشق"۔ اسی حالت مین فتح یاب فوج نے شہر کو لوٹا۔ اور بعد خرابی بصرہ خدا خدا کر کے لوگون کو پھر اپنے گھرون مین آنے کی اجازت ملی۔ اب ایک تہلکہ کے بعد جو امن قائم ہوا تھا وہ بفضلہ تعالی آج تک قائم اور روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے۔ لیکن پرانی دولت کے وابستگان دامن اور افراد شاہی جو انقلاب سلطنت کے بعد بالکل بیکار ہو گئے اور نئی سلطنت سے فائدہ اٹھانے کی لیاقت نہ رکھتے تھے مٹتے ہی چلے گئے۔ چنانچہ بڑے بڑے دولتمند اور معزز گھرانون کے پامال و تباہ ہونے کا سلسلہ مدت تک برابر جاری رہا۔ محلے کے محلے اجڑتے چلے جاتے تھے۔ اور خاندان کے بعد خاندان مٹ رہا تھا۔ اور اکثر کو یقین ہو گیا تھا کہ چند روز کے بعد لکھنو کا نام و نشان بھی نہ باقی رہے گا۔ لیکن انجام مین سرکار انگریزی کی وہ تدبیرین جنھون نے ساری دنیا مین انگریزون کی نوآبادیان قائم کرا دی ہین غالب آئین اور لکھنو حوادث زمانہ کی دست برد سے بچ کے پنپا۔ جن کو مٹنا تھا مٹ گئے۔ اور جو باقی رہے سنبھلنے کے قابل ہو گئے۔ اور اگر مسٹر بٹلر کے ایسے چند اور حاکم لکھنو کو مل گئے تو امید ہے کہ آیندہ بہت ترقی کرے گا۔

ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ اسی سلسلۂ واقعات مین ہم واجد علیشاہ کی باقی ماندہ زندگی اور ان کے قیام کلکتہ کے حالات بھی اپنے ناظرین کے

سامنے پیش کر دین۔ کیونکہ بغیر اس کے اِس تاریخ کا تکملہ نہین ہو سکتا۔ کلکتہ مین خود ہمارا بچپن بادشاہ کے ظل حمایت مین بسر ہوا ہے۔ اور گذشتہ واقعات کے حالات اگر ہم نے لوگون سے سُن کے اور اوراق تاریخ مین پڑھ کے بیان کیے ہین تو آیندہ اکثر چشم دید حالات بیان کرین گے۔

کلکتہ سے تین چار میل کی مسافت پر جنوب کی طرف دریاے بھاگارتی (ہوگلی) کے کنارے گارڈن ریچ نام ایک خاموش محلہ ہے اور چونکہ وہان ایک مٹی کا تودہ سا تھا اِس لیے عام لوگ اُسے مٹیا برج کہتے تھے یہان کئی عالیشان کوٹھیان تھین جن کی زمین دریا کے کنارے کنارے تقریبًا دو ڈھائی میل تک چلی گئی تھی۔ جب واجد علیشاہ کلکتہ مین پہونچے تو گورنمنٹ آف انڈیا نے یہ کوٹھیان اُنھین دے دین۔ دو خاص بادشاہ کے رہنے کے لیے ایک نواب خاص محل کے واسطے اور ایک علی نقی خان کی سکونت کے لیے جو بادشاہ کے ساتھ تھے۔ اور اُن کے گرد زمین کا ایک بڑا قطعہ جو عرض مین دریا کنارے سے تقریبًا میل ڈیڑھ میل تک چلا گیا تھا اور اُس کا حلقہ چھ سات میل سے کم نہ ہوگا بادشاہ کو اپنے اور اپنے ملازمین کے قیام کے لیے دیا گیا۔ میونسپلٹی کی سڑک اِس رقبہ کو طولاً قطع کرتی تھی۔ وہ دو کوٹھیان جو بادشاہ کو دی گئی تھین اُن کے نام بادشاہ نے سلطان خانہ اور آسد منزل قرار دیے۔ اور نواب خاص محل کی کوٹھی پر بھی جب بادشاہ نے قبضہ کرلیا تو اُس کا نام مرصع منزل رکھا۔ اور علی نقی خان کی کوٹھی آخر تک اُنھین کے قبضہ مین اور اُن کے بعد اُن کی اولاد خصوصًا نواب اختر محل کے قبضہ مین رہی جو علی نقی خان کی بیٹی اور بادشاہ کی ممتاز بی بی بلکہ اُن کے دوسرے ولی عہد مرزا خوش بخت بہادر کی ان تھین۔

غدر کے زمانے مین انگریزی فوج کے بعض باغی افسرون نے ارادہ کیا کہ اگر بادشاہ اُن کے حکمران نبین تو وہ کلکتہ مین بھی غدر کر دین۔ مگر بادشاہ نے گورنمنٹ آف انڈیا کے معاملہ مین یہ روش نہ تخت و تاج سے جدا ہوتے وقت اختیار کی تھی اور نہ اب پسند کی۔ بلکہ لاٹ صاحب کو اُن لوگون کے ارادے کی اطلاع کر دی۔ جس پر اُن کا شکریہ ادا کیا گیا۔ مگر دو ہی چار روز بعد مناسب سمجھا گیا کہ بادشاہ کو قلعۂ فورٹ ولیم مین رکھا جائے تاکہ پھر کبھی باغیون کی اُن تک

رسائی نہ ہو سکے۔ لندن مین اُن کی جانب سے جو مقدمہ پیش تھا وہ اِس بنا پر ملتوی کردیا گیا کہ جس ملک کے لیے یہ دعوی ہے وہ اب ہمارے قبضہ ہی مین نہین جب اُس پر پھر دولت برطانیہ کا قبضہ ہوئے گا تب دیکھا جائے گا۔

بادشاہ اس حراست ہی مین تھے کہ لکھنؤ کا غدر فرو ہو گیا۔ اور مسیح الدین خان نے جو لندن مین بادشاہ کے مختار عام تھے پھر اپنا دعوی پیش کیا۔ اُنھین بادی النظر مین کامیابی اور استرداد سلطنت کی پوری امید تھی۔ مگر بدقسمتی سے اُن لوگون مین جو قلعہ مین بادشاہ کے مشیر اور مصاحب تھے خواہ کسی بیرونی تحریک سے یا خود اپنے نفع کے خیال سے ایک سازش ہوئی اُن لوگون نے خیال کیا کہ اگر مسیح الدین خان مقدمہ جیت گئے تو ہمارا بازار سرد پڑ جائے گا اور وہی وہ رہ جائین گے۔ لہذا سب نے بادشاہ کو سمجھانا شروع کیا کہ "جہان پناہ بھلا کبھی کسی نے ملک لے کے دیا ہے؟ مسیح الدین خان نے حضور کو دھوکے مین ڈال رکھا ہے۔ ہونا ہوانا کچھ نہین ہے۔ اور جہان پناہ مفت مین تکلیف اُٹھا رہے ہین۔ ڈیڑھ دو سال سے تنخواہ نہین ملی ہے۔ ہر بات کی تنگی ہے۔ اور ہم ملازمان دولت بھی پیسہ پیسہ کو محتاج ہین۔ مناسب یہی ہے کہ حضور گورنمنٹ انگریزی کی تجویزون کو قبول کرلین۔ اور تنخواہ وصول کرکے اطمینان و فارغ البالی سے اپنے محلات عالیات اور آستان بوسان دولت کے ساتھ بسر فرمائین"۔ بادشاہ کو خرچ کی تنگی تھی۔ اور بادشاہ سے زیادہ اُن کے رفقا پریشان تھے۔ مصاحبون نے جب بار بار یہ تجویز پیش کی تو بلاتکلف حضور ویسرائے کی خدمت مین لکھ بھیجا "مجھے سرکار انگریزی کی تجویزہ ماہوار لینا منظور ہے۔ لہذا میری اِس وقت تک کی تنخواہ دی جائے۔ اور مقدمہ جو لندن مین دائر ہے خارج کیا جائے"۔ جواب ملا "اب آپ کو اوّل تو گذشتہ ایام کی ماہوار نہ دی جائے گی صرف اسی وقت سے ماہوار جاری ہو گی۔ دوسرے فقط بارہ لاکھ روپیہ سالانہ دیے جائین گے۔ اور جو تین لاکھ روپیہ سال آپ کے ملازمین کے لیے تجویز کیے گئے تھے اب اُن کے دینے کی ضرورت نہین سمجھی جاتی"۔

بہ ظن غالب بادشاہ اِس نقصان کو گوارا نہ کرتے مگر مصاحبون نے

اِس پر بھی راضی کر دیا - اور گورنمنٹ آف انڈیا نے انگلستان مین اطلاع دی کہ واجد علی شاہ نے گورنمنٹ کی تجویز کو منظور کر لیا - لہذا اُن کا مقدمہ خارج کیا جائے - یہ واقعات مین نے خود اپنے نانا منشی قمرالدین صاحب کی زبان سے سُنے ہین جو جناب عالیہ کے ہمراہی دفتر کے میر منشی اور مولوی مسیح الدین خان کے نائب خاص تھے - اور کل کارروائیان اُنھین کے ہاتھ سے عمل مین آتی تھین - بادشاہ کے ماہوار پر راضی ہو جانے کی خبر جیسے ہی لندن مین پہونچی مسیح الدین خان سکے حواس جاتے رہے - بادشاہ کی مان - اُن کے بھائی اور ولی عہد نے سر پیٹ لیا - اور حیران تھے کہ یہ کیا غضب ہو گیا - افسوس اِس وقت تک کا سب کیا دھرا خاک مین ملا جاتا ہی - آخر مسیح الدین خان نے سوچتے سوچتے ایک بات پیدا کی - اور پارلیمنٹ مین یہ قانونی عذر پیش کیا کہ "بادشاہ فی الحال گورنمنٹ آف انڈیا کی حراست مین ہین اور ایسی حالت مین اُن کی کوئی تحریر پایۂ اعتبار کو نہین پہونچ سکتی" عذر معقول تھا تسلیم کیا گیا - اور گورنمنٹ آف انڈیا کو بادشاہ کے مختار کی عذرداری سے مطلع کر دیا گیا - ساتھ مین مسیح الدین خان اور تمام ارکان خاندان شاہی نے بادشاہ کو لکھا کہ "یہ آپ کیا غضب کر رہے ہین - ہمین ملک اودھ کے واپس ملنے کی پوری اُمید ہے" اب عذر فرو ہو چکا تھا - گورنمنٹ نے بادشاہ کو چھوڑ دیا - اور وہ خوشی خوشی قلعہ سے نکل کے مٹیا برج مین آ گئے - اور آزادی حاصل ہوئی ہی تھی کہ مصاحبون نے عرض کیا حضور مسیح الدین خان لندن مین کہہ رہے ہین کہ جہان پناہ نے تنخواہ لینے کو صرف قید ہونے کی وجہ سے منظور کر لیا ہی" یہ سنتے ہی بادشاہ نے برافروختہ ہو کے اُسی وقت لکھ بھیجا کہ "ہم نے آزادی سے بہ رضا و رغبت گورنمنٹ کی تجویز کو منظور کیا ہے - اور مسیح الدین خان کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ ہم نے قید مین ہونے یا کسی جبر و اکراہ کی وجہ سے منظوری دی ہے - لہذا آیندہ کے لیے ہم اُس مختار نامے ہی کو منسوخ کیے دیتے ہین جس کی رُو سے وہ ہمارے مختار عام بنائے گئے ہین"

اب کیا تھا ؟ ساری کارروائی ختم ہو گئی - بادشاہ مٹیا برج مین رنگ رلیان منانے لگے - مصاحبون کے گھر مین ہُن برسنے لگا - اور شاہی خاندان کا شکستہ حال قافلہ جو

انگلستان مین پڑا ہوا تھا - قریب قریب وہین تباہ ہوگیا - اکثر ہمراہیون نے ساتھ چھوڑ دیا - بادشاہ کی مان جناب عالیہ اس صدمے سے بیمار ہوگئین - اور اُسی بیماری مین چلین کہ ملک فرانس سے ہوتی ہوئی مقامات متبرکہ مین جائین - اور اُن کی زیارت سے شرفیاب ہوکے کلکتہ پہونچین - مگر موت نے پیرس سے آگے قدم نہ بڑھانے دیا - وہین انتقال کیا - اور عثمانی سفارت خانۂ فرانس کی مسجد کے متصل مسلمانون کا ایک قبرستان ہی اُسی مین دفن ہوئین - مرزا اسکندر حشمت کو مان کے مرنے کا اِس قدر صدمہ ہوا کہ مان کے مرتے ہی خود بھی بیمار پڑ گئے - اور مان کے چودہ پندرہ روز بعد وہ بھی مان کے برابر یوم حیا کا انتظار کرنے کے لیے لٹا دیے گئے - اکیلے مرزا ولی عہد بہادر کلکتہ واپس آکے مان باپ سے ملے -

کہتے ہین کہ ابتدائے مٹیا برج مین بھی بادشاہ کی زندگی نہایت ہی بیدار مغزی اور ہوشیاری کی تھی - یہ حالت دیکھ کے گرد و پیش کے لوگون نے چند آلات موسیقی فراہم کر دیے - اور سرود بستان بادوہانیدن کا پورا پورا مضمون صادق آگیا - اور ارباب نشاط کا گروہ وہان بھی جمع ہونے لگا - ہندوستان کے اچھے اچھے گوییّے آکے ملازم ہوئے - اور مٹیا برج مین موسیقی دانون کا ایسا مجمع ہوگیا تھا کہ اور کسی جگہ نہ تھا -

خوبصورت عورتون کے جمع کرنے اور حسن و عشق کے کرشمون مین پھنسے رہنے کا وہان بھی ویسا ہی شوق تھا جیسا کہ لکھنؤ مین سُنا جاتا ہے - مگر مٹیا برج مین اس شوق مین مذہبی احتیاط کا پورا لحاظ رہتا - بادشاہ شیعہ تھے - اور شیعون کی شرع مین متعہ بغیر کسی تحدید اور روک کے جائز ہے - اِس مذہبی آزادی سے فائدہ اُٹھاکے بادشاہ جی بھر کے اپنا شوق پورا کر لیتے اور قاعدہ تھا کہ غیر ممتوعہ عورت کی صورت تک دیکھنا گوارا نہ کرتے - یہ احتیاط اِس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ ایک جوان بھشتن جو بادشاہ کے سامنے زنانے مین پانی لاتی اُس سے بھی متعہ کر کے اُسے نوّاب آبرسان بیگم کا خطاب دے دیا - ایک جوان خاکروبن جس کی حضوری مین آمد و رفت رہتی وہ بھی ممتوعات مین داخل ہوکے نوّاب مصفا بیگم کے خطاب سے سرفراز ہوئی - اِسی طرح موسیقی کا شوق بھی ممتوعات ہی تک محدود رہتا - شاید شاذ و نادر ہی اِس کا اتفاق ہوا ہوگا کہ بادشاہ نے کبھی کسی بازاری طوائف کا مجرا دیکھا ہو - خود ممتوعات کی مختلف

پارٹیان بنادی گئی تھین جن کو مختلف طرز پر رقص و سرود کی تعلیمین دی جاتین - ایک رادھا منزل والیان - ایک ساردھا منزل والیان - ایک جھومر والیان - ایک لٹکن والیان ایک نتھ والیان - ایک گھونگھٹ والیان - ایک رہس والیان - ایک نقل والیان - اور اسی طرح کے بیسیون گروہ تھے جن کو رقص و سرود کی اعلی تعلیم دی گئی تھی - اور انھین کے ناچ گانے مین اُن کا دل بہلتا اِن سب سے متعہ ہوگیا تھا - بیگمین کہلاتی تھین اور دو ایک گروہون مین اگرچند کمسن و نابالغ لڑکیان غیر متعوعہ تھین تو اِس لیے تھین کہ بعد بلوغ داخل ممتوعات کرلی جائینگی - اِن مین سے اکثر خود بادشاہ کے قریب خاص سلطان خانہ مین رہتین - اور بعض کو دوسری کوٹھیون مین جدا محلسرائین ملی تھین - اِن ممتوعات مین سے جو صاحب اولاد ہوجاتین اُن کو محل کا خطاب دیا جاتا - رہنے کو جداگانہ محلسرا ملتی - اور اُن کی تنخواہ اور عزت بڑھ جاتی -

اس سے صاف ظاہر ہے کہ موسیقی کے سوا اور تمام حیثیتون سے بادشاہ بڑے متقی و پرہیزگار اور پابند شرع تھے - نماز کبھی قضا نہ ہوتی تھی - تیسون روزے رکھتے تھے - افیون - شراب - فلک سیر - یا اور کسی قسم کے نشہ سے زندگی بھر احتراز رہا - اور محرم کی عزاداری نہایت ہی خلوص عقیدت سے بجا لاتے تھے -

تیسرا شوق اُنھین عمارت کا تھا - سلطانخانہ کے گرد بیسیون محلسرائین تعمیر ہوگئین اور بہت سی نئی کوٹھیان اور اُن مین محلسرائین بنین - گورنمنٹ سے صرف سلطانخانہ اسد منزل اور مرصع منزل ملی تھین - مگر بادشاہ کے شوق نے چند ہی روز مین بیسیون کوٹھیان تعمیر کرادین جن کے گرد نہایت ہی پُرفضا باغ اور فرحت بخش چمن تھے - جس وقت مین نے دیکھا ہی بادشاہ کے قبضہ مین مندرجۂ ذیل عالیشان کوٹھیان تھین جو جنوب سے شمال تک ترتیب وار چلی گئی تھین - سلطان خانہ[۱] - قیصر ابیضا[۲] - گوشۂ سلطانی[۳] - شہنشاہ منزل[۴] - مرصع منزل[۵] - اسد منزل[۶] - شاہ منزل[۷] - نور منزل[۸] - تفریح بخش[۹] - بادامی[۱۰] - آسمانی[۱۱] - تہنیت منزل[۱۲] - حد سلطانی[۱۳] - سد سلطانی[۱۴] - عدالت منزل[۱۵] اِن کے علاوہ اور بھی کئی کوٹھیان تھین جن کے مجھے نام نہین یاد رہے -

اِن کے ماسوا باغون کے اندر اور تالابون کے کنارے بہت سے کمرے بنگلے

اور چھوٹی چھوٹی کوشکین تھین اِن تمام کوٹھیون - متفرق کمرون بنگلون اور کوشکون مین صاف ستھرا پُر تکلف فرش بچھا رہتا - چاندی کے پلنگ بچھونون اور تکیون سے مکمل لگے رہتے - تصویرین اور طرح طرح کا فرنیچر آراستہ ہوتا اور محض آرائش کے خیال سے ضرورت سے زیادہ مکاندار مقرر تھے جو روز جھاڑتے اور ہر چیز کو صفائی اور قرینے سے آراستہ رکھتے - غرض ہر کوٹھی بجاے خود اِس قدر آراستہ و پیراستہ نظر آتی کہ انسان عش عش کر جاتا - کوٹھیون کے گرد کے باغ اور چمن ایسی ہندسی ترتیبون اور اقلیدسی شکلون کے مطابق بنائے گئے تھے کہ دیکھنے والون کو بادشاہ کی مناسبت طبعی پر تعجب ہوتا -

لکھنؤ مین تو بادشاہ نے صرف قیصر باغ اور اُس کے پاس کی چند عمارتین یا اپنے والد مرحوم کا امام باڑہ اور مقبرہ ہی تعمیر کیا تھا مگر مٹیا برج مین نفیس اور اعلی عمارتون کا ایک خوبصورت شہر بسا دیا تھا - دریا کے اُس پار مٹیا برج کے عین مقابل کلکتہ کا مشہور بوٹینکل گارڈن ہے - مگر وہ مٹیا برج کی دنیوی جنت اور اُس کے دلکش عجائبات کے سامنے مٹ گیا تھا - ان تمام عمارتون - چمنون - کنجون - اور وسیع و نزہت بخش مرغزارون کے گرد بلند دیوارون کا احاطہ تھا - مگر میونسپلٹی کی شاہراہ عام کے کنارے کنارے تقریباً ایک میل تک شاندار دکانین بنتی چلی گئی تھین - اور اُن سے ایک بہت ہی بارونق بازار قائم ہو گیا تھا - اُن کی پشت پر اندر بھی دکانین تھین مگر اُن مین وہی ادنے درجے کے ملازم رہنے پاتے تھے جن کو اپنے فرائض کے لحاظ سے وہان رہنے کی ضرورت تھی - مگر اندر جانے کا راستہ سوا پھاٹکون کے جن پر پہرا رہتا کسی دکان مین سے نہین رکھا گیا تھا - خاص سلطان خانے کے پھاٹک پر نہایت عالیشان نوبت خانہ تھا - نقارچی نوبت بجاتے - اور پرانے پہرون اور گھڑیون ہی کے حساب سے شب و روز گھڑیال بجا کرتا -

دنیا مین عمارت کے شوقین ہزارون بادشاہ گزرے ہین - مگر غالباً اپنی ذات سے کسی تاجدار نے اتنی عمارتین اور اتنے باغ نہ بنوائے ہون گے جتنے کہ واجد علی شاہ نے اپنی ناکام زندگی اور براے نام شاہی

کے مختصر زمانے مین بنائے۔ شاہجہان کے بعد اس بارہ خاص مین اگر کسی کا نام لیا جا سکتا ہی تو وہ اسی ستم زدہ شاہ اودھ کا نام ہی۔ یہ اور بات ہی کہ کسی کی کوئی خاص عمارت سیکڑون ہزارون سال تک باقی رہی اور کسی کی صدہا عمارتین زمانے نے چند ہی روز مین مٹا کے رکھ دین۔

عمارت کے علاوہ بادشاہ کو جانورون کا شوق تھا۔ اور اس شوق کو بھی اُنھون نے اِس درجہ تک پہونچا دیا کہ دنیا اُس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ اور شاید کوئی شخص کوشش آج تک اُس کے نصف درجے کو بھی نہ پہونچ سکی ہو گی۔

نور منزل کے سامنے خوشنما آہنی کٹھرے سے گھیر کے ایک وسیع رمنہ بنایا گیا تھا جس مین صدہا چیتل۔ ہرن۔ اور وحشی چوپائے چھوٹے پھرتے تھے۔ اسی کے درمیان سنگ مرمر کا ایک پختہ تالاب تھا جو ہر وقت لبلب رہتا۔ اور اُس مین۔ شتر مرغ۔ کشوری۔ فیل مرغ۔ سارس۔ قازین۔ بگلے قرقرے۔ ہنس۔ مور۔ چکور۔ اور صدہا قسم کے طیور اور کچھوے چھوڑ دئے گئے تھے۔ صفائی کا اِس قدر اہتمام تھا کہ مجال کیا جو کہین بیٹ یا کسی جانور کا پر بھی نظر آجائے۔ ایک طرف تالاب کے کنارے کٹھرون مین شیر تھے۔ اور اس رمنہ کے پاس ہی سی لکڑی کے سلاخون دار بڑے بڑے خانون کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا تھا جس مین بیسیون طرح کے اور خدا جانے کہان کہان کے بندر لاکے جمع کیے گئے تھے جو عجیب عجیب حرکتین کرتے اور انسان کو بغیر اپنا تماشا دکھائے آگے نہ بڑھنے دیتے۔

مختلف جگہ حوضون مین مچھلیان پالی گئی تھین جو اشارے پہ جمع ہو جاتین۔ اور کوئی کھانے کی چیز ڈالیے تو اپنی اچھل کود سے خوب بہار دکھاتین۔ سب پر طرہ یہ کہ شہنشاہ منزل کے سامنے ایک بڑا سا لمبا اور گہرا حوض قائم کر کے اور اُس کے کنارون کو چارون طرف سے خوب چکنا کر کے اور آگے کی طرف جھکا کے اُس کے بیچ مین ایک مصنوعی پہاڑ بنایا گیا تھا جس کے اندر سیکڑون نالیان دوڑائی گئی تھین۔ اور اوپر سے دو ایک جگہ کاٹ کے پانی کا چشمہ بھی بہا دیا گیا تھا۔ اس پہاڑ مین ہزارون بڑے بڑے دو دو تین تین گز کے سانپ چھوڑ دیے گئے تھے۔

جو برابر دوڑتے اور رینگتے پھرتے - پہاڑ کی چوٹی تک چڑھ جاتے - اور پھر نیچے اُتر آتے مینڈکین چھوڑی جاتین - اُنھین دوڑ دوڑ کے پکڑتے - پہاڑ کے گرداگرد نہر کی شان سے ایک نالی تھی - اُس مین سانپ لہرا لہرا کے دوڑتے اور مینڈکون کا تعاقب کرتے اور لوگ بغیر کسی خوف کے پاس کھڑے سیر دیکھا کرتے - اِس پہاڑ کے نیچے بھی دو کٹھرے تھے جن مین دو بڑی بڑی چیتین رکھی گئی تھین - یون تو خاموش پڑی رہتین - لیکن جس وقت مرغ لا کے چھوڑا جاتا اُسے جھپٹ کے پکڑ تین اور مسلم نگل جاتین - سانپون کے رکھنے کا انتظام اِس سے پہلے شاید کہین نہ کیا گیا ہو گا - اور یہ خاص واجد علیشاہ کی ایجاد تھی - جس کو یورپ کے سیاح حیرت سے دیکھتے اور اس کی تصویرین اور شرح کیفیت قلم بند کر لے جاتے تھے -

مذکورہ جانورون کے علاوہ ہزارہا طیور کے چہکتے ہوے بر بجی پنجرے خاص سلطان خانے کے اندر تھے - بیسیون بڑے بڑے ہال تھے جو لوہے کے جال سے محفوظ کر دیے گئے تھے - اور گنج کہلاتے تھے اُن مین قسم قسم کے طیور کثرت سے لا کے چھوڑ دیے گئے تھے - اور اُن کے رہنے اور نشو و نما پانے کا پورا سامان فراہم کیا گیا تھا - بادشاہ کی کوشش تھی کہ چرند و پرند مین سے جتنے قسم کے جانور دستیاب ہو سکین سب جمع کر لیے جائین - اور واقعی ایسا مکمل زندہ عجائب خانہ شاید روے زمین پر کہین موجود نہ ہو گا - اِن جانورون کی فراہمی مین بے روک روپیہ صرف کیا جاتا - اور کوئی شخص کوئی نیا جانور لائے تو مُنھ مانگے دام پاتا - کہتے ہین کہ بادشاہ نے ریشم پرے کبوترون کا جوڑا چوبیس ہزار روپیہ کو اور سفید مور کا جوڑا گیارہ ہزار روپیہ کو لیا تھا - زرافہ جو افریقہ کا بہت بڑا اور نہایت عجیب جانور ہی اُس کا ایک جوڑا بھی موجود تھا - دو کوہان کے بغدادی اونٹ ہندوستان مین کہین نہین نظر آتے - اور بادشاہ کے وہان تھے - کلکتہ مین ہاتھی مطلق نہین ہین - مگر بادشاہ کے اِس زندہ نیچرل ہسٹری میوزیم مین ایک ہاتھی بھی تھا محض اِس خیال سے کہ کوئی جانور رہ نہ جائے دو گدھے بھی رمنہ مین لا کے چھوڑ دیے گئے تھے - درندون مین سے شیر ببر - دیسی شیر - چیتے - تیندوے - ریچھ - سیاہ گوش - چرغ - بھیڑیے - سب کٹہرون مین بند تھے - اور بڑی خاطر داشت سے رکھے جاتے -

کبوترون کا انتظام دیگر جانورون سے الگ تھا۔ بادشاہ کی مختلف کوٹھیون مین سب ملاکے چوبیس پچیس ہزار کبوتر تھے۔ جن کے اُڑانے مین کبوتر بازون نے بڑے بڑے کمالات دکھائے تھے۔

جانورون پر جو صرف ہو رہا تھا اُس کا ناقص اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ آٹھ سو سے زیادہ جانور بانہ تھے۔ تین سو کے قریب کبوتر باز تھے۔ اُتنی کے قریب ماہی پرور تھے۔ اور تیس چالیس مار پرور تھے۔ جن کو دس روپیہ ماہوار سے لے کے چھ روپیہ ماہوار تک تنخواہین ملتی تھین۔ افسرون کی تنخواہین تیس سے بیس روپیہ تک تھین۔ اور کبوترون سانپون اور مچھلیون کے علاوہ دیگر جانورون کی خوراک مین کچھ کم نو ہزار روپیہ ماہوار صرف ہوتے تھے۔

عمارت کا کام زیادہ تر مونس الدولہ اور ریحان الدولہ کے سپرد رہا جن کو عمارت کی مد مین تقریبًا پچیس ہزار ماہوار ملا کرتے تھے۔

ہزار کے قریب پہرے کے سپاہی تھے جن کی تنخواہین عمومًا چھ روپیہ ماہوار تھین۔ بعض بعض آٹھ یا دس روپیہ بھی پاتے۔ یہی تنخواہ مکاندارون کی تھی جن کا شمار پانچ سو سے زیادہ تھا۔ مالیون کی بھی یہی تنخواہ تھی اور اُن کا شمار بھی پانچ سو سے زیادہ تھا۔ تقریبًا اسی اہل قلم یعنی محرر تھے جو تیس سے دس روپیہ ماہوار تک تنخواہ پاتے تھے۔ معزز مصاحبون اور اعلی عہدہ دارون کا شمار چالیس پچاس سے کم نہ ہوگا جو اٹھاسی روپیہ ماہوار پاتے تھے۔ سو سے زیادہ کہار تھے۔

اِن کے علاوہ بیسیون چھوٹے چھوٹے محکمہ تھے۔ باورچی خانہ آبدار خانہ۔ بھنڈی خانہ۔ خس خانہ۔ اور خدا جانے کیا کیا تھا۔ پھر ایک مد لواحق بیگمات یعنی ممتوعات کے رشتہ دارون اور بھائی بندون کی تھی جنھین حسب حیثیت تنخواہین ملتی تھین۔

اِن سب لوگون نے کوٹھیون کے رقبہ سے باہر زیادہ تر اُسی زمین پر جو بادشاہ کو دی گئی تھی اور بہتون نے پاس کی دوسری زمینون پر مکان بنا لیے تھے۔ اور ایک شہر بس گیا تھا جس کی مردم شماری چالیس ہزار سے زیادہ تھی۔ اِن سب کی زندگی بادشاہ کی تنخواہ کے ایک لاکھ روپیہ ماہوار سے

وابستہ تھی۔ اور کسی کی سمجھ مین نہ آتا تھا کہ اتنی خلقت عظیم اِس تھوڑی سی رقم مین کیونکر زندگی بسر کر لیتی تھی۔ بنگالہ کے عوام مین مشہور تھا کہ بادشاہ کے پاس پارس پتھر ہے۔ جب ضرورت ہوتی ہے لوہے یا تانبے کو اُس مین رگڑ کے سونا بنا لیا کرتے ہین۔

حقیقت حال یہ ہی کہ بادشاہ کے قیام سے کلکتہ کے پڑوس مین ایک دوسرا لکھنؤ آباد ہو گیا تھا۔ اصلی لکھنؤ مٹ گیا تھا۔ اور اُس کی منتخب صحبت مٹیا برج مین چلی گئی تھی۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اُن دنون لکھنؤ لکھنؤ نہین رہا تھا مٹیا برج لکھنؤ تھا۔ یہی چہل پہل تھی۔ یہی زبان تھی۔ یہی شاعری تھی۔ یہی صحبتین اور بذلہ سنجیان تھین۔ یہین کے علما و اتقیا تھے۔ یہین کے امرا و رؤسا تھے۔ اور یہین کے عوام تھے۔ کسی کو نظر ہی نہ آتا تھا کہ ہم بنگالے مین ہین۔ یہی پتنگ بازیان تھین۔ یہی مرغ بازیان تھین۔ یہی بٹیر بازیان تھین۔ یہی افیونی تھے۔ یہی داستان گوئی تھی۔ یہی تعزیہ داری تھی۔ یہی مرثیہ خوانی و نوحہ خوانی تھی۔ یہی امام باڑے تھے۔ اور یہی کربلا تھی۔ بلکہ جس جلوس اور شان و شوکت سے بادشاہ کی ضریح اُٹھتی تھی لکھنؤ مین عہد شاہی مین شاید اُٹھ سکی ہو غدر کے بعد تو کبھی کوئی تعزیہ نہین اُٹھ سکا۔ کلکتہ کی ہزارہا خلقت اور انگریز تک زیارت کو مٹیا برج مین آجاتے تھے۔

بادشاہ اگرچہ شیعہ تھے مگر مزاج مین تعصب مطلق نہ تھا۔ اُن کا پرانا مقولہ تھا کہ "میری دو آنکھون مین سے ایک شیعہ ہی اور ایک سنی ہی"۔ ایک بار دو شخصون مین مذہبی اختلاف پر مار پیٹ ہو گئی۔ بادشاہ نے دونون کی معزولی کا حکم دیا۔ بلکہ اپنے وہان ممنوع الملازمت کر دیا اور فرمایا "ایسے لوگون کا میرے یہان گذر نہین ہو سکتا؟"۔ آخر آخر مین بادشاہ کی ایک کتاب مین بعض ایسے ناگوار الفاظ چھپ گئے تھے جن پر کلکتہ کے سنیون مین بڑی شورش ہوئی۔ مگر اس سے لوگ واقف نہین ہین کہ وہ الفاظ اصل کتاب مین نہین بلکہ دوسرون کی تاریخ یا تقریظ مین تھے۔ اور بادشاہ کو جیسے ہی اطلاع ہوئی بغیر کسی تحریک کے معافی مانگنے کو تیار ہو گئے۔ بے تعصبی کا اس سے زیادہ ثبوت کیا ہوگا

کہ سارا انتظامی کاروبار سنیون ہی کے ہاتھ مین تھا۔ وزیر اعظم منصرم الدولہ بہادر سُنی تھے۔ منشی السلطان جو ایک زمانے مین سب سے زیادہ مقرب اور سارے جانور خانے کل اہل قلم اور کئی اور محکمون کے افسر اعلیٰ تھے سنی تھے۔ بخشی امانت الدولہ بہادر جن کے ہاتھ سے کل ملازمون حتی کہ محلون اور شاہزادون تک کو تنخواہ ملتی تھی سنی تھے۔ عطارالدولہ اور داروغہ معتبر علی خان جو آخر مین سب سے بڑے عہدہ دار اور کل کاروبار کے مالک تھے دونون سنی تھے۔ اس سے بڑھ کے کیا ہوگا کہ امام باڑہ سبطین آباد اور محل کے خاص امام باڑے بیت البکا کا انتظام اور مجلسون اور مذہبی تقریبون کے بجالانے کا انصرام بھی سنیون ہی کے ہاتھ مین تھا۔ وہان کبھی کسی نے اس کو محسوس ہی نہین کیا کہ کون سنی ہے اور کون شیعہ ہے۔

مٹیابرج کے دکاندار اور مہاجن تک لکھنؤ کے تھے۔ اور لکھنؤ کی کوئی چیز نہ تھی جو مکمل ترین صورت مین وہان موجود نہ ہو۔ جدھر گذر جایئے ایک عجیب رونق اور چہل پہل نظر آتی۔ اور اُس لطف مین لوگ اس قدر محو اور مست وازخود رفتہ ہو رہے تھے کہ کسی کو انجام کی خبر ہی نہ تھی۔ عمارات شاہی اور رمنہ وغیرہ کے اندر جانے کی اہل لکھنؤ جملہ ملازمین بلکہ ساکنین مٹیابرج کو عام آزادی حاصل تھی۔ باغون مین پھریئے تو اُس سے زیادہ پر فضا مقام کہین نصیب نہ ہو سکتا۔ دریا کے کنارے کھڑے ہو جایئے تو عجب لطف نظر آتا۔ کلکتہ کو آنے جانے والے جہاز سامنے سے ہو کے گذرتے۔ جو فورٹ ولیم کی سلامی کے لیئے یہین سے اپنی جھنڈیان اُتارنا شروع کر دیتے۔ اور لوگ سمجھتے کہ بادشاہ کی سلامی لے رہے ہین۔ محلات کی ڈیوڑھیون اور محلسراؤن کے دروازون پر کھڑے ہو جایئے تو عجیب لطف کی دھوم دھام مین کبھی کبھی ایسی صورتین نظر آجاتین اور ایسی فصیح و دلکش زبان اور ایسی مزے مزے کی پیاری باتین سننے مین آجاتین کہ انسان مدتون بلکہ زندگی بھر مزہ لیا کرتا۔

آہ! یہ خوبصورت اور دلفریب نقش توڑنے کے قابل نہ تھا! مگر ہائے

زمانے نے مٹا ہی دیا۔ اور ایسا مٹایا کہ گویا تھا ہی نہین۔ ۱۲۱۶ھ محمدی (۱۸۵۷ء) مین یکایک بادشاہ کی آنکھ بند ہوئی اور معلوم ہوا کہ خواب تھا جو کچھ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا۔ سب باتین خواب و خیال تھین۔ ایک طلسم تھا کہ کایک ٹوٹ گیا۔ اور وہ خوبصورت بقعہ جس کی زیارت کی تمنا یورپ کے سلاطین اور ہندوستان کے والیان ملک تک کو رہا کرتی تھی آج ایک وحشتستان فنا اور عبرت کدہ ہے۔ جہان کچھ بھی نہین۔ جس نے اس اگلے رنگ کو کبھی دیکھا تھا اب وہان کے سناٹے کو دیکھ کے سوا اس کے کہ کمال حسرت واندوہ کے ساتھ ایک ٹھنڈی سانس بھر کے کہے "رہے نام اللہ کا!" اور کیا کر سکتا ہے؟

قدر دانان دلگداز

دلگداز کی اشاعت مین اب کی سال بھی بدنظمی رہی۔ لیکن الحمدللہ کہ سب پرچے تیار ہو گئے۔ اور اپنے قدردانون کے پُرشوق ہاتھون مین پہونچتے جاتے ہین۔ لیکن اس امر کو غالبًا ہمارے احباب قدر کی نگاہ سے دیکھین گے کہ اگر اشاعت مین پابندی وقت کی کمی ہے تو چھپائی اور کاغذ مین نمایان ترقی ہو گئی ہے۔

ہم نے اس زمانہ مین قدردانون کی نذر کرنے کے لیے نیا تاریخی ناول بھی تیار کر لیا ہے جو ڈیڑھ سو صفحون سے زیادہ کی ضخامت پر تکمیل کو پہونچا ہے اس ناول کا نام "مفتوح فاتح" ہے قیمت غیرون سے ایک روپیہ مگر اپنون یعنی ۱۹۱۵ء کے خریداران دلگداز کو مفت۔ اس مین اسپین پر عربون کے قبضہ کر لینے کے بعد کوہسار پیرے نیز سے نکل کے فرانس پر حملہ آور ہونے کے واقعات دکھائے گئے ہین۔ یہ سب واقعات اُسی عہد کے ایک سچے تاریخی قصہ مین منسلک کر دیے گئے ہین جن کا خاتمہ عربون کی اُس شکست پر ہوا ہے جو مسلمانان اندلس کو چارلس مارٹل کے مقابلہ مین ہوئی تھی پیرے نیز کی وادیون اور فرانس اور اسپین کی اُس وقت کی حالت اتنی تاریخ سے نہ معلوم ہو گی جتنی کہ اس ناول کے پڑھنے سے نظر کے سامنے ہو جاتی ہے۔ ہمین امید ہے کہ اس سال ہم جنوری ۱۹۱۵ء ہی مین اس ناول کے وی پی جن مین سے ہر ایک ایک روپیہ دس آنہ کا ہو گا روانہ کر سکین گے۔ **مینیجر دلگداز**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

اس دربار کے فرمان رواؤن کی تاریخ مین سے اب صرف اس قدر بتانا باقی ہی کہ مرزا برجیس قدر بہادر لکھنؤ سے بھاگے تو سرحد نیپال پر دم لیا ہمراہ رکاب تقریبًا ایک لاکھ آدمیون کا مجمع تھا۔ اِن لوگون نے ارادہ کیا کہ ہمالیہ کی گھاٹیون مین پناہ گزین ہو جائین۔ اور جب موقع ملے ملک کے انگریزون پر حملہ کرین۔ فتح ہو تو اپنے وطن ہو پہنچین۔ شکست ہو تو پھر بھاگ کے پہاڑون مین ہو رہین۔ مگر یہ بننے والی صورت نہ تھی۔ ریاست نیپال نہ اتنے آدمیون کو اپنے وہان پناہ دے سکتی تھی اور نہ اُن کے لیے انگریزون سے لڑ سکتی تھی۔ اُس مین اتنی قوت ہی نہ تھی کہ انگریزون کا مقابلہ کرتی۔ لہذا حکومت نیپال نے صرف مرزا برجیس قدر اور اُن کی ماں کو تو پناہ دے دی۔ مگر اُن کے ہمراہی طوفان بے تمیزی کو قطعی حکم دے دیا کہ فورًا واپس جائین۔ اور نہ جائین تو مار کے نکال دیے جائین۔ نیپال کی قلمرو فورًا اِن سے خالی کرالی جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب کے سب وہان سے نکل نکل کے بھاگے۔ بہت سے مارے گئے۔ بہت سے بھیس بدل بدل کے کسی طرف نکل گئے۔ اور مرزا برجیس قدر مع اپنی والدہ کے خاص نیپال مین جا کے سکونت پذیر ہو گئے۔ دربار نیپال سے

اُن کے لیے کچھ معمولی وظیفہ مقرر ہوگیا۔ اور کہتے ہین اُن کے ساتھ جس قدر جواہرات تھا سب دولت نیپال کی نذر ہوا۔ آخر حضرت محل وہین پیوند زمین ہوئین۔ اور اُن کی بعد ملکہ وکٹوریہ کی جوبلی کے موقع پر دولت برطانیہ نے مرزا برجیس قدر کا قصور معاف کر دیا۔ اُنھین واپس آنے کی اجازت ملی تو بغیر کسی کو اطلاع دیے نیپال سے بھاگ کے کلکتہ آپہونچے۔ یہان واجد علی شاہ کا انتقال ہوچکا تھا۔ اور بہ حیثیت اولاد اکبر مرزا قمر قدر سب سے زیادہ تنخواہ پا رہے تھے۔ برجیس قدر نے دعوی کیا کہ بادشاہ کے تمام بیٹون سے زیادہ معزز و مستحق مین ہون۔ از روے قانون پنشن بادشاہ کی پنشن مین سے ایک ثلث گھٹا کے باقی تنخواہ مجھ پر جاری کی جائے۔ اور اُن کے تمام ورثہ اور وابستگان دامن کی خبر گیری میرے ذمے کی جائے۔ اس کی پیروی مین وہ انگلستان جانے کی تیاریان کر ہی رہے تھے کہ اُن کے خاندان والون ہی مین سے کسی نے دعوت کی۔ دعوت سے واپس آئے تو قے و دست جاری ہو گئے۔ آناً فاناً حالت خراب ہو گئی اور ایک ہی دن مین وہ اُن کی بی بی اور اُن کے کئی فرزند سب کی زندگی کا خاتمہ ہوگیا اور دنیا اِس خاندان کی اُن تمام یادگارون سے خالی ہو گئی جنھون نے کبھی تخت و تاج کی صورت دیکھی تھی۔

تاہم مٹیابرج کی چہل پہل اور اُس نئی بستی کی رونق و آبادی نے ایسی صورت پیدا کر لی تھی کہ اگر چشم زخم حوادث سے بچ جاتا تو مدتون تک یاد دلاتا رہتا کہ اِس بخت برگشتہ بادشاہ کے دربار اور اس کے وابستگان دامن کی کیا وضع قطع تھی۔ اور اُن کا کیا مذاق تھا۔ مگر برٹش گورنمنٹ کی عدالت گستری نے واجد علی شاہ کا ترکہ تقسیم کرنے اور اُن کے ورثا کی دادرسی مین یہ شان عدالت دکھائی کہ ساری جائداد اور سارا گھر بار بیچ کے حصہ رسدی سب مین تقسیم کر دیا جائے اور جو کچھ ہے نقد روپیہ کی صورت مین کر لیا جائے۔ اِس کا لازمی نتیجہ تھا کہ مٹیابرج کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ لاکھون کا سامان کوڑیون کو بک گیا۔ اور وہی بقعہ جو چند روز مین باغ ارم بن

گیا تھا حضیض ادبار کا جہنم ہو کے رہ گیا۔ اب تم وہان جا کے خاک اُڑاؤ کچھ پتہ نظر آنے لگا۔ اگر آنکھین اگلی رونق اور چہل پہل کو ڈھونڈتی ہون تو کسی امراؤ القیس کو بلاؤ جو آنسو بہاتا جائے اور تمھین بتاتا جائے کہ یہان مرصع منزل تھی۔ یہان نور منزل تھی۔ یہان سلطان خانہ تھا۔ اور یہان اسد منزل تھی۔ وہان مشاعرے ہوتے تھے۔ وہان علمائے باکمال کی مجلس تھی۔ وہان یاران باصفا کی بذلہ سنجیان تھین۔ اور وہان فصحائے جادو بیان کی سحر طرازیان تھین۔ اس مقام پر منتخب حسینان جہان کا جھرمٹ تھا۔ اس مقام پر رقص و سرود کی محفل گرم تھی۔ اِس مقام پر حور وش مہ جبینون کو گانے ناچنے کی تعلیم ہوتی تھی۔ اور اِس مقام پر جہان پناہ ناز آفرین ممتوعات کے بیچ مین بیٹھ کے جشن منایا کرتے تھے۔ اِس جگہ افیونیون کے مجمع مین داستان ہوتی تھی۔ اِس جگہ بٹیرون کی پالیان ہوتی تھین۔ اس جگہ کبوتر اُڑتے تھے۔ اور اِس جگہ کنکوے کے میدان بدے جاتے تھے۔ اِس ڈیوڑھی پر ماہ وش جادو نگاہین پردے سے سر نکالے جھانکتی نظر آتی تھین۔ اِس ڈیوڑھی پر ماما اصیلون کی آمد و رفت سے ہر وقت ایک عجیب جوش و خروش نمایان رہتا تھا۔ اِس ڈیوڑھی پر خاص خاص شعرا حاضر رہتے اِس لیے کہ محل سرا والی کو فن شعر سے دلچسپی تھی۔ اور اِس ڈیوڑھی پر روز رنگین عبارت لکھنے والے جوان مزاج آدمیون کی تلاش رہتی تھی۔ اس لیے کہ دوسرے تیسرے یہان سے ایک نئے رنگ کا تودونامہ جا کے بادشاہ کے ملاحظہ مین پیش ہوتا۔

لیکن مٹیا برج کے مٹ جانے پر بھی اِس مرحوم دربار کی ہزارون یادگارین باقی ہین۔ خود شہر لکھنؤ اور اِس کی سوسائٹی اِس دربار دُربار کو یاد دلا رہی ہے اور اودھ کی سرزمین کا چپہ چپہ اِس کی عظمت کی یادگار ہے۔ اس لیے کہ اُس پر جا بجا سلطنت ماضیہ کے مار کہ بنے ہوے ہین۔ اہل لکھنؤ کی ہر حرکت اور ادا اگلے ارکان دربار کی زندہ تاریخ ہے۔ اور اِن کی چال ڈھال دیکھ کے بے اختیار زبان سے نکل جاتا ہے ع "اے گل بتو خرسندم تو بوے کسے داری" لہذا اِن دیرپا آثار سلف کی یاد تازہ

کرنے کی غرض سے اب ہم یہ بتانا چاہتے ہین کہ اس دربار کے قائم ہونے سے لکھنؤ مین جو سوسائٹی پیدا ہو گئی تھی وہ کیا تھی۔ کیسی تھی۔ اور اس نے کس کس عنوان سے ہندوستان کی معاشرت پر اثر ڈال رکھا تھا۔

ہندوستان مین اُن دنون فارسی زبان کورٹ لینگوج (درباری زبان) تھی۔ اور اہل ہندوستان کی بہترین معاشرت ایرانی تہذیب سے ماخوذ تھی۔ دولت صفویہ کے عہد مین ایرانیون کا عام مذہب شیعۂ اثنا عشری ہو گیا تھا۔ اور ہندوستان کا حکمران خاندان مغلیہ چغتائیہ مذہب اہل سنت کا پیرو تھا۔ مگر معاشرت پر فارسیت کا سکہ جاری ہونے کا یہ اثر تھا کہ باوجود اختلاف مذہب کے جو عجمی یہان آجاتے ادب کے ہاتھون سے لیے جاتے تھے۔ اسی اخلاقی رجحان نے نورجہان بیگم کو جہانگیر کے تاج و تخت کا مالک بنا دیا۔ اسی کی بدولت دہلی کے اکثر معزز عہدہ دار آخر عہد مین شیعہ تھے۔ اور اسی کی وجہ سے امین الدین خان نیشاپوری یہان پہونچتے ہی نواب برہان الملک بن کے وادی گنگا کے ساری وسیع علاقے کے مالک ہو گئے۔ برہان الملک کا اثر اور اقتدار جس قدر بڑھتا اور ترقی کرتا گیا اسی قدر زیادہ وہ باکمالان دہلی کے مرجع و ماوی بنتے گئے۔ باوجود اس کے اُن کی اور نواب صفدر جنگ کی زندگی چونکہ ایک نئی سلطنت کی داغ بیل ڈالنے مین صرف ہوئی اِس وجہ سے سوا بہادر سپہ گرون کی قدردانی کے اُنھین قومی تمدن اور معاشرتی امور کی طرف متوجہ ہونے کی بہت ہی کم مہلت ملی۔ کیونکہ ان باتون کو بمقابل فوج کشی و ثمندی کے امن و امان کے پر عیش زمانے سے زیادہ تعلق ہوا کرتا ہے۔

لیکن جب شجاع الدولہ نے بکسر کی لڑائی مین ہمت ہارنے کے بعد انگریزون سے نیا معاہدہ کیا۔ اور مجبور ہو کے فیض آباد مین خاموش بیٹھے تو سرزمین اودھ مین ایک نئے تمدن کی بنیاد پڑ گئی۔ اس مضمون کے آغاز مین ہم بتا چکے ہین کہ شجاع الدولہ کے زمانے مین کس کثرت

سے باکمالان دہلی وطن چھوڑ چھوڑ کے یہان آنے لگے تھے۔ دہلی سے فیض آباد تک ہر پیشہ اور ہر طبقے کے لوگون کے آنے کا کیسا تانتا بندھ گیا تھا۔ اور صرف نو سال کی مدت مین فیض آباد کیا سے کیا ہو گیا تھا؟ شجاع الدولہ کے بعد نواب آصف الدولہ نے جب لکھنؤ مین قیام کیا تو فیض آباد کا جما جمایا اکھاڑہ یکبارگی فیض آباد سے اُکھڑ کے لکھنؤ مین آگیا۔ اور دہلی کے اعلیٰ خاندانون اور باکمالون کا جو سیلاب فیض آباد کو جارہا تھا لکھنؤ ہی مین روک لیا گیا جو عین سرِراہ واقع ہوا تھا۔ اور آخر مین چند شرفا و صاحب ہنر جو فیض آباد مین بیگمون کی سرکارون مین الجھ رہ گئے تھے رفتہ رفتہ وہ بھی لکھنؤ مین آ گئے۔ اِس لیے کہ آصف الدولہ نے یہان دولت کی ایسی گنگا نہین بہا رکھی تھی کہ کوئی سنتا اور سیراب ہونے کے شوق مین بے اختیار نہ دوڑ پڑتا۔

اِن دنون یون تو بہت سی ہندو ریاستین موجود تھین مگر مہذب اور شائستہ دربار مسلمان حکمرانون ہی کے سمجھے جاتے تھے۔ اور ہندو راجہ خود معترف تھے کہ تمدن اور معاشرت مین ہم مسلمان دربارون کا مقابلہ نہین کر سکتے۔ کیونکہ اپنی قدیم تہذیب کو زندہ کر کے اپنے لیے نیا تمدن اور نیا لٹریچر پیدا کرنے کا خیال ابھی اُن مین انگریزی تعلیم نے نہین پیدا کیا تھا۔ اِس کا نتیجہ یہ تھا کہ اگر کوئی باکمال عالم۔ شاعر۔ یا سپاہی مسلمان امرا سے برخاستہ خاطر ہو کے ہندو امرا کے علاقہ مین پہونچ جاتا تو ہاتھون ہاتھ لیا جاتا اور دیوتاؤن کی طرح اُس کی قدر و منزلت کی جاتی۔

مسلمان دربار ان دنون چند گنتی کے تھے۔ سب سے پہلے تو دہلی کا دربار مغلیہ تھا۔ اور اِس کی قدامت اور گذشتہ شوکت کی وجہ سے ہر قسم کے باکمالون اور مستند خاندانی شرفا کی کان دہلی بنی ہوئی تھی۔ اور اسی سرزمین کے منتشر روڑے تھے جنھون نے دور دراز صوبون مین جا کے نئے نئے دربار قائم کیے تھے۔ جن مین سے دکن مین آصف جاہ کا دربار تھا۔ وہان سے آگے بڑھ کے ٹیپو سلطان اور نواب ارکاٹ کے دربار تھے۔ شمال مین دہلی سے چلیے تو پہلے روہیلکھنڈ کے بہادر خوانین کی قلمرو ملتی۔ اِس کے

بعدیہ اودھ کا دربار تھا۔ پھر اُس سے آگے مرشد آباد مین نواب ناظم بنگالہ کا دربار تھا۔ مذکورہ اسلامی دربارون سے دکن کے دربار نہایت ہی دُور رہتے تھے۔ اُن کا راستہ اول تو جنگلون اور پہاڑون کی وجہ سے نہایت ہی دشوار گزار تھا۔ اور اِس پر بھی جرأت کر کے کوئی چل کھڑا ہوتا تو ٹھگ اور ڈاکو جو سارے ملک مین پھیلے ہوے تھے راستہ ہی مین اُس کی زندگی کا خاتمہ کر دیتے۔ ٹیپو سلطان اور نواب کرناٹک کی قلمرو تک جانا درکنار کسی کو نظام حیدر آباد کی مملکت تک پہونچنا بھی مشکل سے نصیب ہوتا۔ اسلیے جب دہلی بگڑنا شروع ہوئی اور تاجداران مغلیہ کی حالت خراب ہونے سے قدردانی کا بازار وہان سرد پڑا تو لوگون نے عموماً شمالی ہندوستان کے دربارون کا رخ کیا۔ اِس مین شک نہین کہ روہیلکھنڈ بہت قریب تھا۔ یہان کے خوانین اگر قدردانی کرتے تو اُن سے زیادہ موقع کسی کو نہین حاصل تھا۔ مگر اُن مین دینداری تھی شجاعت تھی اور بہت سی خوبیان تھین مگر علمی مذاق اور معاشرتی رنگینیون سے وہ لوگ بالکل معرا تھے۔ ان کی حالت کا اندازہ کیجیے تو معلوم ہوتا ہی کہ خالص فوجی مذاق کے لوگ تھے جنھین اپنے ہم وطنون کے جمع کرنے اور اپنے جرگون کی تعداد بڑھا کے اپنی جنگی قوت کو ترقی دینے کے سوا اور کسی بات کا شوق نہ تھا۔ معاشرت کے رسیلے پن اور تمدنی زندگی کے آداب واخلاق کے لحاظ سے دیکھیے تو اِن کی حالت بالکل وحشی گنوارون کی سی تھی۔ ایسے لوگ بھلا شاعرون ادیبون اور دیگر قسم کے باکمالون کی کیا قدر کر سکتے تھے؟ لہذا اُن کی سرزمین مین جو داخل ہوا قدم بڑھاتا ہوا آگے نکل گیا۔ چار پانچ منزلین طے کر کے لکھنؤ مین پہونچا تو دیکھا کہ رئیس سے لے کے ادنے طبقہ والے تک استقبال مین آنکھین بچھا رہے ہین۔ اور ہر طرح خدمتگذاری کو طیار ہین۔ ایسی جگہ پہونچ کے پھر بھلا کون واپس جا سکتا ہی؟ جو گیا وہین کا ہو گیا۔ اور دہلی کا ہر خانمان برباد یہان آتے ہی پاؤن توڑ کے بیٹھ گیا۔ نہ وطن ہی یاد رہا اور نہ کسی اور دربار کے دیکھنے کی ہوس ہی دل مین باقی رہی۔ چند لوگ یہان سے آگے بڑھ کے نواب ناظم بنگالہ تک بھی پہونچ گئے

مگر وہ وہی تھے جن کی لکھنؤ قدر نہ کر سکا۔ مگر ایسے چند گنتی ہی کے لوگ تھے ورنہ دہلی سے جتنے با کمال آئے سب لکھنؤ ہی مین کھپتے چلے گئے۔ تھوڑے ہی زمانہ کے اندر یہ حالت ہوگئی کہ اُس دور کی مہذب ترین سوسائٹی کے جتنے مشہور اور نامور بزرگ تھے سب لکھنؤ کے اندر جمع تھے۔

فقط ایک چیز لکھنؤ مین اِس دربار کے قائم ہونے سے پہلے موجود تھی۔ اور وہ عربی کا علم و فضل تھا جس کی بنیاد اُس وقت پڑ گئی تھی جب شہنشاہ اورنگ زیب نے فرنگی محل کے مکانات ملا نظام الدین سہالوی کو عطا کیے تھے۔ ملا صاحب ممدوح اور اُن کے خاندان کے قیام نے چند ہی روز مین فرنگی محل کو ہندوستان کی ایک ایسی اعلیٰ ترین یونی ورسٹی بنا دیا کہ سارے ہندوستان کے علما و فضلا کا مرکز لکھنؤ کا یہی چھوٹا سا محلہ قرار پاگیا۔ شیخ عبدالحق دہلوی کے بعد دہلی مین بھی کوئی نمود کا عالم نہین پیدا ہو سکا تھا۔ آخر مین شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان نے البتہ بہت بڑا عروج حاصل کیا مگر اُن کی شہرت علم حدیث تک محدود تھی۔ مگر حدیث کے علاوہ اور جتنے علوم ہین اِن سب کی یونی ورسٹی لکھنؤ ہی تھا۔ اُن دلون لکھنؤ ایک گمنام شہر تھا۔ مگر ایسے ایک گمنام مقام کا اتنی بڑی یونیورسٹی بن جانا کہ ہندوستان در کنار بخارا خوارزم اور ہرات و کابل اس کے آگے سر جھکا دین بہت ہی حیرت کے قابل ہے۔ ساری اسلامی دنیا یہین کی شاگردی پر فخر کر رہی تھی اور یہین کے منتخب کیے ہوے نصاب تعلیم یعنی سلسلۂ نظامیہ کی پیرو تھی۔ غرض علمائے فرنگی محل کی بدولت اس نئے دربار کے قائم ہونے سے پہلے ہی لکھنؤ حکمت و فلسفہ منطق و کلام فقہ و اصول فقہ اور دیگر مختلف علوم کا معدن و مرجع بن چکا تھا۔ غرض ایک اس چیز مین تو لکھنؤ اِس نئے دربار کا زیر بار احسان نہین ہے باقی اور تمام ترقیان اس سلطنت کے قائم ہونے ہی سے پیدا ہوئین۔

اب ہم جدا جدا بیان کرنا چاہتے ہین کہ دہلی سے لکھنؤ مین کون کون سی چیزین آئین۔ اور یہان آکے اُنھون نے کیا رنگ پکڑا۔ سب سے مقدم اردو

زبان ہی جو دہلی کے اُن شرفا اور سرداران فوج کی زبان تھی جو آب برہان الملک بہادر کے ساتھ لکھنؤ مین آئے تھے۔ یہ زبان دہلی مین پیدا ہوئی۔ اور اُس کی شاعری کا آغاز دکن سے ہوا۔ ولی گجراتی نے دہلی مین آکے اپنا دیوان پیش کیا۔ اور اپنے نغمۂ دلکش سے اہل زبان کو خواب غفلت سے جگایا۔ اس نغمہ مین کچھ ایسا جادو تھا کہ سنتے ہی سب کی زبان پر یہی نغمہ جاری ہو گیا۔ اور دہلی مین اردو شاعری شروع ہوئی۔

ابتداءً چند ہی بزرگ تھے جنھون نے اُستادی کی شان سے دہلی مین داد سخن دینا شروع کی مگر اس زمانہ کو اگر اردو زبان کی طفلی نہین تو اردو شاعری کا بچپن کہنا چاہیے۔ دنیاے اردو کے ان سابقین اولین مین سب سے زیادہ صاحب علم و فضل اور سب سے بڑے باکمال خان آرزو تھے۔ جنھین مولانا آزاد مرحوم نے دوسرے دور شاعری مین رکھا ہے۔ زمانۂ مابعد کے بڑے بڑے باکمال جن مین سودا۔ میر۔ میرزا مظہر جان جانان اور خواجہ میر درد شامل ہین سب ان کے شاگرد تھے۔ شاعری اور کمال زباندانی کے لکھنؤ مین آنے کی بنیاد انھین اُستاد اول خان آرزو سے پڑی۔ نواب شجاع الدولہ کے ماموں سالار جنگ نے کمال قدردانی سے انھین لکھنؤ مین بلوایا۔ اور ایک زمانے تک اودھ مین اقامت گزین رہ کے وہ شجاع الدولہ کی مسند نشینی کے دو برس بعد ۱۱۶۹ھ (سنہ ۱۷۵۴ مہدی مطابق سنہ ۱۷۵۲ء) مین خاص لکھنؤ کے اندر رہگراے آخرت ہوئے۔ وہی پہلے اُستاد اردو شاعری تھے۔ اور اُنھین سے اردو شعر و سخن کے لکھنؤ مین آنے کی بنیاد پڑی۔ مگر افسوس کہ اُن کی ہڈیان سرزمین لکھنؤ کے دامن شوق سے چھین کے خاک دہلی کو سونپی گیئن۔

اس کے بعد اسی دور کے دوسرے نامی اُستاد سخن اشرف علی خان فغان نے جو احمد شاہ بادشاہ کے کوکہ تھے قدردانی کی تلاش مین لکھنؤ کی راہ لی۔ شجاع الدولہ نے نہایت ہی تعظیم و تکریم کی۔ ہاتھون ہاتھ لیا اور ایک زمانے تک اپنے دربار مین رکھا۔ مگر شعرا نازک خیال سے زیادہ

نازک دماغ ہوا کرتے ہین۔ کسی خفیف سی بات پر اُٹھ کے عظیم آباد چلے گئے اور شجاع الدولہ کی وفات سے دو برس پہلے وہین پیوند زمین ہو گئے۔

اب مولانا آزاد کا مقرر کیا ہوا تیسرا دور شاعری شروع ہوا۔ جب کہ خان آرزو کے شاگرد نظم اردو پر حکومت کر رہے تھے۔ اس زمانے کی حالت دیکھنے سے نظر آتا ہی کہ دہلی اپنے باکمالون کو اپنے آغوش مین سنبھال نہین سکتی۔ ہر طرح کے صاحبان کمال اُس کی سواد سے نکلتے چلے جاتے ہین اور جو جاتا ہی پھر نہین آتا۔ اس کے مقابل لکھنؤ کی یہ حالت ہی کہ جو صاحب فن آتا ہی چاہے کہین کا ہو یہین کا ہو جاتا ہی۔ مرزا رفیع سودا۔ میر تقی میر سید محمد میر سوز جو اس تیسرے دور کے ہمبرانِ سخن ہین سب دہلی چھوڑ چھوڑ کے لکھنؤ مین آئے اور یہین پیوند زمین ہوے۔

ان کے علاوہ جو باکمالان سخن اس زمانے مین وارد لکھنؤ ہوے اور یہین کے ہو گئے۔ میرزا جعفر علی حسرت۔ میر حیدر علی حیران۔ خواجہ حسن حسن مرزا فاخر مکین۔ میر ضاحک۔ بقاء اللہ خان بقا۔ میر حسن دہلوی میر ضاحک کے فرزند (صاحب مثنوی) اور انھین کے ایسے بیسیون شعرا ہین۔ میر قمر الدین منت۔ میر ضیاء الدین ضیا۔ اشرف علی خان فغان۔ دہلی سے لکھنؤ مین آکے ایک مدت تک رہے اور یہین چمکے مگر آخر مین بیرونی قدر دانون کی کشش سے کلکتہ اور عظیم آباد مین جا کے نذر اجل ہوئے۔ شیخ محمد قائم قائم کا انتقال اگرچہ اُن کے وطن نگینہ مین ہوا مگر وہ بھی ایک مدت تک اسی لکھنؤ کی سبھا کے ایک اکسیر تھے۔

صرف میرزا مظہر جان جانان اور خواجہ میر درد کے ایسے چند بزرگ دہلی مین پڑے رہ گئے جن کو فقیرانہ قناعت اور مرجعیت کی وجہ سے دہلی مین قدم جمانے کا موقع مل گیا تھا۔ اور سجادہ نشینی کی وجہ سے اپنی مسند درویشی کو نہ چھوڑ سکتے تھے۔ غرض شاعری کا یہ تیسرا دور وہ زمانہ ہے جب کہ دہلی کی سبھا وہان سے اُکھڑ کے لکھنؤ مین جم رہی تھی۔ اور لکھنؤ مین ایک جوش قدر دانی تھا جس سے ہندوستان کی تاریخ خالی ہی۔

اب چوتھا دور شروع ہوا۔ اس کے ارکان بھی اگرچہ دہلی واکبرآباد وغیرہ کی خاک سے پیدا ہوئے تھے مگر سب کی شاعری لکھنؤ ہی مین چمکی۔ یہین سے اِن کا نام مشہور ہوا۔ یہین کے مشاعرون کے میرمجلس تھے۔ یہ لوگ علی العموم یہین سے نکلے۔ یہین رہے۔ یہین عروج پایا۔ اور یہین مرکھپ گئے۔ اس دور کے رکن رکین جرأت۔ سید انشا۔ مصحفی۔ قتیل اور رنگین وغیرہ تھے۔ یہ لوگ اپنے عہد مین زبان پر حکومت کر رہے تھے۔ اور اِن کی شاعری کا غلغلہ اس قدر بلند تھا کہ اِن کے سامنے کسی اردو شاعر کا نام چمک ہی نہ سکا۔ ان سب کی ہڈیان کہان ہین؟ لکھنؤ کی خاک مین۔

اِس زمانے مین دہلی کے صاحبان مذاق جس کثرت سے لکھنؤ مین آرہے تھے اُس کا اندازہ سید انشا کی ایک روایت سے ہوسکتا ہی جس مین اُنھون نے اُس عہد کے ایک شریف وضعدار بڈھے اور نورًا نام ایک کسبی کی گفتگو نقل کی ہی وہ بزرگ اور کسبی دونون دہلی کے ہین مگر دونون لکھنؤ مین باتین کر رہے ہین۔ بی نورًا کہتی ہین "اجی آؤ میر صاحب! تم تو عید کا چاند ہوگئے۔ دہلی مین آتے تھے دو دو پہر رات تک بیٹھتے تھے۔ لکھنؤ مین تمھین کیا ہوگیا کہ کبھی صورت بھی نہین دکھاتے۔ اَب کی کربلا مین کتنا مین نے ڈھونڈھا کہین تمھارا اثر آثار معلوم نہ ہوا۔ ایسا نہ کیجیو کہ آٹھون مین بھی نہ چلو۔ تمھین علی کی قسم آٹھون مین مقرر چلیو" اس کا جواب جو میر صاحب نے دیا ہی وہ اگرچہ نہایت ہی دلچسپ ہی مگر ہم تطویل سے بچنے کے خیال سے اُسے چھوڑے دیتے ہین۔ اُنھون نے دہلی ولکھنؤ کے موجودہ رنگ پر اعتراضات کیے ہین۔ اور معاصر شعرا پر نکتہ چینیان کی ہین جس سے ہمین بحث نہین۔ ہمین صرف یہ بتانا ہی کہ اِس زمانے مین شرفا وکملا درکنار رنڈیان تک لکھنؤ مین آآکے بستی جاتی تھین۔ اور جو لوگ دہلی مین پھول والون کی سیر کے رسیا تھے اب کربلا اور آٹھون کے میلے مین اپنا دل بہلاتے تھے۔

شمس العلما مولانا آزاد مرحوم نے بعد کے تمام شعراے دہلی و لکھنؤ کو بلا لحاظ امتیاز دو عہد ایک جگہ جمع کر کے اور زمانے کی طنابین کھینچ کے پانچوان دور بنا دیا ہے۔ لیکن یہ نا انصافی ہے۔ اصلی پانچوان دور صرف ناسخ و آتش کا تھا۔ جس مین زبان نے نئی وضع اختیار کی۔ بہت سے پرانے محاورات ترک ہو گئے۔ نئی بندشین پیدا ہوئین۔ اور اُس زبان کی بنیاد پڑی جو بعد کے شعراے دہلی و لکھنؤ مین یکسان طور پر مقبول ہوئی۔ اور قریب قریب وہ زبان بن گئی جو اب ہندوستان مین مستند ہے۔ اور یہی وہ زمانہ تھا جب شاعری کی قلمرو مین پہلے پہل لکھنؤ کا سکہ جاری ہوا۔

اس کے بعد چھٹا دور وہ تھا جب لکھنؤ مین وزیر۔ صبا۔ رند۔ گویا۔ رشک۔ نسیم دہلوی۔ اسیر۔ نواب مرزا شوق اور پنڈت دیا شنکر نسیم صاحبان مثنوی کی شاعری کا غلغلہ بلند تھا۔ اور دہلی مین مومن۔ ذوق۔ اور غالب نغمۂ شاعرانہ سنا رہے تھے۔ اِس دور نے سچ یہ ہے کہ زبان کو بہ لحاظ خیالات سب سے زیادہ ترقی کے درجہ پر پہونچا دیا۔

اِس کے بعد ساتوان دور امیر۔ داغ۔ منیر۔ تسلیم۔ مجروح۔ جلال۔ لطافت۔ افضل۔ اور حکیم وغیرہ کا تھا۔

اِن آخری دورون پر غائر نظر ڈالنے سے صاف نظر آجاتا ہے کہ فصاحت زبان اور شاعری نے لکھنؤ مین کیسی مضبوط جگہ پکڑ لی تھی۔ چند ہی روز مین شعر کہنا لکھنؤ مین ایک وضعداری بن گیا۔ اور شعرا کی یہان اس قدر کثرت ہو گئی کہ شاید کہین کسی زبان مین نہ ہوئی ہو گی۔ عورتون تک مین شعر و سخن کا چرچا ہوا۔ اور جہلا کے کلام مین بھی شاعرانہ خیال آفرینیون تشبیہون اور استعارون کی جھلک نظر آنے لگی۔

یورپ کے بانکے نائٹ ٹمپلرز

ہم ہندوستان کے بانکون کا حال ناظرین دلگداز کے سامنے پیش

اگر چکے ہین - اب اُن کے بڑے بھائی یورپ کے قدیم بانکون کا حال بھی سُن لیجیے - یورپ کے اِن انوکھے سپاہیون نے جو سپہگر ہونے کے ساتھ بانکے رسیلے چھیلا بھی ہوتے تھے اپنے لیے "نائٹ" کا لقب اختیار کیا تھا -

محققین یورپ کا بیان ہی کہ وہ اِن سپہگری کے پیشہ کو خاص معاہدون اور کسی خاص طرز سے اختیار کرنا اہل جرمنی سے شروع ہوا جو رومیون کی عروج کے زمانے مین وحشی و جاہل مگر اس کے ساتھ بڑے جنگجو اور نہایت ہی شجاع خیال کیے جاتے تھے - کہتے ہین کہ اُنھین دنون جرمانیا کے جنگلون اور پہاڑون مین بانکے سپاہی بننے کا یہ سادہ اور بھونڈا طریقہ مروج تھا کہ جو نوجوان اس گروہ مین شامل ہونا چاہتا کسی میدان جنگ مین بہادری دکھا چکنے کے بعد اُس کے قبیلہ کے تمام لوگ ایک میدان مین جمع ہوتے - بہادران قوم اُن لوگون سے اس نوجوان کی بہادری اور اخلاقی حالت دریافت کرتے - اور جب وہ سب مذکورہ صفات کو اُس مین تسلیم کرتے اور ہر طرح کا اطمنان ہو جاتا تو بزرگون مین سے کوئی شخص اُس کے گال یا شانے پر ایک تھپیڑ مارتا - جس کے یہ معنی تھے کہ اس ضرب کے بعد وہ پھر کبھی چوٹ نہ کھائے گا - وہی بزرگ قوم اُسے ایک ڈھال اور ایک برچھا دیتا - اور اُسے اجازت ہوتی کہ اُن اسلحہ کو لے کے میدان جنگ مین جایا کرے - جن نوجوان کو یہ عزت دی جاتی وہ "نیخت" کہلاتے اسی نیخت سے بگڑ کے "نائٹ" کا لفظ نکلا ہی جس کی اگلی شان تو بالکل مفقود ہوگئی مگر نام یورپ کے خطابون مین داخل ہونے کی وجہ سے اس وسعت کے ساتھ دنیا مین پھیلا کہ آج ہمارے راجہ صاحبان جہانگیر آباد و محمود آباد ہی نہین ہندوستان کے اکثر والیان ملک اور مبارک مقدس ارض عرب تک کے بعض فرمان روا نائٹ ہین -

رومیون مین اِس کے ہم وزن "میلس" کا لفظ تھا - اِن مہذب لوگون مین اگرچہ اصلی قوت غریبون ہی کی تھی جو "پلیبین" کہلاتے - مگر امرا و ملوک گھوڑون پر سوار ہو کے لڑتے اور "بطریق" کہلاتے - اور وہ بطارقہ ہی اکثر "میلس" کے لقب سے یاد کیے جاتے -

یہ اس زمانے کا ذکر ہی جب جرمنی اور رومی دونون قومین بت پرست تھین اور دین مسیحی ابھی دنیا مین نہین آیا تھا۔ حضرت مسیح کا دین ابتداًء صرف واعظون سے شروع ہوا تھا اور سپہگری کے بالکل مخالف تھا۔ مگر مدتون مظلوم رہنے کی وجہ سے مسیحیون کے سینون مین ایک انتقام کی آگ مدت سے دبی چلی آتی تھی جسے قسطنطین اعظم نے اپنی پولٹیکل مصلحتون سے بھڑکا دیا۔ حضرت مسیح کی مصلوبیت کی بنا پر اُس نے صلیب کو مسیحیون کا شعار قرار دیا۔ یہ صلیبی علم ہاتھ مین لیا۔ اور جوش انتقام مین ڈوبے ہوے مسیحی دوڑ دوڑ کے اُسکے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ اس پرجوش قوت سے اپنے بت پرست حریف کو شکست دے کے وہ پوری قلمرو روم پر قابض ہو گیا۔ لیکن یہ ایک وقتی اُبال تھا۔ جب مسیحیت دولت روم کا مذہب بن گئی تو پھر اُسے سپہگری سے کوئی سروکار نہ رہا۔ اس لیے کہ مسیحیت خونریزی کے مخالف اور لڑنے بھڑنے سے متنفر تھی۔ چنانچہ رومی سلطنت ایک مسیحی دولت بنتے ہی ایسی کمزور ہو گئی کہ گوتھ اور ہن قومون نے اُسے خوب پامال کیا۔ اور آخر عرب لوگ اُٹھے جنھون نے مشرق مین ایشیاے کوچک و شام کو اور افریقہ مین تمام شمالی ممالک کو رومیون سے چھین لیا۔ جزیرۂ صقلیہ اور خود اٹلی کا کسی قدر جنوبی حصہ عربون کے قبضہ مین چلا آیا۔ اور آبناے جبرالٹر سے اتر کے اُنھون نے پورا ملک اسپین بھی اپنے قبضہ مین کر لیا۔

ان دنون یورپ مین فیوڈل سسٹم (حکومت امرا) کا طریقہ جاری تھا سارے ملک کی یہ حالت تھی کہ ہر زمیندار اپنے علاقے اور اپنے گاؤن یا شہر کا خودسر حاکم اور بادشاہ بنا ہوا تھا۔ اُس کے زیر علم حسب حیثیت سپاہی ہوتے۔ اور اُنھین کے انداز سے اُس کی قوت ہوتی۔ متعدد زمیندارون کے باہم ملنے اور حلیف ہو جانے سے ایک بڑی قوت بن جاتی۔ اور زبردست دشمنون کے مقابلے مین اکثر یہی ہوا کرتا۔

اصلی قوت ان دنون بھی پیدل سپاہیون ہی کی تھی مگر چونکہ وہ ادنی طبقے کے لوگ ہوتے اس لیے اُن کی قدر نہ ہوتی۔ قدر سوارون کی تھی جو عموماً امیرون اور رئیسون کے اعزا و اقارب اور شرفاے قوم ہوتے۔ اور وہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا میلس کہلاتے تھے۔ جن ڈیوکون (شہزادون) اور کاؤنٹون (نوابون) نے شاہی سطوت حاصل کر لی ہوتی وہ اپنی قلمرو کے صوبون کو جن لوگون کے ہاتھ مین

دیتے وہ بائرن کہلاتے۔ اور بائرن اپنے صوبے کو جن عہدہ دارون مین تقسیم کرتے وہ "فائف" کے لقب سے یاد کیے جاتے۔ اور یہ فائف عموماً "پیر" کہلاتے تھے۔ اس تفصیل کے ملاحظہ سے ہمارے دوستون کو یورپ کے موجودہ خطابون اور انگریز معززین کے لقبون کی اصلیت بخوبی معلوم ہو جائے گی۔

پیرس نے کے اوپر تک کے جتنے معززین تھے گھوڑون پر سوار ہو کے لڑتے اور کسی ادنی شخص کو یہ حق نہ تھا کہ بجز پاپیادہ لڑنے کے گھوڑی کی پیٹھ پر سوار ہو کے میدان جنگ مین آئے۔ اور یہی لوگ میلس خیال کیے جاتے تھے۔ جب عربون نے اسپین کو لے لیا۔ پھر کوہسار پیرے نیز سے نکل کے فرانس پر حملہ آور ہوئے۔ اور اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو یہ لوگ ساری مغربی مسیحی دنیا کو فتح کر لین تو نظر آیا کہ بغیر سپہ گری کو زندہ کیے اور اُسے مذہب کا مقدس لباس پہنائے اپنی وطنی اور قومی عزت کا بچانا دشوار ہی۔ ابتداءً تو کلیسیا نے اس ضرورت کو محسوس کر کے "خاموشی نیم رضا" کا اصول اختیار کیا۔ یعنی اس کا یہ طرز عمل تھا کہ زبان سے تو کچھ نہ کہا جائے مگر سپہگری کی ترقی کو بہ ظاہر استحسان کی نظر سے دیکھا جائے۔ لیکن رومی سپہ گری بوسیدہ و از کار رفتہ ہو چکی تھی اسیلیے جرمنی کا نائٹن اختیار کر لیا گیا۔ وہ اپنے ساتھ اپنے لقب نیخٹ کو بھی لایا۔ جو انگریزی مین آکے نائٹ بن گیا۔ یہ لفظ انگریزی تلفظ مین تو نائٹ ہے لیکن اُس کا املا آج تک ایسا واقع ہوا ہے کہ اگر بولنے مین اُس کی پابندی کی جائے تو تلفظ نائٹ نہ ہوگا بلکہ "کنیغت" ہوگا۔ غرض اب جو بہادر میدان جنگ مین کوئی کار نمایان کرتے اور شجاعت ظاہر کرتے نائٹ مشہور ہو کے ہم وطنون مین معزز و ممتاز ہو جاتے۔ حصول عزت نے لوگون کو زیادہ شوق دلایا۔ اور نائٹون کی تعداد بڑھنا شروع ہوئی۔ اور چند ہی روز مین یہ حالت ہو گئی کہ عوام نائٹون کی بیحد تعظیم و تکریم کرتے اور سلاطین حامی ملک و ملت خیال کر کے اُنھین اپنا سرمایۂ ناز بتاتے۔

اب یورپ مین یہ طریقہ تھا کہ صرف "فائف" اور اُن سے مافوق مرتبون کے لوگ نائٹ بن سکتے۔ کسی عامی کی مجال نہ تھی کہ نائٹ ہونے کا دعوی کرے۔ جو فائف اپنے خاندان کو بے داغ و بے عیب ثابت کر سکتا اور چار ہم مرتبہ

خاتونوں سے قرابت رکھنے کا مدعی ہو سکتا اُس کے نوجوان لڑکے خاص طریقہ اور خاص رسوم کے ساتھ نائٹ بنائے جا سکتے۔ کبھی کبھی یہ بھی ہوتا کہ کوئی ادنے طبقہ کا آدمی سپہگری کا کمال دکھا کے اور بڑے بڑے میدانون مین ناموری حاصل کر کے نائٹ کا درجہ حاصل کر لیتا۔ اور ایک نیا پیر پیدا ہو جاتا۔

فرانس کے بادشاہ شارلمین کے عہد سے جو سنہ ۲۴۳ محمدی (سنہ ۸۱۴ء) مین دنیا سے رخصت ہوا حروب صلیبیہ کے چھڑنے کے فی مابین جو زمانہ گزرا اُس مین اہل اسپین فرانس۔ اور نارمن لوگون کے اوضاع و اطوار مین ایک انقلاب عظیم ہو گیا تھا جو چندروز کے اندر سارے یورپ مین پھیل گیا۔ اسی انقلاب کا ایک نمونہ یہ بھی تھا کہ سپاہی سلسلہ سے نائٹ بن گئے۔ ابتدا ہی سے نائٹ ہونے والون کو سلاح جنگ کے ساتھ دو ذمہ داریان اپنے سر لینی پڑتین۔ ایک تو یہ کہ سپہ گری کو اپنا پیشہ سمجھین گے اور دوسری یہ کہ حسین عورتون کی خاطر داشت اور خدمت گذاری کرین گے۔ اس کا پتہ نہین چلتا کہ نائٹون کو عورتون کے ساتھ کیون زیادہ خصوصیت تھی؟ اور نازنینان ملک سے خاص تعلقات رکھنا نائٹ ہونے کی ذمہ داریون مین کب اور کیونکر داخل ہوا؟ مگر اس سے یورپ کی اُس وقت کی اخلاقی حالت عالم آشکارا ہو جاتی ہی۔ یہ نوجوان نائٹ ہوتے ہی کسی نہ کسی حسینہ کے عاشقون مین شامل ہو جاتا بلالحاظ اِس کے کہ وہ کس کی بیٹی کس کی بہن اور کس کی جورو ہی۔ اُس خاتون کو وہ "اپنی خاتون" کہتے۔ اور اُس کے لیے لڑنے بھڑنے۔ اور کٹنے مرنے پر ہر وقت تیار رہتے۔ اس قسم کے بہت سے نائٹ اُن دنون ہسپانیہ اور فرانس مین پھیلے ہوے تھے۔ جو مسلمانون سے لڑتے۔ اور اکثر ناکام و نامراد میدان جنگ سے واپس جاتے اور یہی تھے جنھون نے ہسپانیہ کے علاقہ قسطلہ اور مملکت فرانس کو عربون کے ہاتھ سے بچا لیا۔

نائٹون کی یہی حالت چلی آتی تھی کہ حروب صلیبیہ کا زمانہ شروع ہوا۔ اور راہبون کے شور و غوغا اور پوپ کے فتوے سے مذہب عیسوی کو سپاہیون کی ضرورت پیش آئی جو چیز اِس وقت تک از روے دین ناجائز تصور کی جاتی تھی یعنی سپہ گری اب وہ عبادات مین داخل ہو گئی۔ اور نائٹ ہونے مین ایک دینی

تقدس پیدا ہو گیا۔ لہذا اب بجاے اسکے کہ خود نائٹ کسی کو اپنے زمرے مین شامل کرین مقتدایان ملت ملک کے بانکے ترچھے نوجوانون کو نائٹ بنانے لگے۔ اور پادریون اور اسقفون نے اِن مقدس زن پرستون کے زمرے مین شامل کرنے کا یہ طریقہ جاری کیا کہ جسے شوق ہو پہلے چند روز تک روزے رکھے۔ شب زندہ داری و ریاضت کرے۔ پھر غسل کر کے سفید کپڑے پہنے (جس مین بپتسما کا اشارہ تھا) اور سب سے بڑے محترم مقتداے دین کے ہاتھ سے تلوار لے جس مین بزرگان دین کی برکت شامل بتائی جاتی۔ اس رسم کے ادا ہونے کے بعد وہ "خدا کا۔ سینٹ جارج کا۔ اور سینٹ میکائیل کا بانکا" کہا جاتا۔ اُس سے حلف لی جاتی کہ اپنے بانکپن کے فرائض کو سرگرمی سے ادا کرے گا۔ اپنے آپ کو خدا کا اور حسین خاتونون کا سپاہی تصور کرے گا۔ سچ بولے گا۔ حق کا ساتھ دے گا۔ مصیبت زدہ کی مدد کرے گا۔ ہر ایک کے ساتھ خلق و مروت سے پیش آئے گا۔ دشمنان دین سے لڑے گا۔ سہل انکاری۔ غفلت اور اپنی جان بچانے کے جذبات کو حقیر سمجھ کے دل سے نکال ڈالے گا۔ اور اپنی عزت برقرار رکھنے کے لیے سخت سے سخت خطرون کو برداشت کرے گا۔

سپہگری کے کامون اور عشق بازی مین ان لوگون کا انہماک اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ بعض بعض جہلا مین خیال پیدا ہو گیا کہ سوا سپہگری کے اور کوئی پیشہ اختیار کرنا نائٹون کے لیے حرام ہے۔ اور نائٹون کو دین کی برکتون اور فیاضیون سے یہ حق مل گیا ہے کہ مضرت سے بچنے کے لیے جس کسی سے جب انتقام چاہین لے لین۔ یہان تک کہ قوانین تمدن اور فوجی باضابطگی کے قیود سے وہ آزاد ہین۔ چنانچہ کسی قانون کا پابند ہونا وہ اپنی ذلت تصور کرتے۔

برچھا نائٹ کا خاص سلاح تھا۔ اس کا گھوڑا اورون کے جانورون سے قد آور بھاری بھرکم اور طاقتور ہوتا۔ ایک خاص ملازم گھوڑے کا دہانہ پکڑے ہوے ہمیشہ اُسکے ساتھ ساتھ رہتا۔ اور جب تک لڑنے کا وقت نہ آجاتا نائٹ صاحب اُس پہ سوار نہ ہوتے۔ وہ کسی اور تیز قدم یابو یا معمولی گھوڑے پر سوار رہتے۔ نائٹ کا خود۔ زرہ موزے۔ اور تلوار خاص شان اور آن بان

سکے ہوتے۔ میدان جنگ مین اُن کا قاعدہ تھا کہ برچھے کو دشمن کی طرف جھکا کے آڑا کر لیتے۔ اور گھوڑے کو ایڑ بتا کے آگے ریل دیتے۔ میدان جنگ مین نائٹ کے ساتھ اُس کا ایک وفادار رفیق رہتا جو "اسکوائر" کہلاتا۔ اسکوائر ہمیشہ اپنے نائٹ کا ہم سن اور شریف النسل ہوا کرتا۔ اور دراصل وہ نائٹ ہونے کا امیدوار ہوتا۔ تیر کمان۔ شمشیر و خنجر۔ یا اور حربے جن سے نائٹ صاحب لڑتے ساتھ ساتھ رہتے۔ اور صرف نیزے ہی کا اتنا سامان ہوتا جو پانچ پانچ چھ چھ آدمیون پر لدا ہوتا۔ اور وہ سب لڑائی مین سایے کی طرح اس کے ساتھ رہتے۔ عرصۂ جنگ مین اُن کا بانا اور اُن کا شعار ہر ایک مین کوئی جدت اور خصوصیت ہوتی۔

اس گروہ کے پیدا ہو جانے سے یورپ کے زمیندارون اور سرآوردہ لوگون کو یہ آسانی ہو گئی تھی کہ اپنے ذاتی جھگڑون مین اُن سے مدد لیتے۔ اور اُن کی کارگذاریون کا معاوضہ کرتے گویا خدائی فوجدارون کا ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا جن کو معتدبہ رقم دے کے جو چاہتا بلا لیتا۔ اور اپنے جھنڈے کے نیچے آسانی سے ایک زبردست لشکر جمع کر لیتا۔ باقی آئندہ

لطیفۂ حدّانیہ

ہم حسن کی کرشمہ سازیون کے بہت سے نمونے ناظرین دلگداز کی پرشوق نگاہون کے سامنے پیش کر چکے ہین۔ لیکن عفت و محبت کا ایک کرشمہ بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ ہارون رشید کے زمانے مین قبیلۂ ہمدان کا ایک شریف عرب اپنی ایک پری وش اکلوتی بیٹی کو بچپن ہی مین یتیم چھوڑ کے مر گیا۔ یہ معصوم اور الھڑ لڑکی حسن و جمال مین جواب نہ رکھتی تھی اور "لطیفہ" اس کا نام تھا۔ چچا نے اپنے گھر مین رکھ کے ناز و نعم سے پالا۔

اس کے چچا کا واصف نام ایک خوش رو و گل اندام فرزند لطیفہ کا

ہم سِن اور ہم مکتب تھا۔ دونون ایک ساتھ رہتے اور ایک ساتھ پرورش پاتے تھے۔ بچپن سے دونون موسم بہار کے نوشگفتہ پھول بنے ہوے تھے۔ اور جو جو بڑے ہوتے شگفتگی اور خوبصورتی بھی ترقی کرتی جاتی تھی۔ یہان تک کہ دونون کے عنفوان شباب کا زمانہ آگیا۔

اِس پُرخطر عہد زندگی کے شروع ہوتے ہی یکایک لطیفہ کی زندگی مین ایک تغیر شروع ہوا۔ چہرے کی بشاشت اور شگفتگی رخصت ہو گئی۔ لالۂ نوشگفتہ کے سے گال مرجھا گئے۔ آنکھون سے حسرت ٹپکنے لگی۔ چہرہ اُداس ہو گیا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے چمن حسن کے پھولون پر اوس پڑ گئی۔ چچا جو اُسے پھول کی طرح رکھتا تھا نہایت متردد ہوا۔ اس انقلاب کا سبب پوچھا مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ دل کا حال کھلتا ہی نہ تھا۔ آخر سب نے بیماری تجویز کی اور علاج کے لیے اطبا کی طرف رجوع کی گئی۔ مگر چند روز مین تجربہ ہو گیا کہ مرض پر حکیمون کا بھی کچھ زور نہین چلتا۔

چچی ایک زیرک اور ہوشیار و زمانہ شناس خاتون تھی اُس نے کئی دفعہ دیکھا کہ واصف کے حرکات و سکنات کو لطیفہ حسرت کی آنکھون سے دیکھتی ہی۔ اور بار بار اُس کی صورت دیکھ کے اندر ہی اندر ایک ٹھنڈی سانس بھر کے رہ جاتی ہی۔ یہ دیکھ اُس نے دل مین کہا اِس لڑکی کی یہ ساری بیماری اس وجہ سے تو نہین ہی؟ اور کوشش کی کہ زیادہ آزمانے تو اس مرض کے دفعیہ کی کوئی تدبیر نکالے۔ اُس نے یہ بھی دیکھا کہ لڑکی کو بار بار غش سا آجاتا ہی۔ اور بے اختیار بیہوش ہوکے گر پڑتی ہی۔ چچی نے اِس غش کے اوقات پر غور کرنا شروع کیا تو یہ کھلا کہ جب واصف گھر مین اور لطیفہ کی آنکھون کے سامنے ہوتا ہی تو وہ ہوش مین رہتی ہی اور حسرت و اندوہ کے ساتھ اُسکی طرف نگران پائی جاتی ہی۔ مگر جب واصف کہین باہر چلا جاتا ہی تو بیہوش اور آپ سے باہر ہو جاتی ہے۔ یہ حالات دیکھ کے اُسے یقین آگیا کہ لطیفہ کا مرض یقیناً مرض عشق ہے۔ شرافت اور عصمت کے جوش سے دل مین دُبا تی ہے۔ جس سے پُر آتش تنور سینہ

مین اِس بلا کی اُس پیدا ہوتی ہے کہ ہوش و حواس نہین بجا رہتے۔
اِس امر کا پورا پورا یقین کر لینے کے بعد اُس خاتون نے اپنے شوہر سے ذکر کیا۔ اس نے کہا ؛ اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے ؟ غنیمت سمجھو کہ اور کسی کو ابھی خبر نہین ہے۔ ورنہ یہ کہنے کو ہوتا کہ بیٹی کی شادی اُس نوجوان سے کر دی جو پہلے سے اُس پر عاشق تھا۔ اور ہم قبیلہ مین کسی سے چار آنکھین کرنے کے قابل نہ رہتے۔ اور میرا تو پہلے سے یہی ارادہ تھا۔ خیر خدا مبارک کرے اور وہ ہی چار روز کے اندر قاضی صاحب کو بلوا کے دونون کا نکاح پڑھوا دیا۔ غرض ہنسی خوشی دونون کی شادی ہو گئی۔ اور لطیفہ کا مرض دور ہو گیا۔ اُس کے گل رخسار اب پہلے سے زیادہ شگفتہ تھے۔ نرگسین آنکھون مین بے نظیر رسیلا پن پیدا ہو گیا۔ اور دلون طالبان وصال عیش و کامرانی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ جو سچے عاشقون کو بہت کم نصیب ہوا کرتی ہے۔ واصف بھی طبعت کا شوقین واقع ہوا تھا۔ پری جمال و ناز آفرین دلہن کو تاکید کر دی کہ ہمیشہ آراستہ و پیراستہ رہا کرو۔ بناؤ سنگھار کبھی ناغہ نہ ہو۔ اور اچھا سے اچھا عطر لگاتی رہا کرو۔ لطیفہ نے معشوق شوہر کا یہ مذاق دیکھ کے ایسا بننا سنورنا اور نکھرنا شروع کیا کہ حسنِ خداداد اور کو وقافت کی پری معلوم ہوتی۔ جس نے معشوق شوہر کو عاشق صادق بنا دیا۔

مگر افسوس عشق دنیا مین ناکامی و نامرادی ہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر ماں باپ اعزہ و اقارب دوست احباب سب موافق ہون تو قدرت آپ ہی سامان حسرت و ناکامی پیدا کر دیا کرتی ہے۔ اس مقصد وری و آرزومندی کی زندگی کو چند ہی برس گزرے تھے کہ واصف بیمار پڑا۔ چند روز مین سوکھ کے کانٹا ہو گیا۔ اور تھوڑے دنون بعد عین عالم شباب مین دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس جوانا مرگ کا صدمہ ماں باپ کو اور قبیلہ کے ادنےٰ و اعلیٰ کو ہوا مگر اُس مایوس تمنا لطیفہ کے دل پر جو کچھ گزری بیان سے باہر ہے۔ عاشق شوہر کی یاد تو اِس کو کسی

طرح بھولتی ہی نہ تھی۔ مگر غم مین اپنے حسن پر خاک ڈالنا درکنار اُس نے اپنے واسطے زیب و زینت کو ہمیشہ کے لیے لازمی کر لیا۔ صبح و شام شوہر کی یاد مین ماتم کرتی۔ دن بھر آہ جگر دوز کھینچتی۔ اور روز بن ٹھن کر واصف کی قبر پر جا کے گھنٹون آنسو بہاتی۔ رخسار کے پھولون کو آنسوؤن کے گرم پانی سے دھو دھو کے روز کھلاتی۔ اور جب دیکھتی کہ رات زیادہ گئی ہے تو خاک اُڑاتی ہوئی گھر واپس آتی۔ غرض اُس کا یہ معمول تھا کہ بھاری جوڑے پہن کے۔ سارے زیور سے سج کے۔ خوب بن ٹھن کے اور عطر لگا کے قبر پہ آیا کرتی۔

اسی معمول کے مطابق ایک دن وہ بناؤ چناؤ کر کے تُربت جانان پر بیٹھی۔ اشک خونین کے پھول چڑھا رہی تھی کہ عرب کے مشہور شاعر اور امام عرب کے نامی مورخ اصمعی کا اُدھر سے گزر ہوا۔ ایک اور خوش فکر شاعر اُس کے ساتھ تھا۔ دونون نے دُور سے جو ایک ایسی سنوری نازنین کو ایک قبر پر خاموش بیٹھے دیکھا تو متحیر ہو کے قریب گئے کہ اُسکی عجیب و غریب سوگواری کی داستان سنین۔ لطیفہ نے جو دو محرمون کو قریب آتے دیکھا چادر اُوڑھ کے گھونگھٹ نکال لیا۔ سارا پنڈا سمیٹ کے چادر مین ڈھانک لیا۔ اور چہرہ سرنگون کر لیا۔

اصمعی نے جب دیکھا کہ وہ متوجہ ہی نہین ہوتی تو پوچھا "آخر اس رنج والم کا کوئی سبب ہے؟ اور گو ہم اجنبی ہین مگر درد دل کا اظہار خوبصورت چہرے کا دکھانا نہین ہے کہ آپ کو اس مین تامل ہو۔ جواب مین بجاے اس کے کہ بات کرے اُس نے یہ دو شعر پڑھ دیے۔

فَإِن تَسْأَلَانِي فِيمَ حُزْنِي فَإِنَّنِي ۔۔۔ رَهِينَةُ هٰذَا الْقَبْرِ يَا فِتْيَانِ

اگر تم دونون یہ پوچھتے ہو کہ میرا غم کیون ہے تو اے نوجوانو مین اس قبر کے ہاتھ گرو ہون

وَإِنِّي لَأَسْتَحْيِيهِ وَالتُّرْبُ بَيْنَنَا ۔۔۔ كَمَا كُنْتُ أَسْتَحْيِيهِ حِينَ يَرَانِي

گو کہ ہمارے اُسکے درمیان مٹی کا ڈھیر حاجب ہے مگر مین اِس سے اب بھی ویسی ہی شرماتی ہون جس طرح کہ اُس کی آنکھون کے سامنے شرمایا کرتی تھی۔

اصمعی کہتا ہے اس نازنین کا یہ برجستہ جواب سُن کے ہم دونون مبہوت و ششدر رہ گئے۔ مگر وہان زیادہ ٹھہرنا مناسب نہین معلوم ہوا۔ پاس سے

ہٹ آئے اور اُس کی نظر بچا کے قریب ہی درختون کی آڑ مین چھپ رہے تاکہ دیکھین یہ نازنین یہان اکیلی بیٹھ کے کیا کرتی ہی۔ مگر اتنے قریب چھپے تھے کہ اُس کی آواز بخوبی ہمارے کانون مین آسکتی تھی۔ اب میدان خالی دیکھ کے اُس نے یہ اشعار سوز و گداز کے لہجے مین گانا شروع کیے۔

یا صاحب القبر یا من کان یونسنی ۔ و کان یکثر فی الدنیا مواساتی

اے قبر والے! اے وہ جو میرا انیس تھا اور میرے لیے سامان محبت بڑھاتا ہی جاتا ہے۔

قد زرت قبرک فی حلی و فی حلل ۔ کاننی لست من اہل المصیبات

مین نے بھاری بھاری جوڑے پہن کے اور گہنے سے آراستہ ہو کے تیری قبر کی زیارت کی جیسے مجھ پر کوئی مصیبت پڑی ہی نہین۔

ارمت ما کنت تہوی ان تراہ و ما ۔ قد کنت تالفہ من کل ہیئات

مین نے تو اپنے اوپر فرض کر لیا ہی کہ جیسا تم مجھے دیکھنا چاہتے تھے ویسا ہی دکھاؤن اور جتنی دھجین تمھین پسند تھین تمھارے سامنے رہین۔

یہ اشعار سُن کے اصمعی پر بے انتہا اثر پڑا۔ وہ اور اس کا رفیق شام تک وہین چھپے رہے۔ یہان تک کہ رات ہوئی اور حسرت نصیب لطیفہ قبر سے اُٹھ کے اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئی۔ جذبات انسانی کے یہ دونون جاسوس بھی اندھیرے مین اُس کے پیچھے ہو لیے۔ اور جب وہ اپنے گھر مین داخل ہوئی تو اُنھون نے اُس کا پیچھا چھوڑا اور واپس آکے یہ سرگزشت ہارون رشید سے بیان کی۔

رشید نے سنتے ہی ایک آہ کھینچی اور کہا ”آہ! دنیا مین سب نعمتین مل جاتی ہین مگر ایسی وفاداربی بی نہین نصیب ہو سکتی۔ کاش وہ میری بی بی ہوتی مگر جو کچھ ہو کوشش ضرور کرون گا۔ اور فوراً اپنے عامل حیرہ کو فرمان بھیجا کہ فلان مقام اور فلان بستی مین فلان مکان مین ایک مسکین بیوہ ہی۔ اس کے ولیون کو دس ہزار درہم میری طرف سے بطریق مہر دو اور اُس حسین لڑکی کو نہایت ہی عزت و آبرو سے میرے پاس بھیجو۔

افسوس رشید نے اس نازنین کی قدر دانی تو کی مگر اس کا خیال نہ کیا کہ ایسی محبت وعصمت والی بی بی جس کی ہوئی اُسکی ہوئی - پھر اُسکے بعد کسی دوسرے کی نہین ہو سکتی - اور اگر دوسرے کی ہو جائے تو پھر محبت ہی کیا ہے؟ والی بصرہ نے لطیفہ کے چچا کو روپیہ دیا - اور بلا لحاظ رضامندی حاکمانہ انداز سے لڑکی کو رخصت کرا کے بڑے کرّ وفر اور نہایت ہی اہتمام کے ساتھ بغداد کی طرف روانہ کیا - اور حسرت نصیب لطیفہ سے وہ پیاری قبر بھی چھڑا دی جو اُس کے جینے کا سہارا تھی - جس کے سامنے بیٹھ کر اور سیکڑون طرح کے بناؤ کر کے وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالتی اور دنیا کو اپنے حسن کی بہار دکھا دیا کرتی تھی - اب شاہی جلوس اُسے ملکۂ عالم بنا کے بغداد کی طرف لیے جاتا تھا - مگر اُس کا دل مرحوم محبوب کی قبر ہی سے لپٹا ہوا تھا - اسی کشمکش مین مدائن کے کھنڈرون تک پہونچی تھی کہ فراق تربت دلدار کے صدمے سے اُس کی روح پرواز کر گئی سب ارمان کر کے رہ گئے - اور اصمعی اور رشید دونون اپنی اس جبریہ کارروائی پر کف افسوس ملنے لگے - اُس کے اس جان دیدینے کو رشید کے دل پر اس قدر اثر پڑ گیا تھا کہ اصمعی کہتا ہے اُس کی یاد زندگی بھر نہ بھولی - اور جب یاد آ جاتی اُس دردمند خلیفہ کی آنکھون مین آنسو بھر آتے -

---

ریویو

مقالات سرسید - شیخ ضیاء الحق صاحب نے یہ بہت ہی اعلی درجہ کا کام کیا ہے سرسید مرحوم کے تمام اقوال اُنیس قسمون مین تقسیم کر دیے گیے ہین - جن سے دینی و دنیوی ہر قسم کی ہدایتین بہ آسانی حاصل کی جا سکتی ہین - اور ہدایت کے بعد اُس کے ماخذ اور ماخذ کے صفحہ کا حوالہ دیا ہے - سید صاحب مرحوم کے ہر معتقد کو اس کتاب کا ایک نسخہ لازمی طور پر اپنے پاس رکھنا چاہیے - پوری کتاب ۱۸/۲۲ پیمانے کے ۱۴۴ صفحون پر ختم ہوئی ہے - کاغذ اچھا ہے - چھپائی

بھی بُری نہین - اور قیمت فی جلد ایک روپیہ ہے - ہمین یقین ہے کہ سید صاحب کے دلدادہ اُن جواہر بے بہا کی خریداری مین جو اِس دُرج مین جمع کر دیے گئے ہین نقد جان نذر کرنے مین تامل نہ کرین گے -
درخواستین شیخ ضیاء الحق صاحب سابق ایڈیٹر پیشوا کے پاس لاہور - چوک متی ،، کے پتہ بھیجی جائین -

قواعد اردو - مولوی محمد عبدالحق صاحب بی - اے مہتمم تعلیمات اورنگ آباد (ریاست نظام) اور سکرٹری انجمن ترقی اردو کی وہ بے مثل تصنیف جس کا مدت سے انتظار تھا آخر شائع ہو گئی - ہماری امید کے مطابق مولانا نے اردو زبان کی نحو و صرف کو نہایت ہی صحیح اصول پر مرتب و مدون کر کے تمام مروجہ قواعد کو منسوخ کر دیا ہے - گو کہ ہمین اُس سے بعض مقامات مین جزئی اختلاف ہے مگر کلیۃً اِس کو اپنی زبان کی قابل فخر تصنیف تسلیم کرتے ہین - اب اُن اصول کو پیش نظر رکھ کے جو کتابین لکھی جائین گی زبان کی بیحد اصلاح کرین گی - نظام گورنمنٹ اور نیز برٹش گورنمنٹ کے محکمہ ہائے تعلیم کو بلا تامل اسے نصاب تعلیم مین داخل کرنا چاہیے - پنجاب اور مدراس گورنمنٹون کو ایسی تصنیف کی بیحد ضرورت تھی - اب اگر وہ قدر دانی نہ کرین تو سمجھنا چاہیے کہ زبان اردو کے متعلق وہ اپنے فرائض کو بھی ادا نہ کرینگی قیمت صرف ایک روپیہ ہے " الناظر پریس - لکھنؤ فلاورل " سے یا خود سکرٹری صاحب انجمن اردو سے " اورنگ آباد - ریاست نظام ،، کے پتہ پر درخواستین بھیج کے طلب کی جائے -

---

اطلاع

جملہ خریداران دلگداز کی خدمت مین التماس ہے کہ وہ خط و کتابت مین اپنا خریداری کا نمبر لازمی طور پر بتا دیا کرین جو اُن کے پتہ کے ساتھ لکھا ہوتا ہے - رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۱ ڈاکخانہ کا نمبر ہے اِس کے حوالہ کی ضرورت نہین -
" منیجر دلگداز "

نرخ نامہ اجرت اشتہار

آپ کو غالباً معلوم ہوگا کہ دلگداز کی اشاعت دو ہزار سے زیادہ ہی اور ایک مشہور اور مستند رسالہ ہونے کی وجہ سے تمام خریدار اُسکے پرچون اور اُسکی جلدونکو محفوظ رکھتے ہین - اور اشتہارات کے لیے اشاعت کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہین ہو سکتا - عام اخبارات پر صرف ایک دفعہ اشاعت کے وقت لوگونکی نظر پڑتی ہی اور دلگداز کے اشتہارون پر سالہا سال تک ہمیشہ نظرین پڑتی رہتی ہین مجھے یقین ہی کہ دلگداز مین اشتہارات کو شائع کراکے آپ جو فائدہ اُٹھا سکتے ہین اور کسی طرح ممکن نہین - اس سے پہلے دلگداز مین اشاعت اشتہارات کی طرف بہت کم توجہ کیگئی - لیکن اب خاص اہتمام کیا گیا ہی - دلگداز کی قیمت اسقدر کم ہی کہ قطعی امید ہی کہ سال کے اندر اندر اس کی اشاعت چار پانچ ہزار ہو جائیگی - ڈیڑھ روپیہ سالانہ چندہ مع محصول ڈاک اور پھر ختم سال پر ایک نیا ناول مفت - اس صورت مین کون خریداری نہ کرے گا -

نرخ نامہ حسب ذیل ہے

قسم کاغذ	مدت اشتہار	ایک صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
معمولی کاغذ	سالانہ	۵۰	۳۵	۲۵
"	چھ ماہ	۳۰	۲۰	۱۴
"	تین ماہ	عہ	عہ/	عہ
"	ایکمرتبہ	ٹہ	سے/	للعہ/

ٹائیٹل پیج - پورے صفحہ اور سال بھر سے کم کیلیے اشتہار نہ لیا جائیگا - اجرت فی صفحہ سالانہ - ۶۰ /

المشتہر مینیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

دلگداز پریس

عمدہ اور اعلی درجہ کی چھپائی اور پھر اُسکا وقت پر ملجانا غیر ممکنات مین سے تصور کیا گیا ہی - اس کمی کو دیکھ کے دلگداز پریس نے چھپائی کا نہایت اعلی درجہ کا انتظام کیا ہی - اور اس اہتمام کے ساتھ کہ جس تاریخ کتاب کے مکمل چھاپ دینے کا وعدہ کیا جائے اُسی تاریخ دیدی جائے اس مطبع کو خاص فوقیت یہ بھی حاصل ہی کہ مولانا محمد عبد الحلیم صاحب سے اصلاح و مشورہ اور تصحیح ترمیم مین مدد ملسکتی ہی - جن صاحبونکو اپنی کتابین عمدہ اور جلد چھپوانا ہون فوراً اطلاع دین - کہ خیال رہے کہ صرف اعلی درجہ کی چھپائی ہوتی ہی - چھپائی کا نرخ مراسلت سے طے ہو سکتا ہی - کیونکہ اُسکا دارومدار زیادہ تر کاغذ اور لکھائی کی نوعیت پر ہے -

ملتمس مینیجر دلگداز پریس لکھنؤ

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

فارسی شاعری کا اصلی اُٹھان مثنوی سے ہوا ہی - اور یہ صنف شاعری ہمیشہ سب سے زیادہ اہم اور باوقعت سمجھی گئی - ابتدا فردوسی کی رزمیہ مثنوی شاہنامے سے ہوئی - پھر نظامی - سعدی - مولانائے روم - خسرو - جامی - اور ہاتفی وغیرہ نے اس مین اعلی ترین شہرت و ناموری حاصل کی - اردو مین میر تقی میر نے چھوٹی چھوٹی بہت سی مثنویان دہلی و لکھنؤ کے قیام کے زمانے مین لکھی تھین مگر وہ اس قدر مختصر اور معمولی ہین کہ مثنویون کے تذکرے مین اُن کا ذکر بھی بے محل سا معلوم ہوتا ہی -

مثنوی لکھنے کا آغاز اردو مین میر ضاحک کے بیٹے میر غلام حسن حسن سے ہوا - جو بچپن ہی مین اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ لکھنؤ چلے آئے تھے - یہین کی صحبت مین اُن کا نشو و نما ہوا تھا - یہین پرورش پائی تھی - اور یہین کی آب و ہوا کے آغوش مین اُن کی شاعری پلی تھی - کیونکہ جس تعلیم اور جس سوسائٹی نے اُن سے مثنوی "بے نظیر و بدر منیر" لکھوائی وہ خالص لکھنؤ کی تھی - اسی زمانہ مین نواب مرزا محمد تقی خان ہوس نے مثنوی لیلی مجنون لکھی - اور لکھنؤ مین مثنویت کا مذاق بڑھنا شروع ہوا - آتش اور ناسخ کے زمانے مین تو ذرا خاموشی رہی - مگر پھر جو یہ مذاق اُبھرا تو پنڈت دیا شنکر نسیم نے گلزار نسیم - آفتاب الدولہ قلق نے طلسم الفت - اور نواب مرزا شوق نے بہار عشق زہر عشق اور فریب عشق لکھین - اور انھین اس قدر عام نمود و شہرت اور عالمگیر مقبولیت حاصل ہوئی کہ ہر ادنے و اعلے کی زبان پر اِن مثنویون کے اشعار چڑھ گئے - اس سے پیشتر کے زمانے مین کسی صاحب نے مثنوی میر حسن کے جواب مین لذت عشق

نام ایک مثنوی لکھی تھی وہ نواب مرزا شوق کی مثنویون کے ساتھ شائع ہونے کی وجہ سے اُنھین کی جانب منسوب ہوگئی۔ لیکن حقیقت مین نہ وہ اُن کی ہی اور نہ اُن کے زمانے کی ہی۔

ان سب مثنویون کے دیکھتے مثنوی گلزار نسیم باوجود عام مقبولیت کے صدہا غلطیون سے مملو ہے۔ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ ایک نازک خیال نومشق ہے جو ہر قسم کی شاعرانہ خوبیان اپنے کلام مین پیدا کرنا چاہتا ہے مگر قادر الکلامی کے نہونے سے قدم قدم پر ٹھوکرین کھاتا ہی۔ اور کسی جگہ اپنے مقصد کو نہین حاصل کرسکتا۔ اِس کے جواب مین آغا علی شمس نے جو ایک بہت ہی کہنہ مشق شاعر تھے اسی بحر مین ایک مثنوی لکھی تھی۔ جس مین غلطیون سے پاک رہ کے تشبیہات استعارات اور رعایت لفظی کے کمالات دکھائے تھے۔ مگر افسوس وہ مثنوی مٹ گئی۔ اور گلزار نسیم کو جو شہرت حاصل ہوچکی تھی اُس پر غالب نہ آسکی۔ دہلی مین ان دنون مومن خان نے چند چھوٹی بے مثل مثنویان لکھین جو بہت ہی مقبول اور مشہور ہوئین۔

مومن خان کے مذاق شاعری مین نازک خیالی بڑھی ہوئی تھی۔ خیالی تشبیہون اور استعارون پر وہ اپنی سخن آفرینی کی عمارت قائم کرتے تھے۔ مثنویون مین وہ زیادہ تر خیالی جذبات و صفات کو متشخص کرکے اپنے کلام مین ایک خاص لطف پیدا کیا کرتے تھے۔ مومن خان کے ایک شاگرد نسیم دہلوی لکھنؤ مین آئے۔ اور یہان کے مشاعرون مین اپنا رنگ ایسا جمایا کہ بہت سے لوگ اُن کے شاگرد ہوگئے۔ نسیم دہلوی نے لکھنؤ مین اپنے اُستاد کے رنگ کو خوب چمکایا۔ اور اُن کے شاگرد تسلیم لکھنوی نے اردو مثنویون مین نظیری و عرفی و صائب کی خیال آرائیان دکھادین۔ اور نظم اردو مین جیتے جاگتے فیضی و غنیمت لا کے کھڑے کردیے۔ ادھر آخر زمانے مین مولوی میر علی حیدر طباطبائی نظم لکھنوی نے شراب کی مذمت مین ساقی نامۂ شقشقیہ کے نام سے ایک ایسی بے نظیر اخلاقی نظم اردو پبلک کے سامنے پیش کردی کہ اُس کا جواب نہین ہوسکتا۔ غرض کہ مومن خان کی چند مختصر مثنویون سے اگر قطع نظر کرلی جاے تو اردو مثنوی گوئی کا آغاز بھی لکھنؤ مین ہوا۔ اور ترقی بھی یہین ہوئی۔

بعض حضرات مثنوی میرحسن اور گلزار نسیم کے ذریعہ سے دہلی اور لکھنؤ کی زبان کا مقابلہ و موازنہ کیا کرتے ہین۔ جس خیال کو مولوی محمد حسین صاحب آزاد نے اور زیادہ قوت دیدی۔ لیکن اول تو گلزار نسیم کو نظیر اکبرآبادی کے بنجاری نامے کی طرح اگر شہرت ہو بھی گئی تو اُسے مثنوی میرحسن کے مقابلہ مین رکھنا اردو شاعری کی سخت تذلیل و توہین ہے۔ صحیح مقابلہ ہو سکتا ہی تو مثنوی میرحسن اور مثنوی طلسم الفت کا۔ اور اگر گلزار نسیم کی زبان زبردستی لکھنؤ کی زبان مان بھی لی جائے تو مثنوی میرحسن اور گلزار نسیم کا مقابلہ دہلی اور لکھنؤ کی شاعری کا نہین بلکہ خود لکھنؤ کی اگلی پچھلی زبانون کا مقابلہ ہی۔ اسلیے کہ مثنوی میرحسن لکھنؤ کی پہلی زبان کا نمونہ ہے اور یہ آخری زبان کا۔

شاعری کی ایک اہم اور قدیم ترین صنف مرثیہ خوانی ہے۔ قدیم عربی شاعری مین زیادہ تر مرثیے اور رجز ہی شعر و سخن مین اظہار کمال کا ذریعہ تھے۔ فارسی مین مرثیہ خوانی کمزور پڑ گئی تھی۔ لیکن جب بعہد سلاطین صفویہ ایران مین مذہب شیعہ کو فروغ حاصل ہوا تو مصائب اہل بیت رسالت کی یاد تازہ کرنے کے لیے شعرا کو مرثیہ خوانی کیطرف توجہ ہوئی۔ مولانا محتشم کاشی نے چند بندون کا ایک بے مثل مرثیہ لکھا تھا جو عموماً مقبول ہوا۔ اس کے بعد سے رواج تھا کہ شعرا کبھی کبھی ماتم حسین مین دو ایک مرثیہ بھی موزون کر دیا کرتے۔ لیکن شعر و سخن کی دنیا مین مرثیہ گوئی کی وقعت اس قدر کم تھی کہ مشہور تھا "بگڑا شاعر مرثیہ گو" پھر جب مذہبی اعتبار سے دولت صفویہ مرحومہ کی جانشین اودھ کی سلطنت قرار پائی تو لکھنؤ مین مجالس کی ترقی و عزاداری کے جوش و خروش نے مرثیہ گوئی کی ایسی قدردانی کی کہ اس فن کو غیر معمولی عروج حاصل ہونا شروع ہوا۔ اور دراصل لکھنؤ کے عروج کا سارا راز اِسی تاریخی واقعہ مین مستتر ہے۔ ہندوستان مین مغلون کی سلطنت تھی جنھون نے فارسی زبان کو درباری زبان قرار دیا۔ اور فارسی معاشرت اُن کی امیرانہ زندگی اور اُن کے تمام کمالات کا مرکز تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ ہر ایرانی ہندوستان مین آتے ہی آنکھون پر بٹھایا جاتا۔ اور اُس کی ہر حرکت اور ہر وضع مقبولیت کی نگاہون سے دیکھی جاتی۔ دہلی کی سلطنت مین بادشاہون کا مذہب سُنی ہونے کی وجہ سے ایرانی اپنی بہت سی باتون کو

چھپاتے۔ اور وہان کی محفلون مین اس قدر شگفتہ نہ ہونے پاتے جس قدر کہ وہ اصل مین تھے۔ اودھ کا دربار شیعہ تھا۔ اور یہان کا خاندان حکمرانی خاص خراسان سے آیا تھا۔ اسلیے یہان ایرانی بالکل کُھل گئے۔ اور اپنے اصلی رنگ مین نمایان ہونے کی وجہ سے وہ جس قدر شگفتہ ہوے اُسی قدر زیادہ ہم مذہبی کے باعث یہان کے اہل دربار نے اُن کے اوضاع واطوار کو حاصل کرنا شروع کیا۔ اور ایرانیت جو دراصل ساسانی اور عباسی شان وشوکت کے آغوش مین پلی ہوئی تھی چند ہی روز کے اندر لکھنؤ کی معاشرت مین سرایت کر گئی۔

غرض سودا و میر کے زمانے مین میان سکندر۔ گدا۔ مسکین اور افسردہ مرثیہ گو تھے۔ جو چھوٹی چھوٹی نظمین شہادت امام حسین کے بیان مین تصنیف کر کے مجلسون مین سنادیا کرتے۔ اُن کے بعد میر خلیق اور میر ضمیر نے مرثیہ گوئی کو بہت ترقی دی۔ اور مرثیون کی موجودہ وضع اِنھین کے زمانے مین ایجاد ہوئی۔ یہان تک کہ زمانہ میر ضمیر کے شاگرد مرزا دبیر اور میر خلیق کے صاحبزادے میر انیس کو ناموری کے شہ نشین پر لایا اور اِن دونون بزرگون نے مرثیہ خوانی مین ایسے ایسے کمالات شاعری دکھائے کہ شعر وسخن کے آسمان پر آفتاب وماہتاب بن کے چمکے۔ وہی مقابلہ جو میر وسودا اور آتش وناسخ مین رہا تھا اب میر انیس اور مرزا دبیر مین قائم ہوا۔ مرزا دبیر مین شوکت الفاظ تھی۔ بلند خیالی تھی۔ اور علم وفضل کا زور تھا۔ میر انیس مین سادی بے تکلف اور جذبات انسانی پر حکومت کرنے والی زبان کی وہ خوبیان تھین جو سوا مبداء فیاض کی عنایت کے سیکھنے سے نہین آسکتین۔ ان دونون بزرگون نے فن مرثیہ گوئی کو اور شاعری کی تمام اصناف سے بڑھا دیا۔ اور ادب اردو مین وہ نئی چیزین پیدا کر دین جن کو انگریزی تعلیم کے اثر سے طبیعتین ڈھونڈھنے لگی تھین۔

انیس ودبیر نے مرثیہ گوئی کو اس درجۂ کمال پر پہونچا دیا تھا کہ اب مرثیہ گوئی بجاے معیوب ہونے کے سب سے بڑا شاعرانہ ہنر بن گئی تھی۔ تمام اہل لکھنؤ اِن دونون بزرگون کے اِس قدر معترف ومداح ہوے کہ سارا شہر دو گروہون پر بٹا ہوا تھا۔ اور ہر سخن سنج یا انیسیا تھا یا دبیریا۔ اور ان دونون گروہون مین

ہمیشہ باہمی مخالفت رہتی۔

میر انیس نے مرثیہ گوئی کے ساتھ مرثیہ خوانی کو بھی ایک فن بنا دیا۔ یونانیون کے بعض مقررون اور خطیبون کی نسبت سنا جاتا ہی کہ اُنھون نے اپنی تقریرون مین اثر پیدا کرنے کے لیے خاص خاص کوششین کی تھین۔ اور آواز کے نشیب و فراز اور اوضاع و اطوار کے تغیرات سے گفتگو مین اثر پیدا کرتے تھے۔ اسلام کی اس طولانی عمر مین اِس نہایت ضروری فن کو اصول کے ساتھ خاص میر انیس نے زندہ کیا۔ الفاظ کے مناسب آواز کے تغیرات اور مضامین کے موافق چہرہ بنا لینے۔ کلام کو اعضا و جوارح کے متناسب حرکات اور خط و خال کے اشارات سے قوت دینے کا فن خاص لکھنؤ کی اور وہ بھی میر انیس کے گھرانے کی ایجاد ہے جس کی ترقی مین اب تک کوششین جاری ہین۔ اور ہمارے اسپیکر اپنی فصیح البیانی مین اثر پیدا کرنے کے لیے اگر اِن باکمالون کی شاگردی کرین تو نہایت ہی کامیاب اسپیکر ثابت ہون۔

ڈراما کا فن سخن جو مغربی شاعری کی جان ہی اُس سے عربی و فارسی کا ادب مطلقاً خالی تھا۔ اور فارسی کی شاگردی کی وجہ سے اردو مین بھی اُس کی طرف کبھی توجہ نہین کی گئی۔ سنسکرت مین اعلے درجہ کے ڈراما تھے۔ مگر اُن سے ہندوستان کی آخری سوسائٹی بالکل ناآشنا ہو چکی تھی۔ رام چندر جی اور سری کرشن جی کے کارنامے البتہ ہندوون مین مذہبی آداب کے ساتھ دکھائے جاتے تھے مگر اردو شاعری کو اُن سے کسی قسم کا تعلق نہ تھا۔ رام چندر جی کے حالات انگلستان کے اُلمپیا کی طرح کھلے میدانون مین رزمیہ نقالیون کی شان سے دکھائے جاتے۔ اور سری کرشن جی کے حالات رقص و سرود اور موسیقی کے پیرایے مین مذہبی اسٹیجون پر بعینہ اُپیرا کے طریقے سے نظر آتے "جو رہس" کہلاتے۔ واجد علی شاہ کو رہس سے خاص دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اور رہس ہی کے پلاٹ سے ماخوذ کر کے انھون نے اپنا ایک ڈراما تیار کیا جس مین وہ کنھیا جی بنتے یا عشق کے ستائے ہوے جوگی بن کے دھونی رماتے۔ اور بہت سی عورتین پریان اور عاشق مزاج گوپیان بن کے انھین ڈھونڈھتی پھرتین۔

پھر جب قیصر باغ کے میلون کا دروازہ عوام الناس کے لیے بھی کھل گیا تو سارے شہر کے شوقینون مین ڈراما کا مذاق پیدا ہو کے خودبخود ترقی کرنے لگا۔ اور چند ہی روز مین اِس شوق کو اِس قدر ترقی ہوئی کہ بعض مشہور شعرا بھی اُس زمانے کے مذاق کے موافق طبع آزمائیان کرنے اور ڈراما لکھنے لگے۔ چنانچہ واجد علی شاہ کے شوق کے ساتھ ہی میان امانت نے جو ایک مشاق شاعر تھے اندر سبھا لکھی۔ اور موجودہ عہد کی کمپنیون کی طرح شہر مین جابجا مختلف جماعتین اُن کی "اِندر سبھا" کو اسٹیج پر کھیلنے لگین۔ جن مین کہین عورتین اور کہین کمسن لڑکے ایکٹ کرتے۔ اِس اندر سبھا مین اصول موسیقی کے مطابق دلکش دُھنین قائم کی گئین۔ اور سارا شہر اندر سبھا کے جلسہ دیکھنے کا مشتاق تھا۔ میان امانت کی اندر سبھا کی کامیابیان دیکھ کے اور لوگون کو بھی شوق ہوا۔ اور اس قسم کے بہت سے ڈرامے ایجاد ہو گئے۔ اور سب کا نام "سبھا" قرار پا گیا۔ چنانچہ شہر مین مداری لال وغیرہ کی بہت سی سبھائین قائم ہو گئین جن کے پلاٹ بدلے ہوے تھے۔

سبھا کے نئے رنگ نے شہر مین ایسی زندہ دلی پیدا کر دی کہ سوا اندر سبھا کے لوگ کسی اور قسم کا ناچ گانا پسند ہی نہ کرتے تھے۔ ہر طرف سبھاؤن کی دھوم تھی۔ اور اس کی بنیاد پڑ گئی کہ سوسائٹی کے مذاق کے مطابق اگلے عاشقانہ قصے نقل کے طور پر اچھی نظمون مین اور دلکش مضمون کے ساتھ پبلک کے سامنے پیش کیے جائین۔ اس مین شک نہین کہ پارسی تھیٹرون نے اپنی انتظامی خوبیون اور نمائشی دلفریبیون کی وجہ سے سبھاؤن کا رنگ پھیکا کر دیا۔ لیکن یہ نہ سمجھو کہ ڈراما کا وہ پُرانا مذاق جو لکھنؤ مین ایجاد ہو کے مروج ہوا تھا مٹ گیا۔ اول تو پارسیون نے بھی اِس چیز کو لکھنؤ سے لیا ہے۔ اُن کا پہلا عام کھیل امانت کی اندر سبھا تھا۔ اور باوجود اس کے لکھنؤ کے تمام قومی جلسون مین آج تک سپیرے۔ ہرکشن چندر۔ وغیرہ کے ایسے پیسیون پر فارنس ہو رہے ہین اور اس مذاق کے ایکٹرون کا ایک مستقل گروہ پیدا ہو گیا ہے جو شرفا مین سے قومی ڈراما کا مذاق اُٹھ جانے پر بھی عوام کو محظوظ کرتا ہے۔ بہر تقدیر اس مین شک نہین کیا جا سکتا کہ اردو

ڈراما کی بنیاد خاص لکھنؤ ہی مین پڑی - اور یہین سے سارے ہندوستان مین اسکا رواج ہوا -

اردو شاعری کی ایک قسم واسوخت ہین - یہ خاص قسم کے عاشقانہ مسدس ہوتے ہین - اور اُن کا مضمون عموماً یہ ہوتا ہی کہ پہلے اپنے عشق کا اظہار اس کے بعد معشوق کا سراپا - اُس کی بے وفائیان - پھر اُس سے روٹھ کے اُسے یہ باور کرانا کہ ہم کسی اور معشوق پر عاشق ہو گئے - اُس فرضی معشوق کے حسن و جمال کی تعریف کر کے معشوق کو جلانا چھیڑنا - جلی کٹی سنانا اور یون اُس کا غرور توڑ کے پھر ملاپ کر لینا - نظم اردو کی یہ قسم لکھنؤ ہی سے شروع ہوئی - اور زمانۂ وسط کے قریب قریب تمام شاعرون نے واسوخت لکھے ہین - اور اُن مین بڑے بڑے لطف پیدا کیے ہین - دہلی مین بھی بعد کے زمانے مین مختلف واسوخت لکھے گئے - خصوصاً مومن خان نے کئی بہت اچھے واسوخت لکھے - مگر آغاز لکھنؤ ہی سے ہوا -

اُمرا کی عیاشانہ طبیعتون نے شاعری کی کئی اور صنفون کو بھی پیدا کرایا جن کا آغاز دہلی ہی سے ہوا تھا - ان مین سب سے زیادہ مہمل ہزل گوئی ہے اور کسی قدر پر لطف ریختی ہی - ہزل گوئی کا آغاز دہلی مین جعفر زٹلی سے ہوا - جو غالباً محمد شاہ کے زمانے مین تھے - اُن کے کلام کو مین نے اول سے آخر تک دیکھا ہی - سوا فحش گوئی اور حد سے گذری ہوئی بیحیائی کے نہ کوئی شاعرانہ خوبی نظر آتی ہی اور نہ زبان کا کوئی لطف ہی - اس کے بعد دہلی ہی کی خاک نے صاحبقران کو پیدا کیا جن کا عروج غالباً لکھنؤ مین اور لکھنؤ کے درمیانی دور مین ہوا - اگرچہ ان کے حالات اور اُن کا زمانہ مجھے کسی معتبر ذریعہ سے نہین معلوم ہو سکا - لیکن معلوم ہوتا ہی کہ لکھنؤ ہی کے مبتذل مذاق والے رئیس زادون مین اُن کا نشو و نما ہوا - اُن کا دیوان ملتا ہے - اور گو کہ کلام فحش اور تہذیب سے کوسون دور ہی مگر پھر بھی اُس مین ایک بات ہی - شاعرانہ خوبیون کے ساتھ زبان اور محاورون کا پورا لطف ہی - لیکن اِس فن کو لکھنؤ کے آخری دور مین میان مشیر نے جو مرزا دبیر کے شاگرد تھے کمال کے درجے کو پہونچا دیا -

مجھے اس موقع پر بلا لحاظ اس کے کہ شیعون اور سنّیون کے متعصبانہ

جذبات کا لحاظ کرون یہ بتا دینا ضروری ہے کہ لکھنؤ مین جب شیعہ سلطنت قائم ہوئی شیعیت نے اپنے اصلی رنگ کو قائم رکھ کے کمال آزادی کے ساتھ اپنے ہر اصول مین ترقی شروع کی۔ مذہب شیعہ کی بنیاد دو چیزون پر ہے۔ ایک تولاّ یعنی اہلبیت کرام اور خاندان نبوت کے ساتھ اظہار محبت۔ اور دوسرا تبرّا یعنی اُس محترم خاندان کے دشمنون سے اپنی برات ظاہر کرنا۔ جس نے باہمی رقابت و تعصب کے بڑھنے سے سب و شتم کی صورت اختیار کر لی۔ اصولاً اس عقیدے مین سُنّی بھی اُن کے ساتھ شریک ہین مگر فرق یہ آ پڑا کہ پہلے تینون جانشینان رسالت کو اہل سنت افضل الناس بعد انبیا و رسل اور سچے جانشینان رسالت مانتے ہین۔ اور شیعہ اُن کو غاصب و ظالم بتاتے ہین۔ اور جب یہ بزرگ بھی اُن کے عقائد مین خاندان رسالت کے دشمن قرار پائے تو اُن سے بھی تبرا واجب ہو گیا۔ جس کو مہذب اور صاحب علم لوگون نے اگر حرف برات کے صحیح معنون کی حد تک رکھا تو عوام شیعہ اپنے مذاق کے مطابق اُن پر زبان سب و شتم دراز کرنے لگے۔ اور یہی چیز سُنّی شیعون کی باہمی تعصب کی بنا قرار پا گئی۔

ان دونون مذہبی چیزون نے لکھنؤ کی شاعری پر نہایت ہی عمدہ اور مناسب اثر ڈالا۔ تولاّ نے مرثیہ گوئی کے فن کو اپنے آغوش مین لے کے جملہ اصناف شاعری سے بڑھا دیا تو دشمنان خاندان نبوت سے تبرّا کرنے کے جوش نے پرانی ہجو گوئی کو اختیار کر کے اُسے ہزل گوئی کے نام سے ترقی دی۔ اس فن کے متعدد باکمال لکھنؤ مین مشہور ہوے مگر افسوس کہ یہ چیز بالتخصیص اہل سنت کو ناگوار گزرنے والی تھی عہد شاہی مین اس پر تلوارین نکل پڑا کرتی تھین۔ اور انگریزی مین بھی آج تک کبھی کبھی فوجداریان اور مقدمہ بازیان ہو جایا کرتی ہین۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہزل گوئی و ہزل خوانی کو مکانون کی چار دیواری سے باہر نکلنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ اگر ہزل گوئی کا عام سبجکٹ ایسا محدود اور مابہ النزاع نہ ہوتا تو زمانہ دیکھتا کہ لکھنؤ کے ہزل گوؤن نے اپنی بیہودہ گوئیون اور فحاشیون مین بھی کیسے کیسے کمال دکھائے ہین۔

اس فن مین سب سے زیادہ شہرت مرزا دبیر کے شاگرد میان مشیر کو حاصل ہوئی۔ہجوگوئی اور فحاشی پہلے بھی تھی مگر مشیر نے جس قسم کے محاورات سے کام لیا۔بندش الفاظ۔طرز ادا۔اور استعمال تشبیہات مین جیسی مضحکہ خیزی پیدا کی۔اور صحبت کو مارے ہنسی کے لٹا دینے۔اور سامعین کے پیٹ مین بل ڈالدینے کے لیے جو زبان اور جیسا اسلوب سخن اختیار کیا اُس کی خوبیان اور جدتین بیان سے باہر ہین۔ابتذال مین بھی لطف پیدا کر کے اُسے شائستہ لوگون کے سامنے پیش کرنے کے قابل بنا دیا اُن کا خاص جوہر تھا جو اُن سے پہلے اور بعد کسی کو نہین نصیب ہوا۔

ہزل گوئی کے سلسلہ مین میان چرکین کا نام بھی لینا چاہیے۔لکھنؤ کے زمانہ وسطی مین عاشور علی خان نام ایک زندہ دل اور نہایت ہی قابل و با مذاق رئیس تھے۔اُن کے وہان کی صحبت اِس وقت کی سوسائٹی کا ایک اکمل ترین نمونہ تھی۔انھین نے جان صاحب اور چرکین کو پیدا کیا۔اور بعض لوگ کہتے ہین کہ انھین کی صحبت مین صاحبقرا کا بھی نشو و نما ہوا تھا۔چرکین اپنے ہر شعر مین پیشاب پخانے کی رعایت رکھتے۔اور اُن کے اشعار سے ایسی تعفن آتی ہو کہ نام سنتے ہی ہمارے ناظرین کے دماغ سڑ گئے ہون گے۔مگر چونکہ ان کو ایک قسم کی خصوصیت تھی ہم نے اُن کا ذکر کر دیا۔اُن کے کلام مین بعض شاعرانہ خوبیان اور اچھی تشبیہین بھی ہین مگر اُن کے مذاق نے اُن خوبیون کو بھی گندہ اور پلید کر دیا ہے۔

لیکن ریختی کا فن باوجود غیر مہذب ہونے کے دلچسپ ہو اور چرکین کی شاعری کی طرح اذیت رسان نہین۔مردون اور عورتون کے محاورون اور لہجے مین تھوڑا بہت فرق ہر زبان مین ہوا کرتا ہو۔مگر اتنا نہین جتنا کہ اردو مین ہو۔یا شاید ہین دوسری زبانون پر اتنی قدرت نہ ہو کہ مردون اور عورتون کی زبان کا جتنا فرق اپنی زبان مین نظر آتا ہو اُن مین نہ نظر آتا ہو بہرحال ہمارے علم کی حد تک اردو اس خصوصیت مین بڑھی ہوئی ہو۔فارسی اور عربی کا یہ مذاق تھا کہ عورتین شعر کہتین تو اپنی زبان مین کہتین۔اور مرد کبھی عورتون کی زبان سے کوئی خیال کراتے تو زبان مین لطف پیدا کرنے کے لیے اُن کی زبان اختیار کر لیتے۔یہی حال انگریزی کا ہو اردو شاعری ہمیشہ سے صرف مردون کی زبان مین رہی۔یہان تک کہ اس مین عورتین کہتی بھی ہین تو مرد بن کے کہتی ہین۔مردون ہی کی زبان اختیار

کرتی ہین اور اپنے لیے ضمیرین تک مذکر استعمال کرتی ہین۔ اگر شاعر کا نام نہ معلوم ہو تو کوئی نہین پہچان سکتا کہ یہ کسی عورت کا کلام ہی یا مرد کا۔

اردو شاعری کا تیسرا یا چوتھا ہی دور تھا کہ شوخ طبع جوانون مین خیال پیدا ہوا کہ ریختہ کی طرح ایک ریختی ایجاد کی جائے۔ میر حسن نے اپنی مثنوی مین ضرورت کے موقعون پر یہ زبان موزون کی تھی۔ مگر وہان تک مضائقہ نہ تھا۔ میان رنگین نے اس رنگ کو مستقل طور پر اختیار کیا۔ جو دہلی کے رہنے والے تھے۔ اور لکھنؤ کی صحبتون مین شریک رہا کرتے تھے۔ ابتداءً مہذب لوگون کی صحبت نے اس رنگ کو بے شرمی اور خلاف تہذیب جانا۔ چنانچہ سید انشا کی زبانی ہم نے لکھنؤ مین دہلی کے جن مہذب سن رسیدہ بزرگ اور وہین کی ایک رنڈی نورا کی گفتگو لکھی ہے اس مین وہ بزرگ فرماتے ہین:۔ اور سب سے زیادہ ایک اور سنیے کہ سعادت یار طہماسب کا بیٹا انوری ریختہ اپنے کو جانتا ہے۔ رنگین تخلص ہے۔ ایک قصہ کہا ہی۔ اس مثنوی کا نام دلپذیر رکھا ہی۔ رنڈیون کی بولی اُس مین باندھی ہے میر حسن پر زہر کھایا ہے۔ ہرچند اُس مرحوم کو بھی کچھ شعور نہ تھا۔ بدر منیر کی مثنوی نہین کہی گویا سانڈے کا تیل بیچتے ہین۔ بھلا اس کو شعر کیونکر کہیے؟ سارے لوگ دلی کے لکھنؤ کے رنڈی سے لے کے مرد تک پڑھتے ہین۔

چلی وہان سے دامن اُٹھاتی ہوئی   کڑے کو کڑے سے بجاتی ہوئی

سو اُس بچارے رنگین نے بھی اسی طور پر قصہ کہا ہے۔ کوئی پوچھے کہ بھائی تیرا باپ رسالدار مسلم۔ لیکن بچارا برچھی بھالے کا ہلانے والا۔ تیغ کا چلانے والا تھا۔ تو ایسا قابل کہان سے ہوا؟ اور شہدپن بہت مزاج مین رنڈی بازی سے آگیا ہے تو ریختہ کے تئین چھوڑ کر ایک ریختی ایجاد کی ہی۔ اسواسطے کہ بھلے آدمیون کی بہو بیٹیان پڑھکر مشتاق ہون۔ اور اُن کے ساتھ اپنا مُنہ کالا کرے۔ بھلا یہ کلام کیا ہے۔

ذرا گھر کو رنگین کے تحقیق کر لو   یہان سے ہی کے پیسے ڈیڑھ دلی کہار و

مرد ہو کر کہتا ہی ع کہین ایسا نہ ہو کمبخت مین ماری جاؤن۔ اور ایک کتاب بنائی ہی اُس مین رنڈیون کی بولی لکھی ہی۔ جس مین اُوپر والیان چلین۔ اوپر والا چاند۔

اُجلی دھوبن - وغیرہ وغیرہ"
مگر مہذب بڈھے شکایت کرتے کرتے مرگئے - نوجوانون کی رنگینی نے رنگین کے مذاق کو ترقی دے ہی کے چھوڑا - اور ریختی اودھ کا ایک فن ہوگیا جس کی ایجاد گو ایک دہلی ہی کے شاعر سے ہوئی تھی مگر لکھنؤ مین ہوئی - اور یہین اُسے فروغ ہوا - قصے کے سلسلہ مین اِس زبان کو میرحسن کے بعد نواب مرزا شوق نے جس اعلیٰ درجہ کمال کو پہونچا دیا تعریف نہین ہوسکتی - صفحہ کے صفحہ پڑھتے چلے جائیے یہی نہین پتہ چلتا کہ موزون کرنے مین شاعرانہ ضرورتون نے زنانی زبان پر کہین کچھ تصرف بھی کیا ہی یا نہین ؟ لیکن غزل گوئی مین رنگین کی جانشینی جان صاحب نے کی جو لکھنؤ کے ایک معمولی شخص تھے اور عاشور علی خان کی خراد پر چڑھ کے تیار ہوے تھے - گو کہ جان صاحب کے بعد اور ریختی گو بھی لکھنؤ مین پیدا ہوے - مگر جان صاحب پر کمال اور شہرت کا خاتمہ ہوگیا - انھون نے غزلین کہین - واسوختین کہی اور ادر بھی کئی نظمین کہین -

ریختی مین اگر فحش اور بدکاری کے مذاق سے پرہیز کرکے پاکدامنی کے جذبات اختیار کیے جاتے تو یہ فن ایک حد تک قابل ترقی ہوتا - مگر خرابی یہ ہوئی کہ اس کی بنیاد ہی بدکاری کے جذبات اور بےعصمتی کے خیالات پر تھی اِس لیے ریختی گویون کا قدم ہمیشہ جادۂ تہذیب و اعتدال سے باہر ہوگیا - اور اس سے زبان کو چاہے کسی حد تک فائدہ ہوا ہو - مگر اخلاق کو نقصان پہونچا -

اَکرِمُوا عَزِیزَ قَومٍ ذَلَّ

یہ ایک فرمان رسالت ہی جس کا مطلب یہ ہی کہ "کوئی معزز شخص ذلیل ہوجائے تو اُس کی عزت کرو" انقلابات عالم نے صدہا ایسے واقعات پیش کیے ہین جو مایۂ عبرت ہین - اور جن کو دیکھ کے بڑے بڑے سنگدل لوگون کے دل تھرا اُٹھے ہین - مگر افسوس ہمارے دل ایسے سخت ہوگئے ہین کہ ہمین کسی چیز سے عبرت نہین ہوتی - ہم خاندان تیموریہ کی بیسیون یادگارون اور

اگلے دولت مند گھرانون کے بہت سے باقیات الصالحات کو حد سے زیادہ تباہی و مفلوک الحالی اور انتہا سے گزری ذلت و مسکنت مین دیکھتے ہین اور دل نہین پسیجتا۔

اگر سلطنت اُن کے ہاتھ سے نکل گئی اور سطوت و جبروت نے اُن کا ساتھ چھوڑ دیا تو کیا قوم مین بھی اتنی قوت نہین ہے کہ اپنی تاریخ کے اِن بوسیدہ و کرم خوردہ تبرکات کو عزت سے نہین تو حفاظت ہی سے رکھے؟ موجودہ گورنمنٹ کو الزام دینا یا ایسے ستم کشون کا بار برٹش گورنمنٹ کے سر ڈالنا حماقت ہے کیونکہ سلطنت پر اُن کی کوئی حقوق نہین۔ مگر ہم پر اُن کے حقوق ہین۔ دراصل یہ ہماری قومی زندگی کی مورتین ہین۔ اور ہماری قومی زندگی ہی فیصلہ کر سکتی ہے کہ اِن یادگار مورتون کو اچھی طرح رکھین یا بُری طرح۔ سچ یہ ہے کہ ہم مین ایسی نفسی نفسی پڑ گئی ہے کہ قومی زندگی باقی ہی نہین رہی۔ ورنہ کیا ممکن تھا کہ ہمارے تاجدار ان سلف کی نسل یون غارت ہو؟ اور آغوش سلطنت مین پلے ہوؤن کی اولاد دردر دریوزہ گری کرے؟ ہرگز نہین۔ ہم بدنظمی اور بے اصولی کے ساتھ صدہا فیاضیان کر رہے ہین۔ اور کسی ایسے قومی فنڈ کا قائم ہو جانا دشوار نہ تھا کہ ملوک سلف کی نسل عزت سے رکھی جائے۔ اور اسکی اولاد کو اچھی تعلیم و تربیت دے کے سنبھالا جائے مگر اپنے ذاتی اغراض پر قومی مقاصد کو قربان کر دیا ہے۔ اور اپنی نفس پروری کے آگے اُس کی مطلق پروا نہین کرتے کہ ہماری قومی عزت کس طرح خاک مین مل رہی ہے۔ اور ہمارے ناموران سلف کی نسل کا کیا حال ہے۔

مگر ہم ہمیشہ ایسے بے حس نہ تھے۔ عبرتناک واقعات کا ہم پر اثر ہوتا تھا۔ اور نوعی فلاح اور قومی وقار کو شخصی جذبات پر قربان نہین کیا کرتے تھے۔

جب بنی امیہ کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اُس بدنصیب خاندان کے تمام لوگ چُن چُن کے مار ڈالے گئے۔ نئی خلافت عباسیہ کے دو تاجدار کامرانی و اطمینان سے حکومت کر کے دنیا سے رخصت بھی ہو گئے۔ اور بنی امیہ کا مشرق مین کہین نام و نشان نہ تھا تو تیسرے عباسی خلیفہ مہدی کے زمانے کا واقعہ ہے کہ اُس کی لونڈی خیزران (جسے خاص محل کا رتبہ حاصل تھا سارے حرم کی مالک اور ولی عہد سلطنت کی مان تھی) ایک دن محل مین شان و شوکت سے بیٹھی حکومت

کر رہی تھی کہ ایک لونڈی نے آکے ادب سے عرض کیا، "خدا ملکۂ عالم کو سلامت رکھے ڈیوڑھی پر ایک حسین عورت کھڑی ہی اور باریابی کی امیدوار ہی۔ ہزار پوچھا نہ اپنا نام و نشان بتاتی ہی نہ نسب و خاندان کا پتہ دیتی ہے۔ اور نہ یہ کہتی ہی کہ غرض کیا ہی" عبداللہ بن عباس کی پرپوتی زینب بنت سلیمان جو خاتونان بنی عباس مین صاحب ذہن رسا مانی جاتی تھین پاس بیٹھی تھین۔ خیزران نے اُن سے کہا، "تم اس عورت کے بارے مین کیا کہتی ہو؟ آنے دون یا نہ آنے دون؟" زینب نے کہا بلوائیے۔ کوئی مفید ہی بات ہوگی" اس مشورے کے مطابق لونڈی کو حکم دیا گیا کہ "جاؤ بلا لاؤ"

چند منٹ گزرے ہون گے کہ اُس لونڈی کے ساتھ ایک نہایت ہی حسین و صاحب جمال مگر فلاکت زدہ اور شکستہ حال عورت شریف زادیون کے انداز سے آئی۔ مگر خیزران کا سامنا ہوتے ہی دروازے کے دونون پٹون کے درمیان ہی ٹھٹک کے کھڑی ہو گئی۔ اور وہین سے کہا، "اے ملکۂ عالم آپ کی خدمت مین آداب عرض کر کے التماس ہے کہ مین آخری تاجدار بنی امیہ مروان بن محمد کی بیٹی مزنہ ہون" یہ نام سنتے ہی جیسے خیزران کے تن بدن مین آگ لگ گئی۔ اور جھنجھلا کے کہا، "تیرے لیے نہ مرحبا ہے اور نہ سلام کا جواب۔ خدا تجھے غارت کرے۔ وہ گھڑی بھی تجھے یاد ہی جب ابراہیم بن محمد عباسی کی لاش بے گور و کفن پڑی تھی۔ اور بنی عباس کی بوڑھی عورتون نے تیری خدمت مین حاضر ہو کے اتنی التجا کی تھی کہ اپنے باپ سے سفارش کر کے اُن کے دفن کی اجازت دلوا دے۔ لیکن بجاے ترس کھانے کے تو غصے سے اُنھین مارنے کو دوڑی۔ اُنھین گالیان دین۔ اور اپنے محل سے نکلوا دیا؟ خدا کا لاکھ لاکھ شکر کہ اُس نے اپنی نعمت تجھ سے چھین لی۔ اور تجھے ذلیل و خوار کر کے اِس دِہاڑے کو پہونچا دیا" خیزران کی زبان سے یہ طیش کا جواب اور یہ کلمات غیظ و غضب سن کے مزنہ نے بجاے اس کے کہ ڈرے یا کچھ مرعوب ہو زور سے ایک قہقہہ لگایا۔ اور بولی۔ "بہن۔ آپے سے باہر نہ ہو۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ میری اس بدسلوکی پر خدا نے مجھے جو سزائین دی ہین اُن مین سے تمھین کون سی سزا پسند ہی۔ جو میرا ہی سا سلوک تم بھی میرے ساتھ کر رہی ہو؟ تم جو کچھ کہتی ہو سچ ہی۔ خدا کی قسم مین نے یہی کیا تھا۔ اور اُس کی سزا یہ ملی کہ خدا

مجھے ذلیل و خوار، ننگا بھوکا کر کے تمھارے سامنے لایا ہے کہ جو سلوک چاہو کرو اُسوقت تم نے میرے اُس سلوک پر جو صبر و شکر کیا تھا اُس کا انعام تمھین یہ ملا کہ ملکۂ عالم ہو اور مین تمھارے سامنے عاجز و خوار بنی کھڑی ہون" اتنا کہتے ہی مزنہ نے کہا "لو بہن خدا حافظ - جاتے ہین" اور پیٹھ پھیر کے چلی کہ جھپٹ کے محل سے نکل جائے

اُس کی ان باتون کا خیزران کے دل پر کچھ ایسا اثر پڑا تھا کہ بے تحاشا دوڑی - لپک کے روکا اور چاہا کہ گلے لگائے - مگر مزنہ نے دونون ہاتھون سے الگ کر کے کہا "مین اس قابل ہی نہین ہون کہ تم سی ملکہ مجھے گلے لگائے - چیتھڑے لگائے ہون - اور ان کپڑون مین ایسی تعفن آ رہی ہے کہ آپ کا دماغ خراب ہو جائے گا" یہ سُن کے خیزران نے لونڈیون کو حکم دیا کہ فوراً انھین حمام مین لیجا کے غسل کراؤ اِسکے بعد پُرتکلف جوڑا پنھا کے اور عطر مین بسا کے لے آؤ"

یہ کہہ کے خیزران چلی آئی - اور محل کی لونڈیون نے نہایت ہی تعظیم و تکریم سے مزنہ کو نہلایا - کپڑے پہنائے عطر لگایا - اور خوب بنا چنا کے لے آئین - صورت دیکھتے ہی خیزران اس کے سینے سے لپٹ گئی - پھر اپنے برابر مسند پر جہان خود خلیفہ مہدی آ کے بیٹھا کرتا تھا بٹھایا اور پوچھا "دسترخوان بچھواؤن؟" مزنہ نے صاف صاف کہا "آپ پوچھتی کیا ہین؟ شاید مجھ سے زیادہ بھوکا سارے اس محل مین کوئی نہ ہوگا" فوراً دسترخوان بچھا - قسم قسم کے کھانے لا کے چن دیے گئے - اور مزنہ نے خوب سیر ہو کے کھایا - خواصون نے ہاتھ دھلوائے اور جب ہر طرح کی خاطرداریون سے فراغت ہوئی تو خیزران نے کہا "اب بہن بتاؤ تمھارا خبرگیران کون ہے؟" بولی "خبرگیران! جو کچھ قرابت ہی اسی گھر سے ہے - اِس کے سوا مین ساری دنیا مین کوئی عزیز قریب نہین رکھتی" یہ جواب سن کے خیزران بولی "تو پھر تم یہین رہو - چلو مین اپنے محل تمھین دکھاتی ہون - اُن مین سے جو محل پسند آئے لے لو اور اُس مین رہو"

اس تجویز کے مطابق خیزران نے اُسے اپنے سارے محل دکھائے - جن مین سے ایک خوبصورت وسیع اور پُرفضا قصر اُس نے پسند کیا - خیزران

نے وہین کھڑے کھڑے فرنیچر سے اُسے خوب آراستہ کرا یا۔ اور ہر طرح کا سامان زندگی فراہم کرا کے کہا "لونڈی تم یہان آرام سے رہو۔ اور آج سے مجھ مین تم مین بہناپا ہو گیا۔ جب تک جیتے ہین ساتھ نہ چھوڑین گے" مزنہ نے شکریہ ادا کیا۔ اور خیزران اُسے وہان چھوڑ کے اپنے محل مین آئی۔ پھر دل مین کہنے لگی "کبھی اس عورت کی جو کچھ شان و شوکت تھی تھی۔ لیکن زمانے نے سرد مہری کی۔ اور دل شکستہ ہو گئی۔ اب اس کے دل کی کلفت صرف دولت سے دور ہو سکتی ہے" یہ خیال کرتے ہی پانچ لاکھ درہم اُس کے پاس بھجوا دیے۔

خیزران ان کامون سے فارغ ہو کے بیٹھی ہی تھی کہ اُس کا صاحب تاج وتخت شوہر خلیفہ مہدی آگیا۔ اور حالات پوچھنے لگا۔ خیزران نے مسکرا کے کہا "آج عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک لونڈی دوڑتی ہوئی آئی۔ اور کہا کہ کوئی عورت اندر آنا چاہتی ہے۔ مین نے بلوا لیا۔ کیا دیکھتی ہون کہ ایک جوان اور خوبرو مگر نہایت ہی شکستہ حال عورت ہے۔ آتے ہی اُس نے مجھے ملکۂ عالم کے لقب سے خطاب کر کے سلام کیا اور بتایا کہ مروان بن محمد کی بیٹی مزنہ ہے۔ نام سنتے ہی مین مارے غصے کے آپے سے باہر ہو گئی۔ خوب گالیان دین اور کہا "وہ وقت یاد کرو کہ ابراہیم بن محمد کی لاش پڑی تھی۔ اور عباسی گھرانے کی بڑھیون نے تجھ سے تجہیز و تکفین کی اجازت دلوانے کی درخواست کی تو تو اُنھین مارنے کو دوڑی۔ خوب ہوا جو خدا نے تجھے اس درجے کو پہونچا دیا" یہ سُن کے وہ قہقہہ مار کے ہنسی اور کہا "مین نے بے شک یہی کیا تھا اور خدا سے اس کا بدلہ بھی پایا۔ اب کیا تم بھی خدا سے ایسا ہی بدلہ لینا چاہتی ہو جو میرے ساتھ یہ سلوک کر رہی ہو؟" یہ کہہ کے وہ واپس چلی۔""

خیزران یہین تک کہنے پائی تھی کہ مہدی کو زیادہ سننے کی تاب نہ رہی بات کاٹ کے بولا "افسوس! خدا نے تمھین ان نعمتون پر شکر گزار ہونے کا موقع دیا تھا مگر تم نے وہ موقع ہاتھ سے کھو دیا۔ میرے دل مین تمھاری اس قدر جگہ نہ ہوتی تو قسم کھا کے کہتا ہون کہ تمھاری اس حرکت پر پھر کبھی زندگی

پھر تم سے بات نہ کرتا"

خیزران نے کہا "امیرالمومنین - آپ سنیں تو سہی - مین نے یہ سُن کے اُس سے بے انتہا معذرت کی - روک کے اُسے حمام مین نہلوایا - اچھے کپڑے پنہائے عطر لگایا کھلایا پلایا - پھر راضی کرکے اس سے بہنا پا کر لیا - اور اپنے سارے محل دکھا کے جس محل کو اُس نے پسند کیا اُس کے حوالہ کیا - اُسکو آراستہ اور ہر ضروری سامان سے مرتب کر دیا - یہ وعدہ کرکے آئی کہ اب زندگی بھر تمھارا ساتھ نہ چھوڑون گی - اور یہان آتے ہی خرچ کے لیے اُس کے پاس پانچ لاکھ درہم بھیج دیے"

یہ سُن کے مہدی بہت خوش ہوا - خیزران کے حسن سلوک کی تعریف کی - اور اپنے ایک خادم کو بلا کے حکم دیا کہ "اسی وقت جا کے اشرفیون کے سو توڑے میری طرف سے بھی اُسے دے آؤ - میرا سلام کہو - اور کہو کہ تمھاری خدمت کرنے کی وجہ سے جس قدر خوش مین آج ہوا ہون کبھی زندگی بھر نہ ہوا تھا" کہنا "تمھاری قدر و منزلت کرنا امیرالمومنین پر واجب ہو گیا ہے - اور اگر تمھارے ناراض ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو وہ خود تمھارے سلام کو حاضر ہوتے" یہ پیام سنتے ہی مزنہ خود چلی آئی - ادب سے سلام کیا - خیزران کے احسانات بیان کرکے اُس کی محبت و شرافت کی تعریف کی - اور بولی "مین بھلا حضور سے کیا ناراض ہون گی؟ میری حیثیت ہی کیا ہے؟ محل کی لونڈیون مین سے ایک مین بھی ہون" مہدی اِس پر بہت خوش ہوا - اور مزنہ اپنے نئے قصر مین واپس گئی -

اس کے بعد مزنہ ہمیشہ خیزران ہی کے ساتھ رہی - یہان تک کہ مہدی کے سفر آخرت کے بعد اُس کے پہلے بیٹے ہادی کے عہد خلافت مین بھی اُسی سے وابستہ تھی پھر جب خیزران کے دوسرے اقبالمند فرزند ہارون رشید کا عہد شروع ہوا - تو رشید بھی مزنہ کی بڑی خاطر داشت کرتا تھا - جو پاس خاطر تمام عباسیہ اور ہاشمیہ خاتونون کا تھا وہی اُس کا بھی تھا - اور خلافت رشید کے اوائل مین جب مزنہ کا انتقال ہوا تو رشید اُس کے جنازے پر زار و قطار رویا - اور شاہانہ کرو فر سے جنازے کو قبرستان تک لے گیا -

آہ! خدا کی نعمتون کا شکر ادا کرنے مین کبھی ہمارا یہ سلوک دشمنون کے ساتھ تھا۔ کاش اب اتنا نہین تو اُسکا عشر عشیر دوستون ہی کے ساتھ ہوتا۔ مگر نہین۔ اب ہم نفس کے بندے ہین۔ صرف اپنے نفس کو دیکھتے ہین۔ اور نہین پتہ لگتا کہ ہم مین اور بہائم مین کیا فرق رہ گیا ہے؟

یورپ کے بانکے نائٹ ٹمپلرز

گر یورپ کے اِن بانکے نائٹون مین اُسوقت اور زیادہ اہمیت پیدا ہو گئی جب صلیبی مجاہدون کا لشکر بیت المقدس کے فتح کرنے کے لیے یورپ سے چلا۔ کلیسیائے مسیحی نے اپنے برکت کے آغوش مین لے کے اُنھین مذہبی وقعت پہلے ہی دے دی تھی۔ لیکن جب وہ اپنے جان و مال کو دین کی نذر کر کے جان دینے کے لیے گھر سے نکلے اور سینہ اور پیٹھ پر صلیبین بنا کے مشرق کی جانب روانہ ہوے تو اُن مین بالکل ایک نئی شان پیدا ہو گئی۔ اور بہ اعتبار ذمہ داریون اور خدمتون کے اُن مین دو تفریقین ہو گئین۔

بیت المقدس مین پہونچنے اور اُس پر قابض ہو جانے کے بعد ان لوگونکو اصلی سروکار تو ہولی سیلکر (کنیسۂ مرقد مسیح) سے تھا۔ مگر حضرت سلیمان کا بنایا ہوا خانۂ خدا جو اب مسلمانون کی مسجد بنا ہوا تھا۔ جسے مسلمان مسجد اقصیٰ اور مسیحی مسجد عمر کہتے تھے دنیا کی ایک قدیم یادگار تھا۔ اور عیسائی بھی تسلیم کرتے تھے کہ یہی وہ مبارک بقعہ تھا جس پر اِس سرزمین مین پہلا معبد الٰہی قائم ہوا۔ اس مین جتنے مسلمان پناہ گزین ہوے تھے وہ تو کمال بے رحمی سے شہید کیے گئے۔ اور اُن حامیان توحید سے خالی کرانے کے بعد ضرورت تھی کہ اُس یادگار زمانہ عمارت سے بھی کوئی کام لیا جائے جسکی تعمیر مین خلفائے بنی امیہ نے لاکھون روپیہ صرف کر دیے تھے۔

چنانچہ صلیبی فاتحون مین سے چند شریف النسل اشخاص مسجد اقصیٰ مین

جمع ہوے۔ اور باہم حلف اُٹھایا کہ جو زائرین یہان آئین گے ہم اُن کی حمایت و خبر گیری کرین گے۔ یہ جماعت نائٹ ٹمپلرز (ہیکل سلیمانی والے بانکے) کے نام سے مشہور ہوئی۔ اور اپنے گروہ کو اِن لوگون نے حصول برکت کے لیے دلی برنارڈ کے نام سے وابستہ کر دیا۔ حرم سلیمانی مین بیٹھ کے انھون نے جو حلف اُٹھائی تھی اُس کی رو سے یہ لوگ صرف دین کے سپاہی بن گئے تھے۔ انھون نے دنیا چھوڑ دی تھی۔ وطن بُھلا دیے تھے۔ بیت المقدس کے سوا کسی شہر کو اپنا وطن اور شہر نہ سمجھتے۔ گھر بار سے دست بردار ہو گئے تھے۔ اور سوا مسیح کے خاندان کے کسی کو اپنا گھرانا نہ بتاتے۔ جائداد سب کی مشترک رہتی۔ اور مشترک زندگی بسر کرتے۔ ایک ہی سرمایہ سب کی دولت تھا۔ خطرون اور مصیبتون مین ایک دوسرے کے جان نثار تھے۔ گویا ایک قوت اور ایک ہی روح سب کے افعال و اعمال۔ حرکات و خیالات۔ اور کامون اور ارادون پر حکومت کر رہی تھی۔ اِن کا سامان زینت صرف ہتھیار تھے۔ اِن کے گھرون مین جو عبادت خانون کا حکم رکھتے نہ روپیہ پیسہ ہوتا نہ سامان دولت و حشمت۔ زینت و نمایش کی چیزون سے اُنھین نفرت تھی۔ بہت ہی سادی اور بھدی چیزون سے اپنے ضروریات زندگی کو پورا کرتے۔ نمایش کے لیے وہان صرف ڈھالین تلوارین۔ نیزے۔ اور مسلمانون سے چھینے ہوے علم نظر آتے۔ لڑائی کا نام سنتے ہی اپنے فولادی اسلحہ لے کے دوڑتے۔ پھر نہ حریف کی کثرت سے ڈرتے اور نہ دشمنون کے جوش و خروش کی پروا کرتے۔ سختیان اُن کا سرمایۂ ناز تھین۔ مسیح کے نام پر جان دینا اُن کی اعلیٰ ترین کامیابی تھا۔ اُنھین یقین تھا کہ فتح صرف خدا کی عنایت سے حاصل ہوتی ہے۔ مگر کوشش مین جان دے دینا اپنا فرض ہے۔ غرض ان نائٹون کا پہلا گروہ یہ تھا۔

دوسرے گروہ کی بنیاد یون پڑی کہ صلیبی مجاہدین جب یورپ سے چلے تو اُن کے ہمراہ وہان سے ایک ہاسپٹل بھی آیا تھا جو فلاکت زدہ زائرون اور بیت المقدس کے مفلس و شکستہ حال نصرانیون کی خبر گیری کے لیے تھا۔ خصوصاً ان بہادرون کی تیمارداری کے لیے جو مسلمانون سے لڑین۔ اس خدمت کو

جن لوگون نے اپنے ذمہ لیا وہ بھی ایک قسم کے بانکے تسلیم کیے گئے۔ نائٹ ہاسپیلرز کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اور اُنھون نے اپنے کو ولی یوحنا کی طرف منسوب کر کے اپنا خطاب "نائٹس آف سینٹ جان" یعنی "ولی یوحنا کے بانکے" قرار دیا۔

یہ دونون قسم کے نائٹ فولادی خود اور چار آئینہ پہنے "نائٹس آف ہولی سپلکر" "مرقد مسیح کے بانکے" کہلانے کے باعث سب سے زیادہ معزز خیال کیے جاتے اور چونکہ "لاطینی سلطنت ارض مقدس" کو (جو لاکھون کروڑون بندگان خدا کے خون کا سیلاب بہا کے عین مسلمانون کے بیچ مین قائم کی گئی تھی) ان لوگون سے مدد ملتی وہ اِن کی بے انتہا قدر کرتی۔ اور اپنی زندگی کو انھین کے اسلحہ پر منحصر تصور کرتی۔ زائرین یہان سے واپس جا جا کے ساری مسیحی دنیا مین اِن کی جانبازی اور بہادری کے قصہ بیان کرتے۔ چند ہی روز مین اِن کی اس قدر شہرت ہوئی کہ ہر حصۂ ملک کے اُمرا اور دولتمند خصوصًا وہان کے پرانے بانکے آ آ کے اِن کے گروہ مین شامل ہونے لگے۔ اور تھوڑے دنون بعد یورپ کا کوئی نامور اور دولتمند خاندان نہ تھا جس کا کوئی نہ کوئی گروہ اِن مذہبی بانکون اور وضعدار مجاہدون کی جماعت مین نہ شریک ہو گیا ہو۔ ایک تیسرا گروہ ٹیوٹانک نائٹون کا بھی قائم ہو گیا جو نائٹ ٹمپلرز کا ہم مذاق تھا۔ تینون گروہون مین فرق اور امتیاز یہ تھا کہ ٹمپلر سفید چوغہ پہنتے جس پر سرخ صلیب بنی ہوئی ہاسپیٹل والے سیاہ چوغہ پہنتے اور اُس پر سفید صلیب ہوتی۔ اور ٹیوٹانک نائٹ سفید چوغہ پہنتے جس پر سیاہ صلیب ہوتی۔ نائٹ ٹمپلرز کو جن کے حالات ہم بیان کرنا چاہتے ہین خاص مسجد اقصی مین جگہ دی گئی تھی۔

مسجد اقصی کو مسیحی لوگ متبرک نہ سمجھتے تھے کیونکہ اُن کے اعتقاد مین اُس کا سارا تقدس حضرت مسیح کے بعد جاتا رہا تھا اور خدا نے اُس پرانے عبادت خانے کو چھوڑ دیا تھا۔ انھین تو صرف حضرت مسیح کے مولد و مرقد یا ارض مقدس کے پرانے کنیسون سے کام تھا اسلیے عیسائیون کا قبضہ ہوتے ہی وہ عبدالملک بن مروان کی بنائی ہوئی عالیشان مسجد جو ہیکل سلیمانی کے اصلی آثار پر قائم تھی مسلمانون کا قتل و قمع کر کے قصر شاہی قرار دی گئی۔

ان جنگجو بانکوں اور مذہبی فدائیوں کے گروہ کی بنیاد یوں پڑی کہ فرانس کے علاقۂ برگنڈی کے ایک نائٹ "ہیوڈ پکانس" نے مع اپنے آٹھ رفقا کے (سنہ ۱۱۱۸ء) میں بیت المقدس کی اسقف اعظم کے سامنے جا کے حلف اُٹھائی کہ "ہم اپنی زندگی بیت المقدس کے راستوں کی نگہبانی اور زائروں کے حفاظت سے آنے کے نذر کر دیں گے۔ باضابطہ طور پر قانون ملت کی پابندی کریں گے۔ اور بے انتہا اطاعت کیشی۔ اور خود فراموشی کے ساتھ آسمان کے بادشاہ کی طرف سے جدال و قتال کریں گے"۔ یہ پہلا عہد تھا جس نے ان مذہبی بانکوں کے پیدا ہونے کی بنیاد قائم کی۔ اور جب شاہ بیت المقدس بلدوین ثانی نے خاص مسجد اقصیٰ کے اندر اپنا کلب قائم کرنے کے لیے جگہ دے دی تو اس نئے گروہ کو اور مضبوطی حاصل ہو گئی۔

دس برس بعد شہر ٹرائے میں بمنظوری پوپ ہونوریوس ثانی ایک کونسل ہوئی جس میں دینی بانکوں کے اس گروہ کے لیے ایک دستور العمل مدون ہو گیا۔ اس میں ۷۲ قاعدے تھے جو پوپ اور اسقف بیت المقدس کی منظوری سے رائج ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی ان لوگوں کی دینی جان نثاری اور مخلص جان بازی کی اس قدر شہرت ہوئی کہ ساری مسیحی دنیا گرویدہ ہو گئی۔ اور ہر جگہ اور ہر سرزمین میں اُن کے لیے سرمایہ فراہم ہونے لگا۔ جس میں قوم نے اس قدر مستعدی دکھائی کہ ملوک و امرا اپنی سلطنتیں اور ریاستیں ان کی نذر کیے دیتے تھے اور اطالیہ سے لے کے اسپین تک ہر چھوٹے بڑے حکمران نے بڑی بڑی جائدادیں ان لوگوں کی نذر کر دیں۔ اور یہ گروہ باوجود سادگی اور مشقت و تنگی کی زندگی بسر کرنے کے دنیا کے تمام تاجداروں سے زیادہ دولت مند ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی ہزارہا خلقت گھر بار چھوڑ چھوڑ کے ان کے جتھے میں ملنے لگی۔

ان کا پہلا سرغنا جو "ماسٹر ٹمپلر" کہلاتا وہی "ہیو" قرار پایا۔ دوسرا ماسٹر اُس کے بعد رابرٹ ڈکراؤن ہوا۔ اُس کا جانشین "ڈیورآرڈ" قرار پایا۔ اور یونہیں ماسٹروں کے انتخاب کا سلسلہ جاری رہا۔ ڈیورآرڈ کے عہد میں ان لوگوں کی سپہگری اس قدر کامیاب اور باقاعدہ تھی کہ اکثر سلطنتیں اپنی فوجیں اُنھیں

کے قواعد کے مطابق مرتب کرنے لگین۔ اور اب اس وقت سے ان کی تاریخ دیکھنے کا شوق ہو تو حروب صلیبیہ کی تاریخ پڑھنی چاہیی۔ اسلیے کہ صلیبی لڑائی مین اہم فوجی خدمات یہی لوگ انجام دیتے تھے۔

مگر دولت مندی نے چندہی روز مین ان کی حالت مین تغیر پیدا کرنا شروع کیا۔ اور ناکامیون مین ان کے طرز عمل پر بدگمانیان کی جانے لگین۔ جب ۵۴۳ھ محمدی (۱۱۴۸ء) مین جرمن فرمان روا کونراڈ بیت المقدس مین پہونچا ان لوگون نے اپنے کلب مین اسکی دعوت کی۔ اور اُسے اپنا گرویدہ بنالیا۔ مگر اسی سال جب دمشق کے محاصرے مین مسلمانون نے صلیبیون کو فاش شکست دی اور انھین محاصرہ چھوڑ کے بدحواس بھاگنا پڑا تو اُس شکست کا الزام انھین بانکون کے سر تھوپا گیا۔ اور کہا جانے لگا کہ صرف نائٹ ٹمپلرز کی دغابازی سے یہ شکست ہوئی۔ اس کے دوسرے برس شہر غزہ کا قلعہ ان لوگون کے حوالے کیا گیا جسے اُنھون نے خوب مضبوط کیا۔ اس کے چار سال بعد اُن کا ماسٹر ٹمپلر برنارڈ چالیس نائٹون کو ہمراہ رکاب لے کے بڑی بہادری سے شہر عسقلان مین گھس پڑا۔ مگر مسلمانون نے گھیر کے اس طرح مارا کہ ان مین سے ایک کو بھی زندہ واپس آنا نہ نصیب ہوا۔ سب مارے گئے۔ اور ہم مذہبون سے یہ داد ملی کہ یہ لوگ خود اپنی حماقت کی نذر ہوئے۔ اور طمع نے اُنکو فنا کر دیا۔ چند روز بعد مشہور ہوا کہ ایک مصری شاہزادہ جو عیسائیون کے ہاتھ مین گرفتار ہوگیا تھا اور دین مسیحی قبول کرنے پر نیم راضی تھا اُسے اِن نائٹون نے روپیہ لے کے اہل مصر کے حوالہ کر دیا۔ اور اسی طمع مین اِن کی وجہ سے اور بھی کئی خون ہوے۔

۵۹۵ھ محمدی (۱۱۶۶ء) مین اِن نائٹون کو یہ الزام دیا گیا کہ یرون کے پار کا ایک مضبوط قلعہ اُنھون نے روپیہ لے کے نورالدین زنگی کے کسی سردار کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ اس جرم کی پاداش مین خود مسیحی بادشاہ بیت المقدس امل ریق نے بارہ ٹمپلرون کو پھانسی پر لٹکا دیا۔

یہی واقعات پیش آ رہے تھے کہ سلطان صلاح الدین اعظم لشکر لے کے مصر آپہونچا۔ ہزار دن نائٹ مختلف میدانون مین لقمۂ نہنگ شمشیر ہوئے اور بیت المقدس اور شام کے تمام شہرون پر اُس نے قبضہ کر کے مسیحی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ اُسوقت ٹمپلرز مسجد اقصی اور بیت المقدس کو چھوڑ کے ساحلی شہر عکّہ مین پہونچے۔ اور جب ایک زمانہ کے بعد عکّہ بھی مسیحیون کے ہاتھ سے نکل گیا تو طرابلس الشام مین جا کے پناہ گزین ہو گئے۔

آہ شبلی آہ!

عالم اسلامی مین یہ کس قدر جگر خراش واقعہ ہی کہ شمس العلما مولانا شبلی نعمانی ہم سیاہ کارون کا ساتھ چھوڑ کے خلد برین کو سدھار گئے اور ہر مسلمان کی زبان پر ہے " انا للہ وانا الیہ راجعون "۔ ہم بھی یہی آیۂ کریمہ پڑھ رہے ہین مگر نہین معلوم ہمین یہ سفر کب پیش آئے گا؟ اور کب اس عالم برزخ مین پہونچ کے اپنے قدیم دوست اور پرانے رفیق زندگی شبلی نعمانی سے معانقہ کرین گے۔ مولانا شبلی کے حالات زندگی ہم آیندہ نمبر مین لکھین گے۔ اور چونکہ ہماری اور اُن کی پبلک زندگی کا آغاز قریب قریب ایک ہی زمانے سے شروع ہوا اسلیے شاید ہم اورون سے زیادہ کامیاب رہین۔ پنجاب کے اخبارون مین یہ بالکل غلط چھپ رہا ہے کہ مولانا شبلی پنجاب یونیورسٹی کے مولوی فاضل تھے۔ اُنھون نے مولوی فیض الحسن صاحب مرحوم سے پرائوٹ طور پر ادب عربی کی کتابین ضرور پڑھی تھین مگر پنجاب یونیورسٹی کو ابھی یہ شرف نہین حاصل ہوا ہے کہ وہ اِس پایے کا محقق گران مایہ اور فاضل بلند پایہ پیدا کرے۔ مولانا شبلی اُن لوگون مین تھے جو دنیا مین اپنی جگہ خالی چھوڑ گئے۔ اور اُن کا کمال اُنھین کے ساتھ گیا۔ تاریخ اسلام مین جلب روایت اور تحقیق و تنقید کی جو شان اُنھون نے دکھائی ساری دنیا کے موجودہ علماے اسلام مین سے کوئی نہ دکھا سکا۔ اور ہم

آیندہ نمبر مین بتائین گے کہ اُن کے علمی کمالات نے دنیا پر کیا اثر ڈالا - اور اُن کے تصانیف قومی لٹریچر مین کیا اثر رکھتے ہین -

---

حیدرآباد کی تاریخ مین شاید یہ پہلا موقع ہوگا کہ نواب سالار جنگ بہادر مدار المہام ریاست کو چھ مہینہ کی رخصت بیماری عطا ہوئی اور اُن کی جگہ پر کوئی قائم مقام نہین مقرر ہوا - دولت آصفیہ نظام مین مدار المہامی ایک ایسی خدمت ہی جس کے بغیر ایکدن گزرنا بھی دشوار ہوتا ہی - مگر سریر آصفیہ پر فی الحال ایک ایسا جوان بخت وجوان سال اور مدبر بے مثال جلوہ افروز ہی کہ مدار المہام کی ضرورت نہین سمجھی گئی اور صاحب اقبال مالک تاج ودیہیم نے کمال اطمینان کے ساتھ وعدہ کرلیا کہ ہم بغیر کسی مدار المہام کے کاروبار سلطنت چلالین گے - اعلیحضرت میر عثمان علی خان بہادر کے آغاز سریر آرائی سے ہم ممدوح کی بیدار مغزی وکارگزاری اور رعایا پروری وخوش تدبیری کی تعریف سُن رہے ہین - بارہا سنا گیا کہ جس مستعدی ودانائی سے اعلیحضرت کام کر رہے ہین کوئی عہدہ دار سلطنت بھی نہین کر سکتا - آج اِن سب باتون کی تصدیق ہوگئی - اور زمانہ پر بخوبی روشن ہوگیا کہ حضور بندگان عالی بغیر کسی مددگار کے مہمات سلطنت کو بخوبی انجام دے سکتے ہین -

---

ریویو

الخط العثمانی - راجہ راجیشور راؤ بہادر آصغر دولت اصفیہ دکن کے ایک ادبی مذاق رکھنے والے جاگیردار نے ادب اردو کی بہت سی قابل قدر خدمتین کی ہین - فی الحال اُنھون نے مذکورۂ بالا رسالہ کے ذریعہ سے اپنا نیا خط اردو پبلک کے سامنے پیش کیا ہی جسے اُنھون نے حضور نظام خلد اللہ ملکہ کی جانب منسوب کرکے الخط العثمانی کے نام سے نامزد فرمایا ہی - اِسمین حروف کی شکلین موجودہ اردو خط سے ملتی ہوئی ایسی بنائی گئی ہین کہ جدا جدا رہین - اور ٹائپ کی دشواریان خط اردو سے دور ہو جائین - ہمارے نزدیک خط کا ایجاد کرنا کوئی دشوار کام نہین دشواری ترویج مین ہی - اگر حضور نظام اور برٹش گورنمنٹ متحدہ کے اپنے دفاتر اور سرشتہ تعلیم مین کسی نئے خط کو جاری کرنا منظور فرمائین تو پھر کاملین ملک بآسانی کوئی مناسب خط ایجاد کردین گے - ورنہ یون خالی ایجاد کرنا ایک بے نتیجہ در مہمل کوشش ہی - سرجان ملکم نے اپنا خط ایجاد کرکے کیا کرلیا جو کوئی اور کچھ کرے گا؟

نامی جنتری سنہ ۱۹۱۵ء - ہر گھر مین جنتری کا رہنا لازمی ہی - لیکن ہمارا مشورہ ہے کہ جنتریون مین سے صرف نامی جنتری کو اپنے پاس رکھیے جو مولانا رحمت اللہ رعد کی یادگار زمانہ کامیابی طبع کا مکمل ترین نمونہ ہی - سنہ ۱۹۱۵ء کی جنتری مولانا نے شائع کردی جس مین افغانستان کی آخری تاریخ کے ساتھ بہت سی بکار آمد اور ضروری چیزین ہین - امرا کا فرض ہی کہ اس کے اعلی رنگین اڈیشن کی کاپیان منگوا کے زیب دفاتر خاص بنائین - ہر جگہ کتب فروشون سے دستیاب ہوسکتی ہی ونیز خاص اڈیشن کے عمدہ نسخے خود مولانا سے کانپور مین خط بھیج کے منگوا لیے جائین -

---

دلگداز مین آغاز سنہ ۱۹۱۴ء سے مضمون "ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ" شائع ہو رہا ہے۔ لیکن یہ ایسا مضمون ہے کہ اس کا سلسلہ آخر سنہ ۱۹۱۵ء تک جاری رہے گا۔ اور کیا عجب کہ سنہ ۱۹۱۶ء مین بھی چلتا رہے۔ ابھی تک ہم نے فرمان رادیان اودھ کی تاریخ کو ختم کر کے صرف زبان اردو پر بحث کی ہی۔ کہ دہلی سے لکھنؤ کو کب اور کیونکر ملی۔ اور لکھنؤ نے اس مین کیسی اور کس قدر ترقی کی۔ مگر ہم لکھنؤ کے دربار کا تمدن بتانا چاہتے ہین جو صرف زبان ہی کیساتھ مخصوص نہین ہے۔ سیکڑون چیزین ہین جن کا یہان نشو ونما ہوا۔ اور وہ سب بجاے خود خصوصیات رکھتی ہین۔ ہم علم و فضل فنون جنگ دیگر فنون موسیقی کھانے پینے۔ لباس و معاشرت۔ آشیا ہو سائٹی۔ اور یہان کے مختلف گروہون اور حرفون پر بحث کرین گے۔ اور یہان کی ایجادون اور جدتون کو حتی الامکان تحقیق کر کے ناظرین دلگداز کے ملاحظہ مین پیش کرین گے۔ امید ہی کہ تمدن اودھ کی یہ تاریخ ایسی مکمل ہو گی کہ تکمیل کے بعد اُسے ایک جلد مین علیحدہ شایع کرنا ضروری خیال کیا جائے گا۔ افسوس پرانی یادگار زمانہ بڈھے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اور جو ہین آفتاب لب بام ہین۔ گو کہ وقت تنگ ہو گیا مگر ابھی باقی ہی۔ اور اگر جستجو و کوشش سے کام لیا گیا تو لکھنؤ کے حالات پاستان کا بہت کچھ حصہ محفوظ رہ جائے گا۔ ورنہ لکھنؤ چاہے ہزارون سال تک برٹش گورنمنٹ کے سایہ مین پھلے پھولے عہد ماضیہ کے دلچسپ حالات بالکل فنا ہو جائین گے۔ اور وہ لکھنؤ کسی کو یاد نہ رہے گا جس نے سارے ہندوستان مین اپنی معاشرت کا سکہ بٹھا دیا تھا۔ اور جس کی بنا پر لکھنؤ کو ہندوستان کا پیرس کہا جاتا تھا۔

رخصت پارسائیل

ناظرین متحیر ہون گے کہ یہ پارسائیل کون بزرگ ہین؟ جی یہ بہت بڑے بزرگ اور بڑے ذات شریف ہین۔ نام تو پارساؤن کا سا ہی مگر مزاج ایسا فتنہ جو پایا ہی کہ خدا بچائے۔ یہ بروایت نامی جنتری سنہ ۱۹۱۴ء ہمارے رخصت ہونے والے مہربان میان سنہ ۱۹۱۴ء ہین۔ آپ کی مہذب آمد اور آپ کے پارسایانہ نام سے ہمین بھی دھوکا ہوا۔ اور ایسا دھوکا کہ آپ کی آمد کے وقت ہم نے جنوری سنہ ۱۹۱۴ء کے دلگداز مین آپ کی نسبت لکھا تھا "سنہ ۱۹۱۴ء کا آغاز لطف و مسرت سے ہوا ہی تو بارہون مہینہ انشاء اللہ شادکامی و لطف مین گزرین گے۔ نیک فالی کے اس سے زیادہ نمایان کیا آثار ہون گے کہ پالٹکس کے اُفق سے قتل و خونریزی اور تاخت و تاراج کا ابر چھنٹ گیا۔ اور مطلع صاف نظر آرہا ہے۔ جتنے فسادتھے اور جو کچھ شور و شر تھا سنہ گذشتہ کے ساتھ گیا اور سنہ حال کی پہلی صبح صبح اقبال اور امن و امان کی سحر بن کے نمودار ہوئی ہی"

اور دھوکا کیون نہ ہوتا؟ مآل اندیش سلف سعدیؒ شیرازی نے ہمین یہ سبق پڑھا رکھا تھا کہ

ہرکرا جامہ پارسا بینی   پارسادان و نیک مرد انکار

یہ کیا خبر تھی کہ حضرت پارسائیل کی فقط صورت پارساؤن کی سی ہی۔
آپ ابتدا مین نہایت خاموشی کے ساتھ تشریف لائے۔ چونکہ ہر جگہ فتنہ و فساد

کا بازار سرد پڑ گیا تھا اسلیے گمان ہوا کہ یہ آپ ہی کی نیک نفسی کی برکت ہی۔ جس کا گہرا نقش ہمارے دلون پر بٹھانے کے لیے اول ششماہی بھر آپ خاموش رہے اور ہر طرف آپ کی واہ واہ ہو رہی تھی کہ بھئی کیسے پاک طینت و نیک نفس بزرگ ہین کہ جھگڑے فساد کو جانتے ہی نہین۔ مگر دوسری ششماہی شروع ہوتے ہی آپ نے پیٹ سے پاؤن نکالنا شروع کیے۔ چپکے سے اور بہت ہی چھپا کے ایک ہلکی سی چنگی مملکت آسٹریا مین ڈالی۔ اور آسٹریا و سرویا مین تناتنی ہونے لگی جس کو دنیا ایک معمولی بات سمجھی اور کسی نے ادھر کا خیال بھی نہ کیا۔ مگر وہ چنگی یکبیک بھڑکی۔ آگ چارون طرف پھیلنا شروع ہوئی۔ اور آپ نے دھونک دھونک کے اُسے شمال و مغرب کیطرف بڑھایا جہان بڑے بڑے دم و خم کے لوگ رہتے ہین اور قوت و شوکت کے ساتھ امن پسندی کے مدعی ہین۔ اور پھر ایسے روشن خیال اور دانائی و فطرت مین عدیم المثال واقع ہوئے ہین کہ ساری دنیا کو یقین تھا نہ وہ اپنے ہی گھر مین آگ لگنے دین گے اور نہ دنیا مین کہین اور۔ لوگ کہتے تھے کہ جہنم سے بھی آگ لا کے ڈالی جائے تو اِن حلیم الطبع بزرگان مغرب کی متانت و سلامت روی کا پانی اور اِن کی امن پسندی کی پالسی کی برف باری اُسے بجھا ہی کے رہے گی۔ کیونکہ ان کو بے لڑے بھڑے کامیابی حاصل کر لینے کے ایسے اچھے اچھے مجرب و آزمودہ تیر بہ ہدف نسخے معلوم تھے کہ اگر کوئی وحشی قوم لڑنے کا ارادہ بھی کرتی تو اُس پر بجاے آگ برسانے کے یہ ایسی خوبی سے صلح جوئی کی برف باری شروع کر دیتے کہ دم بھر مین اُس کے ہاتھ پاؤن ٹھٹھر کے رہ جاتے اور یہ کمال آسانی کے ساتھ اُسے رسیون مین جکڑ کے بٹھا دیتے اور وہ ایسا مفلوج و از کار رفتہ ہو جاتا کہ زندگی بھر سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہوتی۔

مگر ہمارے کرم فرما حضرت پارسائیل کی گرمجوشیون نے اُس مغربی برف کو گھلا کے پانی کر دیا۔ آپ کے بہت سے اخوان الشیاطین اس سے پہلے بھی بارہا دنیا مین آگ لگانے کی کوشش کر چکے تھے۔ مگر کسی کی نہ چلی تھی۔ اور سب ہمت ہار کے ناکام واپس گئے تھے۔ مگر آپ نے چند روز کی خاموشی کے بعد اس قیامت کی آگ لگائی کہ کسی کے بجھائے نہ بجھی۔ آناً فاناً مین ایک معمولی چنگی سے انگارا۔ انگارے

سے شعلہ ہوگئی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اس قدر بھڑکی اور پھیلی کہ بلقان سے آسٹریا۔ آسٹریا سے روس۔ روس سے جرمنی۔ جرمنی سے فرانس مین جا پہونچی۔ اور ساری مغربی دنیا مین جہان دیکھیے شعلے بلند تھے۔ اسی اثنا مین دو شیرون کی لڑائی مین جس طرح ایک لومڑی کا بھرکس نکل گیا تھا ویسے ہی بلجیم جرمنی و فرانس کے بیچ مین پڑ کے بے موت مارا گیا۔ دنیا کے انتہائی مغربی پھاٹک پر صلح جو انگلستان پمپ کا دہانہ ہاتھ مین لیے کھڑا تھا۔ کہ دنیا بھر مین کہین آگ لگے اور وہ اپنے سمندر کا سیلاب بہا کے بجھا دے اور گویا دنیا مین اسی لیے ہے کہ ہر جگہ سکون و اعتدال کو قائم رکھے۔ اور کسی کو کسی کے گھر مین آگ نہ لگانے دے۔ سمندر کے بیچ مین ہونے کی وجہ سے پانی کی کمی تھی نہین۔ اُس نے جو بلجیم مین یہ آگ لگتے دیکھی تو پمپ کا رخ اسی طرف کر دیا مگر ہمارے مہربان بزرگ حضرت پارسائیل کی عنایت سے وہ پانی بھی شعلے بن گیا۔ اور بلجیم مین بجائے آگ کے بجھنے کے اور زیادہ شعلے بلند ہوے۔ اِن شعلون نے بڑھ کے اپنی شرر انگیزیون سے خود سمندر مین آگ لگا دی۔ اور مغربی سمندر کی لہرون سے چنگاریان اُڑ اُڑ کے خاص انگلستان مین بھی گرنا شروع ہوئین۔

مگر وہ جو مثل مشہور ہی کہ "اعوذ باللہ من غضب الحلیم" (بردبار کے غصہ سے پناہ) انگلستان نے اپنے حرم کدۂ امن مین آگ برستے دیکھی تو پھر اُسے کہان تاب تھی؟ اُس کی شعلہ بار آنکھون سے بھی چنگاریان نکلنے لگین۔ جنھون نے ہفت اقلیم اور ساتون سمندرون مین آگ لگا دی۔ اور سارا کرۂ ارض کرۂ نار بن گیا۔ آخر کار اس عالمگیر آگ کے شعلے ساری دنیا کو مشتعل کرتے ہوے ترکی تک پہونچے اور آخر آخر مین وہان بھی شعلے بھڑکنے لگے۔ غرض حضرت پارسائیل کی لگائی ہوئی آگ نے جو جزیرہ نماے بلقان سے شروع ہوئی تھی ساری دنیا مین آگ لگا کے پھر بلقان ہی مین آ کے دم لیا۔

اور اب ختم سال پر جبکہ حضرت پارسائیل ہم سے رخصت ہونے ہین آپ کی گرمی محبت سے سارا صفحۂ زمین مشتعل ہے۔ اور جدھر دیکھیے بازار قتل گرم ہے۔ عمرون کے سلسلے منقطع ہو رہے ہین۔ اور دنیا کی آبادی گھٹتی جاتی ہی۔ کاش آپ کو اتنا ہی ترس آتا کہ جو آگ لگائی ہی اُسے بجھا کے جاتے۔ مگر نہین اس کار خیر کو اپنے سر سے ٹال کے آپ اپنے قائم مقام سال آیندہ پر چھوڑے جاتے ہین۔ دیکھیے اُس سے

مہمان کا جس نے دنیا مین آتے ہی جلتے توے پر قدم رکھا ہی کچھ زور بھی چلتا ہی یا نہین۔

اس بارے مین بہت غور ہو رہا ہے کہ یہ آگ کب تک لگی رہے گی۔ کوئی کہتا ہے ایک سال۔ کوئی دو سال بتاتا ہی۔ کسی کی راے مین یہ فتنہ تین سال مین بھی ختم ہو تو جانیے کہ آج ختم ہوا۔ سچ یہ ہی کہ آگ لگانے اور بجھانے والون کی دونون قوتین اتنی زبردست ہین کہ کوئی شخص کوئی قطعی راے نہین قائم کر سکتا۔ آتش حرب جس شدت اور جیسے زور وشور سے بھڑک رہی ہی اُس کے لحاظ سے ایسی آگ کا چند مہینے بھی قائم رہنا دنیا کی آبادی کو ادھیا دے گا۔ مگر جن زبردست پہاڑون کی ٹکرانے سے آگ کے شعلے نکل رہے ہین وہ بھی ایسے سخت اور ہیبتناک ہین کہ اُن کی نسبت کوئی نہین کہہ سکتا کہ اُن مین سے کوئی اتنی جلد یا تھوڑے زمانے مین ٹوٹ کے ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ آتش حرب کی شدت اس آگ کے جلد بجھنے کا یقین دلاتی ہی۔ اور آگ برسانے والون کی عظمت کہہ رہی کہ یہ شعلہ باریان مدت تک قائم رہین گی۔ ان دونون پہلوؤن کو نظر کے سامنے رکھ کے غالباً یہ راے دی جا سکے کہ لڑائی کا زور تو جلدی ٹوٹ جائے گا۔ مگر لڑنے والے برسون تک لڑتے اور حضرت پارسائیل کی خوفناک پارسائی کو یاد کرتے رہین گے۔

اسلیے اپنے سال بھر کے فتنہ جو مہمان پارسائیل کے جاتے وقت کہنے کو تو ہم کہہ رہے ہین کہ خدا تمھین لیجائے اور پھر کبھی ایسی ذات بابرکات سے سابقہ نہ پڑے مگر دل کو اطمینان نہین ہوتا۔ کیونکہ اطمینان تو جب ہوتا جب آپ کے جانے سے امن وامان قائم ہونے کی امید ہوتی۔

عربی رسم خط

۲ نومبر سنہ ۱۹۱۴ء کے ہمدرد مین بیت المقدس سے خواجہ کمال الدین صاحب کا ایک خط شائع ہوا ہے جس مین جناب موصوف خط نسخ کی تاریخ کے متعلق مسلمانون کی تحقیق معلوم کرنا چاہتے ہین۔ مین نے اس مسئلہ پر کسی حد تک غور کیا ہی۔ اور جا بجا کچھ لکھا بھی ہے۔ اگرچہ اِسوقت میرے پاس کافی کتب خانہ نہین موجود ہے

تاہم جس نتیجہ کو مین پہونچا ہون اُسے بکمال ادب خواجہ صاحب کی خدمت مین عرض کیے دیتا ہون -

ہمارے پیغمبر علیہ السلام ہی اُمّی نہ تھے بلکہ ساری قوم عرب اُمّی تھی جیسا کہ قرآن مجید مین مذکور ہی "بَعَثَ فِی الْاُمِّیِّیْنَ رَسُولاً" قدیم الایام مین ارض یمن مین ایک خط مروج تھا جو جدا جدا حرفون مین لکھا جاتا - اور سوا امرا و شرفاے قوم کے کسی عامی کو نہ بتایا جاتا - اس علمی بخل کا یہ نتیجہ ہوا کہ جب نیّرِ اسلام چمکا ہی اُس خط کا جاننے والا دنیا مین کوئی نہ تھا -

ولادت سرور کائنات علیہ السلام کے قریب ہی ابوسفیان کے والد حرب بن امیّہ ارض حیرہ سے ایک خط سیکھ آئے اور دو چار دوستون اور عزیزون کو بھی سکھا دیا - خود حرب کا بیان تھا کہ مین نے اس خط کو حیرہ کے ایک شخص اسلم بن سدرہ سے سیکھا - اور وہ علاقۂ انبار کا ایک شخص مرامر بن مرہ کا شاگرد تھا اور چونکہ مرامر کا کوئی اُستاد نہین معلوم تھا اسلیے قریش مین یہ خیال پھیل گیا کہ اس خط کا پہلا موجد مرامر ہی - اور ارض انبار اُس کا مولد ہی - (ملاحظہ ہو ابن خلکان - حالات علی بن ہلال المعروف بہ ابن بوّاب کاتب)

غرض یہی عربی کی پہلی تحریر اور ہمارے موجودہ خط نسخ کا نقش اوّلین ہے - اسی مین قرآن مجید لکھا گیا - اسی مین آنحضرت صلعم کے خطوط و معاہدات لکھے گئے - اور اسی مین صحابہ مراسلت کرتے تھے - مگر اپنی ابتدائی حالت مین یہ خط اس قدر ناقص تھا کہ جس قدر رواج پاتا تھا اُسی قدر زیادہ اُس مین اصلاحون اور ترمیمون کی ضرورت محسوس ہوتی جاتی تھی - اور یقیناً بہت سی اصلاحین ہوئی ہون گی جن کی ہمین خبر نہین ہے -

اس عہد کے نمونے ہمارے ہاتھ مین بہت ہی کم ہین جن سے کچھ اندازہ کیا جائے - آنحضرت نے جو خطوط لکھوا کے بھجوائے تھے اُن مین سے دو خط اہل یورپ نے خدا جانے کیونکر اور کہان سے برآمد کر کے پیش کیے ہین اور دعوی کیا جاتا ہے کہ وہ اصلی خط ہین - ان دونون کے فوٹو مین نے دیکھے ہین - ایک مسیلمۂ کذاب کے نام ہی ۱۸۹۶ء مین لندن کے پکچر میگزین نام ایک رسالہ مین چھپا تھا مین نے اُس کا

ورق نکال کے اسکی پلیٹ بنوائی ہے جو میرے پاس احتیاط سے رکھی ہے گو ابھی
تک چھپوانے کی نوبت نہین آئی۔ دوسرا خط فرمان رواے مصر مقوقس کے نام
ہے جس کا فوٹو ہیروز آف دی نیشن سیریز کی کتاب ’’محمدؐ‘‘ مصنفہ ڈی ایس
مارگولیوتھ مین مصر کے رسالۂ الہلال سے لے کے درج کیا گیا ہی۔

ان دونون خطون کی تحریر ایک ہی زمانے۔ ایک ہی وضع۔ اور ایک
ہی شان کی ہی۔ اور دونون کے نیچے آپ کی مہر ہے خطوط کی عبارت کے الفاظ
بھی وہی ہین جو احادیث مین صحیح روایات سے مروی ہین۔ بہرحال ان کو دیکھ کے
یقین ہوتا ہے کہ اصلی تحریرین ہین۔ اور یہی میرا خیال ہی۔ چنانچہ مین ان خطون کے
فوٹون کو تمام اگلے تبرکات سے زیادہ واجب التعظیم اور حرز جان بنانے کے قابل
خیال کرتا ہون۔ اور بے اختیار جی چاہتا ہے کہ ان مبارک نامہ ہاے رسالت پر
جان فدا کر دیجیے۔ افسوس مسلمانون کو توفیق نہین ہوتی ورنہ اُن کا فرض تھا کہ یہ
دونون اصلی خطوط رسالت جن پر آپ کی مہر مبارک ثبت ہی اُن کی تاریخ کا پتہ
لگاتے کہ کیونکر محفوظ رہے۔ کہان سے کہان پہونچے۔ کس سے کس کو ملے۔ اور
آخر مین کیونکر اہل یورپ کے ہاتھ آئے۔

ان خطوط کے بعد کی تحریر کا نمونہ حضرت عثمان ذی النورین کے عہد کے
قرآن پاک ہو سکتے ہین۔ جن کا کوئی نسخہ اسوقت تک کسی ہندوستانی مسلمان کی
نظر سے نہین گزرا۔ کہا جاتا ہی کہ اُن مین کا ایک قرآن قسطنطنیہ مین موجود ہی۔ اگر خواجہ صاحب
کسی تدبیر سے اُس کی زیارت سے شرفیاب ہو کے اُس کے کسی صفحہ کا فوٹو حاصل
کرین اور اسے شائع کر دین تو مسلمانون پر بڑا احسان کرین۔

مذکورۂ بالا دونون خطوط رسالت کی تحریر کی شان یہ ہے کہ نہ نقطہ ہین
نہ اعراب ہین نہ علامات اوقاف ہین۔ الف سیدھی کھڑی لکیر نہین بلکہ نیچے کا سرا
پیچھے مڑا ہوا ہے جس سے اُس کی قطع ’’ما‘‘ کی سی ہی عظیم کا لفظ یون لکھا ہے۔
’’عطىم‘‘۔ القبط کی صورت یہ ہی ’’الڡىط‘‘۔ سلام کی وضع تحریر یہ ہی
’’سلم‘‘ الھدی کی صورت یہ ہی ’’الهدى‘‘۔ من کی صورت ’’م‘‘
اور بعضنا بعضا کو ’’ىعصا ىعصا‘‘ معلوم ہوتا ہی کہ نصب کے ساتھ تنوین مین

ایک الف جو موجودہ رسم خط مین بڑھا دیا جاتا ہی یہ اُسی زمانے کا ہے۔ اشھدوا کی صورت "اسھدو ا" ہی اس سے پتہ چلتا ہی کہ جمع کے آخر کا الف بھی اُسی زمانے کا ہے۔ اس کی پابندی نہین ہے کہ لفظ سطر مین ختم ہی ہو جاے۔ "ورسوله" مین سے "ور" ایک سطر کے آخر مین ہی۔ اور "سوله" دوسری سطر کے شروع مین "تقوا" مین سے "ت" ایک سطر مین ہے اور "قوا" دوسری سطر مین "مسلمون" مین سے "مس" ایک سطر کے آخر مین ہی اور "لمون" دوسری سطر کے شروع مین۔

خلفاے راشدین کے عہد مین اس خط مین کسی نمایان تغیر کا پتہ نہین چلتا سب سے پہلے اس تحریر کے نقصان پر ابوالاسود دوئلی کی نظر پڑی جن کا حال مین نے مئی اور جون ۱۹۱۳ء کے دلگداز مین لکھا ہی۔ انھین نے رسم خط کی اصلاح کی اور انھین نے ابتدائی قواعد نحو عرب کو بھی مدوّن کیا۔

زیاد نے حکومت بصرہ کے زمانے مین اُن سے خواہش کی تھی کہ قرآن کے رسم خط کی اصلاح کیجیے مگر اُنھون نے غالبًا قرآن کے متعلق سنت قدیم مین دخل دینا بدعت خیال کر کے انکار کر دیا۔ لیکن ایک دن ایک قاری قرآن کو اِنَّ اللّٰهَ بَرِیۡٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَرَسُوْلُهٗ مین "رَسُوْلُهٗ" کو "رَسُوْلِهٖ" پڑھتے سُن کے ایسے گھبرائے کہ زیاد کے پاس دوڑے گئے۔ اور کہا "مین اب آپ کی خواہش پوری کرنے کو موجود ہون" پھر اُس سے ایک کاتب لیا۔ اور اُسے پاس بٹھا کے ہدایت کی کہ مین قرآن کو لکھواتا ہون۔ جس حرف کے ادا کرنے مین مین اپنا مُنہ کھول دیا کرون اُس کے اوپر تم ایک نقطہ لگا دیا کرو۔ جس حرف کو مین مُنہ کو گول کر کے ادا کیا کرون تم اُس کے آگے ایک نقطہ لگا دیا کرو۔ اور جس حرف کے ادا کرنے مین آواز کا رخ نیچے کی طرف ہو تم اُس کے نیچے نقطہ دیا کرو۔ غرض قرآن مین پہلے پہل یہ اعراب لگائے گئے۔ جن کی صورت ابتدائی ایجاد مین بجاے ترچھی لکیرون کے نقطون کی سی تھی اور پیش بجاے حرف کے اوپر کے سامنے لگایا جاتا تھا۔ آج کل جو نقطے ب ت ا ور ث مین یا ج۔ ح۔ خ کا امتیاز بتایا کرتے ہین اُن کا اُسوقت تک مطلقاً پتہ نہ تھا۔ اور نہ شاید اُن کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔

ابو الاسود دوئلی نے ۶۹ھ مین انتقال کیا۔ اُن کے بعد کہتے ہین کہ میمون بن اقرن نے۔ پھر عنبسہ بن معدان فہری نے پھر عبداللہ بن ابی اسحق حضرمی نے۔ پھر ابو عمرو بن علاء المتوفی ۱۵۴ھ نے اس خط مین اور اصلاحین کین۔ مگر ہم نہین جانتے کہ وہ کیا اصلاحین تھین۔ یہان تک کہ خلیل ابن احمد ازدی المتوفی ۱۷۰ھ اور علی بن حمزہ کسائی المتوفی ۱۸۲ھ کا زمانہ آیا۔ جبکہ کوفہ اور بصرے مین نحو و صرف اور علم زبان کا شباب تھا۔ کہتے ہین کہ خلیل نے ترقی خط کی طرف بہت توجہ کی۔ اور اس درجہ کو پہونچا دیا کہ کسائی نے جو مامون رشید کا اُستاد اور علمی ترقیون کا بیحد شائق تھا خط عربی مین ایک نئی شان پیدا کی جس کو اہل کوفہ نے بے انتہا پسند کیا۔ اور وہی خط "خط کوفی" کے نام سے مشہور ہوا (ملاحظہ ہون کتاب الفہرس ابن الندیم۔ ابن خلکان حالات ابن مقلہ کاتب و ابن البواب کاتب۔ اور آغانی جلد ۱۱ صفحہ ۱۰۶ حالات ابو الاسود دوئلی) اس سے مین نہ مانون گا کہ کسائی نے یک بیک پرانے خط کو بدل کے خط کوفی کر دیا۔ بلکہ مسلسل تغیرون اور ترمیمون نے رفتہ رفتہ خود ہی اس خط کی صورت بنا دی تھی کسائی نے قواعد نقاشی و خوشنویسی کو کام مین لا کے قوم کی تحریر کی ایک خاص شان پیدا کر دی۔ جسے لوگون نے عموماً پسند کیا اور اُسی کی پیروی کرنے لگے۔

تاہم اس سے یہ صاف ظاہر ہی کہ خط کوفی کی ایجاد ۱۸۲ھ کے قریب ہوئی ہی۔ اس سے پہلے جو خط مروج تھا کوفی نہ تھا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے تک کوفہ کو کوئی علمی حیثیت ہی نہین حاصل ہوئی تھی۔ حضرت علیؓ نے کوفہ کی سکونت اختیار کی۔ اور اسی وجہ سے اکثر عوام مین مشہور ہے کہ حضرت علی کے ہاتھ کے لکھے ہوے قرآن خط کوفی مین تھے۔ مگر انھین اس کی خبر نہین کہ اُن دنون کوفہ تو بے شک تھا۔ اور کوفہ مین حضرت علیؓ بھی تھے۔ مگر خط کوفی نہ تھا جس کا کاتب حضرت علیؓ کو فرض کر لیا گیا ہے۔ خط کوفی کا دور دوسری صدی ہجری کے آخر سے شروع ہوا ہے۔ جبکہ ہارون رشید کا زمانہ تھا۔

مامون کے زمانے کی ایک فرد حساب کا فوٹو مین نے مدت ہوئی مولانا شبلی کے پاس دیکھا تھا۔ جس کی اصل یورپ کے کسی کتب خانہ مین موجود ہی۔ گو اس وقت

پوری تفصیل سے اُس کے حرفون کی شکلین یاد نہین ہین - مگر اجمالی نظر ہی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ نہایت ہی پختہ اور پاکیزہ خط ہے - اور خط کوفی کی گھسیٹ ہے -

اب مجھے یہ بتانا ہے کہ خط کوفی مین اور پرانے خط مین کیا فرق تھا مین نے خط کوفی کا کوئی مکمل قرآن نہین دیکھا ہے - لیکن ہیروز آف دی نیشن سیریز کی کتاب "محمدؐ" مصنفہ ڈی - اِس - مارگولیوتھ مین خط کوفی کے ایک قرآن کے ایک صفحہ کا فوٹو موجود ہے - اصل نسخہ بوڈلین لائبریری کا ہے - اور معلوم نہین کہ کس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے - اس مین الف کی قطع "ا" د کی قطع "د" ن کی قطع "ں" ہے - اس مین شک نہین کہ خط خوبصورت اور زیادہ واضح و روشن ہو گیا ہے مگر اُسی پرانے خط سے ملتا ہوا ہے صرف پختگی اور ایک مصورانہ مناسبت و ہم وضعی پیدا ہو گئی ہے - مگر تعجب یہ ہے کہ اس کوفی خط کے قرآن مین اعراب کا کہین پتہ نہین - نہ نقطہ ہی ہین اور نہ ترچھی لکیرین ہین - معلوم ہوتا ہے کہ ابوالاسود کی ایجاد کا عام طور پر رواج نہین ہوا تھا خاص ہی خاص نسخہ ہاے قرآن مین اُن کے رسم خط کی پابندی کی جاتی ہو گی - مگر عام کاتب اُن کا لحاظ نہ کرتے تھے -

اس خط کوفی مین سب سے بڑی مفید ترقی یہ ہوئی ہے کہ موجودہ نقطون کی بنا پڑ گئی - جن سے اُن تمام مختلف الصوت حرفون مین امتیاز کر لیا جا سکتا ہے جو ہم شکل ہین - مگر خط کوفی کے نقطے ہمارے موجودہ خط نسخ کے نقطے نہین ہین - بلکہ اُنکی جگہ نیچے اوپر باریک باریک ترچھی لکیرین زیر زبر کی سی اختیار کی گئی ہین - مثلاً "یا ایہا المزمل قم الیل" کو "یا ابہا ا المو مل قم ا الیل" کی وضع مین لکھا ہے - اس سے بے شک یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب ب ت ث اور اسی طرح کے دیگر حروف مین امتیاز کی ضرورت محسوس ہوئی تو بجائے نقطون کے ترچھی باریک لکیرین اختیار کی گئین - اور نقطون سے جو ابوالاسود نے ابتداءً اعراب و حرکات بنانے کا کام لیا تھا - وہ خاص خاص قرآنون مین تھے - عام تحریرون مین اور کتابون مین اِن کی ضرورت

نہین سمجھی جاتی تھی۔

اب اس وقت سے کچھ کم ڈیڑھ سو برس تک خط کوفی کا زمانہ رہا۔ مگر زمانہ جو جو گزرتا جاتا تھا اس خط مین بھی کچھ نہ کچھ تغیر اور ردّ و بدل کرتا جاتا تھا۔ خط کوفی جب کہ ہمین نظر آتا ہے زود نویسی کے لیے موزون نہ تھا۔ چنانچہ ۲۷۲ھ مین زمانے نے ابو علی محمد بن علی بن حسین کاتب کو " جو ابن مقلہ " کے لقب سے مشہور ہی پیدا کیا۔ یہ بہت بڑا شخص تھا۔ اور اگرچہ اُس کی زندگی اِس قدر پُر آشوب تھی کہ ترقی کی تو خلافت بغداد کا وزیراعظم بن گیا اور اقبال نے ساتھ چھوڑا تو ہاتھ کاٹا گیا۔ زبان کاٹی گئی۔ قید ہوا۔ اور خدا جانے کیسی کیسی مصیبتین جھیل کے ۳۲۸ھ مین چھپن برس کی عمر مین قید خانے ہی کے اندر مرا۔ لیکن نا قدردان دشمن اُس کی جان لے سکتے تھے اُس کے کمالات کا مٹنا ناغیرممکن تھا۔

دیگر کمالات کے علاوہ ابن مقلہ خوشنویسی اور خط نسخ کی اصلاح مین بھی کمال رکھتا تھا۔ چنانچہ اُس نے مروجہ خط کوفی کو تقویم پارینہ کر کے موجودہ خط نسخ ایجاد کیا۔ (ملاحظہ ہو ابن خلکان حالات ابن مقلہ کاتب) اس نئے خط مین اعراب و حرکات کے اظہار کے واسطے ابوالاسود دوئلی کے نقطون کو موقوف کر کے زیر۔ زبر کے لیے حرف کے اوپر اور نیچے ترچھی لکیرین اور پیش۔ جزم تشدید۔ دو زبر اور دو زیر کی موجودہ شکلین اختیار کی گئین۔ اور متشابہ حرفون کے باہمی امتیاز کے لیے خط کوفی کی باریک ترچھی لکیرون کو چھوڑ کے نقطے قائم کیے گئے۔ اور تمام حرفون کی صورتون مین ایک مقبول عام خوشنمائی سادگی اور آسانی پیدا ہو گئی۔ خلاصہ یہ کہ ہمارا موجودہ خط نسخ ابن مقلہ کا ایجاد ہے ابن مقلہ کے خط کی یہ شان اس قدر پسندیدہ ثابت ہوئی کہ ساری کتابت اسی مین ہونے لگی۔ اور یکایک خط کوفی ایسا مٹا کہ آج اُس کا لکھنا در کنار دنیائے اسلام مین اُس کا کوئی پڑھنے والا بھی نہین ہے۔

ابن مقلہ کے کچھ کم ایک صدی بعد ابن بوّاب کاتب پیدا ہوا جس نے اپنی مشہور عام خوش نویسی سے خط نسخ کو انتہا سے کمال کے درجے کو پہونچا دیا۔ ابن بوّاب کا نام ابوالحسن علی بن ہلال تھا۔ مگر چونکہ ایک دربان کا بیٹا تھا اِس لیے

"ابن البواب" کے لقب سے مشہور ہوا - علامہ ابن خلکان اُس کی نسبت لکھتے ہین "اگلون پچھلون مین سے کوئی شخص اُس کے مثل کتابت نہین کر سکا - خط کوفی سے بدل کے موجودہ خط کو ایجاد تو ابو علی بن مقلہ نے کیا تھا - لیکن ابن بواب نے اس کی شان کتابت شایستہ مہذب اور خوشنما بنا دی - اور تمام لوگون کو اتفاق ہی کہ اس بارۂ خاص مین وہ منفرد اور بے نظیر تھا" ابن بواب نے ۴۱۳ھ یا ۴۲۳ھ مین انتقال کیا - اور خط نسخ مین ایسی شان پیدا کر کے چھوڑ گیا جس کی لوگ آج تک پیروی کر رہے ہین -

اس مسئلہ پر اس قدر تحقیق کرنے کے بعد مین خواجہ صاحب کے سوالات کا جواب دیتا ہون -

(۱) ۸ نومبر کے زمیندار مین ایک واقف کار صاحب نے بتا دیا ہی کہ مولوی خدا بخش خان کے کتب خانۂ بانکی پور مین حضرت عثمان اور حضرت علی کے ہاتھ کے لکھے ہوے قرآن مجید موجود ہین - مجھے دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہان حضرت عثمان کے ہاتھ کا تو کوئی قرآن نہین ہے ہان حضرت علی کے ہاتھ کے چند پارے بتائی جاتے ہین - مگر جب تک کوئی خط عرب کی تاریخ جاننے والا اُن پر تنقیدی نظر ڈال کے نہ بتائے اعتبار نہین کیا جا سکتا - تاہم اس عہد کا کوئی قرآن مل جائے تو ہم کو اس مسئلہ مین صحیح نتیجہ تک پہونچنے مین بہت کامیابی ہو سکتی ہے -

(۲) آپ کی تحقیق کے اس حصہ سے مجھے اتفاق نہین کہ سیدنا عثمان کا مصحف خط کوفی مین تھا - اسلیے کہ خط کوفی اُس زمانے کے تقریباً ڈیڑھ صدی بعد ایجاد ہوا ہے - لیکن یہ بالکل صحیح ہی کہ اُس مین نقطہ اور حرکات و سکنات نہ تھے -

(۳) اس دفعہ کے مضمون (الف) کے متعلق عرض ہی کہ خط نسخ کی تاریخ مین نے اوپر تفصیل سی بتا دی ہے جس سے تمام استفسارات کا جواب مل سکتا ہی ذرا اتنا اور عرض کرنا ہے کہ مین نے کبھی کوئی قرآن خط نسخ اور خط کوفی مین ملا جُلا نہین دیکھا - لیکن ابن مقلہ کے ظہور سے چند روز پیشتر جو قرآن لکھے گئے ہون گے وہ یقیناً ایسے ہی خط مین ہون گے جن کی شان خط کوفی اور موجودہ نسخ سے ملی جُلی ہوگی -

ضمن (ب) کے متعلق عرض ہے کہ نقطون کا آغاز خط کوفی مین باریک ترچھے خطوط کی وضع مین ہوا جو خطوط ابن مقلہ کے زمانے مین نقطے بن گئے۔ اُن سے بیشتر بادی النظر مین حروف منقوط و غیر منقوط یا ایک اور دو اور تین نقطون والے حرفون مین مابہ الامتیاز کوئی علامت نہ تھی۔ اور صرف قیاس اور معانی کی مناسبت سے اُن کا امتیاز کیا جاتا تھا۔ جسطرح کہ اردو مین ہم حرکات کا امتیاز بغیر کسی علامت کے کر لیا کرتے ہین۔ "ب" اور "ت" کا امتیاز خط کوفی سے پہلے کے پرانے خط مین نہ مفرد مین تھا نہ مرکب مین۔ مگر کوفی مین جیسا کہ مین اوپر بیان کر آیا ہون نیچے اوپر باریک خطوط کا امتیاز پیدا ہو گیا تھا "ت" کی شکل "ٮ" اور "ب" کی "ٮ" تھی۔

ضمن (ج) بعض کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ نقطون سے پہلے حرکات و سکنات کا استعمال شروع ہوا۔ اور وہ بذریعۂ نقط تھا۔ اور نقطے اولاً حرکات و سکنات کے لیے استعمال ہوئے۔ موجد حرکات ابوالاسود دوئلی نے زیر زبر پیش کے اظہار کے لیے اپنے کاتب کو اوپر نیچے اور سامنے نقطہ ہی لگانے کی ہدایت کی تھی۔ جو بہ اعتبار روایت ہر طرح قابل تسلیم ہے۔ امتیاز حروف کے لیے نقطون سے اور حرکات کے سمجھنے کے لیے ترچھے خطون وغیرہ سے کام لینے کا آغاز ابن مقلہ کے زمانے سے ثابت ہوتا ہے۔ مگر مین خیال کرتا ہون کہ اس سے پیشتر ہی کاتبون کا رُجحان اس ترمیم و تہذیب کی طرف ہونے لگا ہو گا۔ ابن مقلہ نے اُسے اختیار کر کے اس قدر رواج دیدیا کہ سب نے یہی طرز تحریر اختیار کر لیا۔

ضمن (د) بے شک قدیم کتابت مین "ذٰلک" اور "جنّٰت" کے ایسے لفظون مین الف نہین لکھا جاتا تھا۔ اور نہ اُس کے امتیاز کے لیے کوئی علامت تھی۔ مذکورہ صحف رسالت مین الفاظ "رحمان" اور "یا اہل" بغیر الف کے صرف کھڑے زبر سے یعنی "رحمٰن" اور "یاھل" کی صورت مین لکھے گئے ہین۔ اُن دونون "حرث" اور "حارث" کے نامون مین امتیاز دشوار تھا۔ اس لیے کہ دونون مذکورہ نام "حرث" کی صورت مین لکھے جاتے تھے۔ اب بھی اکثر حارث کا لفظ "حرث" لکھا جاتا ہے۔

اسی طرح دیگر سوالات کا جواب بھی اس مضمون کے ابتدائی مباحث سے حاصل کر لیا جا سکتا ہے۔

موجودہ نعمتون کی بے قدری

حضرت رسالت (روحی فداک یا رسول اللہ) نے بعض روز روز حاضر ہونے والون سے فرمایا۔ "زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا"، (مجھ سے ایک دن چھوڑ کے ملا کرو اس سے تمھارے دل مین میری محبت زیادہ ہو گی۔) اس ارشاد نبوت کے فلسفہ پر بھی کبھی تم نے غور کیا ہو؟

انسان کی فطرت ہی کچھ ایسی احمقانہ واقع ہوئی ہو کہ جو نعمتین اُس کو مل چکی ہین اُن کی قدر نہین کرتا۔ اور جو اُسے نصیب نہین اُنکی ہوس مین مرا جاتا ہے۔ ہمیشہ ہم اپنے شہر کے باغون اور سبزہ زارون کی سیر نہین کرتے مگر اے ہمالیہ کی گھاٹیون اور اُس کی وادیون کے مرغزار و جو نظر سے غائب اور خیال کے سایے مین ہو تم ہمارے دل کو اپنی طرف کھینچ رہی ہو۔ ہماری گزرگاہون مین میونسپلٹی نے ہزارون لالٹینین روشن کر رکھی ہین جنھین کبھی شاذونادر ہی ہم نگاہ اُٹھا کے دیکھتے بھی ہین مگر اے سقف فلک کے غیر مرتب تارو تمھین بار بار دیکھتے ہین اور جی نہین بھرتا۔ شب و روز اسی فکر مین ہین کہ کسی طرح اُڑ کے تم تک پہونچین۔ یہ کیون؟ صرف اس لیے کہ تم دونون دور ہو اور تم تک رسائی نہین ہو سکتی۔

ریل مین سفر کرتے وقت بارہا تجربہ ہوا ہو گا کہ پاس کے کھیتون اور درختون مین وہ خوبصورتی نہین ہے جو دور کے ملے ہوے درختون اور وادیون کی سواد مین ہم کو نظر آتی ہو۔ جانتے ہین کہ اُن کے قریب پہونچین گے تو وہ بھی ایسے ہی ثابت ہون گے جیسے یہ پاس والے کھیت اور درخت ہین۔ مگر دل نہین مانتا۔ اُنھین چیزون کا والہ و شیدا ہی جو دور ہین۔ اسی مسئلہ مین اس بات کا بھی راز ہو کہ جس قدر دیہات والون کو شہرون کی رونق و آبادی و چہل پہل۔ مکانون کی رفعت و شوکت اور سڑکون کی بھیڑ بھاڑ دیکھنے کا شوق ہے اُس سے زیادہ مشتاق اہل شہر دیہات کی خاموشی

وسادگی - نزہت و شادابی - وہان کے وسیع میدانون - اور لہلہاتے ہوئے کھیتون کے ہین -

ہم بالطبع جدت پسند اور عجائب پرست واقع ہوئے ہین - ہمیشہ دل پر یہ ہوس قابض رہتی ہی کہ روز کوئی نئی چیز ملے - اور اُن چیزون کو دیکھین جو نظر سے دور ہین -

اردو کی بدیسی مثل "گھر کی مرغی دال برابر" اسی رمز فطرت اور ہماری احمقانہ ہوس پرستیون کا شعار ہے - اچھی سے اچھی نعمت اور مفید سے مفید دولت دستیاب اور سہل الحصول ہونے کے باعث ہماری نظر مین بے قدر ہوجاتی ہین - اور جن چیزون کا حاصل ہونا دشوار ہی اُن مین سے اکثر مضر اور خوفناک چیزین بھی دور سے ایسی بھلی معلوم ہوتی ہین کہ اُن کے شوق مین دل ضروری نعمتون کی قدر کرنا درکنار اُن سے نفع اُٹھانا بھی بھول جاتا ہے -

لوگ شاہان سلف کی اس وضع پر آج اعتراض کرتے ہین کہ لوگون کی اُن تک رسائی نہ ہوتی تھی - دروازون پر پہرہ تھا - باہر اس قدر کم نکلتے لاکھون اہل ملک دل مین اُن کی ایک جھلک دیکھ پانے کی تمنا ہی لیے مرجاتے -

ایک سطحی خیال والا نکتہ چین کہہ دے گا کہ یہ اُن کے غرور ونخوت کی وجہ سے تھا یا شب و روز مہ جبین عورتون کی صحبت مین پڑے رہنے کے باعث مگر نہین - اُن کی یہ وضع صرف اس لیے تھی کہ عام نگاہون سے دور رہنے کی وجہ سے اُن کی قدر بڑھے - دوستون کے دلون مین محبت زیادہ ہو - اور دشمنون پر پورا رعب قائم رہے - زیادہ میل جول سے بے قدری ہی نہین ہوتی بلکہ رعب بھی اُٹھ جاتا ہی اور شاہی شان و شوکت معمولی چیزین نظر آنے لگتی ہین - حضرت عمرؓ کے دُرّے سے کسریٰ و قیصر کے جسم مین لرزہ پڑ جاتا تھا مگر مغیرہ بن شعبہ کے ایک ذلیل غلام نے شہید کر ڈالا - حضرت علی کی ذوالفقار نے بڑے بڑے پہلوانون اور سپہ گرون کے غرور توڑ دیے تھے مگر اپنے ہی گروہ کے ایک حقیر دغا باز کے ہاتھ سے شہید ہوے - جولیس قیصر کی تلوار نے ساری دنیا مین لرزہ ڈال دیا تھا - مگر اپنے گرد کے چند بے وفا دوستون کے ہاتھ کا شکار ہوا - اور نادر جس نے آل عثمان

اور روسیون کی فوجون کو شکستین دیدی تھین اور اُس کی تلوار کے ایک اشارے نے دہلی مین خون کی ندیان بہادی تھین اپنی پاس کی فوج کے چند مبلے و فاؤن کے ہاتھ سے مارا گیا۔

ہم سلاطین کے سامان آرایش و آسایش کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے ہین ہمین نظر آتا ہی کہ دنیا بھر کے عیش تاجدارون کو حاصل ہین۔ اور خدا کی ساری نعمتین اُن کے عیش کدون مین جمع ہو گئی ہین۔ نہ ہمین اُن کا سا کھانا نصیب ہے نہ اُنکا سا پہننا نہ اُنکے سے اطاعت گذار خدام و اہل دربار مل سکتے ہین اور نہ اُن کی صحبت عیش کے سے معشوقان طرحدار نہ ویسے خزانے ہمارے قبضے مین ہین اور نہ ویسے ممالک و اقوام۔ لیکن غور کرو تو اسی عیش پرستی کے لحاظ سے جس قدر حسد بادشاہون کو تم پہ آتا ہے اُس قدر تمھین اُن پر نہین ہو سکتا۔ بلکہ سچ پوچھو تو اُن کا حسد صحیح اور بامعنے ہی اور تمھارا بے اصل اور لغو۔ اُن کو جو نعمتین حاصل ہین وہ حقیقت مین نعمتین اور بہت بڑی اعلی درجہ کی نعمتین ہین مگر کثرت ہر وقت موجود رہنے۔ اور بسہولت حاصل ہونے کے باعث اُن کی نظر مین وہ نعمتین ہی نہین باقی رہین۔ بہ خلاف اُن کے جو چھوٹی چھوٹی نعمتین تمکو عطا ہوئی ہین وہ ایسی مشقت اور دشواری سے حاصل ہوتی ہین کہ تم اُن مین بڑی سے بڑی نعمتوں سے زیادہ لطف اُٹھا لیتے ہو۔ اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ تمھاری حالت پر اُن کا حسد کرنا تو بیجا نہین۔ مگر تم جو اُن کی حالت پر حسد کرتے ہو یہ بالکل بے موقع اور بے حقیقت ہی۔

مگر دنیا کی عام حالت یہ ہو رہی ہی کہ جس لالچ کی نگاہ سے تم اُن کے عالیشان محل کو دیکھتے ہو اُسی لالچ سے وہ تمھارے ٹوٹے جھونپڑے کو دیکھتے ہین۔ جس شوق سے تم اُن کے پُلاؤ قورمے اور الوان نعمت کو دیکھتے ہو اُسی شوق سے وہ تمھاری روکھی روٹی اور بن بگھاری دال کو دیکھتے ہین۔ جسطرح تمھین اپنی سادی اور کم قیمت غذا بے لطف اور بے مزہ معلوم ہوتی ہے اسی طرح اُنھین اپنی پُر تکلف اور قیمتی غذاؤن مین مزہ نہین آتا۔ اور جسطرح تم اُنکی ہزارون لونڈیون کے ممولاادا بی بیون پر حسد کرتے ہو ویسے ہی وہ تمھاری ایک پاک دامن عفیفہ اور حیا کش بی بی پر حسد کرتے ہین۔

یہ باہمی حسد اور ایک دوسرے کی حالت کو لالچ سے دیکھنا کیون ہے؟ اس لیے کہ جس طرح تم کو اپنا غربت کا سامان معمولی اور تمھارے پاس ہونے کی وجہ سے بے مزہ اور بے لذت نظر آنے لگا ہو ویسے ہی اُن کے لیے اپنا اعلی درجہ کا سامان عیش پھیکا اور بے مزہ ہوگیا ہے۔ انھین باتون اور انسان کے اِنھی تلون کو دیکھ کے فلسفی اس نتیجہ کو پہونچ گئے ہین کہ لذت اور عیش صرف تغیر اور ایک حالت سے بدل کے دوسری حالت پیدا ہونے کا نام ہے۔ وہ سمجھتے ہین اور بہت صحیح سمجھتے ہین کہ دشواری سے حاصل ہونے اور تاخیر و انتظار کے بعد دستیاب ہونے کی برکتین دنیا کی ہر چیز کو لذیذ بنا دیا کرتی ہین۔

اسی کا ایک کرشمہ یہ ہو کہ ہمین اپنی دنیا وی ہستی مین موجودہ حالت اس قدر بے لطف و بے مزہ نظر آتی ہے کہ اُس کی طرف توجہ کرنے کی بہت کم لوگون کو نوبت آتی ہو مگر گذشتہ اور آیندہ حالت کے خیال مین جسے دیکھیے مصروف ہو۔ اگلی چیزون مین سے باقی کوئی نہین ہو۔ سب گذر گئین اور صرف اُن کی یاد دلون مین ہو۔ اس یاد مین بھی اس قدر مزہ ہو کہ گو اُس سے کوئی نتیجہ نہین حاصل ہو سکتا لیکن سب کی زبان پر اگلون کی داستانین ہین۔ کس کس طرح مزہ لے لے کے کہہ رہے ہین کہ فلان صحبت کیسی دلچسپ تھی؟ اور فلان احباب مرحوم مین کس قدر سچے تھے؟ آہ اب ویسی صحبتین دیکھنے مین آئین گی۔ اور نہ ویسے دوست نصیب ہون گے۔

اب گزرے انسانون کو چھوڑ کے آیندہ کی طرف رخ کرو ادھر تم کو آغوش فردا مین عجیب عجیب قسم کی دلکش و دلفریب تمنائین نازون کے پلے لاڈلے بچون کی طرح کھیلتی اور کھل کھلاتی نظر آئین گی۔ اور تمھارا جی چاہے گا کہ اُن خوبصورت بچون کو بے اختیار گود مین اُٹھا کے کلیجے سے لگا لو۔ اور یہ نہین ہو سکتا تو اِن پیاری صورتون کو دیکھتے ہی رہو۔ استقبال کے گلشن اقبال مین ہر قسم کی لذتین اور ہر طرح کے مزے نظر آئین گے مگر افسوس گو وہ تھین اپنی ہی طرف آتے نظر آتے ہین لیکن اتنی طرف دور ہین کہ تمھارا ہاتھ اُن تک

نہین پہونچ سکتا۔ اور انتظار کی شکل برداشت کرنے کی تم اپنے مین طاقت نہین پاتے۔

بخلاف گذشتہ و آیندہ کے حال کی وہ قیامت زا اور امید کش ساعت ہے کہ اُس کی سواد مین پہونچتے ہی ہر چیز معمولی اور بے مزہ ہو کے رہ جاتی ہی۔ وہی دلچسپیان جو آغوش فردا مین حد سے زیادہ دلکش نظر آتی تھین آج کی قلمرو مین آتے ہی کچھ ایسی بے لطف ہوگئین کہ قدر کے قابل ہی نہ معلوم ہوئین۔ نہ اُن سے لطف اُٹھایا۔ اور نہ تمھین یہی محسوس ہو سکا کہ اُن مین کوئی لذت ہی۔ لیکن حال کے نہایت ہی محدود اور تنگ دائرے سے نکل کے جیسے ہی وہ گذشتہ کے عشرت آباد مین پہونچ گئین تم ہاتھ ملنے لگے کہ افسوس کیسی نعمت اور کیسی راحت کی چیز ہاتھ سے نکل گئی۔ اور ہم قدر نہ کر سکے۔

موجودہ حالت اور آج کی گھڑی محض اسی وجہ سے بے لطف ہی کہ ہم سے قریب اور ہماری دسترس کے اندر ہی۔ اور گذشتہ و آیندہ کی دلکش اور لذت آلود نیرنگیان اسی لیے پُربہار و پُرلطف ہین کہ ہم سے دور ہین۔ اور ہمارے بس مین نہین۔

شعرا کی زبان سے ہم معشوق کی بے وفائی کی شکایت سنتے سنتے عاجز آگئے ہین۔ بارہا دل مین خیال گذرا کہ کیا ہمارے شاعرون اور عاشقون کو کوئی باوفا معشوقہ نہین ملتی جو ایک بیوفا۔ بد عہد۔ جھوٹے۔ اور وعدہ فراموش معشوق پر مٹے ہوے ہین؟ رات دن اُسی کی بے وفائی کے ظلم و ستم کا دکھڑا روتے ہین۔ مگر اُس کے ہاتھ سے جان نہین چھڑا سکتے۔ آخر غور کرنے سے کھلا۔ کہ یہان بھی وہی "موجودہ نعمتون کی بے قدری" کا مسئلہ پیش ہے انسان کی احسان فراموش اور ناقدردان فطرت ہی ایسے معشوق کو چاہتی ہے جو اُس پر ظلم کرے۔ عاشق نواز معشوق ان بے وقوفون کی نظر مین معشوق ہی نہین ہے۔ جو ان کے بلانے سے چلا آیا۔ اِن کی دلداری کرتا رہا۔ اور اِن کی خواہشون کا مطیع ہوگیا۔ اُس مین کسی قسم کی لذت نہین ہوسکتی۔ کیونکہ اُس کا حسن و جمال سہل الحصولی کی نذر ہوگیا۔ اور اُس کی رعنائی و زیبائی

پاس آجانے کی وجہ سے خاک مین مِل گئی - اِن کے نزدیک لذت اُسی معشوق مین ہی - جو ہر بات مین اِن کی ضد کرے - یہ صورت دکھانے کو کہین تو وہ منہ چھپالے آنے کو کہین تو چلا جائے - پاس بلائین تو دور بھاگے - یہ خوشامد کرین تو گالیان دے - اُس کے قدمون پر سر رکھین تو وہ ٹھوکر مارے - غرض اپنی ہر ادا ہر آن - اور ہر انداز سے اسی بات کو ظاہر کرے کہ اُس کا ملنا غیر ممکن ہی -

لہذا اد بے وقوف انسان اپنی انھین حماقتون کی وجہ سے تو خراب ہو رہا ہے - کاش اپنے پاس کی نعمتون کی قدر کرتا - اور اپنی دنیوی زندگی کو جنت بنا لیتا - اور جن لوگون نے موجودہ گھڑی اور حاصل شدہ برکتون کی قدر کی اُنھون نے اپنی اس فانی زندگی کو جنت کی زندگی بنا لیا - مگر افسوس مسلمانون مین عجیب انقلاب ہو گیا ہے - اِن کے اگلون نے تو موجودہ نعمتون کی قدر کرکے اپنی دنیوی زندگی فردوس برین کی زندگی بنا لی تھی مگر فی الحال اِس کلیہ سے مستثنی ہونے کی کوئی صورت نہین نظر آتی کہ الدنیا سجن المومن و جنۃ الکافر -

شبلی نعمانی

مولانا شبلی کی وفات سے مسلمانون مین جو کمی ہوگئی ہی اُس کا پورا ہونا بہت دشوار ہی - ہندوستان مین بہت سے علما و فضلا پیدا ہون گے - بہت سے شعرا پیدا ہون گے - بہت سے مصنف پیدا ہون گے - بہت سے انگریزی کے قابل و متبحر پیدا ہون گے - مگر شبلی پھر پیدا ہون ممکن نہین - وہ اُس عالم سرمدی مین گئے - اور جنت مین جہان سے کوئی واپس نہین آتا کسی کی یاد مین نوحہ بکا کرنا اُسے ستانا ہی - لہذا ہم اپنی آہ و زاری سے اُن کی وہان کی ابدی مسرت و فارغ البالی مین فرق نہ ڈالتے اور اُنھین نہ ستاتے - مگر کیا کرین کہ شبلی مینو نشین نہ دنیا مین کوئی اپنا نظیر چھوڑ گئے ہین اور نہ اُن کے سے محقق گران پایہ کے پیدا ہونے کی امید ہی - اور یہ ایسا غم جانکاہ ہی کہ ہمین آج ہی یہ چین سے بیٹھنے دے گا اور نہ کبھی آیندہ

مولانا کے علمی کارنامون کا آغاز ہماری آنکھون کے سامنے ہوا - ہمارے سامنے ہی اُنھون نے ترقی کی شہرت حاصل کی - اور ہماری ہی آنکھون کے سامنے دنیا سے سدھار گئے - ہم سے اُن سے طالب علمی کے زمانے سے ملاقات تھی - اُن کا سنہ ولادت تو ہمین یاد نہین مگر اتنا جانتے ہین کہ ہم وہ قریب العمر ہین - مولانا کو ہجوم امراض قبض و بواسیر کے تکالیف - اور معدے کی کمزوری نے بہت ہی ضعیف و ناتوان بنا دیا تھا - جسکی وجہ سے

اُن کی عمر اصل سے زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ اُن کے بیان کے مطابق اُن کی عمر پچپن چھپن سال سے زیادہ نہ تھی۔

ابتدائے عمر مین درسیات اور کتب معقول اُنھون نے اپنے وطن مین مولوی محمد فاروق صاحب چریاکوٹی سے پڑھین چندروز بحیثیت طالبعلم جونپور کے مدرسہ حنفیہ مین رہے۔ اور غالباً مولوی ہدایت اللہ خانصاحب مرحوم سے تحصیل کی۔ آخر مین ادب عربی کے شائق بن کے لاہور پہونچے اور مولانا فیض الحسن صاحب سے پرائیوٹ طور پر ادب کی کتابین پڑھین۔ شاید اسی وجہ سے پنجاب کے اخبارات مین شائع ہوا ہے کہ اُنھون نے پنجاب یونیورسٹی کی ڈگریان مولوی عالم اور مولوی فاضل حاصل کین۔ مگر یہ بالکل بے اصل و بے بنیاد ہے۔ یہ ہمین نہین معلوم کہ مولانا نے حدیث کی کتابین پڑھین یا نہین۔ اور پڑھین تو کہان اور کس سے پڑھین۔

تحصیل علم کے بعد مولانا نے ارادہ کیا کہ قانونی حیثیت اختیار کر کے مختاری و وکالت کی سندین حاصل کرین۔ جس غرض کے لیے چندروز تک ضلع بستی مین قیام کیا۔ مگر حالت اور رجحان طبیعت سے آشکارا ہو رہا تھا کہ جن امور مین فروغ پانے کے لیے وہ پیدا کیے گئے تھے وہ میدان نہین ہے۔ چنانچہ اُن دنون اگرچہ مقدمہ فہمی اور عدالتی کارروائیون سے کام رہتا تھا۔ مگر اُن کا مشغلہ علمی مباحث اور عالمانہ تصانیف ہی تھے۔

مولانا نے جن درسگاہون مین تعلیم پائی اور جن اساتذہ سے پڑھا اُن کی صحبت نے ابتدا ہی مین اُنھین سخت حنفی بنا دیا تھا۔ اسی شوق مین اُنھون نے اپنے نام کے ساتھ ”نعمانی“ کا لقب لکھنا شروع کیا۔ جسکی وجہ سے بعض ناواقف لوگون نے اُنھین غلطی مین پڑ کے نسباً نعمانی یعنی امام اعظم ابوحنیفہ کوفی کی نسل مین خیال کر لیا مگر اسکی کوئی اصلیت و حقیقت نہین ہے۔ وہ متشدد حنفی تھے۔ اور حنفیت مین اپنے آپ کو اورون سے ممتاز ثابت کرنا چاہتے تھے۔ اسی جوش کا تقاضا یہ بھی تھا کہ امام صاحب کے سوانح عمری مین اُنھون نے ”سیرۃ النعمان“ لکھی تو امام المحدثین محمد بن اسمٰعیل بخاری پر جابجا حملے کیے۔ اور علی العموم گروہ محدثین کے اصول سے اختلاف کیا کرتے۔ یہان تک کہ امام ابوالحسن اشعری بھی محض اتباع حدیث کے باعث اُن کے مورد سہام بن گئے۔

اُن دنون مولوی ابوالحسنات محمد عبدالحی فرنگی محلی کی درسگاہ کی شہرت تھی۔ جن کے فیض علمی سے سارا ہندوستان بلکہ ممالک دور دراز کے لوگ بھی بہرہ یاب ہو رہے تھے۔ مولانا عبدالحی صاحب کی یہ شان تھی کہ بخلاف تمام موجودہ علمائے حنفیہ کے ائمۂ حنفیۂ سلف مین سے جس کے قول کو اہل حدیث کے مذہب سے قریب تر پاتے اختیار کر لیتے۔ اور بہت سے مسائل مین اہل حدیث کے ہم خیال تھے۔ چنانچہ نماز مین امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بارے مین اُنھون نے امام محمد کا مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اور سورۂ فاتحہ پڑھنا مستحب بتاتے تھے۔ یہ امر مولانا شبلی کو سخت ناگوار ہوا۔ چنانچہ اسکی تردید مین ایک عربی رسالہ

لکھ کے شائع کر دیا۔ جسکا نام "اسکات المعتدی" تھا اور جیسے ہی اُسکی اشاعت ہوئی اُسکی تردید مین مولوی عبدالحی صاحب مرحوم کے فاضل شاگردون سے مولوی نور محمد صاحب ملتانی مرحوم اور تاشیعب نے اپنے اپنے رسالے شائع کیے جن مین علاوہ نفس مسئلہ کے ادبی غلطیان بھی نکالی تھین۔

مولانا انھین بحثون مین پڑے ہوے تھے کہ علیگڈھ کالج کو عربی کے ایک اچھے ادیب اور فاضل مدرس کی ضرورت ہوئی۔ اُنھون نے مولوی فیض الحسن صاحب کی تصدیق و سفارش سے درخواست بھیجی سید صاحب نے مولانا کی درخواست کو قبول کر لیا چنانچہ مولانا بستی اور وہان کے قانونی مشاغل کو چھوڑ کے لکھنؤ ہوتے ہوے علیگڈھ گئے۔ مین اُسوقت داروغہ حیدر بخش کی مسجد مین اُن سے ملا تھا۔ اور اُن کے چہرہ سے محسوس کر رہا تھا کہ یہان کے طلبہ مین سے ہر ایک کو وحشت و بدگمانی کی نظر سے دیکھتے تھے مگر باوجود اس وحشت کے طلبہ ہی مین تھے۔ اسلیے کہ اُسوقت تک پبلک سے اُن کو سروکار نہ تھا علیگڈھ مین سید صاحب نے اُنھین اپنی کوٹھی کے احاطہ کے اندر ایک چھوٹے سے مکان مین جگہ دی جو سب سے الگ بالکل باہمہ اور بے ہمہ تھا۔ اور ایک خاموش مقام تھا۔ اُن مین جستجو و تحقیق کا سچا مذاق دیکھ کے سید صاحب نے اُن سے ربط و ضبط بڑھایا۔ اکثر کھانا ایک ساتھ کھاتے۔ اور روز گھنٹون صحبت رہتی۔

سید صاحب ہمیشہ اعتقادی و کلامی مسائل اور مورخانہ تحقیق کے غور و خوض مین رہتے اور تحقیق و تدقیق کی غرض سے اُنھین اکثر حدیث و فقہ و تاریخ و سیر کی کتابون کے مطالعہ کی ضرورت پڑتی۔ اس کام کو اُنھون نے مولانا شبلی سے لینا شروع کیا۔ اور مولوی شبلی نے اس خدمت کو ایسی خوبی اور قابلیت سے انجام دیا کہ جس قدر سید صاحب کی دقیقہ رسی و وسعت نظر کے مولانا شبلی قائل ہوتے جاتے تھے اس سے زیادہ سید صاحب اُن کی تلاش جستجو اور طلب روایات کے معتقد و معترف ہو گئے تھے۔ اس زمانے مین مجھے بارہا مولانا شبلی کے پاس جاکے ٹھہرنے اور اُن کے ذریعہ سے خود سید صاحب کا مہمان بن جانے اور دونون کے ساتھ ہفتون کھانا کھانے اور شریک صحبت رہنے کا موقع ملا۔ مولانا سے مجھ سے حد درجہ کی بے تکلفی تھی۔ اور مین اس بات کو ہر صحبت مین محسوس کرتا تھا کہ وہ اور سید صاحب دونون کس قدر ایک دوسرے کے علمی کمالات کے معترف ہوتے جاتے ہین۔ سید صاحب کے اعتراف کی تو یہ حالت تھی کہ کوئی کام بغیر اُن سے مشورہ کیے نہ کرتے۔ اور مولانا شبلی کے اعتراف کا یہ ثبوت ہی کہ میرے علم مین اُن کی سب سے پہلی نظم جو اِن دنون شائع ہوئی "صبح امید" ہے جس مین اُنھون نے مسلمانون کی غفلت اور سید صاحب کی برکت سے اُن کے بیدار ہونے کو نہایت ہی پُر لطف اور موثر الفاظ مین ظاہر کیا ہی۔ اور اسی زمانہ مین علیگڈھ کے ایک طالب علمانہ

ٹیون مین اُنھون نے اپنی ایک قومی نظم سنائی تھی۔

اِن چیزون نے اُنھین فارسی اور اردو کا ایک مقبول عام شاعر ثابت کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور اس مین شک بھی نہین کہ وہ ایک قیقہ رس شاعر تھے اور اپنی نظمون کو ایسی نغمہ خیز دُھن مین سُنایا کرتے تھے کہ پبلک نے بہت پسند کیا اور طلبہ نے اُسے اختیار کر کے قومی نغمہ خوانی کی ایک مقبول عام دُھن بنا کے سارے ہندوستان مین پھیلا دیا۔ مگر پھر بھی مین کہون گا کہ وہ شاعر نہ تھے اور نہ شاعری کے لیے پیدا ہوئے تھے۔ بلکہ علم کے عالم مین اُن کی شان ایک شاعر کے درجے سے بہت ہی ارفع و اعلیٰ تھی۔

اب سید صاحب کی توجہ دلانے سے وہ تاریخی تنقید و تحقیق مین مصروف تھے جس کا سب سے پہلا نمونہ "مسلمانون کی گذشتہ تعلیم" پر اُن کا لکچر تھا جسے اُنھون نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے دوسرے یا تیسرے اجلاس مین پیش کیا تھا۔ یہ لکچر مسلمانون کی نظر مین بالکل ایک نئی اور بہت ہی دلچسپ چیز تھا۔ چنانچہ جب اُس پر دلگداز مین ریویو ہوا ہی تو کوئی نہ تھا جو اُس کے دیکھنے کا مشتاق نہ ہو گیا ہو۔ اسی نوعیت کی اُن کی دوسری کتاب "المامون" تھی جو علی العموم بہت پسند کی گئی۔ اور اسی کتاب نے پہلے پہل پبلک کو بتایا کہ مولانا شبلی کس قسم کے مصنف ہین۔ اور آیندہ کیسے ثابت ہونے والے ہین۔ اب سید صاحب کی صحبت اور پبلک کی حوصلہ افزائی نے مولانا کو اسی کوچے مین آگے بڑھانا شروع کیا۔ سیرۃ النعمان لکھی۔ سیرۃ الفاروق لکھی۔ اور تاریخی جستجو کا شوق اس قدر بڑھ گیا تھا کہ کتابون کی تلاش مین قسطنطنیہ پہونچے۔ اور واپس آ کے اپنا سفرنامہ شائع کیا۔ جسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ جس شوق مین وہان گئے تھے وہ پورا نہ ہوا اور اسی وجہ سے اُن کی یہ تصنیف بھی ایک ناکام تصنیف ہے۔

اس موقع پر اُن کے خیالات کے متعلق اس نازک انقلاب کا بیان کر دینا بھی لطف سے خالی نہ ہو گا۔ کہ سرسید دراصل غیر مقلد اور اہل حدیث کے گروہ مین تھے۔ لیکن مسائل کلامی اور انگریزی اثر نے غیر مقلد سے ایک بڑی حد تک اُنھین معتزلی بنا دیا تھا۔ سید صاحب کی صحبت کا مولانا شبلی پر کوئی اثر نہ ہوتا غیر ممکن تھا۔ مگر اہل حدیث کی طرف سے اُن کے دل مین جو بھڑک تھی وہ بھی ممکن نہ تھا کہ اُنھین نعمانیت اور حنفیت کے دائرے سے باہر نکلنے دیتی۔ لہذا بغیر اس کے کہ غیر مقلدی کا کچھ بھی رنگ بڑھنے پائے وہ بلا واسطہ نعمانی سے معتزلی بننے لگے۔ اور آخر مین اس بات کی

کوشش شروع کی کہ خود حنفیت کو اصلی اعتزال ثابت کرین - اور بخلاف متاخرین حنفیہ کے جو حنفیت کو اشعریت کی طرف کھینچنا چاہتے ہین اُنھون نے اپنی حنفیت کو اشعریت کا سخت دشمن اور فقہ کے پردے مین چھپی ہوئی معتزلیت ثابت کرنا چاہا - جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ انگریزی کے طلبہ تو اُن کی باتون سے خوش ہو ہو کے دینداری و خوش اعتقادی کے دھوکے مین معتزلی ہونے لگے - اور موجودہ علماے حنفیہ کو اُن سے سخت عناد ہو گیا -

اب اس کے ساتھ ہی اُن مین ایک دوسرا تغیر شروع ہوا - اُن کی طبیعت مین باوجود انتہا درجے کے اخلاق کے خودداری کا خیال بہت بڑھا ہوا تھا - سید صاحب کی صحبت - علیگڈھ کالج کی مرجعیت - اور اُن کی ذاتی قابلیت نے اُنھین ابتداءً اس حیثیت سے پبلک مین انٹرڈیوس کرایا کہ سید صاحب کے گروہ کے ایک نامور بزرگ اور اُن کی فوج کے ایک نامی پہلوان ہین - خصوصاً جب وہ سید صاحب کے ہمراہ رکاب حیدرآباد گئے تو مسلمانون مین اس خیال کو اور پختگی حاصل ہو گئی - مگر خود مولانا شبلی کی خودداری اِس حیثیت کو اپنی شان سے بہت کم بلکہ اپنی ذلت اور سُبکی تصور کرتی تھی - اپنی اُن تصنیفون اور نظمون کو تو وہ مٹا نہ سکتے تھے جن مین خود ہی اپنی اِس حیثیت کو آشکارا کر چکے تھے - لیکن اب اس بات کو ناقابل برداشت دیکھ کے علیگڈھ کالج سے علیحدگی اختیار کر کے ندوۃ العلما مین شرکت کی اور سمجھے کہ اِس ذریعہ سے مین علما کا سرتاج اور شیخ الکل بن کے اس درجے پہ پہونچ جاؤن گا جو سید صاحب کے درجے سے بھی مافوق ہے - مین نے اُن کو بارہا اِس خیال سے روکا - اور اُسی زمانے مین کہہ دیا تھا کہ علما جس مین آنے والے نہین ہین - اِن مرعوبین اُمت مین سے ہر ایک پریسیڈنٹ کی حیثیت رکھتا ہے اور جس جماعت مین فقط پریسیڈنٹ ہی پریسیڈنٹ ہون اُس پر آیۂ کریمہ "لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا" پوری پوری صادق آتی ہے - اُن کے بہت سے دوستون نے بھی روکا اور کہا کہ آپ کی ترقی کا میدان علیگڈھ کالج ہی ہے - مگر اُنھون نے نہ مانا - اور نتیجہ یہ ہوا کہ گو اُنھون نے ندوہ کو بیحد فائدہ پہونچایا اور ندوہ کو ندوہ بنا دیا مگر آخر مین ندوہ والے مرعوبین امت ہی کے ہاتھ سے مار کھا گئے - جس کا اُن کے دوستون کو بیحد ملال ہوا - اور خود بھی اپنی اس محنت کے اکارت جانے پر کف افسوس ملتے ہوئے مرے -

دوسری طرف علیگڈھ پارٹی سے علحدہ ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ نئے تعلیم یافتہ

گروہ مین سے بہت سے قابل لوگ اُن کے خلاف ہو گئے - جو ظاہر مین تو اُن سے موافق تھے مگر موقع پاتے ہی اُن پر اعتراض کر جاتے - اُدھر مولانا کے دل مین کچھ ایسی ضد پیدا ہو گئی کہ سید صاحب کا جو درجہ اُن کے قدر شناسون کے دل مین تھا اُس سے انھین گرانا چاہتے - اور بعض صحبتون مین ایسی باتین کہہ جاتے جو لوگون کو اور زیادہ ناگوار گزرتین - ندوہ کا انتظام ہاتھ مین لینے کے زمانے مین اُن کی یہ حالت تھی کہ کالج مین اور مسلمانون کے ساتھ سید صاحب کا جو طرز عمل دیکھ چکے تھے اُسی کو اپنا دستورالعمل قرار دے لیا تھا - اور ساتھ ہی سید صاحب سے اپنی علٰحدگی اور برأت ثابت کرنے کی کوشش کرتے - مگر دراصل یہ وہ باتین تھین جو اُن سے کبھی نباہی نہین -

اسی دوران مین اُنھون نے اور کئی کتابین لکھین - ان کی سب سے زیادہ مقبول کتاب سیرۃ الفاروق علیگڑھ مین شائع ہو چکی تھی - علم الکلام - الکلام - سوانح مولانا روم وہ کتابین ہین جو مسلمانون کے سامنے اعتزال کو نفاست کا لباس پہنا کے پیش کرتی ہین - شاعرانہ مذاق مین تاریخی جستجو کے امتزاج نے اُن سے "موازنۂ دبیر و انیس" اور "شعرالعجم" کو تصنیف کرایا - مگر سب سے اہم تصنیف سیرۃ رسول صلعم ہی جس کو ناتمام چھوڑ کے دنیا سے گئے ہین اُن کی وصیت کے مطابق مولانا حمید الدین صاحب اور مولوی سلیمان صاحب ندوی نے اس کام کو اپنے ہاتھ مین لیا ہے - اور علیا حضرت بیگم صاحبۂ بھوپال نے آخر تک مربی گری کرنے کا وعدہ فرمایا ہی - کوشش ہو رہی ہی کہ یہ کام بہت جلد پورا ہو اور ہمین امید ہی کہ یہ مولانا کی اعلیٰ ترین اور مفید ترین تصنیف ثابت ہو گی -

مولانا کا اہم کام رسالۂ "الندوہ" تھا جس نے مسلمانون کے لیے بہت سا محققانہ تاریخی سامان فراہم کر دیا - اور اس کے سلسلہ مین مولانا نے بڑے بڑے اہم مسائل مین تحقیق و تدقیق سے کام لیا ہے - قیام قسطنطنیہ کے زمانے مین اُنھین عثمان پاشا مرحوم کی سفارش سے سلطان المعظم نے تمغۂ مجیدیہ عطا کیا - اور گورنمنٹ سے اُن کو شمس العلما کا خطاب عطا ہوا جو چیزین خان بہادرون کے نزدیک چاہے کیسی ہی اہمیت رکھتی ہون ہمارے نزدیک چندان قابل لحاظ نہین -

نرخ نامۂ اجرت اشتہار

آپ کو غالبًا معلوم ہوگا کہ دلگداز کی اشاعت دو ہزار سے زیادہ ہی اور ایک مشہور اور مستند رسالہ ہونے کی وجہ سے تمام خریدار اُس کے پرچون اور اُسکی جلدونکو محفوظ رکھتے ہین۔ اور اشتہارات کے لیے اشاعت کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہین ہو سکتا۔ عام اخبارات پر صرف ایک دفعہ اشاعت کے وقت لوگونکی نظر پڑتی ہی اور دلگداز کے اشتہارون پر سالہا سال تک ہمیشہ نظرین پڑتی رہتی ہین۔ مجھے یقین ہی کہ دلگداز مین اشتہارات کو شائع کرا کے آپ جو فائدہ اُٹھا سکتے ہین اور کسیطرح ممکن نہین۔ اِس سے پہلے دلگداز مین اشاعت اشتہارات کیطرف بہت کم توجہ کیگئی۔ لیکن اب خاص اہتمام کیا گیا ہی۔ دلگداز کی قیمت اسقدر کم ہی کہ قطعی امید ہی کہ سال کے اندر اندر اس کی اشاعت چار یا پنج ہزار ہو جائیگی۔ ڈیڑھ روپیہ سالانہ چندہ مع محصولڈاک، اور پھر ختم سال پر ایک نیا ناول مفت اس صورت مین کون خریداری نہ کرے گا۔

نرخ نامہ حسب ذیل ہے

قسم کاغذ	مدت اشتہار	ایک صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
معمولی اشتہار	سالانہ	صہ ۵۰؍	مہ ۲۵؍	عہ ۱۵؍
〃	چھ ماہ	سہ ۳۰؍	عہ ۲۰؍	مہ ۹؍
〃	تین ماہ	عہ ۱۲؍	مہ ۹؍	عہ ۱۰؍
〃	ایک مرتبہ	عہ ۱۰؍	سہ؍	للعہ؍

دلگداز پریس

عمدہ اور اعلی درجہ کی چھپائی اور پھر اسکا وقت پر ملجانا غیر ممکنات مین سے تصور کیا گیا ہی۔ اس کمی کو دیکھ کے دلگداز پریس نے چھپائی کا نہایت اعلی درجہ کا انتظام کیا ہی۔ اور اس اہتمام کیساتھ کہ جس تاریخ کتاب کے مکمل چھاپ دینے کا وعدہ کیا جائی اُسی تاریخ دیدی جائے اس مطبع کو خاص فوقیت یہ بھی حاصل ہی کہ مولنا محمد عبد الحلیم صاحب شرر سے اصلاح و مشورے اور تصحیح و ترمیم مین مدد ملسکتی ہی۔ جن صاحبون کو اپنی کتابین عمدہ اور جلد چھپوانا ہون فورًا اطلاع دین۔ مگر خیال رہے کہ ضرور اعلی درجہ کی چھپائی ہوتی ہی۔ چھپائی کا نرخ مراسلت سے طے ہو سکتا ہی کیونکہ اسکا دار و مدار زیادہ تر کاغذ اور لکھائی کی نوعیت ہے۔

المشتہر منیجر دلگداز۔ کٹرہ بزن بیگخان

(لکھنؤ)